(ادعیۂ امام رابع مولانا السجاد زین العابدین علی ابن الحسین علیہ السلام)
صحیفۂ کاملہ
ترجمہ و حواشی
علامہ مفتی جعفر حسین اعلی اللہ مقامہ
مرکز افکار اسلامی

فہرست مطالب

اَلصَّحِیْفَةُ الْكَامِلَةُ السَّجَّادِیَّةُ

مِمَّا اُلۡحِقَ بِبَعۡضِ نُسَخِ الصَّحِیۡفَۃِ

یہ وہ دُعائیں ہیں جو صحیفہ کاملہ کے بعض نسخوں میں درج کی گئی ہیں

وَ مِنْ دُعَآئِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ فِی الْاَیَّامِ السَّبْعَۃِ

ہفتہ کے سات دنوں میں پڑھنے کی دُعائیں

☆☆☆☆☆

پیش گفتار

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ، الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الۡاَنۡبِیَآءِ وَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ وَ اٰلِہِ الطَّیِّبِیۡنَ الطَّاھِرِیۡنَ الۡمَعۡصُوۡمِیۡنَ.

اللہ سبحانہ تعالیٰ نے انسان کو ''احسن تقویم'' (بہترین ساخت میں) خلق فرمایا اور لاتعداد نعمات سے نوازا۔ بہت سی نعمات دنیا میں آنے سے پہلے اور لاتعداد نعمات اس کے پیدا ہونے کے بعد اسے عطا کیں۔ یہ نعمات انسان کے مانگنے پر نہیں بلکہ اپنے لطف و کرم سے دیں۔

جب انسان ان نعمات سے مستفید ہو کر کچھ بولنے اور کہنے کے قابل ہوا تو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس سے تعلق قائم کرنے کیلئے پہل کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اُدۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ ؕ﴾

مجھے بلاؤ میں تمہیں جواب دوں گا۔[1]

وہ اللہ کہاں ہے؟ اسے کیسے اور کب بلائیں؟ تو اللہ نے کائنات کی عظیم ترین ہستی سے فرمایا کہ: آپؐ میرے اور میرے بندوں کے درمیان وسیلہ و واسطہ بن جائیں۔ ارشاد رب العزت ہوا:

﴿وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیۡ عَنِّیۡ فَاِنِّیۡ قَرِیۡبٌ ؕ اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ﴾

اور جب میرے بندے آپؐ سے میرے بارے میں پوچھیں تو انہیں بتلا دیں کہ بلاشبہ میں ان کے قریب ہوں اور جب بھی کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اسے جواب دیتا ہوں۔[2]

اور بندوں سے بھی ایک تقاضا کیا کہ:

﴿فَلۡیَسۡتَجِیۡبُوۡا لِیۡ وَلۡیُؤۡمِنُوۡا بِیۡ﴾

ان کا بھی حق بنتا ہے کہ وہ میری آواز پر لبیک کہیں اور مجھ پر یقین رکھیں۔[3]

پروردگارا! تو اتنا عظیم! میں اتنا حقیر! تجھے کیسے بلاؤں؟ فرمائے گا: میں خود تجھے بتاتا ہوں اور درجنوں بول بتائے جو قرآنی دُعائیں کہلائیں۔

---

[1] سورۂ مومن (غافر)، آیت ۶۰۔

[2] سورۂ بقرہ، آیت ۱۸۶۔

[3] سورۂ بقرہ، آیت ۱۸۶۔

مثلاً فرمایا یہ کہو:

﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾﴾

کہو: اے اللہ! سلطنت کے مالک! جسے تو چاہتا ہے سلطنت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے سلطنت سلب کر لیتا ہے اور جسے تو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے تو چاہتا ہے ذلت نصیب کرتا ہے، ساری اچھائیاں تیرے ہاتھ میں ہیں، بیشک تو ہر شے پر قادر ہے۔[۱]

کبھی رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا: یوں کہو:

﴿فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾﴾

تو کہیے کہ: اللہ میرے لئے کافی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اسی پر میرا بھروسا ہے اور وہ عظیم المرتبت عرش کا مالک ہے۔[۲]

کبھی آدمؑ کی ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا﴾[۳] کی صدائیں، کبھی ﴿وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ﴾[۴] کی ندائیں، کہیں اپنے خلیلؑ کی دُعائیں، کہیں کلیمؑ کی مناجاتیں، کبھی یعقوبؑ کی تمنا، کبھی صابر ایوبؑ کی فریاد، کبھی یوسفؑ کی حاجات، کبھی سلیمانؑ کی فرمائشات، کبھی زکریاؑ کی طلب، کبھی عیسیٰؑ روح اللہ کی سرگوشیاں، کبھی مریمؑ کی آہیں، کبھی آسیہؑ کی حسرتیں اور کبھی سب اطراف سے کٹ کر تاریکیوں میں ڈوبے یونس کے آہ و نالہ کو آیت بنا کر مانگنے کا طریقہ تعلیم کیا اور ساتھ فرمایا: ہم ہر مومن کی اسی طرح سنتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد قدرت ہوا:

﴿وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾﴾

تو ان تاریکیوں میں انہوں (مچھلی والے) نے آواز دی کہ کوئی معبود نہیں تیرے سوا۔ پاک ہے تیری ذات۔ بلاشبہہ میں ظالموں میں سے تھا، تو ہم نے ان کی دُعا قبول کی اور انہیں اس رنج و غم سے چھٹکارا دیا اور اسی طرح ایمان لانے والوں کو ہم چھٹکارا دیتے ہیں۔[۵]

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ پر قرآن مکمل ہوگیا تو قرآن کے اندازِ بیان کے مطابق اللہ کو پکارنے کا سلسلہ اللہ والوں کے ہاں جاری رہا۔ اہل بیت علیہم السلام سے جب دُعا کی بات آئے تو فوراً سیّد الساجدین زین العابدین علی بن الحسین علیہما السلام کی دعاؤں کا مجموعہ ذہن میں آتا ہے جو آپؑ نے اپنے بیٹوں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور جناب زید شہیدؒ کو لکھوایا اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام بھی اسے سن رہے تھے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے

---

[۱] سورۂ آل عمران، آیت ۲۶۔

[۲] سورۂ توبہ، آیت ۱۲۹۔

[۳] سورۂ اعراف، آیت ۲۳۔

[۴] سورۂ ہود، آیت ۴۵۔

[۵] سورۂ انبیاء، آیت ۸۷-۸۸۔

اسے ''صحیفۂ کاملہ'' کا نام دیا۔ چنانچہ اسی صحیفہ کی اسناد کے راوی متوکل بیان کرتے ہیں:

وَ اَخْرَجْتُ لَهٗ دُعَآءً اَمْلَاهُ عَلَیَّ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَ حَدَّثَنِیْ اَنَّ اَبَاهُ مُحَمَّدَ بْنَ عَلِیٍّ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ اَمْلَاهُ عَلَيْهِ، وَ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ مِنْ دُعَآءِ اَبِيْهِ عَلِیِّ بْنِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ، مِنْ دُعَآءِ الصَّحِيْفَةِ الْكَامِلَةِ...

اور میں جناب یحییٰ کو ایک دُعا بھی دکھائی جو حضرت (امام جعفر صادقؑ) نے مجھے لکھوائی تھی اور فرمایا تھا کہ: یہ میرے والد بزرگوار محمد ابن علی علیہما السلام نے مجھے لکھوائی تھی اور فرمایا تھا کہ: یہ دُعا میرے والد علی ابن الحسین علیہما السلام کی ادعیہ ''صحیفہ کاملہ'' میں سے ہے۔۔۔[1]

''صحیفۂ کاملہ'' کی عظمت و اہمیت

یہاں صحیفہ کاملہ کی تاریخ اور اہمیت کی تفصیل بیان کرنے کی گنجائش نہیں۔ اس کیلئے صحیفہ کی سات جلدوں پر مبنی عربی زبان میں دقیق شرح کے مصنف علامہ سید علی خان کے ایک جملہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

وَ اعْلَمْ اَنَّ هٰذِهِ الصَّحِيْفَةَ الشَّرِيْفَةَ عَلَيْهَا مَسْحَةٌ مِّنَ الْعِلْمِ الْاِلٰهِیِّ وَ فِيْهَا عَبَقَةٌ مِّنَ الْكَلَامِ النَّبَوِیِّ.

واضح ہو کہ اس عظیم الشان صحیفہ پر علم الٰہی کی چھاپ اور اس میں کلام نبویؐ کی خوشگوار خوشبو ہے۔[2]

یہ وہی الفاظ ہیں جو علامہ سید رضیؒ نے اپنے مقدمہ میں نہج البلاغہ کیلئے کہے ہیں۔

علمائے اہلسنت میں سے امام غزالی نے صحیفۂ کاملہ کو ''زبورِ آل محمدؑ'' و ''انجیل اہل بیتؑ'' کا نام دیا ہے۔[3]

سلیمان قندوزی نے ''صحیفۂ کاملہ'' کو ''زبورِ اہل بیتؑ'' کے نام سے یاد کیا ہے۔[4]

علامہ شہاب الدین شافی نے ''صحیفہ کاملہ'' کو حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام کے جانشین رسولؐ ہونے کی دلیل قرار دیا۔[5]

مفتی صاحب مرحوم نے اس دور کے اہل سنت علماء میں سے تین شہرہ آفاق علماء کے چار مضامین علامہ سید علی نقی نقن صاحب کے حوالے سے ''صحیفہ سجادیہ کی بے مثال عظمت پر علمائے مصر کے محققانہ تبصرے'' کے عنوان کے تحت درج کئے ہیں۔ ان میں سے دو مضمون علامہ طنطاوی جوہری مصری کے، ایک پروفیسر استاد محمد کامل حسین اور ایک احمد محمد جمعہ ابیوتی کا ہے۔

صحیفہ کا ایک ترجمہ انگریزی میں ہوا تو اسے دیکھنے کے بعد ہندو فلسفے کے مشہور استاد پروفیسر ڈاکٹر راناڈے نے ''صحیفہ کاملہ'' کی عظمت کا اعتراف

---

[1] صحیفہ کاملہ، اسناد صحیفہ، ص ۱۰۱۔

[2] ریاض السالکین، ج ۱، ص ۵۱۔

[3] ترجمہ صحیفہ کاملہ سید علی، مقالہ مولانا سبط حسن ہنسوی، مطبوعہ نظامی پریس لکھنو ص ۱۶۔

[4] ینابیع المودۃ، ص ۴۹۹، مطبوعہ قسطنطنیہ، ۱۳۰۳ھ۔

[5] ذخیرۃ المآل، ص ۸۹۔

کیا تھا اور اس کا ان پر اتنا اثر ہوا تھا کہ ''الٰہ آباد یونیورسٹی'' کے شعبہ فلسفہ میں اسلامک فلاسفی کو جگہ دی۔[1]

جن کتب میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے حالات میں آپؑ کی دُعاؤں کا تذکرہ ہوا ان میں سے ''نورالابصار'' امام شبلنجی اور محمد ابن طلحہ کی ''مطالب السئول'' اور ''اسعاف الراغبین'' شامل ہیں۔[2]

ابن جوزی کے قول کو تو خود مفتی جعفر حسینؒ نے اپنے مقدمہ میں ذکر کیا ہے۔[3]

بحارالانوار ج ۹۲ ص ۲۲۹ میں مہج الدعوات کے حوالہ سے لکھا ہے:

راوی نے حضرت امام علی نقی علیہ السلام کو خط لکھ کر اپنی شدید مشکلات بیان کیں اور دُعا کی درخواست کی۔ آپؑ نے جواب میں لکھا: کوئی خوف و پریشانی نہ کرو، ان کلمات سے اللہ کو پکارو، اللہ تمہیں مشکل سے نجات عطا فرمائے گا اور تمہاری مشکل حل فرمائے گا۔ آل محمد بڑی بڑی مشکلوں، دشمنوں کی دشمنیوں، فقر کے ڈر اور دل تنگی کے مواقع پر اللہ کو ان کلمات سے پکارتے تھے۔ راوی کہتے ہیں: میں نے صبح کے وقت یہ کلمات پڑھے تو دن کو میری مشکل حل ہوگئی اور وہ کلمات صحیفہ کاملہ کی دُعا نمبر سات تھی۔

''صحیفۂ کاملہ''، علوم و معارف کا عظیم خزانہ

''صحیفہ کاملہ'' فقط دُعاؤں کی کتاب نہیں، بلکہ یہ علم و معارف کا عظیم خزانہ ہے۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے بنو امیہ کی حکومت کے عروج کے دور میں تعلیماتِ محمد و آل محمدؑ کو عام کرنے کا ذریعہ دُعاؤں کو بنایا۔ جہاں یہ دُعائیں اللہ کو پکارنے کا ذریعہ ہیں وہاں ان میں معرفت خدا، توحید و عدل کی ابحاث، نبوت و امامت کی عظمت، معاد کی ضرورت، تہذیب اخلاق اور سیاست مدنی سمیت ہر شے موجود ہے۔

''صحیفہ کاملہ'' کی دُعاؤں کو صرف مخصوص اوقات و ایام جیسے شبِ قدر اور روزِ عرفہ ہی کو نہیں بلکہ اسے ایک علمی اور عملی دستور کے حساب سے پڑھنا چاہئے۔ اس میں مندرج دُعائیں تعلیماتِ اسلامی کی روح ہیں۔ مثلاً دُعائے مکارم الاخلاق میں اعلیٰ اخلاقی اقدار کا بیان ہے، بائیسویں دُعا میں معیشت کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے، دُعا نمبر ۲۷ امام علیہ السلام نے سرحدوں کی نگہبانی کرنے والوں کیلئے ارشاد فرمائی جس میں دُعائیہ زبان میں فنونِ حرب و ضرب کی تعلیم ہے اور وقت کے حکمرانوں کی طاقت کے بجائے اللہ کی قوت و قدرت پر بھروسا کرنے جیسے درس دیئے گئے ہیں۔ الغرض امام علیہ السلام نے ان دُعاؤں سے انسانی اذہان کی تطہیر اور امت کی کردار سازی کا عظیم کام انجام دیا ہے۔

مرحوم نسیم امروہوی مترجم صحیفہ کاملہ نے اپنے مقدمہ میں صحیفہ کاملہ کی دُعاؤں میں بیان ہونے والی علمی و فکری ابحاث کے بارے میں قدرے تفصیل سے بات کی ہے۔ انہوں نے ایک عنوان قائم کیا: ''محمدؐ کے جانشینوں کی حیرت انگیز علمی فتوحات''۔ وہ اپنے اس مقدمے میں لکھتے ہیں:

جس طرح نہج البلاغہ قرآن پاک کے بعد ملت اسلامیہ کی روحانی تطہیر اور عقلی تنویر کا ذریعہ رہی ہے، بالکل اسی طرح صحیفہ کاملہ

---

[1] ترجمہ صحیفہ کاملہ سید علی، مقالہ مولانا سبط حسن ہنسوی، ص ۱۸۔

[2] ترجمہ صحیفہ کاملہ سید علی، مقالہ مولانا نجم الحسن کراروی، ص ۱۱۔

[3] ملاحظہ فرمائیں ص ۳۰۔

بھی صدیوں سے عرفان الٰہی، معرفتِ بشر، تزکیۂ نفس، تعلق باللہ اور تلقین و تعلیم اُمت کا ایک مہتم بالشان وسیلہ ثابت ہوا۔[1]

ایک اور مقام پر یوں رقمطراز ہیں:

امام علیہ السلام کی یہ دُعائیں حقیقت میں ایک پر درد دل سے نکلی ہوئی تعلیمات ہیں جو امت کے بگڑے ہوئے عقائد اور پائمال نظریات کا علاج ہیں۔ یہ ادعیہ اس درد کا نتیجہ ہیں جو آپؑ بھٹکتی ہوئی امت کی اصلاح کیلئے اپنے دل میں رکھتے تھے۔[2]

صحیفہ کاملہ میں جہاں عقائد و اخلاقیات کی دقیق ابحاث امامؑ نے ان دعاؤں میں تعلیم فرمائیں، وہیں یہ کتاب عربی ادبیات کیلئے بھی ایک خزانہ ہے۔ کاش مدارسِ دینیہ میں قرآن کے ساتھ نہج البلاغہ اور صحیفہ کاملہ جیسے ان علمی خزانوں کو نصاب کے طور پر پڑھایا جاتا تو تعلیم الٰہی بھی حاصل ہوتی اور ادبیات کی ضرورت بھی پوری ہوتی۔

صحیفہ کاملہ میں اہل بیتؑ پر درود کی کثرت

بنو امیہ کا وہ دور جب ظلم کی طاقت سے فضائل اہل بیتؑ کو مٹانے کی کوشش ہو رہی تھی، امامؑ نے دُعا کے ذریعہ خانوادۂ رسولؐ کے فضائل پھیلانے کا طریقہ اپنایا۔ صحیفہ میں موجود تعلیمات سے ان معلمانِ الٰہی کا مقام اور اللہ سے تعلق واضح ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ خاص کر آیت صلوات ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓىِٕكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴿۵۶﴾﴾[3] جو اہل بیت علیہم السلام کی عظمت کا واضح ثبوت ہے اور امام علیہ السلام صحیفہ میں درجنوں بار صلوات کے ذکر کے ذریعہ اس فضیلت کو دہراتے ہیں۔ صلوات ایک عظیم فضیلت بھی ہے اور دُعا کی قبولیت کا وسیلہ بھی۔ اہل بیت اطہار علیہم السلام پر صلوات کی عظمت کے سلسلے میں امام شافعی نے کیا خوب فرمایا:

يَآ اَهْلَ بَيْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ حُبُّكُمْ فَرْضٌ مِّنَ اللّٰهِ فِي الْقُرْآنِ اَنْزَلَهٗ
كَفَاكُمْ مِنْ عَظِيْمِ الْقَدْرِ اَنَّكُمْ مَنْ لَّمْ يُصَلِّ عَلَيْكُمْ لَا صَلٰوةَ لَهٗ

''اے اہلبیتؑ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپؑ کی محبت اللہ کی طرف سے قرآن میں واجب قرار دی گئی ہے۔ آپؑ کے مقام کی عظمت اور بزرگی کیلئے اتنا کافی ہے کہ جو شخص نماز میں آپؑ پر درود نہ بھیجے اس کی نماز ہی نہیں ہوتی''۔[4]

درود کے وسیلۂ قبولیت ہونے کے سلسلے میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں:

اِذَا كَانَتْ لَكَ اِلَى اللهِ سُبْحَانَهٗ حَاجَةٌ فَابْدَاْ بِمَسْئَلَةِ الصَّلٰوةِ عَلَى رَسُوْلِهٖ ﷺ، ثُمَّ سَلْ حَاجَتَكَ، فَاِنَّ اللهَ اَكْرَمُ مِنْ اَنْ يُّسْئَلَ حَاجَتَيْنِ، فَيَقْضِىَ اِحْدَاهُمَا وَ يَمْنَعَ الْاُخْرٰى.

جب اللہ تعالیٰ سے کوئی حاجت طلب کرو، تو پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجو پھر اپنی حاجت مانگو، کیونکہ خداوند عالم اس سے

---

[1] ترجمہ صحیفہ کاملہ، نسیم امروہوی، ص ۱۷۔
[2] ترجمہ صحیفہ کاملہ، نسیم امروہوی، ص ۳۳۔
[3] سورۂ احزاب، آیت ۵۶۔
[4] نہج الحق و کشف الصدق، ص ۱۸۸۔

بلند تر ہے کہ اس سے دو حاجتیں طلب کی جائیں اور وہ ایک پوری کر دے اور ایک روک لے۔[1]

صحیفہ کی اکثر دُعاؤں میں امام علیہ السلام نے پانچ چھ بار صلوات پڑھی اور ایک چھوٹی سی دُعا نمبر ۵ میں پندرہ مرتبہ صلوات پڑھی۔ پھر دُعائے مکارم الاخلاق میں بیس مرتبہ صلوات پڑھی۔ اگر کوئی محقق صحیفۂ کاملہ سے فضائل اہل بیتؑ کو تلاش کرنا چاہے تو مکمل کتاب بن سکتی ہے۔

دُعائے ختم القرآن میں ۱۲ دفعہ صلوٰۃ پڑھی اور اس میں ایک مقام پر یوں ارشاد فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ اَنْزَلْتَهٗ عَلٰى نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ مُجْمَلًا، وَ اَلْهَمْتَهٗ عِلْمَ عَجَآئِبِهٖ مُكَمَّلًا، وَ وَرَّثْتَنَا عِلْمَهٗ مُفَسَّرًا، وَ فَضَّلْتَنَا عَلٰى مَنْ جَهِلَ عِلْمَهٗ، وَ قَوَّيْتَنَا عَلَيْهِ لِتَرْفَعَنَا فَوْقَ مَنْ لَّمْ يُطِقْ حَمْلَهٗ.

اے اللہ! تو نے قرآن کو اپنے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ پر اجمال کے طور پر اتارا اور اس کے عجائب و اسرار کا پورا پورا علم انہیں القا کیا اور اس کے علم تفصیلی کا ہمیں وارث قرار دیا اور جو اس کا علم نہیں رکھتے ان پر ہمیں فضیلت دی اور اس کے مقتضیات پر عمل کرنے کی قوت بخشی تاکہ جو اس کے حقائق کے متحمل نہیں ہو سکتے ان پر ہماری فوقیت و برتری ثابت کر دے۔

اَللّٰهُمَّ فَكَمَا جَعَلْتَ قُلُوْبَنَا لَهٗ حَمَلَةً، وَ عَرَّفْتَنَا بِرَحْمَتِكَ شَرَفَهٗ وَ فَضْلَهٗ، فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ الْخَطِيْبِ بِهٖ، وَ عَلٰى اٰلِهِ الْخُزَّانِ لَهٗ.

اے اللہ! جس طرح تو نے ہمارے دلوں کو قرآن کا حامل بنایا اور اپنی رحمت سے اس کے فضل و شرف سے آگاہ کیا، یونہی محمد پر جو قرآن کے خطبہ خواں اور ان کی آل پر جو قرآن کے خزینہ دار ہیں رحمت نازل فرما۔[2]

صحیفہ کاملہ کی سب سے طویل دُعائے عرفہ میں گیارہ مرتبہ صلوٰۃ پڑھی اور چند مقامات پر فضائل اہل بیتؑ بیان فرمائے۔ اس دُعا میں ایک مقام پر آپؑ فرماتے ہیں:

رَبِّ صَلِّ عَلٰٓى اَطَايِبِ اَهْلِ بَيْتِهِ الَّذِيْنَ اخْتَرْتَهُمْ لِاَمْرِكَ، وَ جَعَلْتَهُمْ خَزَنَةَ عِلْمِكَ، وَ حَفَظَةَ دِيْنِكَ، وَ خُلَفَآئَكَ فِيْٓ اَرْضِكَ، وَ حُجَجَكَ عَلٰى عِبَادِكَ، وَ طَهَّرْتَهُمْ مِنَ الرِّجْسِ وَ الدَّنَسِ تَطْهِيْرًا بِاِرَادَتِكَ، وَ جَعَلْتَهُمُ الْوَسِيْلَةَ اِلَيْكَ، وَ الْمَسْلَكَ اِلٰى جَنَّتِكَ.

پروردگار! ان کے اہل بیت اطہار علیہم السلام پر رحمت نازل فرما جنہیں تو نے امر (دین و شریعت) کیلئے منتخب فرمایا، اپنے علم کا خزینہ دار اور اپنے دین کا محافظ اور زمین میں اپنا خلیفہ و جانشین اور بندوں پر اپنی حجت بنایا اور جنہیں اپنے ارادہ (ازلی) سے ہر قسم کی نجاست و آلودگی سے پاک و صاف رکھا اور جنہیں اپنے تک پہنچنے کا وسیلہ اور جنت تک آنے کا راستہ قرار دیا ہے۔[3]

---

[1] نہج البلاغہ، حکمت نمبر ۳۶۱۔

[2] صحیفۂ کاملہ، دُعا نمبر ۴۲ ''دُعائے ختم القرآن'' ص ۳۶۵۔

[3] ملاحظہ فرمائیں: صحیفہ کاملہ، دُعا نمبر ۴۷ ''دُعائے روز عرفہ'' ص ۴۱۷-۴۱۹۔

اسی دُعا میں امامت کی عظمت کو بیان فرمایا اور یہ انداز امام سجاد علیہ السلام ہی کا ہے کہ دُعائیہ انداز میں ارشاد فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ اَيَّدْتَّ دِيْنَكَ فِيْ كُلِّ اَوَانٍ بِاِمَامٍ اَقَمْتَهٗ عَلَمًا لِّعِبَادِكَ، وَ مَنَارًا فِيْ بِلَادِكَ بَعْدَ اَنْ وَّصَلْتَ حَبْلَهٗ بِحَبْلِكَ، وَ جَعَلْتَهُ الذَّرِيْعَةَ اِلٰى رِضْوَانِكَ، وَ افْتَرَضْتَ طَاعَتَهٗ، وَ حَذَّرْتَ مَعْصِيَتَهٗ، وَ اَمَرْتَ بِامْتِثَالِ اَوَامِرِهٖ، وَ الِانْتِهَآءِ عِنْدَ نَهْيِهٖ، وَ اَلَّا يَتَقَدَّمَهٗ مُتَقَدِّمٌ، وَ لَا يَتَاَخَّرَ عَنْهُ مُتَاَخِّرٌ، فَهُوَ عِصْمَةُ اللَّآئِذِيْنَ، وَ كَهْفُ الْمُؤْمِنِيْنَ، وَ عُرْوَةُ الْمُتَمَسِّكِيْنَ، وَ بَهَآءُ الْعٰلَمِيْنَ.

بارالٰہا! تو نے ہر زمانہ میں ایک ایسے امام کے ذریعہ اپنے دین کی تائید فرمائی ہے جسے تو نے اپنے بندوں کیلئے نشان راہ قرار دیا اور شہروں میں منار ہدایت بنا کر قائم کیا جبکہ تو نے اپنے پیمان اطاعت کو اس کے پیمان اطاعت سے وابستہ کر دیا جسے اپنی رضا و خوشنودی کا ذریعہ قرار دیا جس کی اطاعت فرض کر دی۔ جس کی نافرمانی سے ڈرایا جس کے احکام کی بجا آوری اور جس کے منع کرنے پر باز رہنے کا حکم دیا اور یہ کہ کوئی آگے بڑھنے والا اس سے آگے نہ بڑھے اور کوئی پیچھے رہ جانے والا اس سے پیچھے نہ رہے۔ وہ پناہ طلب کرنے والوں کیلئے سروسامان حفاظت، اہل ایمان کیلئے جائے پناہ، وابستگان دامن کیلئے مضبوط سہارا اور تمام جہان کی رونق و زیبائش ہے۔[1]

اسی دُعا میں اہل بیت علیہم السلام کے محبین کی عظمت کو اس پیرائے میں بیان فرمایا:

اَللّٰهُمَّ وَ صَلِّ عَلٰٓى اَوْلِيَآئِهِمُ الْمُعْتَرِفِيْنَ بِمَقَامِهِمُ، الْمُتَّبِعِيْنَ مَنْهَجَهُمُ، الْمُقْتَفِيْنَ اٰثَارَهُمُ، الْمُسْتَمْسِكِيْنَ بِعُرْوَتِهِمُ، الْمُتَمَسِّكِيْنَ بِوِلَايَتِهِمُ، الْمُؤْتَمِّيْنَ بِاِمَامَتِهِمُ، الْمُسَلِّمِيْنَ لِاَمْرِهِمُ، الْمُجْتَهِدِيْنَ فِيْ طَاعَتِهِمُ، الْمُنْتَظِرِيْنَ اَيَّامَهُمُ، الْمَادِّيْنَ اِلَيْهِمْ اَعْيُنَهُمُ، الصَّلَوَاتِ الْمُبَارَكَاتِ، الزَّاكِيَاتِ النَّامِيَاتِ، الْغَادِيَاتِ الرَّآئِحَاتِ. وَ سَلِّمْ عَلَيْهِمْ وَ عَلٰٓى اَرْوَاحِهِمْ، وَ اجْمَعْ عَلَى التَّقْوٰى اَمْرَهُمْ، وَ اَصْلِحْ لَهُمْ شُؤُوْنَهُمْ، وَ تُبْ عَلَيْهِمْ، اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ، وَ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ، وَ اجْعَلْنَا مَعَهُمْ فِيْ دَارِ السَّلَامِ بِرَحْمَتِكَ يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.

اے اللہ ان کے چاہنے والوں پر بھی رحمت نازل فرما جو ان کے مرتبہ و مقام کے معترف، ان کے طریق و مسلک کے تابع، ان کے نقش قدم پر گامزن، ان کے سر رشتہ دین سے وابستہ، ان کی دوستی وولا یت سے متمسک، ان کی امامت کے پیرو، ان کے احکام کے فرمانبردار، ان کی اطاعت میں سرگرم عمل، ان کے زمانہ اقتدار کے منتظر اور ان کیلئے چشم براہ ہیں۔ ایسی رحمت جو بابرکت، پاکیزہ اور بڑھنے والی اور ہر صبح و شام نازل ہونے والی ہو اور ان پر اور ان کے ارواح (طیبہ) پر سلامتی نازل فرما اور ان کے کاموں کو صلاح و تقویٰ کی بنیادوں پر قائم کر اور ان کے حالات کی اصلاح فرما اور ان کی توبہ قبول فرما بیشک تو توبہ قبول کرنے والا، رحم کرنے والا اور سب سے بہتر بخشنے والا ہے اور ہمیں اپنی رحمت کے وسیلہ سے ان کے ساتھ

[1] صحیفہ کاملہ، دعا نمبر ۴۷ ''دُعائے روز عرفہ'' ص ۴۲۰۔

دارالسلام (جنت) میں جگہ دے۔ اے سب رحیموں سے زیادہ رحیم۔[1]

پھر ملحقات صحیفہ کی دُعا نمبر ۴ پوری کی پوری اہل بیت اطہار علیہم السلام کے فضائل پر مشتمل ہے۔[2]

آپؑ نے دعائیہ انداز میں اہل بیت رسول علیہم السلام کے دشمنوں کے زہریلے پراپیگنڈے کا انتہائی مؤثر جواب دیا۔

جناب نسیم امروہوی مرحوم لکھتے ہیں:

دشمن کی طرف سے کبھی تیغ زبان اور کبھی زبان تیغ استعمال ہوئی کہ عترتِ رسولؐ کے مقام کو خاک میں ملا دیا جائے، مگر سیّد سجاد علیہ السلام نے دُعا کا اسلحہ استعمال کر کے دونوں ہتھیاروں کو کند کر کے رکھ دیا۔[3]

صحیفۂ کاملہ کی شروحات وتراجم

صحیفۂ کاملہ پر علماء نے کئی کئی جلدوں کی شرحیں لکھی ہیں جن میں سے چند کا تذکرہ مفتی صاحب نے مقدمہ میں کیا ہے۔ کئی علماء نے الگ سے دُعائے مکارم الاخلاق پر شرحیں لکھی ہیں۔ صحیفہ کاملہ ۵۴ دُعاؤں پر مشتمل ہے جبکہ زیرِ نظر نسخے میں مفتی صاحب نے ملحقات میں سات دُعائیں اور ایامِ ہفتہ کی دُعاؤں کو بھی شامل فرمایا ہے۔ یوں اس نسخہ میں درج حضرتؑ کی دُعاؤں کی کل تعداد ۶۸ بنتی ہے۔

علامہ ناصر الملۃ اور علامہ شہاب الدین جیسے بزرگان نے اس کتاب کو پھیلانے اور اس کی تعلیمات سے استفادہ پر بہت زور دیا اور اس سلسلے میں کئی عملی اقدام بھی کئے۔

صحیفہ کاملہ کے علاوہ امام سجاد علیہ السلام کی دُعاؤں پر مبنی پانچ اور کتابیں صحیفہ دوم وسوم وغیرہ کے نام سے شائع ہو چکی ہیں۔

اردو میں سب سے پہلے مرحوم سیّد محمد ہارون زنگی پوری نے ترجمہ کیا، پھر سیّد علی کا ترجمہ شائع ہوا، سیّد مرتضیٰ حسین صدر الافاضل نے بیس منتخب دُعاؤں کا ترجمہ کیا، مرحوم سیّد قائم رضا نسیم امروہوی نے ۱۹۶۰ء میں ترجمہ کیا اور علامہ مفتی جعفر حسین رحمۃ اللہ علیہ نے سیّد العلماء علامہ سیّد علی نقیؒ کی فرمائش پر اس کا ترجمہ کیا اور ان کے بعد علامہ سیّد ذیشان حیدر جوادی اور مولانا سیّد جاوید جعفری کے تراجم بھی شائع ہو چکے ہیں۔

علامہ مفتی جعفر حسین رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ کے ساتھ دُعاؤں پر بڑا محققانہ حاشیہ لکھا ہے۔ ان حواشی کی عظمت و رفعت کا اندازہ اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ کراچی سے چھپنے والے سیّد علی کے ترجمہ اور انصاریان قم سے شائع ہونے والے علامہ ذیشان حیدر جوادی کے ترجمہ کے ساتھ مفتی صاحب کے حاشیہ کو درج کیا گیا۔

''زبورِ آلِ محمدؐ'' کے نام سے مولانا ڈاکٹر غلام حسین عدیل صحیفہ کی شرح لکھنے میں مشغول ہیں جس کی تین جلدیں زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر مارکیٹ میں موجود ہیں اور باقی پر تیزی سے کام جاری ہے۔ یہ شرح ان شاء اللہ اردو دان طبقہ کیلئے صحیفہ کو سمجھنے کیلئے بہترین معاون ہوگی۔

---

[1] صحیفہ کاملہ، دعا نمبر ۴۷، ''دُعائے روزِ عرفہ''، ص ۴۲۱۔

[2] صحیفہ کاملہ، ملحقات، دُعا نمبر ۴، ص ۴۹۶۔

[3] ترجمہ صحیفہ کاملہ، نسیم امروہوی، ص ۶۴۔

اس ایڈیشن کی خصوصیات

علامہ مفتی جعفر حسینؒ کے نہج البلاغہ اور صحیفہ کے ترجمہ کو اردو کی علمی و ادبی دنیا میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ اس اہمیت کے پیش نظر ''مرکز افکار اسلامی'' نے مفتی صاحب کے نہج البلاغہ کے ترجمہ کو مکمل تحقیق کے بعد عربی و اردو کے جدید فونٹ میں شاندار کاغذ و جلد کے ساتھ شائع کیا تو علم دوست حلقوں سے یہ آواز سنائی دی کہ ''صحیفۂ کاملہ'' کو بھی اسی انداز سے پیش کیا جائے۔ مومنین کی اس تجویز کو مدنظر رکھتے ہوئے صحیفہ بھی اسی انداز سے پیش کیا جا رہا ہے۔

مفتی صاحب نے صحیفہ کا ترجمہ ۱۳۷۹ ہجری میں مکمل کیا جسے پہلی بار ''ادارہ علمیہ پاکستان لاہور'' نے شائع کیا۔ اس اشاعت میں عربی کتابت کی بہت غلطیاں تھیں۔ دوسری اشاعت مفتی صاحب نے ''امامیہ کتب خانہ لاہور'' سے کرائی، مگر کتابت کی غلطیوں کو بہتر نہ کیا جا سکا۔ پھر ''امامیہ پبلیکیشنز'' نے اس ترجمے کو بڑے اہتمام سے شائع کرایا مگر اس میں بھی کتابت کی مکمل اصلاح نہ ہو سکی اور اکثر غلطیاں اپنی جگہ باقی رہیں۔

- مرکز افکار اسلامی کی طرف سے یہ کام شروع کیا گیا تو سب سے پہلے صحیفہ کے پہلے ایڈیشن کی تلاش شروع کی جو جامعہ محمدیہ سرگودھا سے تشکر کے ساتھ حاصل ہوا۔ پھر اس نسخہ کو تلاش کیا گیا جس سے مفتی صاحب نے عربی کتابت کرائی تو کافی تحقیق کے بعد عربی عبارتوں سے یہ بات سامنے آئی کہ مفتی صاحب نے سید علی خان کی شرح ''ریاض السالکین'' کے نسخہ سے کتابت کرائی۔ ریاض السالکین میں ۵۴ دُعائیں ہیں ان سے عربی کی تطبیق و تصحیح کی گئی۔ چند مقامات پر دفتر نشر الہادی قم، جامعہ مدرسین قم اور مرحوم فیض الاسلام کے نسخے سے بھی استفادہ کیا گیا۔ ان نسخوں میں کسی میں بھی ملحقات و ایام ہفتہ کی دُعائیں نہیں ہیں۔ اس لئے صحیفہ کے اس حصہ کو حرم جناب عباسؑ سے علامہ شہید باقر الصدر کے مقدمہ کے ساتھ شائع ہونے والے اور مجمع جہانی اہلبیتؑ کی طرف سے شائع ہونے والے نسخوں کے ساتھ تطبیق کیا گیا۔ عربی عبارتوں کی تصحیح کے وقت مفتی صاحب کے ترجمہ کو مدنظر رکھا گیا کہ انہوں نے کس لفظ کو سامنے رکھ کر ترجمہ کیا۔
- مفتی صاحب کے ترجمہ کے اب تک موجودہ نسخوں میں عبارتوں میں کوئی پیرا گراف یا جملہ بندی نہیں ہوئی تھی۔ مثلاً دُعائے عرفہ کے بیس صفحات ہیں مگر کوئی پیرا گراف نہیں، جبکہ زیر نظر نسخہ میں باریک بینی سے پیرا گراف بنائے گئے۔ عربی اور اردو عبارتوں میں علامات لگا کر جملہ بندی کی گئی تا کہ عبارت کو پڑھنا، سمجھنا اور حفظ کرنا آسان ہو۔
- عربی رسم الخط کیلئے اردو دان طبقہ کے ہاں رائج قرآنی رسم الخط کو استعمال کیا گیا۔ اردو عبارت کیلئے بازار میں موجود بہترین فونٹ استعمال کیا گیا۔ حواشی کی عربی عبارات کی حتی المقدور اصل ماخذ سے تطبیق کی گئی ہے۔ حواشی میں موجود عربی عبارتوں کی اعراب گزاری کی گئی تا کہ عام قاری کو پڑھنے میں آسانی ہو۔
- متن یا حاشیہ میں جہاں قرآنی آیات آئی ہیں انہیں مخصوص علامات کے ذریعہ واضح کیا گیا۔
- حواشی میں موجود آیات کے مکمل حوالہ جات درج کئے گئے ہیں۔
- حواشی میں مفتی صاحب نے جو حوالے درج کئے انہیں بریکٹ میں لکھا گیا ہے اور جو نئے حوالے اضافہ ہوئے انہیں فٹ نوٹ میں درج کیا گیا۔

- فہرست کتاب کو ابتدا میں لا کر سب دُعاؤں کو نمبر دیئے گئے۔
- کتاب کے اندر بھی ہر دُعا کی ابتدا میں نمبر لگائے گئے۔
- پرنٹنگ کے مرحلہ میں کاغذ و جلد اور دیگر چیزوں کا معیار آپ کے سامنے ہے۔

کتاب کو اس مرحلہ تک پہنچانے میں متعدد افراد نے ساتھ دیا ہے۔ پروردگار سب کی سعی کو عبادت شمار فرمائے اور اسے قبول فرمائے۔ خاص کر حجۃ الاسلام و المسلمین جناب مولانا سید ریاض حسین صفوی صاحب نے اور قم کے مرکز افکار اسلامی کے علماء نے جو محنت کی اور جن علماء نے پروف ریڈنگ میں معاونت کی اللہ سبحانہ تعالیٰ انہیں اس کا اجر عطا فرمائے۔

ایک علیؑ کا کلام ''نہج البلاغہ'' اور ایک علیؑ کا کلام ''صحیفہ کاملہ'' دونوں کیلئے لکھنے والوں کو لکھنا پڑا: ''یہ کلام خدا کے تحت اور کلام مخلوق کے فوق کلام ہے''۔ اس کلام کے وارث وہ ہیں جو ایک علیؑ کو پہلا اور بلافصل امام اور دوسرے علیؑ کو چوتھا معصوم امام مانتے ہیں۔ انہی وارثان کا فریضہ ہے کہ اس کلام کو اپنے عمل سے بھی اور تحریر سے بھی عام کریں۔ اللہ سبحانہ توفیق عطا فرمائے۔

اٰمِیْنَ یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ!
مقبول حسین علوی
مرکز افکار اسلامی

☆☆☆☆☆

پیش کش

میں معدنِ امامت کے لآلی آبدار اور زبان عصمت کے الہامی کلمات کو اردو کا لباس پہنا کر

حَضْرَتِ زَيْنِ الْعَابِدِيْنَ، سَيِّدِ السَّاجِدِيْنَ، ابْنِ الْخَيِّرَتَيْنِ

علی ابن الحسین

صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَ عَلٰى اٰبَآئِهِ الْاَطْهَارِ وَ اَبْنَآئِهِ الْاَخْيَارِ

کی بارگاہ عالی میں پیش کرتا ہوں۔

اگرچہ ترجمہ سے روحِ معنی مضمحل اور صہبائے تند بے کیف ہوگئی اور لالہ زارِ بلاغت سبد گلفروش میں سمانہ سکا اور سیل معانی تنگنائے الفاظ میں سمٹ نہ سکا، مگر کیا بعید ہے کہ جن کی دست بوسی سے آبِ رواں کی آبرو اتنی بڑھ جائے کہ لعل و یاقوت و زمرد بھی اس کے سامنے شرم سے پانی پانی ہو جائیں ان کی نظرِ کیمیا اثر ان رشتۂ عقیدت میں پروئے ہوئے خزف ریزوں کو جلا بخش کر حسنِ قبول کے تاج کا آویزہ بنا دے اور پھر یہ انہی کے بارانِ فیض کے قطرے اور انہی کے خوانِ کرم کے ریزے ہیں اور میری حیثیت تو بس یہ ہے اور یہی بہت ہے کہ:

ان کی زبان کے کلمے میری زبان پر ہیں

☆☆☆☆☆

باسمہ سبحانہ

پیش لفظ

ترجمۂ نہج البلاغہ کی تکمیل کے بعد کسی اور کتاب کے ترجمہ کا تصور تو ذہن میں تھا ہی کہ جناب سید العلماء مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ مدظلّہ کے لاہور تشریف فرما ہونے پر مجھے ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملا تو انہوں نے فرمایا کہ اب صحیفۂ کاملہ کا بھی ترجمہ کر ڈالئے۔ میں نے عرض کیا کہ اگر توفیق الٰہی شامل حال رہی، تو حسبِ ارشاد اس کام کو بھی انجام دوں گا۔ چنانچہ اس کے کچھ عرصہ بعد صحیفہ کے ترجمہ کی ابتدا کر دی۔ مگر اس خیال سے کہ یہ ایک مختصر سی کتاب ہے اور وہ بھی دُعاؤں کی جس میں نہ پیچیدہ مباحث ہیں، نہ الجھے ہوئے مطالب، بلکہ صاف سادہ تحریر اور نکھری سنوری ہوئی عبارت جس کا ترجمہ زیادہ سے زیادہ دو چار مہینوں میں ختم ہو جائے گا، اس کے ساتھ ''اصول کافی'' کا ترجمہ بھی شروع کر دیا اور یہ چاہا کہ ان دونوں کتابوں کا سلسلہ ایک ساتھ جاری رہے۔ مگر میری بے بضاعتی و کوتاہ قلمی نے چند گام سے زیادہ نہ چلنے دیا اور آخر اصول کافی کے کچھ اجزا کا ترجمہ کرنے کے بعد اسے دوسرے موقع کیلئے چھوڑ دیا اور ہمہ تن صحیفہ کی طرف متوجہ ہو گیا اور اس وقت یہ حقیقت بھی منکشف ہو کر سامنے آ گئی کہ جسے دو چار مہینوں کا کام سمجھا تھا وہ دو چار مہینوں کا کام نہ تھا، کیونکہ ایک دن میں دو چار صفحوں سے زیادہ نہ لکھ پاتا تھا۔ لیکن اس سست رفتاری سے میں شکستہ خاطر و دل برداشتہ نہ ہوا اور بایں خیال کہ ''قطرہ قطرہ بہم شود دریا'' اس کام کا سلسلہ اپنے دوسرے مشاغل کے ساتھ جاری رکھا اور کم و بیش ایک سال کے عرصہ میں اس سے فراغت ہو گئی اور اب اسے ''ادارہ علمیہ پاکستان'' کی طرف سے شائع کیا جا رہا ہے۔

یہ ایک عام تاثر اور نا قابلِ انکار حقیقت ہے کہ کسی بلند پایہ علمی و ادبی کتاب کا ترجمہ نہ ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے اور نہ ادبی شہ پاروں کے اسلوبِ بیان کی لطافت ترجمہ کے بار کی متحمل ہو سکتی ہے، کیونکہ ہر زبان کے کچھ اصطلاحات، محاورات اور خصوصیات ہوتے ہیں جو اسی زبان میں صحیح معنی و مفہوم کی نقاب کشائی کر سکتے ہیں اور دوسری زبان میں منتقل ہونے سے ان کی صوری و معنوی خوبیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ نہ ان میں وہ کیف انگیزی و اثر آفرینی باقی رہتی ہے اور نہ وہ حسن و شکوہ برقرار رہتا ہے اور بہت کم ایسے موارد ہو سکتے ہیں جہاں ایک زبان کا ذوق و اسلوبِ تعبیر دوسری زبان کے ذوق و اسلوب تعبیر سے ہم آہنگ ہو۔ اس لئے مترجم کے دسترس سے یہ باہر ہے کہ وہ ترجمہ میں اصل کلام کی تڑپ پیدا کر دے سکے اور اس کے خصوصیات کو برقرار رکھتے ہوئے اس کے آب و رنگ کو بگڑنے نہ دے۔ اگر کوئی مترجم اپنی مترجمانہ اہلیت و صلاحیت سے کام لے کر ظاہر الفاظ کی عکاسی کر بھی لے تو وہ روح جو لفظوں کی ترکیب و ترتیب اور پیرایۂ بیان میں مضمر ہوتی ہے، اس کی تصویر کشی کیسے کر پائے گا؟

گر مصوّر صورت آن دلستان خواهد کشید

حیرتی دارم که نازش را چسان خواهد کشید

اور اگر کہیں ترجمہ میں کچھ کیف و سرمستی باقی رہ جائے تو یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ متکلم کے نفس کی پاکیزگی اور اس کی قوت روحانی کے تصرف کا کرشمہ ہے جو بادۂ تند و تیز کو تلچھٹ کی آمیزش کے باوجود خمار انگیزی و سرشاری سے بالکل بیگانہ نہ بنا دے سکی اور تابش جمال کی چھوٹ کو پردے کی دبیز تہوں

کے باوجود جلوہ افگنی سے مانع نہ ہوسکی۔اسے مترجم کی ہنرمندانہ کاوش کا نتیجہ نہیں قرار دیا جاسکتا اور نہ اس کے اختیار میں یہ ہے کہ وہ اصل کلام کی روحانی فضا ترجمہ کے گردوپیش پیدا کردے سکے۔اس کا کام تو بس اتنا ہے کہ وہ ترجمہ کیلئے ایسے الفاظ کا انتخاب کرے جو اصل کلام کے مفہوم سے قریب تر ہوں اور اس سے کچھ آگے قدم بڑھائے تو ترجمہ کی پابندی کے ساتھ عبارت میں سلاست و روانی پیدا کرلے جائے اور بس۔

اس دوسری خوبی کو ایک اضافی خوبی سمجھنا چاہئے۔اصل خوبی یہی ہے کہ اصل کلام کا مفہوم بدلنے نہ پائے اور ہر مقام پر اس سے مطابقت برقرار رہے اور اس صورت میں تو اصل کلام کی مطابقت اور بھی ضروری ہو جاتی ہے جب وہ کسی ایسی ہستی کا کلام ہو جس کی زبان پروردۂ الہام اور شرعی احکام کی ترجمان ہو۔ایسے موقع پر ظاہری خوبیوں کو ملحوظ رکھنے کے بجائے اس کی صحت پر نظر رکھنے کی زیادہ ضرورت ہے تاکہ اس کے تعلیمات دوسروں تک صحیح شکل و صورت میں پہنچیں اور معنوی لحاظ سے اس میں تغیر و تبدل نہ ہونے پائے۔کیونکہ دیکھنے والے اسے ایک ہادی و رہبر کے کلام کی حیثیت سے دیکھیں گے اور اسے اپنے عمل کی سند قرار دیں گے۔البتہ یہ دوسری بات ہے کہ کسی عبارت میں متعدد معانی کا احتمال ہو اور ایک، ایک معنی کو ترجیح دے اور دوسرا دوسرے معنی کو، یا کسی پیچیدہ عبارت کا مطلب ایک کچھ سمجھے اور دوسرا کچھ سمجھے۔تو ایک معنی کو اختیار کرنے کی صورت میں دوسرے معنی کو غلط نہیں قرار دیا جائے گا۔ ہاں! اگر کوئی ظاہر و واضح معنی کو چھوڑ کر بعید معنی کو اختیار کرے تو اسے بدذوقی کا نتیجہ سمجھا جاسکتا ہے اور اگر اصل ''آسمان'' ہو اور ترجمہ ''ریسمان'' تو اسے غلط کہا جائے گا اور اس صورت میں طرز تحریر میں کوئی خوبی ہو بھی تو اس کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوگی۔

ہاں! اگر صحت کے ساتھ اسلوب بیان کی شائستگی، طرز تحریر کی شگفتگی اور زبان کی بلند معیاری ہو تو ترجمہ کا حسن بڑھ جائے گا اور اسے ایک معیاری حیثیت حاصل ہوسکے گی۔بے شک صحت کے التزام کے ساتھ زبان کے معیار کو باقی رکھنا ایک مشکل کام ہے اور یہ الفاظ کے استحضار اور عصر حاضر کے معیارِ زبان پر نگاہ رکھنے کے بعد ہی ہوسکتا ہے۔اس لئے کہ زبان اور طرز تحریر کا معیار ہر دور میں بدلتا رہتا ہے۔ایک دور وہ تھا کہ مقفّٰی و مسجّع عبارتوں کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جاتا تھا مگر اب وہی تحریریں متروک اور غیر معیاری سمجھی جاتی ہیں۔اسی طرح دوسری زبانوں کا اسلوبِ نگارش بھی ہمیشہ بدلتا اور بلند سے بلند تر ہوتا رہا ہے۔چنانچہ پچھلے چند سالوں میں آغا سید صدر الدین بلاغی، آغا سید علی نقی اصفہانی اور آغا جواد فاضل کے قلم سے جو صحیفہ کاملہ کے تراجم ایران سے شائع ہوئے ہیں، سابقہ تراجم کے مقابلہ میں انہیں زیادہ پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے اور اپنے اسلوب نگارش و اندازِ تحریر کی وجہ سے خاصی مقبولیت حاصل کرچکے ہیں۔

اردو زبان میں بھی صحیفہ کے متعدد ترجمے شائع ہوئے ہیں۔ان میں سے ایک تحت اللفظی ترجمہ ہے جو اسی پرانی ڈگر پر ہے جو اَب متروک اور موجودہ ذوق پر ایک بار ہے۔اور ایک نظامی پریس لکھنؤ کا شائع کردہ ہے جس میں عبارت آرائی کیلئے کہیں اصل الفاظ کا ترجمہ غائب اور کہیں ایسا اضافہ نظر آتا ہے جو اصل الفاظ میں نہیں ہے۔اور ایک ترجمہ لاہور سے شائع ہوا ہے جو بیس دُعاؤں پر مشتمل اور نا تمام ہے۔یہ تراجم اغلاط سے بھی پاک نہیں ہیں اور بعض مواقع پر تو اصل کلام کے خدوخال ہی مسخ ہو کر رہ گئے ہیں۔

ان تمام مقامات کی طرف ملتفت کرنا ایک طولِ امل ہے اور نہ محل کی تنگنائی اس کی اجازت دیتی ہے کہ ان تمام مقامات کا استقصاء کیا جائے۔ صرف نمونہ کے طور پر دو ایک مقام دیکھ لیجئے:

- دُعائے مکارم الاخلاق میں حضرتؑ کا ارشاد ہے: «وَالْاِفْضَالُ عَلٰی غَیْرِ الْمُسْتَحِقِّ»

اس کا ایک ترجمہ تو یہ ہے: ''اور بے استحقاق والے کو زیادہ دینے میں'' دوسرا ترجمہ یہ ہے: ''اور غیر مستحق پر (بھی) احسان کرنا'' اور تیسرا ترجمہ یہ ہے: ''غیر مستحق پر احسان کرنے''۔ قبل اس کے کہ یہ دیکھا جائے کہ الفاظِ عبارت کا مطلب کیا ہے؟ اسے دیکھئے کہ غیر مستحق کو اپنی عنایات کا مورد قرار دینا کہاں تک درست ہے۔ عقل و نقل ہمنوا ہیں کہ غیر مستحق حسن سلوک کا مستحق نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ مستحق کی حق تلفی اور صرفِ بے جا ہے جسے قرآن مجید میں ''تبذیر'' سے تعبیر کیا گیا ہے اور احادیث و آثار معصومینؑ میں بڑی کثرت سے اس کی مذمت وارد ہوئی ہے۔ تو کیا امامؑ کی اس پر نظر نہ تھی یا یہ کہ وہ قرآن و حدیث کے ایک واضح حکم کے خلاف تعلیم دینا چاہتے ہیں۔ ایسا تو ممکن ہی نہیں ہے تو پھر اس عبارت کا مطلب کیا ہے؟ اس کیلئے کم از کم شرح سیّد علی خان ہی کو دیکھ لینا چاہئے تھا۔ جبکہ ایک صاحب نے دیباچہ میں یہ لکھا بھی ہے کہ شرحوں میں صرف شرح علامہ سیّد علی خان پیشِ نظر رہی اور بس۔

علامہ موصوف تحریر فرماتے ہیں:

> «وَ الْاِفْضَالِ عَلٰی غَیْرِ الْمُسْتَحِقِّ» عَطْفٌ عَلَی «التَّعْیِیْرِ» اَیْ وَ ''تَرْكِ الْاِفْضَالِ عَلٰی غَیْرِ الْمُسْتَحِقِّ''.
>
> «وَ الْاِفْضَالِ عَلٰی غَیْرِ الْمُسْتَحِقِّ» کا عطف «التَّعْیِیْرِ» پر ہے جو ترک کے تحت میں واقع ہے اور معنی یہ ہیں کہ ''غیر مستحق پر احسان نہ کرنا''۔[1]

مگر ان ترجموں میں اصل مفہوم کو بالکل الٹ کر رکھ دیا گیا ہے اور میر باقر داماد اور ملا محسن فیضؒ نے بھی حواشی صحیفہ میں یہی تحریر کیا ہے۔

- دُعائے عرفہ میں حضرتؑ کا ارشاد ہے: «وَ لَمْ تَلِدْ فَتَكُوْنَ مَوْلُوْدًا»

ایک ترجمہ یہ ہے: ''اور نہ پیٹ سے ہرگز پیدا ہوا ہے کہ کسی کا بیٹا بنے''۔ دوسرا ترجمہ یہ ہے: ''اور نہ یہ ہے (جیسا کہ ہوا کرتا ہے) کہ تو کسی سے پیدا ہو، تا کہ کسی کا بیٹا بنے''۔ تیسرے ترجمے میں دُعائے عرفہ ہے ہی نہیں۔ اس جملہ میں لفظ «لَمْ تَلِدْ» کا یہ ترجمہ کہ ''تو کسی سے پیدا نہیں ہوا'' غلط ہے۔ اس مفہوم کیلئے لفظ «لَمْ تَتَوَلَّدْ» یا «لَمْ تُوْلَدْ» ہے۔ اور «وَلَدَ يَلِدُ» فعل متعدی ہے جس کے معنی اولاد پیدا کرنے کے ہوتے ہیں نہ پیدا ہونے کے۔ چنانچہ علامہ سیّد علی خان تحریر فرماتے ہیں: «وَلَدَ يَلِدُ مِنْ بَابِ وَعَدَ اِذَا حَصَلَ مِنْهُ وَلَدٌ»: (وَلَدَ يَلِدُ باب وَعَدَ يَعِدُ سے ہے اور یہ اس موقع پر کہا جاتا ہے جب کسی کے ہاں اولاد ہو)۔ اور اسی معنی میں «لَمْ يَلِدْ» قرآن مجید میں آیا ہے اور صحیفہ کی عبارت کے معنی یہ ہیں کہ ''تیرے کوئی اولاد نہیں ہے کہ تیرے متعلق بھی کسی کی اولاد ہونے کا سوال پیدا ہو''۔

مقصد یہ ہے کہ اگر اس کے ہاں اولاد ہو گی تو اس کا اجزا سے مرکب ہونا ضروری ہو گا، کیونکہ اولاد ایک جزو ہوتی ہے جو باپ سے الگ ہو کر نشوونما کی منزلیں طے کرتی ہے۔ اور جب وہ مرکب ہو گا تو اجزا کی احتیاج اس کے حدوث کی دلیل ہو گی۔ اور جو حادث ہو گا اس کا متولد ہونا بھی ضروری ہو گا۔

---

[1] ریاض السالکین، ج ۳ ص ۳۵۱۔

مگر ان دونوں ترجموں میں اصل مطلب ہی کو خبط کر دیا گیا ہے۔

- دُعائے تمجید میں حضرتؑ کا ارشاد ہے کہ: «اِلٰهِیْ لَكَ یَرْهَبُ الْمُتَرَهِّبُوْنَ»

اس کا ایک ترجمہ یہ ہے کہ: ''اے معبود! تجھ ہی سے ڈرنے والے ڈرتے ہیں'' اور دوسرا ترجمہ یہ ہے ''اے میرے اللہ! تجھ سے ڈرنے والے ڈرتے ہیں''۔ اس مقام پر ''مُتَرَهِّبُوْنَ'' کے معنی ''ڈرنے والے'' غلط ہیں، کیونکہ ''تَرَهَّبَ'' کے معنی ''بندگی و عبادت'' کے ہیں۔ مگر اسے ''رَهِبَ یَرْهَبُ'' کے معنی میں سمجھ لیا گیا ہے۔ چنانچہ صاحب قاموس لکھتے ہیں کہ:

اَلتَّرَهُّبُ: التَّعَبُّدُ.

(ترہب کا معنی بندگی ہے)۔[1]

اور سیّد نعمت اللہ جزائری تحریر فرماتے ہیں کہ:

یَرْهَبُ اَیْ یَخَافُ، وَ التَّرَهُّبُ: التَّعَبُّدِ اَیْ یَخَافُكَ الْعَابِدُوْنَ.

یَرْهَبُ کے معنی یہ ہیں کہ وہ ڈرتے ہیں اور ''ترھب'' کے معنی عبادت و پرستش کرنے کے ہیں اور اس جملہ کے معنی یہ ہیں کہ ''عبادت گزار تجھ سے ڈرتے ہیں''۔[2]

- اور لاہور سے جو بیس دُعاؤں کا مجموعہ شائع ہوا ہے اس کے اغلاط کی نوعیت کا بھی نمونہ دیکھ لیجئے۔ اس میں کی مندرجہ دُعاؤں کی پانچویں دُعا کا ایک جملہ ہے کہ ''اَجِرْ هَرَبِیْ''۔ یہ لفظ ''اجر'' اجارہ سے امر کا صیغہ ہے مگر اسے ''اِجْرَاء'' سے امر کا صیغہ سمجھ لیا گیا ہے کہ جو ''اَجْرِ'' ہے۔ چنانچہ اسی دُعا میں دوسری جگہ پر ''اَجِرْ'' ہے تو اسے بھی ''اَجِرْ'' ہی لکھا گیا ہے اور اس جملہ کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے کہ ''میری دوڑ کو جاری رکھ''۔

دُعائے استقبال ماہ رمضان میں ہے: «وَ اَنْ نُّنْصِفَ مَنْ ظَلَمَنَا»

یہ «ظَلَمَنَا» فعل ماضی کا صیغہ ہے جس کے آخر میں ضمیر منصوب متصل ہے اور اس جملہ کے معنی یہ ہیں کہ ''جس نے ہم پر ظلم کیا ہو اس سے بھی انصاف کریں''۔ مگر «ظَلَمَنَا» تحریر کرنے کے باوجود ترجمہ لفظ ''ظَلَمْنَا'' کا کیا جاتا ہے جو جمع متکلم کا صیغہ ہے۔ چنانچہ اس کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے کہ ''ہم نے اگر کسی پر ظلم کیا ہو تو اس سے انصاف کریں''۔

- دُعائے وداع ماہ رمضان میں ہے: «وَ تَصَدَّقُوْا لَكَ طَلَبًا لِّمَزِیْدِكَ»

یہ لفظ «تَصَدَّقُوْا» ''تَصَدُّق'' سے فعل ماضی کا صیغہ ہے اور اس جملہ کے معنی یہ ہیں کہ: ''انہوں نے تیری نعمتوں میں اضافہ چاہنے کیلئے صدقہ و خیرات دی''۔ چنانچہ علامہ سیّد علی خان نے تحریر کیا ہے کہ:

تَصَدَّقَ: اَعْطٰی صَدَقَةً، وَ هِیَ مَا یُخْرِجُهُ الْاِنْسَانُ مِنْ مَّالِهٖ عَلٰی وَجْهِ الْقُرْبَةِ.

---

[1] القاموس، ج ۱، ص ۱۱۸، فصل الراء۔

[2] نور الانوار، سیّد نعمت اللہ جزائری، ج ۱، ص ۳۷۱۔

تَصَدَّقَ کے معنی یہ ہیں کہ اس نے صدقہ دیا اور ''صدقہ'' اس مال کو کہتے ہیں جسے انسان بہ نیت تقرب دیتا ہے۔[1]

مگر اس کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے: ''اور تیری تصدیق کرتے، اس سے مقصد تیرے احسانات ہیں''۔

غرض اس قسم کے واضح اغلاط اس مجموعہ کے صفحات پر بکھرے ہوئے ہیں جس کے بعد ایک مزید ترجمہ کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا جس میں صحت و مطابقت اصل کا لحاظ رکھا گیا ہو۔

زیرِ نظر ترجمہ کے متعلق بھی یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ خطا و لغزش اور کوتاہی تعبیر سے بری ہوگا۔ لیکن جہاں تک امکان تھا اسے اغلاط سے پاک رکھنے کی کوشش کی گئی ہے اور ہر مورد پر علامہ سیّد علی خان قدس سرہ کی شرح صحیفہ ''ریاض السالکین'' پیش نظر رہی ہے اور بعض پیچیدہ اور مشکل عبارات کے سلسلہ میں اسی پر اعتماد کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ شروح و حواشی میں سے شرح نعمت اللہ الجزائری رحمہ اللہ، تعلیقات میر باقر داماد رحمہ اللہ، حواشی محسن فیض رحمہ اللہ اور حدیقہ ہلالیہ جناب شیخ بہاء الدین رحمہ اللہ بھی محل استفادہ رہے ہیں۔ اور حواشی کے سلسلہ میں احیاء العلوم غزالی اور جامع السعادات شیخ محمد مہدی نراقی رحمہ اللہ سے استفادہ کے علاوہ ریاض السالکین کی شاداب روشوں سے بھی گل چینی کی گئی ہے اور اب ان پھولوں کو بے سلیقہ ہاتھوں سے سجا کر اس توقع کے ساتھ ناظرین کے سامنے پیش کیا جاتا ہے کہ وہ ان دُعاؤں کی تلاوت کے وقت مترجم کو دُعائے خیر سے یاد کریں گے۔

☆☆☆☆☆

---

[1] ریاض السالکین، ج۶ص۱۴۷۔

مقدّمۂ صحیفۂ کاملہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ مُجِیۡبِ الدَّعۡوَاتِ وَ فَاعِلِ الۡخَیۡرَاتِ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ صَلٰوۃً عَالِیَۃً عَلَی الصَّلَوَاتِ وَ مُشۡرِفَۃً فَوۡقَ التَّحِیَّاتِ.

''صحیفہ کاملہ'' اسلام کے ابتدائی دورِ تدوین وتالیف کی ایک الہامی تصنیف ہے جو حضرت امام زین العابدین علیہ الصلوۃ والسلام کی دُعاؤں اور مناجاتوں پر مشتمل ہے۔ اس کی عظمت و اہمیت اور اعتماد و وثوق کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ حضرتؑ نے خود اس کی ترتیب وتدوین کا اہتمام فرمایا اور اپنے دونوں صاحبزادوں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور جناب زید شہید رحمہ اللہ سے جب کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام بھی اس موقع پر موجود تھے، اسے قلمبند کروایا تاکہ اس کے ضبط وحفظ کا سامان مکمل ہو جائے اور اس کے ذریعہ تعلیم و ہدایت کا سلسلہ جاری رہے۔ چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنا تحریر کردہ صحیفہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے سپرد فرمایا اور آپؑ نے وہ دُعائیں متوکل ابن ہارون کو لکھوا دیں اور جناب زید کا نسخہ ان کے فرزند یحییٰ کی طرف منتقل ہوا اور ان سے محمد ابن عبد اللہ ابن حسن مثنٰی اور ان کے بھائی ابراہیم کے ہاتھوں میں پہنچا اور اس طرح حفظ وسماعت اور نقل وکتابت کے ذریعہ منتقل ہوتا ہوا دنیائے اسلام میں پھیل گیا اور ہر دور میں قبولیت عامہ نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور پرستارانِ حقیقت وحلقہ بگوشانِ امامت نے اسے آویزۂ گوشِ عقیدت بنایا اور قرآن مجید کی تلاوت کے ساتھ ساتھ اس کا ورد بھی اپنے معمول میں سے قرار دے لیا اور چھٹی صدی ہجری کے نصفِ اول میں اسے ''زبور آل محمدؐ'' و ''انجیل اہل بیتؑ'' کے ناموں سے یاد کیا جانے لگا۔ یہ نام اس لحاظ سے تجویز کئے گئے کہ اس کے حکیمانہ ارشادات و بصائر مؤثر ادعیہ و اوراد اور دلنشین حکم ونصائح آسمانی صحیفوں کے اسلوب کے آئینہ دار اور ان کی تعلیمی روح کے حامل ہیں۔ چنانچہ صاحب ریاض السالکین نے بعض اہلِ عرفان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

اِنَّھَا تَجۡرِیۡ مَجۡرَی التَّنۡزِیۡلَاتِ السَّمَاوِیَّۃِ وَ تَسِیۡرُ مَسِیۡرَ الصُّحُفِ اللَّوۡحِیَّۃِ وَ الۡعَرۡشِیَّۃِ.

صحیفہ کاملہ'' آسمانی کتابوں کے اسلوب اور عرش ولوح کے صحیفوں کی روش کا مکمل نمونہ ہے۔[1]

اور دوسرے یہ کہ اس صحیفہ کی نسبت امام زین العابدین علیہ السلام کی طرف اسی طرح شک و شبہ سے بالاتر ہے جس طرح زبور کی نسبت حضرت داوٗد علیہ السلام کی طرف اور انجیل کی نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ہر قسم کے شبہ سے بلند تر ہے۔ چنانچہ اس موضوع پر بعد میں جتنی کتابیں تالیف ہوئیں ان کے مؤلفین اپنی مجموعوں میں ''دُعَآءُ عَلِيِّ ابۡنِ الۡحُسَیۡنِؑ'' کے عنوان سے اس مجموعہ کی دُعاؤں کو نقل کرتے رہے اور ان میں سے کسی ایک نے بھی اس کی صحتِ نسبت کے متعلق کسی خدشہ کا اظہار نہیں کیا اور بغیر کسی پس وپیش کے اسے کلامِ امامؑ تسلیم کیا ہے۔ اگر انہیں اس کے کسی پہلو میں کمزوری وخامی کا شائبہ نظر آتا تو وہ خاموشی کو اصولِ دیانت کے خلاف سمجھتے ہوئے اس کے خلاف آواز بلند کرتے اور اپنے شبہات کا اظہار کرتے مگر

---

[1] ریاض السالکین، ج ا ص ۵۱۔

کسی ایک نے بھی ایسا نہیں کیا۔ جس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ان سب کے نزدیک یہ کلام امامؑ ہے۔ جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ہر کلام کے کچھ خصوصیات ہوتے ہیں جن سے انتساب کے سلسلہ میں بڑی حد تک مدد لی جا سکتی ہے اور لب ولہجہ و اسلوبِ بیان کو دیکھ کر متکلم کو پہچانا جا سکتا ہے۔ جب کلام، متکلم کا آئینہ بردار ہوتا ہے تو صحیفہ کے الفاظ کا حسن، معنی کی کشش اور کلام کی دل آویزی اس امر کی دلیل ہے کہ ان کے غیر کی طرف اس کی نسبت دی ہی نہیں جا سکتی، کیونکہ اس کے ایک ایک جملہ کی ساحرانہ بلاغت اور ایک ایک فقرہ کی معجزانہ فصاحت اس کی شاہد ہے کہ اس کا سرچشمہ وہی دودمانِ رسالت ہے۔ جس کا کلام فوق کلام البشر تسلیم کیا جا چکا ہے۔

''صحیفہ کاملہ'' اگر ایک طرف آل محمد علیہم السلام کی فصاحت و بلاغت کا آئینہ دار ہے تو دوسری طرف ان کے خصوصیات و ذاتی کمالات کا بھی ترجمان ہے۔ چنانچہ اس کے صفحات پر ان کی حیاتِ طیّبہ کے نقوش کو دیکھا جا سکتا ہے۔ اگرچہ سیاسی مصالح نے دنیا کو ان سے پوری طرح روشناس نہ ہونے دیا اور ان کی علمی و عملی رفعت پر تعصب و تنگ نظری نے پردے ڈال دیئے، مگر ان کے اقوال وارشادات وہ ہیں جو ان کی عملی زندگی کی پاکیزگی اور ان کی علمی وسعت و بلند پائیگی کی روشن دلیل ہیں۔ چنانچہ اس صحیفہ میں دُعاؤں کے ضمن میں علم الٰہیات، فلکیات اور عصری اکتشافات کی طرف جو اشارے کئے گئے ہیں وہ ان کی وسیع النظری اور علمی ہمہ گیری کی وہ واضح براہان ہیں جسے عصبیت کا غبار چھپا نہیں سکتا۔

صحیفہ اور طرزِ نگارش

دورِ جاہلیت اور اوائلِ اسلام کے طرزِ تحریر و اندازِ نگارش کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اس دور کا ادب دقیق اور بھاری بھرکم الفاظ پر مشتمل ہوتا تھا اور تشبیہ و استعارہ اور ترصیع و تجنیس وغیرہ سے کلام میں حسن و دل آویزی پیدا کی جاتی تھی۔ مگر آل محمدؑ نے جس کی امتیازی مثال ''صحیفہ کاملہ'' میں نظر آتی ہے، کلام میں سلاست و روانی سے کام لے کر سلیس و سادہ انشا پردازی کی بنیاد رکھی اور طرزِ نگارش کو ایک نیا اسلوب بخش کر اہلِ قلم کو اس کے تتبع کی دعوت دی اور سجع اور ترصیع کی بندشوں کو توڑ کر تاویہ اور تعبیر کی وسعتیں بڑھا دیں اور ہلکے پھلکے الفاظ کی وہ بستیاں آباد کیں جن کے سامنے مقفّیٰ و مسجّع عبارتوں کے مزین کاشانے ویران ہو گئے اور سیدھی سادی لفظوں اور سادہ و دل نشین ترکیبوں میں وہ کیف بھر دیا کہ تجنیس و ترصیع کا مصنوعی حسن اس کی قدرتی وفطرتی سادگی کے آگے ماند پڑ گیا۔ اور اصل جوہر فصاحت یہی ہے کہ موضوعِ کلام کچھ بھی ہو، زبان کی روانی اور کلام کی سلاست میں لوچ نہ آئے اور الفاظ اپنی جزالت اور سحر آفرینی سے دل کی گہرائیوں میں اترتے چلے جائیں۔

اس سہل و دلنشین طرزِ تحریر کا اصل محرک دُعاء و مناجات ہے اور دُعاء و مناجات کے کلمات تلفظ و ادائیگی اور صوتی کیفیت میں رقت و نرمی اور سوز و گداز کے مقتضی ہوتے ہیں اور ان میں ربط و ترتیب اور حسن آفرینی مقصود نہیں ہوتی کہ کلام کے خدوخال کو نکھارا اور اس کے نوک پلک کو سنوارا جائے اور اندوہ و غم کے تاثرات اور رنج و الم کے جذبات میں اس کا موقع ہی کہاں ہوتا ہے کہ جملوں کی ساخت اور لفظوں کی تراش خراش کی طرف توجہ کی جا سکے۔ چنانچہ یہ صحیفہ اول سے لے کر آخر تک درد و غم کی آہوں اور کرب و اضطراب کی صداؤں پر مشتمل ہے جس میں کچھ دُعائیں ہیں اور کچھ مناجاتیں۔ جن میں نہ تصنّع کا شائبہ ہے نہ آورد کی جھلک، نہ فلسفیانہ الجھاؤ ہیں نہ منطقیانہ پیچ وخم، بلکہ ہر مقام پر وہی سیدھا سادا اندازِ بیان ہے جو ایک دُعا کا ہونا چاہیے۔

مثال کے طور پر حضرتؑ کی دُعا کے اس جزء کو دیکھئے کہ اس میں تضرع والحاح کے ساتھ کتنی آمد، بے تکلّفی اور سلاست کارفرما ہے:

سُبْحَانَكَ نَحْنُ الْمُضْطَرُّوْنَ الَّذِيْنَ اَوْجَبْتَ اِجَابَتَهُمْ، وَ اَهْلُ السُّوْٓءِ الَّذِيْنَ وَعَدْتَّ الْكَشْفَ عَنْهُمْ، وَ اَشْبَهُ الْاَشْيَآءِ بِمَشِيَّتِكَ، وَ اَوْلَى الْاُمُوْرِ بِكَ فِيْ عَظَمَتِكَ، رَحْمَةُ مَنِ اسْتَرْحَمَكَ، وَ غَوْثُ مَنِ اسْتَغَاثَ بِكَ، فَارْحَمْ تَضَرُّعَنَآ اِلَيْكَ، وَ اَغْنِنَآ اِذْ طَرَحْنَآ اَنْفُسَنَا بَيْنَ يَدَيْكَ.

پاک ہے تو! ہم وہ پریشان و لاچار ہیں جن کی دُعا کو قبول کرنا تو نے ضروری قرار دیا ہے اور وہ گرفتارانِ بلا ہیں جن کی مصیبتوں کو دور کرنے کا تو نے وعدہ کیا ہے۔ تیری مشیت کے نہایت مناسب اور تیری عظمت کے بہت شایان یہ ہے کہ جو تجھ سے رحم کی التجا کرے اس پر تو رحم کرے اور جو تجھ سے فریاد کرے اس کی فریاد کو پہنچے۔ تو اب ہماری عجز و زاری پر رحم فرما اور جبکہ ہم نے اپنے کو تیرے سامنے پیش کر دیا ہے تو ہمیں (ہر فکر و غم سے) بے نیاز کر دے۔[1]

صحیفہ اور اسلوبِ خطاب

اللہ کو پکارنے اور خطاب کرنے کیلئے الفاظ کا دائرہ زیادہ وسیع نہیں ہے۔ کیونکہ اسے گنے چنے ناموں اور مخصوص صفتوں ہی سے یاد کیا جا سکتا ہے اور ہر وہ لفظ جو کسی بلند صفت کا پتا دیتی ہو ضروری نہیں کہ اس کا اطلاق اللہ کی ذات پر درست ہی ہو، ہو سکتا ہے کہ وہ اس کی شانِ علو و عظمت کے منافی ہو۔ جیسے عارف، عاقل، ذکی وغیرہ۔ اسی طرح عربوں کے بعض دُعائیہ کلمات میں جو اس قسم کے الفاظ پائے جاتے ہیں انہیں اللہ کی رفعت و عظمت کے لحاظ سے مناسب و موزوں نہیں سمجھا جا سکتا ہے۔

جیسے: ''یَآ اَبَا الْمَکَارِمِ'': ''اے بزرگیوں کے باپ''۔ ''اب'' کے لغوی معنی باپ کے ہیں اور یہ اس کے ساحتِ قدس کیلئے زیبا نہیں ہے، اگرچہ یہاں پر اس کے معنی ''والے'' کے ہیں۔

اسی طرح ''یَآ اَبْیَضَ الْوَجْهِ'': ''اے روشن چہرے والے''۔ اگرچہ وجہ انتساب کسی معنی سے اس کی طرف ہوا ہے جیسے ﴿فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ﴾[2]: ''تم جدھر بھی رخ کرو گے ادھر اللہ ہی اللہ ہے''۔ مگر اسے اور اس جیسے دوسرے الفاظ کو جن کا اطلاق مجازاً اس کی ذات پر ہوا ہے ایسے اضافہ کے ساتھ استعمال کرنا جو دوسروں ہی کیلئے بولے جاتے ہیں، قدرت کیلئے موزوں نہیں ہیں۔ اگرچہ کہنے والے کی اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی ذات ہر نقص و عیب سے بری ہے۔

اسی طرح ''یَا عَرِیْضَ الْجَفْنَةِ'': ''اے بڑے پیالے والے''۔ اس سے استعارۃً کریم و سخی مراد لیا جاتا ہے۔ کیونکہ بڑے پیالے اسی کے ہاں ہوں گے جس کے ہاں مہمانوں کا ہجوم رہتا ہو۔ مگر اللہ کے جود و کرم کی وسعتوں اور خوانِ کرم کی پہنائیوں کا اندازہ پیالوں اور پیمانوں سے نہیں لگایا جا سکتا کہ اس قسم کے استعارہ کو اس کیلئے مناسب و موزوں سمجھا جائے۔

---

[1] صحیفہ کاملہ، دعا نمبر ۱۰۔

[2] سورۂ بقرہ، آیت ۱۱۵۔

اس کے مقابلے میں صحیفہ کی دُعاؤں کے الفاظِ ندا اللہ کی عظمت وتقدیس کے آئینہ دار ہیں کہ نہ کوئی کلمہ اس کے ساحتِ جلال کے منافی اور نہ کوئی جملہ اس کی شانِ رفعت کے خلاف نظر آتا ہے۔ بلکہ ہر کلمہ اس کے اوصاف حسن وکمال کا ترجمان اور ہر جملہ اس کی شانِ تنزیہ وتقدیس کا حامل ہے۔ چنانچہ دُعا وطلبگاری کے سلسلہ میں چند متفرق الفاظِ ندا کو دیکھئے کہ امام علیہ السلام کس اسلوب اور کس لب ولہجہ میں اسے والہانہ انداز سے پکارتے ہیں کہ معانی کا حسن قلب وروح کو جذب کرتا اور الفاظ کا ترنم نغمۂ شیریں کی طرح کانوں میں گونجتا معلوم ہوتا ہے:

اَنْتَ الْكَرِيْمُ الْمُتَكَرِّمُ.

تو کرم وبخشش کرنے والا اور ہر عیب سے پاک ہے۔[1]

اَنْتَ، الْكَرِيْمُ الْاَكْرَمُ.

تو جود وسخا کرنے والا اور بزرگ وبرتر ہے۔[2]

اَنْتَ الْجَوَادُ الْكَرِيْمُ.

تو سخی وکریم ہے۔[3]

يَا وَلِيَّ الْاِحْسَانِ.

اے احسان کرنے والے۔[4]

يَا رَحْمٰنَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ.

اے دنیا وآخرت میں رحم کرنے والے۔[5]

يَا مُنْتَهٰى مَطْلَبِ الْحَاجَاتِ وَ يَا مَنْ عِنْدَهٗ نَيْلُ الطَّلِبَاتِ.

اے وہ ذات جو حاجت طلبی کی آخری منزل ہے اور اے وہ ذات جس سے مرادیں پوری ہوتی ہیں۔[6]

اِنَّكَ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ، وَ الْمَنِّ الْقَدِيْمِ.

بے شک تو بڑے فضل والا اور قدیم احسان والا ہے۔[7]

اِنَّكَ الْمُتَفَضِّلُ بِالْاِحْسَانِ، الْمُتَطَوِّلُ بِالْاِمْتِنَانِ.

---

[1] صحیفہ کاملہ، دعا نمبر ۴۷۔

[2] صحیفہ کاملہ، دعا نمبر ۴۷۔

[3] صحیفہ کاملہ، دعا نمبر ۴۷۔

[4] صحیفہ کاملہ، دعا نمبر ۳۔

[5] صحیفہ کاملہ، دعا نمبر ۵۴۔

[6] صحیفہ کاملہ، دعا نمبر ۱۳۔

[7] صحیفہ کاملہ، دعا نمبر ۲۴۔

اور تو بہت زیادہ احسان کرنے والا اور اپنے لطف و کرم سے بہت بخشنے والا ہے۔[1]

(اِنَّکَ) ذُو الْجَلَالِ وَ الْاِکْرَامِ.

بے شک تو بزرگی اور اعزاز والا ہے۔[2]

صحیفہ اور دُعا کی تعلیم

صحیفہ کی دُعاؤں نے جہاں دُعا کی عظمت و اہمیت سے دنیا کو آشنا کیا ہے وہاں دُعا کا طریقہ بھی تلقین کیا ہے کہ طلب و سوال کے موقع پر کیا انداز اختیار کرنا چاہیئے اور کس نہج اور کس اسلوب سے دُعا مانگنا چاہیئے۔ مثلاً بیمار ہو تو طلبِ شفا کیلئے کس طرح دُعا مانگے، قرض سے سبکدوشی کیلئے کس طرح التجا کرے، مقصد و حاجت کے سلسلہ میں کیا اسلوب اختیار کرے، توبہ و استغفار کیلئے کس طرح اس کے سامنے گڑگڑائے، مصائب و آلام سے رہائی کیلئے کس طرح اسے پکارے۔

چنانچہ ابن جوزی سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ:

اِنَّ عَلِیَّ بْنَ الْحُسَیْنِ زَیْنَ الْعَابِدِیْنَ لَہٗ حَقُّ التَّعْلِیْمِ فِی الْاِمْلَآءِ وَ الْاِنْشَاءِ وَ کَیْفِیَّۃِ الْمُکَالَمَۃِ وَ الْمُخَاطَبَۃِ وَ عَرَضُ الْحَوَآئِجِ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی، فَاِنَّہٗ لَوْلَاہُ لَمْ یَعْلَمِ الْمُسْلِمُوْنَ کَیْفَ یَتَکَلَّمُوْنَ وَ یَتَفَوَّھُوْنَ سُبْحَانَہٗ فِیْ حَوَآئِجِھِمْ، فَاِنَّ ھٰذَا الْاِمَامَ عَلَّمَّھُمْ بِاَنَّہٗ مَتٰی مَا اسْتَغْفَرْتَ فَقُلْ کَذَا وَ مَتٰی اسْتَسْقَیْتَ فَقُلْ کَذَا وَ مَتٰی مَا خِفْتَ مِنْ عَدُوٍّ قُلْ کَذَا.

حضرت زین العابدین علی بن الحسین علیہما السلام انشاء و تحریر اور اللہ سبحانہ سے تکلم و خطاب اور اس کے حضور عرضِ حاجات کے سلسلہ میں مسلمانوں پر حق تعلیم و استادی رکھتے ہیں۔ اس لئے کہ اگر حضرتؑ نہ ہوتے تو مسلمان یہ نہ جان سکتے کہ وہ اللہ سبحانہ سے کس طرح خطاب کریں اور کس طرح اس سے اپنی حاجتیں طلب کریں اور یہ حضرتؑ ہی نے مسلمانوں کو سکھایا ہے کہ: اگر توبہ کرو تو یہ کہو اور طلب باراں کرو تو یہ کہو اور دشمن کا خطرہ ہو تو یہ کہو۔ (مقدمۂ صحیفہ آغا سید شہاب الدین مرعشیؒ)

اس کے علاوہ یہ تعلیم بھی ملتی ہے کہ کن کن اوقات میں دُعا مانگے کہ قبولیت اس کے خیر مقدم کیلئے بڑھے۔ چنانچہ صحیفہ کی وہ دُعائیں جو مخصوص اوقات و ایام سے وابستہ ہیں وہ ان کے اوقاتِ قبولیت و استجابت ہونے کا پتہ دیتی ہیں۔ جیسے دُعائے روز عرفہ، دُعائے نماز شب، دُعائے روزِ جمعہ وغیرہ۔ ان دُعاؤں میں جہاں قبولیت کے اوقات کا لحاظ رکھا گیا ہے وہاں انسان کے عمومی اوقاتِ فراغت کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔ جیسے صبح و شام، دوپہر اور شب کے اوقات کہ جن میں بندہ یکسوئی سے اپنے معبود سے راز و نیاز اور عرض و التجا کر سکتا ہے۔ اور اگر ایسا ہو کہ ان معینہ اوقات میں طبیعت دُعا کی طرف مائل نہ ہو یا دل و دماغ میں یکسوئی پیدا نہ ہو سکے تو صحیفہ میں ایسی دُعائیں بھی ہیں جو کسی وقت اور زمانہ سے مقید نہیں ہیں تا کہ

---

[1] صحیفہ کاملہ، دعا نمبر ۱۵۔

[2] صحیفہ کاملہ، دعا نمبر ۱۵۔

انسان اوقات و ساعات سے بے نیاز ہو کر جب بھی اس سے لو لگانا چاہے اس کے پاس لو لگانے کا سر و سامان موجود ہو اور جس مقصد کیلئے اسے پکارنا چاہے پکار سکے۔ چنانچہ ان دُعاؤں میں ہر مقصد و حاجت کی دُعا موجود ہے اور ہر درد کا درمان، ہر دکھ کا علاج، ہر اضطراب کی تسلی اور ہر مصیبت واندوہ کا مداوا پایا جاتا ہے۔ وہ کونسی مشکل ہے جس کیلئے یہ سپر نہ ہو؟ اور وہ کونسی مصیبت ہے جس کے دور کرنے کا سامان ان میں موجود نہ ہو۔ وہ دشمن کا خطرہ ہو یا غنیم کا کھٹکا، قرض کی گرانباری ہو یا رزق کی تنگی، غموں کی فراوانی ہو یا بلاؤں کا ہجوم، درد و الم کی طوفان انگیزی ہو یا شدت مرض کی جانکاہی، افکارِ دنیا کی کشمکش ہو یا روزِ آخرت کا دھڑکا، سب کی چارہ سازیوں کا سر و سامان ان میں موجود ہے۔

اب اس دولت فراوان کے ہوتے ہوئے کوئی اپنی بے چارگی و بے نوائی کا علاج نہ کرے تو وہ خود اپنی محرومی و ناکامی کا باعث ہو رہا ہے اور کوئی اپنے فقر و احتیاج کو دور کرنے کیلئے کریم کے در پر دستک نہ دے تو وہ خود اپنے لئے افلاس و نکبت کو دعوت دے رہا ہے۔ یہ دست کریم کی بخیلی نہیں بلکہ طلب کرنے والے کی کوتاہی و سہل انگاری ہے۔

گر گدا کاهل بود تقصیر صاحب‌خانه چیست!؟

خوف و رجاء کی تلقین

عبودیت کی تکمیل کیلئے خوف و رجاء کے ملے جلے جذبات کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ خوف و رجاء سے فکر و اعتقاد میں پختگی پیدا ہوتی ہے اور یہی پختگی عمل کی تحریک کرتی ہے اور نتیجہ میں انسان اپنی اعتقادی و عملی زندگی کو سنوار لے جاتا ہے۔ چنانچہ امید و رجاء سے وابستگی ہوگی تو طلب و سعی میں سرگرمی پیدا ہو جائے گی اور وہ کسی حالت میں بھی عمل و اطاعت سے جی نہیں چرائے گا اور امید کے سہارے پر قدم آگے بڑھاتا چلا جائے گا۔ اور یہ امید و رجاء ہی کا کرشمہ ہے کہ اللہ کی راہ میں جو کلفتیں اور اذیتیں اسے پیش آتی ہیں انہیں خندہ پیشانی سے جھیل لے جاتا ہے اور کسی موقع پر زبان کو شکوہ و شکایت سے آلودہ نہیں ہونے دیتا۔ اور دل میں خوف بسا ہوا ہوگا تو وہ انجام کار کی کامیابی سے مطمئن ہو کر غفلت میں نہیں پڑے گا اور محاسبہ کے ڈر سے گناہوں کے خارزار میں پھاندنے سے جھجکے اور برائیوں کے بھنور میں اترنے سے ڈرے گا۔ کیونکہ خوف طبعاً محرمات سے عناں گیر اور نشہ باطل کی فریب خوردگی سے مانع ہوتا ہے اور اسے اپنے کسی عمل پر نازاں و مغرور نہیں ہونے دیتا، چاہے وہ عمل کتنا بلند، پاکیزہ اور خلوص کا حامل ہو۔ چہ جائیکہ پر فریب طفل تسلیوں سے نفس کو دھوکا دے اور اپنے کو عقبیٰ کی بازپرس سے بالاتر سمجھ لے۔

مگر یہ نتائج و اثرات اس صورت میں مرتب ہو سکتے ہیں جب ان دونوں حالتوں میں توازن و اعتدال کارفرما ہو اور امید و رحمت کے احساس کے ساتھ قہر و غضب کا تصور اور قہر و غضب کے احساس کے ساتھ لطف و رأفت کا تصور بھی قائم ہو اور اگر صرف امید ہی لگائے رہے تو وہ خوشیوں کے ایسے خواب دیکھنا سیکھ جاتا ہے جو کبھی پورے نہیں ہوتے اور آخر اسے نقصان و ہلاکت ابدی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾

اللہ کے عذاب سے صرف گھاٹا اٹھانے والے ہی مطمئن ہوتے ہیں۔[1]

---

[1] سورۂ اعراف، آیت ۹۹۔

اور اگر دل و دماغ پر خوف ہی خوف چھایا رہے تو وہ اپنے لئے خوشگوار مستقبل کا تصور بھی نہیں کر سکتا اور یاس و نامرادی کی ایسی گہرائیوں میں جا پڑتا ہے جہاں سے کوئی ہاتھ اسے سہارا دے کر ابھار نہیں سکتا اور نتیجہ میں یقین کی روح پژمردہ اور ایمان کا سوتا خشک ہو جاتا ہے۔

چنانچہ ارشادِ قدرت ہے:

﴿اِنَّهٗ لَا یَایْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾

اللہ کی رحمت و بخشش سے صرف کافر ہی مایوس ہوتے ہیں۔[1]

اور اگر ان دونوں متضاد سمتوں میں درمیانی راہ پیدا کر لے، اس طرح کہ کسی سمت سے بے تعلق نہ ہونے پائے تو نہ امید کی فتح مندیاں اسے مغرور بنا سکیں گی اور نہ یاس کی ناامیدیاں اسے بھیانک اندھیروں میں بھٹکنے دیں گی بلکہ زندگی کے تمام گوشے تقویٰ وعبودیت کی تابندگیوں سے روشن ومنور ہو جائیں گے اور امید و بیم کے سایہ میں حسن عمل کا کارواں کامیابی کے ساتھ منزل مقصود کی طرف بڑھتا رہے گا۔

چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَیَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِیْنَ﴾

وہ لوگ نیکیوں کی طرف تیزی سے بڑھتے تھے اور ہمارے فضل و کرم سے امید لگائے اور ہمارے عذاب سے ڈرتے ہوئے دُعائیں مانگتے تھے اور ہمارے سامنے سر نیاز جھکائے ہوئے تھے۔[2]

امید و بیم کے سلسلہ میں یہودی و مسیحی نظریات اسلام کے نظریہ اعتدال کے خلاف ہیں۔ چنانچہ یہودیوں نے خدا کو قہر وغضب کا ایک مرقع بنا کر پیش کیا جس کے ہاں رحمت و رأفت اور عفو و درگزر کی اگر گنجائش ہے تو بہت ہی کم۔ اور عیسائیوں نے قہر وغضب کے مقابلہ میں لطف و رحمت کے عناصر اتنے بڑھا دیئے کہ مکافاتِ عمل سے مطمئن ہو گئے۔ مگر اسلام نے ان دونوں کے درمیان ایک متوازن سطح قائم کی اور رحمت کے ساتھ عدالت اور عدالت کے ساتھ لطف و مرحمت کا تصور بھی برقرار رکھا تا کہ رحمت کا تصور انجام کار کی کامیابی سے مایوس نہ ہونے دے اور عدالت کا عقیدہ اس کے احکام کی بجا آوری سے غفلت میں نہ ڈال دے۔

چنانچہ امام باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے:

اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ عَبْدٍ مُّؤْمِنٍ اِلَّا وَ فِیْ قَلْبِهٖ نُوْرَانِ: نُوْرُ خِیْفَةٍ وَّ نُوْرُ رَجَآءٍ، لَوْ وُزِنَ هٰذَا لَمْ یَزِدْ عَلٰی هٰذَا وَ لَوْ وُزِنَ هٰذَا لَمْ یَزِدْ عَلٰی هٰذَا.

ہر مؤمن کے دل میں دو نور ہوتے ہیں: ایک نورِ خوف اور ایک نورِ رجاء۔ اس طرح کہ اگر ان دونوں کو وزن کیا جائے تو دونوں ترازو کے تول برابر اتریں گے۔[3]

---

[1] سورۂ یوسف، آیت ۸۷۔

[2] سورۂ انبیاء، آیت ۹۰۔

[3] الکافی، ج ۲، ص ۷۱۔

لیکن سوال یہ ہے کہ خوف و رجاء کو کس طرح نقطۂ اعتدال پر لایا جا سکتا ہے اور کیونکر ان کی شدت کو کم کر کے ان میں ایک متوازن حالت پیدا کی جا سکتی ہے۔ تو یہ خوف و رجاء کے محرکات اور عوامل سے وابستہ ہے اور اس سلسلہ میں صحیفہ کاملہ کی دُعائیں اپنی اثر اندازی کے لحاظ سے انفرادی حیثیت کی حامل ہیں۔ چنانچہ صحیفہ کی جس دُعا پر نظر کی جائے، ہر دُعا میں خوف و رجاء کے دواعی و اسباب دوش بدوش نظر آئیں گے جن سے خوف کی پژمردگی کے ساتھ امید کی تروتازگی اور عفوورحمت کی توقع کے ساتھ خوف و ہراس کی دھڑکن بھی برقرار رہتی ہے۔

وہ خوف و رجاء کے محرکات کیا ہیں؟ ذیل میں ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے اور صحیفہ میں سے ایک آدھ دُعا کا جز بھی بطور نمونہ واستشہاد درج کیا جاتا ہے تاکہ یہ امر واضح ہو سکے کہ یہ دُعائیں ان صفات کے پیدا کرنے میں کس حد تک کامیاب ہیں اور کس مؤثر پیرایہ سے ہیبت و جبروتِ الٰہی اور رحمت و رافتِ خداوندی کو نگاہوں کے سامنے پیش کرتی اور روح کو خوف و رجاء کے جذبات سے متأثر کرتی ہیں۔

دواعی خوف

- پہلا داعی یہ ہے کہ انسان ان گناہوں کو یاد کرے جن کا مرتکب ہوتا رہا ہے اور ان حقوق کا خیال کرے جن سے عہدہ برآ ہونے کی اب کوئی صورت باقی نہیں رہی، کیونکہ وہ افراد دنیا میں موجود ہی نہیں ہیں جن کے حقوق اس کے ذمہ تھے کہ وہ ان کا تدارک کر سکے یا ان سے عفوو درگزر کی درخواست کرے۔ تو اب اللہ کے گناہوں سے اگر توبہ کر بھی لے، تو لوگوں کے حقوق و مظالم سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کیا سبیل کر سکتا ہے۔ امام علیہ السلام اس داعیٔ خوف کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرماتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ وَ عَلَيَّ تَبِعَاتٌ قَدْ حَفِظْتُهُنَّ، وَ تَبِعَاتٌ قَدْ نَسِيْتُهُنَّ، وَ كُلُّهُنَّ بِعَيْنِكَ الَّتِيْ لَا تَنَامُ، وَ عِلْمِكَ الَّذِيْ لَا يَنْسٰى، فَعَوِّضْ مِنْهَآ اَهْلَهَا، وَ احْطُطْ عَنِّيْ وِزْرَهَا، وَ خَفِّفْ عَنِّيْ ثِقْلَهَا، وَ اعْصِمْنِيْ مِنْ اَنْ اُقَارِفَ مِثْلَهَا.

اے اللہ میرے ذمہ کتنے ایسے حقوق ہیں جو مجھے یاد ہیں اور کتنے ایسے مظلمے ہیں جو مجھے بھول چکے ہیں، لیکن وہ سب کے سب تیری ان آنکھوں کے سامنے ہیں جو خواب آلودہ نہیں ہوتیں اور تیرے اس علم میں ہیں جس میں فروگزاشت نہیں ہوتی، لہٰذا جن لوگوں کا مجھ پر کوئی حق ہے اس کا انہیں عوض دے کر اس کا بوجھ مجھ سے برطرف اور اس کا بار ہلکا کر دے اور مجھے پھر ویسے گناہوں کے ارتکاب سے بچائے رکھ۔[1]

- دوسرا داعی یہ ہے کہ اللہ نے اپنے قہر و غضب سے گنہگاروں اور مجرموں کیلئے جو سزا و عقوبت تجویز کی ہے اس کی شدت و سختی کا تصور کرے اور جہنم کے ان بھڑکتے ہوئے شعلوں کا نقشہ اپنی آنکھوں کے سامنے جمائے کہ جن میں وہ ایندھن کی طرح جلتا ہوگا اور ہر طرف سے سانپ بچھو منہ کھولے ہوئے اس پر حملہ آور ہوں گے اور وہاں نہ کوئی فریاد سننے والا ہوگا اور نہ کوئی اس عذاب سے بچانے والا ہوگا۔ چنانچہ امام علیہ السلام فرماتے ہیں:

وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَقَارِبِهَا الْفَاغِرَةِ اَفْوَاهُهَا، وَ حَيَّاتِهَا الصَّالِقَةِ بِاَنْيَابِهَا، وَ شَرَابِهَا الَّذِيْ

[1] صحیفہ کاملہ، دعا نمبر ۳۱۔

يُقَطِّعُ اَمْعَآءَ وَ اَفْئِدَةَ سُكَّانِهَا، وَ يَنْزِعُ قُلُوْبَهُمْ.

اے اللہ! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں جہنم کے ان بچھوؤں سے جن کے منہ کھلے ہوں گے اور ان سانپوں سے جو دانتوں کو پیس پیس کر پھنکار رہے ہوں گے اور اس کے کھولتے ہوئے پانی سے جو انتڑیوں اور دلوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا اور (سینوں کو چیر کر) دلوں کو نکال لے گا۔[1]

● تیسرا داعی یہ ہے کہ اس امر پر غور کرے کہ جب وہ گرم ہوا کے جھونکوں سے پریشان ہو جاتا ہے اور مچھر ایسے معمولی جانوروں کے کاٹنے سے چیخ اٹھتا ہے تو جب جہنم کے شعلے اس کی طرف لپکیں گے اور سانپ اور بچھو اسے لپٹیں گے تو کیا وہ قہر الٰہی کی بھڑکائی ہوئی آگ کی تپش اور زہریلے جانوروں کے حملے کو سہ لے گا؟ اور وہاں کے قسم قسم کے عذابوں کو برداشت کر لے گا؟ بھلا یہ کہاں ممکن ہے!۔

چنانچہ امام علیہ السلام جہنم کے عذاب کے مقابلہ میں اپنی بے بسی و لاچاری کا اظہار اس طرح فرماتے ہیں:

وَ هٰذِهِ الرِّمَّةَ الْهَلُوْعَةَ، الَّتِیْ لَا تَسْتَطِيْعُ حَرَّ شَمْسِكَ، فَكَيْفَ تَسْتَطِيْعُ حَرَّ نَارِكَ،! وَ الَّتِیْ لَا تَسْتَطِيْعُ صَوْتَ رَعْدِكَ، فَكَيْفَ تَسْتَطِيْعُ صَوْتَ غَضَبِكَ.

یہ میرا بیتاب نفس اور بے قرار ہڈیوں کا ڈھانچہ جو سورج کی تپش کو بھی برداشت نہیں کر سکتا تیرے جہنم کی تیزی کو کیسے برداشت کرے گا اور جو تیرے بادل کی گرج سے کانپ اٹھتا ہے وہ تیرے غضب کی آواز کو کیسے سن سکتا ہے۔[2]

● چوتھا داعی یہ ہے کہ خدا کی لامحدود قوت و طاقت کے مقابلہ میں اپنی کمزوری و لاچاری کا تصور کرے اور یہ سوچے کہ وہ اس پر ہر طرح سے قدرت و اختیار رکھتا ہے اور جب چاہے اور جس طرح چاہے اسے اپنی گرفت میں لے سکتا ہے اور یہ اس کے ادنیٰ اشارے کے سامنے اتنا بھی نہیں ٹھہر سکتا جتنا ایک تنکا طوفانی لہروں کے سامنے اور ایک پر کاہ تند آندھیوں کے آگے اور زمین و آسمان، سمندر، پہاڑ غرض کائنات کے کسی گوشہ میں پناہ نہیں لے سکتا۔

چنانچہ امام علیہ السلام فرماتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ طَالِبِیْٓ اِنْ اَنَا هَرَبْتُ، وَ مُدْرِكِیْٓ اِنْ اَنَا فَرَرْتُ، فَهَآ اَنَا ذَا بَيْنَ يَدَيْكَ خَاضِعٌ ذَلِيْلٌ رَّاغِمٌ.

اے اللہ! اگر میں بھاگنا چاہوں تو تُو مجھے ڈھونڈ لے گا اور اگر راہِ گریز اختیار کروں تو تو مجھے پا لے گا۔ پھر دیکھ میں عاجز، ذلیل اور شکستہ حال تیرے سامنے کھڑا ہوں۔[3]

---

[1] صحیفہ سجادیہ، دعا نمبر ۳۲۔
[2] صحیفہ سجادیہ، دعا نمبر ۵۰۔
[3] صحیفہ سجادیہ، دعا نمبر ۵۰۔

محرکات رجاء

* پہلا محرک یہ ہے کہ اللہ کی ان نعمتوں پر نظر کرے کہ جن کیلئے نہ کچھ کہنے سننے کی ضرورت پڑی اور نہ کسی سفارش کرنے والے کی احتیاج ہوئی، بلکہ اس نے ازخود پرورش وتربیت کے تمام سروسامان مہیا کر دیئے کہ جو شکم مادر سے لے کر زندگی کی آخری سانسوں تک ہر ضرورت اور ہر حالت کے مطابق ملتے رہتے ہیں۔ یہ انداز پرورش ونگہداشت اور بخشش ورحمت انسان کو آخرت کی کامرانی سے پُر امید کر دے سکتی ہے۔ چنانچہ امام علیہ السلام اللہ کی ربوبیت وشفقت کے سلسلہ میں ارشادفرماتے ہیں:

حَتّٰى انْتَهَيْتَ بِيْٓ اِلٰى تَمَامِ الصُّوْرَةِ، وَ اَثْبَتَّ فِيَّ الْجَوَارِحَ كَمَا نَعَتَّ فِيْ كِتَابِكَ: نُطْفَةً ثُمَّ عَلَقَةً ثُمَّ مُضْغَةً ثُمَّ عَظْمًا ثُمَّ كَسَوْتَ الْعِظَامَ لَحْمًا، ثُمَّ اَنْشَاْتَنِيْ خَلْقًا اٰخَرَ كَمَا شِئْتَ، حَتّٰى اِذَا احْتَجْتُ اِلٰى رِزْقِكَ، وَ لَمْ اَسْتَغْنِ عَنْ غِيَاثِ فَضْلِكَ، جَعَلْتَ لِيْ قُوْتًا مِّنْ فَضْلِ طَعَامٍ وَّ شَرَابٍ، اَجْرَيْتَهٗ لِاَمَتِكَ الَّتِيْٓ اَسْكَنْتَنِيْ جَوْفَهَا، وَ اَوْدَعْتَنِيْ قَرَارَ رَحِمِهَا.

یہاں تک کہ تو نے مجھے اس حد تک پہنچا دیا جہاں میری صورت کی تکمیل ہوگئی۔ پھر میرے اندر اعضاء وجوارح ودیعت کئے جیسا کہ تو نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ (میں) پہلے نطفہ تھا، پھر منجمد خون ہوا، پھر گوشت کا ایک لوتھڑا، پھر ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ، پھر ان ہڈیوں پر گوشت کی تہیں چڑھا دیں۔ پھر جیسا تو نے چاہا ایک دوسری طرح کی مخلوق بنا دیا اور جب میں تیری روزی کا محتاج ہوا اور تیرے لطف واحسان کی دستگیری سے بے نیاز نہ رہ سکا تو تُو نے اس بچے ہوئے کھانے پانی میں سے جسے تو نے اس کنیز کیلئے جاری کیا تھا جس کے شکم میں تو نے مجھے ٹھہرایا اور جس کے شکم میں مجھے ودیعت کیا تھا میری روزی کا سروسامان کر دیا۔[1]

* دوسرا محرک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کرم و فیضان کی ہمہ گیری پر نظر کرے کہ اس نے اپنی نعمتوں اور بخشائشوں سے نہ صرف زندگی کی راحت وآسائش اور جسم کی نشوونما کا سامان کیا، بلکہ روح کی تطہیر، نفس کی اصلاح اور اخلاق کی تربیت کا بھی لحاظ رکھا اور جسم وروح کی ہر ضرورت کو پورا کر کے اپنی نعمتوں کو تکمیل کی حد تک پہنچا دیا تو جب دنیا میں اس کا لطف واحسان اتنا مکمل اور ہمہ گیر ہے تو آخرت میں اس کی رحمت ورأفت اور شفقت ومرحمت کتنی کامل، وسیع اور ہمہ گیر ہوگی۔ چنانچہ امام علیہ السلام اس کی نعمت وبخشائش کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

اِلٰهِيْٓ اَحْمَدُكَ وَ اَنْتَ لِلْحَمْدِ اَهْلٌ عَلٰى حُسْنِ صَنِيْعِكَ اِلَيَّ، وَ سُبُوْغِ نَعْمَآئِكَ عَلَيَّ، وَ جَزِيْلِ عَطَآئِكَ عِنْدِيْ، وَ عَلٰى مَا فَضَّلْتَنِيْ بِهٖ مِنْ رَّحْمَتِكَ، وَ اَسْبَغْتَ عَلَيَّ مِنْ نِّعْمَتِكَ، فَقَدِ اصْطَنَعْتَ عِنْدِيْ مَا يَعْجِزُ عَنْهُ شُكْرِيْ، وَ لَوْ لَآ اِحْسَانُكَ اِلَيَّ وَ سُبُوْغُ نَعْمَآئِكَ عَلَيَّ مَا بَلَغْتُ اِحْرَازَ حَظِّيْ، وَ لَآ اِصْلَاحَ نَفْسِيْ، وَ لٰكِنَّكَ ابْتَدَاْتَنِيْ بِالْاِحْسَانِ، وَ رَزَقْتَنِيْ فِيْٓ اُمُوْرِيْ كُلِّهَا الْكِفَايَةَ.

---

[1] صحیفہ کاملہ، دعا نمبر ۳۲۔

اے اللہ! میں تیری حمد کرتا ہوں اور تو ہی میرے ساتھ اچھے سے اچھا سلوک کرنے اور مجھ پر اپنی نعمتوں کے کامل کرنے اور بڑے عطیوں کی مرحمت فرمانے اور اس بنا پر کہ تو نے اپنی رحمت سے مجھے زیادہ سے زیادہ دیا اور اپنی نعمتوں کو مجھ پر تمام کیا، سزاوارِ حمد و ثنا ہے۔ تو نے مجھ پر وہ احسانات کیئے ہیں جن کے شکر سے میں عاجز ہوں اور اگر تیرے احسانات نہ ہوتے اور مجھ پر تیری نعمتیں تمام نہ ہوتیں تو میں نہ اپنا حظّ و نصیب حاصل کر سکتا تھا اور نہ اپنے نفس کی اصلاح کر سکتا تھا۔ تو نے میرے ساتھ احسانات میں ابتدا کی اور تمام امور میں مجھے بے نیازی عطا فرمائی۔[1]

* تیسرا محرک یہ ہے کہ اللہ کی رحمت و رأفت بے پایاں پر نظر کرے کہ اس نے ﴿وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ﴾[2]: ''میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے'' کہہ کر سب کو اپنے فضل و عاطفت کے سایہ میں پناہ دی ہے اور گنہگاروں اور خطا کاروں کو اپنی آمرزش و رحمت کی امید دلائی ہے۔ تو اس کی وسعت رحمت و وعدۂ مغفرت کے بعد مایوسی کے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں اور امید کی کرنیں جگمگانے لگتی ہیں۔ چنانچہ امامؑ کا ارشاد ہے:

وَ اَنْتَ الَّذِیْ تَسْعٰی رَحْمَتُهٗ اَمَامَ غَضَبِهٖ، وَ اَنْتَ الَّذِیْ عَطَآؤُهٗ اَكْثَرُ مِنْ مَّنْعِهٖ، وَ اَنْتَ الَّذِی اتَّسَعَ الْخَلَآئِقُ كُلُّهُمْ فِیْ وُسْعِهٖ.

تو وہ ہے جس کی رحمت اس کے غضب سے آگے چلتی ہے اور تو وہ ہے جس کی عطائیں فیض و عطا کے روک لینے سے زیادہ ہیں اور تو وہ ہے جس کے دامنِ وسعت میں تمام کائناتِ ہستی کی سمائی ہے۔[3]

* چوتھا محرک یہ ہے کہ اس کے اجر و ثواب کی وسعت کو دیکھے کہ جسے کبھی دس گنا، کبھی سات سو گنا، کبھی اس کا بھی دگنا اور کبھی بے حد و حساب سے تعبیر کیا ہے۔ تو کیا یہ اجرِ عظیم عمل کا نتیجہ اور استحقاق کا ثمرہ ہے؟ ایسا نہیں، بلکہ یہ اس کی بخشش و انعام ہے اور اس کے جود و کرم کا تقاضا ہے کہ وہ عمل و استحقاق سے کہیں بڑھ چڑھ کر اجر و جزا دیتا ہے۔ تو جب اجر کے سلسلہ میں اس کا فضل و احسان اتنا بڑھا ہوا ہے تو وہ گناہوں اور خطاؤں سے درگزر کرنے میں کیونکر اپنے تقاضائے کرم سے کام نہ لے گا؟ چنانچہ امام علیہ السلام اس کی بخشش و ثواب کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

وَ اَنْتَ الَّذِیْ زِدْتَّ فِی السَّوْمِ عَلٰی نَفْسِكَ لِعِبَادِكَ، تُرِیْدُ رِبْحَهُمْ فِیْ مُتَاجَرَتِهِمْ لَكَ، وَ فَوْزَهُمْ بِالْوِفَادَةِ عَلَیْكَ، وَ الزِّیَادَةِ مِنْكَ، فَقُلْتَ تَبَارَكَ اسْمُكَ وَ تَعَالَیْتَ: ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ﴾.

تو وہ ہے جس نے اپنے بندوں کیلئے لین دین میں اونچے نرخوں کا ذمہ لیا ہے اور یہ چاہا ہے کہ وہ جو سودا تجھ سے کریں اس میں انہیں نفع ہو اور تیری طرف بڑھنے اور زیادہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوں۔ چنانچہ تو نے کہ جو مبارک نام والا اور بلند مقام والا ہے، فرمایا ہے کہ: ''جو نیکی لے کر آئے گا اسے اس کا دس گنا اجر ملے گا''۔[4]

---

[1] صحیفہ کاملہ، دعا نمبر ۵۱۔
[2] سورۂ اعراف، آیت ۱۵۶۔
[3] صحیفہ کاملہ، دعا نمبر ۱۶۔
[4] صحیفہ کاملہ، دعا نمبر ۴۵۔

صحیفہ کی جامعیت

صحیفہ کاملہ دُعاؤں اور مناجاتوں ہی کا ایک مجموعہ نہیں ہے، بلکہ اُلوہیت کے رموز و اسرارِ عبودیت کے دُرہائے شہوار کا ایک خزینہ عامرہ ہے جو دل و دماغ کو عظمتِ الٰہی کے تصور سے معمور اور کاشانۂ عبودیت کو جمالِ حقیقت کے پرتو سے روشن و پُرنور کر دیتا ہے۔

اس سے خوف و رجاء، محو و فنا، عشق و جذب، تسلیم و رضا اور بصیرت آگہی و عرفانِ حقیقت کے سوتے اُبل کر تشنگانِ علم و عرفان کو سیراب کرتے اور یقین و طمانینت کے آبِ حیات سے قلب و روح کی پیاس بجھاتے ہیں۔

اس کے صفحات پر وہ حقائق و معارف پھیلے ہوئے ہیں جن کی قدر و قیمت کا اندازہ کچھ وہی افراد کر سکتے ہیں جنہوں نے فلسفۂ الٰہیات کی پُر پیچ وادیوں کے چکر کاٹے ہوں اور حکمت و اخلاق کی ضخیم کتابوں کی ورق گردانی کی ہو۔

اس میں مبداء و معاد اور دوسرے اصولِ مذہب کو دُعائیہ پیرایہ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ہر اصل روح عقیدہ بن کر دل و دماغ میں اتر جاتی اور قلب و روح میں سرایت کر جاتی ہے۔

اس کی دُعائیں اور مناجاتیں کائناتِ قدرت و مظاہر فطرت میں غور و خوض کی دعوت دے کر بصیرت پر جلا کرتی، شکوک و شبہات کے دھندلکوں کو چھانٹ کر حقیقت کی طرف رہنمائی کرتی اور مایوسی، پست ہمتی اور دل شکستگی کے تصورات سے علیحدہ کر کے امید و رجاء اور بلند ہمتی و اولوالعزمی کے جذبات سے آشنا کرتی ہیں۔

ان دُعاؤں میں الٰہیاتی و نفسیاتی حقائق کے ساتھ اصلاحِ معاشرہ کے اصول، دینداری و خدا پرستی کے ہدایات، طہارتِ نفس و پاکیزگیٔ قلب کے پیغامات اور فکری و اخلاقی ارتقاء کے وہ تعلیمات بھی پائے جاتے ہیں جو انسان کو اس بلندی پر پہنچا دیتے ہیں جہاں حکمت و اخلاق کی اونچی سے اونچی چوٹیاں اس کے قدموں کیلئے گزرگاہ بن جاتی ہیں اور زندگی کا ہر شعبہ اور فکر و عمل کا ہر گوشہ دینی و اخلاقی تنویروں سے جگمگا اٹھتا ہے۔

صحیفہ کی غرض و غایت

صحیفہ کا نصب العین اور بنیادی مقصد یہ ہے کہ انسان میں خوف و رجاء کے جذبات پیدا کر کے اسے روح عبادت سے آشنا کرے اور دُعائے سحرگاہی و نالۂ نیم شبی کی لذت سے ذوقِ نیازمندی کو تسکین بخشے اور طلب و دُعا اور عجز و نیاز کا سلیقہ سکھائے اور تہذیبِ نفس، پاکیزگیٔ کردار، تعمیرِ اخلاق، تشکیل سیرت اور تطہیرِ قلب و روح سے انسانیت کے جوہر نکھارے اور اسلامی حقیقتوں کو ان کے صحیح خد و خال کے ساتھ ظاہر و آشکارا کرے۔ لیکن یہ مقاصد صرف دُعاؤں کے الفاظ دہرانے سے حاصل نہیں ہو سکتے جب تک ان کے معنی و مطالب پر نظر نہ ہو اور اس کے ساتھ طلب و دُعا میں جوش و ولولہ اور دل میں قصد و ارادہ بھی ضروری ہے۔ اور اگر صرف الفاظ کی ترکیب و ترتیب پر اکتفا کر لی جائے اور معنی و مفہوم کے سمجھنے کی ضرورت نہ سمجھی جائے تو پھر نیت و ارادہ کے بغیر بھی دُعائیں قبول ہو جایا کرتیں اور قصد و خواہش کے بغیر بھی سیرت و کردار میں حسن پیدا ہو جایا کرتا اور ایسا ہوتا تو یہ شعبدہ گری کا ایک کرشمہ ہوتا کسی طلب و تاثر کا نتیجہ نہ ہوتا۔

ہاں! اگر قصد وطلب کے ساتھ الفاظ بھی موقع ومحل کے مناسب اور رفعتِ الوہیت کے شایانِ شان ہوں تو قبولیت میں معین اور استجابت پر اثر انداز ہو سکتے ہیں اور علی الخصوص وہ الفاظ جو ان خاصانِ خدا کی زبان سے نکلے ہوں جو عبودیت کے رمز آشناء، اُلوہیت کے اداشناس اور بارگاہِ ربوبیت میں آدابِ کلام سے واقف ہوں۔ اور معنی ومفہوم کے سمجھنے کے ساتھ اگر طلب و دُعا کے آداب وشرائط اور ورد ومناجات کے اوقات ولمحات بھی ملحوظ رکھے جائیں تو دُعا کی اثر انگیزی اور بڑھ جائے گی اور استجابت و قبولیت سے جلد ہمکنار ہوگی۔ لہٰذا اس مقصد ومفاد اور موضوعِ صحیفہ کو دیکھتے ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن وسنت اور آئمہ معصومین علیہم السلام کے ارشادات کی روشنی میں دُعا کے آداب وشرائط بیان کئے جائیں اور اس کی ضرورت واہمیت کو بھی واضح کیا جائے اور اس سلسلہ میں جو ایرادات وارد کئے جاتے ہیں ان کا بھی ایک حد تک ازالہ کر دیا جائے۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ وَبِهٖ اَسْتَعِيْنُ

☆☆☆☆☆

[دُعاکے آداب وشرائط]

[قرآن وسنت اورآئمہ معصومین علیہم السلام کے ارشادات کی روشنی میں]

دُعا کامفہوم

دُعاکے لغوی معنیٰ ''بلانے اور پکارنے'' کے ہیں اورعرف میں اللہ تعالی سے راز ونیاز اور بارگاہِ الوہیت میں مقصد وحاجت کے پیش کرنے کو کہتے ہیں اور کبھی ان کلمات پر بھی دُعا کا اطلاق ہوتا ہے جوصرف حمد وثناءِ الٰہی پر مشتمل ہوتے ہیں اور ان میں طلب وسوال اورعرضِ حال کی صورت نہیں ہوتی۔ چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کاارشاد ہے:

خَيْرُ الدُّعَآءِ دُعَآئِيْ وَ دُعَآءُ الْاَنْبِيَآءِ مِنْ قَبْلِيْ وَ هُوَ: «لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ، يُحْيِيْ وَ يُمِيْتُ، وَ هُوَ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ، بِيَدِهِ الْخَيْرُ، وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ».

بہترین دُعامیری اور مجھ سے پہلے نبیوں کی دُعاہے اور وہ یہ ہے کہ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے جو یکتا ولاشریک ہے۔اسی کیلئے شاہی و جہان داری ہے اور اسی کیلئے حمد وستائش ہے۔وہ زندگی وموت دینے والا ہے اور وہ ایسا زندہ ہے جس کیلئے موت نہیں۔اس کے ہاتھ میں بھلائی ہی بھلائی ہے اور ہر چیز پر اسے قدرت حاصل ہے۔[1]

ان تحمیدی کلمات کو دُعاسے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ تعریف وستائش کے اندر طلب وسوال کا پہلو بھی پنہاں ہوتا ہے۔اگرچہ اس کی نوعیت سوال کی نہیں ہوتی مگر طلب وسوال سے خالی بھی نہیں ہوتی اور یہ طلب و عرض حاجت کاایک لطیف انداز ہے جس کے بعد کھلے الفاظ میں عرض وسوال کی احتیاج نہیں رہتی اور سننے والا مزید کچھ کہنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ چنانچہ اگر کوئی شخص کسی دولت مند کے جود وسخا کی تعریف کرتے ہوئے اپنی محتاجی وبے مائیگی کا ذکر کرے تو اس کے بعد یہ کہنے کی ضرورت ہی کیا ہے کہ اس کی لبِ تشنگی اس کے سرچشمۂ جود وسخا سے سیرابی کی طلبگار ہے۔جبکہ اس مدح وتوصیف اور اپنی بے نوائی کے ذکر کے بعد سوال مخفی نہیں رہا۔اس مطلب کی طرف امیہ ابن ابی الصلت نے اپنے اس شعر میں جو ابن جذعان کی مدح میں کہا ہے،اشارہ کیا ہے:

اِذَآ اَثْنٰى عَلَيْكَ الْمَرْءُ يَوْمًا كَفَاهُ مِنْ تَعَرُّضِهِ الثَّنَآءُ

''جب کوئی شخص تمہاری مدح وثنا کرتا ہے تو یہ مدح وثنا اسے دستِ طلب بڑھانے سے بے نیاز کر دیتی ہے''۔[2]

اسی طرح اگر کوئی شخص اللہ کی بارگاہ میں اپنی احتیاج وبے نوائی اور اس کے فیضانِ کرم اور شانِ استغنا وبے نیازی کا تذکرہ کرے تو اس کے بعد کونسی بات رہ جاتی ہے جو طلب کے سلسلہ میں نہ کہی گئی ہو کہ اب کہنے کی ضرورت محسوس ہو؟۔بلکہ یہی مدح وتوصیف عین طلب وسوال ہے۔

---

[1] ریاض السالکین،ج ا،ص ۲۲۵۔

[2] بحارالانوار،ج ۸۳،ص ۲۵۶۔

دُعا کا حکم

اللہ سبحانہ نے اپنی بہت سی بخششوں اور نعمتوں کو دُعا سے وابستہ کیا ہے اور یہ اس کا لطف و احسان ہے کہ اس نے نہ صرف دُعا کی طرف رہنمائی کی بلکہ حکماً دُعا کا فریضہ عائد کر دیا تا کہ اس کے بندے اس کے فیضانِ کرم سے بہرہ مند اور اس کے انعام و بخشش سے دامن مراد بھرتے رہیں۔ چنانچہ قرآن و حدیث و آثار ائمہ طاہرینؑ میں دُعا کے متعلق بڑی تاکید وارد ہوئی ہے اور ہر طرح سے اس پر ترغیب و تحریص دلائی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ ۖ أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ﴾

جب میرے بندے میرے بارے میں تم سے پوچھیں تو کہہ دو کہ میں ان کے پاس ہی تو ہوں اور جب کوئی مجھ سے دُعا مانگتا ہے تو میں دُعا کرنے والے کی دُعا کو سنتا اور (مناسب ہوتا ہے تو) قبول کرتا ہوں۔[1]

﴿أَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ﴾

وہ کون ہے کہ جب مضطر و لاچار اسے پکارے تو وہ سنتا ہے اور ہر دکھ درد کو دور کرتا ہے۔[2]

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ﴾

تمہارا پروردگار فرماتا ہے کہ مجھ سے دُعا مانگو میں تمہاری دُعا قبول کروں گا۔[3]

﴿أُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ﴾

تم اپنے پروردگار کو تضرع و عاجزی کے ساتھ اور چپکے چپکے پکارو۔[4]

﴿هُوَ الْحَيُّ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ﴾

وہی تو ہمیشہ رہنے والا ہے جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ لہٰذا تم صدقِ نیت سے عبادت کر کے اس سے دُعا مانگو۔[5]

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَلدُّعَآءُ سِلَاحُ الْمُؤْمِنِ وَ عَمُوْدُ الدِّيْنِ.

دُعا مومن کا ہتھیار اور دین کا ستون ہے۔[6]

---

[1] سورۂ بقرہ، آیت ۱۸۶۔

[2] سورۂ نمل، آیت ۶۲۔

[3] سورۂ مومن (غافر)، آیت ۶۰۔

[4] سورۂ اعراف، آیت ۵۵۔

[5] سورۂ مومن (غافر)، آیت ۶۵۔

[6] الکافی، ج ۲، ص ۴۶۸۔

امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا ارشاد ہے:

اَلدُّعَآءُ تُرْسُ الْمُؤْمِنِ وَ مَتٰی تُكْثِرْ قَرْعَ الْبَابِ يُفْتَحْ لَكَ.

دُعا مومن کی سپر ہے۔ جب تم بار بار دروازہ کھٹکھٹاؤ گے تو وہ تمہارے لئے کھول دیا جائے گا۔[1]

امام زین العابدین علیہ السلام کا ارشاد ہے:

«اِنَّ الدُّعَآءَ لَيَرُدُّ الْبَلَآءَ»: ''دُعا بلا ومصیبت کو ٹال دیتی ہے''۔[2]

امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے:

«اَفْضَلُ الْعِبَادَةِ الدُّعَآءُ»: ''بہترین عبادت دُعا ہے''۔[3]

امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

اَلدُّعَآءُ اَنْفَذُ مِنَ السِّنَانِ الْحَدِيْدِ.

دُعا تیز دھار والی انّی سے بھی زیادہ مؤثر و کارگر ہوتی ہے۔[4]

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا ارشاد ہے:

عَلَيْكُمْ بِالدُّعَآءِ، فَاِنَّ الدُّعَآءَ لِلّٰهِ وَ الطَّلَبَ اِلَى اللّٰهِ يَرُدُّ الْبَلَآءَ.

تمہیں لازماً دُعا مانگنا چاہئے کیونکہ اللہ سے طلب و دُعا بلا ومصیبت کو برطرف کر دیتی ہے۔[5]

امام رضا علیہ السلام کا ارشاد ہے:

عَلَيْكُمْ بِسِلَاحِ الْاَنْبِيَآءِ، فَقِيْلَ: وَ مَا سِلَاحُ الْاَنْبِيَآءِ؟ قَالَ الدُّعَآءُ.

تمہیں انبیاء علیہم السلام کے ہتھیار سے آراستہ ہونا چاہئے۔ پوچھا گیا کہ وہ ہتھیار کیا ہے؟ فرمایا: دُعا۔[6]

امام محمد تقی علیہ السلام کا ارشاد ہے:

اَلدُّعَآءُ يَدْفَعُ الْبَلَآءَ.

دُعا، ردِّ بلا کا ذریعہ ہے۔[7]

---

[1] الکافی، ج ۲، ص ۴۶۸۔
[2] الکافی، ج ۲، ص ۴۶۹۔
[3] ارشاد القلوب، ج ۱، ص ۱۴۸۔
[4] الکافی، ج ۲، ص ۴۶۹۔
[5] الکافی، ج ۲، ص ۴۷۰۔
[6] الکافی، ج ۲، ص ۴۶۸۔
[7] الکافی، ج ۲، ص ۴۶۹۔

دُعا کی ہمہ گیری و فطری اہمیت

ہر شخص دُعا کی ضرورت کو شدت سے محسوس کرتا ہے اور جس چیز کی ضرورت کا احساس شدید ہو وہ اپنے مقام پر ایک مسلمہ حقیقت کی حامل اور انسان کی فطری طلب اور قدرتی خواہش ہوتی ہے اور اگر اس کی ضرورت و اہمیت پر کوئی دلیل قائم نہ بھی کی جاسکے جب بھی اس کی واقعیت میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا اور نہ اس کے بارے میں اطمینان و ایقان میں کوئی فرق پڑ سکتا ہے۔ اس لئے کہ فطرت کی ہم آہنگی خود سب سے بڑی دلیل ہے چہ جائیکہ اس کی اہمیت پر فطرت و وجدان کی شہادت کے علاوہ بے شمار دلائل بھی قائم ہو چکے ہیں۔ چنانچہ اس کی اہمیت کے ثبوت کیلئے یہ کافی ہے کہ عبادات میں سب سے بڑی عبادت نماز ہے اور وہ بھی طلب دُعا پر مشتمل ہے جسے ہر روز کم از کم پانچ مرتبہ بجالانا ضروری ہے اور اذکارِ نماز میں سب سے اہم سورۂ فاتحہ ہے اور وہ سراپا دُعا ہے اور قرآن مجید میں آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، یعقوبؑ، یوسفؑ، ایوبؑ، شعیبؑ، یونسؑ، زکریاؑ، سلیمانؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دُعاؤں کا تذکرہ ہے اور ان کے علاوہ آسیہ زنِ فرعون، سحرہ مصر، لشکرِ طالوت، اصحابِ کہف اور دیگر اہل ایمان کی دُعاؤں کا ذکر ہے۔ جس سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ دُعاء انبیاء کی سیرت، اولیاء کا شیوہ، اور خاصانِ خدا کا دستور ہے۔

علاوہ ازیں یہ صرف ملتِ اسلامیہ ہی کا شعار نہیں ہے بلکہ تمام ملل و ادیان اسے روح نیازمندی و حسن عبودیت سمجھتے ہیں اور فکر و عمل کے اختلاف کے باوجود اس نظریے پر یکجہتی سے متفق ہیں کہ کوئی پکار سننے والا ہے، اسے پکارنا چاہئے اور کوئی دکھ درد کا مداوا کرنے والا ہے، اس سے چارہ سازی کی التجا کرنا چاہئے۔ چنانچہ زبور کے ترانے، تورات کے نغمے، انجیل کے زمزمے، شام وید اور شریمد بھگوت کی پرارتھنائیں، گرنتھ سیرا اور گیتا کی اپاسنائیں اور ژند اوستا میں زردشت کی گاتھائیں اور دوسرے ادیانِ عالم کے مقدس صحیفوں کی دُعائیں اس کی شاہد ہیں، اور اسلام میں تو فریضۂ دُعا کی اتنی اہمیت ہے کہ اس کے ترک پر جہنم کی وعید تک وارد ہوئی ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ﴾

مجھ سے دُعا مانگو میں قبول کروں گا، وہ لوگ جو غرور و تکبر کی وجہ سے میری عبادت سے منہ موڑ لیتے ہیں وہ ذلیل ہو کر جہنم واصل ہوں گے۔[1]

مفسرین نے اس آیت میں عبادت سے دُعا کو مراد لیا ہے کیونکہ دُعا عبادت ہی کا ایک شعبہ ہے اور امام زین العابدین علیہ السلام بھی اس کی تائید میں فرماتے ہیں:

فَسَمَّيْتَ دُعَآءَكَ عِبَادَةً، وَ تَرْكَهُ اسْتِكْبَارًا، وَ تَوَعَّدْتَ عَلٰى تَرْكِهٖ دُخُوْلَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ.

تو نے دُعا کا نام عبادت رکھا ہے اور اس کے ترک کو غرور سے تعبیر کیا ہے اور اس کے ترک پر جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہونے سے ڈرایا ہے۔[2]

---

[1] سورۂ مومن (غافر)، آیت ۶۲۔

[2] صحیفہ کاملہ، دعا نمبر ۴۵۔

دُعا کے نفسیاتی فوائد

- یہ حقیقت ہے کہ انسان جس قدر اپنے نفسیات پر قابو رکھتا ہے اسی قدر اجتماعِ خیالات پر قادر رہوتا ہے اور یہ دل و دماغ کی یکسوئی اور خیالات کی ہم آہنگی قوتِ ارادی کی بنیاد ہے۔ اس قوت کی حقیقت کچھ بھی ہولیکن اس سے انکار نہیں ہوسکتا اور تجربہ شاہد ہے کہ اپنے مقصد میں عموماً وہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں جو اس طاقت کے حامل ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف پراگندہ خیال لوگ خیالات کی ادھیڑ بن میں اپنی زندگی ختم کر دیتے ہیں اور منزلِ مقصود تک رسائی انہیں نصیب نہیں ہوتی۔ اس قوتِ ارادی کو مضبوط و مستحکم کرنے کیلئے یقین کی ضرورت ہے کیونکہ ارادہ کی پختگی یقین کی مضبوطی سے وابستہ ہے۔ اس لئے کہ مشکوک وغیر یقینی چیزوں سے ارادہ کا حتمی تعلق نہیں ہوتا لہٰذا جب تک یقین کامل نہ ہوگا ارادہ بھی کامل نہیں ہوسکتا اور مقصد کے حصول کیلئے جو اسباب درکار ہیں ان کے عناصر صرف دو ہیں۔ ایک ارادہ اور دوسرے یقین۔ لیکن ہر شخص میں یہ قوت وطاقت نہیں ہوتی کہ وہ انہیں براہِ راست حاصل کرلے جائے۔ اس لئے ایک ایسی چیز کی ضرورت ہے جو دل و دماغ کو عزم ویقین کے کیفیات قبول کرنے کے قابل بنا سکے اور وہ دُعا ہے جو ان دونوں کے مجموعے کی منزل تک پہنچانے میں معین ثابت ہوتی ہے۔ وہ اس طرح کہ دُعا کی اصل حقیقت مبدأ کائنات سے رابطہ پیدا کرنا اور اس کی قوت وطاقت کو دیکھتے ہوئے کہ وہ ہر حاجت کے پورا کرنے اور ہر مشکل کے حل کرنے پر قادر ہے۔ اس سے اپنی حاجتوں اور آرزؤں کو وابستہ کردیتا ہے اور جوں جوں یہ رابطہ اور حل مشکلات پر اس کی قدرت کا تصور مضبوط ہوتا ہے، شکوک کے دھند لکے چھٹنے اور یقین کی شعائیں چمکنے لگتی ہیں اور خیالات اِدھر اُدھر بھٹکنے اور مختلف آستانوں کی طرف مڑنے کی بجائے ایک مرکز پر جمع ہو جاتے ہیں جس کے نتیجہ میں ایک متذبذب وغیر مستقل مزاج شخص جو ہر چیز میں شکوک پیدا کرنے کا عادی اور فکری استقامت سے محروم ہو چکا ہوتا ہے یقینیات کیلئے اپنے دل و دماغ میں جگہ پیدا کرلیتا ہے۔

اسی طرح تمام ذرائع سے منہ موڑنے اور صرف ایک مرکزِ امید سے وابستہ ہونے سے جو ذہن میں یک جہتی و ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے اس سے خیالات کے مجتمع کرنے کی قوتیں ابھر آتی ہیں جس کا نتیجہ قوتِ ارادی کے استحکام کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ غرض دُعا، عزم ویقین کا سرچشمہ اور عزم ویقین کامیابی کا سنگ بنیاد ہیں۔

- دُعا کا دوسرا افادی پہلو یہ ہے کہ انسان کو لازماً اپنی زندگی کے نشیب وفراز میں ایسے لمحات سے دو چار ہونا پڑتا ہے جن میں تمنائیں اور آرزوئیں یاس کی چٹانوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتی ہیں اور اضطراب کو تسلی دینے کے تمام سہارے اور امیدوں کے سارے بندھن ایک ایک کر کے ٹوٹ جاتے ہیں۔ اس نامرادی و پریشانی کے عالم میں انسان فطرةً کوئی سہارا ڈھونڈتا ہے جو اس کے قلق واضطراب کیلئے تسلی وتسکین کا سامان فراہم کرے اور اگر وہ یہ فیصلہ کرلے کہ اب کوئی چیز اسے بچا نہیں سکتی تو پھر اس کے پاس کون سا سہارا رہ جاتا ہے جو اس کا ہاتھ تھام کر اسے زندگی کی شاہراہ پر کھڑا کرے اور یاس کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں اسے امید کا چراغ دکھائے۔ اور اگر اس لاچاری و درماندگی کی حالت میں یہ یقین ہو کہ ایک بالادست طاقت اسے الجھن و پریشانی سے نکال لے جاسکتی ہے تو اس کی طرف رجوع ہونے سے مضبوط تر سہارا کون ہوسکتا ہے؟ چنانچہ یہ یقین ہی وہ چیز ہے جو پریشانیوں کے بادلوں کو چھانٹ دیتا ہے اور دنیا کی پیہم ناکامیوں کے بعد بھی مایوس نہیں ہونے دیتا اور وہ ناکامیوں اور نامرادیوں کے ہجوم میں

انجامِ کار کی کامیابی کا یقین لئے ہوئے اللہ کی چارہ سازیوں کا امیدوار رہتا ہے۔ چنانچہ جب صبر انسانی کی بساط الٹ جاتی ہے اور متاعِ سکون لٹ چکتا ہے اور کامیابی و کامرانی کے تمام ذرائع مسدود اور وسائل ناپید ہوجاتے ہیں تو اس وقت کرب و اضطراب کی حالت میں اللہ تعالیٰ کو پکارنا، عجز و الحاح کا ہاتھ اٹھانا اور درد و غم کی روداد اور رنج و الم کی داستان اسے سنانا دل کیلئے سرمایہ تسکین ثابت ہوتا ہے اور یاس و قنوطیت کو امید و رجا سے بدل دیتا ہے جس سے انسان اپنی پاشان و پریشان قوتوں کو یکجا کر کے نئے عزم و ارادہ کے ساتھ حوادث سے ٹکرانے کیلئے آمادہ ہوجاتا ہے اور ہمت شکنی کے ہولناک غار میں گرنے سے اپنے کو بچالے جاتا ہے۔

- دُعا کا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ اس سے عبد و معبود کا رشتہ استوار اور عبودیت و الوہیت کا رابطہ مضبوط و مستحکم ہوتا ہے۔ کیونکہ جب سارے سہارے ختم ہوجاتے ہیں اور ہر طرف امید کے دیئے بجھے بجھے نظر آتے ہیں اور ذاتِ معبود کے علاوہ اور کوئی مرکزِ امید دکھائی نہیں دیتا تو احتیاج و بے مایئگی کا احساس اور عجز و بے کسی کا جذبہ دل و دماغ کو اس کے جلال و جبروت سے متأثر کر کے اس کے دروازہ پر جھکا دیتا ہے اور انسان کے سوئے ہوئے وجدان کو جھنجھوڑ کر بیدار کر دیتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں وہ تمام علائق و اسباب سے بے نیاز ہو کر اسے ہی پکارے گا اور اسی سے اپنے درد کا درمان چاہے گا اور اس طلب و دُعا کے ذریعہ اس سے لو لگائے رہے گا اور یہ ربط اور لگاؤ اسے تقربِ معبود کے اعلیٰ مدارج پر پہنچا دے گا۔
- دُعا کا چوتھا فائدہ یہ ہے کہ اس سے خدا کی قوت و طاقت پر اعتماد میں اضافہ ہوتا ہے اور خود اپنی قوت و توانائی پر سے بھروسا ختم ہوجاتا ہے۔ چنانچہ جب انسان دُعا کے نتیجہ میں کسی مصیبت سے چھٹکارا یا کسی مقصد میں کامیابی حاصل کرتا ہے تو اسے یقین ہوجاتا ہے کہ یہ سب کچھ قدرت کی کارفرمائی و کارسازی کا نتیجہ ہے جس میں خود اس کی قوت و طاقت اور کارکردگی کا ذرا دخل نہیں ہے۔

اس کے نتیجہ میں وہ ہر موقع پر قدرت کی قوت و طاقت اور کارسازی پر بھروسا کرنے کا خوگر ہوجاتا ہے اور اپنی کمزوری و لاچاری کو دیکھتے ہوئے کسی مرحلہ پر اپنی قوت و طاقت پر اعتماد نہیں کرتا اور اصل جوہرِ عبودیت یہی ہے کہ انسان کلیۃً اللہ تعالیٰ کی بالادستی پر یقین رکھے اور اپنی طاقت و توانائی پر سے اعتماد ختم کر دے اور یہ دُعا کا ایک لازمی اثر ہے۔

- دُعا کا پانچواں فائدہ یہ ہے کہ اس سے کبر و انانیت کی طوفان انگیزیاں، اور تمرد و سرکشی کی طغیانیاں دب کر رہ جاتی ہیں کیونکہ طلب و سوال کے موقع پر ایسے حرکات و اعمال کا مظاہرہ کیا جاتا ہے جو سراسر عجز و نیاز اور تذلّل و انکسار کے حامل ہوتے ہیں۔ جیسے ہاتھوں کو اوپر اٹھانا، گڑگڑا کر مانگنا، اپنے عجز و قصور کا اعتراف اور بے بضاعتی و لاچاری کا اظہار کرنا، یہ تمام چیزیں متمردانہ خیالات و جذبات کو فنا کر دیتی ہیں اور نتیجہ میں تمام اعمال و افکار عجز و نیاز کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں۔

ایک شبہ اور اس کا حل

دُعا کے سلسلہ میں یہ شبہ عام طور سے وارد کیا جاتا ہے کہ جب خداوندِ عالم نے قرآن مجید میں قبولیتِ دُعا کا وعدہ کیا ہے تو پھر ہر دُعا کو قبول ہونا چاہئے حالانکہ دیکھا یہ جاتا ہے کہ بہت سے دُعا مانگنے والے مدتوں طلب و الحاح کے باوجود اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوتے اور ان کی تمام دُعائیں صدا

بصحرا ثابت ہوتی ہیں۔کیا یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ﴾[1]: ’’خدا اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا‘‘ کے منافی نہیں ہے؟

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ قرآنی آیات دو قسم کے ہیں: ایک مطلق اور دوسرے مقید

’’مطلق‘‘، وہ ہیں جن میں کوئی تقیید و پابندی نہ ہو جیسے ﴿ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ﴾[2]: ’’مجھ سے دُعا مانگو میں قبول کروں گا‘‘، اس میں قبولیت کیلئے کوئی قید و پابندی نہیں ہے۔

اور ’’مقید‘‘ وہ ہیں جن میں کوئی تقیید و پابندی ہو جیسے ﴿بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ﴾[3]: ’’بلکہ تم اسی سے دُعا مانگتے ہو، اگر وہ چاہے تو تمہاری دُعا کو قبول کرے‘‘۔ اس میں قبولیتِ دُعا کو مشیّتِ الٰہی کی قید سے وابستہ کیا گیا ہے۔ اور جب ایک ہی چیز کیلئے مطلق اور مقید دونوں قسم کی آیتیں ہوں تو تقیید کو ایک توضیحی بیان تصور کرتے ہوئے مطلق آیتوں کے اندر بھی تقیید کا وجود مانا جایا کرتا ہے۔ لہٰذا جن آیات میں قبولیتِ دُعا کا وعدہ قیدِ مشیت کا پابند نہیں ہے۔ ان میں بھی مشیت کی پابندی لازماً متصوّر ہوگی اگرچہ خود ان میں یہ تقیید نہیں ہے مگر ایک آیت میں تقیید کا ہونا اس کا ثبوت ہے کہ مطلق آیتیں بھی اس تقیید کے حدود میں ہیں تو جب قبولیتِ دُعا مشیّتِ الٰہی کی پابند ہے تو پیش کردہ شبہ ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جہاں مشیّتِ الٰہی دُعا کی قبولیت سے متعلق ہوگی وہاں دُعا قبول ہو جائے گی اور جہاں مشیت مقتضی نہ ہوگی وہاں رد ہو جائے گی اور اللہ سبحانہ پر یہ پابندی عائد نہیں کی جا سکتی کہ وہ ہر دُعا کو ضرور قبول کرے۔ اگر ایسا ہو تو پھر جہاں دو دُعائیں باہم متصادم ہوں گی اس طرح کہ ایک شخص ایک چیز کا ’’ہونا چاہیے‘‘ اور دوسرا اس کا ’’نہ ہونا چاہیے‘‘ تو وہاں ان دو متضاد چیزوں کو کیونکر جمع کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ یہ امر واضح ہے کہ ہست اور نیست کو جمع نہیں کیا جا سکتا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ خداوندِ عالم تو ہر چیز پر قادر ہے اور کوئی چیز اس کے احاطۂ قدرت سے باہر نہیں ہے تو کیا وہ ایسا نہیں کر دے سکتا کہ ہست و نیست کو جمع کر دے۔ تو یہ صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ قدرت کا تعلق صرف انہی چیزوں سے ہوتا ہے جن کا وقوع ممکن ہو۔ اور جس چیز کا وقوع عقلاً محال ہو اس سے قدرت کا تعلق بھی نہیں ہوتا۔ لہٰذا ایسی چیز کا اسے پابند نہیں قرار دیا جا سکتا جس کی عقل میں کوئی گنجائش نہ ہو۔

عدم قبولیتِ دُعا کے وجوہ و اسباب

جب دُعا کی مقبولیت مصلحتِ الٰہی سے وابستہ ہے تو پھر جہاں مصلحت قبولیت کی مقتضی ہوگی وہاں دُعا قبول ہوگی اور جہاں مصلحت اس کے خلاف کی مقتضی ہوگی وہاں دُعا رد کر دی جائے گی۔ یہ مصلحتِ الٰہی مختلف اعتبارات سے قبولیت میں مانع ہوتی ہے۔ کبھی اس لئے کہ دُعا مانگنے والا اپنے نفع و نقصان سے بے خبر ہونے کی وجہ سے جس میں بظاہر کوئی فائدہ یا خوبی دیکھتا ہے اسے اللہ سے طلب کرتا ہے لیکن واقع میں وہ چیز اس کیلئے مضر و نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ قدرت کا ارشاد ہے:

﴿وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا﴾

[1] سورۂ روم، آیت ۶۔
[2] سورۂ مومن (غافر)، آیت ۶۰۔
[3] سورۂ انعام، آیت ۴۱۔

بسااوقات انسان برائی کی دُعا اس طرح مانگتا ہے جس طرح اپنے لئے بھلائی کی دُعا کرتا ہے (حالانکہ وہ یہ نہیں جانتا کہ یہ برائی ہے) اور انسان تو بڑا ہی جلد باز ہے۔[1]

ایسی صورت میں اس کے سوال کو رد کرنے ہی میں اس کی بھلائی مضمر ہوگی اور اس سے وعدۂ الٰہی پر آنچ نہیں آسکتی۔ اس لئے کہ اس نے سائل کی مصلحت کو نظر انداز کر کے قبولیّت دُعا کا وعدہ نہیں کیا۔ چنانچہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں کسی سائل کو ناکام نہیں پھیروں گا اور اس کے سامنے ایک ایسا سائل آجاتا ہے جو اپنی کم عقلی اور نافہمی کی وجہ سے ایسی چیز کا سوال کرتا ہے جو واقع میں اس کیلئے مہلک و تباہ کن ہوتی ہے تو اگر وہ شخص اس کے سوال کو پورا نہ کرے اور اس کی خواہش کو ٹھکرا دے تو یہ وعدہ کی خلاف ورزی متصوّر نہ ہوگی کیونکہ وعدہ کرتے وقت اس کے پیش نظر سائل کی بہبودی تھی نہ کہ اس کی ہلاکت و تباہی۔ بلکہ ایسی صورت میں سائل کے سوال کو پورا کرنا عقلاء کے نزدیک ایک قابل مذمت فعل ہوگا اور اس سے یہی کہا جائے گا کہ تم نے کیوں اس کے ایسے سوال کو پورا کیا جو اس کیلئے مہلک و مضر تھا اور یہ کوئی نہ کہے گا کہ تم نے کیوں اپنے وعدہ کے خلاف کیا اور کبھی مصلحت اس لئے قبولیت میں مانع ہوتی ہے کہ اگر دُعا مانگنے والے کی دُعا کو قبول کرلیا جائے تو وہ اس کے کسی اور اہم مقصد میں رکاوٹ پیدا کردے گا یا اس کے کسی مفاد کیلئے ضرر رساں ہوگا، یا خود اس کے مفاد کیلئے تو ضرر رساں نہیں مگر مفادِ عمومی کو اس سے نقصان پہنچتا ہے۔ تو اس صورت میں مفادِ نوعی کو مفادِ شخصی پر ترجیح دے کر اس کی دُعا کو رد کر دیا جائے گا اور کبھی افعالِ ناشائستہ جیسے جھوٹ، ظلم، غصب حقوق، اکل احرام، ترکِ واجبات وغیرہ قبولیت میں سدِّ راہ ہوجاتے ہیں کیونکہ یہ چیزیں خلوصِ نیت، حسنِ کردار اور صدقِ عمل کے منافی ہیں اور قبولیت و استجابتِ دُعا کیلئے اعمال کی پاکیزگی ازبس ضروری ہے۔ چنانچہ امیرالمومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے:

الدَّاعِيْ بِلَا عَمَلٍ كَالرَّامِيْ بِلَا وَتَرٍ.

جو عمل نہیں کرتا اور دُعا مانگتا ہے وہ ایسا ہے جیسے بغیر چلّہ کمان کے تیر چلانے والا۔[2]

بلاشبہ عمل کے بغیر دُعا کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی مرض کیلئے دوا تو استعمال کرے مگر اس کے ساتھ ایسی چیزیں بھی کھاتا پیتا رہے جو اس دوا کے اثر کو زائل کردیں یا ایک طرف زمین میں کھیتی بوئے اور دوسری طرف اس میں مویشی چھوڑ دے جو اسے روندیں اور پامال کریں اور کبھی حکمت و مصلحت دوا کے طبعی اثرات کی طرح دُعا کے نتائج کو ختم کر دیتی ہے اور جس طرح نزع کے وقت عموماً دوا کارگر نہیں ہوتی اسی طرح دُعا بھی بے اثر ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور کبھی مصلحت کچھ عرصہ کیلئے قبولیت کو تاخیر میں ڈال دیتی ہے تاکہ جب مناسب موقع و محل آئے اس کی حاجت کو پورا کیا جائے۔ مگر انسان اپنی طبیعت کے لحاظ سے چونکہ جلد باز واقع ہوا ہے، وہ چاہتا ہے کہ اس کی ہر خواہش جلد سے جلد پوری ہوجائے، اس لئے وہ اس تاخیر سے گھبرا کر چیخ اٹھتا ہے، حالانکہ جب بعد میں قبولیت کے موقع و محل کو دیکھتا ہے، تو یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ اگر اس موقع پر اس کی دُعا قبول ہوجاتی تو وہ فوائد و نتائج جو اب مرتب ہو رہے ہیں اس وقت مرتب نہیں ہوسکتے تھے، اور اس تعویق کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دُعا مانگنے والے کی لگن بھا جاتی ہے اور وہ یہ چاہتا ہے کہ بندہ اسی طرح سے دُعا مانگتا اور دامن پھیلاتا رہے۔ اور کبھی اس تاخیر سے اس کے صبر اور اللہ

---

[1] سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۱۱۔

[2] نہج البلاغہ، حکمت نمبر ۳۳۷۔

تعالی سے اس کی وابستگی کی آزمائش مقصود ہوتی ہے کہ وہ قبولیتِ دُعا سے مایوس ہو کر اللہ تعالی سے اپنا رشتہ تو نہیں توڑتا اور اس سے رخ موڑ کر غیر کے در پر جبہ سائی تو نہیں کرتا۔ لہٰذا قبولیت میں اگر تاخیر ہو تو اس کی رحمت و رأفت سے مایوس نہ ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ کریم کے در پر پکارنے والا کبھی ناکام نہیں رہتا۔ ایک نہ ایک دن اس کی سنی جائے گی اور منہ مانگی مراد اسے ملے گی۔ لہٰذا قبولیت و عدم قبولیت کو اللہ پر چھوڑ کر اس سے اپنی حاجت مانگتا رہے اور اپنا دکھ درد اسے سناتا رہے اور عبودیت و نیازمندی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہم اسے پکاریں، اس کے در پر صدا دیں، اس کے آگے جھولی پھیلائیں۔ قطع نظر اس کے کہ ہماری جھولی میں کچھ پڑتا ہے یا نہیں، ہماری پکار کی شنوائی ہوتی ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہوتی تو ایسا نہیں ہے کہ اس کے کرم و جود کا تقاضا بدل گیا ہے، بلکہ یہ محرومی ہماری کوتاہی و تنگ دامانی کا نتیجہ ہے۔

اگر به زلف دراز تو دست ما نرسد گناه بخت پریشان و دست کوته ماست

(حافظ شیرازی)

منکرین دُعا کے شبہات اور ان کا رد

بعض حکماء و متفلسفین دُعا کی افادیت کے منکر اور اسے بے ضرورت سمجھتے ہیں، اور اثباتِ مدّعا کیلئے چند دلیل نما شبہات پیش کرتے ہیں جن کا تجزیہ کیا جائے تو ان کا کوئی وزن باقی نہیں رہتا۔ چنانچہ ان کی پہلی اور سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ہر چیز کے وقوع اور عدم وقوع کا علم پہلے ہی سے اللہ کو ہوتا ہے اور وہ تمام واقعات و حوادث کو قبل وقوع جانتا ہے۔ اور جس چیز کے وقوع و عدم وقوع پر اس کا علم حاوی ہو اس کیلئے دُعا مانگنا ایک بے نتیجہ کوشش ہے۔ کیونکہ دُعا علمِ الٰہی پر اثر انداز ہو کر ہونے والی چیز کو روک نہیں سکتی اور نہ ہونے والی چیز کو وجود میں نہیں لا سکتی۔ اور اگر ایسا ہو تو قدرت کیلئے جہالت لازم آئے گی۔ کیونکہ اس کے علم میں یا تو یہ تھا کہ یہ چیز واقع نہیں ہوگی مگر دُعا کی وجہ سے وہ واقع ہوگئی یا یہ کہ اس کے علم میں یہ تھا کہ یہ چیز واقع ہوگی مگر دُعا اس کیلئے مانع ہوگئی۔ لہٰذا یا تو دُعا کی افادیت سے انکار کیجئے یا اللہ کیلئے جہالت کو تجویز کیجئے۔

یہ شبہ ایک غلط نظریہ پر قائم کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کے علم کو معلوم کا سبب قرار دے لیا گیا ہے حالانکہ معلوم کا وقوع اس لحاظ سے اس کے علم سے وابستہ نہیں ہے کہ وہ اس کا سبب ہو۔ کیونکہ علم صرف معلوم کے ظہور و انکشاف کا نام ہے اور اسے معلوم کے وقوع و عدم وقوع سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ ہمیں اگر یہ علم ہو کہ فلاں زمین زرخیز ہے اور فلاں بنجر، یا فلاں کنوئیں کا پانی میٹھا ہے اور فلاں کنوئیں کا پانی شور تو ہمارا علم زرخیز کو زرخیز اور بنجر کو بنجر اور میٹھے کو میٹھا اور شور کو شور نہیں بناتا۔ اسی طرح ایک منجم اگر یہ خبر دیتا ہے کہ کل بارش ہوگی اور اس کے علم کے مطابق بارش ہو بھی جائے تو اس علم کو بارش کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ یہ بارش تو اس وقت بھی ہوتی جب اسے بارش کے متعلق کچھ بھی علم نہ ہوتا۔ اور اگر اس کا علم ہی سبب ہوتا تو پھر عدم علم کی صورت میں بارش بھی نہ ہونا چاہئے تھی حالانکہ اس کے نہ جاننے کی صورت میں بھی بارش ہوتی۔ لہٰذا علم کو معلومات کے وقوع کا سبب نہیں قرار دیا جا سکتا۔ کیونکہ علم معلوم کے تابع کی حیثیت رکھتا ہے اور جو چیز تابع کی حیثیت رکھتی ہو وہ سبب نہیں قرار پا سکتی۔ کیونکہ سبب مسبب سے مقدم ہوتا ہے۔ خداوند عالم کا علم اگرچہ وہ معلومات کے تابع بایں معنی نہیں ہے کہ معلومات کے ذریعہ سے حاصل ہو۔ پھر بھی چونکہ علم نام اسی کا ہے جو مطابق واقع ہو لہٰذا واقع پر ایک طرح کا ترتب اسے ضرور ہے۔ لہٰذا وہ بھی واقع کا سبب نہیں ہو سکتا۔ اسی سے اس استدلال کی رد ہوتی ہے جو جبر پر کیا جاتا ہے

کہ جو کچھ انسان کے افعال ہوں وہ اللہ کے علم میں ازل سے ہیں۔لہٰذا اب ان افعال کا ہونا ضروری ہے۔اور انسان کی حیثیت ایک مجبورِ محض قرار پائے گی کہ جو نہ اپنے ارادہ واختیار سے کچھ کرسکتا ہے اور نہ جس راستے پر وہ چلایا گیا ہے اس سے انحراف کرسکتا ہے۔

اس صورت میں بعثتِ انبیاءؑ، جزا وسزا، وعدہ ووعید سب چیزیں بے معنی ہوجائیں گی اور بندوں کے تمام گناہوں کی ذمہ داری اگر اس صورت میں انہیں گناہ کہا جاسکے تو اسی کے سر ہوگی۔اس لئے کہ اس کے علم کے مطابق ان گناہوں کا وقوع ضروری تھا۔

چنانچہ اسی نظریئے کی ترجمانی کرتے ہوئے عمر خیام کہتا ہے:

من مَی خورم و هر که چو من اهل بود　　　مَی خوردن من به نزد او سهل بود

مَی خوردن من حق ز ازل می‌دانست　　　گر مَی نخورم علم خدا جهل بود

اس قسم کا نظریہ رکھنے والوں کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ بھوک میں کھانے کی اور مرض میں علاج کی ضرورت محسوس کرتے ہیں کہ اگر نہ کھائیں تو بھوکے رہیں اور علاج نہ کریں تو شفا حاصل نہ ہو، حالانکہ اس نظریہ کی رو سے انہیں نہ کھانے کی ضرورت ہے نہ دوا کی حاجت۔اس لئے کہ اللہ کے علم میں اگر ان کا بھوکا یا بیمار ہونا ہے تو وہ بہرحال بھوکے اور بیمار ہی ہوں گے۔اور اگر سیر ہونا ہے تو وہ بہرحال سیر ہی ہوں گے چاہے کچھ کھائیں یا نہ کھائیں۔ اور تندرست ہونا ہے تو بہرحال تندرست ہی ہوں گے چاہے علاج کریں یا نہ کریں۔لیکن اس کے باوجود بھوک میں وہ کھاتے بھی ہیں اور مرض میں دوا بھی کرتے ہیں۔کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ بھوک کھانے سے اور بیماری دوا سے زائل ہوتی ہے اور اللہ کو ان کے سیری وتندرستی کا علم ہے تو اس لئے کہ وہ کھائیں گے اور دوا کریں گے اور خود یہ علم ان کی سیری وشفایابی کا سبب نہیں ہے۔تو جس طرح اس نے سیری کا سبب کھانے کو اور شفا کا سبب دوا کو قرار دیا ہے اسی طرح ہوسکتا ہے کہ اس نے حصولِ مقصد کو دُعا سے وابستہ کردیا ہو اس طرح کہ اگر اس سے دُعا کی جائے تو حاجت برآئے گی اور دُعا نہ کی جائے تو حاجت پوری نہ ہوگی۔لہٰذا علم بالسبب کو سبب سمجھ کر اس شبہ کیلئے ذہن میں گنجائش پیدا نہ کرنا چاہیئے۔

دوسری دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ اگر مقدراتِ الٰہیہ میں کسی امر کا واقع ہونا قرار پاچکا ہے تو وہ واقع ہوکر رہے گا۔اور اگر اس کے خلاف طے پاچکا ہے تو وہ کسی طرح واقع نہیں ہوسکتا۔لہٰذا دُعا اگر نوشتۂ تقدیر کے مطابق ہے تو دُعا کا فائدہ ونتیجہ ہی کیا۔اور اگر نوشتۂ تقدیر اس کے خلاف ہے تو دُعا سے مقدرات کو بدلنے کی کوشش کرنا سعی لاحاصل اور تقدیر کے خلاف چاہنا دریا کے رخ کے خلاف پیرنا ہے۔

یہ دلیل پہلی ہی دلیل کی ایک بدلی ہوئی صورت ہے فرق یہ ہے کہ پہلی دلیل قضائے علمی پر مبنی ہے یعنی یہ کہ اس کا علم ہمہ گیر اور روزِ ازل سے تمام چیزوں پر محیط ہے اور دوسری قضائے عینی پر مبنی ہے یعنی یہ کہ تمام چیزیں اس کے حکم سے لوحِ سماوی میں ثبت ومندرج ہیں۔احادیث میں اسی قضا کی دو قسمیں کی گئی ہیں: ایک اجلِ محتوم جو لوحِ محفوظ میں ثبت اور حتمی ولازمی اور ناقابلِ ترمیم ہوتی ہے۔اس لوح کو اُمّ الکتاب اور کتابِ مبین سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور ایک اجلِ موقوف جو لوحِ محو واثبات میں درج اور قابلِ ترمیم وتنسیخ ہوتی ہے۔

جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿يَمۡحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثۡبِتُ ۖۚ وَعِنۡدَهٗۤ اُمُّ الۡكِتٰبِ ۝۳۹﴾

وہ جس چیز کو چاہتا ہے محو کر دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے ثبت کر دیتا ہے اور اس کے پاس لوح محفوظ ہے۔[1]

چنانچہ خداوند عالم جس طرح احوال وظروف کے بدلنے سے یا احکام کی معینہ مدت کے ختم ہونے سے احکام میں ترمیم کر دیتا ہے جسے نسخ سے تعبیر کیا جاتا ہے اسی طرح حالات ومقتضیات کے بدلنے سے تکوینیات میں بھی ردوبدل کرتا رہتا ہے اور جہاں محو کرنے میں مصلحت ہوتی ہے وہاں محو کر دیتا ہے اور جہاں ثبت کرنے میں مصلحت ہوتی ہے وہاں ثبت کر دیتا ہے اور دُعا کا تعلق اسی لوح محو واثبات سے ہے جس میں تقدیر کے سانچے بنتے بگڑتے رہتے ہیں اور جو مختتم اور حتمی صورت ہوتی ہے وہ لوح محفوظ میں درج ہوتی ہے۔ اب اگر لوح محو واثبات میں محرومی ونامرادی کسی کے پائے نام ہو چکی ہے تو قدرت نے اس کے بدلنے کی بھی گنجائش رکھی ہے اس طرح کہ انسان، دُعا، صدقہ، برّ والدین یا کسی اور عمل خیر کے ذریعہ اس محرومی کو کامرانی سے بدل دے سکتا ہے چنانچہ جب وہ ان مذکورہ اعمال میں سے کوئی عمل بجالاتا ہے تو قدرت اس کی حرماں نصیبی کو محو کر کے کامیابی وکامرانی ثبت کر دیتی ہے اور یہ تمام تغیر وتبدل کی صورتیں روزِ ازل ہی سے اس کے سامنے آئینہ ہوتی ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ اسے اپنے پہلے فیصلے میں غلطی کا احساس ہوا ہو اور اب اس میں تبدیلی وترمیم کی ضرورت محسوس ہوئی ہو۔

چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

مَا بَدَا اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّا كَانَ فِيْ عِلْمِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّبْدُوَ لَهٗ.

خداوند عالم کو جس چیز میں بدا واقع ہوتا ہے وہ اس کے واقع ہونے سے قبل اس سے آگاہ ہوتا ہے۔[2]

اور جب انسان کے کسی اختیاری عمل سے لوح محو واثبات کا نوشتہ بدل جاتا ہے تو پھر جو ثبت ہوتا ہے وہی اس کے حالات کے اعتبار سے اس کیلئے مناسب ہوتا ہے اب چاہے انسان حسن عمل سے اپنی تقدیر کو بنائے اور چاہے شومی وبدبختی کو دعوت دے۔ چنانچہ وہ صدقہ، صلہ رحمی، برّ والدین سے آنے والی مصیبت کو ٹال سکتا ہے۔ عمر میں اضافہ کر لے جا سکتا ہے، فقر واحتیاج کو دور کر دے سکتا ہے، اسی طرح دُعا سے بھی قضا کا دھارا موڑ سکتا ہے اور اس میں کوئی استبعاد نہیں کہ دُعا سے قضا کا رخ پلٹ جائے، اس لئے کہ جس نے قضا کو نافذ کیا ہے اسی نے دُعا میں یہ اثرات ودیعت کئے ہیں کہ وہ قضا کے نقوش کو بدل دے اور تقدیر کے نئے سانچے تیار کر دے اور قدرت جب چاہے مقدرات کو بدل دے سکتی ہے نہ اسے کوئی مجبوری لاحق ہو سکتی ہے اور نہ کوئی چیز اس کے ارادہ میں حائل ہو سکتی ہے۔

چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

رَوٰی مُيَسِّرُ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ علیہ السلام قَالَ : قَالَ لِيْ: يَا مُيَسِّرُ! اُدْعُ وَ لَا تَقُلْ: اِنَّ الْاَمْرَ قَدْ فُرِغَ مِنْهُ، اِنَّ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً لَّا تُنَالُ اِلَّا بِمَسْئَلَتِهٖ ، وَلَوْ اَنَّ عَبْدًا سَدَّ فَاهُ وَ لَمْ يَسْئَلْ لَمْ يُعْطَ شَيْئًا، فَاسْئَلْ تُعْطَ، يَا مُيَسِّرُ! اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ بَابٍ يُّقْرَعُ اِلَّا يُوْشِكُ اَنْ يُّفْتَحَ لِصَاحِبِهٖ۔

میسر ابن عبدالعزیز کہتے ہیں کہ مجھ سے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ: اے میسر! دُعا مانگا کرو اور یہ نہ کہا کرو کہ جو ہونا

[1] سورۂ رعد، آیت ۳۹۔

[2] الکافی، ج ا،ص ۱۴۸۔

ہے وہ پہلے سے طے ہو چکا ہے۔ اللہ کے یہاں ایسے درجے ہیں جنہیں سوال ہی سے حاصل کر سکتے ہو۔ اگر کوئی بندہ اپنی زبان بند رکھے اور سوال نہ کرے تو اسے دیا بھی نہیں جاتا۔ لہٰذا تم مانگو تاکہ تمہیں دیا جائے۔ دیکھو کوئی دروازہ ایسا نہیں ہے کہ اسے کھٹکھٹایا جائے اور وہ دستک دینے والے کیلئے کھول نہ دیا جائے۔[1]

اب اگر کوئی شخص تقدیر پر قناعت کر کے اس کے دروازے کو نہ کھٹکھٹائے اور اس کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے دریغ کرے تو وہ خود اپنی نامرادی وحرماں نصیبی کا سامان کر رہا ہے۔ ورنہ اس کا فیضان کہیں رکتا نہیں اور نہ اس کا درفیض کبھی بند ہوتا ہے اور یہ سمجھ لینا کہ جو قضاوقدر میں لکھا جا چکا ہے ویسا ہو کر رہے گا اور اس میں ردوبدل کی گنجائش نہیں ہے۔ تعطل ومایوسی کو دعوت دینا ہے۔ جس کے نتیجے میں انسان اللہ تعالیٰ سے اپنا رشتہ توڑ لے گا اور اس سے التجا کا سلسلہ قطع کرلے گا اور اگر یہ اس کے دل ودماغ میں راسخ ہو جائے کہ اللہ کے آگے طلب والحاح کا ہاتھ اٹھا کر شقاوت و بدبختی کو خوشحالی وخوش نصیبی سے تبدیل کیا جا سکتا ہے تو اس کی مایوسی کو امید سے اور جمود وسکون کو حرکت وعمل سے بدلا جا سکتا ہے اور تقدیر پر تکیہ کرکے بیٹھ جانے کا نتیجہ تو یہ ہوگا کہ جو جس حد میں ہے اس سے آگے بڑھنے کی سعی وکوشش ترک کردے اگر کوئی محتاج ہے تو فقر واحتیاج کو دور کرنے کی فکر سے بے نیاز ہو جائے۔ کوئی مریض ہے تو صحت کیلئے علاج معالجہ کی ضرورت محسوس نہ کرے اور کوئی رنج ومصیبت میں گھرا ہوا ہے تو اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی تدبیر نہ کرے اور اس کسل وماندگی کے جو نتائج سامنے آئیں گے وہ وہی ہوں گے جو پورے معاشرے کے مفلوج واز کار رفتہ ہونے کے ہو سکتے ہیں۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ دُعا آئین تسلیم ورضا کے منافی ہے کیونکہ دُعا اللہ کی تجویز کردہ چیز کے مقابلہ میں اپنی خواہش کو پیش کرنا اور اسے منوانا ہے۔ حالانکہ بندگی ورضا کا تقاضا یہ ہے کہ اپنی خواہشوں کے مقابلہ میں منشائے الٰہی پر خوش رہا جائے اور ہر آرزو وطلب کو مرضیٔ مولا کے تابع قرار دے لیا جائے اور کسی مصیبت پر پیشانی پرشکن اور دل میں میل نہ آئے۔ کیونکہ جو مصیبت بھی وارد ہوتی ہے وہ قضاوقدر کے تابع ہوتی ہے اور قضائے الٰہی پر رضامندی ضروری ہے چنانچہ حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے:

مَنْ لَّمْ یَرْضَ بِقَضَآئِیْ وَ لَمْ یَصْبِرْ عَلٰی بَلَآئِیْ وَ لَمْ یَشْکُرْ لِنَعْمَآئِیْ فَلْیَخْرُجْ مِنْ اَرْضِیْ وَ سَمَآئِیْ وَ لْیَطْلُبْ رَبًّا سِوَآئِیْ.

جو شخص میری قضا پر راضی نہ ہو اور میری آزمائش پر صبر نہ کرے اور میری نعمتوں پر شکر ادا نہ کرے اسے میری زمین اور میرے آسمان سے باہر نکل جانا چاہئے اور میرے علاوہ کوئی اور پروردگار ڈھونڈ لینا چاہئے۔[2]

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اگر دُعا شیوۂ تسلیم وآئین رضا کے خلاف ہوتی تو انبیاء وآئمہ علیہم السلام جو رضا کے مرتبۂ اعلیٰ پر فائز تھے دُعا کو اپنی زندگی کا جزو نہ بناتے اور نہ اللہ سبحانہ دُعا کا حکم دیتا۔ حالانکہ اس نے نہ صرف دُعا کی ہدایت کی، بلکہ اس کے ترک کو غرور وانانیت سے تعبیر کیا ہے۔ تو جو چیز حکم الٰہی کی

---

[1] ریاض السالکین، ج ا، ص ۲۲۶۔

[2] الدعوات، قطب الدین راوندی، ص ۱۵۳۔

بنا پر بجالائی جائے وہ اس کی رضا کے خلاف کیسے متصوّر ہوسکتی ہے؟ اور درصورتیکہ اس نے صدقہ وخیرات اور طلب و دُعا وغیرہ کو مقصد کی کامیابی کا سبب وواسطہ قرار دے دیا ہو جس طرح اس نے دنیا میں اپنی قضا کے ظہور کو اسباب سے وابستہ کیا ہے تو رضائے الٰہی سے منافات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس صورت میں جس مقصد کیلئے دُعا مانگی جارہی ہے وہ وہی فیصلہ قضا وقدر ہے جس کو دُعا پر موقوف رکھا ہے اور اگر قضا وقدر پر رضامندی کا مظاہرہ کرنا ہی ہے تو پھر بچھو کاٹ رہا ہو تو اسے الگ نہ کیجئے، سانپ ڈس رہا ہو تو اسے ڈسنے دیجئے، پیاس ہو تو پانی نہ پیجئے، بھوک ہو تو کھانا نہ کھائیے، کیونکہ یہ تمام چیزیں بھی تو قضا وقدر کے تابع ہیں۔ اگر یہ قضا وقدر کے تابع ہیں تو پھر بچھو کو چھڑانا، سانپ سے بچنا، مرض کا علاج کرنا اور بھوک پیاس کے وقت کھانا پینا قضا وقدر کے حدود سے باہر کیسے ہوسکتا ہے؟ چنانچہ وارد ہوا ہے کہ امیرالمومنین علیہ السلام ایک دیوار کی طرف گزرے جو گرا چاہتی تھی تو آپؑ نے خطرہ کے پیشِ نظر راستہ بدل دیا۔ جس پر ایک شخص نے کہا: ''اَ تَفِرُّ مِنْ قَضَآءِ اللّٰهِ؟'': ''کیا آپؑ اللہ کی قضا سے بھاگنا چاہتے ہیں''؟ فرمایا: «اَفِرُّ مِنْ قَضَآءِ اللّٰهِ تَعَالٰی اِلٰی قَدَرِهٖ»[1]: ''میں قضا سے بھاگ کر قدر کے دامن میں پناہ لے رہا ہوں''۔ مقصد یہ ہے کہ اگر اللہ نے میری زندگی کا فیصلہ کیا ہے تو اس کا ظہور اس کے سبب سے وابستہ ہے۔ اس طرح کہ میں گرتی ہوئی دیوار سے بچ کر چلوں بہرحال جب قضائے الٰہی کا ظہور اسباب سے وابستہ ہے اور یہ اسباب اسی کے پیدا کردہ ہیں اور اسی نے دُعا کو مقصد برآری کا سبب قرار دیا ہے تو یہ اس کی رضا سے متصادم نہیں ہوسکتی جبکہ دُعا ورضا دونوں کا سرچشمہ ایک ہے۔

چوتھی دلیل یہ ہے کہ دنیا کے تمام حوادث ووقائع کی انتہا ایک ذات ازلی پر ہوتی ہے اور اس کی حکمت ومصلحت ازلی جس چیز کے وقوع کی مقتضی ہوگی وہ واقع ہوکر رہے گی اور جس کے وقوع کی مقتضی نہیں ہوگی وہ واقع نہیں ہوسکتی۔ تو جب اقتضائے ازلی کے بغیر کوئی امر واقع نہیں ہوسکتا تو دُعا کا فائدہ ہی کیا جب کہ وہ اس کی مصلحت کے مقتضیات کو بدل نہیں دے سکتی اور بہرحال وہی ہونا ہے جو اس کے اقتضائے ازلی نے روزِ ازل سے فیصلہ کردیا ہے۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ خداوند عالم نے ہر چیز کا ایک نظام اور ایک قاعدہ مقرر کردیا ہے اور تمام چیزوں کو ایک ہمہ گیر سلسلہ میں اس طرح باندھ دیا ہے جس طرح ایک سلسلہ کی کڑیاں ایک دوسرے سے وابستہ اور مرتبط ہوتی ہیں جس سے عالم کا نظم ونسق اور دنیا کا کارخانہ ایک دھڑے پر چل رہا ہے اس لئے حکمت ازلی جہاں کسی چیز کے وقوع کی مقتضی ہوتی ہے وہاں اس کے سبب اور واسطہ کے وجود کی بھی مقتضی ہوتی ہے چناچہ اس کی حکمت کا اگر تقاضا یہ ہے کہ زمین سیر وسیراب ہو تو وہ یہ بھی چاہتی ہے کہ سمندر سے بخارات اٹھیں اور فضا میں پھیل کر ہواؤں سے ٹکرائیں اور پیاسی زمین کی سیرابی کا سامان کریں تو جس طرح زمین کی سیرابی، سیرابی کے سروسامان سے وابستہ ہے اسی طرح مصلحت ازلی نے حاجت برآری اور مقصد کی کامیابی کو بھی مختلف اسباب سے وابستہ کررکھا ہے اور منجملہ ان اسباب کے ایک سبب دُعا بھی ہے لہٰذا ہوسکتا ہے کہ اس کی حکمت ازلی کسی کی حاجت برآری کی اس صورت میں مقتضی ہو جب اس کے سامنے گڑگڑایا جائے اور اس سے دُعا کی جائے اور درصورتیکہ دُعا نہ کی جائے حکمت کا تقاضا یہ ہو کہ اسے مقصد میں ناکام رکھا جائے۔ اس کے علاوہ بندوں کی حاجتوں اور مقصدوں کو دُعا سے وابستہ کرنا بھی تقاضائے حکمت ہے تاکہ وہ اپنی احتیاج و

---

[1] مختصر البصائر ص ۳۵۷۔

بے مائیگی کے پیش نظر اس سے رابطہ برقرار رکھیں اور دُعا کی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے اس سے لو لگائے رہیں۔

پانچویں دلیل یہ ہے کہ جب خداوند عالم کو عالم الغیوب مانا جا چکا ہے اور یہ کہ کوئی چیز اس سے ڈھکی چھپی ہوئی نہیں ہے اور وہ دلوں کے بھیدوں اور آنکھوں کے چوری چھپے اشاروں کو جانتا ہے تو پھر اپنی روداد اسے سنانا اور اپنے مقصد کو زبان پر لانا کیا ضروری ہے جب کہ ہمارے بغیر اس کا علم ہر چیز پر حاوی ہے اور وہ ہماری ہر خواہش اور ہر آرزو سے آگاہ ہے اور کوئی چیز اس سے مخفی و پوشیدہ نہیں ہے چنانچہ اسی بنا پر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا جانے لگا اور جبرئیل امین نے مدد کی پیشکش کی اور آپ کے انکار پر جبرئیل نے کہا کہ اگر مجھ سے کوئی حاجت وخواہش نہیں ہے تو جس سے ہے اسی سے طلب کیجئے۔ تو آپ نے فرمایا: «عِلْمُهٗ بِحَالِيْ حَسْبِيْ مِنْ سُؤَالِيْ»: ''اس کا میری حاجت سے آگاہ ہونا مجھے سوال سے بے نیاز بنائے ہوئے ہے''۔[1]

اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ دُعا سے یہ مقصد ہی کب ہوتا ہے کہ اسے بے خبر تصور کرتے ہوئے اپنی حاجتوں اور خواہشوں کو اس کے علم میں لایا جائے کیونکہ وہ کسی مرحلہ پر ہمارے بتانے اور زبان سے کچھ کہنے کا محتاج نہیں ہے بلکہ ہمارے دل کے ایک ایک ریشے کی پکار سے آگاہ اور ہمارے قلب کی تہوں میں لپٹی ہوئی آرزوؤں سے واقف ہے۔ یہ طلب و دُعا، تذلل و انکسار اور رجوع الی اللہ تو صرف عبودیت کا ایک مظاہرہ ہے تاکہ مانگنے کی خاطر اس سے رابطہ قائم رہے اور طلب وسوال کے پردہ میں اس سے لَو لگی رہے اور اس خیال سے زبان کو بند رکھنا کہ وہ تو سب کچھ جانتا ہے ایک طرح سے انانیت وغرور کا مظاہرہ ہے جو بندوں کے سامنے تو قابل ستائش ہو سکتا ہے مگر اللہ کے سامنے اپنی روداد باطن پیش نہ کیجئے اور اسے اپنا درد دل نہ سنائے تو یہ شیوۂ عبودیت کے خلاف اور عجز و نیاز مندی کے منافی ہے چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا﴾

اے رسولؐ! کہہ دو کہ اگر تم دُعا نہیں کرتے تو میرا پروردگار بھی تمہاری کوئی پروا نہیں کرتا تم نے جھٹلایا جس کا وبال عنقریب تمہارے سر پڑے گا۔[2]

بلاشبہ دُعا عبودیت کا ایک مظاہرہ اور فطرت انسانی کی ایک آواز ہے چنانچہ جب بھی کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے یا ضرورت واحتیاج پریشان کرتی ہے تو بے ساختہ حرف مدّعا زبان پر آہی جاتا ہے اس کو بے ضرورت سمجھنا انسانی تقاضوں پر پہرا بٹھانا اور فطرت ووجدان کے خلاف صف آرا ہونا ہے اور یہ سمجھنا کہ دُعا بس اس لئے کی جاتی ہے کہ اپنی آواز اسے سنائی جائے اور اپنی حاجت و آرزو اس کے علم میں لائی جائے بلاغت کی راہوں سے بے خبری کی دلیل ہے چنانچہ کلام وگفتگو میں ایسے بے شمار مواقع ہیں جہاں زبان سے کچھ کہنا مخاطب کو صرف بتانے ہی کیلئے نہیں ہوتا مثلاً دن کی روشنی میں ٹھوکر کھا کر گرنے والے کو یہ کہنا کہ ''سورج نکلا ہوا ہے'' کیا یہ بتانے کیلئے ہوتا ہے کہ یہ دن ہے رات نہیں ہے یا کچھ اور مقصد ہوتا ہے یا خداوند عالم کا حضرت موسیٰؑ سے خطاب ﴿وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى﴾[3]: ''موسیٰ! یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے''؟ لاعلمی کی بنا پر تھا یا حضرت موسیٰؑ

---

[1] شرح الکافی، صالح مازندرانی، ج ۱۲، ص ۵۰۸۔

[2] سورۂ فرقان، آیت ۷۷۔

[3] سورۂ طٰہٰ، آیت ۱۷۔

سے سلسلۂ کلام جاری کرنے کیلئے تھا اور موسیٰؑ کا طویل جواب اللہ کو عصا کے فوائد سے آگاہ کرنے کیلئے تھا یا ''لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم'' کے پیش نظر تھا۔
اسی طرح شاعر کی اپنے ساقی سے یہ فرمائش کہ:

اَلَا فَاسْقِنِيْ خَمْرًا وَّ قُلْ لِيْ هِيَ الْخَمْرُ   وَ لَا تُسْقِنِيْ سِرًّا اِذَآ اَمْكَنَ الْجَهْرُ

''مجھے شراب پلا اور یہ کہہ کے پلا کہ یہ شراب ہے اور خفیہ طور پر نہ پلا جبکہ کھلے بندوں پلانا ممکن ہے''۔[1]

کیا یہ جاننے کیلئے ہے کہ یہ شراب ہے۔ ایسا نہیں کیونکہ وہ دیکھ رہا ہے کہ سامنے شراب رکھی ہے اور شراب ہی اسے پلائی جائے گی بلکہ اس کا مقصد حصولِ لذت سماعت ہے اور وہ دوسرے حواس کی طرح کانوں کو بھی لذت اندوز کرنا چاہتا ہے کیونکہ آنکھیں اسے دیکھ کر سرور و کیف حاصل کر رہی ہیں، قوت شامہ اس کی خوشبو سے بہرہ اندوز ہو رہی ہے، لب اس کے لمس سے اور زبان اس کے ذائقہ سے آشنا ہوا چاہتی ہے، بس ایک قوت سامعہ محروم رہی جاتی تھی اس کی لذت اندوزی کا سامان اس طرح کیا کہ ساقی سے کہا کہ تو شراب کہہ کے مجھے شراب پلا تا کہ اس لفظ کی گونج سے حظ و نشاط کی تکمیل ہو جائے اور کوئی حاسہ لذّت اندوزی سے محروم نہ رہ جائے۔ یونہی کریم کے کانوں میں سائلوں کی آواز نغمۂ شیریں بن کر گونجا کرتی ہے اور اس کا ذوق سماعت اور جذبہ کرم چاہتا ہے کہ اس سے مانگا جائے اور مانگنے والوں کی آوازیں اس کے کانوں میں پیہم گونجتی رہیں۔
چنانچہ عرب کے مشہور شاعر متنبی نے اپنے ممدوح کے متعلق کہا ہے:

فَاِذَا سُئِلْتَ فَلَا لِاَنَّكَ مُحْوِجٌ   وَ اِذَا كُتِمْتَ وَشَتْ بِكَ الْاٰلَاۗءُ

''جب تجھ سے سوال کیا جاتا ہے تو اس لئے نہیں کہ تو مانگنے والوں کو سوال کی زحمت دینا چاہتا ہے بلکہ اس لئے کہ تجھے سائلوں کی آواز اچھی معلوم ہوتی ہے اور جب تجھے پردوں میں چھپایا جائے تو تیری نعمتیں تیری غمازی کرتی ہیں''۔

اس سلسلہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ:

اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيَدْعُو اللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ فِيْ حَاجَتِهٖ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ: اَخِّرُوْٓا اِجَابَتَهٗ شَوْقًا اِلٰى صَوْتِهٖ وَ دُعَآئِهٖ.

مومن خدائے بزرگ و برتر سے اپنی حاجت طلب کرتا ہے اور قدرت اس کی دُعا اور آواز کے اشتیاق میں یہ کہتی ہے کہ ابھی اس کی حاجت کو تاخیر میں ڈال دو۔[2]

اور کبھی اس کے برعکس بھی ہوتا ہے اس طرح کہ اگر کسی کی آواز اسے ناگوار معلوم ہوتی ہے تو اس کی حاجت جلد روا ہو جاتی ہے تا کہ وہ پھر اس کے در پر دستک دے اور نہ اسے پکارے۔
چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

اِنَّ الْعَبْدَ لَيَدْعُوْ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى: عَجِّلُوْا لَهٗ حَاجَتَهٗ، فَاِنِّيْٓ اُبْغِضُ صَوْتَهٗ.

[1] بحار الانوار، ج ۸۳، ص ۲۵۶۔
[2] الکافی، ج ۲، ص ۴۹۰۔

کوئی بندہ اس سے دُعا مانگتا ہے تو اللہ سبحانہ کہتا ہے کہ اس کی حاجت کو جلد پورا کر دیا جائے کیونکہ مجھے اس کا پکارنا برا معلوم ہوتا ہے۔[1]

چنانچہ اسی لئے بعض ناہنجار و بدکردار اشخاص کو اس نے گوناگوں نعمتوں سے نوازا تاکہ مہلت دینے کے بعد انہیں جکڑا جائے اور نعمت کی سرشاریوں میں انہیں اللہ کی طرف رجوع ہونے کی توفیق ہی حاصل نہ ہو۔

داد مر فرعون را صد ملك و مال　　تا بکرد او دعوی عز و جلال

در همه عمرش ندید او درد سر　　تا ننالد سوی حق آن بد گهر

(مولانا رومی، مثنوی معنوی)

اب رہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بارگاہ ایزدی میں دست طلب نہ بڑھانا تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب بلاؤ مصیبت کی نوعیت خصوصی آزمائش کی ہو تو اس سے بچاؤ کا سوال کرنا شیوہ تسلیم و رضا کے خلاف ہے۔ چنانچہ جس طرح وہ اپنے فرزند کے ذبح کے موقع پر خدا سے یہ خواہش نہیں کرتے کہ اس انوکھی اور نرالی قسم کی آزمائش کو اٹھالیا جائے بلکہ دل و جان سے اس کیلئے آمادہ ہوجاتے ہیں، اسی طرح آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو دیکھ کر سر تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ نہ دُعا کیلئے ہاتھ اوپر اٹھتے ہیں اور نہ زبانوں سے کوئی ایسا جملہ نکلتا ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ وہ آگ کی لپٹوں کو دیکھ کر ہراساں و پریشان ہوگئے ہیں کہ ایک طرف کافروں کو طعنہ زنی کا موقع ملے اور دوسری طرف خلت و شیوہ تسلیم و رضا پر حرف آئے بلکہ بڑے صبر و استقلال سے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں کود پڑتے ہیں۔ اس تسلیم و رضا کی آزمائش اور صبر و استقلال کے امتحان کو دُعا سے بے نیازی کے ثبوت میں پیش نہیں کیا جاسکتا کیونکہ منزل راز و نیاز اور ہے اور منزل صبر و امتحان اور ہے۔

چھٹی دلیل یہ ہے کہ جو چیز انسان کے مصالح میں داخل اور اس کی سود و بہبود اس سے وابستہ ہوگی تو وہ مبدأ فیض و سرچشمۂ عطا کبھی اس میں فروگزاشت نہیں کرے گا اور نہ اس کے عطا کرنے میں بخل سے کام لے گا اور جو چیز اس کے مصالح میں داخل نہیں ہے اسے طلب کرنا بھی مناسب و قرین صواب نہیں قرار دیا جاسکتا کیونکہ اس کے معنی تو یہ ہوں گے کہ وہ اپنے مصالح کو اللہ سے بہتر سمجھتا ہے۔ اس لئے اس سے کوئی خواہش کرنا یا کوئی چیز طلب کرنا اس کی مصلحت بینی و کارسازی پر حرف رکھنا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کبھی مصلحت عطا کرنے اور بخشنے ہی میں ہوتی ہے چاہے انسان طلب کرے یا طلب نہ کرے جیسے وسائل جن سے زندگی کی بقا وابستہ ہے۔ اور کبھی مصلحت رد کرنے اور نا کام پھیرنے ہی میں ہوتی ہے جیسے وہ چیزیں جو ہلاکت و تباہی کا سبب اور شیرازۂ حیات کے بکھرنے کا باعث ہوتی ہیں۔ اور کبھی مصلحت دُعا و طلب سے وابستہ ہوتی ہے اس طرح کہ طلب و دُعا کی صورت میں اس میں مصلحت پیدا ہو جاتی ہے اور عدم طلب کی صورت میں اس میں مصلحت کارفرما نہیں ہوتی لہٰذا طلب و دُعا سے پیدا ہونے والے مصالح اور ان کے فوائد و ثمرات سے اپنے کو محروم رکھنا کہاں تک درست ہوسکتا ہے۔

---

[1] الکافی، ج ۲،ص ۴۸۹۔

ساتویں دلیل یہ ہے کہ دُعا شان ادب شناسی کے خلاف ہے کیونکہ دُعا میں ایک طرح سے امر ونہی کی جھلک ہوتی ہے اور بندے کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اللہ پر حکم چلائے اور یہ کہے کہ یہ کر اور یہ نہ کر۔ لہٰذا اسے ترک کرنا چاہئے تا کہ اس کی بارگاہ میں سوء ادبی سے بچا جائے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ دُعا کو از قبیل امر ونہی سمجھنا اس لحاظ سے تو صحیح ہے کہ ان دونوں میں طلب کا مفہوم ہوتا ہے مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ امر و نہی میں تفوق و برتری کا پہلو ہوتا ہے اور دُعا میں انتہائی عجز و انکسار اور پستی و تذلل کا اظہار ہوتا ہے۔ لہٰذا ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا غلط اور سوء فہمی کا نتیجہ ہے اور اگر مطلق طلب میں سوء ادبی کو تجویز کیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ماں باپ سے کوئی چیز مانگنا، استاد سے کچھ دریافت کرنا اور جاننے والے سے کچھ پوچھنا بھی سوء ادبی میں داخل سمجھا جائے اور اگر یہ چیزیں سوء ادبی میں داخل نہیں ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ ہی سے طلب وسوال میں سوء ادبی کیوں ہو؟۔ جبکہ طلب وسوال اپنے فقر واحتیاج اور اس کی عظمت و بالادستی کا ایک واضح اعتراف ہے۔

آٹھویں دلیل یہ ہے کہ حمد وثنا اور ذکرِ الٰہی حاجت روائی کا زیادہ کامیاب ومؤثر ذریعہ ہے لہٰذا بہتر ذریعہ کو چھوڑ کر طلب وسوال کا ہاتھ کیوں پھیلایا جائے؟۔ چنانچہ حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے کہ:

مَنْ شَغَلَهٗ ذِكْرِيْ عَنْ مَّسْئَلَتِيْ اَعْطَيْتُهٗ اَفْضَلَ مَآ اُعْطِي السَّآئِلِيْنَ.

جو شخص میرے ذکر میں اس طرح کھو جائے کہ اسے دُعا کا خیال نہ رہے تو میں جو سوال کرنے والوں کو دیتا ہوں اس سے زیادہ اسے دوں گا۔[1]

اس کا جواب یہ ہے کہ مقصدِ الٰہی اس سے یہ نہیں ہے کہ اس سے سوال نہ کیا جائے۔ ہاں اگر کوئی حمد وثنا میں اس طرح ڈوب جائے کہ اسے یہ خیال نہ رہے کہ وہ اسے حاجت برآری ومقصد طلبی کا ذریعہ قرار دینا چاہتا تھا اور اس محویت میں اپنی حاجت ہی کو بھول جائے تو خدا اسے طلب وسوال کی فراموشی کی وجہ سے اس کے مقصد سے محروم نہیں کرتا۔ بلکہ دوسرے مانگنے والوں سے بڑھ چڑھ کر اسے دیتا ہے۔ تو خداوند عالم کی اس بخشش وافزائش کا سبب ترکِ سوال کو نہیں قرار دیا جاسکتا کہ اسے ترکِ دُعا کے ثبوت میں پیش کیا جائے بلکہ یہ دُعا کی فراموشی، حمد وثنا میں محویت اور اللہ کی یاد میں استغراق کی وجہ سے ہے اور اس طرح دُعا کو فراموش کر جانا اور چیز ہے اور سرے سے دُعا ہی نہ کرنا اور چیز ہے۔ چنانچہ اسی مطلب کی وضاحت امام جعفر صادق علیہ السلام کے اس ارشاد سے ہوتی ہے:

اِنَّ الْعَبْدَ لَيَكُوْنُ لَهُ الْحَاجَةُ اِلَى اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ فَيَبْدَاُ بِالثَّنَآءِ عَلَى اللهِ وَ الصَّلٰوةِ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ حَتّٰى يَنْسٰى حَاجَتَهٗ فَيَقْضِيْهَا اللهُ لَهٗ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَسْئَلَهٗ اِيَّاهَا.

بندے کو اپنے اللہ سے کوئی حاجت ہوتی ہے اور وہ پہلے حمد وثنا کرتا ہے اور محمد وآل محمد علیہم السلام پر درود بھیجتا ہے اس طرح کہ اس حمد وثنا میں کھو کر اپنی حاجت کو فراموش کر جاتا ہے تو اللہ اس کی حاجت روائی کر دیتا ہے بغیر اس کے کہ وہ اپنی حاجت طلب کرے۔[2]

---

[1] بحار الانوار، ج ۹۰ ص ۳۲۳۔

[2] الکافی، ج ۲ ص ۵۰۱۔

دُعا قبل ابتلاء

جس طرح علاج کی دو قسمیں ہیں: ایک علاج قبل از مرض یعنی حفظ ما تقدم کے طور پر ایسی تدابیر اختیار کرنا جس سے انسان مرض کے حملے سے محفوظ رہ سکے اور طبیعت مرض کی پذیرائی سے انکار کر دے، یہ معالجہ احتیاطی ہے، اور دوسری قسم یہ ہے کہ مرض میں مبتلا ہونے کے بعد علاج کیا جائے، اطباء کے نزدیک معالجہ احتیاطی زیادہ کارگر اور مفید ثابت ہوتا ہے، کیونکہ طبیعت صحیح حالت میں ہوتی ہے اس لئے معالجہ احتیاطی کے اثرات کو جلد قبول کر لیتی ہے۔ اسی طرح دُعا کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک دُعا مصیبت کے نازل ہونے سے پہلے اور ایک دُعا مصیبت کے وارد ہونے کے بعد۔ اور وہ دُعا جو قبل مصیبت ہو معالجہ احتیاطی کی طرح زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔ لہٰذا امن وعافیت کے دنوں میں ابتلا و مصیبت سے بچاؤ کیلئے اور فراخ روزی وخوشحالی کے زمانہ میں تنگدستی سے محفوظ رہنے کیلئے دُعا کرتے رہنا چاہئے، کیونکہ اس طرح کی دُعا آفت وابتلا سے سپر بن جایا کرتی ہے۔

چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

مَنْ تَقَدَّمَ فِي الدُّعَآءِ اسْتُجِيْبَ لَهٗ اِذَا نَزَلَ بِهِ الْبَلَآءُ.

جو شخص مصیبت کے نازل ہونے سے پہلے دُعا کرتا ہے مصیبت پڑنے پر اس کی دُعا مستجاب ہوتی ہے۔[1]

الفاظ دُعا

دُعا ہمیشہ سیدھی سادی عبارت اور ہلکے پھلکے الفاظ میں مانگنا چاہئے۔ کیونکہ دُعا قلب وضمیر کی آواز ہوتی ہے جو بے ساختہ زبان سے اُبل پڑتی ہے اور مقصد کی ترجمانی کیلئے لفظوں کی ترکیب وترتیب کا سہارا اور لفاظی وعبارت آرائی سے کام نہ لینا چاہئے۔ اس لئے کہ بناوٹ اور تکلّف کی جھلک آتے ہی عجز ونیاز کا جذبہ مضمحل اور بندگی ونیازمندی کی روح ختم ہو جاتی ہے اور ہمیشہ ایک سے الفاظ بھی استعمال نہ کئے جائیں کہ وہ زبان پر چڑھ جانے کی وجہ سے قصد وارادہ کے بغیر بھی نکل جایا کرتے ہیں۔ اس طرح کی دُعا دل کی آواز نہیں ہوتی، بلکہ الفاظ ہی الفاظ ہوتے ہیں جن میں اخلاص کا جذبہ، دل کی حضوری اور طلبگاری کا ولولہ نہیں ہوتا۔ اور جب تک طلب میں جوش، سوال میں تڑپ اور دُعا میں ولولہ نہیں ہوگا وہ دُعا قابل پذیرائی نہ ہوگی۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَجِيْبُ الدُّعَآءَ مِنْ قَلْبٍ لَّاهٍ.

جب دل دوسری طرف مشغول اور غافل ہو تو اللہ تعالیٰ دُعا کو قبول نہیں کرتا۔[2]

دُعا میں ایسے الفاظ زیادہ مؤثر ہوتے ہیں جن میں عظمتِ الٰہی کے اعتراف کے ساتھ عجز وقصور کا اقرار اور عبودیت ونیازمندی کا اظہار ہو۔ اس لئے اپنی دُعاؤں میں معصومین علیہم السلام کی دُعاؤں کے کلمات دہراتے رہنا چاہئے کہ ان میں جلالِ اُلوہیت کا پرتو اور جمال عبودیت کا انعکاس پوری طرح جلوہ گر ہوتا ہے۔

---

[1] الکافی، ج ۲، ص ۴۷۲۔

[2] بحارالانوار، ج ۹۰، ص ۳۲۳۔

دُعا میں اسمائے الٰہی کا انتخاب

طلب و دُعا کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کو اس نام سے پکارنا چاہئے جو سائل کے مقصد و مراد سے مناسبت رکھتا ہو۔ یہ طریق خطاب صرف خطاب ہی نہیں ہوگا بلکہ خطاب و دلیل دونوں ہوں گے۔ اس طرح کہ جو فقر و احتیاج میں اسے «يَا غَنِيُّ» اور بیماری میں «يَا شَافِيْ» کہے گا تو ان الفاظ سے ذہن اس طرف قہراً ملتفت ہوگا کہ جب وہ غنی ہے تو غنی کے سوا اور کون ہو سکتا ہے جو فقر و احتیاج کو دور کرے اور جب وہ شافی ہے تو شافی کے علاوہ کون ہو سکتا ہے جس سے شفا کی آس رکھی جائے۔ اور اسے غنی ہونے کے لحاظ سے اپنے بندوں کی احتیاج کو دور کرنا چاہئے اور شافی ہونے کے اعتبار سے بیماروں کو صحت بخشنا چاہئے اور اس کے ساتھ طلب و سوال کا استحقاق بھی واضح ہو جائے گا۔ یوں کہ اگر فقیر و نادار غنی سے نہ مانگے تو کیا اپنے ایسے ناداروں سے مانگے اور بیمار شافیٔ مطلق سے شفا کا طلبگار نہ ہو تو کس کے دار الشفاء سے صحت کی بھیک مانگے۔ لہٰذا جب بھی اس ذاتِ بے نیاز کی بارگاہ میں دُعا کیلئے ہاتھ اٹھائے جائیں تو جس نوعیت کا سوال ہو اسی نوعیت کے مطابق اللہ کے ناموں میں سے مناسب نام کا انتخاب کرے۔ مثلاً ایک فقیر و نادار مالی وسعت کا سوال کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کو «اَلْغِنِيُّ»، «اَلْمُغْنِيْ»، «يَا رَازِقُ» و «مُعْطِيْ» کے نام سے پکارے، مریض صحت کیلئے دُعا کرے تو «يَا شَافِيْ» کہے، مظلوم اسے پکارے تو «يَا مُنْتَقِمُ» کہے اور گنہگار آمرزش گناہ کیلئے التجا کرے تو اسے «يَا عَفُوُّ» «يَا غَفُوْرُ» کے نام سے یاد کرے اور حاجت مند کسی حاجت کے سلسلہ میں اسے پکارے تو «یا مجیب» کہے۔ اسی طرح دوسرے مطالب و حاجات میں حاجت و مقصد کی نوعیت کے مطابق جو نام مناسب ہو اس نام سے پکارے۔

دُعائے مغفرت میں ترتیب کا لحاظ

جب ماں باپ، عزیز و اقارب اور صلحاء و مومنین کیلئے دُعائے مغفرت کی جائے تو انبیاء اور خاصانِ خدا علیہم السلام کی تاسی میں پہلے اپنے لئے دُعائے بخشش و آمرزش کرے اور پھر دوسروں کیلئے۔

چنانچہ قرآن مجید میں قدرت کا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب ہے:

﴿وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ﴾

اپنے لئے اور مومنین و مومنات کیلئے طلب مغفرت کرو۔[1]

حضرت نوح علیہ السلام کی دُعا ہے:

﴿رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ﴾

پروردگار! مجھے اور میرے ماں باپ کو اور جو مومن میرے گھر میں آئے اور تمام مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بخش دے۔[2]

---

[1] سورۂ محمدؐ، آیت ۱۹۔

[2] سورۂ نوحؑ، آیت ۲۸۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا ہے:

﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ﴾

اے ہمارے پالنے والے! جس دن اعمال کا حساب ہوگا مجھے اور میرے ماں باپ اور تمام ایمان لانے والوں کو بخش دے۔[1]

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا ہے:

﴿رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ﴾

اے میرے پروردگار! مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل کرلے۔[2]

اہل ایمان کی دُعا ہے:

﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ﴾

اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ایمان میں ہم سے سابق تھے، بخش دے۔[3]

دُعائے مغفرت میں اپنے کو مقدم کرنے میں شاید یہ رمز ہو کہ انسان خود اپنے لئے دُعائے مغفرت کرلے تو پھر اسے دوسروں کیلئے دُعائے مغفرت کرنا زیب دیتا ہے اور جب خود دُعائے مغفرت سے اللہ کے عفو و درگزر کا مستحق ہو جائے تو پھر اوروں کیلئے دُعا کرے گا تو زیادہ مؤثر و مستجاب ہوگی۔ یوں سمجھئے کہ اگر کوئی شخص بادشاہ کے سامنے عفو کی درخواست پیش کرے تو اس وقت تک دوسروں کے حق میں اس کی سفارش مناسب نہ ہوگی جب تک وہ خود اپنے لئے معافی نہ مانگ لے اور جب اپنے لئے معافی مانگ لے گا تو پھر دوسروں کیلئے اس کی درخواستِ عفو مناسب و برمحل ثابت ہوگی۔

ہیئتِ دُعا

دُعا باوضو، تشہد کی حالت میں بیٹھ کر اور روبقبلہ ہو کر مانگے۔ اس طرح کہ آواز نہ زیادہ بلند ہو اور نہ زیادہ آہستہ۔ البتہ اگر ریا و نمود کا اندیشہ ہو تو پھر بہتر ہے کہ چپکے چپکے سے دُعا کرے۔ دُعا میں اگر شرِ نفس، وسوسۂ شیطان اور حملۂ دشمن سے پناہ مانگنا چاہے تو اپنے ہاتھ کی دونوں ہتھیلیاں قبلہ کی طرف اس طرح پھیلائے جس طرح تلوار، لاٹھی، پتھر وغیرہ کے وار کو روکا جاتا ہے اور طلبِ رزق و حاجت کیلئے دونوں ہتھیلیوں کو چہرے کے بالمقابل پھیلائے جس طرح ہاتھ پھیلا کر کوئی چیز طلب کی جاتی ہے اور تضرع و الحاح کے سلسلہ میں دُعا کرے تو اپنے ہاتھوں کو سر سے اونچا لے جا کر پھیلائے اور مصیبت و ابتلاء اور خوف وخطر کے موقع پر ہاتھ کی ہتھیلیوں کو زمین کی طرف کرلے۔ یہ ایک طرح سے اس امر کا اظہار ہے کہ وہ اپنے اعمال کے پیشِ نظر کسی چیز کے حاصل کرنے کا مستحق نہیں ہے اور جب دُعا ختم کرے تو منہ، سینہ یا سر پر ہاتھ پھیرے کہ یہ اشرف اعضاء ہیں۔

---

[1] سورۂ ابراہیمؑ، آیت ۴۱۔

[2] سورۂ اعراف، آیت ۱۵۱۔

[3] سورۂ حشر، آیت ۱۰۔

شرائط قبولیت دُعا

شرائطِ قبولیت دُعا میں سب سے مقدم شرط یہ ہے کہ لباس، غذا، جائے رہائش، ذریعۂ معاش طیّب وحلال ہو اور دل میں اطمینان و رجاء کی کیفیت پیدا کرے۔ کیونکہ رجاء دُعا کی محرک ہوتی ہے اور جب رجاء کا پہلو کمزور ہوگا تو دُعا میں اعتماد، خلوص اور ولولہ پیدا نہیں ہوسکتا کہ جو قبولیتِ دُعا کا ضامن ہوتا ہے۔ اس لئے قبولیت دُعا پر وثوق رکھتے ہوئے خلوصِ نیت، رقّت قلب اور تضرع و الحاح کے ساتھ بار بار دُعا والتجا کرے۔ چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے:

وَ اللّٰہِ! لَا یُلِحُّ عَبْدٌ مُّؤْمِنٌ عَلَی اللّٰہِ عَزَّ وَ جَلَّ فِیْ حَاجَتِہٖٓ اِلَّا قَضَاھَا لَہٗ.

خدا کی قسم! جب بھی بندۂ مومن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں الحاح وزاری کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت کو برلاتا ہے۔[1]

دوسروں کے ساتھ مل کر دُعا مانگنا بھی استجابت پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ممکن ہے کہ ان میں کوئی ایسا مردِ صالح بھی ہو جس کی خاطر سب کی دُعائیں قبول ہوجائیں۔ اور دوسروں کو اپنی دُعا میں شریک کرنا بھی استجابتِ دُعا کا باعث ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد نبویؐ ہے:

اِذَا دَعَآ اَحَدُکُمْ فَلْیَعُمَّ، فَاِنَّہٗٓ اَوْجَبُ لِلدُّعَآءِ.

جب تم میں سے کوئی ایک دُعا کرے تو دوسروں کو بھی دُعا میں شریک کرے تاکہ وہ قبولیت دُعا کا مستحق قرار پائے۔[2]

شروع اور ختمِ دُعا کے آداب

جب دُعا کیلئے ہاتھ اٹھائے تو اس کی ابتدا حمد و تقدیسِ الٰہی سے کرے۔ کیونکہ اس سے طلب کرنا ایک طرح سے اس کے کرم وفیضان کا اعتراف کرنا ہے اور کرم وبخشش کا اعتراف یہ چاہتا ہے کہ طلب وسوال سے پہلے زبان اس کی مدحت وستائش میں کھلے اور تحمید وثنا میں نغمہ ریز ہو۔ یہ تحمید وستائش ایسے الفاظ میں ہونا چاہئے جو اس کی پیش گاہِ عظمت وجلال کے شایانِ شان ہو۔ اس لئے بہتر ہے کہ انہی الفاظ میں حمد وستائش کرے جو معصومین علیہم السلام سے مروی ہوں۔ چنانچہ کتابِ علیؑ سے یہ کلماتِ حمد منقول ہیں جنہیں دُعا سے قبل پڑھنا چاہئے:

یَا مَنْ ھُوَ اَقْرَبُ اِلَیَّ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ، یَا فَعَّالًا لِّمَا یُرِیْدُ، یَا مَنْ یَّحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِہٖ، یَا مَنْ ھُوَ بِالْمَنْظَرِ الْاَعْلٰی، یَا مَنْ ھُوَ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ.

اے وہ ذات جو شہ رگ سے بھی زیادہ مجھ سے نزدیک ہے، اے وہ کہ جو وہی کرتا ہے جو چاہتا ہے، اے وہ کہ جو آدمی اور اس کے دل میں حائل ہوجاتا ہے، اے وہ کہ جو بلند وبالا شان والا ہے، اے وہ کہ جس کی کوئی مثل ونظیر نہیں ہے۔[3]

---

[1] الکافی، ج ۲، ص ۴۷۵۔
[2] الکافی، ج ۲، ص ۴۸۷۔
[3] الکافی، ج ۲، ص ۴۸۴۔

حمد کے بعد اس کی نعمتوں اور احسانوں کو یاد کرتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کرے۔ تاکہ ﴿لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ﴾[1]: ''اگر تم میرا شکر کرو گے تو میں یقیناً تمہیں زیادہ دوں گا''، کی بنا پر اسے زیادہ سے زیادہ نعمتیں حاصل ہوں۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آلِ اطہار علیہم السلام پر درود بھیجے تاکہ اس درود کی قبولیت کے ضمن میں دُعا بھی قبول ہو جائے۔ پھر اپنے گناہوں کا اعتراف کرے تاکہ احتسابِ نفس کا جذبہ پیدا ہو۔ پھر توبہ و استغفار کرے تاکہ گناہوں کی کثافت مانع قبولیت نہ ہونے پائے۔ پھر واضح الفاظ میں اپنی حاجت طلب کرے اور آخر میں درود پڑھے بلکہ وسط میں بھی درود پڑھے۔

ذریعہ وتوسل

تمام امیدوں کا مرکز اور تمام آرزوؤں کا منتہیٰ اللہ سبحانہٗ کی ذات ہے اور اسی سے تمام حاجتیں اور ضرورتیں وابستہ کی جاتی ہیں اور اس کے علاوہ کسی کو مستقل طور پر حاجت روا سمجھ کر پکارنا صحیح نہیں ہے اور نہ آئین اسلام میں اس کی گنجائش ہے کہ دُعا میں کسی دوسری ہستی کو پکار کر اسے اللہ تعالیٰ کی صفات میں شریک ٹھہرایا جائے۔ مگر ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی مشیت کے عمل دخل کا عقیدہ رکھتے ہوئے کسی کو پکارنا اور مدد چاہنا شرک نہیں ہے اور نہ ان ہستیوں کو کہ جنہیں مشیت کا ہاتھ سفارش کیلئے چن چکا ہے، وسیلہ قرار دینا شرک سے کوئی تعلق رکھتا ہے۔ شرک تو اس صورت میں ہوتا ہے جب انہی کو حاجت روائی کیلئے کافی سمجھ لیا جاتا اور مشیتِ باری کی ضرورت نہ سمجھی جاتی اور پھر انہیں وسیلہ قرار دینا تو ایک طرح سے اللہ کی عظمت کا اعتراف اور اپنی کوتاہ دستی کا اقرار ہے۔ اس طرح کہ اپنے کو براہِ راست پیش گاہ سلطانی میں عرضِ معروض کرنے کا اہل نہ سمجھتے ہوئے ان ہستیوں کو وسیلہ قرار دے رہا ہے جو وسیلہ بن سکتے ہیں اور جن کے نفوسِ قویہ ظاہری رابطۂ حیات کے قطع ہونے کے بعد بھی عالم اسباب سے بے تعلق نہیں ہوتے۔ چنانچہ اسی بقائے ربط و تعلّق کی وجہ سے ان کی قبروں کی زیارت کی جاتی ہے اور ان کے عتبات و مشاہد میں استجابتِ دُعا کے اثرات ظہور میں آتے ہیں۔ تو جو شخص عمل و اعتقاد کے ذریعہ ان سے علاقۂ روحانی پیدا کر لیتا ہے وہ اس کیلئے استجابتِ دُعا کا وسیلہ ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے سماعہ سے فرمایا کہ: حاجت طلب کرنے سے پہلے یہ کلماتِ توسل پڑھو تاکہ اللہ تعالیٰ تمہاری دُعا کو جلد قبول کرے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيۡۤ اَسۡئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَّ عَلِيٍّ، فَاِنَّ لَهُمَا عِنۡدَكَ شَاۡنًا مِّنَ الشَّاۡنِ وَّ قَدۡرًا مِّنَ الۡقَدۡرِ، فَبِحَقِّ ذٰلِكَ الشَّاۡنِ وَ بِحَقِّ ذٰلِكَ الۡقَدۡرِ اَنۡ تُصَلِّيَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ۔۔۔۔

اے اللہ! میں تجھے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و علی صلوٰۃ اللہ علیہ کا واسطہ دیتا ہوں کیونکہ ان کی تیرے نزدیک بڑی قدر و منزلت ہے۔ لہٰذا اسی قدر و منزلت کے پیش نظر تو محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما۔[2]

اور حضرت سید الساجدین علیہ السلام ایک دُعا میں اس طرح توسل فرماتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ فَاِنِّيۡۤ اَتَقَرَّبُ اِلَيۡكَ بِالۡمُحَمَّدِيَّةِ الرَّفِيۡعَةِ، وَ الۡعَلَوِيَّةِ الۡبَيۡضَآءِ، وَ اَتَوَجَّهُ اِلَيۡكَ بِهِمَا اَنۡ

---

[1] سورۂ ابراہیمؑ، آیت ۷۔

[2] الکافی، ج ۲، ص ۵۶۲۔

تُعِيْذَنِيْ مِنْ شَرِّ كَذَا وَ كَذَا .

اے میرے معبود! محمد ﷺ کی منزلت بلند پایہ اور علی علیہ السلام کے مرتبۂ روشن و درخشاں کے واسطہ سے تجھ سے تقرب کا خواستگار ہوں اور ان دونوں کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوں، تاکہ مجھے تو ان چیزوں کی برائی سے پناہ دے جن سے پناہ مانگی جاتی ہے۔[1]

ادعیہ واذ کار میں عدد کی رعایت

بعض اوراد واذ کار کے اوائل یا اواخر میں یہ وارد ہوتا ہے کہ اتنی مرتبہ درود پڑھو، یا اتنی دفعہ فلاں سورہ پڑھو تو اس موقع پر عدد کا لحاظ رکھنا چاہئے اور اسے گھٹانا بڑھانا نہ چاہئے۔ کیونکہ اس مقام پر اس کے نتائج و اثرات کو اس کے عدد سے وابستہ کیا گیا ہے جو کم وبیش کرنے کی صورت میں مرتب نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ صاحبِ ریاض السالکین نے سید ابن طاؤس الحسینی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ: ادعیہ واذ کار میں عدد کو نظر انداز نہ کرنا چاہئے ورنہ مطلوبہ فوائد اس سے حاصل نہ ہوسکیں گے۔ اسے یوں سمجھنا چاہئے کہ اگر کوئی شخص کہ جس کی راست بیانی پر مکمل اعتماد و وثوق ہو اور وہ یہ کہے کہ فلاں مقام سے دس گز کے فاصلے پر ایک خزانہ مدفون ہے، اگر اسے کھودو گے تو وہ خزانہ تمہیں دستیاب ہوگا، تو اب کوئی شخص دس گز کے فاصلہ سے آگے یا اس فاصلہ سے پیچھے کھودے گا تو وہ خزانہ اس کے ہاتھ نہیں لگے گا۔ بعینہ یہی صورت اذ کار و ادعیہ کی ہے کہ ان سے مطلوبہ فوائد اسی صورت میں حاصل ہو سکتے ہیں جب ان میں عدد کا لحاظ رکھا گیا ہو۔ لہٰذا گفتگو یا دوسرے کاموں میں مشغول ہوئے بغیر اس عدد کو تمام کرنا چاہئے اور اگر دورانِ ذکر میں کلام کرنے کی ضرورت پڑ جائے تو پھر اسے از سرِ نو شمار کرے۔[2]

اوقاتِ دُعا

صحیفہ کاملہ یا دوسری کتب ادعیہ میں جو دُعائیں اوقات و ایام سے وابستہ ہیں، جیسے: روزِ عرفہ، عید فطر، عید اضحیٰ اور نمازِ شب کے بعد کی دُعائیں، انہیں ان کے معینہ اوقات میں پڑھنا چاہئے، کیونکہ وہی لمحات ان کیلئے مناسب اور قبولیت سے قریب تر ہوتے ہیں۔ اور جو دُعائیں دن اور وقت کی پابند نہیں ہیں یا ان کے علاوہ کوئی اور دُعا مانگنا چاہے تو حسبِ ذیل اوقات استجابت کے لحاظ سے بہتر ہیں:

سحر سے لے کر طلوع آفتاب تک، زوالِ آفتاب کے وقت، صبح، ظہر اور مغرب کی نماز کے بعد، نمازِ وتر میں، شبہائے قدر میں، جمعہ کے دن خطبہ اور نماز کے درمیانی وقفہ میں، جمعہ کے دن جبکہ سورج آدھا ڈوب چکا ہو، اذان اور اقامت کے درمیانی وقفہ میں، تلاوتِ قرآن کے موقع پر، بارش کے برسنے اور ہواؤں کے چلنے کے وقت اور علی الخصوص نصفِ شب کے بعد کہ وہ دُعا کا بہترین وقت ہے۔

دلا بسوز که سوز تو کارها بکند　　　نیاز نیم شبی دفع صد بلا بکند

(حافظ شیرازی)

---

[1] صحیفہ کاملہ، دعا نمبر ۴۹۔

[2] ریاض السالکین، ج ۷، ص ۲۴۰

چنانچہ امیر المومنین علیہ السلام رات کے ایک حصہ میں اٹھے اور ستاروں پر نظر کرنے کے بعد نوف ابن فضالہ بکالی سے فرمایا:

يَا نَوْفُ! اِنَّ دَاوُدَ عليه السلام قَامَ فِيْ مِثْلِ هٰذِهِ السَّاعَةِ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ: اِنَّهَا سَاعَةٌ لَّا يَدْعُوْ فِيْهَا عَبْدٌ اِلَّا اسْتُجِيْبَ لَهٗ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ عَشَّارًا، اَوْ عَرِيْفًا، اَوْ شُرْطِيًّا، اَوْ صَاحِبَ عَرْطَبَةٍ، اَوْ صَاحِبَ كُوْبَةٍ.

اے نوف! داؤد علیہ السلام رات کے ایسے ہی حصہ میں اٹھے اور فرمایا کہ: یہ وہ گھڑی ہے کہ جس میں بندہ جو بھی دُعا مانگے مستجاب ہوگی، سوائے اس شخص کہ جو سرکاری ٹیکس وصول کرنے والا یا (کسی ظالم حکومت کی) پولیس میں ہو یا سارنگی یا ڈھول تاشہ بجانے والا ہو۔[1]

مقاماتِ قبولیتِ دُعا

جس طرح اوقات و ساعات اور ازمنہ و ایام کو قبولیتِ دُعا میں دخل ہے، اسی طرح محل و مقام بھی قبولیتِ دُعا پر اثر انداز ہوتے ہیں اور وہاں پر دُعا جلد مستجاب ہوتی ہے۔ چنانچہ ذیل کے مقامات استجابتِ دُعا کیلئے مخصوص ہیں:

- ''مسجد الحرام''
- ''عرفات''
- ''مشعر الحرام''
- ''مکہ''
- ''مسجد نبویؐ''
- ''مسجدِ کوفہ''
- ''مزارات آئمہ اہل بیت علیہم السلام''
- اور علی الخصوص ''روضۂ سید الشہدا حسین ابن علی علیہما السلام'' کہ اس کے متعلق وارد ہوا ہے کہ:

اَلْاِجَابَةُ تَحْتَ قُبَّتِهٖ.

ان کے گنبدِ مزار کے نیچے دُعائیں قبول ہوتی ہیں۔[2]

وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ!

☆☆☆☆☆

---

[1] نہج البلاغہ، خطبہ ۱۰۱۔

[2] مناقب ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۸۲۔

دُعائے مکارم الاخلاق کی جامعیت

حضرت سیّد العلماء مولانا سیّد علی نقی صاحب قبلہ مدّظلّہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الۡخَالِقِ الۡعِبَادِ الۡبَاسِطِ الۡاَرۡزَاقِ وَ الصَّلٰوۃُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡمَبۡعُوۡثِ لِیُتَمِّمَ مَکَارِمَ الۡاَخۡلَاقِ وَ اٰلِہِ الشُّمُوۡسِ الطَّالِعَۃِ عَلَی الۡاٰفَاقِ مَادَامَتِ الۡجِیَادُ تَجۡرِیۡ عَلَی الۡاَعۡرَاقِ.

انسانی زندگی کو انسانیت کے بلند ترین اوصاف سے معمور بنانا خالق انسان کا اہم مقصد ہے جس کیلئے انبیاءؑ مبعوث ہوئے، کتابیں نازل ہوئیں، اور شریعتیں مقرر ہوئیں۔ انہی بلند انسانی اوصاف کا نام ''مکارم الاخلاق'' ہے اور مکارم الاخلاق کی تکمیل کرنا ہی سلسلۂ انبیاء اور نظامِ ہدایت وتشریع کا ماحصل ہے۔ اسی لئے اس سلسلہ کی فردِ اکمل اور رسولِ خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا:

اِنَّمَا بُعِثۡتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الۡاَخۡلَاقِ.

یعنی میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ بلند ترین اخلاق انسانی کی عمارت کو پایۂ تکمیل تک پہنچاؤں۔[1]

اور یہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا تھا جب تک آپؐ خود اس کا مکمل ترین نمونہ نہ ہوتے۔ اس لئے آپؐ خود اس کمالِ بشری کے درجہ پر فائز بنا کر بھیجے گئے جس کو حضرت احدیت کی جانب سے سند عطا ہوئی کہ ﴿وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ ۝۴﴾[2] اور انہی اخلاق کا بہترین نمونہ آنحضرتؐ نے اپنے بعد اپنے اہل بیت طاہرین علیہم السلام کو چھوڑا۔ ان کی سیرت زندگی کا ہر گوشہ اخلاقی کمالات کے جواہر سے آراستہ تھا لیکن اس کے دیکھنے، پرکھنے اور سمجھنے کیلئے بڑی چشم بینا کی ضرورت ہے اور اگر ہم سمجھ بھی لیتے تو ہمیں ان کے اظہار کیلئے مناسب لفظیں ملنا دشوار تھیں۔ مگر ان میں کی ایک فردِ کامل، شہید کربلاؑ کے فرزند حضرت امام زین العابدین سیّد الساجدین علی ابن الحسین علیہ وعلیٰ آبائہ وابنائہ الصلوۃ والسلام نے ان اخلاقی کمالات کے تصور کو الفاظ کے قالب میں ڈھال کر دُعاؤں کی شکل میں خلق خدا کی تعلیم کیلئے محفوظ کر دیا۔

ان دُعاؤں کا مجموعہ ''زبور آل محمدؐ'' معروف بہ ''صحیفہ کاملہ'' یا ''صحیفۂ سجادیہ'' شائع اور متداول ہے۔ ان دُعاؤں میں سے ایک خاص دُعا ''اَلدُّعَآءُ فِیۡ مَکَارِمِ الۡاَخۡلَاقِ وَ مَرۡضِیِّ الۡاَفۡعَالِ'' ہے جس میں آپؑ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض ومعروض کے سلسلہ میں اپنے خالق سے

---

[1] بحار الانوار، ج ۶۸، ص ۳۸۲۔

[2] سورۂ قلم، آیت ۴۔

اعمالِ خیر سے اتصاف اور برے اعمال سے بچنے کی توفیق مانگتے ہوئے تفصیل کے ساتھ تمام ان باتوں کا ذکر فرما دیا ہے جن سے ایک انسان کو متصف ہونا چاہئے اور تمام ان اوصاف کو بھی بیان فرما دیا ہے جن سے ایک انسان کو خالی ہونا چاہئے۔

جہاں تک غور کیا جاتا ہے انسانی کمالات تین شعبوں میں منقسم ہیں: اعتقاد، قول اور عمل۔

پہلے کا تعلق دل سے، دوسرے کا زبان سے، تیسرے کا اعضاء و جوارح سے ہے۔ اسی وجہ سے ایمان بھی تین ہی اجزاء سے مرکب ہے:

تَصْدِیْقٌ بِالْجَنَانِ وَاِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَعَمَلٌ بِالْاَرْکَانِ.

اس لئے انسانی فضائل جن سے متصف ہونا چاہئے اور انسانی رذائل جن سے خالی ہونا چاہئے وہ بھی تین ہی قسمیں رکھتے ہیں:

فضائل متعلقہ بقلب رذائل متعلقہ بقلب

فضائل متعلقہ بلسان رذائل متعلقہ بلسان،

فضائل متعلقہ بجوارح رذائل متعلقہ بجوارح

اس دُعا میں امام علیہ السلام نے ان میں سے ہر قسم کے فضائل و رذائل کو انتہائی اختصار کے باوجود اتنی تفصیل سے بیان فرما دیا ہے جس کی توقع ایک مبسوط کتاب ہی سے کی جا سکتی تھی۔

ذیل میں ایک خاکہ ان تمام فضائل و رذائل کا جو اس دُعا میں مذکور رہے درج کیا جاتا ہے:

۱۔ فضائل متعلقہ بقلب:

ایمان	یقین	حسنِ نیت	احساسِ عبودیت
احساسِ تواضع	محبتِ خلق	اہلِ صلاح پر اعتماد	اطمینان
خیر خواہی	قدر شناسی	نرمی	اکتسابِ فضائل میں رغبت
اپنی نیکیوں کو کم سمجھنا	برائیوں کو زیادہ سمجھنا	ذکر	تفکر
پرہیز گاری	علم با عمل	محبت خدا	

۲۔ رذائل متعلقہ بقلب:

غرور	خود بینی	ناز	بے جا شک
بغض	حسد	بدگمانی	خوشامدانہ محبت
خوفِ خلق	عیب جوئی	گمراہی	آرزوئے بے محل
فریفتگی	غفلت		

۳۔فضائل متعلقہ بلسان:

حسنِ ذکر	شکرِ نعمت	اشاعتِ احسان	عیب پوشی
حق گوئی	بارگاہِ الٰہی میں دُعا	تضرع وزاری	حمدِ پروردگار
شکرِ الٰہی	نطق ہدایت		

۴۔رذائل متعلقہ بلسان:

احسان جتانا	غیبت کرنا	عیب لگانا	غیر خدا سے مدد مانگنا
غیر کے سامنے گڑگڑانا	فحش	بیہودہ لفظ	سبّ وشتم
جھوٹی گواہی	غیر خدا کو اس کا شریک سمجھ کر پکارنا		
جو کچھ دے اس کی تعریف جو نہ دے اس کی مذمت			

۵۔فضائل متعلقہ بجوارح:

حسنِ عمل	فردا کی جوابدہی کا سامان	غرضِ خلقت میں صرفِ اوقات	
لوگوں کے ساتھ بھلائی	اطاعتِ خدا	رشتہ داروں سے نیکی	ان کی امداد
حسنِ معاشرت	اصلاح کرنے والے کی فرمانبرداری اور ہدایت کرنے والے کی پیروی		
ظالموں پر غلبہ	محروم کرنے والوں پر بخشش	قطع رحم کرنے والوں کے ساتھ صلۂ رحم	
انصاف	الگ رہنے والوں کو ملانا	باہمی عداوتوں کو دفع کرنا	جھک کر ملنا
نیک عادتیں اختیار کرنا	فضلیت کی طرف بڑھنے میں سبقت	دادودہش	برمحل صرف
اتفاق واتحاد کو قائم رکھنا	بدعت والوں کو چھوڑنا	سیدھے راستے پر چلنا	میانہ روی
حق کی طرف رہنمائی	مال کے صرف کرنے میں نیکی کرنا	عبادت	زہد
علم کے مطابق عمل	روزی کی طلب میں اعتدال		

۶۔رذائل متعلقہ بجوارح:

کجروی	شیطان کی اطاعت	معیوب عادتیں	رشتہ داروں کے حقوق میں کوتاہی
ساتھ رہنے والوں کو دھکیلنا	برادرانِ ایمانی سے قطعِ تعلقات	قطعِ رحم	بے جا غصہ سے کام لینا

عبادت میں کسل	جولوگ خدا سے الگ ہو گئے ہیں ان کے ساتھ بیٹھنا		
اللہ والے لوگوں سے جدا ہونا	غیر خدا کے سامنے جھکنا	ظلم	سرکشی
مالِ دنیا کی ہوس	فضول خرچی	کسبِ مال میں مصروف ہو کر عبادت سے غفلت	

اس فہرست کو اگر دیکھئے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی ضخیم کتاب الاخلاق کی فہرست، مگر ان تمام ابواب کو امام علیہ السلام نے چند صفحوں کی دُعا میں اتنی بےنظیر متانت، جامعیت اور بلاغت کے ساتھ ادا فرمایا ہے جس کی نظیر ملنا غیر ممکن ہے۔

پھر ایک خاص بات یہ ہے کہ ان تمام اچھے اخلاق سے اتّصاف اور ان برے اوصاف سے علیحدگی کو بطورِ دُعا اللہ سبحانہ سے طلب کیا ہے جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر تائیدِ الٰہی شامل حال نہ ہو تو تنہا انسان اس مرحلہ کو آخر تک طے کرنے سے عاجز ہے۔

بے شک ابتدائی منزلِ ذوق وشوق میں قدم زنی کرنا انسان کا خود اختیاری فرض ہے، لیکن جب وہ لَو لگاتا ہے تو پھر خود لطفِ الٰہی اس کی اصلاح حال اور تائید وتسدید کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط﴾[1]۔ اسی حقیقت کو اس مناجات میں دُعا کے ذریعہ سے ظاہر کیا گیا ہے۔

موجودہ زمانہ میں جبکہ مادیت کا دور دورہ ہے، خلق خدا کی آنکھوں سے غفلت کے پردے ہٹانے کیلئے آلِ محمد علیہم السلام کے بصیرت افروز کلمات بہترین نسخۂ کیمیا ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو باتیں دل سے نکلی ہوئی ہوتی ہیں وہ دلوں پر اثر کر کے رہتی ہیں۔ ہم اگر اپنے لفظوں سے ان باتوں کو ظاہر کرنا بھی چاہیں تو ان کا قارئین کے دلوں تک پہنچنا نہایت دشوار ہے۔ اس لئے کہ نہ دل میں درد ہو اور نہ سوزِ جگر اور نہ ذوقِ طلب اور نہ شوقِ قبول تو پھر تاثیر کیسے ہو؟۔

یہ خوش قسمتی ہے کہ اس مقصد کے حصول کیلئے ایک بہترین ذریعہ موجود ہے اور وہ آلِ رسول علیہم السلام کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں۔ اگر پڑھنے والے اور سننے والے میں کچھ بھی صلاحیتِ قبول ہے تو ممکن نہیں کہ یہ درد وسوز اور ذوق وشوق سے بھرے ہوئے کلمات اثر ڈال کر نہ رہیں۔

مبارک ہوں گے وہ جو معصوم علیہ السلام کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کو اپنے اوراد ووظائف میں داخل کریں، ان کے معانی پر غور کریں اور ان سے صحیح فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔ والسلام!

☆☆☆☆☆

---

[1] سورۂ عنکبوت، آیت ۶۹۔

صحیفہ سجادیہ کی بے مثال عظمت
پر
علمائے مصر کے محققانہ تبصرے

از: جناب سیدالعلماء مدظلہ

تعصب اور تنگ نظری کو جانے دیا جائے اور خوش اعتقادی سے بھی کوئی واسطہ نہ رکھا جائے، صرف تاریخ اور درایت کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ امر بالکل حقیقت ثابتہ معلوم ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات اور آپؐ کی سیرت کے بہت سے خصوصیات اور آپؐ کے ذاتی کمالات کے بہت سے نقوش آپؐ کی تربیت کردہ اولاد اور ذریتِ طاہرہؑ کے ساتھ وابستہ تھے اور ضرورت تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی رسمی عہدہ اور منصب کی حیثیت سے نہ سہی لیکن شریعتِ اسلام اور احکام دین نیز اسرارِ وحدانیت و رسالت کی تعلیمی حیثیت کا جہاں تک تعلق ہے، ان حضراتؑ کے اقوال و افعال کو پوری اہمیت دی جاتی۔ لیکن افسوس ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ عام مسلمان فرقہ وارانہ تنگ نظری کا اس طرح شکار ہوئے کہ انہوں نے اہل بیت رسول علیہم السلام سے اجنبیت اختیار کرلی اور چاہے برائے نام ان سے عقیدت کا اظہار بھی قائم رکھا ہو، لیکن عملی طور پر ان کے افادات و اقوال سے بالکل کنارہ کشی کرلی اور آلِ محمد علیہم السلام گویا صرف شیعوں کے رسولؐ کے اہل بیتؑ بن گئے۔

عالم اسلام کی بہبودی کے لحاظ سے یہ صورتحال نہایت افسوسناک تھی۔ لیکن شکر ہے کہ مسلمانوں کا سب سے بڑا مرکزِ علم و شریعت، مصر آج اپنی علمی ترقیوں کے ساتھ اس جاہلانہ تنگ نظری سے آزاد ہو رہا ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے علامہ شیخ محمد عبدہ نے جو ''مفتی دیار مصریہ'' کا درجہ رکھتے تھے، نہج البلاغہ کو جو امیر المومنینؑ کے کلام کا مجموعہ ہے اپنے عالمانہ حواشی اور پرزور مقدمہ کے ساتھ اپنے اہتمام سے مصر میں شائع کرایا۔ جس کے بعد متعدد بار اس کی اشاعت ہو چکی اور مصر کے علمی و ادبی حلقہ میں اس کی اہمیت مسلم ہوگئی ہے۔

اب اس طرف دو برس سے مصر کے بلند پایہ علمی حلقوں میں ''صحیفہ سجادیہ'' کو ایک عجیب حیرت کی نگاہ سے دیکھا جا رہا ہے۔ چنانچہ آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ یہ جلیل المرتبت کتاب جو کچھ کم تیرہ سو برس سے دنیائے اسلام میں موجود ہے اور سینکڑوں کتب خانوں میں محفوظ ہے اور متعدد بار چھپ بھی گئی ہے، مصر میں ایک بالکل نئی چیز سمجھی گئی۔ وہاں کے بڑے بڑے علماء اور پروفیسروں نے اس پر مبسوط مقالے لکھے اور وہ مصر کے رسالوں میں شائع ہوئے۔ نیز آپ کے ہندوستان کے واحد عربی رسالہ ''الرضوان'' میں بھی درج ہوئے۔

(ا)

پہلا مضمون استاد فیلسوف طنطاوی جوہری کا ہے جس کا عنوان ہے:

اَدْعِيَّةُ عَلِيِّ زَيْنِ الْعَابِدِيْنَ وَ مَاذَا يَسْتَفِيْدُ مِنْهَا الْمُسْلِمُوْنَ

حضرت زین العابدین علی بن حسین علیہما السلام کی دُعائیں اور ان سے مسلمانوں کو کیا فوائد حاصل ہو سکتے ہیں

یہ مسلسل چند مقالات کا مجموعہ ہے جو رسالہ "ہدی الاسلام" مصر کی متعدد اشاعتوں میں شائع ہوئے ہیں اور مکمل صورت سے "الرضوان" میں درج ہوئے ہیں۔ موصوف تحریر فرماتے ہیں:

جامعہ ازہر کے نوجوان ہندوستانی طالب علم سیّد مجتبیٰ حسن نے مجھے ایک کتاب سے مطلع کیا جس میں کچھ دُعائیں کچھ مناجاتیں حضرت علی زین العابدین علیہ السلام کی طرف منسوب موجود ہیں۔ میں نے اس کتاب کو غور سے دیکھا اور اس کے مندرجات پر گہری نظر ڈالی تو مجھ پر ایک ہیبت طاری ہوگئی اور ان دُعاؤں کی عظمت میرے دل میں جاگزین ہوگئی اور میں نے کہا کہ یہ عجیب بات ہے! کیونکہ مسلمان اب تک اس ذخیرہ سے ناواقف رہے اور کس طرح وہ صدیوں اور پھر صدیوں تک خوابِ غفلت میں مبتلا رہے اور انہیں احساس نہ ہوا کہ اتنا بڑا علمی ذخیرہ خدا نے ان کیلئے مہیا کر رکھا ہے۔ اگر وہ ان خزانوں کو کھول کر دیکھیں اور ان اسرار و رموز پر مطلع ہوں تو سمجھیں کہ سنی و شیعہ فرقے دونوں خواہ مخواہ کیلئے افتراقِ باہمی میں مبتلا ہیں اور باہمی عداوت کے نشہ میں سرشار ہیں۔

اس کتاب میں دو قسم کی دُعائیں ہیں:

ایک سلبی (یعنی بری باتوں سے دور ہونے کی تعلیم)

دوسرے اثباتی (یعنی اچھی باتوں سے متصف ہونے کی تلقین)

دوسرے لفظوں میں یہ کہنا چاہئے کہ یہ دُعائیں ایک عجیب رمز و اشارہ کی صورت سے قرار دی گئی ہیں۔ جن دُعاؤں میں ندامت اور پشیمانی اور تضرع وزاری اور مصائب کا دفعیہ اور مظالم سے نجات اور بیماریوں سے شفا کا ذکر ہے، وہ زیادہ تر کتاب کے ابتدائی حصہ میں ہیں اور جن دُعاؤں میں خدا کی عظمت و جلال کا اظہار ہے اور اس کی صنعت اور عجائب قدرت کا تذکرہ ہے وہ زیادہ تر کتاب کے آخر میں ہیں۔

کیا یہ ایک عجیب بات نہیں ہے؟ کیا اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ یہ حضرات ؑ بہت سے اسرار و رموز اور علوم و معارف کی طرف اشارہ کر رہے تھے جن سے مسلمان بالکل غافل اور بے خبر ہو گئے ہیں۔

حقیقۃً انسانی افراد کے حالات بھی دو ہی صورتوں پر منقسم ہیں:

ایک تخلی عن الرذائل (بری باتوں سے علیحدگی)، دوسرے تحلی بالفضائل (اچھے اوصاف سے آراستگی) اور اس کے ساتھ بلند مرتبہ علوم و معارف کی تحصیل جس سے نفس ناطقۂ انسانی کی تکمیل ہو۔

ہم ان دونوں قسموں کی تشریح کریں گے۔ پھر اسلامی اقوام کیلئے اس کے عملی نتائج جو برآمد ہوتے ہیں پیش کریں گے:

پہلی قسم:

اس میں یہ دُعا ہے جو امام زین العابدین علیہ السلام مناجات میں پڑھتے تھے۔ اس کو امین الاسلام فضل بن حسن طبرسی نے اپنی کتاب "عدۃ السفر وعمدۃ الحضر" میں بھی درج کیا ہے:

اِلٰهِیْ طَالَمَا نَامَتْ عَیْنَایَ وَ قَدْ حَضَرَتْ اَوْقَاتُ صَلَوَاتِكَ وَ اَنْتَ مُطَّلِعٌ عَلَیَّ، تَحَلَّمُ بِحِلْمِكَ الْكَرِیْمِ اِلٰی اَجَلٍ قَرِیْبٍ، فَوَیْلٌ لِّهَاتَیْنِ الْعَیْنَیْنِ، كَیْفَ تَصْبِرَانِ غَدًا عَلٰی تَحْرِیْقِ النَّارِ؟!.

خداوندا! اکثر میری آنکھیں خواب آلودہ ہوگئیں اس وقت جب تیری نمازوں کا وقت تھا۔ تو میری حالت سے واقف ہے اور ایک محدود زمانہ تک چشم پوشی سے کام لیتا ہے۔ افسوس ہے ان آنکھوں کے حال پر یہ کیونکر صبر کریں گی اس وقت جب ان پر عذاب کیا جائے گا۔

اِلٰهِیْ طَالَمَا مَشَتْ قَدَمَایَ فِیْ غَیْرِ طَاعَتِكَ وَ اَنْتَ مُطَّلِعٌ عَلَیَّ، تَحَلَّمُ بِحِلْمِكَ الْكَرِیْمِ اِلٰی اَجَلٍ قَرِیْبٍ، فَوَیْلٌ لِّهَاتَیْنِ الْقَدَمَیْنِ، كَیْفَ تَصْبِرَانِ غَدًا عَلٰی تَحْرِیْقِ النَّارِ؟!.

خداوندا! اکثر میرے پاؤں تیری اطاعت کے راستوں سے الگ گامزن ہوئے۔ تو اس پر مطّلع ہے اور محدود زمانہ تک چشم پوشی سے کام لیتا ہے۔ افسوس ہے ان پیروں کے حال پر یہ کیونکر صبر کریں گے جب ان پر عذاب ہوگا۔

اِلٰهِیْ طَالَمَا ارْتَكَبَتْ نَفْسِیْ بِمَا هُوَ رَاجِعٌ اِلَیَّ، وَ اَنْتَ مُطَّلِعٌ عَلَیَّ، تَحَلَّمُ بِحِلْمِكَ الْكَرِیْمِ اِلٰی اَجَلٍ قَرِیْبٍ، فَوَیْلٌ لِّهٰذَا الْجَسَدِ الضَّعِیْفِ كَیْفَ یَصْبِرُ غَدًا عَلٰی تَحْرِیْقِ النَّارِ؟!.

خداوندا! بہت ایسا ہوا کہ میں نے ایسی باتوں کا ارتکاب کیا جن میں میرے نفسانی اغراض شریک تھے، تو اس پر مطلع ہوا۔ افسوس! یہ میرا جسم کیونکر صبر کرے گا جب اس پر عذاب ہوگا۔

اِلٰهِیْ لَیْتَ اُمِّیْ لَمْ تَلِدْنِیْ.

خداوندا! کاش میں اپنی ماں کے بطن سے پیدا نہ ہوا ہوتا۔

اِلٰهِیْ لَیْتَ السِّبَاعُ قَسَمَتْ لَحْمِیْ عَلٰی اَطْرَافِ الْجِبَالِ، وَ لَمْ اَقُمْ بَیْنَ یَدَیْكَ.

خداوندا! کاش! درندے پہاڑوں پر میرے ٹکڑے کر ڈالتے اور مجھے بحیثیت مجرم تیرے سامنے کھڑا نہ ہونا ہوتا۔

اِلٰهِیْ لَیْتَنِیْ كُنْتُ طَیْرًا فَاَطِیْرُ فِی الْهَوَآءِ مِنْ فَرَقِكَ.

خداوندا! کاش میرے پر پرواز ہوتے کہ تیرے خوف و ہیبت سے فضا میں پرواز کرتا۔

اِلٰهِیَ الْوَیْلُ لِیْ اِنْ كَانَ فِی النَّارِ مَجْلِسِیْ.

خداوندا! افسوس میرے حال پر اگر آتش جہنم میں میری منزل ہو۔

اِلٰهِيَ الْوَيْلُ لِيْ، ثُمَّ الْوَيْلُ لِيْ اِنْ كَانَ الزَّقُّوْمُ طَعَامِيْ.

خداوندا! افسوس در افسوس مجھ پر اگر جہنم کے زہریلے پھلوں سے مجھے کھانا نصیب ہو۔

اِلٰهِيَ الْوَيْلُ لِيْ، ثُمَّ الْوَيْلُ لِيْ اِنْ كَانَ الْقَطِرَانُ لِبَاسِيْ.

خداوندا! افسوس میرے حال پر اگر قطران (تارکول) کا میرا لباس ہو۔

اِلٰهِيَ الْوَيْلُ لِيْ، ثُمَّ الْوَيْلُ لِيْ اِنْ كَانَ الْحَمِيْمُ شَرَابِيْ.

خداوندا! افسوس در افسوس میرے حال پر اگر آبِ گرم میرے پینے کیلئے ملے۔

اِلٰهِيَ الْوَيْلُ لِيْ، ثُمَّ الْوَيْلُ لِيْ اِذَآ اَنَا قَدِمْتُ اِلَيْكَ وَ اَنْتَ سَاخِطٌ عَلَيَّ، فَمَا الَّذِيْ يُرْضِيْكَ عَنِّيْ؟! اَوْ بِاَيِّ حَسَنَاتٍ سَبَقَتْ مِنِّيْ فِيْ طَاعَتِكَ اَرْفَعُ بِهَا اِلَيْكَ رَاْسِيْ، وَ يَنْطَلِقُ بِهَا لِسَانِيْ اِلَّا الرَّجَآءُ مِنْكَ؟! فَقَدْ سَبَقَتْ رَحْمَتُكَ غَضَبَكَ، وَ قُلْتَ، وَ قَوْلُكَ الْحَقُّ: ﴿نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَ اَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ۝﴾.

خداوندا! افسوس در افسوس میرے حال پر اگر میں تیرے سامنے آؤں اس حال میں کہ تو مجھ سے ناراض ہو۔ اس صورت میں کون ہے جو تجھ کو مجھ سے رضامند بنائے؟ یا کونسے وہ اچھے اعمال میرے ہوں گے جن کے سبب سے میں تیرے سامنے سر اٹھاؤں اور جن کا تذکرہ اپنی زبان پر لاؤں؟۔ کچھ نہیں، سوائے اس امید کے جو تیرے کرم سے ہے، کیونکہ تیری رحمت تیرے غضب سے آگے ہے اور تو نے کہا ہے کہ: میرے بندوں کو بتلا دیں کہ میں بڑا بخشنے والا اور ترس کھانے والا ہوں اور یہ کہ میرا عذاب بہت سخت عذاب ہوگا۔

صَدَقْتَ وَ بَرَرْتَ يَا سَيِّدِيْ، لَا يَرُدُّ غَضَبَكَ اِلَّا حِلْمُكَ، وَ لَا يُجِيْرُ مِنْ عِقَابِكَ اِلَّا رَحْمَتُكَ، وَ لَا يُنْجِيْ مِنْكَ اِلَّا التَّضَرُّعُ اِلَيْكَ.

بالکل سچ کہا تو نے اے میرے مالک! تیرے غضب کو کوئی چیز ٹال نہیں سکتی سوائے تیرے ہی حلم کے، اور تیرے عذاب سے کوئی چیز پناہ نہیں دے سکتی سوائے تیری رحمت کے، اور تجھ سے کوئی چیز بھی نہیں مل سکتی سوائے تیری ہی بارگاہ میں گڑگڑاہٹ کے۔

فَهَآ اَنَا ذَا بَيْنَ يَدَيْكَ: ذَلِيْلٌ صَاغِرٌ رَّاغِمٌ دَاحِضٌ، فَاِنْ تَعْفُ عَنِّيْ فَقَدِيْمًا شَمِلَتْنِيْ رَحْمَتُكَ، وَ اَلْبَسَتْنِيْ عَافِيَتُكَ، وَ اِنْ تُعَذِّبْنِيْ فَاَنَا لِذٰلِكَ اَهْلٌ، وَ هُوَ مِنْكَ عَدْلٌ.

اچھا پھر میں تیرے سامنے کھڑا ہوں بالکل ذلیل، بے قدر، شکستہ حال اور بے سروسامان۔ اگر تو مجھے معاف کر دے تو کوئی بڑی بات نہیں کیوں کہ ہمیشہ ہی سے تیری رحمت میرے شامل حال رہی اور تو نے صحت و سلامتی کا لباس مجھ کو پہنائے رکھا اور اگر تو مجھے سزا دے تو میں اس کا مستحق ہوں اور وہ تیری عدالت کا نتیجہ ہوگا۔

يَا رَبِّ غَيْرَ اَنِّيْۤ اَسْئَلُكَ بِالْمَخْزُوْنِ مِنْ اَسْمَآئِكَ، وَ بِمَا وَرَآءَ الْحُجُبِ مِنْ بَهَآئِكَ، اَنْ تَرْحَمَ هٰذِهِ النَّفْسَ الْجَزُوْعَ، وَ هٰذَا الْبَدَنَ الْهَلُوْعَ، وَ هٰذَا الْجِلْدَ الرَّقِيْقَ، وَ هٰذَا الْعَظْمَ الدَّقِيْقَ، الَّذِيْ لَا يَصْبِرُ عَلٰى حَرِّ شَمْسِكَ، فَكَيْفَ يَصْبِرُ عَلٰى حَرِّ نَارِكَ!؟ وَ لَا يُطِيْقُ صَوْتَ رَعْدِكَ، فَكَيْفَ يُطِيْقُ صَوْتَ غَضَبِكَ!؟ عَفْوَكَ عَفْوَكَ عَفْوَكَ.

خداوندا! مگر میں تیرے ہی پوشیدہ اوصاف اور تیرے ہی اس کمالِ ذات کا جو حجاب راز میں مضمر ہے، واسطہ دے کر یہ سوال کرتا ہوں کہ میرے اس بے تاب نفس اور اس مضطرب جسم اور اس نازک جلد اور ان کمزور ہڈیوں پر رحم کرنا۔ یہ میرا جسم جو اس تیرے آفتاب کی حرارت کو برداشت نہیں کرسکتا، تیری آگ کو کیسے برداشت کرے گا؟ یہ جو تیرے بادل کی گرج کی آواز سے تھرّا اٹھتا ہے تیرے غضب کی آواز کو کیسے سن سکتا ہے؟ معافی، معافی، معافی۔

فَقَدْ غَرَّقَتْنِي الذُّنُوْبُ، وَ غَمَرَتْنِي النِّعَمُ، وَ قَلَّ شُكْرِيْ لَكَ، وَ ضَعُفَ عَمَلِيْ، وَ لَا شَيْءَ اَتَّكِلُ عَلَيْهِ اِلَّا رَحْمَتَكَ، يَاۤ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.

بے شک گناہوں نے مجھے دھوکا دیا۔ تیری نعمتوں نے مجھے چاروں طرف گھیرے رکھا، مگر میں نے تیرا شکریہ بہت کم ادا کیا۔ میرے اعمال انتہائی کمزور ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں جس پر میں بھروسا کروں، سوائے تیری رحمت کے۔ اے سب رحیموں سے زیادہ رحیم۔[1]

اس دُعا میں جن قرآنی آیات کی طرف اشارہ ہے:

دیکھو امام علیہ السلام اس دُعا میں آنکھوں کا ذکر کرتے ہیں اور ان کے گناہوں کا، پیروں کا تذکرہ کرتے ہیں اور ان کے جرائم کا، جسم کا اور اس کے عذاب کا جو روزِ قیامت ہوگا، اور اس جسم کی کمزوری کا اس عذاب کے تحمل سے۔ پھر اپنی خجالت کا اظہار خدا کی بارگاہ میں اور اس سلسلہ میں جہنم اور وہاں کا زہریلا کھانا اور وہاں کا مخصوص لباس اور اس سب سے بڑھ کر خدا کی ناراضگی اور بندہ کی بےبسی اور سب سے آخر میں یہ کہ صرف خدا کی رحمت پر تکیہ ہے اور اسی پر بھروسا ہے۔

اس دُعا پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بہترین مواعظ مضمر ہیں۔ جن سے شیعہ سنی سب ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اس طرح کی دُعاؤں کو حقیقتاً تعلیمی سبق سمجھنا چاہئے جو موعظہ و ہدایت کی خاطر مسلمانوں کے سامنے پیش کئے گئے ہیں۔ ورنہ درحقیقت یہ مقدس ذاتیں ہرگز گناہوں سے اس طرح آلودہ نہ تھیں لیکن چونکہ بارگاہِ الٰہی میں ان کا تقرب زیادہ تھا اس لئے انہیں خدا کا خوف بھی سخت تھا۔

﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ط﴾

خدا سے ڈرتے وہی زیادہ ہیں جنہیں خدا کی معرفت زیادہ ہوتی ہے۔[2]

---

[1] عدۃ السفر وعمدۃ السفر، الطبرسی، (نسخہ خطی) ص ۲۸۷۔

[2] سورۂ فاطر، آیت ۲۸۔

اور چونکہ مسلمانوں کیلئے ایک پیشوائی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے انہوں نے مسلمانوں کیلئے مثال پیش کی اور یہی وہ طریقہ ہے جو دنیا کی ہدایت کیلئے بہترین صورت پر کامیاب ہوسکتا ہے۔

دوسری قسم:

یعنی فضائل کے ساتھ آراستگی اور علوم وکمال کی تحصیل کی ''اہمیت''۔اس میں آپؑ کی یہ دُعا ہے جو چوبیس ماہ رمضان کو آپؑ پڑھتے تھے:

یَا فَالِقَ الْاِصْبَاحِ، وَ یَا جَاعِلَ اللَّیْلِ سَکَنًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ حُسْبَانًا، یَا عَزِیْزُ، یَا ذَا الطَّوْلِ وَ الْمَنِّ وَ الْقُوَّةِ وَ الْحَوْلِ وَ الْفَضْلِ وَ الْاِنْعَامِ وَ الْجَلَالِ وَ الْاِکْرَامِ.

اے سفیدۂ سحری کو ظاہر کرنے والے اور رات کو آرام وسکون کا ذریعہ بنانے والے اور آفتاب و ماہتاب کو مقرر حساب کے ساتھ چلانے والے۔اے عزت کے مالک!اے بخشش وکرم اور قوت وطاقت اور فضل واحسان اور جلال و بزرگی کے سرمایہ دار!

یَا اللّٰهُ، یَا رَحْمٰنُ، یَا فَرْدُ، یَا مُؤْمِنُ، یَا مُهَیْمِنُ، یَا اللّٰهُ، یَا ظَاهِرُ! یَا اللّٰهُ، یَا بَاطِنُ! یَا اللّٰهُ یَا حَیُّ! یَا لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ، یَا اللّٰهُ یَا اللّٰهُ یَا اللّٰهُ! لَكَ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی وَ الْاَمْثَالُ الْعُلْیَا، وَ الْکِبْرِیَآءُ وَ الْاٰلَآءُ.

اے اللہ!اے رحم والے خدا!اے ایک اکیلے یگانہ!اے امن واطمینان کے دینے والے!اے نگرانی ونگہداشت کرنے والے!اے اللہ،اے ظاہر!اے اللہ،اے باطن!اے اللہ،اے زندہ رہنے والے!سوائے تیرے کوئی معبود برحق نہیں۔ اے اللہ!اے اللہ!تیرے لئے ہیں بہترین نام اور بلندترین مثالیں اور بزرگی اور تمام نعمتیں۔

اَسْئَلُكَ اَنْ تُصَلِّیَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ وَ اَلَّا تَجْعَلَنِیْ مِمَّنْ اِذَا صَحَّ اَمِنَ، وَ اِذَا سَقِمَ خَافَ، وَ اِذَا اسْتَغْنٰی فُتِنَ، وَ اِذَا افْتَقَرَ خَافَ، وَ اِذَا مَرِضَ تَابَ، وَ اِذَا عُوْفِیَ عَادَ، وَ لَا مِمَّنْ یُّحِبُّ الصّٰلِحِیْنَ وَ لَا یَعْمَلُ عَمَلَهُمْ، وَ یُبْغِضُ الْمُسِیْٓئِیْنَ وَ هُوَ اَحَدُهُمْ، وَ یُظْهِرُ السَّیِّئَةَ مِنْ اَخِیْهِ وَ یَکْتُمُهَا مِنْ نَّفْسِهٖ...

رحمت اپنی نازل کر محمدؐ اور ان کی آلؑ پر اور مجھے نہ قرار دے ان لوگوں میں سے کہ جب وہ صحیح وسالم ہوں تو غافل ہو جائیں اور جب بیمار ہوں تو تجھ سے خوف کریں۔جب مالدار ہوں تو فریبِ دنیا کا شکار رہیں اور جب فقیر ہوں تو تجھ سے لو لگائیں۔جب بیمار ہوں تو گناہوں سے توبہ کریں اور جب اچھے ہوں تو پھر گناہوں میں مبتلا ہو جائیں۔نہ ان لوگوں میں سے قرار دے کہ جو اچھے آدمیوں کی محبت کا دعویٰ تو رکھتے ہوں مگر ان کے سے اعمال نہ کرتے ہوں۔اور برے آدمیوں سے نفرت کا اظہار تو کرتے ہوں مگر خود اپنے افعال کے لحاظ سے ان ہی برے آدمیوں میں داخل ہوں۔جو اپنے دوسرے بھائیوں کی برائی تو ظاہر کرتے ہوں اور خود اپنی برائیوں پر پردہ ڈالتے ہوں۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡۤ اَسۡئَلُکَ الۡھُدٰی وَ التَّقۡوٰی، وَ السَّعَۃَ وَ الۡعَافِیَۃَ، وَ الۡغِنٰی عَمَّا حَرَّمۡتَ عَلَیَّ، وَ الۡعَمَلَ فِیۡ طَاعَتِکَ فِیۡمَا تُحِبُّ وَ تَرۡضٰی، رَبِّ اصۡرِفۡ وَجۡھِیۡ عَنِ النَّارِ، وَ اصۡرِفِ النَّارَ عَنۡ وَّجۡھِی۔

خداوندا! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ہدایت اور پرہیزگاری اور عفت اور بے نیازی کا، ان چیزوں سے جنہیں تو نے حرام قرار دیا ہے اور عمل کا تیری اطاعت کے ساتھ ان باتوں میں جو تجھے پسندیدہ ہیں۔ پروردگار! میرے چہرے کو آتش جہنم سے موڑ دے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡۤ اَسۡئَلُکَ یَا اللهُ یَا وَاحِدُ یَا اَحَدُ یَا صَمَدُ، یَا مَنۡ لَّمۡ یَلِدۡ وَ لَمۡ یُوۡلَدۡ وَ لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ، یَا ذَا الۡجَلَالِ وَ الۡاِکۡرَامِ، یَا قَاضِیَ الۡحَاجَاتِ، یَا مُنَفِّسَ الۡکُرُبَاتِ، یَا وَلِیَّ الرَّغَبَاتِ، یَا مُعۡطِیَ السُّؤۡلَاتِ، یَا کَافِیَ الۡمُھِمَّاتِ اکۡفِنِیۡ مَاۤ اَھَمَّنِیۡ، وَ اقۡضِ دَیۡنِیۡ، وَ طَھِّرۡ قَلۡبِیۡ وَ زَکِّ عَمَلِی، وَ اکۡتُبۡ لِیۡ بَرَآءَۃً مِّنَ النَّارِ، وَ اَمَانًا مِّنَ الۡعَذَابِ، وَ جَوَازًا عَلَی الصِّرَاطِ، وَ نَصِیۡبًا مِّنَ الۡجَنَّۃِ، وَ اَدۡخِلۡنِیۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ، وَ ارۡزُقۡنِیۡ مُرَافَقَۃَ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ فِیۡ جَنَّاتِ الۡخُلۡدِ، وَ سُرُوۡرَ الۡاَبَدِ فِیۡ دَارِ الۡمُرُوۡٓءَۃِ، بِمَنِّکَ وَ فَضۡلِکَ یَا ذَا الۡجَلَالِ وَ الۡاِکۡرَامِ۔

خداوندا! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، اے اللہ! اے ایک، اے اکیلے، اے مالک، اے وہ کہ جس کی اولاد نہیں، نہ وہ کسی کی اولاد ہے، نہ اس کا کوئی مدمقابل ہے۔ اے جلالت و بزرگی کے مالک، اے حاجتوں کے پورا کرنے والے، اے تکلیفوں کے دور کرنے والے، اے خواہشوں کے عطا کرنے والے، اے اہم مصیبتوں میں مدد کرنے والے، میری مدد کر اس مہم میں جو مجھے درپیش ہے، میرے قرضوں کو ادا کرا دے اور میرے دل میں پاکیزگی پیدا کر دے اور میرے اعمال میں اضافہ کر دے اور میرے لئے آتش جہنم سے آزادی کی دستاویز لکھ دے اور عذاب سے امان کی سند اور صراط پر سے گزرنے کا پروانہ اور جنت میں حصہ پانے کا فرمان لکھ کر دے دے۔ اور مجھ کو حق و صداقت کے احاطہ میں داخل کر۔ اور محمدؐ و آل محمدؐ کی رفاقت نصیب کر جنت کے باغوں میں اور ہمیشہ رہنے والی مسرت میں۔ اے جلالت و بزرگی کے مالک۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ اسۡتَجِبۡ لِیۡ دُعَآئِیۡ، وَ ارۡحَمۡ تَضَرُّعِیۡ وَ شَکۡوَایَ، وَ لَا تَقۡطَعۡ مِنۡکَ رَجَآئِیۡ۔

خداوندا! درود بھیج محمدؐ و آل محمدؐ پر اور میری دُعا کو قبول کر اور میری تضرع و زاری پر رحم اور اپنی بارگاہ سے میری امید کو قطع نہ کر۔

یَا غِیَاثَ الۡمُسۡتَغِیۡثِیۡنَ اَغِثۡنِیۡ، وَ یَا جَارَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَجِرۡنِیۡ، وَ یَا عَوۡنَ الصّٰلِحِیۡنَ اَعِنِّیۡ، یَا حَبِیۡبَ التَّآئِبِیۡنَ تُبۡ عَلَیَّ، یَا رَازِقَ الۡمُقِلِّیۡنَ ارۡزُقۡنِیۡ، یَا مُفَرِّجًا عَنِ الۡمَکۡرُوۡبِیۡنَ فَرِّجۡ عَنِّیۡ۔

اے فریادرس بے کساں! میری فریاد کو پہنچ۔ اے ایمان لانے والے کے پناہ دہندہ! مجھے پناہ دے۔ اے نیکوکار اشخاص کے مددگار! میری امداد کر۔ اے توبہ کرنے والوں کے دوست! میری توبہ قبول کر۔ اے تہی دستوں کو رزق دینے والے!

مجھے رزق عطا کر۔اے دردمندوں کی تکلیف کو دور کرنے والے! میری تکلیف کو دور کر۔

يَا ذَا الْقُوَّةِ الْمَتِيْنَ! صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ وَ طَاعَتِكَ، حَتّٰى اَلْقَاكَ وَ اَنْتَ عَنِّي رَاضٍ غَيْرُ غَضْبَانَ، اِنَّكَ ذُو مَنٍّ وَّ غُفْرَانٍ، ﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ○﴾، بِرَحْمَتِكَ يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.

اے مضبوط طاقت وقوت کے مالک! محمدؐ وآل محمدؐ پر رحمت نازل کر اور میرے دل کو اپنے دین اور اپنی اطاعت پر مضبوطی سے قائم رکھ۔ یہاں تک کہ میں تیرے سامنے آؤں تو تُو مجھ سے راضی ہو، غضبناک نہ ہو۔ تو ہی احسان اور بخشش کا مالک ہے۔ پروردگار! ہم کو دنیا میں نعمت عطا کر اور آخرت میں بھی اور ہم کو اپنی رحمت کے ساتھ آتش جہنم سے بچا دے۔ اے سب رحیموں سے زیادہ رحیم۔[1]

جو شخص اس دُعا میں غور کرے اس کو حسبِ ذیل باتیں نظر آئیں گی:

- ۱۔شروع میں سفیدہ ٔسحری کی نمود اور رات کے آرام وسکون اور آفتاب و ماہتاب کے حساب کے ساتھ چلنے کا تذکرہ ہے۔ یہ تمام آیاتِ قرآنی کی طرف اشارہ ہے۔
- ۲۔اس کے بعد اوصاف الٰہی کا ذکر ہے۔عزت، بخشش، فضل، نعمت، رحمت، اس کے ساتھ وحدانیت، فردانیت وغیرہ، مخصوص اوصاف کا ذکر ہے۔ یہ کہہ کر اس میں تعمیم پیدا کر دی گئی ہے کہ ''تمام بہترین نام اسی کیلئے ہیں''۔
- ۳۔آخر میں ہدایت اور تقویٰ اور دل کی پاکیزگی کا تذکرہ ہے۔امامؑ نے اس دُعا میں ایک راستہ دکھلایا ہے جو توضیح کا مستحق ہے اور ہم تمام مسلمانوں کو اس کی جانب توجہ دلاتے ہیں۔

اس دُعا سے جو سبق حاصل ہوتا ہے:

تمام مسلمانوں کو بلاتفریق میں مخاطب کرتا ہوں۔ دیکھو! یہ بلند مرتبہ بزرگوار نبوت کے خاندان کے محترم فرد زین العابدین علیہ السلام تم سے کیا کہہ رہے ہیں کہ: تم اپنے دلوں کو پاک کرو اور گناہوں سے ان کی حفاظت کرو۔ یہی نہیں بلکہ اس عالم کی مخلوقات اور اس وسیع دنیائے کائنات کو غور سے دیکھو۔ وہ آفتاب ہے جو حساب کے ساتھ چل رہا ہے اور ماہتاب ہے جو اپنی منزلوں میں سیر کرتا ہے۔اس سے آپ سورۂ انعام کی ان آیتوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ مذکور ہے کہ انہوں نے آسمان اور زمین کی نشانیوں کا مشاہدہ کیا تا کہ یقین کے درجہ پر فائز ہوں۔ پھر اسی سورہ میں یہ ہے کہ:

﴿اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿٩٥﴾ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿٩٦﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ

[1] اقبال الاعمال (طبع قدیم)، ج ا، ص ۲۱۹-۲۲۰۔

لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ﴿۹۷﴾

خدا نے دانہ کو شگافتہ کیا اور گٹھلی سے درخت کو نمایاں کیا۔ وہ ذی حیات کو غیر ذی حیات سے اور غیر ذی حیات کو ذی حیات سے ظاہر کرتا ہے۔ یہ ہے اللہ کی قدرت۔ تم کہاں ادھر ادھر پھر رہے ہو۔ وہ سفیدۂ سحری کو ظاہر کرنے والا ہے اور اس نے رات کو سکون و اطمینان کا وقت قرار دیا ہے اور آفتاب و ماہتاب کو حساب کے ساتھ چلایا ہے۔ یہ اقتدار و حکمت رکھنے والے خدا کی قرارداد ہے۔ اسی نے تمہارے لئے ستاروں کو مقرر کیا ہے کہ تم ان کے ذریعہ سے راستہ حاصل کرو خشکی اور تری میں۔ یہ تمام نشانیاں تفصیل سے پیش کی ہیں ان لوگوں کیلئے جو علم سے کام لیں۔[1]

اس دُعا کے متکلم امام علیہ السلام نے سورۂ انعام کے ابتدائی حصے کا تذکرہ بھی اسی کتاب (صحیفۂ کاملہ) کی بعض دُعاؤں میں کیا ہے جہاں آپؑ نے خدا کے اوصاف میں یہ بتلایا ہے کہ وہ نور اور ظلمت کا خالق ہے اور آفتاب و ماہتاب بھی اسی نے پیدا کئے ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ اجرام سماویہ خدا نہیں ہیں، جیسا کہ جناب ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں صابئیہ کا خیال تھا۔ اور یہ کہ خود نور و ظلمت بھی خدا نہیں، جیسا کہ ایران کے ملک میں مانوی جماعت کا عقیدہ ہے۔

اللہ اکبر! اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیتِ رسول علیہم السلام کس منزل پر تھے اور تمام مسلمان کس منزل پر ہیں۔ ان دُعاؤں میں علم افلاک، حسابِ آفتاب و ماہتاب، جہاز رانی وغیرہ کے طریقہ کی طرف اشارہ ہے جو بغیر کواکب کی حرکتوں کے دریافت کئے ہوئے نہیں حاصل ہوسکتا۔ آج یورپ کی ہر سلطنت میں اس کیلئے خاص درسگاہیں قائم ہیں۔ مگر مسلمانانِ عالم اب تک ان علوم سے بالکل بے خبر رہے ہیں جن کی طرف اہل بیتؑ نے برابر اشارہ کیا ہے۔ چونکہ انہیں معلوم تھا کہ ان کے متبعین اور ان کے متبعین کے مخالف برابر اہل بیتؑ کے بارے میں جنگ و جدل کرتے رہیں گے۔ مگر خود ان حضراتؑ کے دل میں یہ تھا کہ ہم مشترک اسلامی روح کے شائع کرنے کیلئے اور بندوں کو خدا کی معرفت سے قریب کرنے کیلئے پیدا ہوئے ہے۔ اس لئے انہوں نے اس طرح کے اشارات اپنی کلام میں ودیعت کر دیئے ہیں جن سے تمام صاحبانِ عقل فائدہ اٹھائیں اور حکماء و مصلحین ان کے ذریعہ سے ترقی کریں۔

وہ باتیں ایسی ہیں جو تمام خلق سے متعلق ہیں اور ان میں کسی فرقہ سے خصوصیت نہیں ہے۔ انہوں نے پہلی قسم میں گناہوں کا ذکر کیا ہے اور قرآن میں جو عذاب مذکور ہوئے ہیں جیسے زقوم، قطران وغیرہ، ان کا ذکر کیا ہے۔ اور دوسری قسم میں ان عجائباتِ قدرت کی طرف اشارہ کیا ہے جن کا سورۂ انعام میں بھی تذکرہ ہے اور جن کی حقیقت بغیر علم فلکیات کے معلوم نہیں ہوسکتی اور علم فلکیات کیلئے حساب اور ہندسہ اور جبر و مقابلہ کی ضرورت ہے۔ اسی طرح ان آیات میں جن کی طرف اس دُعا میں اشارہ ہے، نباتات کا ذکر کیا ہے جس کیلئے علم النباتات اور علم زراعت کی ضرورت ہے۔ اور جنین کا بطن مادر میں تذکرہ ہے، جس کیلئے علم تشریح اور علم الحیات (بیالوجی) ناگزیر ہے۔

گویا امام علیہ السلام کے پیش نظر تھا یہ عالم کہ دنیا میں دوسری قومیں ترقی کر رہی ہیں۔ مگر سنی شیعہ آپس کے جھگڑوں ہی میں مصروف ہیں

---

[1] سورۂ انعام، آیت ۹۵۔۹۷۔

اورکس بارے میں؟ خود اہل بیتؑ کے بارے میں، حالانکہ اہل بیت علیہم السلام ان جھگڑوں سے الگ ہیں۔

کیا آسمان اور اس کے ستارے، کیا زمین اور اس کی زراعتیں خدا کے مخلوقات میں داخل نہیں ہیں؟ کیا ان چیزوں میں غور و خوض کرنا خدا کی معرفت سے قریب نہیں کرے گا؟

مگر افسوس! مسلمان غفلت میں ہیں۔ انہوں نے اسلامی مما لک میں ان علوم کو چھوڑ رکھا ہے اور صرف آپس کے جھگڑوں بکھیڑوں سے مطلب رکھا ہے۔ وہ بھی ایسے معاملات میں جن کا وقت گزر چکا ہے اور وہ نسلیں گزر چکی ہیں۔ یہ زمانہ وہ ہے جب مسلمانوں کے عقول میں ترقی ہوگئی ہے اور علم کی محبت ان کے دل میں پیدا ہو چکی ہے۔

--☆☆--

(۲)

موازنہ حضرت نوحؑ کی آوازیں اور امام زین العابدین علیہ السلام کی دُعائیں

یہ شیخ طنطاوی جوہری کا دوسرا مضمون ہے:

اے برادرانِ اسلام! میرا اسلام قبول کرو۔ میں نے اپنے گزشتہ مقالہ میں امام زین العابدین علیہ السلام کی بعض دُعاؤں کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ میں نے بتلایا ہے کہ کس طرح آپؑ نے علم اور عمل دونوں پہلوؤں پر زور دیا ہے اور عالم کائنات کی طرف توجہ دلائی ہے۔

اب ایک دُعا اور پیش کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے جو آپؑ تاریک راتوں میں پڑھتے تھے:

یَا رَبِّ اغْفِرْ لِیْ، یَا رَبِّ ارْحَمْنِیْ، یَا رَبِّ طَهِّرْ قَلْبِیْ، یَا رَبِّ جَنِّبْنِی الرِّیَآءِ، یَا رَبِّ اَنْتَ جَعَلْتَ اللَّیْلَ رَاحَةً لَّنَا، وَ جَعَلْتَ النَّهَارَ مَعَاشًا، اَنْتَ الَّذِیْ جَعَلْتَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ بِحِسَابٍ، اَنْتَ مُنَظِّمُ الْعَوَالِمِ، اَنْتَ یَا رِبِّ اَحْسَنْتَ صُنْعَكَ فِیْ شَمْسِكَ وَ فِیْ قَمَرِكَ وَ فِیْ نُجُوْمِكَ، اَنْتَ سَخَّرْتَهَا لِمَنْفِعَةِ خَلْقِكَ، فَانْظُرْ لِیْ نَظَرَةً رَّاضِیَةً، بِهَا یَصِیْرُ قَلْبِیْ خَالِیًا مِّنَ الرِّیَآءِ، وَ مِنَ الْعُجُبِ، وَ مِنَ الْحِقْدِ، وَ مِنَ الْحَسَدِ، اِنِّیْٓ اَخَافُ عِقَابَكَ.

اے پروردگار! مجھے بخش دے۔ اے پروردگار! مجھ پر رحم کر۔ اے میرے مالک! میرے دل میں پاکیزگی پیدا کر۔ اے میرے مالک! مجھے ریاکاری سے علیحدہ رکھ۔ پروردگارا! تو نے رات کو ہماری راحت کا ذریعہ بنایا ہے اور دن کو ہمارے کسب معاش کا موقع قرار دیا ہے۔ تو نے آفتاب و ماہتاب کو حساب کے ساتھ جاری کیا ہے۔ تو عالموں کا انتظام کرنے والا ہے۔ تو نے آفتاب، ماہتاب اور ستاروں میں اپنے حسن صنعت کا مظاہرہ کیا ہے۔ تو نے ان تمام سیاروں کو اپنے مخلوق کے فائدہ کیلئے اپنے حکم کا پابند بنایا ہے۔ مجھ پر ایک نظر اپنی ڈال دے۔ ایسی نظر جو میرے دل کو ریاکاری، خود بینی، کینہ وری اور حسد کے جذبات سے خالی کر دے۔ اور جس سے مجھے تیرے عذاب کا اندیشہ پیدا ہو جائے۔

اس دُعا میں امامؑ نے ایک طرف تو تہذیبِ اخلاق کی طرف توجہ دلائی ہے۔ جس سے نفس میں پاکیزگی پیدا ہو۔ دوسری طرف اس پاکیزگیٔ نفس کی تکمیل پر زور دیا ہے۔ علم اور حکمت اور کائناتِ قدرت میں غور و خوض کے ساتھ حضرتؑ نے اپنی دُعاؤں میں علم النفس اور علم الآفاق دونوں کو جمع کیا ہے۔ جس طرح قرآن مجید میں وارد ہوا ہے کہ:

﴿سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ط﴾

ہم انسانوں کو اپنی نشانیاں دکھلاتے ہیں آفاق آسمان و زمین اور خود ان کے نفوس میں تا کہ ان کو حق کی معرفت ہو۔[1]

''نفس'' کے لفظ میں بہت سے علوم کی طرف اشارہ ہے جن میں سے ایک علم الاخلاق ہے۔ اور ''آفاق'' کے لفظ میں ''علم الارض'' نباتات، جبال، بحار اور فلکیات وغیرہ سب داخل ہیں۔

نوح کی آواز اپنی قوم کیلئے:

ہم دیکھتے ہیں نوح علیہ السلام کی آواز کو جو قرآن میں درج ہوئی ہے۔ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا:

﴿يٰقَوْمِ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَاۗءَ لَا يُؤَخَّرُ﴾

اے میری قوم کے لوگو! میں تمہیں خوف دلاتا ہوں، خدا کی عبادت کرو اور تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو، خدا تمہارے گناہوں کو معاف کرے اور تمہیں معینہ مدت تک زندہ رکھے۔ وہ خدا کی مقرر کردہ مدت جب پوری ہو جاتی ہے تو اس میں دیر نہیں ہوتی۔[2]

پھر نوح علیہ السلام نے خدا سے اپنی قوم کی شکایت کی، کہا:

﴿رَبِّ اِنِّىْ دَعَوْتُ قَوْمِىْ لَيْلًا وَّنَهَارًا ۝ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَاۗءِيْٓ اِلَّا فِرَارًا ۝ وَاِنِّىْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۝ ثُمَّ اِنِّىْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۝ ثُمَّ اِنِّىْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۝ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۝ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ۝ اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۝ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ۝ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۝ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ۝ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ۝ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ۝ قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗٓ اِلَّا خَسَارًا ۝ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ۝﴾

میں نے اس قوم کو شب و روز دعوت دی مگر میری دعوت پر وہ بھاگتے ہی رہے۔ میں نے جب ان کو دعوت دی تا کہ وہ اپنی مغفرت کا سامان کریں تو انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں دے لیں اور چادریں سروں پر ڈال لیں اور اپنے جرائم پر اصرار کیا اور پورے تکبر سے کام لیا۔ پھر میں نے ان کو کھلم کھلا آواز دی اور بلند آواز سے اعلان کیا اور آہستہ سے بھی

---

[1] سورۂ فصلت، آیت ۵۳۔

[2] سورۂ نوحؑ، آیت ۲-۴۔

سمجھایا۔میں نے کہا کہ خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو وہ بڑا بخشنے والا ہے۔وہ ابر کو تم پر پانی برسانے کیلئے بھیجتا ہے اور تم کو اموال اور اولاد کے ساتھ مدد پہنچاتا ہے۔تمہارے لئے باغ قرار دیتا ہے اور نہریں جاری کرتا ہے۔تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم خدا کی عزت نہیں سمجھتے۔حالانکہ اسی نے تم کو مختلف صورتوں پر پیدا کیا ہے۔کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کیونکر خدا نے ساتوں آسمانوں کو طبق در طبق پیدا کیا ہے اور ماہتاب کو ان میں روشنی کیلئے قرار دیا ہے اور آفتاب کو چراغ بنایا ہے۔ اور خدا نے زمین سے تمہیں مثل نباتات کے باہر نکالا ہے۔پھر تم کو اسی زمین میں واپس لے جائے گا اور اس کے بعد پھر باہر نکالے گا اور خدا نے تمہارے لئے زمین کو فرش قرار دیا ہے تاکہ اس میں مختلف راہوں میں تم راستہ چلو۔ نوحؑ نے کہا کہ: پروردگارا! ان لوگوں نے میری نافرمانی کی اور اس شخص کا طرزِ عمل اختیار کیا جس کو اس کے مال و اولاد سے سوائے نقصان کے کچھ حاصل نہ ہوا اور یہ لوگ بڑے مکر و فریب سے کام لیتے رہے۔[1]

اللہ اکبر! یہ حضرت نوح علیہ السلام کی دُعا قابل لحاظ ہے۔کس قدر انفس و آفاق کے علوم اس میں مجتمع ہیں۔ بالکل اسی طرح امام زین العابدینؑ نے اپنی دُعا میں دونوں باتوں کو جمع کر دیا ہے۔ایک طرف وہ خدا سے دُعا کرتے ہیں کہ میرے نفس میں پاکیزگی عطا کرتا کہ اس میں بلندی پیدا ہو سکے، دوسری طرف آسمان و زمین کی خلقت اور خدا کی قدرت کا تذکرہ کرتے ہیں۔

ص ۱۰۸ کتاب صحیفۂ کاملہ (صحیفہ خامسہ) میں ایک دُعا کے ذیل میں آپؑ کہتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لِيْ قَلْبًا يَّخْشَاكَ كَاَنَّهٗ يَرَاكَ حَتّٰى يَلْقَاكَ، يَا رَبَّ السَّمٰوَاتِ الْمَبْنِيَّاتِ وَ مَا فِيْهِنَّ مِنَ النُّوْرِ وَ الظُّلُمٰتِ، وَ يَا رَبَّ الْاَرَضِيْنَ الْمَبْسُوْطَاتِ وَ مَا فِيْهِنَّ مِنَ الْخَلَآئِقِ وَ الْبَرِيَّاتِ، وَ يَا رَبَّ الْجِبَالِ الرَّاسِيَاتِ، وَ يَا رَبَّ الرِّيَاحِ الذَّارِيَاتِ، وَ يَا رَبَّ السَّحَابِ الْمُمْسِكَاتِ الْمُنْشِئَاتِ بَيْنَ الْاَرَضِيْنَ وَ السَّمٰوَاتِ، وَ يَا رَبَّ النُّجُوْمِ الْمُسَخَّرَاتِ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ خَافِيَاتٍ وَّ بَادِيَاتٍ، وَ يَا عَالِمَ الْخَفِيَّاتِ، وَ يَا سَامِعَ الْاَصْوَاتِ.

خداوندا! میرے لئے ایسا دل قرار دے جو تجھ سے ڈرتا رہے۔اس طرح گویا اس نے تجھے دیکھا ہے یہاں تک کہ تجھ سے ملاقات کرے۔اے مالک آسمانوں کے اور تمام ان چیزوں کے جو آسمان کے اندر ہیں۔روشن ہوں خواہ تاریک۔ اے مالک کشادہ زمینوں کے اور تمام اس مخلوق کے جو ان زمینوں کے اندر ہے۔اے مالک مضبوط بنیاد والے پہاڑوں کے۔اے مالک چلنے والی ہواؤں کے۔اے مالک ان بادلوں کے جو زمین اور آسمان کے درمیان پیدا ہوتے ہیں۔ اے مالک ان ستاروں کے جو آسمان میں تیرے تابع فرمان ہیں۔خواہ پوشیدہ ہوں اور خواہ ظاہر۔ اے مخفی باتوں سے باخبر اور اے آوازوں کے سننے والے۔[2]

---

[1] سورۂ نوحؑ، آیت ۵-۲۲۔

[2] صحیفۂ خامسہ، ص ۴۵۴۔

ص ۱۱۳ میں ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَوْفَ الْعٰلِمِیْنَ، وَ خُشُوْعَ الْعَابِدِیْنَ، وَ عِبَادَةَ الْمُخْلِصِیْنَ، وَ اِخْلَاصَ الْخَاشِعِیْنَ، وَ یَقِیْنَ الْمُتَوَكِّلِیْنَ، وَ تَوَكُّلَ الْفَآئِزِیْنَ، وَ فَوْزَ الْمُكْرَمِیْنَ، وَ تَفَكُّرَ الذَّاكِرِیْنَ، وَ ذِكْرَ الْمُخْبِتِیْنَ، وَ اِخْبَاتَ الْمُسْتَقِیْمِیْنَ، وَ اسْتِقَامَةَ الْمُهْتَدِیْنَ، وَ هُدَی الْمُسْلِمِیْنَ، وَ اِسْلَامَ الْمُؤْمِنِیْنَ.

خداوندا! میں تجھ سے مانگتا ہوں صاحبانِ علم کا خوف اور عبادت کرنے والوں کا خشوع وخضوع اور خلوص رکھنے والوں کی عبادت اور خشوع رکھنے والوں کا اخلاصِ قلب اور توکل رکھنے والوں کا یقین اور بزرگ مرتبہ لوگوں کی کامیابی اور ذکرِ الٰہی کرنے والوں کا غور وخوض ۔[1]

یہ بالکل مطابق ہے اس آیت کے ساتھ کہ (جس میں ارشاد ہے:)

﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ۝۱۹۰ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۝۱۹۱﴾

آسمان وزمین کی خلقت اور شب وروز کی آمد و رفت میں نشانیاں ہیں صاحبانِ عقل کیلئے وہ جو خدا کی یاد کرتے رہتے ہیں اُٹھتے اور بیٹھتے اور کروٹ کی حالت میں اور غور وخوض کرتے ہیں آسمان وزمین کی خلقت میں ۔وہ کہتے ہیں کہ پروردگار تو نے ان کو غلط طور پر نہیں پیدا کیا ہے ۔تیری ہستی پاک ہے ہم کو جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھ ۔[2]

حضرتؑ کا یہ فقرہ کہ: «وَ تَفَكُّرَ الذَّاكِرِیْنَ»: ''ذکرِ الٰہی کرنے والوں کا غور وخوض''، اسی آیت کا پتہ دیتا ہے اور اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ خدا کو یاد کرنے والا اگر اس کی مخلوقات میں غور وخوض نہ کرے تو وہ جاہل رہے گا اور اسے کوئی بصیرت حاصل نہیں ہو سکتی ۔

یہی بتلایا گیا ہے اس آیت میں کہ:

﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا۝۲۴﴾

یہ لوگ قرآن میں غور وخوض کیوں نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں؟ ۔[3]

اور اس آیت میں کہ:

﴿مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ

---

[1] صحیفہ خامسہ، ص ۴۶۰-۴۶۱ ۔

[2] سورۂ آل عمران، آیت ۱۹۰-۱۹۱ ۔

[3] سورۂ محمدؐ، آیت ۲۴ ۔

الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ۝۵﴾

وہ لوگ جنہیں توریت کا حامل بنایا گیا پھر انہوں نے اس کو برداشت نہ کیا، مثل گدھے کے ہیں جس کی پشت پر کتابوں کا بار لدا ہوا ہو۔ کیا بری مثال ہے ان لوگوں کی جو خدا کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور خدا (جبری طور پر) ظالمین کو راہِ راست پر نہیں لاتا ہے۔[1]

طنطاوی کا شکوہ خدا کی بارگاہ میں:

خداوندا! یہ تیری کتاب موجود ہے قرآن اور یہ اہل بیت علیہم السلام میں سے ایک بزرگ ہستی کے ارشادات ہیں۔ یہ دونوں کلام، وہ آسمان سے نازل شدہ کلام اور یہ اہل بیت علیہم السلام کے صدیقین میں سے ایک صدیق کی زبان سے نکلا ہوا کلام، دونوں بالکل متفق ہیں۔

اب میں بلند آواز سے پکارتا ہوں ہندوستان میں اور تمام اسلامی ممالک میں:

اے فرزندانِ اسلام! اے اہل سنت! اے اہل تشیع! کیا اب بھی وقت نہیں آیا ہے کہ تم قرآن اور اہل بیت علیہم السلام کے مواعظ سے سبق حاصل کرو۔ یہ دونوں تم کو بلا رہے ہیں اُن علوم کے حاصل کرنے کی طرف جن سے عجائبِ قدرت منکشف ہوتے ہیں اور خدا کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ پہلے ان علوم کو حاصل کرو۔ انہی کے حاصل کرنے کا تمہیں قرآن اور پیشوایانِ مذہب کے ارشادات میں حکم ملا ہے۔ جب تم ان میں کامل ہو جانا تو پھر دوسرے امور کی طرف متوجہ ہونا۔ تفرقہ انگیز مباحث سے باز آؤ اور ان ہدایات پر عمل کرو۔ ان علوم سے استفادہ کرو اور سورج کے نیچے، زمین کے اوپر اپنے زندہ رہنے کا سامان کرو۔

(طنطاوی جوہری، مصر)

--☆☆--

[1] سورۂ جمعہ، آیت ۵۔

(۳)

امام زین العابدینؑ کی دُعاؤں سے میرے تاثرات

یہ استاد محمد کامل حسین کا مضمون ہے جو''جامعہ مصریہ'' میں پروفیسر ہیں اور کتاب''الادب فی مصر الاسلامیہ'' اور''مروان بن ابی حفصہ'' کے مصنف ہیں۔ یہ مضمون آپ کا گزشتہ سال''الرضوان'' کے جمادی الثانیہ و رجب کے پرچہ میں شائع ہوا ہے۔

کیا تمہارا خیال ہے کہ فرزدق نے امام زین العابدین علیہ السلام کی تعریف کا حق ادا کر دیا اپنے ان شعروں میں جن کا مضمون یہ ہے کہ:

هٰذَا الَّذِیْ تَعْرِفُ الْبَطْحَآءُ وَطْأَتَهٗ وَ الْبَیْتُ یَعْرِفُهٗ وَ الْحِلُّ وَ الْحَرَمُ

هٰذَا ابْنُ خَیْرِ عِبَادِ اللّٰهِ کُلِّهِمُ هٰذَا التَّقِیُّ النَّقِیُّ الطَّاهِرُ الْعَلَمُ

''یہ وہ ہیں جن کے پیروں کی چاپ کو سرزمین مکہ پہچانے ہوئے ہے اور خانہ کعبہ اور اس کے حل و حرم سب ان سے واقف ہیں۔ یہ اس ہستی کے فرزند ہیں جو خلق خدا میں سب سے بہتر تھی۔ یہ متقی، پاکیزہ، پاک اور مشہورِ روزگار ہیں''۔[۱]

ہرگز نہیں، بخدا! فرزدق اپنے ان شعروں میں ایک شمّہ بھی نظم نہیں کر سکا ہے۔ بلکہ مجھے تو ملتے ہی نہیں وہ الفاظ جو میرے دلی خیالات کا اظہار کر سکیں اور بتلا سکیں میرے تاثرات کو اس امامؑ کی عظمت کے بارے میں جس نے ایک طرف عرب قوم کے محاسن اخلاق اور ان کے مذہبی کمالات کو حاصل کیا اور دوسری طرف ملکِ عجم کی سلطنت اور اس کی عزت کے جوہر کا حامل ہوا۔

اس صورت میں کوئی بے جا نہیں کہ ان کو''ابن الخیرتین'' (دو منتخب قوموں کا فرزند) کہا جائے۔ کیونکہ آپؑ کے جدِ بزرگوار حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:''خدا نے اپنے بندوں میں سے دو ہی قوموں کو منتخب کیا ہے: عرب میں سے قبیلۂ قریش اور غیر عرب میں سے فارس''۔ اور بہت سے ایرانیوں نے اس حدیث کو اپنے لئے محل نازش میں پیش کیا ہے۔ مہیار دیلمی شاعر، سیّد رضی (جامع نہج البلاغہ) کا شاگرد تھا۔ وہ اسی حدیث کو لیتا ہے اور پھر اپنی تعریف خود کرتے ہوئے کہتا ہے:

قَدْ قَبَسْتُ الْمَجْدَ مِنْ خَیْرِ اَبٍ وَ قَبَسْتُ الدِّیْنَ مِنْ خَیْرِ نَبِیٍّ

وَ ضَمَمْتُ الْفَخْرَ مِنْ اَطْرَافِهٖ سَؤْدَدَ الْفُرْسِ وَ دِیْنَ الْعَرَبِ

''میں نے عزت و بزرگی بہترین باپ دادا سے حاصل کی اور دین کی عزت بہترین نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل کی۔ پس مجھے ہر حیثیت سے فخر کا موقع حاصل ہو گیا۔ عزتِ خاندانی فارس کی اور دینی عزت عرب کی''۔[۲]

یہ انتہائی فخر کی حد ہے جو ایک شاعر پیش کر رہا ہے۔ کون؟''مہیار دیلمی''، جس کی دنیاوی عزت صرف اتنی ہے کہ وہ ملکِ فارس کا ایک مجوسی شخص تھا اور کسی شاہی خاندان سے بھی نہ تھا۔ پھر اپنے استاد سید رضی کے ہاتھ پر اسلام لایا تو دوسرے اسلام لانے والے غلاموں کا سا اسے بھی درجہ حاصل ہو گیا۔ نہ اس کو خاندانی کوئی امتیاز ہے نہ اسلام میں کوئی خاص درجہ۔ لیکن باوجود اس کے اپنی دو خصوصیتوں کے

---

[۱] الاختصاص، ص ۱۹۱۔

[۲] دیوان مہیار الدیلمی، ج ۱، ص ۱۱۵۔

اجتماع پر فخر کرتا ہے کہ میں خاندانی حیثیت سے فارسی النسل ہوں اور دینی حیثیت سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کے دین کا پیرو۔

پھر اب میں کیا کہوں اس ہستی کے بارے میں جس کا دادا خود مسلمانوں کا رسولؐ ہو اور نانا خود ملکِ فارس کا بادشاہِ کسریٰ ہو۔ وہ کون زبان ہوسکتی ہے جو اس بزرگوار کی عزت و بزرگی کی حد بیان کرسکے۔ یہ ہستی امام زین العابدین علی بن الحسین علیہما السلام کی ہے جن کے بارے میں فرزدق نے کہا ہے:

اِذَا رَاٰتْهُ قُرَيْشٌ قَالَ قَآئِلُهَا　　اِلٰى مَكَارِمِ هٰذَا يَنْتَهِىْ الْكَرَمُ

''جب قبیلۂ قریش کے لوگ ان کو دیکھ لیتے ہیں تو کہنے والے کہہ اٹھتے ہیں کہ بس اس شخص کی عزتوں پر عزت کی انتہا ہو جاتی ہے''۔[1]

بلکہ میرا تو یہ خیال ہے کہ میں کہوں:

''ان کے عظیم اخلاق پر خُلق کی انتہا ہے، ان کی خاندانی شرافت پر شرافت کی انتہا ہے''۔

اور اگر زبان یارا دے اور مجھے الفاظ ملیں جن سے میں مطلب ادا کرسکوں تو پھر بھی میں یہ کہوں گا کہ یہ کم تر تعریف ہے جو امام سجاد علیہ السلام اور اہل بیت رسول علیہم السلام کے بارے میں کی جاسکتی ہے۔

ممکن ہے لوگوں کو تعجب ہو یہ دیکھ کر کہ ایک سنی مضمون نگار آئمہؑ شیعہ میں سے ایک امامؑ کے بارے میں اس طرح کے خیالات ظاہر کر رہا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ میں اگرچہ ایک ایسے شہر میں پیدا ہوا ہوں جسے سنی مذہب سمجھا جاتا ہے اور ایک ایسی جماعت میں جو امام شافعی وغیرہ کے مذہب کی پیرو ہے، لیکن میں نے اپنے سنی شہر کو اور اس کے تمام لوگوں میں ہر طبقہ اور جماعت کو یہ دیکھا ہے کہ وہ اہل بیت رسول علیہم السلام کی عزت کرتے ہیں، آئمہؑ شیعہ کی عظمت کے اسی طرح قائل ہیں جس طرح شیعہ ہیں۔ (یہ خدا کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے) اور محمد بن ادریس شافعی خود ہی فرما گئے ہیں:

يَا رَاكِبًا قِفْ بِالْمُحَصَّبِ مِنْ مِّنًى　　وَ اهْتِفْ بِسَاكِنِ خَيْفِهَا وَالنَّاهِضِ

سَحَرًا اِذَا فَاضَ الْحَجِيْجُ اِلٰى مِنًى　　فَيْضًا كَمَا نَظْمِ الْفُرَاتِ الْفَآئِضِ

اِنْ كَانَ رَفْضًا حُبُّ اٰلِ مُحَمَّدٍ　　فَلْيَشْهَدِ الثَّقَلَانِ اَنِّیْ رَافِضِیٌّ

''اے جانے والے ناقہ پر سوار! ذرا سرزمین مکہ پر منیٰ کے قریب ٹھہر اور جو اِدھر اُدھر لوگ ہیں سب سے پکار کر کہہ دے صبح کے وقت، اس وقت جب حاجیانِ کعبہ منیٰ کی سرزمین پر جمع ہوتے ہیں اتنی کثرت سے کہ جیسے بہتا ہوا موج زن دریا، ان سب سے کہہ دے کہ: اگر آلِ رسولؐ کی دوستی کا نام رافضی ہو جانا ہے تو دونوں جہاں گواہ رہیں کہ میں رافضی ہوں''۔[2]

اور حقیقت یہ ہے کہ مجھے کوئی فتنہ اسلام اور مسلمانوں کیلئے اس سے زیادہ خطرناک نہیں معلوم ہوتا کہ شیعہ سنی میں افتراق پیدا ہو جائے۔ ہم سب ایک دین کو مانتے ہیں جس کا نام ہے اسلام۔ ایک خدا کی عبادت کرتے ہیں جس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں۔ حضرت

---

[1] الاختصاص، ص ۱۹۱۔

[2] تفسیر کبیر، ج ۲۷، ص ۵۹۵۔

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کو تسلیم کرتے ہیں اور یہ اقرار کرتے ہیں کہ وہ سرورِ انبیاءؑ اور خاتم المرسلینؑ ہیں اور آپؑ کے اہلبیت طاہرین علیہم السلام کو واجب الاحترام سمجھتے ہیں جن کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی ہے: ﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾[1]۔

جب تک ہم سب اس نقطہ پر قائم ہیں تو یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ ہم سب کو ہم دست ہونا چاہئے اور اس راستہ میں جہاد کرنا چاہئے۔ اپنے دین کی حفاظت میں اور اس کو ترقی دینے میں اور اس مشترک نقطہ کی طرف سب کو دعوت دینا چاہئے اور اس راستہ میں جہاد کرنا چاہئے۔ نہ یہ کہ اب ایسی اختلافی باتوں میں پڑیں جو تفرقہ انگیزی کا باعث ہیں، صرف ذاتی اغراض اور شخصی مفاد کی خاطر۔

اگر ہم حضرت علی علیہ السلام کے پیرو ہوتے کہ آپؑ نے دنیا کو طلاق دے دیا اور اس کی آرائشوں پر کوئی توجہ نہ کی اور اگر آپؑ کی طرح یہ کہتے ہوتے کہ: «يَا دُنْيَا! غُرِّيْ غَيْرِيْ»[2]: ''اے دنیا! جا کسی اور کو فریب دینا''، تو آج اسلام کی شان ہی دوسری ہوتی اور مسلمانوں کو آج وہ عزت حاصل ہوتی جس کے مثل کوئی عزت ہو نہیں سکتی۔

لیکن دنیاوی خواہش اور ہوا و ہوس نے مسلمانوں کو اسلام کے بلند مقصد سے ہٹا دیا اور انہیں توحید و ایمان کی حقیقت سے دور کر دیا جس کی وجہ سے ان میں فرقہ بندیاں ہوگئیں اور مختلف جماعتیں قائم ہوگئیں جو آپس میں تصادم کرتی رہتی ہیں جس سے مسلمانوں کی عزت ذلت کے ساتھ بدل گئی اور قوت حاصل ہونے کے بعد ان میں کمزوری پیدا ہوگئی۔

یہ سب میں نے لکھ ڈالا اس حالت میں کہ میرے سامنے ایک کتاب ہے جو حجم کے لحاظ سے تو چھوٹی ہے مگر قدر و قیمت میں بہت بڑی ہے۔ یہ سیدنا امام زین العابدین علیہ السلام کی بعض دُعاؤں کا مجموعہ ہے۔ اور مجھے آرزو تھی کہ میں ان دُعاؤں کی نسبت لکھتا اور بتلاتا کہ ان میں کتنی روشن دلیلیں موجود ہیں اس بات کی کہ زین العابدین علیہ السلام مثل دوسرے اہل بیت طاہرین علیہم السلام کے بالکل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمی روح کے حامل اور عبادت و پرہیزگاری میں آپؐ کے تابع تھے۔ لیکن مجھے وہ الفاظ کہاں مل سکتے ہیں جو میرے تاثرات کو ظاہر کریں، اس وقت جب میں ان معجز نما کلمات کو پڑھتا ہوں جن کی تشریح میں زبان عاجز ہو کر ٹھہرتی اور عقل حیران ہو جاتی ہے اور قلم لرزہ براندام ہو کر رک جاتا ہے۔ لہٰذا اس موقع پر میں صرف اپنے عجز اور کوتاہ بیانی کا اعتراف ہی کر لینا اچھا سمجھتا ہوں بہ نسبت اس کے کہ میں قلم اٹھاؤں اور پھر موضوع کے حق کو ادا نہ کر سکوں۔ کیونکہ میرا تاثر اور قلبی احساس حضرت سجاد علیہ السلام کی دُعاؤں کے پڑھنے کے موقع پر میری طاقتِ اظہار سے بالاتر ہے، ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾[3]۔

لیکن مجھے ایک اور امر کی طرف توجہ پیدا ہوئی وہ یہ کہ میں دیکھتا ہوں کہ ہمارے انشاء پرداز اور ادباء اور ادبی مؤرخین، قدیم شعراء اور نثر نگاروں کے آثار کے مطالعہ اور درس و تدریس کی طرف متوجہ ہیں اور انہوں نے نثر میں اس ہنرمندانہ طرزِ تحریر کو اختیار کیا ہے جسے انشا پردازوں نے مقرر کیا ہے اور اسے اس طرح آراستہ کیا ہے کہ وہ بالکل قدرتی اور فطرتی حسن ادا سے علیحدہ ہوگیا ہے اور انہوں نے اس

[1] سورۂ احزاب، آیت ۳۳۔
[2] وسائل الشیعہ، ج ۱۵، ص ۱۱۰۔
[3] سورۂ بقرہ، آیت ۲۸۶۔

میں رنگ برنگ علم بدیع و بیان کی زینتیں اور سجاوٹیں بھی بھر دی ہیں جو کسی طرح تکلّف اور تصنّع سے خالی نہیں ہیں اور طبعی حسن کے کسی طرح مطابق نہیں ہیں، لیکن ان لوگوں نے ان دُعاؤں کے ایسے ادبی آثار کو چھوڑ رکھا ہے جو عربی ادب کے معجزات میں شمار کرنے کے قابل ہیں۔اس لئے کہ وہ دُعائیں ایک پاکیزہ اور صاف نفس سے برآمد ہوئی ہیں اور وہ امامؑ کا نفس ہے اور مخاطب بھی ایک پاک اور صاف نفس ہے اور وہ خدائے بزرگ کی ذات ہے۔اس لئے وہ حقیقتاً ایک قلبی احساس ہے جو خدا کی طرف سے اس کے بندہ کو عطا ہوا ہے اور جس کے ساتھ بندہ اپنے خدا کی جانب متوجہ ہوا۔اس لئے ان مذہبی دُعاؤں میں ایک بلند مثال ہے، جذبۂ دینی کے وحی اور تقویٰ کے الہام اور زہد و تقویٰ کی آواز کی۔ان میں ایک شیریں موسیقیت بھی ہے جو روح کو جذب کرتی ہے۔کانوں کو اس سے لذت حاصل ہوتی ہے اور دل اس کے جذاب معانی اور وقیع الفاظ کے سننے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو رعب و جلال سے سرنگوں ہو جاتے ہیں۔

دیکھو! امام علیہ السلام اپنے پروردگار کی تعریف کر رہے ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ تَجَلّٰی لِلْقُلُوْبِ بِالْعَظَمَةِ، وَ احْتَجَبَ عَنِ الْاَبْصَارِ بِالْعِزَّةِ، وَ اقْتَدَرَ عَلَی الْاَشْیَآءِ بِالْقُدْرَةِ، فَلَا الْاَبْصَارُ تَثْبُتُ لِرُؤْیَتِهٖ، وَ لَا الْاَوْهَامُ تَبْلُغُ كُنْهَ عَظَمَتِهٖ. تَجَبَّرَ بِالْعَظَمَةِ وَ الْكِبْرِیَآءِ، وَ تَعَطَّفَ بِالْعِزِّ وَ الْبِرِّ وَ الْجَلَالِ، وَ تَقَدَّسَ بِالْحُسْنِ وَ الْجَمَالِ، وَ تَمَجَّدَ بِالْفَخْرِ وَ الْبَهَآءِ.

ستائش ہے اس خدا کیلئے جو اپنی عظمت کے ساتھ دلوں پر جلوہ افگن ہے اور اپنی عزت کے ساتھ آنکھوں سے پوشیدہ ہے اور تمام چیزوں پر اپنی قدرت کے ساتھ قابو رکھتا ہے۔پس نہ آنکھیں اس کے مشاہدہ کی تاب رکھتی ہیں اور نہ تو ہمات اس کی عظمت کی حقیقی حد تک پہنچ سکتے ہیں۔وہ عظمت اور بزرگی کے ساتھ جبروت کا مالک ہے اور عزت اور احسان اور جلالت کے ساتھ خلق پر مہربان ہے۔ حسن و جمال کے ساتھ نقائص سے مبرا و منزّہ ہے اور فخر و بلندی کے ساتھ بزرگی کی صفت کا مالک ہے۔[1]

تم نے عربی کلام میں کبھی جادو انہ کیف اس کلام سے زیادہ بھی دیکھا ہے۔اور کوئی کلام جو اپنے خوش نما الفاظ اور بڑے معانی کے ساتھ دل میں بیٹھ جائے اور نفس انسانی کو ان بلند مرتبوں تک پہنچائے جن میں صرف پاک و پاکیزہ اور ہوسِ دنیا سے خالی اور صاف دل ہی پہنچ سکتے ہیں، اس کلام سے زیادہ سنا ہے؟ یہ ہے دینی ادب جس سے دل چاشنی گیر اور لذّت اندوز ہوتے ہیں اور اس کی بلندی کے سامنے سجدہ میں گر پڑتے ہیں، کان اس کو سنتے ہیں تو اس کے نغموں کے ساتھ مترنّم ہو جاتے ہیں اور عقل ان کے معانی پر غور کرتی ہے تو ایک دوسری فضا میں جو اس فضا کے علاوہ ہے، پرواز کرنے لگتی ہے۔

اس کے باوجود دنیا بدیع الزمان اور حریری اور ابونواس اور متنبی کی گرویدہ ہو رہی ہے۔کہاں دینی ادب اور کہاں ان لوگوں کا ادب۔ لفظ و معنی دونوں حیثیتوں سے ان دونوں میں بڑا فرق ہے اور خود ادبی رنگ کے لحاظ سے بہت بڑا تفرقہ ہے۔ادباء کو چاہیئے کہ وہ اس جلیل المرتبت ادبی سرمایہ کی طرف متوجہ ہوں۔یقیناً ان کو اس میں بہت بڑا خزانہ دستیاب ہوگا جو اب تک زمین کے نیچے دفن ہے۔

--☆☆--

---

[1] الصحیفۃ الخامسۃ السجادیہ، مطبوعہ مطبعۃ الفیحاء دمشق ص ۲۱۔

(۴)

امام زین العابدینؑ اوران کا فلسفہ

(یہ احمد محمد جمعہ ابیوتی کا مضمون ہے جو کلیۂ شریعتِ اسلامیہ مصر کے افاضل میں سے ہیں):

کیا کہنا اس ربانی امامؑ اور روحانی پیشوا اور اخلاقی معلم کا جو افرادِ بشر کے نفوس اور اقوام و ملل کے دلوں کا حکمران ہے اور انسانی نسلوں کی دستگیری و راہنمائی کرنے والا ہے۔ تیرہ صدی اس طرف سے لے کر اس وقت تک کہ جب یہ دنیا فنا ہو۔ وہ ان کا ہاتھ تھامتا ہے اور انہیں حقیقی زندگی کے راستوں پر لے جاتا ہے اور زندگانی کی تنگی اور اس کی کاوشِ بے جا سے ہٹاتا ہوا انہیں اصلی زندگی کے معنی اور عمر کی قیمت اور زمانہ کی واقعی عزت کا سبق سمجھاتا ہے۔ وہ جدوجہد اور انتھک کوشش اور عمل کے اصول کو قائم کرتا اور بے کاری اور کاہلی سے نفرت کا اظہار کرتا ہے۔ دیکھو وہ خدا سے دُعا میں کہہ رہے ہیں:

وَ اجْعَلْ سَلَامَةَ قُلُوْبِنَا فِيْ ذِكْرِ عَظَمَتِكَ، وَ فَرَاغَ اَبْدَانِنَا فِيْ شُكْرِ نِعْمَتِكَ، وَ انْطِلَاقَ اَلْسِنَتِنَا فِيْ وَصْفِ مِنَّتِكَ.

ہمارے دلوں کی سلامتی اپنی عظمت کی یاد میں قرار دے اور ہمارے جسم کی بے کاری کے موقع کو بھی اپنی نعمتوں کے شکریہ میں صرف کر دے اور ہماری زبانوں کی گویائی کو اپنے احسان کی توصیف سے مخصوص بنا دے۔[1]

کتنا بلند ہے آپؑ کا درجہ اے امامؑ! اور کتنا صاف ہے آپؑ کا دل، اور کتنا روشن ہے آپؑ کا ضمیر، اور کتنی پاکیزہ ہے آپؑ کی نیت، اور کتنا بزرگ ہے آپؑ کا نظریہ، اور کتنا مبارک ہے آپؑ کا نقطۂ نگاہ۔ آپؑ نے سنا جی و قائم خدا کی آواز اور خالق قدیم کے خطاب کو جو اس نے اپنے حبیبؐ اور مقدس رسولؐ کے ساتھ کیا تھا۔ لیکن درحقیقت وہ رسولؐ کے لباس میں تمام اقوام اور نسلوں کو مخاطب کر رہا تھا۔ آپؑ نے اس پر لبیک کہی اور اطاعت کی اور نزدیک پہنچ گئے۔ اور خدا کے قانون کے سامنے سرخم کر دیا۔ وہ خدا کی آواز یہ ہے کہ:

﴿قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط﴾

اے رسولؐ! کہہ دو کہ غور کرو کہ آسمان و زمین میں کیا کیا عجائب مضمر ہیں۔[2]

﴿اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا﴾: ''یہ لوگ کیوں نہیں سیر کرتے''؟۔[3]

﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ﴾: ''یہ لوگ کیوں نہیں غور کرتے''؟۔[4]

---

[1] صحیفۂ کاملہ، دعا نمبر ۵۔

[2] سورۂ یونس، آیت ۱۰۱۔

[3] سورۂ محمدؐ، آیت ۱۰۔

[4] سورۂ نساء، آیت ۸۲۔

﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ﴾

آسمان وزمین کی خلقت اور شب وروز کی آمد ورفت میں اہلِ عقل کیلئے نشانیاں مضمر ہیں۔[1]

﴿اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ کَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَاۤ اَکْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ؕ فَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیَظْلِمَهُمْ وَلٰکِنْ کَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ﴾

کیوں نہیں یہ لوگ زمین میں سیر وسیاحت کرتے اور دیکھتے کہ کیا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان کے پہلے تھے۔ وہ ان سے زیادہ طاقت رکھتے تھے اور انہوں نے زمین میں ہنگامہ برپا کر رکھا تھا اور عمارتیں قائم کی تھیں اس سے زیادہ کہ جتنی انہوں نے عمارتیں بنائی ہیں اور پیغمبران کے پاس کھلی ہوئی دلیلوں کے ساتھ آئے۔ خدا ہرگز ان پر ظلم نہیں کرتا لیکن وہ لوگ تو خود اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔[2]

اور رسول ﷺ کا قول کہ:

تَفَکُّرُ سَاعَةٍ خَیْرٌ مِنْ عِبَادَةِ سَبْعِیْنَ سَنَةً.

ایک ساعت فکر وغور کرنا ستر برس کی عبادت سے بہتر ہے۔[3]

تَفَکَّرُوْا فِیْ خَلْقِ اللّٰهِ، وَلَا تَفَکَّرُوْا فِی اللّٰهِ، فَاِنَّکُمْ لَنْ تَقْدِرُوْا قَدْرَهٗ.

خدا کے مخلوقات میں غور کرو اور خود خدا کی ذات میں فکر نہ کرو کیونکہ تم اس کے درجہ کی حد مقرر نہیں کر سکتے۔[4]

یہی تو آپؑ بھی کہہ رہے ہیں کہ: «وَ اجْعَلْ سَلَامَةَ قُلُوْبِنَا فِیْ ذِکْرِ عَظَمَتِكَ»: ''ہمارے دلوں کی سلامتی اپنی عظمت کی یاد میں قرار دے''۔ آپؑ دنیا کو آباد کرنا چاہتے ہیں اور لوگوں کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ اپنی بے کاری کے اوقات کو بھی ایسی باتوں میں صرف کریں جن سے حقیقی کامیابی کی بنیاد قائم ہوتی اور واقعی عزت حاصل ہوتی ہے اور ہمیشہ کیلئے نام باقی رہتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بے کاری ہو ہی نہ اور تعطل پیدا ہی نہ ہو۔ اس وقت میں نہ خرابیاں ہوں گی نہ جرائم، کیونکہ عرب شاعر کا شعر ہے کہ:

اِنَّ الشَّبَابَ وَ الفَرَاغَ وَ الجِدَةَ   مَفْسَدَةٌ لِّلْمَرْءِ اَیُّ مَفْسَدَةٌ

''جوانی اور بے کاری اور دولت مندی یہی انسان کے خراب کرنے کے بڑے اسباب یہ ہیں''۔[5]

---

[1] سورۂ آل عمران، آیت ۱۹۰۔

[2] سورۂ روم، آیت ۹۔

[3] تفسیر روح البیان، ج ۵ ص ۱۱۶۔ ریاض السالکین، ج ۳ ص ۷۰ ۳۔

[4] فصل الخطاب فی الزہد والرقائق والآداب، ج ۵ ص ۱۱۶۔ الوافی، ج ۴ ص ۳۸۳۔

[5] الاغانی، ج ۴ ص ۴۰۔

امام علیہ السلام اعلان کر رہے ہیں کہ جتنی خدا کی نعمتیں ہیں اور اس کی دی ہوئی طاقتیں ہیں اور اعضاء و جوارح ہیں سب کو ان ہی مقاصد میں صرف کیا جائے جن کیلئے وہ خلق ہوئے ہیں تا کہ خدا کی نعمتوں کا شکر ادا ہو۔

یہی مطلب ہے آپ کے اس فقرہ کا کہ: «وَ فَرَاغَ اَبْدَانِنَا فِیْ شُکْرِ نِعْمَتِكَ»: ''ہماری بے کاری کو بھی اپنی نعمت کے شکریہ میں صرف کر دے''۔

اس کے بعد آپؑ چاہتے ہیں کہ آپؑ خداوند عالم کے اس قول میں داخل ہوں کہ:

﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَاۤ اِلَی اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۝۳۳﴾

کون اپنی بات کے لحاظ سے زیادہ بہتر ہوسکتا ہے اس شخص سے جو خدا کی طرف دعوت دے اور اچھے اعمال کرے اور کہتا رہے کہ میں مسلمان ہوں۔[1]

آپؑ کہتے ہیں:

وَ اجْعَلْنَا مِنْ دُعَاتِكَ الدَّاعِیْنَ اِلَیْكَ، وَ هُدَاتِكَ الدَّالِّیْنَ عَلَیْكَ.

خداوندا! ہم کو قرار دے ان لوگوں میں سے جو تیری طرف دعوت دینے والے ہیں اور تیری طرف کا راستہ بتانے والے ہیں۔[2]

یہ پر مغز جملے اور بیش بہا فقرے ہیں جن میں حسن و عظمت اور بلاغت و ایجاز کے تمام اوصاف مجتمع ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ تَجَلّٰی لِلْقُلُوْبِ بِالْعَظَمَةِ، وَ احْتَجَبَ عَنِ الْاَبْصَارِ بِالْعِزَّةِ، وَ اقْتَدَرَ عَلَی الْاَشْیَآءِ بِالْقُدْرَةِ، فَلَا الْاَبْصَارُ تَثْبُتُ لِرُؤْیَتِهٖ، وَ لَا الْاَوْهَامُ تَبْلُغُ کُنْهَ عَظَمَتِهٖ. تَجَبَّرَ بِالْعَظَمَةِ وَ الْکِبْرِیَآءِ، وَ تَعَطَّفَ بِالْعِزِّ وَ الْبِرِّ وَ الْجَلَالِ، وَ تَقَدَّسَ بِالْحُسْنِ وَ الْجَمَالِ، وَ تَمَجَّدَ بِالْفَخْرِ وَ الْبَهَآءِ، وَ تَهَلَّلَ بِالْمَجْدِ وَ الْاٰلَآءِ، وَ اسْتَخْلَصَ بِالنُّوْرِ وَ الضِّیَآءِ.

ستائش اللہ تعالیٰ کیلئے جو دلوں پر اپنی عظمت کے ساتھ جلوہ افگن ہے اور آنکھوں سے اپنی عزت کے ساتھ پنہاں ہے۔ نہ آنکھیں اس کے دیدار کی تاب رکھتی ہیں اور نہ انسانی عقلیں اس کی عظمت کی حد تک پہنچ سکتی ہیں۔ وہ عظمت و کبریائی کے ساتھ شان و جبروت کا مالک اور عزت و احسان و بزرگی کے ساتھ خلق پر مہربان اور حسن و جمال کے ساتھ نقائص سے منزہ و مبرا اور فخر و کمال کے ساتھ شرف اور بزرگی کا سرمایہ دار اور بخشش و نعمت کے ساتھ تمام خلق کا امید گاہ ہے۔[3]

تصوّف کے ساتھ بلاغت، تضرع و مناجات میں ادبیت، عبودیت کے مظاہرہ میں سحر آفرینی، بیان کے جوہر کے ساتھ عقلی مغز اور اس پر بدیع کی آرائشیں۔

---

[1] سورۂ فصلت، آیت ۳۳۔

[2] صحیفۂ کاملہ، دعا نمبر ۵۔

[3] الصحیفۃ الخامسۃ السجادیہ، مطبوعہ مطبعۃ الفیحاء دمشق ص ۲۰۔

شرک کے خلاف جنگ:

آپؑ اپنے دل کی گہرائیوں کے ساتھ اور مطمئن نفس کے بالکل مستحکم عقیدہ کے ساتھ شرک سے اور اس کے مواد سے اس کا دعویٰ کرنے والوں اور اس کی حمایت کرنے والوں سے سخت نفرت کرتے ہیں اور ازلی و ابدی وحدانیت کو خدا کیلئے ثابت کرتے ہیں۔ اپنے ان الفاظ میں:

خَالِقٌ لَّا نَظِيْرَ لَهٗ، وَ وَاحِدٌ لَّا نِدَّ لَهٗ، وَ مَاجِدٌ لَّا ضِدَّ لَهٗ، وَ صَمَدٌ لَّا كُفُوَ لَهٗ، وَ اِلٰهٌ لَّا ثَانِيَ مَعَهٗ، وَ فَاطِرٌ لَّا شَرِيْكَ لَهٗ، وَ رَازِقٌ لَّا مُعِيْنَ لَهٗ.

وہ خالق جس کا کوئی نظیر نہیں، وہ یکتا جس کا کوئی مثل نہیں، وہ بزرگی کا مالک جس کا کوئی مدمقابل نہیں، وہ سردار و حاکم جس کا کوئی ہمسر نہیں، وہ خدا جس کا کوئی دوسرا نہیں، اور وہ پیدا کرنے والا جس کا کوئی شریک نہیں، اور وہ رزق عطا کرنے والا جس کا کوئی مددگار نہیں۔

اَلْاَوَّلُ بِلَا زَوَالٍ، وَ الدَّآئِمُ بِلَا فَنَآءٍ، وَ الْقَآئِمُ بِلَا عِنَآءٍ، وَ الْبَاقِيْ بِلَا نِهَايَةٍ، وُ الْمُبْدِئُ بِلَا اَمَدٍ، وَ الصَّانِعُ بِلَا ظَهِيْرٍ، وَ الرَّبُّ بِلَا شَرِيْكٍ، وَ الْفَاطِرُ بِلَا كُلْفَةٍ، وَ الْفَاعِلُ بِلَا عَجْزٍ، لَيْسَ لَهٗ حَدٌّ فِيْ مَكَانٍ، وَ لَا غَايَةٌ فِيْ زَمَانٍ، لَمْ يَزَلْ وَ لَا يَزُوْلُ وَ لَنْ يَّزَالَ كَذٰلِكَ اَبَدًا.

وہ سب سے پہلے اور لازوال ہے، وہ ہمیشہ رہنے والا غیر فانی ہے، وہ دائم و قائم ہے بغیر کسی زحمت اور مشقت کے، وہ باقی ہے بغیر کسی آخری حد کے، وہ صنعت آفرین ہے بغیر کسی پشت پناہ کے، وہ پروردگار ہے بغیر کسی شریک کے، وہ خلق کرنے والا ہے بغیر کسی تکلیف کے، وہ کام کرنے والا ہے بغیر کسی عاجزی کے، اس کی کوئی حد نہیں مکان میں اور نہ کوئی انتہا ہے زمانہ میں، وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، یونہی ہمیشہ ہمیشہ۔

هُوَ الْاِلٰهُ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ، اَلدَّآئِمُ الْقَدِيْمُ، الْقَادِرُ الْحَكِيْمُ، الْعَلِيْمُ الْقَاهِرُ، الْحَلِيْمُ، الْمَانِعُ لِمَا يَشَآءُ، وَ الْفَعَّالُ لِمَا يُرِيْدُ، ﴿لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ ؕ﴾، ﴿وَ الْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ السَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴿٦٧﴾﴾.

وہ خدا ہے، زندہ، قائم، دائم، قدیم، قادر، علم و حکمت کا مالک، زبردست اور حلیم۔ جس چیز کو چاہے روکنے والا اور جس کام کو چاہے کرنے والا ہے۔ اس کیلئے ہے خلق اور اس کیلئے ہے حکم، تمام زمین اس کے قبضۂ قدرت میں ہے اور آسمان بھی اس کے دستِ تصرّف میں لپٹے ہوئے ہیں۔ پاک ہے وہ خدا اور بلند ہے ان خیالات سے جو مشرکین نے قائم کئے ہیں۔[1]

آپؑ دنیا کو وحدانیت کے معنی بتلا رہے ہیں اور اپنے نفس پر اعتماد اور اپنے ضمیر کی نگرانی کا درس دے رہے ہیں اور انسانی

---

[1] صحیفۂ خامسہ، صفحہ ۲۱، ۲۲۔ مطبوعہ مطبع فیحاء دمشق۔

عقلوں کو ان کی گہری نیند سے بیدار کر رہے ہیں اور انہیں فلاح حقیقی کے ایک بڑے اصول پر متنبہ کر رہے ہیں۔ وہ بڑا رکن جس پر اس زندگی کی عمارت قائم ہے اور اس کیلئے آپؑ بلند ترین مثال اپنے خالق کی پیش کر رہے ہیں۔ کیونکہ وہ خلقت اور ایجادِ کائنات میں تنہا اور مستقل ہے۔

امام زین العابدین علیہ السلام جو پہلی صدی ہجری میں پیدا ہوئے ہیں، حریت اور عزت و استقلال کی آواز بلند کرتے ہیں تا کہ اسے چودھویں صدی اور اس کے بعد کے تمام لوگ سنیں اور مادیت اور طبیعیت کی زنجیروں کو اتار کر پھینک دیں۔

ایک عام مذہب کی ردّ:

بہت سی جماعتیں مسلمانوں میں سے ایک شرمناک خیال اور کمزور مسلک پر متفق ہوگئی ہیں اور وہ یہ ہے کہ انسان اپنے اقوال و افعال میں مجبور ہے اور خیر و شر اور تمام جرائم اس کے ہاتھوں زبردستی خدا کی جانب سے کرائے جاتے ہیں۔ وہ اس کیلئے بہت کمزور دلائل پیش کرتے ہیں۔ ان پر بدبختی اس طرح غالب ہوئی ہے کہ خدا کی ذات کی طرف جبر وقہر کی نسبت کو گوارا کرلیا ہے۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اس تعلیم کے سایہ میں جرائم کا ارتکاب کریں اور اس کی ذمہ داری خدا پر عائد کریں۔ یہ ایسا مذہب ہے جو زمین کو فساد سے لبریز کرنے کا سبب ہے اور جو انتظامِ عالم کو برباد کردینے کا ذریعہ ہے۔

امام زین العابدینؑ نے اپنے ان الفاظ میں اسی ملحدانہ خیال کی بنیادوں کو ملیا میٹ کیا ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں:

كُلُّ الْبَرِيَّةِ مُعْتَرِفَةٌ بِاَنَّكَ غَيْرُ ظَالِمٍ لِمَنْ عَاقَبْتَ، وَ شَاهِدَةٌ بِاَنَّكَ مُتَفَضِّلٌ عَلٰى مَنْ عَافَيْتَ، وَ كُلٌّ مُقِرٌّ عَلٰى نَفْسِهٖ بِالتَّقْصِيْرِ عَمَّا اسْتَوْجَبْتَ، فَلَوْ لَاۤ اَنَّ الشَّيْطٰنَ يَخْتَدِعُهُمْ عَنْ طَاعَتِكَ مَا عَصَاكَ عَاصٍ، وَ لَوْ لَا اَنَّهٗ صَوَّرَ لَهُمُ الْبَاطِلَ فِيْ مِثَالِ الْحَقِّ مَا ضَلَّ عَنْ طَرِيْقِكَ ضَالٌّ...

تمام کائنات اس بات کی معترف ہے کہ تو جس کو سزا دے اس پر ظلم نہیں کرتا، اور گواہ ہے اس بات کی کہ جس کو تو معاف کر دے وہ تیرا احسان ہے، اور ہر شخص اقرار کرے گا اپنے نفس کی کوتاہی کا ان فرائض کے ادا کرنے میں جو تو نے عائد کئے ہیں۔ اگر شیطان انہیں فریب نہ دیتا تیری اطاعت سے تو کوئی تیری نافرمانی نہ کرتا۔ اور اگر باطل کو ان کے سامنے حق کے لباس میں پیش نہ کرتا تو تیرے راستے سے کوئی گمراہ نہ ہوتا۔

فَتَبَارَكْتَ اَنْ تُوْصَفَ اِلَّا بِالْاِحْسَانِ، وَ كَرُمْتَ اَنْ يُخَافَ مِنْكَ اِلَّا الْعَدْلُ، لَا يُخْشٰى جَوْرُكَ عَلٰى مَنْ عَصَاكَ، وَ لَا يُخَافُ اِغْفَالُكَ ثَوَابَ مَنْ اَرْضَاكَ...اِنَّكَ مَنَّانٌ كَرِيْمٌ.

تو مبارک ہے اس بات میں کہ تیری توصیف احسان ہی کے ساتھ ہوسکتی ہے، اور بزرگ ہے تو اس امر سے کہ تجھ سے اندیشہ ہو عدالت کے خلاف طریقہ کا، تجھ سے ظلم و جور کا اندیشہ نہیں ہوسکتا اس شخص پر جو تیری نافرمانی کرے، اور تجھ سے حق تلفی کا خوف نہیں ہوسکتا اس شخص کے بارے میں جو تیری اطاعت کرے۔۔۔ تو بڑا احسان کرنے والا صاحب کرم ہے۔

يَا مَنْ لَّا تَنْقَضِيْ عَجَآئِبُ عَظَمَتِهٖ احْجُبْنَا عَنِ الْاِلْحَادِ فِيْ عَظَمَتِكَ، وَ يَا مَنْ لَّا تَنْتَهِيْ مُدَّةُ مُلْكِهٖ اَعْتِقْ رِقَابَنَا مِنْ نِّقْمَتِكَ، وَ يَا مَنْ لَّا تَفْنٰى خَزَآئِنُ رَحْمَتِهٖ اجْعَلْ لَّنَا نَصِيْبًا مِّنْ رَّحْمَتِكَ، وَ يَا مَنْ تَنْقَطِعُ دُوْنَ رُؤْيَتِهِ الْاَبْصَارُ اَدْنِنَا مِنْ قُرْبِكَ، وَ يَا مَنْ تَصْغُرُ عِنْدَ خَطَرِهِ الْاَخْطَارُ كَرِّمْنَا عَلَيْكَ، وَ يَا مَنْ تَظْهَرُ عِنْدَهٗ بَوَاطِنُ الْاَخْبَارُ لَا تَفْضَحْنَا لَدَيْكَ.

اے وہ جس کی عظمت کے عجائب ختم ہونے والے نہیں! ہم کو ملحدانہ خیالات سے اپنی عظمت کے پردوں میں چھپا کر بچا لے۔ اے وہ جس کی سلطنت کی مدت ختم ہونے والی نہیں! اپنے غضب اور ناراضی سے ہمیں آزاد رکھ۔ اے وہ جس کی رحمت کے خزانے ختم ہونے والے نہیں! اپنی رحمت میں ہمارا بھی حصہ قرار دے۔ اے وہ جس کے نظارہ کی آنکھوں کو تاب نہیں! اپنی بارگاہ سے ہم کو قریب کر لے۔ اے وہ جس کی عظمت کے سامنے تمام عظمتیں پست ہیں! ہمیں عزت عطا کر۔ اے وہ جس کے سامنے باطنی راز کی خبریں بھی ظاہر ہیں اپنے سامنے ہم کو رسوا نہ کرنا۔[1]

--☆☆--

[1] صحیفۂ خامسہ، ص ۲۴-۲۶۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ دُعا

از: حضرت سید العلماء مدظلہ

حقیقت یہ ہے کہ بارگاہِ الٰہی میں بندہ کا کسی سوال کو پیش کرنا ایک جرأت و جسارت کی حیثیت رکھتا ہے دو وجھوں سے:
ایک تو عرضِ حال اس سے کیا جاتا ہے جو حالات سے ناواقف ہو، اور خداوند عالم بندہ کے تمام حالات اور مقاصد سے واقف ہے۔
دوسرے کسی بات کی خواہش اس سے کی جاتی ہے جو طرزِ عمل کے اختیار کرنے میں مشورہ اور رہنمائی کا محتاج ہو۔ لیکن جو خود ہی ہر امرِ خیر اور مصلحت کے انجام دینے کا ضامن ہو اور ہم پر مہربان بھی انتہا سے زیادہ ہو اس کو کچھ کہنا کہ تو ہمارے لئے یہ کام انجام دے دے، ایک ناروا جسارت ہے۔ مگر اس کو کیا کیا جائے کہ خود جناب باری عزّ اسمہٗ نے دُعا کرنے کا حکم دیا اور اسے ایک عبادت قرار دیا اور ارشاد کیا کہ:

﴿ادْعُونِيٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ﴾

تم دُعا کرو تو میں قبول کروں گا۔[1]

اتنا ہی نہیں بلکہ اس کو افضل عبادات بنایا۔ کہا گیا ہے:

اَلدُّعَآءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ.

دُعا مغزِ عبادت ہے۔[2]

آخر اس کا راز کیا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ تمام نظامِ تشریع کا ماحصل خالق و مخلوق کے علاقہ کو پہچنوانا ہے۔ یعنی اس کی بے نیازی اور اپنی نیازمندی۔ اسی کا مقتضیٰ ہے کہ بندہ ہر موقع پر اس سے طلبگارِ امداد و اعانت رہے۔ تمام عبادات کا ماحصل یہی ہے کہ بندہ کو احساسِ عبودیت پیدا ہو اور وہ خالق بے نیاز کی بارگاہ میں اپنی نیازمندی کا اقرار کرے اور دُعا اسی جذبۂ نیازمندی کا بہترین مظاہرہ ہے۔ بلکہ دُعا کے ذریعہ سے اسلام نے مادی اغراض و مقاصد میں روحانیت کی جلا کا سامان کیا ہے۔ ظاہر میں کھانا پینا، لباس اور نکاح وغیرہ اس قسم کی مادی خواہشیں خدا کی یاد کو دل سے دور کرنے والی ہیں، مگر دُعا کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان ان خالص مادی خواہشوں کیلئے بھی خالق کو یاد کرتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ پہلے تو از روئے مطلب برآری اس کو یاد کرے اور پھر یہ یاد ایک مستقل حیثیت اختیار کر لے اور واقعی اس میں عبادت و اطاعت کا جذبہ پیدا کر دے۔ اسی لئے دُعا پر کوئی قید نہیں عائد کی گئی۔ یہاں تک کہ نماز کی

---

[1] سورۂ مومن (غافر)، آیت ۶۰۔
[2] ارشاد القلوب، ج ۱، ص ۱۴۸۔

حالت میں بھی ایک مطلب کیلئے اگرچہ وہ خالص دنیوی ہو شرط یہ ہے کہ امرِ نامشروع نہ ہو، دُعا کی جا سکتی ہے اور وہ نماز میں مخل نہیں ہوگی، بلکہ اس کا ایک جزو قرار پا جائے گی۔

رہ گیا یہ کہ دُعا کا فائدہ کیا جبکہ قضا و قدر نے ہر امر کو پہلے ہی سے طے کر دیا ہے اور اب کسی بات میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ مگر یہ اعتراض ان لوگوں پر ہو سکتا ہے جو ''بداء'' کے منکر ہیں اور خدا کو اپنے ازلی فیصلوں کی بنا پر مجبور خیال کرتے ہیں۔ قرآن مجید نے ان ہی لوگوں کے خیال کو یہودی زبانی نقل کر کے بڑی سختی سے اس کی رد کی ہے:

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ ۚ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا ۘ بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ﴾

یہودی کہتے ہیں کہ خدا کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں وہ اب کچھ نہیں کر سکتا۔ خود انہی کے ہاتھ بندھے ہیں اور یہ اپنے اس قول کی وجہ سے مستحق لعنت ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے! بلکہ خدا کے ہاتھ ہر وقت کھلے ہوئے ہیں۔[1]

ازلی فیصلوں کی مجبوری تو جب عائد ہوتی کہ جب وہ فیصلے مطلق طور پر ہوتے۔ لیکن اگر ان میں سے کچھ فیصلے مشروط طور پر ہوں کہ اگر انسان دُعا کرے گا تو ایسا ہوگا اور دُعا نہ کرے گا تو ویسا ہوگا تو پھر دُعا کرنا بے کار نہیں سمجھا جا سکتا۔ اور جبکہ اس نے خود وعدہ کیا ہے کہ ﴿ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾[2]: ''دُعا کرو میں قبول کروں گا'' اور ﴿أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ﴾[3]: ''میں پکارنے والے کی آواز کو سنتا ہوں جب وہ پکارے''، تو اسی سے ہم سمجھتے ہیں کہ بہت سے فیصلوں میں ہماری دُعا کا لحاظ کیا گیا ہے اور اسی لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم ہر ضرورت پر اسے آواز دیں اور اس سے مدد طلب کریں۔ جہاں حکم حتمی ہمارے مطلب کے خلاف ہوگا وہاں ہماری دُعا قبول نہ ہوگی، لیکن جہاں ایسا نہ ہوگا اور ہماری دُعا کیلئے گنجائش رکھی ہوگی وہاں وہ قبول ہوگی اور اس کا اثر ظاہر ہوگا۔

(دُعا کی عدم قبولیت کے اسباب)

کوئی شک نہیں کہ جنابِ باری نے حکم دُعا دینے کے ساتھ قبولیت کا وعدہ فرمایا ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر اوقات ہم دُعا کرتے ہیں اور وہ دُعا قبول نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ سے بعض اشخاص شکایت کرنے لگتے ہیں اور ان کے دل میں مختلف شکوک گزرتے ہیں، حالانکہ دُعا جب نہیں قبول ہوتی تو اس کے کچھ خاص اسباب ہوتے ہیں۔ مجملاً یہاں ان میں سے بعض امور کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

- ۱۔ دُعا کی قبولیت کا وعدہ بطور کلیہ نہیں ہوا ہے، بلکہ اطلاق ہے جس کے ساتھ تقیید کی گنجائش ہے۔ تقیید خواہ لفظی ہو یا عقلی۔ ہم جہاں تک غور کرتے ہیں اس میں عقلی طور پر عمومیت ہو ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ اگر ہر شخص کی دُعا بہر حال پوری ہوا کرے تو کبھی اس میں تناقض یا تضاد بھی پیدا ہو جائے گا۔ مثلاً ایک ہی شے ایک کیلئے مطلوب ہوتی ہے اور دوسرے کیلئے ناگوار۔ اب اگر دونوں دُعا کریں، ایک اس امر کے ہونے کی اور ایک نہ ہونے کی، تو دونوں کی دُعا کا پورا ہونا محال ہے۔ کیونکہ دونوں کی خواہش کا حاصل ہونا تناقض کا باعث ہے۔ لہٰذا لازم ہے کہ ایک کی دُعا قبول ہو اور دوسرے کی

---

[1] سورۂ مائدہ، آیت ۶۴۔

[2] سورۂ مومن (غافر)، آیت ۶۰۔

[3] سورۂ بقرہ، آیت ۱۸۶۔

مسترد ہو جائے۔ ایک یہ صورت بھی ہوتی ہے کہ ایک ہی شخص دو وقتوں میں دو دُعائیں مانگتا ہے جن میں ایک باعتبار اسباب واقعیہ کے دوسرے کے ساتھ مجتمع نہیں ہوسکتی اور حقیقۃً ان دونوں میں تنافی ہوتی ہے، مگر یہ اس تنافی کو نہیں سمجھتا۔ ایسی صورت میں یہ بات ممکن ہی نہیں ہوسکتی کہ ہر ایک کی دُعا ضرور قبول ہو۔ اس لئے عقلی طور پر استجابتِ دُعا میں یہ شرط قرار پاتی ہے کہ وہ دُعا قبول ہونے کے قابل ہو۔

● ۲۔ دُعا صرف رسمی طور سے زبان پر کچھ الفاظ جاری ہونے کا نام نہیں ہے، بلکہ دل سے اپنے مطلب کو بارگاہ الٰہی میں پیش کرنا اس احساس کے ساتھ کہ ہم اس کی بارگاہ میں پیش کر رہے ہیں۔ یہ احساس اگر بندہ کو پیدا ہو جائے تو پھر اس کے خضوع وخشوع اور تضرّع وزاری کا عالم ہی دوسرا ہوگا۔ زیادہ تر جو دُعائیں ہوتی ہیں وہ اس جوہر سے خالی ہوتی ہیں۔ وہ صرف بطورِ عادت رسمی حیثیت سے ہوتی ہیں۔ ان میں حقیقتِ دُعا ہی کا وجود نہیں ہوتا، قبولیت کی منزل تو اس کے بعد ہے۔

● ۳۔ دُعا کی قبولیت ایک خاص توجہ باری کا نتیجہ ہے۔ لیکن قرآن مجید میں صاف کہہ دیا گیا ہے کہ: اگر تم ہمیں یاد رکھو تو ہم تمہیں یاد رکھیں گے: ﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ﴾[1]۔ بندہ کا خدا کو یاد رکھنا فرائض کو ادا کرنا ہے اور خدا کا بندہ کو یاد رکھنا رحمت کو متوجہ کرنا ہے۔ اکثر دُعا کرنے والے انسان دُعائیں مانگنے میں تو بڑے خدا پرست معلوم ہوتے ہیں مگر فرائض الٰہیہ کے احساس سے بالکل بیگانہ ہیں۔ اس صورت میں انہیں یہ استحقاق بھی نہیں کہ یہ خدا سے اپنی قبولیتِ دُعا کے طالب ہوں۔

● ۴۔ حقوق اللہ سے زیادہ اللہ کی نظر میں حقوق الناس قابل لحاظ ہیں اور قدرت اکثر اپنے کمزور اور مایوس بندوں کا انتقام لیتی ہے۔ ہمیں کیا معلوم کہ کب کسی بے کس نے ہمیں آواز دی اور ہم نے اس کی آواز کا جواب نہیں دیا، کب کسی نے فریاد کی اور ہم نے مڑ کر نہیں دیکھا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ قدرت ہماری فریاد کی طرف متوجہ نہیں ہوتی اور ہماری دُعا قبول نہیں کرتی۔

● ۵۔ اس نے ہمیں ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کیلئے قوائے عمل مرحمت فرمائے ہیں۔ اگر وہ ہر موقع پر دُعا کو قبول ہی کرلیا کرے تو قوائے عمل معطل ہو جائیں اور انسان ذرائع واسباب سے کام لینے کے بجائے صرف باب استجابت کے کھٹکھٹانے پر اکتفا کرے۔ اسی لئے ایسا ہوا ہے کہ کسی نے معصومؑ سے خواہش کی کہ آپؑ میرے لئے دُعا کر دیجئے اور حضرتؑ نے فرمایا: ”میں دُعا نہیں کروں گا۔ جاؤ محنت مشقت کرو اور سعی وکوشش کو کام میں لاؤ، خدا برکت عطا فرمائے گا“۔

● ۶۔ وہ ہمارے مصالح کا نگران ہے۔ ہم نادانی سے اگر کوئی ایسا سوال کریں جسے ہم تو اپنے نزدیک بہتر اور مفید سمجھتے ہوں، لیکن حقیقتاً وہ ہمارے لئے مضر اور تباہ کن ہو تو اس کی رحمت کا تقاضا ہے کہ وہ ہماری دُعا کو مسترد کر دے اور ہمارے لئے وہی کرے جو اس کے علم میں ہمارے لئے بہتر ہے۔ خود قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

﴿عَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ؀۲۱۶﴾

بہت ممکن ہے کہ تم کسی بات کو ناپسند کرتے ہو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور بہت ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرتے ہو اور وہ

---

[1] سورۂ بقرہ، آیت ۱۵۲۔

تمہارے لئے مضر ہو۔اصل یہ ہے کہ خدا تو ہر بات کا علم رکھتا ہے اور تم ہو نا سمجھ، نادان، کچھ جانتے نہیں ۔[1]

یہی وہ سبب ہے جسے دُعائے افتتاح ماہ رمضان میں بھی ذکر کیا گیا ہے کہ:

فَاِنْ اَبْطَاَ عَنِّیْ عَتَبْتُ بِجَھْلِیْ عَلَیْكَ وَ لَعَلَّ الَّذِیْٓ اَبْطَاَ عَنِّیْ ھُوَ خَیْرٌ لِّیْ ، لِعِلْمِكَ بِعَاقِبَۃِ الْاُمُوْرِ .

جب تو دُعا کے قبول کرنے میں دیر کرتا ہے تو میں اپنی ناواقفیت سے تیرا شکوہ کرتا ہوں حالانکہ بہت ممکن ہے کہ یہ دیر ہی میرے لئے بہتر ہو۔اس لئے کہ تو ہر بات کے انجام سے واقف ہے ۔[2]

انسان ہر چیز کے وقتی نتیجہ پر نظر ڈالتا ہے لیکن وہ جو انجام کار سے واقف ہے وہ اس کے مستقل اور دیر پا نتیجہ کا لحاظ کرتا ہے ۔اس لئے جو چیز وقتی طور پر مفید ہے لیکن مستقبل میں اس سے نقصان پہنچنے والا ہے اسے انسان کیلئے اختیار نہیں کیا جاتا۔ یہ عین اس کی لطف و مہربانی ہے، جبکہ بندہ اس پر اظہارِ ناراضگی کرتا ہے، یہ اس کی نادانی ہے ۔

- ۷۔کبھی ایسا ہوسکتا ہے کہ صلاح شخصی، نظامِ عالم کیلئے نقصان رساں ہوتا ہے ۔ایسے وقت میں اگر چہ وہ اس بندہ کیلئے انفرادی طور پر بہتر بھی ہو لیکن خالق کی طرف اس دُعا کو قبول نہیں کیا جاسکتا۔اس لئے کہ وہ بحیثیت حکیم مطلق کے نظامِ عام کی تکمیل کا ذمہ دار ہے اور اس کا ارادہ اس شے سے متعلق ہی نہیں ہوسکتا کہ جو نظامِ عالم کیلئے مضر ہو، بلکہ اکثر محققین کے نزدیک تو ارادۂ الٰہیہ نام ہی ہے علم بالنظام کا۔اور اس لئے اس کا ارادہ وہی ہوگا جو نظامِ عالم کیلئے بہتر سے بہتر صورت ممکن ہو اور اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ:''لَیْسَ فِی الْاِمْکَانِ اَصْلَحُ مِمَّا کَانَ ''۔ یہ شبہ کہ ''اگر ایسا ہوتا تو وہ چیزیں یا وہ اشخاص پیدا نہ ہوتے جو شرِ محض ہیں جیسے ابلیس، نمرود، فرعون وغیرہ''، درست نہیں ہے ۔

حقیقت یہ ہے کہ وجود ذاتاً خیر ہے وہ شر ہو ہی نہیں سکتا اور جب وجود شر نہیں تو ایجادِ شر کہاں ہوسکتا ہے ۔بے شک وجود کے بعد یہ ذاتی اختیار کی خرابی ہے کہ اسے برے کاموں میں صرف کیا جائے ۔اس سے خالق پر کوئی الزام نہیں عائد ہوسکتا۔اس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی شخص خود اپنے لحاظ سے شر ہو مگر نظامِ عالم کے لحاظ سے وہ شر نہ قرار پاسکے ۔مثلاً ابلیس، اس نے لاکھوں برس تک اطاعتِ پروردگار کی، اتنی طولانی اطاعت کہ جن ہوتے ہوئے صفِ ملائکہ میں جگہ پائی، اس کے بعد وہ سجدہ نہ کرنے سے مردودِ بارگاہ ہوگیا اور اس کے بعد سے وہ برابر معاصی کا ارتکاب کر رہا ہے اور دوسروں سے ارتکاب کراتا ہے ۔یقینی بحالت موجودہ وہ ایک شر ہستی ہے، کیونکہ اس نے اپنی پچھلی طاعتوں کو بعد کے کفر و معصیت سے مٹا دیا اور وہ طاعتیں اس کیلئے مراد مند نہ رہیں، مگر نظامِ عالم میں تو اس کی وہ اطاعتیں بھی داخل ہیں جو اس کے پہلے ہو چکی ہیں اور طولِ زمانہ کے لحاظ سے جہاں تک اندازہ کیا جاتا ہے اس کے مقابلہ میں یہ بعد کی مدت بہت کم ہے ۔نظامِ عالم میں جب اس کے وجود کا درجہ دیکھا جائے گا تو ان تمام اچھے کاموں کو بھی پیش نظر رکھنا پڑے گا جو اس کے ہاتھوں ہو چکے ہیں اور اس لحاظ سے ایجاد اس کا شر نہ قرار پاسکے گا۔اسی طرح بہت سے ایسے آدمی جنہوں نے عمر بھر اچھے کام کئے اور بعد کو گمراہ اور مردودِ بارگاہ ہوگئے ۔

---

[1] سورۂ بقرہ، آیت ۲۱۶۔

[2] مفاتیح الجنان، دُعائے افتتاح۔

دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ کوئی شخص شر ہو باعتبار اپنی ذات کے، لیکن سلسلہ نظام میں وہ جزو ہو بہت سی خیر ہستیوں کا۔ اس کے تحت میں داخل ہوسکتے ہیں ایسے کافر، مشرک یا منافق جن کی اولاد میں بہت سے مومنین اور صلحاء پیدا ہوئے۔ کوئی شک نہیں کہ وہ اشخاص خود اپنی جگہ بہت برے تھے، مگر نظامِ عالم کی مصلحت کو دیکھتے ہوئے اس پورے سلسلہ کو دیکھنا پڑے گا جس کے اجزاء وجود میں وہ قرار پاتے ہیں اور اس کو دیکھتے ہوئے یہ شر قرار نہ پاسکیں گے۔

تیسری صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ کوئی شخص اپنے لحاظ سے شر ہو لیکن شر ہوتے ہوئے بھی وہ نظامِ عالم کی تکمیل کا جزو بنے۔ مثلاً شیطان! کوئی شک نہیں کہ وہ اپنی ذات اور اپنے افعال کے لحاظ سے خراب ہے۔ مگر یاد رکھنا چاہئے کہ نظامِ عالم کا اصل ماحصل خلائق کا اپنے امکانی حدود میں انتہائی ترقی کے نقطہ تک پہنچنا ہے اور سلسلۂ ارتقاء میں انسان آخری کڑی ہے اور اس کا نقطۂ ارتقاء تک پہنچنا اپنے قوتِ اختیار کے بہترین استعمال پر ہے، اور قوتِ اختیار کی آزمائش اور اس کی جلا ہمیشہ تصادم اور تضاد پر موقوف ہے۔ اگر متصادم طاقتیں نہیں ہوتیں تو طاقت میں جمود اور تعطل پیدا ہو جاتا ہے اور کم از کم اس کے جوہر کھلتے نہیں۔ اور اس بنا پر انسانیت کے تصادم کیلئے شیطنت کی ضرورت ہے۔ اسی شیطانیت سے مقابلہ کر کے انسانیت معراجِ کمال پر پہنچتی ہے۔ اور اس لئے شیطان اپنی جگہ پر بہت برا ہے، مگر نظامِ عالم میں اس کے وجود کی ضرورت تھی، تا کہ انسانیت معراجِ کمال پر پہنچ سکے۔ اور اسی طرح سمجھ لیجئے اس کو کہ فرعون بہت برا تھا مگر موسویت کی تجلی کیلئے فرعون کی ضرورت اور نمرود بہت برا مگر ابراہیمیت کی شعلہ افروزی کیلئے نمرود کی ضرورت۔ اور یزید بہت برا مگر حسینیتؑ کے اظہار کیلئے یزید کی ضرورت تھی۔ ان میں سے ہر ایک ہستی اپنے مقام اور اپنے کردار کے لحاظ سے بہت بری، لیکن قدرت کو اس کے پیدا کرنے کی ضرورت تھی تا کہ وہ اپنے اختیار سے برے افعال کا ارتکاب کر کے انسانیت کی خود اختیاری ترقی اور اس کے معراج کامیابی پر پہنچنے کے نظام کی تکمیل کرے۔ مگر انسان ضعیف البنیان نظام کی ان گہری مصلحتوں کو کیا سمجھے! اس لئے وہ چاہتا ہے کہ ہر اپنی خواہش کو اور جسے وہ بہتر سمجھتا ہے اس کی خدا سے تکمیل کرائے۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ اور ایسا ہو تو پھر خالق و مخلوق کے علم و حکمت میں فرق ہی کیا رہے؟ یہ وجہ بھی ہوتی ہے کہ دُعائیں مسترد ہو جاتی ہیں اور نہیں قبول ہوتیں۔

☆☆☆☆☆

پڑھ کر کھلا صحیفۂ سجادیہ یہ راز
ممکن نہیں خدائی میں تمثیل اہل بیتؑ
قرآں کی طرح یہ بھی قمر بے مثال ہے
اللہ رے فصاحتِ انجیل اہل بیتؑ
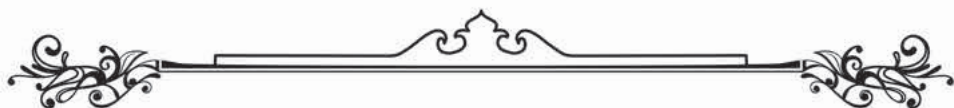
--☆☆--

اَلصَّحِیْفَةُ الْکَامِلَةُ السَّجَّادِیَّةُ

صحیفۂ کاملہ سجادیہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

[١]

حَدَّثَنَا[١] السَّيِّدُ الْاَجَلُّ، نَجْمُ الدِّيْنِ، بَهَآءُ الشَّرَفِ، اَبُو الْحَسَنِ: مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ اَحْمَدَ بْنِ عَلِيِّ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عُمَرَ بْنِ يَحْيَى الْعَلَوِيُّ الْحُسَيْنِيُّ رَحِمَهُ اللهُ، قَالَ: اَخْبَرَنَا الشَّيْخُ السَّعِيْدُ، اَبُوْ عَبْدِ اللهِ: مُحَمَّدُ بْنُ اَحْمَدَ بْنِ شَهْرِيَارَ، الْخَازِنُ لِخِزَانَةِ مَوْلَانَآ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيِّ بْنِ اَبِي طَالِبٍ عليه السلام فِيْ شَهْرِ رَبِيْعِ الْاَوَّلِ مِنْ سَنَةِ سِتَّ عَشْرَةَ وَ خَمْسِ مِائَةٍ قِرَآءَةً عَلَيْهِ وَ اَنَا اَسْمَعُ. قَالَ: سَمِعْتُهَا عَنِ الشَّيْخِ الصَّدُوْقِ، اَبِيْ مَنْصُوْرٍ: مُحَمَّدِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ اَحْمَدَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ الْعُكْبَرِيِّ الْمُعَدِّلِ رَحِمَهُ اللهُ عَنْ اَبِي الْمُفَضَّلِ: مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْمُطَّلِبِ الشَّيْبَانِيِّ. قَالَ: حَدَّثَنَا الشَّرِيْفُ، اَبُوْ عَبْدِ اللهِ: جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرِ بْنِ الْحَسَنِ بْنِ جَعْفَرِ بْنِ الْحَسَنِ بْنِ الْحَسَنِ بْنِ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ عَلَيْهِمُ

[١]

ہم سے سیّد اجل نجم الدین بہاء الشرف ابو الحسن محمد ابن حسن ابن احمد ابن علی ابن محمد ابن عمر ابن یحییٰ علوی حسینی رحمہ اللہ نے اس صحیفہ کی روایت کرتے ہوئے بیان فرمایا کہ ۵۱۶ھ میں شیخ سعید ابو عبد اللہ محمد ابن احمد ابن شہریار خزینہ دار آستانہ مولانا امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے سامنے صحیفہ پڑھا جاتا تھا اور میں سنتا تھا۔ اور انہوں نے بیان کیا کہ میں نے اس صحیفہ کو شیخ صدوق ابی منصور محمد ابن محمد ابن احمد بن عبدالعزیز العکبری المعدّل رحمہ اللہ سے سنا ہے جبکہ وہ ان کے سامنے پڑھا جا رہا تھا اور شیخ ابی منصور نے اس کی روایت ابوالمفضل محمد ابن عبد اللہ ابن مطلب شیبانی سے کی ہے اور انہوں نے شریف ابو عبد اللہ جعفر ابن محمد ابن جعفر ابن حسن ابن جعفر ابن حسن ابن حسن ابن امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہم السلام سے

السَّلَامُ. قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ بْنِ خَطَّابٍ الزَّيَّاتُ سَنَةَ خَمْسٍ وَّ سِتِّيْنَ وَ مِائَتَيْنِ. قَالَ: حَدَّثَنِيْ خَالِيْ: عَلِيُّ بْنُ النُّعْمَانِ الْاَعْلَمُ. قَالَ: حَدَّثَنِيْ عُمَيْرُ بْنُ مُتَوَكِّلٍ الثَّقَفِيُّ الْبَلْخِيُّ عَنْ اَبِيْهِ: مُتَوَكِّلِ بْنِ هَارُوْنَ.

قَالَ: لَقِيْتُ يَحْيَى بْنَ زَيْدِ بْنِ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ بَعْدَ قَتْلِ اَبِيْهِ وَ هُوَ مُتَوَجِّهٌ اِلٰى خُرَاسَانَ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَقَالَ لِيْ: مِنْ اَيْنَ اَقْبَلْتَ؟ قُلْتُ: مِنَ الْحَجِّ فَسَئَلَنِيْ عَنْ اَهْلِهٖ وَ بَنِيْ عَمِّهٖ بِالْمَدِيْنَةِ، وَ اَحْفَى السُّؤَالَ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَاَخْبَرْتُهٗ بِخَبَرِهٖ وَ خَبَرِهِمْ وَ حُزْنِهِمْ عَلٰٓى اَبِيْهِ زَيْدِ بْنِ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَقَالَ لِيْ: قَدْ كَانَ عَمِّيْ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَشَارَ عَلٰٓى اَبِيْ بِتَرْكِ الْخُرُوْجِ، وَ عَرَّفَهٗ اِنْ هُوَ خَرَجَ وَ فَارَقَ الْمَدِيْنَةَ مَا يَكُوْنُ اِلَيْهِ مَصِيْرُ اَمْرِهٖ،

فَهَلْ لَقِيتَ ابْنَ عَمِّيْ جَعْفَرَ بْنَ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ؟ قُلْتُ: نَعَمْ. قَالَ: فَهَلْ سَمِعْتَهٗ يَذْكُرُ شَيْئًا مِّنْ اَمْرِيْ؟ قُلْتُ: نَعَمْ. قَالَ: بِمَ ذَكَرَنِيْ خَبِّرْنِيْ، قُلْتُ: جُعِلْتُ فِدَاكَ! مَآ اُحِبُّ اَنْ اَسْتَقْبِلَكَ بِمَا سَمِعْتُهٗ مِنْهُ. فَقَالَ: اَ بِالْمَوْتِ تُخَوِّفُنِيْ!

اور انہوں نے ۲۶۵ ھ میں عبد اللہ ابن عمر ابن خطاب زیات سے اور انہوں نے اپنے ماموں علی ابن نعمان اعلم سے اور انہوں نے عمیر ابن متوکل ثقفی بلخی سے اور انہوں نے اپنے باپ متوکل ابن ہارون سے۔

متوکل کا بیان ہے کہ جب[۲] یحییٰ ابن زید ابن علیؑ اپنے باپ کے شہید ہو جانے کے بعد خراسان جا رہے تھے تو میں نے ان سے ملاقات کی اور سلام عرض کیا۔ انہوں نے پوچھا تم کہاں سے آرہے ہو؟ میں نے کہا حج سے واپس آرہا ہوں۔ یحییٰ نے اپنے عزیزوں اور چچا زاد بھائیوں کے حالات دریافت کئے جو مدینہ میں تھے اور جعفر ابن محمد علیہما السلام کے متعلق بہت دیر تک پوچھتے رہے۔ میں نے ان سب کا حال بیان کیا اور ان کے والد زید بن علی کی شہادت پر ان سب کے حزن و تاثر کا ذکر کیا۔ یہ سن کر انہوں نے کہا کہ میرے چچا محمد ابن علی الباقر علیہما السلام نے میرے والد کو ترکِ خروج کا مشورہ دیا تھا اور انہیں بتلایا تھا کہ اگر انہوں نے خروج کیا اور مدینہ کو چھوڑا تو انجام کار کیا ہوگا۔

پھر فرمایا کہ تم نے میرے ابن عم جعفر ابن محمد علیہما السلام سے ملاقات کی تھی۔ میں نے کہا: جی ہاں! فرمایا: کیا تم نے میرے بارے میں ان سے کچھ سنا ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ فرمایا: جو کچھ میرے متعلق فرمایا ہو بتاؤ۔ میں نے کہا: میری جان آپ پر نثار ہو! مجھے یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ جو میں نے سنا ہے آپ کے سامنے عرض کروں۔ فرمایا: مجھے موت سے ڈراتے ہو؟ جو سنا ہے بیان کرو۔ میں نے عرض کیا کہ میں

هَاتِ مَا سَمِعْتَهٗ، فَقُلْتُ: سَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ: اِنَّكَ تُقْتَلُ وَ تُصْلَبُ كَمَا قُتِلَ اَبُوْكَ وَ صُلِبَ، فَتَغَيَّرَ وَجْهُهٗ وَ قَالَ: ﴿يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ ۚ وَ عِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ۝﴾، يَا مُتَوَكِّلُ! اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ اَيَّدَ هٰذَا الْاَمْرَ بِنَا وَ جَعَلَ لَنَا الْعِلْمَ وَ السَّيْفَ فَجُمِعَا لَنَا وَ خُصَّ بَنُوْ عَمِّنَا بِالْعِلْمِ وَحْدَهٗ.

فَقُلْتُ: جُعِلْتُ فِدَاكَ! اِنِّيْ رَاَيْتُ النَّاسَ اِلَى ابْنِ عَمِّكَ جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَمْيَلَ مِنْهُمْ اِلَيْكَ وَ اِلٰٓى اَبِيْكَ، فَقَالَ: اِنَّ عَمِّيْ مُحَمَّدَ بْنَ عَلِيٍّ وَ ابْنَهٗ جَعْفَرًا عَلَيْهِمَا السَّلَامُ دَعَوَا النَّاسَ اِلَى الْحَيَاةِ وَ نَحْنُ دَعَوْنَاهُمْ اِلَى الْمَوْتِ، فَقُلْتُ: يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ! اَ هُمْ اَعْلَمُ اَمْ اَنْتُمْ، فَاَطْرَقَ اِلَى الْاَرْضِ مَلِيًّا، ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهٗ وَ قَالَ: كُلُّنَا لَهٗ عِلْمٌ غَيْرَ اَنَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ كُلَّ مَا نَعْلَمُ، وَ لَا نَعْلَمُ كُلَّ مَا يَعْلَمُوْنَ.

ثُمَّ قَالَ لِيْ: اَ كَتَبْتَ مِنِ ابْنِ عَمِّيْ شَيْئًا قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: اَرِنِيْهِ، فَاَخْرَجْتُ اِلَيْهِ وُجُوْهًا مِّنَ الْعِلْمِ، وَ اَخْرَجْتُ لَهٗ دُعَآءً اَمْلَاهُ عَلَيَّ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَ

نے حضرتؑ کو فرماتے سنا ہے کہ آپ بھی قتل ہوں گے اور سُولی پر لٹکائے جائیں گے، جس طرح آپ کے والد قتل کئے گئے اور سولی پر لٹکائے گئے۔ یہ سن کر ان کا چہرہ متغیر ہوگیا اور اس آیت کی تلاوت کی: "وہ جس بات کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس بات کو چاہتا ہے نقش کر دیتا ہے اور اس کے پاس لوح محفوظ ہے"۔ اور فرمایا: اے متوکل! اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے ذریعہ اس دین کو تقویت پہنچائی اور ہمارے حصہ میں علم اور تلوار آئی ہے اور یہ دونوں چیزیں ہمارے لئے فراہم ہیں اور ہمارے چچازاد بھائی صرف علم سے مخصوص ہیں۔

میں نے کہا: میں آپ پر فدا ہوجاؤں، میں نے بہ نسبت آپ کے اور آپ کے والد کے لوگوں کو آپ کے ابن عم جعفر صادق علیہ السلام کی طرف زیادہ مائل پایا ہے۔ فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ میرے چچا محمد ابن علی الباقرؑ اور ان کے فرزند جعفر صادقؑ نے لوگوں کو زندگی و بقا کی دعوت دی ہے اور ہم نے انہیں موت کی جانب بلایا ہے۔ میں نے کہا: اے فرزند رسولؐ! وہ حضرات زیادہ علم رکھتے ہیں یا آپ؟۔ یہ سن کر کچھ عرصہ کیلئے زمین میں آنکھیں گاڑ دیں، پھر سر اٹھایا او فرمایا کہ علم سے تو ہم سب ہی بہرہ مند ہیں مگر ہاں وہ ان تمام چیزوں کا علم رکھتے ہیں جن کا ہم علم رکھتے ہیں اور جو وہ جانتے ہیں وہ سب کا سب ہم نہیں جانتے۔

پھر مجھ سے فرمایا: کیا تم نے میرے ابن عم کے افادات بھی کچھ لکھے ہیں؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! فرمایا: جو کچھ لکھا ہے مجھے دکھاؤ۔ میں نے مختلف علوم کے سلسلہ میں حضرتؑ کے ارشادات دکھائے اور ایک دُعا بھی دکھائی جو حضرتؑ نے مجھے لکھوائی تھی اور فرمایا کہ میرے

حَدَّثَنِيْ اَنَّ اَبَاهُ مُحَمَّدَ بْنَ عَلِيٍّ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ اَمْلَاهُ عَلَيْهِ، وَ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ مِنْ دُعَآءِ اَبِيْهِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ، مِنْ دُعَآءِ الصَّحِيْفَةِ الْكَامِلَةِ، فَنَظَرَ فِيْهِ يَحْيٰى حَتّٰى اَتٰى عَلٰى اٰخِرِهٖ، وَ قَالَ لِيْ: اَ تَاْذَنُ فِيْ نَسْخِهٖ، فَقُلْتُ: يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَ تَسْتَاْذِنُ فِيْمَا هُوَ عَنْكُمْ!. فَقَالَ: اَمَا لَاُخْرِجَنَّ اِلَيْكَ صَحِيْفَةً مِّنَ الدُّعَآءِ الْكَامِلِ مِمَّا حَفِظَهُ اَبِيْ عَنْ اَبِيْهِ وَ اِنَّ اَبِيْ اَوْصَانِيْ بِصَوْنِهَا وَ مَنْعِهَا غَيْرَ اَهْلِهَا.

قَالَ عُمَيْرٌ: قَالَ اَبِيْ: فَقُمْتُ اِلَيْهِ فَقَبَّلْتُ رَاْسَهُ، وَ قُلْتُ لَهُ: وَ اللّٰهِ يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِنِّيْ لَاَدِيْنُ اللّٰهَ بِحُبِّكُمْ وَ طَاعَتِكُمْ، وَ اِنِّيْ لَاَرْجُوْ اَنْ يُّسْعِدَنِيْ فِيْ حَيَاتِيْ وَ مَمَاتِيْ بِوَلَايَتِكُمْ، فَرَمٰى صَحِيْفَتِيَ الَّتِيْ دَفَعْتُهَآ اِلَيْهِ اِلٰى غُلَامٍ كَانَ مَعَهُ وَ قَالَ: اكْتُبْ هٰذَا الدُّعَآءَ بِخَطٍّ بَيِّنٍ حَسَنٍ وَّ اعْرِضْهُ عَلَيَّ لَعَلِّيْ اَحْفَظُهُ، فَاِنِّيْ كُنْتُ اَطْلُبُهُ مِنْ جَعْفَرٍ حَفِظَهُ اللّٰهُ فَيَمْنَعُنِيْهِ.

قَالَ مُتَوَكِّلٌ: فَنَدِمْتُ عَلٰى مَا فَعَلْتُ وَ لَمْ اَدْرِ مَآ اَصْنَعُ، وَ لَمْ يَكُنْ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ تَقَدَّمَ اِلَيَّ اَلَّآ اَدْفَعَهٗ اِلٰٓى اَحَدٍ.

ثُمَّ دَعَا بِعَيْبَةٍ فَاسْتَخْرَجَ مِنْهَا صَحِيْفَةً

والد بزرگوار محمد ابن علی علیہما السلام نے مجھے لکھوائی تھی اور فرمایا تھا کہ یہ دُعا میرے والد علی ابن الحسین علیہما السلام کی ادعیہ صحیفہ کاملہ میں سے ہے۔ یحییٰ نے اسے آخر تک دیکھا اور فرمایا: مجھے اس کے لکھنے کی اجازت دیتے ہو؟۔ میں نے عرض کیا: اے فرزند رسولؐ! آپ مجھ سے ایسی چیز کی اجازت طلب فرماتے ہیں جو خود آپ ہی کے گھر کی ہے۔ یہ سن کر انہوں نے فرمایا: میں بھی مکمل دُعاؤں کا ایک صحیفہ تمہیں دکھاؤں گا جو میرے پدر گرامی نے اپنے والد بزرگوار سے یاد کی تھیں اور مجھے میرے والد نے ان کے محفوظ رکھنے کی ہدایت کی تھی۔ اور فرمایا تھا کہ نااہل لوگوں سے انہیں پوشیدہ رکھوں۔

عمیر کہتے ہیں کہ میرے والد (متوکل) نے بیان کیا کہ میں نے اٹھ کر ان کے سر کو بوسہ دیا اور عرض کیا: خدا کی قسم! اے فرزند رسولؐ! میں تمہاری دوستی واطاعت کے ساتھ اللہ کی پرستش کرتا ہوں اور امیدوار ہوں کہ وہ میری زندگی اور میرے مرنے کے بعد تمہاری محبت و دوستی کی وجہ سے سعادت و نیک بختی بخشے۔ پھر آپ نے وہ صحیفہ جو میں نے انہیں دیا تھا ایک صاحبزادے کو دیا جو ان کے ہمراہ تھا اور اس سے فرمایا کہ اس دُعا کو واضح وخوش خط لکھ لو اور مجھے دکھاؤ تا کہ میں اسے زبانی یاد کرلوں۔ کیونکہ میں نے حضرت جعفر صادق حفظہ اللہ سے اس دُعا کو طلب کیا تھا مگر انہوں نے دینے سے انکار کر دیا تھا۔

متوکل کہتے ہیں کہ میں نے یہ سنا تو اپنے کئے پر پشیمان ہوا اور کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ اب کیا کروں؟ (پھر خیال آیا کہ) حضرت جعفر صادق علیہ السلام نے پہلے سے منع بھی تو نہیں فرمایا تھا کہ یہ دُعا کسی کو نہ دینا۔

اس کے بعد یحییٰ نے ایک صندوقچہ طلب کیا اور اس میں سے

مُّقْفَلَةً مَّخْتُوْمَةً، فَنَظَرَ اِلَى الْخَاتَمِ وَ قَبَّلَهٗ وَ بَكٰى، ثُمَّ فَضَّهٗ وَ فَتَحَ الْقُفْلَ، ثُمَّ نَشَرَ الصَّحِيْفَةَ وَ وَضَعَهَا عَلٰى عَيْنِهٖ وَ اَمَرَّهَا عَلٰى وَجْهِهٖ، وَ قَالَ: وَ اللهِ! يَا مُتَوَكِّلُ! لَوْ لَا مَا ذَكَرْتَ مِنْ قَوْلِ ابْنِ عَمِّيْ اِنَّنِيْ اُقْتَلُ وَ اُصْلَبُ لَمَا دَفَعْتُهَآ اِلَيْكَ وَ لَكُنْتُ بِهَا ضَنِيْنًا، وَ لٰكِنِّيْ اَعْلَمُ اَنَّ قَوْلَهٗ حَقٌّ اَخَذَهٗ عَنْ اٰبَآئِهٖ، وَ اَنَّهٗ سَيَصِحُّ فَخِفْتُ اَنْ يَّقَعَ مِثْلُ هٰذَا الْعِلْمِ اِلٰى بَنِيْ اُمَيَّةَ فَيَكْتُمُوْهُ وَ يَدَّخِرُوْهُ فِيْ خَزَآئِنِهِمْ لِاَنْفُسِهِمْ. فَاقْبِضْهَا وَ اكْفِنِيْهَا وَ تَرَبَّصْ بِهَا، فَاِذَا قَضَى اللهُ مِنْ اَمْرِيْ وَ اَمْرِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ مَا هُوَ قَاضٍ فَهِيَ اَمَانَةٌ لِّيْ عِنْدَكَ حَتّٰى تُوْصِلَهَآ اِلَى ابْنَيْ عَمِّيْ: مُحَمَّدٍ وَّ اِبْرَاهِيْمَ ابْنَيْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَسَنِ بْنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ، فَاِنَّهُمَا الْقَآئِمَانِ فِيْ هٰذَا الْاَمْرِ بَعْدِيْ.

قَالَ الْمُتَوَكِّلُ: فَقَبَضْتُ الصَّحِيْفَةَ، فَلَمَّا قُتِلَ يَحْيَى بْنُ زَيْدٍ صِرْتُ اِلَى الْمَدِيْنَةِ، فَلَقِيْتُ اَبَا عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَحَدَّثْتُهُ الْحَدِيْثَ عَنْ يَحْيٰى، فَبَكٰى وَ اشْتَدَّ وَجْدُهٗ بِهٖ. وَ قَالَ: رَحِمَ اللهُ ابْنَ عَمِّيْ وَ اَلْحَقَهٗ بِاٰبَآئِهٖ وَ اَجْدَادِهٖ، وَ اللهِ! يَا مُتَوَكِّلُ! مَا مَنَعَنِيْ مِنْ دَفْعِ

ایک مقفل و سر بمُہر صحیفہ نکالا۔ اس مہر کو دیکھا تو اسے چوما اور گریہ فرمایا۔ پھر اس کی مہر توڑی قفل کھولا اور صحیفہ کو پھیلا کر اپنی آنکھوں سے لگایا اور چہرے پر ملا اور فرمایا: اے متوکل! خدا کی قسم! اگر تم میرے ابن عم کے اس قول کو نقل نہ کرتے کہ میں قتل کر دیا جاؤں گا اور سولی پر لٹکایا جاؤں گا تو میں ہرگز یہ صحیفہ تمہارے حوالے نہ کرتا اور اس کے دینے میں بخل سے کام لیتا۔ لیکن مجھے معلوم ہے کہ جو کچھ انہوں نے فرمایا ہے سچ ہے اور یہ بات انہوں نے اپنے آباؤ اجداد سے سنی ہے اور بہت جلد ہو کر رہے گی۔ اس لئے میں ڈرتا ہوں کہ یہ علمی ذخیرہ بنی امیہ کے ہاتھ لگ جائے اور وہ اسے چھپا ڈالیں اور اپنے خزانوں میں صرف اپنے لئے ذخیرہ کر لیں۔ لہٰذا تم اسے اپنے پاس رکھو اور میری جگہ اس کی حفاظت کرو اور منتظر رہنا اور اس صحیفہ کو اپنے پاس امانت رکھنا اور جب اللہ میرا اور اس قوم کا جو فیصلہ کرنا چاہتا ہے کر دے تو اسے میرے چچا زاد بھائیوں محمد و ابراہیم کے پاس پہنچا دینا کیونکہ وہی میرے بعد اس سلسلہ میں میرے قائم مقام ہیں۔

متوکل کا بیان ہے کہ میں نے وہ صحیفہ لے لیا اور جب یحییٰ ابن زید شہید کر دیئے گئے تو میں مدینہ گیا اور امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور یحییٰ کا تمام واقعہ ان سے نقل کیا۔ حضرتؑ رونے لگے اور یحییٰ کے واقعات سن کر بہت غمگین ہوئے۔ اور فرمایا کہ ”خدا رحمت نازل کرے میرے ابن عم پر اور انہیں ان کے آباؤ اجداد کے ساتھ رکھے۔ اے متوکل! خدا کی قسم! مجھے اس دُعا کے دینے میں وہی

الدُّعَآءِ اِلَيْهِ اِلَّا الَّذِیْ خَافَهٗ عَلٰى صَحِيْفَةِ اَبِيْهِ، وَ اَيْنَ الصَّحِيْفَةُ؟ فَقُلْتُ هَا هِيَ، فَفَتَحَهَا وَ قَالَ: هٰذَا وَ اللهِ! خَطُّ عَمِّیْ زَيْدٍ وَّ دُعَآءُ جَدِّیْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ.

ثُمَّ قَالَ لِابْنِهٖ: قُمْ يَآ اِسْمَاعِيْلُ! فَأْتِنِیْ بِالدُّعَآءِ الَّذِیْٓ اَمَرْتُكَ بِحِفْظِهٖ وَ صَوْنِهٖ، فَقَامَ اِسْمَاعِيْلُ فَاَخْرَجَ صَحِيْفَةً كَاَنَّهَا الصَّحِيْفَةُ الَّتِیْ دَفَعَهَا اِلَیَّ يَحْيٰى بْنُ زَيْدٍ، فَقَبَّلَهَآ اَبُوْ عَبْدِ اللهِ وَ وَضَعَهَا عَلٰى عَيْنِهٖ وَ قَالَ: هٰذَا خَطُّ اَبِیْ وَ اِمْلَآءُ جَدِّیْ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ بِمَشْهَدٍ مِّنِّیْ.

فَقُلْتُ: يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللهِ: اِنْ رَاَيْتَ اَنْ اَعْرِضَهَا مَعَ صَحِيْفَةِ زَيْدٍ وَّ يَحْيٰى، فَاَذِنَ لِیْ فِیْ ذٰلِكَ وَ قَالَ: قَدْ رَاَيْتُكَ لِذٰلِكَ اَهْلًا. فَنَظَرْتُ وَ اِذَا هُمَآ اَمْرٌ وَّاحِدٌ وَ لَمْ اَجِدْ حَرْفًا مِّنْهَا يُخَالِفُ مَا فِی الصَّحِيْفَةِ الْاُخْرٰى.

ثُمَّ اسْتَاْذَنْتُ اَبَا عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِیْ دَفْعِ الصَّحِيْفَةِ اِلَى ابْنَیْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَسَنِ، فَقَالَ: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ﴾، نَعَمْ فَادْفَعْهَآ اِلَيْهِمَا. فَلَمَّا نَهَضْتُ لِلِقَآئِهِمَا قَالَ لِیْ: مَكَانَكَ. ثُمَّ وَجَّهَ اِلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اِبْرَاهِيْمَ فَجَآءَا فَقَالَ: هٰذَا

خوف مانع تھا جو انہیں خود اپنے باپ کے صحیفہ کے بارے میں تھا، اچھا تو وہ صحیفہ کہاں ہے''؟ میں نے کہا کہ یہ ہے۔ آپؑ نے اسے کھولا اور فرمایا: ''خدا کی قسم! یہ میرے چچا زید کی تحریر ہے اور میرے دادا علی ابن الحسین علیہما السلام کی دُعائیں ہیں''۔

پھر آپؑ نے اپنے فرزند اسماعیل سے فرمایا کہ ''جا کر وہ دُعائیں لے آؤ جن کی حفاظت و نگہداشت کی میں نے تمہیں ہدایت کی تھی''۔ اسماعیل گئے اور ایک صحیفہ لائے جو بالکل ویسا ہی تھا جیسا یحییٰ ابن زید نے مجھے دیا تھا۔ امام جعفر صادقؑ نے اس صحیفہ کو بوسہ دیا۔ اپنی آنکھوں سے لگایا (اور فرمایا) کہ ''یہ میرے والد بزرگوار کا خط ہے جسے میرے سامنے میرے دادا (علیؑ ابن الحسینؑ) نے لکھوایا تھا''۔

میں نے عرض کیا: اے فرزند رسولؐ! اگر آپؑ کی اجازت ہو تو میں اس صحیفہ کا زید و یحییٰ کے صحیفہ سے مقابلہ کرلوں؟۔ حضرتؑ نے اجازت دی اور فرمایا کہ میں تم کو اس کا اہل پاتا ہوں۔ دیکھا تو معلوم ہوا کہ دونوں صحیفے ایک ہی ہیں۔ اور ایک حرف بھی دونوں کا ایک دوسرے سے مختلف نہیں ہے۔

پھر میں نے حضرتؑ سے اجازت مانگی کہ اسے عبد اللہ ابن حسنؑ کے دونوں بیٹوں کے حوالے کر دوں۔ آپؑ نے فرمایا: ''اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے اہل تک پہنچا دو''۔ میں ان دونوں کی ملاقات کیلئے اٹھا تو حضرتؑ نے فرمایا ''تم اپنی جگہ پر رہو''۔ پھر ایک شخص کے ذریعے محمد و ابراہیم کو بلوایا۔ جب وہ آئے تو ان سے فرمایا کہ ''یہ تمہارے ابن عم یحییٰ کی میراث ہے جو انہیں اپنے باپ سے ملی تھی

مِيْرَاثُ ابْنِ عَمِّكُمَا يَحْيٰى مِنْ اَبِيْهِ قَدْ خَصَّكُمَا بِهٖ دُوْنَ اِخْوَتِهٖ وَ نَحْنُ مُشْتَرِطُوْنَ عَلَيْكُمَا فِيْهِ شَرْطًا. فَقَالَا: رَحِمَكَ اللّٰهُ! قُلْ، فَقَوْلُكَ الْمَقْبُوْلُ فَقَالَ: لَا تَخْرُجَا بِهٰذِهِ الصَّحِيْفَةِ مِنَ الْمَدِيْنَةِ، قَالَا: وَ لِمَ ذَاكَ؟ قَالَ: اِنَّ ابْنَ عَمِّكُمَا خَافَ عَلَيْهَآ اَمْرًآ اَخَافُهٗ اَنَا عَلَيْكُمَا. قَالَا: اِنَّمَا خَافَ عَلَيْهَا حِيْنَ عَلِمَ اَنَّهٗ يُقْتَلُ. فَقَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: وَ اَنْتُمَا فَلَا تَأْمَنَا، فَوَاللّٰهِ! اِنِّيْ لَاَعْلَمُ اَنَّكُمَا سَتَخْرُجَانِ كَمَا خَرَجَ، وَ سَتُقْتَلَانِ كَمَا قُتِلَ، فَقَامَا وَ هُمَا يَقُوْلَانِ: لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ.

فَلَمَّا خَرَجَا قَالَ لِيْ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: يَا مُتَوَكِّلُ! كَيْفَ قَالَ لَكَ يَحْيٰى اِنَّ عَمِّيْ مُحَمَّدَ بْنَ عَلِيٍّ وَّ ابْنَهٗ جَعْفَرًا دَعَوَا النَّاسَ اِلَى الْحَيَاةِ وَ دَعَوْنَاهُمْ اِلَى الْمَوْتِ، قُلْتُ: نَعَمْ اَصْلَحَكَ اللّٰهُ! قَدْ قَالَ لِيْ ابْنُ عَمِّكَ يَحْيٰى ذٰلِكَ. فَقَالَ: يَرْحَمُ اللّٰهُ يَحْيٰى، اِنَّ اَبِيْ حَدَّثَنِيْ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنْ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ اَخَذَتْهُ نَعْسَةٌ وَّ هُوَ عَلٰى مِنْبَرِهٖ، فَرَاٰى فِيْ مَنَامِهٖ رِجَالًا يَنْزُوْنَ عَلٰى مِنْبَرِهٖ نَزْوَ الْقِرَدَةِ وَ يَرُدُّوْنَ

اور انہوں نے اپنے بھائیوں کی بجائے تم دونوں کو اس کیلئے مخصوص کیا ہے۔ مگر میں اس صحیفہ کے بارے میں تم دونوں سے ایک شرط کرتا ہوں"۔ انہوں نے کہا: خدا آپؑ پر رحمت نازل کرے، فرمائیے، آپؑ کا جو ارشاد ہو گا ہمارے لئے قابل قبول ہوگا۔ فرمایا کہ "تم اس صحیفہ کو مدینے سے باہر نہ لے جانا"۔ انہوں نے کہا: یہ کس لئے؟ فرمایا کہ "تمہارے ابن عم کو اس کے متعلق جو خطرہ تھا وہی خطرہ مجھے اس کے بارے میں تم دونوں سے ہے"۔ کہا کہ انہیں خطرہ تو اس وقت لاحق ہوا جب انہیں اپنے مارے جانے کا علم ہوا۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ "تم دونوں بھی اس خطرہ سے مطمئن نہ رہو۔ خدا کی قسم! میں بخوبی جانتا ہوں کہ تم دونوں بھی ایسا اقدام کرو گے جیسا انہوں نے کیا تھا، اور تم بھی قتل کئے جاؤ گے جس طرح وہ قتل کئے گئے"۔ وہ دونوں یہ سن کر لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

جب وہ دونوں چلے گئے تو حضرتؑ نے مجھ سے فرمایا: "اے متوکل! یحییٰ نے یہی تو کہا تھا کہ میرے چچا محمد ابن علی الباقر علیہما السلام اور ان کے فرزند جعفر صادقؑ لوگوں کو زندگی وحیات کی طرف دعوت دیتے ہیں اور ہم انہیں موت کی جانب بلاتے ہیں"؟۔ میں نے عرض کیا: جی ہاں، خدا آپؑ کے حالات سازگار رکھے! آپؑ کے ابن عم یحییٰ نے یہی کہا تھا۔ فرمایا: خدا یحییٰ پر رحم کرے، میرے پدر گرامی نے اپنے والد بزرگوار جد امجد اور علی علیہ السلام کے سلسلہ سے روایت کی ہے کہ: رسول صلی اللہ علیہ وآلہ منبر پر تھے کہ ان پر غنودگی طاری ہوگئی اور خواب میں کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ آپؐ کے منبر پر بندروں کی طرح کود رہے ہیں اور لوگوں کو الٹے پیر واپس پلٹا رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کی

النَّاسَ عَلٰۤى اَعْقَابِهِمُ الْقَهْقَرٰى، فَاسْتَوٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ جَالِسًا وَّ الْحُزْنُ يُعْرَفُ فِيْ وَجْهِهٖ. فَاَتَاهُ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ: ﴿وَ مَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْۤ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَ الشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ؕ وَ نُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا۠﴾، يَعْنِيْ بَنِيْۤ اُمَيَّةَ. قَالَ: «يَا جِبْرِيْلُ اَ عَلٰى عَهْدِيْ يَكُوْنُوْنَ وَ فِيْ زَمَنِيْ؟ قَالَ: لَا، وَ لٰكِنْ تَدُوْرُ رَحَى الْاِسْلَامِ مِنْ مُّهَاجَرِكَ فَتَلْبَثُ بِذٰلِكَ عَشْرًا، ثُمَّ تَدُوْرُ رَحَى الْاِسْلَامِ عَلٰى رَاْسِ خَمْسَةٍ وَّ ثَلَاثِيْنَ مِنْ مُّهَاجَرِكَ فَتَلْبَثُ بِذٰلِكَ خَمْسًا، ثُمَّ لَا بُدَّ مِنْ رَّحٰى ضَلَالَةٍ هِيَ قَآئِمَةٌ عَلٰى قُطْبِهَا، ثُمَّ مُلْكُ الْفَرَاعِنَةِ».

قَالَ: وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ ذٰلِكَ: ﴿اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۚۖ وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ؕ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ۬ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ؕ﴾ تَمْلِكُهَا بَنُوْۤ اُمَيَّةَ لَيْسَ فِيْهَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ. قَالَ: فَاَطْلَعَ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ نَبِيَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنَّ بَنِيْ اُمَيَّةَ تَمْلِكُ سُلْطَانَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَ مُلْكَهَا طُوْلَ هٰذِهِ الْمُدَّةِ، فَلَوْ طَاوَلَتْهُمُ الْجِبَالُ لَطَالُوْا عَلَيْهَا، حَتّٰى يَاْذَنَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِزَوَالِ مُلْكِهِمْ، وَ هُمْ فِيْ ذٰلِكَ يَسْتَشْعِرُوْنَ

آنکھ کھل گئی اور سیدھے ہو کر بیٹھ گئے، اس عالم میں کہ حزن و اندوہ کے آثار آپؐ کے چہرے پر نمایاں تھے۔ اتنے میں جبرائیل امینؑ یہ آیت لے کر نازل ہوئے: "وہ خواب جو ہم نے تم کو دکھایا اس لئے دکھایا کہ وہ لوگوں کیلئے ایک آزمائش ہو اور اسی طرح وہ شجرہ جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے ہم انہیں ڈراتے ہیں مگر وہ اس ڈرانے کے باوجود سرکشی میں بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں"۔[۳۱] (شجرہ ملعونہ سے مراد بنی امیہ ہیں)۔ پیغمبر اکرم ﷺ نے جبرائیلؑ سے دریافت کیا کہ «یہ لوگ میرے وقت اور زمانہ میں ہوں گے»؟ کہا نہیں، بلکہ آپؐ کی ہجرت کے بعد اسلام کا دَور دَورہ ہو گا جو دس برس تک برقرار رہے گا، پھر اسلام کا دَور دَورہ ہجرت کے پینتیسویں سال کے آغاز میں شروع ہوگا اور پانچ برس تک برقرار رہے گا اور پھر ایسی گمراہی کا چکر چل نکلے گا جو اپنے مرکز پر جم کر کھڑی ہو جائے گی اور پھر فرعونوں کی حکومت شروع ہو جائے گی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ "خداوند عالم نے اس کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی ہے: "ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں اتارا اور تم کیا جانو کہ شب قدر کیا ہے۔ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے"۔ بنی امیہ ان ہزار مہینوں تک قابض رہیں گے مگر ان مہینوں میں شب قدر نہ ہوگی"۔ پھر فرمایا کہ "خداوند عالم نے اپنے نبیؐ کو آگاہ کر دیا تھا کہ بنی امیہ ان ہزار مہینوں کی مدت تک مسلمانوں کے حل و عقد کے مالک اور برسر اقتدار رہیں گے، اس طرح کہ پہاڑ بھی ان کی سربلندی سے مقابلہ کرنا چاہیں گے تو وہ ان سے بھی اونچے دکھائی دیں گے۔ یہاں تک کہ خداوند عالم ان کے ملک و سلطنت کو زوال کا حکم دے گا اور

عَدَاوَتَنَآ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ بُغْضَنَا. اَخْبَرَ اللّٰهُ نَبِيَّهٗ بِمَا يَلْقٰى اَهْلُ بَيْتِ مُحَمَّدٍ وَ اَهْلُ مَوَدَّتِهِمْ وَ شِيْعَتُهُمْ مِنْهُمْ فِيْٓ اَيَّامِهِمْ وَ مُلْكِهِمْ. قَالَ: وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْهِمْ: ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّ اَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ﴿۲۸﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۭ وَ بِئْسَ الْقَرَارُ﴿۲۹﴾﴾، وَ نِعْمَةُ اللّٰهِ مُحَمَّدٌ وَّ اَهْلُ بَيْتِهٖ، حُبُّهُمْ اِيْمَانٌ يُّدْخِلُ الْجَنَّةَ، وَ بُغْضُهُمْ كُفْرٌ وَّ نِفَاقٌ يُّدْخِلُ النَّارَ، فَاَسَرَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ ذٰلِكَ اِلٰى عَلِيٍّ وَّ اَهْلِ بَيْتِهٖ.

قَالَ: ثُمَّ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: مَا خَرَجَ وَ لَا يَخْرُجُ مِنَّآ اَهْلَ الْبَيْتِ اِلٰى قِيَامِ قَآئِمِنَآ اَحَدٌ لِّيَدْفَعَ ظُلْمًآ اَوْ يَنْعَشَ حَقًّا اِلَّا اصْطَلَمَتْهُ الْبَلِيَّةُ، وَ كَانَ قِيَامُهٗ زِيَادَةً فِيْ مَكْرُوْهِنَا وَ شِيْعَتِنَا.

قَالَ الْمُتَوَكِّلُ بْنُ هَارُوْنَ: ثُمَّ اَمْلٰى عَلَيَّ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْاَدْعِيَةَ وَ هِيَ خَمْسَةٌ وَّ سَبْعُوْنَ بَابًا، سَقَطَ عَنِّيْ مِنْهَآ اَحَدَ عَشَرَ بَابًا، وَ حَفِظْتُ مِنْهَا نَيِّفًا وَّ سِتِّيْنَ بَابًا.

وہ اس تمام عرصہ میں ہم اہل بیتؑ کے بغض وعداوت کو اپنا شعار بنائے رکھیں گے اور ان کے زمانۂ حکومت میں اہلبیت محمدؐ اور ان کے دوستوں اور پیروی کرنے والوں پر جو مصیبتیں نازل ہوں گی ان سب پر اپنے نبیؐ کو مطلع کر دیا تھا۔ اورانہی بنی امیہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی ہے: ”کیا تم نے ان لوگوں کے حال پر غور نہیں کیا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے بدلے ناشکری اختیار کی اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں لا اتارا کہ سب واصل جہنم ہوں گے اور وہ کیا برا ٹھکانا ہے“۔ (اس آیت میں) نعمت الٰہی سے مراد محمدؐ اور ان کے اہلبیتؑ ہیں جن کی محبت عین ایمان ہے جو جنت میں لے جائے گی اور ان سے دشمنی سراسر کفر ونفاق ہے جو دوزخ میں لا پھینکے گی اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ نے علیؑ اور اہل بیت علیہم السلام کو اس امر سے آگاہ کر دیا تھا۔

متوکل کہتے ہیں کہ پھر حضرتؑ نے فرمایا کہ ”ظہورِ حضرتِ قائم (عج) سے پہلے ہم اہل بیتؑ میں سے ظلم کو دور کرنے یا حق کو سر بلند کرنے کے لیے کسی نے خروج نہیں کیا اور نہ کرے گا، مگر یہ کہ آفات و بلیّات اس کی بیخ کنی کریں گے اور اس کا یہ اقدام ہمارے اور ہمارے دوستوں کے رنج وآلام میں اضافہ کر دے گا۔

متوکل ابن ہارون کا بیان ہے کہ پھر حضرتؑ نے وہ دُعائیں مجھے لکھوا دیں اور وہ پچھتر (۷۵) دُعائیں تھیں۔ گیارہ دُعاؤں کے ضبط وحفظ سے قاصر رہا اور ساٹھ سے کچھ اوپر دُعائیں میں نے زبانی یاد کر لیں۔

[۲]

وَ حَدَّثَنَآ اَبُو الْمُفَضَّلِ قَالَ: وَ حَدَّثَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ رُوزْبِهَ اَبُوْ بَکْرٍ الْمَدَآئِنِیُّ الْکَاتِبُ نَزِیْلُ الرَّحْبَةِ فِیْ دَارِهٖ قَالَ: حَدَّثَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ اَحْمَدَ بْنِ مُسْلِمٍ الْمُطَهَّرِیُّ قَالَ: حَدَّثَنِیْٓ اَبِیْ عَنْ عُمَیْرِ بْنِ مُتَوَکِّلٍ الْبَلْخِیِّ عَنْ اَبِیْهِ الْمُتَوَکِّلِ بْنِ هَارُوْنَ قَالَ: لَقِیْتُ یَحْیَی بْنَ زَیْدِ بْنِ عَلِیٍّ عَلَیْهِمَا السَّلَامُ، فَذَکَرَ الْحَدِیْثَ بِتَمَامِهٖ اِلٰی رُؤْیَا النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اٰلِهِ الَّتِیْ ذَکَرَهَا جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ اٰبَآئِهٖ صَلَوٰاتُ اللّٰهِ عَلَیْهِمْ وَ فِیْ رِوَایَةِ الْمُطَهَّرِیِّ ذِکْرُ الْاَبْوَابِ وَ هِیَ:

(۱) اَلتَّحْمِیْدُ لِلّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ،

(۲) اَلصَّلَاةُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ،

(۳) اَلصَّلَاةُ عَلٰی حَمَلَةِ الْعَرْشِ،

(۴) اَلصَّلَاةُ عَلٰی مُصَدِّقِ الرُّسُلِ،

(۵) دُعَآؤُهٗ لِنَفْسِهٖ وَ خَاصَّتِهٖ،

(۶) دُعَآؤُهٗ عِنْدَ الصَّبَاحِ وَ الْمَسَآءِ،

(۷) دُعَآؤُهٗ فِی الْمُهِمَّاتِ،

(۸) دُعَآؤُهٗ فِی الْاِسْتِعَاذَةِ،

(۹) دُعَآؤُهٗ فِی الْاِشْتِیَاقِ،

(۱۰) دُعَآؤُهٗ فِی اللَّجَا اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی،

[۲]

(شیخ عکبری جن کا ذکر پہلے آچکا ہے دوسری سند سے اس طرح روایت کرتے ہیں کہ) ہم سے ابو المفضل نے بیان کیا اور ان سے محمد ابن حسن ابن روز بہ ابوبکر مدائنی کاتب ساکن رحبہ نے گھر کے اندر بیان کیا، اور انہوں نے محمد ابن احمد ابن مسلم مطہری سے روایت کی، اور انہوں نے اپنے باپ (احمد ابن مسلم) سے اور انہوں نے عمیر ابن متوکل بلخی سے اور انہوں نے اپنے باپ متوکل ابن ہارون سے روایت کی کہ انہوں نے کہا کہ میں نے یحییٰ ابن زید ابن علی علیہ السلام سے ملاقات کی اور پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کے خواب تک کا پورا واقعہ بیان کیا جسے امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے آبائے طاہرین صلوٰات اللہ علیہم سے روایت کیا ہے اور مطہری کی روایت میں دُعاؤں کی فہرست کا بھی اس طرح ذکر ہے:

(۱) خداوند عالم کی حمد وستائش

(۲) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ پر درود وسلام

(۳) حاملان عرش اور مقرب فرشتوں پر صلوات

(۴) انبیاءؑ پر ایمان لانے والوں کے حق میں دُعا

(۵) اپنے اور اپنے خاص دوستوں کیلئے دُعا

(۶) دُعائے صبح وشام

(۷) مشکلات کے وقت پڑھنے کی دُعا

(۸) خواستگاری پناہ کے سلسلہ کی دُعا

(۹) طلب مغفرت کے سلسلہ میں دُعا

(۱۰) طلب پناہ کے سلسلہ میں دُعا

(۱۱) دُعَآؤُہٗ بِخَوَاتِمِ الْخَيْرِ، — (۱۱) انجام بخیر ہونے کی دُعا

(۱۲) دُعَآؤُہٗ فِي الِاعْتِرَافِ، — (۱۲) اعترافِ گناہ وطلب توبہ کے سلسلہ میں دُعا

(۱۳) دُعَآؤُہٗ فِيْ طَلَبِ الْحَوَآئِجِ، — (۱۳) طلب حاجات کے سلسلہ میں دُعا

(۱۴) دُعَآؤُہٗ فِي الظُّلَامَاتِ، — (۱۴) دادخواہی کی بابت دُعا

(۱۵) دُعَآؤُہٗ عِنْدَ الْمَرَضِ، — (۱۵) مرض کے دفعیہ کی دُعا

(۱۶) دُعَآؤُہٗ فِي الِاسْتِقَالَةِ، — (۱۶) عذر وعفوِ تقصیر کے سلسلہ میں دُعا

(۱۷) دُعَآؤُہٗ عَلَى الشَّيْطٰنِ، — (۱۷) شر شیطان کے دفعیہ کی دُعا

(۱۸) دُعَآؤُہٗ فِي الْمَحْذُوْرَاتِ، — (۱۸) دفع بلیات کے سلسلہ میں دُعا

(۱۹) دُعَآؤُہٗ فِي الِاسْتِسْقَآءِ، — (۱۹) طلب باراں کی دُعا

(۲۰) دُعَآؤُہٗ فِيْ مَكَارِمِ الْاَخْلَاقِ، — (۲۰) پاکیزہ اخلاق سے آراستگی کی دُعا

(۲۱) دُعَآؤُہٗ اِذَا حَزَنَهٗ اَمْرٌ، — (۲۱) رنج واندوہ کے موقع کی دُعا

(۲۲) دُعَآؤُہٗ عِنْدَ الشِّدَّةِ، — (۲۲) شدت وسختی کے وقت کی دُعا

(۲۳) دُعَآؤُہٗ بِالْعَافِيَةِ، — (۲۳) طلب عافیت کی دُعا

(۲۴) دُعَآؤُہٗ لِاَبَوَيْهِ، — (۲۴) والدین کے حق میں دُعا

(۲۵) دُعَآؤُہٗ لِوُلْدِهٖ، — (۲۵) اولاد کے حق میں دُعا

(۲۶) دُعَآؤُہٗ لِجِيْرَانِهٖ وَ اَوْلِيَآئِهٖ، — (۲۶) دوستوں اور ہمسایوں کے حق میں دُعا

(۲۷) دُعَآؤُہٗ لِاَهْلِ الثُّغُوْرِ، — (۲۷) حدودِ مملکت کی حفاظت کرنے والوں کیلئے دُعا

(۲۸) دُعَآؤُہٗ فِي التَّفَزُّعِ، — (۲۸) اللہ تعالیٰ سے تضرع وزاری کے سلسلہ میں دُعا

(۲۹) دُعَآؤُہٗ اِذَا قُتِّرَ عَلَيْهِ الرِّزْقُ، — (۲۹) تنگی رزق کے موقع پر پڑھنے کی دُعا

(۳۰) دُعَآؤُہٗ فِي الْمَعُوْنَةِ عَلٰى قَضَآءِ الدَّيْنِ، — (۳۰) ادائے قرض کی دُعا

(۳۱) دُعَآؤُہٗ بِالتَّوْبَةِ، — (۳۱) دُعائے توبہ

(۳۲) دُعَآؤُہٗ فِي صَلَاةِ اللَّيْلِ، — (۳۲) نماز شب کے بعد کی دُعا

(۳۳) دُعَآؤُہٗ فِي الِاسْتِخَارَةِ، — (۳۳) دُعائے استخارہ

(۳۴)دُعَآؤُہٗ اِذَا ابْتُلِیَ اَوْ رَاٰی مُبْتَلًی بِفَضِیْحَۃٍ بِذَنْبٍ،

(۳۵)دُعَآؤُہٗ فِی الرِّضَا بِالْقَضَآءِ،

(۳۶)دُعَآؤُہٗ عِنْدَ سَمَاعِ الرَّعْدِ،

(۳۷)دُعَآؤُہٗ فِی الشُّکْرِ،

(۳۸)دُعَآؤُہٗ فِی الِاعْتِذَارِ،

(۳۹)دُعَآؤُہٗ فِیْ طَلَبِ الْعَفْوِ،

(۴۰)دُعَآؤُہٗ عِنْدَ ذِکْرِ الْمَوْتِ،

(۴۱)دُعَآؤُہٗ فِیْ طَلَبِ السَّتْرِ وَ الْوِقَایَۃِ،

(۴۲)دُعَآؤُہٗ عِنْدَ خَتْمِہِ الْقُرْاٰنَ،

(۴۳)دُعَآؤُہٗ اِذَا نَظَرَ اِلَی الْھِلَالِ،

(۴۴)دُعَآؤُہٗ لِدُخُوْلِ شَھْرِ رَمَضَانَ،

(۴۵)دُعَآؤُہٗ لِوَدَاعِ شَھْرِ رَمَضَانَ،

(۴۶)دُعَآؤُہٗ فِیْ عِیْدِ الْفِطْرِ وَ الْجُمُعَۃِ،

(۴۷)دُعَآؤُہٗ فِیْ یَوْمِ عَرَفَۃَ،

(۴۸)دُعَآؤُہٗ فِیْ یَوْمِ الْاَضْحٰی وَ الْجُمُعَۃِ،

(۴۹)دُعَآؤُہٗ فِیْ دَفْعِ کَیْدِ الْاَعْدَآءِ،

(۵۰)دُعَآؤُہٗ فِی الرَّھْبَۃِ،

(۵۱)دُعَآؤُہٗ فِی التَّضَرُّعِ وَ الِاسْتِکَانَۃِ،

(۵۲)دُعَآؤُہٗ فِی الْاِلْحَاحِ،

(۵۳)دُعَآؤُہٗ فِی التَّذَلُّلِ،

(۵۴)دُعَآؤُہٗ فِی اسْتِکْشَافِ الْھُمُوْمِ،

وَ بَاقِی الْاَبْوَابِ بِلَفْظِ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ الْحَسَنِیِّ رَحِمَہُ اللّٰہُ.

(۳۴) گناہوں کی رسوائی سے بچنے کی دُعا

(۳۵) رضائے الٰہی پر خوش رہنے کی دُعا

(۳۶) بجلی کے کوندنے اور رعد کے گرجنے کے وقت کی دُعا

(۳۷) شکر کے سلسلہ میں دُعا

(۳۸) عذر و طلب مغفرت کے سلسلہ میں دُعا

(۳۹) طلب عفو و رحمت کی دُعا

(۴۰) موت کو یاد کرنے کے وقت کی دُعا

(۴۱) پردہ پوشی و نگہداشت کی دُعا

(۴۲) دُعائے ختم القرآن

(۴۳) دُعائے رویت ہلال

(۴۴) استقبال ماہ رمضان کی دُعا

(۴۵) وداع ماہ رمضان کی دُعا

(۴۶) عیدین اور جمعہ کی دُعا

(۴۷) روزِ عرفہ کی دُعا

(۴۸) عید قربان اور جمعہ کی دُعا

(۴۹) دشمن کے مکر و فریب سے بچنے کی دُعا

(۵۰) خوفِ الٰہی کے سلسلہ میں دُعا

(۵۱) عجز و زاری کے سلسلہ میں دُعا

(۵۲) تضرع و الحاح کے سلسلہ میں دُعا

(۵۳) عجز و فروتنی کے سلسلہ میں دُعا

(۵۴) رنج و اندوہ کے دور ہونے کیلئے دُعا

اور دُعاؤں کے اوپر کے عنوانات ابوعبد اللہ حسنی کے الفاظ اور روایت کے مطابق ہیں۔

[۳]

حَدَّثَنَآ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْحَسَنِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ بْنِ خَطَّابٍ الزَّيَّاتُ قَالَ: حَدَّثَنِيْ خَالِيْ عَلِيُّ بْنُ النُّعْمَانِ الْاَعْلَمُ قَالَ: حَدَّثَنِيْ عُمَيْرُ بْنُ مُتَوَكِّلٍ الثَّقَفِيُّ الْبَلْخِيُّ عَنْ اَبِيْهِ مُتَوَكِّلِ بْنِ هَارُوْنَ قَالَ: اَمْلٰى عَلَيَّ سَيِّدِيْ الصَّادِقُ، اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ قَالَ: اَمْلٰى جَدِّيْ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ عَلٰٓى اَبِيْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ السَّلَامُ بِمَشْهَدٍ مِّنِّيْ.

--☆☆--

[۳]

(ابو المفضل کی پہلی سند میں ان کا ذکر اس طرح ہو چکا ہے کہ):
ہم سے ابو عبداللہ جعفر ابن محمد حسنی نے کہا: مجھ سے ابو عبد للہ ابن عمر ابن خطاب زیات نے نقل کیا، اور انہوں نے اپنے ماموں علی ابن نعمان اعلم سے اور انہوں نے عمیر ابن متوکل ثقفی بلخی سے، اور انہوں نے اپنے باپ متوکل ابن ہارون سے روایت کی کہ: انہوں نے بیان کیا کہ مجھے میرے سیّد و سردار ابو عبد اللہ جعفر ابن محمد علیہما السلام نے یہ دُعائیں لکھوائیں اور فرمایا کہ میرے دادا علی ابن حسین علیہما السلام نے میرے والد محمد ابن علی علیہما السلام کو میرے سامنے یہ دُعائیں لکھوائی تھیں۔

--☆☆--

۱؎ اِسنادِ صحیفہ کے سلسلہ میں سید نجم الدین بہاء الشرف محمد ابن حسن سے جن بزرگوار نے ''حَدَّثَنَا'' کہہ کر اسے روایت کیا ہے وہ اکثر علماء و محدثین کے نزدیک عمید الرؤساء ہبۃ اللہ ابن حامد متوفی ۶۰۹ھ ہیں۔ چنانچہ انہوں نے علی ابن السکون متوفی حدود ۶۰۶ھ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے صحیفہ پر جو اجازۂ روایت ابوجعفر ابن معیہ کیلئے تحریر فرمایا، اس میں لکھتے ہیں کہ:

رَوَيْتُهَا لَهٗ عَنِ السَّيِّدِ بَهَآءِ الدِّيْنِ الشَّرَفِ اَبِي الْحَسَنِ مُحَمَّدِ ابْنَ الْحَسَنِ ابْنِ اَحْمَدَ.
میں نے ان کیلئے ''سید بہاء الدین شرف ابوالحسن محمد ابن حسن ابن احمد'' سے صحیفہ کی روایت کی۔[۱]

اس اجازہ کی تاریخِ تحریر ماہ ربیع الاول ۶۰۳ھ ہے اور اسی ابن السکون کے نسخہ پر سے یہ اجازہ ۳۳۳ھ کے لکھے ہوئے ایک قدیمی نسخے پر نقل ہوا جس سے علامہ مجلسی رحمہ اللہ نے نقل کیا اور شہید اوّل متوفی ۷۸۶ھ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخہ پر بھی اسی ابن السکون کے نسخہ پر سے نقل ہوا۔ سید نجم الدین بہاؤ الشرف کا سلسلۂ روایت ابوالمفضل شیبانی پر منتہی ہوتا ہے اور ابوالمفضل اسے دو طریق سے روایت کرتے ہیں:
ایک ابوعبداللہ جعفر ابن محمد کے سلسلہ سے اور دوسرے محمد ابن حسن ابن روزبہ کے طریق سے۔ اور یہ دونوں اسناد متوکل ابن ہارون تک پہنچتے ہیں اور متوکل ابن ہارون کو صادق آلِ محمد علیہم السلام نے یہ دُعائیں امام محمد باقر علیہ السلام کے تحریر کردہ نسخہ سے لکھوائی تھیں اور جناب زید کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ بھی جناب یحییٰ ابن زید کے ذریعہ ان کی نظر سے گزرا اور ان دونوں کو ایک دوسرے کے مطابق کر کے دیکھ بھی لیا تھا۔

---

[۱] ریاض السالکین، ج۱ص ۵۳۔

۲۔ • جناب زید ابن علی رحمہ اللہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ امامت کی درخشاں فضاؤں میں آنکھ کھولی اور عصمت کے سایوں میں پرورش پائی۔ علم وعمل، جود وسخا اور ہمت وشجاعت کے اعتبار سے بڑی اہم اور پرعظمت شخصیت کے مالک تھے۔ ہمہ وقت تلاوت قرآن وکثرت عبادت کی وجہ سے ''حلیف القرآن'' اور ''اسطوانۃ المسجد'' کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔ شیخ مفید علیہ الرحمہ نے ان کے متعلق ارشاد میں تحریر فرمایا ہے:

كَانَ عَابِدًا وَّرِعًا فَقِيْهًا سَخِيًّا شُجَاعًا وَّ ظَهَرَ بِالسَّيْفِ يَأْمُرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهٰى عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُطَالِبُ بِثَارَاتِ الْحُسَيْنِ عليه السلام.

وہ عابد، متورع، فقیہ، سخی اور بڑے شجاع تھے۔ بھلائیوں کے ارتقاء اور برائیوں کے استیصال اور خونِ سید الشہداء علیہ السلام کے قصاص کے لئے سربکف کھڑے ہوئے۔[۱]

اس خروج کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ آپ ایک مرتبہ حاکم مدینہ خالد ابن عبد الملک کے ذلت آمیز برتاؤ کی شکایت ہشام ابن عبد الملک کے کانوں تک پہنچانے کیلئے رصافہ تشریف لے گئے۔ اور جب ہشام کے ہاں جاتے تو وہ ملنے سے انکار کر دیتا اور کوئی تحریر بھیجتے تو وہ اس کے نیچے لکھ دیتا کہ تم واپس مدینہ چلے جاؤ اور جو کہنا سننا ہو وہ خالد ابن عبد الملک سے کہو۔ اس طرح ایک مدت گزر گئی اور اس نے ملاقات کا موقع نہ دیا اور جب ادھر سے اصرار زیادہ ہوا تو اس نے بالآخر ملاقات کی اجازت دی، مگر اس طرح کہ انہیں مجلس کے آخری کونے میں جگہ دی گئی اور گفتگو میں تہذیب وشرافت کے معیار کو پس پشت ڈال دیا۔ ابھی آپ بیٹھے ہی تھے کہ اس نے کہا: ''مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم حکومت واقتدار کے خواب دیکھ رہے ہو حالانکہ تمہاری حیثیت یہ ہے کہ تم ایک کنیز زادے ہو''۔ آپ نے فرمایا: ''تمہارا یہ کہنا کہ میں حکومت وخلافت کا خواہشمند ہوں، تو غیب کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔ رہا میری ماں کا کنیزی کا سوال تو ''اِنَّ الْاُمَّهَاتِ لَا يَقْعُدْنَ بِالرِّجَالِ عَنِ الْغَايَاتِ'': ''ماؤں کی پستی مردوں کو بلندیوں کی انتہا تک پہنچنے سے بٹھا نہیں دیتی''۔ اور تم کنیز زادہ کہہ کر مجھے نظروں سے گرانا اور لوگوں کی نگاہوں میں سبک کرنا چاہتے ہو، حالانکہ جناب اسماعیل علیہ السلام بھی کنیز کے بطن سے تھے مگر خدا نے انہیں منتخب قرار دیا اور ان ہی کی صلب سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ پیدا ہوئے اور ان ہی کی نسل سے عرب پھولے پھلے اور اطراف عالم میں پھیلے، تم مجھے میری ماں کی کنیزی پر کیا طعنہ دے سکتے ہو، جبکہ میں علیؑ وفاطمہؑ کی اولاد ہوں۔ ہشام یہ سن کر تلملایا تو مگر کچھ جواب نہ دے سکا۔ غصہ میں آ کر حکم دیا کہ اس سرپھرے کو یہاں سے باہر نکال دو۔ چنانچہ چند آدمیوں کی حراست میں انہیں شام کے حدود سے خارج کر دیا گیا۔ جب وہ آدمی واپس چلے گئے تو آپ نے مدینہ کے بجائے عراق کا رخ کر لیا اور کوفہ میں قیام کے ارادہ سے ٹھہر گئے۔ یہاں کے حالات یہ تھے کہ لوگ حکومت سے بددل اور ہشام کے ظلم وجور سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرنا شروع کر دی۔ ان بیعت کرنے والوں میں اعیان واشراف کوفہ کی بھی ایک کثیر جماعت تھی۔

جب حاکم عراق یوسف ابن عمر ثقفی نے یہ صورت حال دیکھی تو وہ اس تحریک کو کچلنے کیلئے جنگ پر آمادہ ہو گیا۔ ادھر سے بھی جنگ کی تیاری شروع ہو گئی اور آخر کار دونوں طرف سے تلواریں نیاموں سے باہر نکل آئیں اور حرب وپیکار کے شعلے بھڑکنے لگے۔ جب اہل کوفہ نے جنگ کا

[۱] الارشاد، شیخ مفید، ج ۲ ص ۱۷۱۔

رخ کچھ بدلا ہوا پایا تو وہ اپنی روایتی غداری کا ثبوت دیتے ہوئے چھٹنے لگے اور صرف دوسوبیس آدمی ان کے ہمراہ رہ گئے۔ آپ انہی گنے چنے آدمیوں کو ساتھ لے کر بڑی جرأت و پامردی سے یوسف ثقفی کی کئی ہزار فوج کا مقابلہ کرتے رہے، یہاں تک کہ لڑتے لڑتے اندھیرا چھا گیا اور جنگ روک دینا پڑی۔ جناب زید زخموں سے نڈھال ہو چکے تھے اور کنپٹی پر ایک ایسا تیر لگا تھا جو سر کی ہڈی کو توڑ کر دماغ میں پیوست ہو گیا تھا۔ جب اس تیر کو نکالا گیا تو اس کے نکلتے ہی روح بھی جسدِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

موقعہ کی نزاکت کے پیشِ نظر انہیں اسی وقت دفن کرنا ضروری تھا اور وہ بھی اس طرح کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ چنانچہ پوری احتیاط کے ساتھ پانی کی ایک گزرگاہ میں گڑھا کھود کر انہیں دفن کر دیا گیا اور اس کے اوپر سے پانی بہا کر نشانِ قبر مٹا دیا گیا۔ مگر یوسف ثقفی نے ایک مخبر کی اطلاع پر قبر کا سراغ نکال لیا اور اس کو کھدوا کر لاش نکلوائی اور سر کو قطع کر کے ہشام کے پاس بھیج دیا جو دمشق کے دروازے پر نصب کیا گیا اور لاش کناسہ کوفہ میں سولی پر لٹکا دی گئی جو چار برس تک اپنی مظلومیت، خودداری اور آزادیٔ ضمیر کی داستان دہراتی رہی۔

ہشام کے بعد جب ولید ابن یزید برسرِ اقتدار آیا تو اس کے حکم سے یوسف ثقفی نے پہلے اس لاش کو جلایا اور پھر اس کی خاک کو ہوا میں اڑا دیا۔ جناب زید کی شہادت کا واقعہ روز دوشنبہ ۲ صفر ۱۲۱ھ میں پیش آیا۔ اس وقت آپ کی عمر صرف بیالیس برس کی تھی۔ آپ نے اپنے بعد چار فرزند چھوڑے: یحییٰ، ابوعبداللہ، حسین ذوالدمعہ، ابویحییٰ عیسیٰ اور ابوجعفر محمد۔

- جناب یحییٰ اپنے والد بزرگوار کی شہادت کے موقعہ پر کوفہ میں موجود تھے مگر ان کے بعد وہ جنگ کا سلسلہ برقرار نہ رکھ سکے، کیونکہ اس سانحہ کے بعد تمام اتباع و انصار متفرق ہو چکے تھے اور صرف دس آدمی آپ کے ہمراہ رہ گئے تھے۔ اس وقت بنی اسد کے ایک شخص نے آپ کو مشورہ دیا کہ وہ خراسان چلے جائیں، کیونکہ وہاں کے باشندے اہل بیتِ نبوتؐ سے خاص عقیدت و ارادت رکھتے ہیں۔ چنانچہ آپ اپنے ساتھیوں کو لے کر راتوں رات خراسان کے ارادہ سے مدائن کی طرف چل دیئے کیونکہ اس زمانہ میں خراسان مدائن ہی کے راستہ سے جانا ہوتا تھا۔ اسی سفر میں متوکل ابن ہارون آپ کی خدمت میں باریاب ہوئے اور آپ نے جناب زید کے ہاتھ کا لکھا ہوا صحیفۂ کاملہ ان کے سپرد فرمایا، تاکہ وہ اُسے محمد اور ابراہیم فرزندانِ عبداللہ المحض تک پہنچا دیں۔ اس موقع پر متوکل نے جناب زید کے دعوائے امامت کے متعلق بھی استفسار کیا۔ اس کا جو جواب جناب یحییٰ نے دیا اس سے جناب زید کے دعوائے امامت اور خروج کی نوعیت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

متوکل کہتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا:

يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللهِ! اَمَا اِنَّ اٰبَاكَ قَدِ ادَّعَى الْاِمَامَةَ وَ قَدْ جَآءَ عَنْ رَّسُوْلِ اللهِ ﷺ فِيْمَنِ ادَّعَى الْاِمَامَةَ كَاذِبًا؟ فَقَالَ مَهْ مَهْ يَا عَبْدَ اللهِ! اِنَّ اَبِيْ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ اَعْقَلَ مِنْ اَنْ يَّدَّعِيَ مَا لَيْسَ لَهٗ بِحَقٍّ، اِنَّمَا قَالَ: اَدْعُوْكُمْ اِلَى الرِّضَا مِنْ اٰلِ مُحَمَّدٍ ــ عَنٰى بِذٰلِكَ ابْنَ عَمِّيْ جَعْفَرًا ــ قُلْتُ: فَهُوَ الْيَوْمَ صَاحِبُ الْاَمْرِ؟ قَالَ: نَعَمْ هُوَ اَفْقَهُ بَنِيْ هَاشِمٍ.

اے فرزند رسولؐ! کیا آپ کے والد بزرگوار نے امامت کا دعویٰ نہیں کیا تھا؟ حالانکہ پیغمبر ﷺ نے امامت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے کیلئے جو فرمایا ہے وہ فرمایا ہے۔ فرمایا: خاموش اے بندۂ خدا! میرے والد اس سے کہیں زیادہ با

فہم تھے کہ وہ کسی ایسی چیز کا دعویٰ کرتے جس کا انہیں حق نہ تھا۔ بلکہ انہوں نے خود فرمایا تھا کہ میں لوگوں کو رضائے آلِ محمدؐ کی طرف دعوت دیتا ہوں؛ اور اس سے میرے ابن عم جعفر صادق علیہ السلام مراد تھے۔ میں نے کہا: کیا وہ اس زمانہ میں صاحب الامر ہیں؟ فرمایا: ہاں! اور وہی تو تمام بنی ہاشم میں سب سے بڑے عالم ہیں۔ (کفایۃ الاثر قمی)

بہر حال جب یحییٰ نکل گئے اور یوسف ثقفی کو علم ہوا تو اس نے حریث کلبی کو ان کی گرفتاری کیلئے مدائن بھیجا۔ جب آپ کو اس کے تعاقب کا علم ہوا تو مدائن سے رے اور رے سے سرخس کی طرف چل دیئے اور سرخس میں زید ابن عمرو تمیمی کے ہاں چھ مہینے قیام کرنے کے بعد بلخ روانہ ہو گئے اور وہاں حریش ابن عبد الرحمٰن شیبانی کے ہاں اتنا عرصہ مقیم رہے کہ ہشام دنیا سے چل بسا اور ولید ابن یزید برسر اقتدار آگیا۔

اب یوسف ثقفی نے نصر ابن سیار عامل خراسان کو لکھا کہ حریش کو پیغام بھیجو کہ وہ یحییٰ کو اپنی نگاہوں میں رکھے اور کہیں آنے جانے نہ دے۔ نصر بن سیار نے عقیل ابن معقل عامل بلخ کو لکھا کہ حریش کو گرفتار کر لو۔ اور جب تک وہ یحییٰ کو تمہارے حوالے نہ کرے اسے نہ چھوڑو۔ عقیل نے حریش کو گرفتار کر لیا اور ان سے سختی کے ساتھ یحییٰ کا مطالبہ کیا اور ان کے انکار کرنے پر چھ سو کوڑوں کی انہیں سزا دی گئی۔ مگر انہوں نے مہمان نوازی کے اقدار کا تحفظ کرتے ہوئے کسی طرح یحییٰ کا پتہ دینا گوارا نہ کیا۔ بالآخر ان سے کہا گیا کہ اگر تم یحییٰ کو ہمارے حوالے نہ کرو گے تو تم کو قتل کر دیا جائے گا۔ حریش کے فرزند قریش نے جب یہ سنا تو عقیل سے کہا کہ تم میرے باپ سے کوئی تعرض نہ کرو۔ میں اس امر کا ذمہ لیتا ہوں کہ بہت جلد انہیں ڈھونڈ کر تمہارے حوالے کر دوں گا۔ یہ اپنی ایک جماعت کے ساتھ تلاش کیلئے نکلا اور یحییٰ اور ان کے ایک ساتھی یزید ابن عمر کو گرفتار کر لیا اور نصر ابن سیار کے پاس روانہ کر دیا۔ نصر نے انہیں طوق و زنجیر میں جکڑ کر قید خانہ میں ڈال دیا اور تمام واقعہ یوسف ثقفی کو لکھا۔ ولید نے حکم دیا کہ یحییٰ اور اس کے ساتھیوں کو رہا کر دیا جائے۔

جب یحییٰ قید سے رہا ہوئے تو پھر سرخس کی طرف روانہ ہو گئے اور وہاں سے عمرو ابن زرارہ والیٔ ابرشہر کے ہاں گئے۔ اس نے آپ کو کچھ زادِ سفر دے کر خراسان کی آخری سرحد بیہق کی طرف روانہ کر دیا۔ بیہق سے ستر آدمیوں کی ایک فوج ترتیب دے کر عمرو ابن زرارہ سے مقابلہ کیلئے تیار ہو گئے۔ عمرو کو جب آپ کی نقل و حرکت کا علم ہوا تو اس نے نصر بن سیار کو لکھا۔ نصر نے والیٔ سرخس اور حاکم طوس کو پیغام بھیجا کہ وہ فوراً عمرو کی مدد کیلئے فوجیں روانہ کریں۔ چنانچہ دس ہزار جنگجو سپاہی عمرو کے پرچم کے نیچے جمع ہو گئے۔ یحییٰ اپنی مٹھی بھر فوج کے ساتھ میدان میں اتر آئے اور پوری ہمت و جوانمردی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ نتیجہ میں عمرو ابن زرارہ مارا گیا اور اس کی تمام فوجیں تتر بتر ہو گئیں۔

یہاں سے دشمن کو شکست دے کر ہرات کی طرف روانہ ہو گئے اور ہرات سے جوز جان پہنچے جو مرو اور بلخ کے درمیان ایک چھوٹا سا شہر تھا۔ جب نصر ابن سیار کو اس شکست کا علم ہوا تو اس نے مسلم ابن احوز کو آٹھ ہزار کی فوج دے کر ان کے مقابلہ کیلئے روانہ کیا اور جوز جان کے قریب ''مقام ارغوا'' میں لڑائی چھڑ گئی۔ دونوں نے ایک دوسرے پر حملے شروع کر دیئے اور تلواریں تلواروں سے ٹکرا کر چنگاریاں برسانے لگیں۔ یحییٰ تین شبانہ روز تک اپنی مختصر فوج کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرتے رہے، یہاں تک کہ آپ کی فوج کا ایک ایک آدمی مارا گیا اور عیسیٰ عنزی نے ایک تیر آپ کی پیشانی پر ایسا مارا جو سر کی ہڈی کو توڑ کر نکل گیا اور آپ نے وہیں دم توڑ دیا۔ سورہ ابن حر نے آپ کے سر کو قطع کیا اور نصر کے پاس بھجوا دیا۔ نصر نے ولید کے پاس بھیجا اور ولید نے مدینہ روانہ کر دیا جو ان کی والدہ گرامی ''ریطہ بنت ابی ہاشم عبد اللہ ابن محمد حنفیہ'' کی گود میں لا کر

ڈال دیا گیا اور جسمِ نازنین کو جوز جان کے دروازے پر لٹکا دیا گیا۔

جب اموی اقتدار متزلزل ہوا تو ابومسلم خراسانی نے ان کی لاش کو اتروا کر غسل وکفن دیا اور جوز جان میں ہمیشہ کیلئے سپرد خاک کر دیا۔ لیکن ابوجعفر طبری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ولید ابن یزید نے یوسفِ ثقفی کو لکھا کہ وہ ان کی لاش کو جلا دے اور خاکستر کو دریا میں بہا دے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ بہر حال اتنا ضرور ہوا کہ ابومسلم خراسانی نے جناب یحییٰ کے قاتلوں کو چن چن کر قتل کیا، بلکہ جس جس نے اس جنگ میں شرکت کی تھی اسے بھی تہ تیغ کر دیا۔ اب چونکہ وقتی طور پر فضا کا رنگ کچھ بدل گیا تھا اس لئے خراسان اور اس کے مضافات میں جناب یحییٰ کا ایک ہفتہ تک سوگ منایا گیا اور اس سال خراسان میں جو بچہ پیدا ہوا اس کا نام یحییٰ رکھا گیا۔ جناب یحییٰ کی شہادت کا واقعہ عصرِ روزِ جمعہ ۱۲۵ھ میں پیش آیا۔ اس وقت آپ کی عمر صرف اٹھارہ برس کی تھی۔

- جناب یحییٰ نے اپنے سلسلہ کا قائم مقام محمد اور ابراہیم فرزندانِ عبداللہ المحض ابن حسن مثنیٰ کو قرار دیا اور حالات اس کی غمازی کرتے تھے کہ وہ اس سلسلہ میں کوئی نہ کوئی قدم ضرور اٹھائیں گے۔ چنانچہ انہی حالات کے پیشِ نظر جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان دونوں کو متوکل ابن ہارون کی موجودگی میں طلب کیا اور یحییٰ کی وصیت کے مطابق صحیفۂ کاملہ ان کے حوالے کیا تو ان سے فرمایا کہ: ”تم اس صحیفہ کو مدینہ سے باہر نہ لے جانا، کیونکہ مجھے نظر آرہا ہے کہ تم خروج کرو گے اور قتل کئے جاؤ گے“۔

حضرتؑ ایسی ہی پیشین گوئی زید اور یحییٰ بن زید کے بارے میں کر چکے تھے جو حرف بحرف پوری ہو چکی تھی اور یہ چیز آپؑ کے علمِ مخفی کے حامل اور مرکز القاء والہام ہونے کی دلیل اور منجملہ آپؑ کے کرامات کے ہے۔ چنانچہ ابن خلدون نے تحریر کیا ہے کہ:

> كَانَ جَعْفَرُ الصَّادِقُ اَخْبَرَهُمْ بِذٰلِكَ كُلِّهٖ وَ هِيَ مَعْدُوْدَةٌ فِيْ كَرَامَاتِهٖ.
>
> حضرت جعفر صادق علیہ السلام نے ان سب کو ان واقعات سے پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا اور یہ چیز آپؑ کے کرامات میں محسوب ہوتی ہے۔ (مقدمہ ابن خلدون)

جناب یحییٰ کی شہادت ایک ایسا واقعہ تھا جس نے اموی حکومت کے خلاف ایک عام نفرت و بیزاری کی لہر دوڑا دی تھی جس کا حکومت پر اثر انداز ہونا بھی ضروری تھا۔ چنانچہ ان کا نیرِ اقبال گہنانے لگا اور ولید ابن یزید کے مارے جانے کے بعد تو ان کا زوال یقینی ہو گیا۔ اس موقع پر بنی عباس اور بنی ہاشم کے نمائندوں کا ماہ ذی الحجہ ۱۳۱ھ میں مدینہ کے اندر ایک اجتماع ہوا اور اس بزمِ مشاورت میں یہ طے کیا گیا کہ اموی اقتدار کے دم توڑتے ہیں محمد ابن عبداللہ المحض کی خلافت کا اعلان کر دیا جائے، اور اسی وقت ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس معاہدے کی تکمیل بھی کر لی گئی۔ ان بیعت کرنے والوں میں سفاح اور منصور دوانیقی بھی تھے۔

جب یہ مرحلہ طے ہو گیا تو امام جعفر صادق علیہ السلام کو بھی وہاں پر طلب کیا گیا۔ حضرتؑ جب تشریف لائے اور صورتحال پر مطلع ہوئے تو آپؑ نے ان کی رائے کے خلاف رائے دی۔ اور جب آپؑ کی بات نہ سنی گئی تو آپؑ محمد ابن عبداللہ کے قتل اور آئندہ ہونے والے واقعات کی طرف اشارہ کر کے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آخر وہ وقت آیا کہ اموی حکومت کا تختہ الٹ گیا اور جن کے نام کی آڑ لے لے کر انقلابی ہنگامے کھڑے کئے گئے تھے وہ محروم کر دیئے گئے اور خلافت بنی عباس کے پائے نام ہو گئی اور محمد جن کے ہاتھ پر بیعت کی گئی تھی اور ان کے بھائی ابراہیم جنگلوں اور

پہاڑوں میں روپوش ہوگئے۔ یہاں تک کہ سفاح کا دور اپنے اقتدار کے استحکام اور بنی امیہ کے استیصال میں گزر گیا۔

اس کے بعد منصور دوانیقی تختِ خلافت پر متمکن ہوا۔ اس نے برسر اقتدار آتے ہی محمد و ابراہیم کی تلاش شروع کر دی۔ اور وہ دونوں بھائی اس کی گرفت سے بچنے کیلئے حجاز کے قبائل اور غیر معروف مقامات میں سر چھپائے پڑے رہے۔ ۱۴۰ ہجری میں منصور حج سے فارغ ہو کر مدینہ آیا اور عبداللہ المحض کو طلب کیا اور جب وہ آئے تو ان سے محمد و ابراہیم کے متعلق پوچھا کہ وہ کہاں روپوش ہیں؟ جناب عبداللہ نے کہا: مجھے ان دونوں کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔ منصور یہ سن کر جھلا اٹھا اور بدزبانی پر اتر آیا اور حکم دیا کہ انہیں لے جا کر بند کر دو۔ چنانچہ مروان کے گھر کو زندان قرار دے کر انہیں بند کر دیا گیا۔ اور ان کے علاوہ ساداتِ حسنی کے دوسرے نمایاں افراد کو بھی گرفتار کر کے اسی قید خانہ میں ڈال دیا گیا۔ جب ان اسیرانِ محن کو تین سال قید و بند کی صعوبتیں جھیلتے گزر گئے تو ۱۴۴ھ میں منصور دوبارہ حج کیلئے مکہ آیا اور واپسی میں مدینہ جانے کے بجائے ربذہ میں اتر پڑا اور وہیں پر داروغۂ جیل کے ذریعے تمام اسیروں کو طلب کر لیا۔ ان گرفتارانِ بلا میں جناب محمد دیباج ابراہیم کے خسر بھی تھے۔ منصور نے ان سب کو اپنے سامنے کھڑا کر کے تہدید و سرزنش کی اور محمد دیباج سے محمد و ابراہیم کا پتہ پوچھا۔ انہوں نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا جس پر انہیں چار سو تازیانوں کی سزا دی گئی اور بعض دوسرے سادات کو بھی مختلف سزائیں دی گئیں۔ پھر ان سب قیدیوں کو زنجیروں میں جکڑ کر اور بے کجاوہ اونٹوں پر سوار کر کے کوفہ کی طرف روانہ کر دیا۔ جہاں انہیں مجلس ہاشمیہ میں بند کر دیا گیا۔ یہ مجلس ایک تہہ خانہ تھا جہاں شب و روز کی تمیز نہ ہو سکتی تھی۔ ان اسیروں میں سے کچھ قتل کر دیئے گئے اور کچھ قید و بند کی صعوبتیں برداشت نہ کر سکے اور ختم ہو گئے اور کچھ ان مصائب و آلام کے باوجود سخت جان ثابت ہوئے اور انتہائی سختیوں میں سسکتے تڑپتے زندگی کی سانسیں لیتے رہے۔

جب مظالم کی انتہا ہوگئی اور امام حسن علیہ السلام کی اولاد میں سے کوئی شخص ایسا نہ رہا جو قتل یا قید نہ کیا گیا ہو تو ماہ رجب ۱۴۵ھ میں محمد ابن عبداللہ حکومت کے مظالم کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور ڈھائی سو آدمیوں کی ایک مختصر جمعیت کے ساتھ خروج کر دیا اور مدینہ میں وارد ہوتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ شاہی قید خانہ کے تمام دروازے توڑ ڈالے اور جتنے قیدی بند پڑے تھے سب کو رہا کر دیا اور قید خانہ کے محافظ رباح ابن عثمان کو جیل میں ڈال دیا۔ اس کے بعد اہلِ مدینہ کے ایک عمومی اجتماع میں خطبہ دیا اور منصور کے گھنونے کردار پر سے پردہ اٹھایا۔ اس کے ظلم و ستم کے لرزہ براندام کر دینے والے واقعات دہرائے جس سے حکومت کے خلاف نفرت و حقارت کے جذبات پوری شدت سے ابھر آئے۔ عباسی اقتدار کی بنیادیں متزلزل ہوتے نظر آنے لگیں اور طبیعتیں ایک نئے انقلاب کی پذیرائی کیلئے آمادہ ہوگئیں۔ اگر کوئی مانع تھا تو یہ کہ منصور کے ہاتھ پر بیعت کی جا چکی ہے۔ مگر مالک بن انس نے فتویٰ دے دیا کہ وہ بیعت جبر و اکراہ کے نتیجہ میں ہوئی تھی اس لئے اسے توڑا جا سکتا ہے۔ ان کی تائید میں امام ابوحنیفہ، ابن عجلان اور عبدالحمید ابن جعفر نے بھی فتوے دیئے۔ جب یہ مانع برطرف ہوگیا تو اہلِ مدینہ محمد کے ہاتھوں پر بیعت کیلئے ٹوٹ پڑے اور دیکھتے ہی دیکھتے حجاز و یمن پر ان کا پرچم لہرانے لگا۔

جب منصور کو ان واقعات کی اطلاع ہوئی تو وہ سخت پریشان ہوا اور فوراً کوفہ آیا اور ایک خط بطورِ امان نامہ محمد کے پاس بھیجا اور سیاسی داؤں پیچ کھیلتے ہوئے صلح کی پیشکش کی اور امان کا وعدہ کیا۔ محمد نے خط پڑھا اور اس کا ایک مفصل جواب لکھا اور امان کے سلسلہ میں تحریر کیا کہ تم امان دینے والے ہوتے کون ہو اور پھر تمہارے قول کا اعتبار ہی کیا ہے۔ تم نے ابن ہبیرہ اور اپنے چچا عبداللہ ابن علی اور ابومسلم خراسانی سے بھی

امان کا وعدہ کیا تھا مگر اس کا حشر کیا ہوا۔ یہی نا کہ سب کو موت کے گھاٹ اتروا دیا اور اب مجھ سے امان کا وعدہ کرتے ہو! مجھ سے مخفی نہیں ہے کہ اس امان کے پردے میں تمہارا مقصد کیا ہے۔ جب منصور کا یہ حربہ کارگر ثابت نہ ہوا تو اس نے عیسیٰ ابن موسیٰ کو چار ہزار سوار اور دو ہزار پیادوں کا ایک لشکر دے کر مقابلہ کیلئے روانہ کیا۔

اس لشکر نے مدینہ پہنچ کر شہر کا محاصرہ کرلیا اور چاروں طرف سے رسد رسانی کے راستے بند کر دیئے۔ مدینہ کے سورماؤں نے جب چمکتی ہوئی تلواریں دیکھیں تو سخت ہراساں ہوئے اور انقلاب آفرین جذبات جس تیزی سے ابھرے تھے اسی تیزی سے دب گئے۔ بیعت کا رشتہ پھر سے جوڑ لیا اور حکومت کے سامنے سر جھکا دیئے۔ ہزاروں میں سے صرف تین سو سولہ آدمی محمد کے ہمراہ رہ گئے جنہوں نے غسل کیا، جسموں پر حنوط ملا، سروں پر کفن باندھے اور جان دینے پر آمادہ ہو گئے۔ اس مختصر فوج نے ابھی قدم اٹھایا ہی تھا کہ عیسیٰ نے کوہ سلع پر سے للکار کر محمد کو کہا: اے محمد! تم ہتھیار رکھ دو، تمہارے لئے امان ہے۔ محمد نے کہا کہ نہ تمہارے وعدہ کا کوئی اعتبار ہے اور نہ اس کے وعدہ کا جو تختِ امارت پر متمکن ہے اور ہو بھی تو ہم ہمیشہ عزت کی موت کو ذلت کی زندگی پر ترجیح دیتے رہے ہیں۔ اب اس عار کو کیسے گوارا کر سکتے ہیں؟ ہم ایک ایک کر کے مر جائیں گے مگر اپنے خاندانی دستور کے خلاف نہیں کریں گے۔ اور یہ کہہ کر تلوار نیام سے نکال لی اور مٹھی بھر فوج کے ساتھ حملہ کر دیا اور اس طرح جی توڑ کر لڑے کہ تین مرتبہ دشمن کو اپنی جگہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔

دشمن کے ایک سپہ سالار حمید ابن قحطبہ نے دیکھا کہ اس طرح جیتنا مشکل ہے، اس نے خندق کی طرف سے بڑھنا چاہا۔ محمد کے ہمراہیوں نے تیر کمانوں میں جوڑ لئے اور دشمن کا راستہ روکنے کیلئے کھڑے ہو گئے مگر ان کی یہ کوشش کامیاب نہ ہوئی اور وہ خندق کو عبور کر کے آگے بڑھ آیا اور دست بدست جنگ شروع ہوگئی۔ عیسیٰ نے اپنی پوری فوج کو ایک دم حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ محمد کی فوج نے تلواروں کے نیام توڑ ڈالے اور ایسا شدید حملہ کیا کہ عیسیٰ کی فوج شکست کھا کر پیچھے ہٹ گئی۔ لیکن یہ پیچھے ہٹنا ایک دوسرے حملہ کا پیش خیمہ تھا۔ چنانچہ اس نے دوسری طرف سے پھر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ اتنا شدید تھا کہ یہ مختصر سی فوج بے دست و پا ہو کر رہ گئی اور ایک ایک کر کے سب موت کے گھاٹ اتر گئے۔ حمید ابن قحطبہ نے محمد کے سینہ پر نیزہ مارا اور انہیں شہید کر دیا اور سر کو قطع کر کے منصور کے پاس روانہ کر دیا جو کوفہ میں نصب کیا گیا اور مختلف شہروں میں پھرایا گیا اور لاش کو ان کی ہمشیرہ زینب اور دختر فاطمہ نے مل کر اٹھایا اور جنت البقیع میں دفن کر دیا۔ یہ واقعہ ۱۵ ماہ رمضان روز دوشنبہ ۱۴۵ھ میں پیش آیا۔ اس وقت محمد کی عمر صرف ۴۵ برس کی تھی۔

● ادھر محمد کا تو یہ انجام ہوا، اس طرف انہوں نے اپنے بھائی ابراہیم کو بصرہ روانہ کر دیا تھا تاکہ وہاں کی فضا ہموار کریں اور جب حالات سازگار ہو تو خروج کر دیں۔ ابھی انہوں نے کوئی قدم نہیں اٹھایا تھا کہ محمد اور ان کے تمام ہمراہیوں کے قتل کی خبر آ گئی۔ آپ نے بغیر کسی تاخیر کے کچھ فوج فراہم کی اور یکم شوال ۱۴۵ھ کو خروج کر دیا۔ منصور کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ بہت سٹ پٹایا اور یہ عہد کیا کہ جب تک ابراہیم کو ٹھکانے نہیں لگا لے گا بستر پر آرام نہیں کرے گا اور نہ عیش و تنعم سے کوئی سروکار رکھے گا۔ اگرچہ اس کی فوجیں مختلف محاذوں پر لڑ رہی تھیں اور شام، افریقہ اور خراسان ایسے دور دراز مقامات پر پھیلی ہوئی تھیں۔ پھر بھی اس نے ایک فوج ترتیب دی اور عیسیٰ ابن موسیٰ کی زیر قیادت اسے ابراہیم کے تعاقب میں روانہ کر دیا۔ ابراہیم نے ابھی محاذِ جنگ کیلئے کچھ طے نہ کیا تھا کہ اہل کوفہ کی ایک جماعت ان کے پاس آئی اور ان سے عرض کیا

کہ آپ یہاں سے کوفہ تشریف لے چلئے وہاں ایک لاکھ جانباز آپ کے پرچم کے نیچے جمع ہیں۔

ابراہیم اہلِ بصرہ کے روکنے کے باوجود آمادہ ہو گئے اور اپنی فوج کو یکجا کر کے کوفہ کی طرف چل پڑے۔ ابھی کوفہ تقریباً پچاس میل کے فاصلے پر ہوگا کہ مقام باخمری میں عیسیٰ کے لشکر سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ اب نہ آگے بڑھنے کی کوئی صورت رہی اور نہ پیچھے پلٹنے کی، وہیں پر ٹکراؤ شروع ہوگیا۔ تلواریں بے نیام ہو کر نکل آئیں۔ تیر اندازوں نے کمانیں سیدھی کیں اور دیکھتے ہی دیکھتے جنگ کے شعلے بھڑکنے لگے۔ ابراہیم کی فوج نے اس طرح بڑھ بڑھ کے حملے کئے کہ فوجِ مخالف کے قدم اکھڑ گئے اور وہ میدان چھوڑ کر کوفہ کی حدوں کو چھونے لگے۔ عیسیٰ کے ہمراہ صرف سو آدمی رہ گئے۔ اور قریب تھا کہ فوج کا ایک ریلا انہیں بھی بہالے جائے کہ ابراہیم نے میدان جنگ کی کٹھن اور گرمی و تپش سے گھبرا کر بندِ قبا کھول دیئے اور سینہ کے اوپر سے پیراہن اٹھالیا۔ ایک تیر انداز نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ کے حلق پر ایک ایسا کاری تیر لگایا کہ آپ نے بے دم ہو کر گھوڑے کی گردن میں باہیں ڈال دیں۔ اور جب سنبھالا نہ جاسکا تو زمین پر گر پڑے اور دم توڑ دیا۔

ان کے دم توڑتے ہی جنگ کا پورا نقشہ بدل گیا۔ ہاری ہوئی فوج فاتح بن گئی، مرجھائے ہوئے چہرے شاداب ہو گئے اور شاداب چہرے مرجھا گئے۔ عیسیٰ نے ان کے سر کو قطع کر کے منصور کے پاس روانہ کر دیا۔ اس نے پہلے تو اسے کوفہ میں آویزاں کیا اور پھر ربیع کے ہاتھ ان کے والد عبداللہ المحض کے پاس بھیج دیا۔ جب ربیع ان کا سر لے کر زندان میں داخل ہوا تو دیکھا کہ عبداللہ مصلّائے عبادت پر کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو وہ سر ان کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ نے اپنے فرزند کے سر بریدہ کو سینے سے لگایا اور فرمایا: رَحِمَكَ اللّٰهُ يَا اَبَا الْقَاسِمِ وَ اَهْلًا بِكَ وَ سَهْلًا! لَقَدْ وَفَيْتَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ مِيْثَاقِهٖ: ''اے ابراہیم! اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک مرحبا! بے شک تو نے اللہ تعالیٰ کے عہد و پیمان کو پورا کیا''۔ اس کے بعد ربیع سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ: منصور سے بس اتنا کہنا کہ ہماری مصیبتوں کے دن ختم ہو گئے، تم تھوڑے دن اور عیش و عشرت کی زندگی بسر کر لو اور یاد رکھو کہ تمہیں بھی ایک دن مرنا ہے۔ اب ہماری اور تمہاری ملاقات اللہ تعالیٰ کی معدلت گاہ میں ہوگی اور وہی ہمارا اور تمہارا فیصلہ کرے گا۔

ابراہیم کی شہادت کا واقعہ روز دوشنبہ ماہ ذلحجہ ۱۴۵ھ میں پیش آیا۔ اس وقت آپ کی عمر اڑتالیس برس کی تھی۔

● اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ اقدامات دفاعی حیثیت رکھتے تھے کہ ان کے بغیر جان و مال و ناموس کا تحفظ ممکن ہی نہ تھا، یا جارحانہ حیثیت رکھتے تھے اور مقصد امن عالم کو خاک میں ملا کر ذاتی نفوذ و اقتدار حاصل کرنا تھا یا صحیح اسلامی حکومت کے قیام، حدودِ الٰہیہ کے اجراء اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے سلسلہ میں تھے؟ اور اس صورت میں وہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی اجازت سے تھے یا از خود؟ اگر از خود تھے تو امامؑ ان اقدامات پر خوش تھے یا ناراض؟ کہ انکی اجازت و رضامندی کی صورت میں مذہبی حیثیت سے یہ اقدامات صحیح سمجھے جائیں ورنہ غلط۔ ضرورت ہے کہ واقعات کو عقیدت کے دھندلکوں سے بچا کر ان تمام گوشوں کا ایک اجمالی جائزہ لیا جائے تا کہ ان شخصیتوں کا صحیح مؤقف معلوم ہو سکے۔

جناب زید کے بارے میں لکھا جا چکا ہے کہ وہ امام زین العابدین علیہ السلام کے ایک جلیل القدر فرزند تھے اور اس نسبی رفعت کے ساتھ علم و عمل کی بلندیوں پر بھی فائز تھے۔ لیکن ایک وقت وہ آتا ہے کہ حالات انہیں مجبور کر دیتے ہیں کہ ہشام ابن عبدالملک کے سامنے اس کے عامل خالد ابن عبدالملک کی شکایت پیش کریں۔ مگر نخوتِ شاہی انہیں دربار میں حضوری کی اجازت نہیں دیتی اور پیہم اصرار کے بعد موقع دیا

جاتا ہے تو اس وقت جب دربار حاشیہ نشینوں اور اموی کارندوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا تاکہ نہ انہیں بیٹھنے کو جگہ ملے اور نہ کھڑے ہونے کو۔ اور لونڈی بچہ اور اس قسم کے دوسرے ناشائستہ الفاظ سے ان کی توہین و تذلیل کی جاتی ہے۔ اور پھر شکایت کا ازالہ تو درکنار اس کا سننا بھی گوارا نہیں کیا جاتا اور ذلت کے ساتھ باہر نکال دیا جاتا ہے۔ اس طرزِ عمل نے انہیں مجبور کیا کہ وہ گھر کا گوشہ چھوڑ کر اس توہین اور اموی اقتدار کے ان مظالم کا بدلہ لیں جو ان کے دادا امام حسین علیہ السلام اور ان کے خاندان کے دوسرے افراد پر کئے گئے تھے۔ اور ہرقلی و قیصری نظام کو ختم کر کے اقتدار کو اس کے صحیح مرکز پر قائم کریں۔ اس تحریک کو کامیاب بنانے کیلئے بظاہر اسباب بھی مہیا ہو گئے تھے۔ اس طرح کہ مدائن، بصرہ، واسط، موصل، خراسان، جرجان اور جزیرہ کے باشندوں کے علاوہ صرف کوفہ کے پندرہ ہزار آدمیوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے اپنی مدد کا یقین دلا دیا۔ اب صرف امام علیہ السلام کی اجازت کی ضرورت تھی۔ چنانچہ آپ نے امام علیہ السلام سے خروج کے متعلق استفسار کیا تو حضرتؑ نے فرمایا:

يَا عَمِّ! اِنْ رَّضِيْتَ اَنْ تَكُوْنَ الْمَقْتُوْلَ الْمَصْلُوْبَ بِالْكُنَاسَةِ فَشَاْنَكَ.

اے چچا! اگر آپ اس پر راضی ہیں کہ کناسہ کوفہ میں قتل کئے جائیں اور سولی دیئے جائیں تو پھر جیسے آپ کی مرضی۔

اس سے اگرچہ واضح طور پر اجازت ظاہر نہیں ہوتی مگر رضامندی کا پتہ ضرور چلتا ہے اور اس کے ساتھ انہیں انجام سے بھی مطلع کر دیا ہے اور یہ رضامندی کے منافی نہیں ہے۔ اس رضائے امامؑ کے سلسلہ میں علامہ مامقانی نے تنقیح المقال میں تحریر کیا ہے:

هٰذَا فِيْ زَيْدٍ حَقٌّ دَلَّ عَلَيْهِ الْاِجْمَاعُ مِنْ اَصْحَابِنَا وَ الْاَخْبَارُ الْمُسْتَفِيْضَةُ الَّتِيْ كَادَتْ تَبْلُغُ حَدَّ التَّوَاتُرِ.

یہ رضامندی زید کے بارے میں تو صحیح ہے اور اس کی دلیل ہمارے اصحاب کا اجماع اور وہ احادیث ہیں جو حدِ استفاضہ بلکہ قریب قریب حدِ تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں۔

اور شہید علیہ الرحمہ نے قواعد میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے تحت اس کی تصریح کی ہے کہ جناب زید کا خروج امام علیہ السلام کے اذن سے تھا اور جناب زید کی مصلحت اندیشی تھی کہ انہوں نے اس اذن کو مخفی رکھنے کی کوشش کی تاکہ اس زمانۂ انقلاب و دورِ پرفتن میں امام علیہ السلام کو کوئی گزند نہ پہنچے۔ تو اب کوئی وجہ نہیں کہ جناب زید کے اقدام کو غلط اور جہادِ اسلامی کے حدود سے خارج تصور کیا جائے۔ اب رہے جناب یحییٰ، تو وہ اگرچہ فرقۂ زیدیہ کے نزدیک زیدی المسلک اور بسلسلۂ امامت اپنے پدرِ گرامی کے جانشین تصور کئے جاتے ہیں، اس لئے کہ زیدیہ کے نزدیک امام کیلئے صرف دو باتوں کا ہونا ضروری ہے، ایک یہ کہ فاطمی ہو خواہ امام حسن علیہ السلام کی اولاد میں سے ہو یا امام حسین علیہ السلام کی اولاد میں سے اور دوسرے یہ کہ وہ خروج و معرکہ آرائی کرے اور یہ دونوں باتیں جناب یحییٰ میں جمع تھیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہیں فرقۂ زیدیہ سے کوئی تعلق نہ تھا، بلکہ وہ ائمہ اثنا عشر کی امامت کے قائل تھے۔ چنانچہ کتاب مقتضب الاثر سے صاحب تنقیح المقال نے یہ روایت نقل کی ہے:

عَنْ يَحْيَى بْنِ زَيْدٍ قَالَ: سَئَلْتُ اَبِيْ عَنِ الْاَئِمَّةِ، فَقَالَ: الْاَئِمَّةُ اثْنَا عَشَرَ اَرْبَعَةٌ مِّنَ الْمَاضِيْنَ وَ ثَمَانِيَةٌ مِّنَ الْبَاقِيْنَ، قُلْتُ: فَسَمِّهِمْ يَآ اَبَهْ، فَقَالَ: اَمَّا الْمَاضِيْنَ فَعَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ وَ الْحَسَنُ وَ الْحُسَيْنُ وَ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ، وَ مِنَ الْبَاقِيْنَ اَخِيَ الْبَاقِرُ وَ جَعْفَرٌ

الصَّادِقُ ابْنُهٗ وَ بَعْدَهٗ مُوسَى ابْنُهٗ وَ بَعْدَهٗ عَلِيٌّ ابْنُهٗ وَ بَعْدَهٗ مُحَمَّدٌ ابْنُهٗ وَ بَعْدَهٗ عَلِيٌّ ابْنُهٗ وَ بَعْدَهُ الْحَسَنُ ابْنُهٗ وَ بَعْدَهُ الْمَهْدِيُّ، فَقُلْتُ: يَآ اَبَهْ! اَلَسْتَ مِنْهُمْ؟ قَالَ: لَا، وَ لٰكِنِّيْ مِنَ الْعِتْرَةِ، قُلْتُ: فَمِنْ اَيْنَ عَرَفْتَ اَسَامِيَهُمْ؟ قَالَ: عَهْدٌ مَعْهُوْدٌ عَهِدَهٗ اِلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ.

یحییٰ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد (زید بن علیؑ) سے آئمہ علیہم السلام کے متعلق سوال کیا۔ انہوں نے فرمایا: آئمہؑ بارہ ہیں: چار گزر چکے اور آٹھ باقی ہیں۔ میں نے پوچھا: ان کے نام کیا کیا ہیں؟ فرمایا: جو گزر گئے، وہ علی ابن ابی طالبؑ، حسنؑ، حسین، اور علی ابن الحسین علیہم السلام ہیں اور جو باقی ہیں ان میں سے ایک میرے بھائی محمد باقرؑ ہیں اور ان کے بعد ان کے فرزند جعفر صادق اور ان کے بعد موسیٰ ابن جعفرؑ اور ان کے بعد علی ابن موسیٰؑ اور ان کے بعد محمد ابن علیؑ اور ان کے بعد حسن ابن محمدؑ اور ان کے بعد ان کے فرزند حضرت مہدی علیہ السلام ہیں۔ میں نے کہا: بابا کیا آپ ان میں سے نہیں ہیں؟ فرمایا: میں نہیں ہوں۔ میں نے عرض کیا: یہ نام آپ کو کس ذریعہ سے معلوم ہوئے؟ فرمایا: یہ ایک سلسلہ بسلسلہ عہد کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہم تک پہنچے ہیں۔[1]

اس روایت سے جہاں جناب زید کے عقائد پر روشنی پڑتی ہے وہاں جناب یحییٰ کے متعلق بھی واضح ہو جاتا ہے کہ وہ امامت کے سلسلہ میں کیا عقیدہ رکھتے تھے۔ اس لئے کہ یہ امر نہایت مستبعد ہے کہ وہ ایک روایت اپنے پدر گرامی سے نقل کریں اور بغیر کسی ردّ و قدح کے اسے بیان فرمائیں اور خود اس کے معتقد نہ ہوں، یا جناب زید کے اس اقرار کے باوجود کہ وہ امام نہیں ہیں ان کی امامت کے قائل ہو کر فرقۂ زیدیہ کے ہمنوا ہو جائیں۔

اور ان کے جہاد بالسیف سے ان کے زیدی المسلک ہونے پر استشہاد بھی صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے پدرِ گرامی کے انتقام یا حفظِ جان کیلئے جنگ کی ہو، یا علانیہ فسق و فجور کو پروان چڑھتے اور ظلم و استبداد کو فروغ پاتے دیکھ کر یہ نظریہ قائم کیا ہو کہ یہ تلوار کے ساتھ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا مورد ہے اور اس میں فرقۂ زیدیہ کے معتقدات دخیل نہ ہوں۔ بہر حال ان کے جہاد بالسیف کی نوعیت کے متعلق ایک رائے نہیں قائم کی جا سکتی اور ان کا یہ اقدام کتنے بھی حق بجانب شکایات کا نتیجہ ہو کوئی استنادِ خاص نہیں رکھتا۔ البتہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ان کے حق میں دُعائے خیر کرنا اور یہ فرمانا: رَحِمَ اللّٰهُ ابْنَ عَمِّيْ وَ اَلْحَقَهٗ بِاٰبَآئِهٖ وَ اَجْدَادِهٖ: ''خدا رحمت کرے میرے ابن عم پر اور انہیں ان کے آباؤ اجداد کے ساتھ ساتھ رکھے''، ان کے حسن انجام سے کاشف ہے۔

محمد و ابراہیم کے خروج کا پس منظر یہ ہے کہ جب اموی اقتدار اپنے جبر و تشدد اور ظلم و استبداد کے نتیجہ میں چراغِ سحری کی طرح ٹمٹمانے لگا اور ملک میں بغاوت کے آثار نمودار ہوئے تو محمد ابن عبد اللہ المحض کے ہاتھ پر بیعت کر لی گئی اور یہ امر یقینی تصور کیا جانے لگا کہ بنو امیہ کا تختہ الٹتے ہی اقتدار کی باگ ڈور اولادِ علیؑ کے ہاتھ میں آ جائے گی۔ مگر سیاست نے اپنا کام کیا اور اقتدار اولادِ علیؑ کے بجائے بنی عباس کی طرف منتقل ہو گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان دونوں میں کھٹک گئی۔

---

[1] کفایۃ الاثر ص ۳۰۴۔

سفاح نے اپنی حکمت عملی سے کام لے کر عبداللہ المحض کا منہ اپنی داد و دہش سے بند کر دیا اور شروع شروع میں محمد و ابراہیم کے متعلق کچھ پوچھ گچھ کی، مگر بعد میں بالکل سکوت اختیار کر لیا۔ سفاح کے بعد جب منصور تختِ خلافت پر متمکن ہوا تو اس کے دل میں وہ بیعت کھٹکنے لگی جو اس نے محمد کے ہاتھ پر کی تھی۔ اس نے چاہا کہ جس طرح ہو سکے محمد اور ابراہیم کا خاتمہ کر دے تاکہ یہ خلش مٹ جائے۔ ورنہ منصور کو محمد و ابراہیم کی تلاش و جستجو کی اتنی ضرورت ہی کیا تھی۔ اس کے علاوہ اسے اس خطرہ کا بھی پوری طرح احساس تھا کہ وہ کسی نہ کسی وقت شعلہ جوالہ بن کر بھڑک سکتے ہیں اور پورے ملک میں آگ لگا دے سکتے ہیں۔ اس خدشہ کے پیش نظر اس نے تمام بنی حسنؑ کو گرفتار کر لیا تاکہ ان کے ذریعہ محمد و ابراہیم کا کچھ کھوج نکل سکے، مگر وہ دونوں اس طرح روپوش رہے کہ حکومت ان تک دسترس حاصل نہ کر سکی۔ لیکن وہ کب تک حکومت کے پنجۂ استبداد سے محفوظ اور نظروں سے اوجھل رہ سکتے تھے۔ آخر انہوں نے خروج کا تہیہ کر لیا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام جو روحانی سلطنت کے تاجدار اور علم نبوت کے خزانہ دار تھے، انہوں نے محمد کے والد عبداللہ المحض کو سمجھایا بجھایا اور محمد کو خروج سے منع کیا اور اس کے انجام سے ڈرایا۔ مگر ان کی منچلی طبیعت نہ مانی اور گنتی کے چند آدمیوں کے ساتھ حکومت سے ٹکر لینے پر آمادہ ہو گئے اور نتیجہ وہی ہوا جس کا ذکر حضرت زین العابدین علیہ السلام کے اس ارشاد میں ہے:

وَ اللّٰهِ! لَا يَخْرُجُ مِنَّا وَاحِدٌ قَبْلَ خُرُوْجِ الْقَآئِمِ اِلَّا كَانَ مَثَلُهٗ مَثَلَ فَرْخٍ طَارَ مِنْ وَّ كْرِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّسْتَوِیَ جَنَاحَاهُ فَاَخَذَهُ الصِّبْيَانُ فَعَبِثُوْا بِهٖ.

خدا کی قسم ظہور حضرت قائم سے پہلے ہم میں سے جو خروج کرے گا اس کی مثال اس پرندے کی سی ہے جس کے بال و پر پوری طرح مستحکم نہ ہوئے ہوں اور وہ گھونسلے سے اُڑ کھڑا ہوا اور بچے اسے پکڑ لیں اور جس طرح چاہیں اسے نوچیں گھسیٹیں۔[1]

اس سلسلہ میں جو چیز کھٹکتی ہے وہ یہ کہ یہ اقدام بلاشبہ امام علیہ السلام کی رضامندی کے خلاف تھا اور مختلف موارد پر ان کے حکم سے سرتابی کی گئی، جس کے بعد اس جنگ کی دینی و مذہبی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔ مگر بااین ہمہ بعید نہیں کہ امام علیہ السلام چشم پوشی فرمائیں اور خداوندِ عالم ان کی مظلومیت و بے چارگی کے پیش نظر ان سے درگزر فرمائے۔ ان شہداء پر مختلف شعراء نے مرثیے کہے اور دعبل خزاعی نے اپنے مشہور قصیدۂ تائیہ میں ان کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان میں سے چند شعر یہ ہیں:

اَ فَاطِمُ! قُوْمِیْ یَا ابْنَةَ الْخَیْرِ فَانْدُبِیْ ... نُجُوْمَ سَمٰوٰتٍ بِاَرْضِ فَلَاةٍ

قُبُوْرٌ بِكُوْفَانَ وَ اُخْرٰی بِطَیْبَةَ ... وَ اُخْرٰی بِفَخٍّ نَالَهَا صَلَوَاتِیْ

وَ اُخْرٰی بِاَرْضِ الْجُوْزُجَانِ مَحَلُّهَا ... وَ قَبْرٌ بِبَاخَمْرٰی لَدَی الْغُرُبَاتِ

سَاَبْكِیْهِمْ مَا حَجَّ لِلّٰهِ رَاكِبٌ ... وَ مَا نَاحَ قُمْرِیٌّ عَلَی الشَّجَرَاتِ

اے فاطمہؑ! اے پیغمبرؐ کی برگزیدہ بیٹی! اٹھئے اور بیابان میں بکھرے ہوئے آسمان کے تاروں کی صفِ ماتم بچھائیے۔

کچھ قبریں کوفہ میں ہیں، کچھ مدینہ میں اور کچھ مکہ کے نزدیک مقام فخ میں۔ ان قبروں پر میرا سلام ہو۔

---

[1] الکافی، ۸، ص ۲۶۴۔

اور کچھ سرزمین جوزجان میں واقع ہیں اور کچھ غربات کے پاس مقام باخمری میں۔
میرے آنسوؤں کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہیگا جب تک حاجی حج کیلئے سفر کرتے رہینگے اور قمریاں درختوں پر نوحہ خوانی کرتی رہیں گی۔[1]

۳ آیتِ قرآنی میں شجرۂ ملعونہ سے مراد بنی امیہ ہیں۔ صادقِ آلِ محمد علیہم السلام کی روایت کے علاوہ متعدد مفسرین نے اس کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ امام فخرالدین رازی نے تحریر کیا ہے:

عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ: اِنَّ الشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ هِيَ بَنُوْ اُمَيَّةَ.
حضرت ابن عباسؓ سے وارد ہوا ہے کہ قرآن مجید میں شجرۂ ملعونہ سے مراد بنی امیہ ہیں۔ (تفسیر کبیر، جلد ۵ صفحہ ۴۰۹)
اور اس کی تائید میں حضرت عائشہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے مروان سے خطاب کر کے فرمایا:

لَعَنَ اللّٰهُ اَبَاكَ وَ اَنْتَ فِيْ صُلْبِهٖ فَاَنْتَ بَعْضُ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ.
خدا نے تیرے باپ حکم پر لعنت کی جبکہ تو بھی اس کی صلب میں تھا، لہٰذا تو بھی وہ ہے جس پر اللہ نے لعنت کی ہے۔[2]

اسی طرح تفسیر ابن جریر، تفسیر درمنثور، شرح ابن ابی الحدید، تاریخ خطیب بغدادی وغیرہ میں ذکر ہے۔ اور یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اس شجر کے زیرِ سایہ نفسانیت وخواہش پرستی نے منزل کی، اس کی شاخوں میں فسق و بدکرداری نے اپنا آشیانہ بنایا اور اس کے مسموم پھلوں نے اسلام کے کام و دہن کو تلخ کر دیا۔ اس دور نے اخلاقی اقدار یکسر ختم کر دیئے، حق طلبی کو جرم قرار دے کر آزادیٔ رائے کو سلب کر لیا اور اپنے اقتدار کے تحفظ کیلئے اہلبیتِ رسولؐ اور ان کے دوستوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا اور امت کیلئے بلائے جان بن گئے۔

چنانچہ امیرالمومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے:

لِكُلِّ اُمَّةٍ اٰفَةٌ وَّ اٰفَةُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ بَنُوْ اُمَيَّةَ.
ہر امت کیلئے ایک آفت ہوتی ہے اور اس امت کیلئے بنوامیہ آفت ہیں۔ (کنزالعمال، حدیث ۳۱۷۵۵)

چنانچہ سینکڑوں نہیں ہزاروں اسلام کی قیمتی شخصیتیں ان کی تیغ ظلم کی نذر ہوئیں، بے شمار شہیدوں کی مقدس لاشیں آگ میں جلائی اور دورِ جاہلیت کی رسمیں پھر سے زندہ کر دی گئیں۔ آخر اس ظلم وسفاکی کے نتیجہ میں اس مشئوم دور پر زوال آیا اور تراسی (۸۳) سال چار مہینے جو ہزار مہینوں کے برابر ہوتے ہیں، حکومت کرنے کے بعد صفحۂ عالم سے حرفِ غلط کی طرح مٹ گئے۔

☆☆☆☆☆

---

[1] روضۃ الواعظین، ج ۱ ص ۲۲۱۔
[2] تفسیر کبیر، ج ۲۰ ص ۳۶۱۔

(۱) وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

اِذَا ابْتَدَاَ بِالدُّعَآءِ بَدَاَ بِالتَّحْمِيْدِ لِلّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ وَ الثَّنَآءِ عَلَيْهِ، فَقَالَ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْاَوَّلِ بِلَاۤ اَوَّلٍ كَانَ قَبْلَهٗ، وَ الْاٰخِرِ بِلَاۤ اٰخِرٍ يَّكُوْنُ بَعْدَهٗ، الَّذِیْ قَصُرَتْ عَنْ رُّؤْيَتِهٖۤ اَبْصَارُ النَّاظِرِيْنَ، وَ عَجَزَتْ عَنْ نَّعْتِهٖۤ اَوْهَامُ الْوَاصِفِيْنَ.

اِبْتَدَعَ بِقُدْرَتِهِ الْخَلْقَ ابْتِدَاعًا، وَ اخْتَرَعَهُمْ عَلٰى مَشِيَّتِهٖ اخْتِرَاعًا. ثُمَّ سَلَكَ بِهِمْ طَرِيْقَ اِرَادَتِهٖ، وَ بَعَثَهُمْ فِیْ سَبِيْلِ مَحَبَّتِهٖ، لَا يَمْلِكُوْنَ تَاْخِيْرًا عَمَّا قَدَّمَهُمْ اِلَيْهِ، وَ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَقَدُّمًا اِلٰى مَاۤ اَخَّرَهُمْ عَنْهُ.

وَ جَعَلَ لِكُلِّ رُوْحٍ مِّنْهُمْ قُوْتًا مَّعْلُوْمًا مَّقْسُوْمًا مِّنْ رِّزْقِهٖ، لَا يَنْقُصُ مَنْ زَادَهٗ نَاقِصٌ، وَ لَا يَزِيْدُ مَنْ نَّقَصَ مِنْهُمْ زَآئِدٌ.

ثُمَّ ضَرَبَ لَهٗ فِی الْحَيٰوةِ اَجَلًا مَّوْقُوْتًا، وَ نَصَبَ لَهٗ اَمَدًا مَّحْدُوْدًا، يَتَخَطَّاُ اِلَيْهِ بِاَيَّامِ عُمُرِهٖ، وَ يَرْهَقُهٗ بِاَعْوَامِ دَهْرِهٖ، حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَقْصٰى اَثَرِهٖ، وَ اسْتَوْعَبَ حِسَابَ عُمُرِهٖ، قَبَضَهٗ اِلٰى مَا نَدَبَهٗ اِلَيْهِ

دُعا (۱)

جب آپؑ دُعا مانگتے تو اس کی ابتدا خدائے بزرگ و برتر کی حمدوستائش سے فرماتے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں فرمایا:

سب تعریف اس اللہ کیلئے ہے جو ایسا اوّل ہے، جس کے پہلے کوئی اوّل نہ تھا اور ایسا آخر ہے جس کے بعد کوئی آخر نہ ہوگا۔ وہ خدا جس کے دیکھنے سے دیکھنے والوں کی آنکھیں عاجز اور جس کی توصیف وثنا سے وصف بیان کرنے والوں کی عقلیں قاصر ہیں۔

اس نے کائنات کو اپنی قدرت سے پیدا کیا اور اپنے منشائے ازلی سے جیسا چاہا انہیں ایجاد کیا۔ پھر انہیں اپنے ارادہ کے راستہ پر چلایا اور اپنی محبت کی راہ پر ابھارا۔ جن حدود کی طرف انہیں آگے بڑھایا ہے، ان سے پیچھے رہنا اور جن سے پیچھے رکھا ہے ان سے آگے بڑھنا ان کے قبضہ و اختیار سے باہر ہے۔

اسی نے ہر (ذی) روح کیلئے اپنے (پیدا کردہ) رزق میں سے معین ومعلوم روزی مقرر کردی ہے۔ جسے زیادہ دیا ہے، اسے کوئی گھٹانے والا گھٹا نہیں سکتا اور جسے کم دیا ہے، اسے کوئی بڑھانے والا بڑھا نہیں سکتا۔

پھر یہ کہ اسی نے اس کی زندگی کا ایک وقت مقرر کر دیا اور ایک معینہ مدت اس کیلئے ٹھہرا دی۔ جس مدت کی طرف وہ اپنی زندگی کے دنوں سے بڑھتا اور اپنے زمانۂ زیست کے سالوں سے اس کے نزدیک ہوتا ہے، یہاں تک کہ جب زندگی کی انتہا کو پہنچ جاتا ہے اور اپنی عمر کا حساب پورا کر لیتا ہے تو اللہ اسے اپنے ثواب بے

مِنْ مَّوْفُوْرِ ثَوَابِهٖ، اَوْ مَحْذُوْرِ عِقَابِهٖ، ﴿لِيَجْزِىَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَ يَجْزِىَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى﴾، عَدْلًا مِّنْهُ، تَقَدَّسَتْ اَسْمَآئُهٗ وَ تَظَاهَرَتْ اٰلَآئُهٗ ﴿لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ﴾.

پایاں تک جس کی طرف اسے بلایا تھا یا خوفناک عذاب کی جانب جسے بیان کر دیا تھا، قبض روح کے بعد پہنچا دیتا ہے، تا کہ اپنے عدل کی بنا پر بُروں کو ان کی بداعمالیوں کی سزا اور نیکوکاروں کو اچھا بدلہ دے۔ اس کے نام پاکیزہ اور اس کی نعمتوں کا سلسلہ لگاتار ہے۔ وہ جو کرتا ہے اس کی پوچھ گچھ اس سے نہیں ہو سکتی اور لوگوں سے بہرحال باز پرس ہو گی۔

وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ لَوْ حَبَسَ عَنْ عِبَادِهٖ مَعْرِفَةَ حَمْدِهٖ عَلٰى مَآ اَبْلَاهُمْ مِنْ مِّنَنِهِ الْمُتَتَابِعَةِ، وَ اَسْبَغَ عَلَيْهِمْ مِنْ نِّعَمِهِ الْمُتَظَاهِرَةِ، لَتَصَرَّفُوْا فِىْ مِنَنِهٖ فَلَمْ يَحْمَدُوْهُ، وَ تَوَسَّعُوْا فِىْ رِزْقِهٖ فَلَمْ يَشْكُرُوْهُ. وَ لَوْ كَانُوْا كَذٰلِكَ لَخَرَجُوْا مِنْ حُدُوْدِ الْاِنْسَانِيَّةِ اِلٰى حَدِّ الْبَهِيْمِيَّةِ، فَكَانُوْا كَمَا وَصَفَ فِىْ مُحْكَمِ كِتَابِهٖ: ﴿اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا﴾.

تمام تعریف اس اللہ کیلئے ہے کہ اگر وہ اپنے بندوں کو حمد و شکر کی معرفت سے محروم رکھتا، ان پیہم عطیوں پر جو اس نے دیئے ہیں اور ان پے در پے نعمتوں پر جو اس نے فراوانی سے بخشی ہیں، تو وہ اس کی نعمتوں میں تصرف تو کرتے مگر اس کی حمد نہ کرتے، اور اس کے رزق میں فارغ البالی سے بسر تو کرتے مگر اُس کا شکر بجا نہ لاتے، اور ایسے ہوتے تو انسانیت کی حدوں سے نکل کر چوپائیوں کی حد میں آ جاتے اور اس توصیف کے مصداق ہوتے جو اس نے اپنی محکم کتاب میں کی ہے کہ: "وہ تو بس چوپائیوں کے مانند ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ راہِ راست سے بھٹکے ہوئے"۔

وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى مَا عَرَّفَنَا مِنْ نَّفْسِهٖ، وَ اَلْهَمَنَا مِنْ شُكْرِهٖ، وَ فَتَحَ لَنَا مِنْ اَبْوَابِ الْعِلْمِ بِرُبُوْبِيَّتِهٖ، وَ دَلَّنَا عَلَيْهِ مِنَ الْاِخْلَاصِ لَهٗ فِىْ تَوْحِيْدِهٖ، وَ جَنَّبَنَا مِنَ الْاِلْحَادِ وَ الشَّكِّ فِىْ اَمْرِهٖ.

تمام تعریف اللہ کیلئے ہے کہ اس نے اپنی ذات کو ہمیں پہچنوایا اور حمد و شکر کا طریقہ سمجھایا اور اپنی پروردگاری پر علم و اطلاع کے دروازے ہمارے لئے کھول دیئے اور توحید میں تنزیہ و اخلاص کی طرف ہماری رہنمائی کی اور اپنے معاملہ میں شرک و کجروی سے ہمیں بچایا۔

حَمْدًا نُّعَمَّرُ بِهٖ فِيْمَنْ حَمِدَهٗ مِنْ

ایسی حمد جس کے ذریعہ ہم اس کی مخلوقات میں سے حمد گزاروں

خَلْقِهٖ، وَ نَسْبِقُ بِهٖ مَنْ سَبَقَ اِلٰى رِضَاهُ وَ عَفْوِهٖ.

حَمْدًا يُّضِيْءُ لَنَا بِهٖ ظُلُمٰتِ الْبَرْزَخِ، وَ يُسَهِّلُ عَلَيْنَا بِهٖ سَبِيْلَ الْمَبْعَثِ، وَ يُشَرِّفُ بِهٖ مَنَازِلَنَا عِنْدَ مَوَاقِفِ الْاَشْهَادِ، يَوْمَ تُجْزٰى ﴿كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۝﴾، ﴿يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ۝ۙ﴾.

حَمْدًا يَّرْتَفِعُ مِنَّاۤ اِلٰۤى اَعْلٰى عِلِّيِّيْنَ فِيْ كِتَابٍ مَّرْقُوْمٍ ﴿يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ۝ؕ﴾.

حَمْدًا تَقَرُّ بِهٖ عُيُوْنُنَاۤ اِذَا بَرِقَتِ الْاَبْصَارُ، وَ تَبْيَضُّ بِهٖ وُجُوْهُنَاۤ اِذَا اسْوَدَّتِ الْاَبْشَارُ.

حَمْدًا نُّعْتَقُ بِهٖ مِنْ اَلِيْمِ نَارِ اللّٰهِ اِلٰى كَرِيْمِ جِوَارِ اللّٰهِ.

حَمْدًا نُّزَاحِمُ بِهٖ مَلٰٓئِكَتَهُ الْمُقَرَّبِيْنَ، وَ نُضَامُّ بِهٖ اَنْۢبِيَآئَهُ الْمُرْسَلِيْنَ، فِيْ دَارِ الْمُقَامَةِ الَّتِيْ لَا تَزُوْلُ، وَ مَحَلِّ كَرَامَتِهِ الَّتِيْ لَا تَحُوْلُ.

وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اخْتَارَ لَنَا مَحَاسِنَ الْخَلْقِ، وَ اَجْرٰى عَلَيْنَا

میں زندگی بسر کریں اور اس کی خوشنودی و بخشش کی طرف بڑھنے والوں سے سبقت لے جائیں۔

ایسی حمد جس کی بدولت ہمارے لئے برزخ کی تاریکیاں چھٹ جائیں اور جو ہمارے لئے قیامت کی راہوں کو آسان کر دے اور حشر کے مجمع عام میں ہماری قدر و منزلت کو بلند کر دے، جس دن ہر ایک کو اُس کے کئے کا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر کسی طرح کا ظلم نہ ہوگا۔ جس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔

ایسی حمد جو ایک لکھی ہوئی کتاب میں ہے جس کی مقرب فرشتے نگہداشت کرتے ہیں، ہماری طرف سے بہشت بریں کے بلند ترین درجات تک بلند ہو۔

ایسی حمد جس سے ہماری آنکھوں میں ٹھنڈک آئے جبکہ تمام آنکھیں حیرت و دہشت سے پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی اور ہمارے چہرے روشن و درخشاں ہوں جبکہ تمام چہرے سیاہ ہوں گے۔

ایسی حمد جس کے ذریعہ ہم اللہ تعالیٰ کی بھڑکائی ہوئی اذیت دہ آگ سے آزادی پا کر اس کے جوارِ رحمت میں آ جائیں۔

ایسی حمد جس کے ذریعہ ہم اس کے مقرب فرشتوں کے ساتھ شانہ بشانہ بڑھتے ہوئے ٹکرائیں اور اس منزلِ جاوید و مقامِ عزت و رفعت میں جسے تغیر و زوال نہیں، اس کے فرستادہ پیغمبروں کے ساتھ یکجا ہوں۔

تمام تعریف اس اللہ کیلئے ہے جس نے خلقت و آفرینش کی تمام خوبیاں ہمارے لئے منتخب کیں اور پاک و پاکیزہ رزق کا

طَيِّبَاتِ الرِّزْقِ، وَ جَعَلَ لَنَا الْفَضِيْلَةَ بِالْمَلَكَةِ عَلٰى جَمِيْعِ الْخَلْقِ، فَكُلُّ خَلِيْقَتِهٖ مُنْقَادَةٌ لَّنَا بِقُدْرَتِهٖ، وَ صَآئِرَةٌ اِلٰى طَاعَتِنَا بِعِزَّتِهٖ.

سلسلہ ہمارے لئے جاری کیا اور ہمیں غلبہ وتسلط دے کر تمام مخلوقات پر برتری عطا کی۔ چنانچہ تمام کائنات اس کی قدرت سے ہمارے زیرِ فرمان اور اس کی قوت و سربلندی کی بدولت ہماری اطاعت پر آمادہ ہے۔

وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَغْلَقَ عَنَّا بَابَ الْحَاجَةِ اِلَّآ اِلَيْهِ، فَكَيْفَ نُطِيْقُ حَمْدَهٗ؟ اَمْ مَتٰى نُؤَدِّيْ شُكْرَهٗ! لَا، مَتٰى.

تمام تعریف اس اللہ تعالیٰ کیلئے ہے جس نے اپنے سوا طلب و حاجت کا ہر دروازہ ہمارے لئے بند کر دیا تو ہم (اس حاجت واحتیاج کے ہوتے ہوئے) کیسے اس کی حمد سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں؟ اور کب اس کا شکر ادا کر سکتے ہیں؟ نہیں! کسی وقت بھی اس کا شکر ادا نہیں ہو سکتا۔

وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ رَكَّبَ فِيْنَا اٰلَاتِ الْبَسْطِ، وَ جَعَلَ لَنَآ اَدَوَاتِ الْقَبْضِ، وَ مَتَّعَنَا بِاَرْوَاحِ الْحَيٰوةِ، وَ اَثْبَتَ فِيْنَا جَوَارِحَ الْاَعْمَالِ، وَ غَذَّانَا بِطَيِّبَاتِ الرِّزْقِ، وَ اَغْنَانَا بِفَضْلِهٖ، وَ اَقْنَانَا بِمَنِّهٖ.

تمام تعریف اس اللہ کیلئے ہے، جس نے ہمارے (جسموں میں) پھیلنے والے اعصاب اور سمٹنے والے عضلات ترتیب دیئے اور زندگی کی آسائشوں سے بہرہ مند کیا اور کار وکسب کے اعضاء ہمارے اندر ودیعت فرمائے اور پاک و پاکیزہ روزی سے ہماری پرورش کی اور اپنے فضل و کرم کے ذریعہ ہمیں بے نیاز کر دیا اور اپنے لطف و احسان سے ہمیں (نعمتوں کا) سرمایہ بخشا۔

ثُمَّ اَمَرَنَا لِيَخْتَبِرَ طَاعَتَنَا، وَ نَهَانَا لِيَبْتَلِيَ شُكْرَنَا، فَخَالَفْنَا عَنْ طَرِيْقِ اَمْرِهٖ، وَ رَكِبْنَا مُتُوْنَ زَجْرِهٖ، فَلَمْ يَبْتَدِرْنَا بِعُقُوْبَتِهٖ، وَ لَمْ يُعَاجِلْنَا بِنِقْمَتِهٖ، بَلْ تَاَنَّانَا بِرَحْمَتِهٖ تَكَرُّمًا، وَ انْتَظَرَ مُرَاجَعَتَنَا بِرَاْفَتِهٖ حِلْمًا.

پھر اس نے اپنے اوامر کی پیروی کا حکم دیا تا کہ فرمانبرداری میں ہم کو آزمائے اور نواہی کے ارتکاب سے منع کیا تا کہ ہمارے شکر کو جانچے۔ مگر ہم نے اس کے حکم کی راہ سے انحراف کیا اور نواہی کے مرکب پر سوار ہو لئے۔ پھر بھی اس نے عذاب میں جلدی نہیں کی اور سزا دینے میں تعجیل سے کام نہیں لیا، بلکہ اپنے کرم و رحمت سے ہمارے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا اور حلم و رافت سے ہمارے باز آ جانے کا منتظر رہا۔

وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ دَلَّنَا عَلَی التَّوْبَةِ الَّتِیْ لَمْ نُفِدْهَاۤ اِلَّا مِنْ فَضْلِهٖ، فَلَوْ لَمْ نَعْتَدِدْ مِنْ فَضْلِهٖ اِلَّا بِهَا، لَقَدْ حَسُنَ بَلَآئُهٗ عِنْدَنَا، وَ جَلَّ اِحْسَانُهٗۤ اِلَیْنَا، وَ جَسُمَ فَضْلُهٗ عَلَیْنَا، فَمَا هٰكَذَا كَانَتْ سُنَّتُهٗ فِی التَّوْبَةِ لِمَنْ كَانَ قَبْلَنَا، لَقَدْ وَضَعَ عَنَّا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ، وَ لَمْ یُكَلِّفْنَاۤ اِلَّا وُسْعًا، وَ لَمْ یُجَشِّمْنَاۤ اِلَّا یُسْرًا، وَ لَمْ یَدَعْ لِاَحَدٍ مِّنَّا حُجَّةً وَّ لَا عُذْرًا، فَالْهَالِكُ مِنَّا مَنْ هَلَكَ عَلَیْهِ، وَ السَّعِیْدُ مِنَّا مَنْ رَّغِبَ اِلَیْهِ.

تمام تعریف اس اللہ کیلئے ہے جس نے ہمیں توبہ کی راہ بتائی کہ جسے ہم نے صرف اس کے فضل و کرم کی بدولت حاصل کیا ہے۔ تو اگر ہم اس کی بخششوں میں سے اس توبہ کے سوا اور کوئی نعمت شمار میں نہ لائیں تو یہی توبہ ہمارے حق میں اس کا عمدہ انعام، بڑا احسان اور عظیم فضل ہے۔ اس لئے کہ ہم سے پہلے لوگوں کیلئے توبہ کے بارے میں اس کا یہ رویہ نہ تھا۔ اس نے تو جس چیز کے برداشت کرنے کی ہمیں طاقت نہیں ہے، وہ ہم سے ہٹا لی اور ہماری طاقت سے بڑھ کر ہم پر ذمہ داری عائد نہیں کی اور صرف سہل و آسان چیزوں کی ہمیں تکلیف دی ہے اور ہم میں سے کسی ایک کیلئے حیل و حجت کی گنجائش نہیں رہنے دی۔ لہٰذا وہی تباہ ہونے والا ہے جو اس کی منشاء کے خلاف اپنی تباہی کا سامان کرے، اور وہی خوش نصیب ہے جو اس کی طرف توجہ و رغبت کرے۔

وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ بِكُلِّ مَا حَمِدَهٗ بِهٖ اَدْنٰی مَلٰٓئِكَتِهٖ اِلَیْهِ، وَ اَكْرَمُ خَلِیْقَتِهٖ عَلَیْهِ، وَ اَرْضٰی حَامِدِیْهِ لَدَیْهِ، حَمْدًا یَّفْضُلُ سَآئِرَ الْحَمْدِ كَفَضْلِ رَبِّنَا عَلٰی جَمِیْعِ خَلْقِهٖ.

اللہ کیلئے حمد و ستائش ہے، ہر وہ حمد جو اس کے مقرب فرشتے، بزرگ ترین مخلوقات اور پسندیدہ حمد کرنے والے بجالاتے ہیں۔ ایسی ستائش جو دوسری ستائشوں سے بڑھی چڑھی ہوئی ہو، جس طرح ہمارا پروردگار تمام مخلوقات سے بڑھا ہوا ہے۔

ثُمَّ لَهُ الْحَمْدُ مَكَانَ كُلِّ نِعْمَةٍ لَّهٗ عَلَیْنَا، وَ عَلٰی جَمِیْعِ عِبَادِهِ الْمَاضِیْنَ وَ الْبَاقِیْنَ، عَدَدَ مَاۤ اَحَاطَ بِهٖ عِلْمُهٗ مِنْ جَمِیْعِ الْاَشْیَآءِ، وَ مَكَانَ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِّنْهَا، عَدَدُهَاۤ اَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً اَبَدًا سَرْمَدًا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ.

پھر اسی کیلئے حمد و ثنا ہے، اس کی ہر ہر نعمت کے بدلے میں جو اس نے ہمیں اور تمام گزشتہ و باقی ماندہ بندوں کو بخشی ہے، ان تمام چیزوں کے شمار کے برابر جن پر اس کا علم حاوی ہے اور ہر نعمت کے مقابلہ میں دوگنی چوگنی جو قیامت کے دن تک دائمی و ابدی ہو۔

حَمْدًا لَّا مُنْتَهٰى لِحَدِّهٖ، وَ لَا حِسَابَ لِعَدَدِهٖ، وَ لَا مَبْلَغَ لِغَايَتِهٖ، وَ لَا انْقِطَاعَ لِاَمَدِهٖ،

ایسی حمد جس کا کوئی آخری کنار اور جس کی گنتی کا کوئی شمار نہ ہو۔جس کی حد ونہایت دسترس سے باہر اور جس کی مدت غیر مختتم ہو۔

حَمْدًا يَّكُوْنُ وُصْلَةً اِلٰى طَاعَتِهٖ وَ عَفْوِهٖ، وَ سَبَبًا اِلٰى رِضْوَانِهٖ، وَ ذَرِيْعَةً اِلٰى مَغْفِرَتِهٖ، وَ طَرِيْقًا اِلٰى جَنَّتِهٖ، وَ خَفِيْرًا مِّنْ نَّقِمَتِهٖ، وَ اَمْنًا مِّنْ غَضَبِهٖ، وَ ظَهِيْرًا عَلٰى طَاعَتِهٖ، وَ حَاجِزًا عَنْ مَّعْصِيَتِهٖ، وَ عَوْنًا عَلٰى تَاْدِيَةِ حَقِّهٖ وَ وَظَآئِفِهٖ.

ایسی حمد جو اس کی اطاعت و بخشش کا وسیلہ، اس کی رضا مندی کا سبب، اس کی مغفرت کا ذریعہ، جنت کا راستہ، اس کے عذاب سے پناہ، اس کے غضب سے امان، اس کی اطاعت میں مُعین، اس کی معصیت سے مانع اور اس کے حقوق و واجبات کی ادائیگی میں مددگار رہو۔

حَمْدًا نَّسْعَدُ بِهٖ فِى السُّعَدَآءِ مِنْ اَوْلِيَآئِهٖ، وَ نَصِيْرُ بِهٖ فِىْ نَظْمِ الشُّهَدَآءِ بِسُيُوْفِ اَعْدَآئِهٖ، اِنَّهٗ وَلِىٌّ حَمِيْدٌ.

ایسی حمد جس کے ذریعہ ہم اس کے خوش نصیب دوستوں میں شامل ہو کر خوش نصیب قرار پائیں اور ان شہیدوں کے زمرہ میں شمار ہوں جو اس کے دشمنوں کی تلواروں سے شہید ہوئے۔ بیشک وہی مالک ومختار اور قابلِ ستائش ہے۔

--☆☆--

یہ کلمات دعا کا افتتاحیہ ہیں جو ستائش الٰہی پر مشتمل ہیں۔حمد وستائش، اللہ تعالیٰ کے کرم و فیضان اور بخشش و احسان کے اعتراف کا ایک مظاہرہ ہے اور دعا سے قبل اس کے جود و کرم کی فراوانیوں اور احسان فرمائیوں سے جو تاثر دل و دماغ پر طاری ہوتا ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ زبان سے اُس کی حمد وستائش کے نغمے اُبل پڑیں جس نے ایک طرف ﴿وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ﴾[1]: ''اللہ سے اُس کے فضل کا سوال کرو'' کہہ کر طلب وسوال کا دروازہ کھول دیا اور دوسری طرف ﴿اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾[2]: ''مجھ سے دُعا کرو میں قبول کروں گا'' فرما کر استجابتِ دعا کا ذمہ لیا۔

اس تحمید میں خداوند عالم کی وحدت و یکتائی، جلال و عظمت، عدل و رأفت اور دوسرے صفات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ چنانچہ سرنامہ دعا میں خلاق عالم کی تین اہم صفتوں کی طرف اشارہ کیا ہے جن میں تنزیہ وتقدیس کے تمام جوہر سمٹ کر جمع ہو گئے ہیں۔

- پہلی صفت یہ کہ وہ اوّل بھی ہے اور آخر بھی۔لیکن ایسا اوّل و آخر کہ نہ اس سے پہلے کوئی تھا اور نہ اس کے بعد کوئی ہوگا۔اسے اوّل و آخر کہنے کے

[1] سورۂ نساء، آیت ۳۲۔

[2] سورۂ مومن (غافر)، آیت ۶۰۔

ساتھ دوسروں سے اوّلیت وآخریت کے سلب کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اس کی اوّلیت وآخریت اضافی نہیں بلکہ حقیقی ہے۔یعنی وہ ازلی وابدی ہے جس کانہ کوئی نقطۂ آغاز ہے اور نہ نقطۂ اختتام۔نہ اس کی ابتدا کاتصور ہوسکتا ہے اور نہ اس کی انتہاء کا۔نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ کب سے ہے،اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ کب تک ہے۔اور جو''کب سے''اور''کب تک'' کے حدود سے بالاتر ہو اس کے لئے ایک لمحہ بھی ایسا فرض نہیں کیا جاسکتا جس میں وہ نیستی سے ہمکنار رہا ہو اور جس کے لئے عدم ونیستی کو تجویز نہ کیا جاسکے وہ ہے''واجب الوجود''جو مبدأ اوّل ہونے کے لحاظ سے اوّل اور غایت آخر ہونے کے لحاظ سے آخر ہوگا۔

● دوسری صفت یہ ہے کہ وہ آنکھوں سے دکھائی نہیں دے سکتا کیونکہ کسی چیز کے دکھائی دینے کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی طرف میں واقع ہو۔اور جب اللہ کسی طرف میں واقع ہوگا تو دوسری طرفیں اس سے خالی ماننا پڑیں گی۔اور ایسا عقیدہ کیونکر درست تسلیم کیا جاسکتا ہے جس کے نتیجہ میں بعض جہات کو اس سے خالی ماننا پڑے۔اور دوسرے یہ کہ اگر وہ کسی طرف میں واقع ہوگا تو اس طرف کا محتاج ہوگا۔اور چونکہ وہ خالق اطراف ہے اس لئے کسی طرف کا محتاج نہیں ہوسکتا ورنہ اس کا خالق نہ رہے گا۔اور تیسرے یہ کہ جہت میں وہی چیز واقع ہوسکتی ہے جس پر حرکت وسکون طاری ہوسکتا ہو اور حرکت وسکون چونکہ ممکن کی صفات ہیں اس لئے اللہ کے لئے انہیں تجویز نہیں کیا جاسکتا۔اور جب وہ حرکت وسکون سے بری اور عرض وجوہر جسمانی کی سطح سے بلندتر ہے تو اس کے دکھائی دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مگر اس کے باوجود ایک جماعت اس کی رویت کی قائل ہے۔یہ جماعت تین مختلف قسم کے عقائد کے لوگوں پر مشتمل ہے:

ان میں سے کچھ کا عقیدہ یہ ہے کہ اس کی رویت صرف آخرت میں ہوگی،دنیا میں رہتے ہوئے اُسے دیکھا نہیں جاسکتا۔

اور کچھ افراد کا نظریہ یہ ہے کہ وہ آخرت کی طرح دنیا میں بھی نظر آسکتا ہے اگرچہ ایسا کبھی ہوا نہیں۔

اور کچھ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ جس طرح آخرت میں اس کی رویت ہوگی اسی طرح دُنیا میں بھی دیکھا جاچکا ہے۔

پہلے گروہ کی دلیل یہ ہے کہ رویت کا قرآن وحدیث میں صراحۃً ذکر ہے جس کے بعد انکار کا کوئی محل باقی نہیں رہتا۔چنانچہ ارشاد باری ہے:﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَىٕذٍ نَّاضِرَةٌ۝۲۲ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ۝۲۳﴾[۱]:''اس دن بہت سے چہرے تر وتازہ وشاداب اور اپنے پروردگار کی طرف نگران ہوں گے''۔اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ قیامت میں نظر آئے گا۔اور دُنیا میں اس لئے نظر نہیں آسکتا کہ یہاں ہمارے ادراکات وقویٰ کمزور ہیں جو تجلّی الٰہی کی تاب نہیں رکھتے۔اور آخرت میں ہمارے حس وشعور کی قوتیں تیز ہوجائیں گی جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:﴿فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ۝۲۲﴾[۲]:''ہم نے تمہارے سامنے سے پردے ہٹا دیئے اب تمہاری آنکھیں تیز ہوگئیں''۔لہٰذا وہاں پر رویت سے کوئی امر مانع نہیں ہوسکتا۔

دوسرے گروہ کی دلیل یہ ہے کہ اگر دُنیا میں اس کی رویت ممکن نہ ہوتی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ﴿رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَیْكَ ؕ﴾[۳]:اے

---

[۱] سورۂ قیامت،آیت ۲۲۔

[۲] سورۂ ق،آیت ۲۲۔

[۳] سورۂ اعراف،آیت ۱۴۳۔

میرے پروردگار! مجھے اپنی جھلک دکھا تا کہ میں تجھے دیکھوں'' کہہ کر ایک انہونی اور ناممکن بات کی خواہش نہ کرتے: اور اللہ تعالیٰ نے بھی اُسے استقرارِ جبل پر موقوف کر کے امکانِ رویت کی طرف اشارہ کر دیا۔ اس طرح اگر رویت ممکن نہ ہوتی، تو اُسے پہاڑ کے ٹھہراؤ پر کہ جو ایک امرِ ممکن ہے موقوف نہ کرتا۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے: ﴿وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ﴾: ''اس پہاڑ کی طرف دیکھو، اگر یہ اپنی جگہ پر ٹھہرا رہے تو پھر مجھے بھی دیکھ لو گے''۔ اور اگر اس سلسلہ میں ﴿لَنْ تَرٰىنِیْ﴾: ''تم مجھے قطعاً نہیں دیکھ سکتے'' فرمایا تو اس سے صرف دُنیا میں وقوعِ رویت کی نفی مراد ہے نہ امکانِ رویت کی اور نہ اس سے رویتِ آخرت کی نفی مقصود ہے۔ کیونکہ جب یہ کہا جائے کہ ایسا کبھی نہیں ہوگا، تو عرف میں اس کے معنی یہی ہوتے ہیں کہ دُنیا میں ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ یہ مقصد نہیں ہوتا کہ آخرت میں بھی ایسا نہیں ہوگا۔ چنانچہ قرآن مجید میں یہود کے متعلق ارشاد ہے کہ: ﴿وَلَنْ یَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا﴾[1]: ''وہ موت کی کبھی تمنا نہیں کریں گے'' تو یہ تمنا کی نفی دُنیا کیلئے ہے کہ وہ دُنیا میں رہتے ہوئے موت کے خواہشمند کبھی نہیں ہوں گے اور آخرت میں تو وہ عذابِ جہنّم سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے بہرحال موت کی تمنا و آرزو کریں گے۔ تو جس طرح یہاں پر نفی کا تعلّق صرف دُنیا سے ہے اسی طرح وہاں بھی نفی کا تعلّق صرف دُنیا سے ہے نہ آخرت سے۔

تیسرے گروہ کی دلیل یہ ہے کہ جب بیانِ سابق سے دُنیا میں اس کی رویت کا امکان ثابت ہوگیا تو اس کے وقوع کے لئے حسن بصری اور احمد ابن حنبل وغیرہ کا یہ قول کافی ہے کہ پیغمبر ﷺ نے لیلۃ الاسرا میں اسے دیکھا۔

جب ان دلائل کا جائزہ لیا جاتا ہے تو وہ انتہائی کمزور اور اثباتِ مدّعا سے قاصر نظر آتے ہیں۔ چنانچہ:

پہلے گروہ کا یہ دعویٰ کہ قرآن و حدیث میں رویت کے شواہد بکثرت ہیں ایک غلط اور بے بنیاد دعویٰ ہے اور قرآن و حدیث سے قطعاً اس کا اثبات نہیں ہوتا بلکہ قرآن کے واضح تصریحات اس کے خلاف ہیں اور قرآنی تصریحات کے خلاف اگر کوئی حدیث ہوگی بھی تو وہ موضوع و مطروح قرار پائے گی۔ چنانچہ قرآن مجید میں نفی رویت کے سلسلہ میں ارشادِ الٰہی ہے کہ:

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ۝۱۰۳﴾

آنکھیں اسے دیکھ نہیں سکتیں اور وہ آنکھوں کو دیکھ رہا ہے، اور وہ ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز سے آگاہ اور باخبر ہے۔[2]

اور جس آیت کو اثباتِ رویت کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے اس میں لفظ «نَاظِرَةٌ» سے رویت پر استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ اہلِ لغت نے نظر کے معنی انتظار، غور و فکر، مہلت، شفقت اور عبرت اندوزی کے بھی کئے ہیں اور جب ایک لفظ میں اور معنی کا بھی احتمال ہو تو اُسے دلیل بنا کر پیش نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ کچھ مفسّرین نے اس مقام پر نظر کے معنی انتظار کے لئے ہیں اور اس معنی کے لحاظ سے آیت کا مطلب یہ ہے کہ وُہ اس دن اللہ کی نعمتوں کے منتظر ہوں گے اور اس معنی کی شاہد یہ آیت ہے: ﴿فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ یَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ۝۳۵﴾[3]: ''وہ منتظر تھی کہ قاصد کیا جواب لے کر پلٹتے ہیں''، اور

---

[1] سورۂ بقرہ، آیت ۹۵۔

[2] سورۂ انعام، آیت ۱۰۳۔

[3] سورۂ نمل، آیت ۳۵۔

کچھ مفسّرین نے نظر کے معنی دیکھنے کے کئے ہیں اور اس صورت میں لفظ ثواب کو یہاں محذوف مانا ہے اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے پروردگار کے ثواب کی جانب نگراں ہوں گے۔ جس طرح ارشادِ الٰہی ﴿وَجَآءَ رَبُّكَ﴾[۱]: ''تمہارا پروردگار آیا'' میں لفظ امر محذوف مانا گیا ہے اور معنی یہ کئے گئے ہیں کہ تمہارے پروردگار کا حکم آیا۔ اور پھر یہ کہاں ضروری ہے کہ جہاں نظر صادق آئے وہاں رویت بھی صادق آئے۔ چنانچہ عرب کا مقولہ ہے کہ: «نَظَرْتُ اِلَی الْهِلَالِ فَلَمْ اَرَهُ»: ''میں نے چاند کی طرف نظر کی مگر دیکھ نہ سکا'' یہاں نظر ثابت ہے مگر رویت ثابت نہیں ہے۔

اب رہا یہ کہ وہ دُنیا میں اس لئے نظر نہیں آسکتا کہ یہاں انسانی ادراکات وقویٰ ضعیف ہیں اور آخرت میں یہ ادراکات قوی ہو جائیں گے۔ تو یہ دنیا و آخرت کی تفریق اس بنا پر تو صحیح ہو سکتی ہے اگر اس کی ذات دکھائی دیئے جانے کے قابل ہو اور ہماری نگاہیں اپنے عجز وقصور کی بنا پر قاصر رہیں۔ لیکن جب اس کی ذات کا تقاضا ہی یہ ہے کہ وُہ دکھائی نہ دے تو محل ومقام کے بدلنے سے ناقابل رویت ذات قابل رویت نہیں قرار پاسکتی۔ اور اس سلسلہ میں جو آیت پیش کی گئی ہے اس میں تو یہ نہیں ہے کہ ادراکات وحواس کے تیز ہو جانے سے خُدا کو بھی دیکھا جاسکے گا بلکہ آیت کے معنی تو یہ ہیں کہ اس دن پردے ہٹا دیئے جائیں گے اور آنکھیں تیز ہو جائیں گی۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ وہاں پر تمام شبہات مٹ جائیں گے اور آنکھوں پر پڑے ہوئے غفلت کے پردے اٹھ جائیں گے، یہ معنی نہیں کہ وہ اللہ کو بھی دیکھنے لگیں گے۔ اور اگر ایسا ہی ہے تو یہ غفلت کے پردے تو کافروں کی آنکھوں سے اُٹھیں گے لہٰذا انہی کو نظر آنا چاہئے۔

دوسرے گروہ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رویت باری کی خواہش اس لئے نہیں کی تھی کہ وہؑ اس کی رویت کو ممکن سمجھتے تھے اور انہیں اس کے ناقابل رویت ہونے کا علم نہ تھا۔ یقیناً وہ جانتے تھے کہ وہ ادراکِ حواس ومشاہدۂ بصری سے بلند تر ہے تو اس سوال کی نوبت اس لئے آئی کہ بنی اسرائیل نے کہا کہ:: ﴿يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً﴾[۲]: ''اے موسیٰ! ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک خُدا کو ظاہر بظاہر نہ دیکھ لیں گے'' تو موسیٰ علیہ السلام نے چاہا کہ ان پر ان کی بے راہروی ثابت کر دیں اور یہ واضح کر دیں کہ وُہ کوئی دکھائی دینے والی چیز نہیں ہے اس لئے اللہ کے سامنے ان کا سوال پیش کیا تا کہ وہ اپنے سوال کا نتیجہ دیکھ لیں اور اس غلط خیال سے باز آجائیں۔ چنانچہ خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ:

﴿فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً﴾

یہ لوگ تو موسیٰؑ سے اس سے بھی بڑا سوال کر چکے ہیں اور وہ یہ کہ موسیٰ سے کہنے لگے کہ ہمیں خُدا کو ظاہر بظاہر دکھا دیجیے۔[۳]

جب موسیٰ علیہ السلام نے اُن کے کہنے پر سوال کیا تو اس موقع پر قدرت کا یہ ارشاد کہ: ''تم اس پہاڑ کی طرف دیکھو اگر یہ اپنی جگہ پر برقرار رہے تو مجھے دیکھ لو گے''، امکانِ رویت کا پتہ نہیں دیتا۔ اس لئے کہ موقوف علیہ صرف پہاڑ کا ٹھہراؤ نہیں تھا کیونکہ وُہ تو اس وقت بھی ٹھہرا ہوا تھا جب رویت کو اس

---

[۱] سورۂ فجر، آیت ۲۲۔
[۲] سورۂ بقرہ، آیت ۵۵۔
[۳] سورۂ نساء، آیت ۱۵۳۔

پر معلّق کیا جارہا تھا بلکہ تجلّی کے وقت اس کا ٹھہراؤ مقصود تھا۔ اور جب تک اس موقع کے لئے اُس کے ٹھہراؤ کا امکان ثابت نہ ہو اس ٹھہراؤ کو امکان رویت کی دلیل نہیں قرار دیا جاسکتا۔ حالانکہ اس موقع پر تو یہ ہوا کہ: ﴿جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ﴾[1]: ''تجلّی نے اس پہاڑ کو چکنا چور کر دیا اور موسیٰؑ بے ہوش ہو کر گر پڑے'' اور بنی اسرائیل پر ان کے بے محل سوال کی وجہ سے بجلی گری۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے: ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ﴾[2]: ''ان کی شر پسندی کی وجہ سے بجلی نے انہیں جکڑ لیا''۔ اگر خداوند عالم کی رویت ممکن ہوتی تو ایک ممکن الوقوع چیز سے ایمان کو وابستہ کرنا ایسا جُرم نہ تھا کہ انہیں صاعقہ کے عذاب میں جکڑ لیا جائے اور ان کی خواہش کو ظلم سے تعبیر کیا جائے۔ آخر حضرت ابراہیمؑ نے بھی تو اپنے اطمینان کو مُردوں کے زندہ کرنے سے وابستہ کیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ: ﴿رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ۭ﴾[3]: ''اے میرے پروردگار! مجھے دکھا کہ تو کیونکر مُردوں کو زندہ کرتا ہے''، اس کے جواب میں قدرت نے فرمایا: ﴿اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ۭ﴾: ''کیا تم ایمان نہیں لائے''، ابراہیمؑ نے عرض کیا: ﴿بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَىِٕنَّ قَلْبِيْ ۭ﴾: ''ہاں ایمان تو لایا! لیکن چاہتا ہوں کہ دل مطمئن ہو جائے''۔ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے اطمینان کو مُردوں کے زندہ ہونے سے وابستہ کر سکتے ہیں تو ان لوگوں نے اگر اپنے ایمان کو رویتِ باری پر معلّق کیا تو جُرم ہی کون سا کیا جس پر انہیں لرزہ بر اندام کر دینے والی سزا دی جائے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ سزا اس بنا پر نہ تھی کہ انہوں نے رویت باری کا مطالبہ کیا تھا بلکہ ان کی سابقہ ضد، ہٹ دھرمی اور کٹ حجتی کے پیشِ نظر تھی۔ مگر یہ دیکھتے ہوئے کہ وہ مطالبہ تو وہ کریں جو کیا جاسکتا ہے اور ممکن الوقوع ہے اور اس ذریعہ سے اپنے ایمان کی تکمیل چاہیں مگر ان کی کسی سابقہ ضد اور سرکشی کو سامنے رکھتے ہوئے انہیں ایسی سزا دی جائے جو انہیں نیست و نابود کر دے، عقل میں آنے والی بات نہیں ہے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ رویت کے سلسلہ میں ان کی ضد پر انہیں سزا دی گئی تھی تو اس میں ضد کی کیا بات تھی؟ اگر انہوں نے موسیٰؑ کے قول کو مشاہدہ کے مطابق کر کے دیکھنا چاہا؛ اور اگر رؤیت مُردوں کو زندہ کرنے کی طرح ممکن تھی تو اس میں مضائقہ ہی کیا تھا کہ اُن کی خواہش کو پُورا کر دیا جاتا۔ اور جس طرح ابراہیمؑ کے ہاتھوں پر مُردوں کو زندہ کر کے ان کی خلش کو ہٹا دیا تھا، اسی طرح یہاں بھی رؤیت سے ان کے ایمان کی صورت پیدا کر دی ہوتی۔ اور اگر مصلحت اس کی مقتضی نہ تھی تو حضرت موسیٰؑ کے ذریعہ انہیں سمجھا دیا جاتا کہ دُنیا میں نہ سہی آخرت میں اُسے دیکھ لینا۔ مگر اُن کا مطالبہ پُورا کرنے کے بجائے انہیں موردِ عتاب ٹھہرایا جاتا ہے اور اُن کی خواہش کو ظلم و حد شکنی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور آخر انہیں خرمن ہستی کو جلانے والی بجلیوں میں جکڑ لیا جاتا ہے۔ یہ صرف اس لئے کہ انہوں نے ایک ایسی خواہش کا اظہار کیا جس سے خُدا کے دامن تنزیہ پر دھبّہ آتا تھا۔ اور یہ ایک ایسی انہونی چیز کا مطالبہ تھا جس پر انہیں سزا دینا ضروری سمجھا گیا تا کہ دوسروں کو عبرت حاصل ہو، اور بنی اسرائیل کے انجام کو دیکھ کر رویت باری کا تصوّر نہ کریں۔ چنانچہ اللہ سبحانہ نے اپنی رویت کو پہاڑ پر معلّق کرنے سے پہلے واضح الفاظ میں فرمایا کہ: ﴿لَنْ تَرٰىنِيْ﴾: ''اے موسیٰؑ! تم مجھے ہرگز نہیں

[1] سورۂ اعراف، آیت ۱۴۳۔
[2] سورۂ نساء، آیت ۱۵۳۔
[3] سورۂ بقرہ، آیت ۲۶۰۔

دیکھ سکتے''، نہ دُنیا میں اور نہ آخرت میں۔ کیونکہ لفظ ﴿لَنْ﴾ نفی تابید کیلئے آتا ہے اور اس نفی تابید کو دوام عرفی پر محمول کرنا غلط ہے۔ یہ دوام عُرفی وہاں پر توصحیح ہوسکتا ہے جہاں متکلّم ومخاطب دونوں فانی اور معرضِ زوال میں ہوں اور جہاں متکلّم ابدی سرمدی اور دائمی ہو وہاں نفی کے حدود بھی وہاں تک پھیلے ہوئے ہوں گے۔ جہاں تک اس ذاتِ سرمدی کا دامن بقا پھیلا ہوا ہے۔ اور چونکہ وہ ہمیشہ ہمیشہ رہنے والا ہے اس لئے اس کی طرف سے جونفی تابید وارد ہوگی وہ دُنیا کی مدّتِ بقا میں محدود نہیں کی جاسکتی اور جس آیت کی نفی کو دوامِ عرفی کے معنی میں پیش کیا گیا ہے اس سے استشہاد اس بنا پر صحیح نہیں کہ وہ ان لوگوں کے متعلق ہے جو فانی ومحدود ہیں۔ لہٰذا اس مقام کی نفی کا اس مقام کی نفی پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ اور اگر آیت ﴿وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا﴾: ''وہ موت کی ہرگز تمنّا نہیں کریں گے''، میں بھی تابید حقیقی کے معنی مراد لئے جائیں تو لئے جاسکتے ہیں۔ کیونکہ آخرت میں وہ موت کی تمنّا کریں گے تو وہ درحقیقت موت کی تمنّا نہ ہوگی بلکہ اصل تمنّا عذاب سے نجات حاصل کرنے کی ہوگی جسے طلبِ موت کے پردے میں طلب کریں گے۔ اور یہ موت کی طلب نہ ہوگی بلکہ راحت وآسائش اور عذاب سے چھٹکارے کی طلب ہوگی۔ اور جبکہ عذاب کے بجائے انہیں راحت وسکون نصیب ہو تو وہ یقیناً زندگی کے خواہاں ہوں گے۔ اور پھر جب اصل معنی تابید حقیقی کے ہیں تو اس سے تابید عُرفی مراد لینے کے لئے کسی قرینہ کی ضرورت ہے اور یہاں کوئی قرینہ ودلیل موجود نہیں ہے کہ حقیقی معنی سے عدول کرنا صحیح ہوسکے۔

تیسرے گروہ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ اگر کچھ صحابہ وتابعین کا قول یہ ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے لیلۃ الاسرا میں اپنے رب کو دیکھا تو صحابہ وتابعین کی ایک جماعت اس کی بھی تو قائل ہے کہ ایسا نہیں ہُوا۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ اور صحابہ کی ایک بڑی جماعت کا یہی مسلک ہے؛ لہٰذا چند افراد کی ذاتی رائے کو کیسے سند سمجھا جاسکتا ہے جب کہ اس کے مقابلہ میں ویسے ہی افراد اس کے خلاف نظریہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ جناب عائشہؓ کا قول ہے:

مَنْ حَدَّثَكَ اَنَّ مُحَمَّدًا ﷺ رَاٰى رَبَّهٗ فَقَدْ كَذَبَ، وَهُوَ يَقُوْلُ: ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَ هُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَ هُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ۝﴾.

جوشخص تم سے یہ بیان کرے کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا تو اس نے جھوٹ کہا۔ اور اللہ کا ارشاد تو یہ ہے کہ اسے نگاہیں دیکھ نہیں سکتیں البتہ وہ نگاہوں کو دیکھ رہا ہے اور وہ ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز سے آگاہ وخبردار ہے۔ (صحیح بخاری، ج ۴،ص ۱۶۸)

- تیسری صفت یہ ہے کہ عقول انسانی اس کے اوصاف کی نقاب کشائی سے قاصر ہیں کیونکہ زبان انہی معانی ومفاہیم کی ترجمانی کرسکتی ہے جو عقل وفہم میں سما سکتے ہیں اور جن کے سمجھنے سے عقلیں عاجز ہوں وہ الفاظ کی صورت میں زبان سے ادا بھی نہیں ہوسکتے اور خُدا کے اوصاف کا ادراک اس لئے ناممکن ہے کہ اس کی ذات کا ادراک ناممکن ہے اور جب تک اس کی ذات کا ادراک نہ ہو اس کے نفس الامری اوصاف کو بھی نہیں سمجھا جاسکتا۔ اور ذات کا ادراک اس لئے نہیں ہوسکتا کہ انسانی ادراکات محدود ہونے کی وجہ سے غیر محدود ذات کا احاطہ نہیں کرسکتے۔ لہٰذا اس سلسلہ میں جتنا بھی غور وخوض کیا جائے اس کی ذات اور اس کے نفس الامری اوصاف عقل وفہم کے ادراک سے بالاتر ہی رہیں گے۔

☆☆☆☆☆

(۲) وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

بَعْدَ هٰذَا التَّحْمِيْدِ فِي الصَّلٰوةِ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ:

وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ مَنَّ عَلَيْنَا بِمُحَمَّدٍ نَّبِيِّهٖ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ، دُوْنَ الْاُمَمِ الْمَاضِيَةِ وَ الْقُرُوْنِ السَّالِفَةِ، بِقُدْرَتِهِ الَّتِيْ لَا تَعْجِزُ عَنْ شَيْءٍ وَّ اِنْ عَظُمَ، وَ لَا يَفُوْتُهَا شَيْءٌ وَّ اِنْ لَّطُفَ، فَخَتَمَ بِنَا عَلٰى جَمِيْعِ مَنْ ذَرَاَ، وَ جَعَلَنَا شُهَدَآءَ عَلٰى مَنْ جَحَدَ، وَ كَثَّرَنَا بِمَنِّهٖ عَلٰى مَنْ قَلَّ.

اَللّٰهُمَّ فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ اَمِيْنِكَ عَلٰى وَحْيِكَ، وَ نَجِيْبِكَ مِنْ خَلْقِكَ، وَ صَفِيِّكَ مِنْ عِبَادِكَ، اِمَامِ الرَّحْمَةِ، وَ قَآئِدِ الْخَيْرِ، وَ مِفْتَاحِ الْبَرَكَةِ.

كَمَا نَصَبَ لِاَمْرِكَ نَفْسَهٗ وَ عَرَّضَ فِيْكَ لِلْمَكْرُوْهِ بَدَنَهٗ، وَ كَاشَفَ فِي الدُّعَآءِ اِلَيْكَ حَآمَّتَهٗ، وَ حَارَبَ فِيْ رِضَاكَ اُسْرَتَهٗ، وَ قَطَعَ فِيْ اِحْيَآءِ دِيْنِكَ رَحِمَهٗ، وَ اَقْصَى الْاَدْنَيْنَ عَلٰى جُحُوْدِهِمْ، وَ قَرَّبَ الْاَقْصَيْنَ عَلَى اسْتِجَابَتِهِمْ لَكَ،

دُعا (۲)

تحمید وستائش کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ پر درود وسلام کے سلسلہ میں آپؑ کی دُعا:

تمام تعریف اُس اللہ تعالیٰ کیلئے ہے جس نے اپنے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت سے ہم پر وہ احسان فرمایا جو نہ گزشتہ امتوں پر کیا اور نہ پہلے لوگوں پر، اپنی اس قدرت کی کارفرمائی سے جو کسی شے سے عاجز و درماندہ نہیں ہوتی، اگرچہ وہ کتنی ہی بڑی ہو اور کوئی چیز اس کے قبضہ سے نکلنے نہیں پاتی، اگرچہ وہ کتنی ہی لطیف و نازک ہو۔ اس نے اپنے مخلوقات میں ہمیں آخری اُمت قرار دیا اور انکار کرنے والوں پر گواہ بنایا اور اپنے لطف و کرم سے کم تعداد والوں کے مقابلہ میں ہمیں کثرت دی۔

اے اللہ! تو رحمت نازل فرما محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور ان کی آلؑ پر جو تیری وحی کے امانتدار، تمام مخلوقات میں تیرے برگزیدہ، تیرے بندوں میں پسندیدہ، رحمت کے پیشوا، خیر و سعادت کے پیشرو اور برکت کا سرچشمہ تھے۔

جس طرح انہوں نے تیری شریعت کی خاطر اپنے کو مضبوطی سے جمایا اور تیری راہ میں اپنے جسم کو ہر طرح کے آزار کا نشانہ بنایا اور تیری طرف دعوت دینے کے سلسلہ میں اپنے عزیزوں سے دشمنی کا مظاہرہ کیا اور تیری رضامندی کیلئے اپنے قوم قبیلے سے جنگ کی اور تیرے دین کو زندہ کرنے کیلئے سب رشتے ناطے قطع کر لئے، نزدیک کے رشتہ داروں کو انکار کی وجہ سے دور کر دیا اور دور والوں کو اقرار کی وجہ سے قریب کیا اور

وَ وَالٰى فِيْكَ الْاَبْعَدِيْنَ، وَ عَادٰى فِيْكَ الْاَقْرَبِيْنَ، و اَدْاَبَ نَفْسَهٗ فِیْ تَبْلِيْغِ رِسَالَتِكَ، وَ اَتْعَبَهَا بِالدُّعَآءِ اِلٰى مِلَّتِكَ، وَ شَغَلَهَا بِالنُّصْحِ لِاَهْلِ دَعْوَتِكَ، وَ هَاجَرَ اِلٰى بِلَادِ الْغُرْبَةِ، وَ مَحَلِّ النَّاْيِ عَنْ مَّوْطِنِ رَحْلِهٖ، وَ مَوْضِعِ رِجْلِهٖ، وَ مَسْقَطِ رَاْسِهٖ، وَ مَاْنَسِ نَفْسِهٖ، اِرَادَةً مِّنْهُ لِاِعْزَازِ دِيْنِكَ، وَ اسْتِنْصَارًا عَلٰٓى اَهْلِ الْكُفْرِ بِكَ.

تیری وجہ سے دور والوں سے دوستی اور نزدیک والوں سے دشمنی رکھی اور تیرا پیغام پہنچانے کیلئے تکلیفیں اٹھائیں اور دین کی طرف دعوت دینے کے سلسلہ میں زحمتیں برداشت کیں اور اپنے نفس کو ان لوگوں کے پند و نصیحت کرنے میں مصروف رکھا جنہوں نے تیری دعوت کو قبول کیا اور اپنے محل سکونت و مقام رہائش اور جائے ولادت و وطن مالوف سے پردیس کی سرزمین اور دور و دراز مقام کی طرف محض اس مقصد سے ہجرت کی کہ تیرے دین کو مضبوط کریں اور تجھ سے کفر اختیار کرنے والوں پر غلبہ پائیں۔

حَتّٰى اسْتَتَبَّ لَهٗ مَا حَاوَلَ فِیْ اَعْدَآئِكَ وَ اسْتَتَمَّ لَهٗ مَا دَبَّرَ فِیْٓ اَوْلِيَآئِكَ، فَنَهَدَ اِلَيْهِمْ مُسْتَفْتِحًا بِعَوْنِكَ، وَ مُتَقَوِّيًا عَلٰى ضَعْفِهٖ بِنَصْرِكَ، فَغَزَاهُمْ فِیْ عُقْرِ دِيَارِهِمْ، وَ هَجَمَ عَلَيْهِمْ فِیْ بُحْبُوْحَةِ قَرَارِهِمْ، حَتّٰى ظَهَرَ اَمْرُكَ، وَ عَلَتْ كَلِمَتُكَ، وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ.

یہاں تک کہ تیرے دشمنوں کے بارے میں جو انہوں نے چاہا تھا وہ مکمل ہو گیا اور تیرے دوستوں (کو جنگ و جہاد پر آمادہ کرنے) کی تدبیریں کامل ہو گئیں تو وہ تیری نصرت سے فتح و کامرانی چاہتے ہوئے اور اپنی کمزوری کے باوجود تیری مدد کی پشت پناہی پر دشمنوں کے مقابلہ کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کے گھروں کے حدود میں ان سے لڑے اور ان کی قیام گاہوں کے وسط میں ان پر ٹوٹ پڑے۔ یہاں تک کہ تیرا دین غالب اور تیرا کلمہ بلند ہو کر رہا، اگرچہ مشرک اسے ناپسند کرتے رہے۔

اَللّٰهُمَّ فَارْفَعْهُ بِمَا كَدَحَ فِيْكَ اِلَى الدَّرَجَةِ الْعُلْيَا مِنْ جَنَّتِكَ حَتّٰى لَا يُسَاوٰى فِیْ مَنْزِلَةٍ، وَ لَا يُكَافَاَ فِیْ مَرْتَبَةٍ، وَ لَا يُوَازِيَهٗ لَدَيْكَ مَلَكٌ مُّقَرَّبٌ، وَ لَا نَبِیٌّ مُّرْسَلٌ، وَ عَرِّفْهُ فِیْٓ اَهْلِهِ الطَّاهِرِيْنَ،

اے اللہ! انہوں نے تیری خاطر جو کوششیں کی ہیں ان کے عوض انہیں جنت میں ایسا بلند درجہ عطا کر کہ کوئی مرتبہ میں ان کے برابر نہ ہو سکے، اور نہ منزلت میں ان کا ہم پایہ قرار پا سکے، اور نہ کوئی مقرب بارگاہ فرشتہ اور نہ کوئی فرستادہ پیغمبر تیرے نزدیک ان کا ہمسر ہو سکے، اور ان کے اہل بیت اطہار علیہم السلام اور مومنین

وَ اُمَّتِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ، مِنْ حُسْنِ الشَّفَاعَةِ اَجَلَّ مَا وَعَدْتَّهٗ، يَا نَافِذَ الْعِدَةِ، يَا وَافِيَ الْقَوْلِ، يَا مُبَدِّلَ السَّيِّئَاتِ بِاَضْعَافِهَا مِنَ الْحَسَنَاتِ، اِنَّكَ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ.

--☆☆--

کی جماعت کے بارے میں جس قابل قبول شفاعت کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے اس وعدہ سے بڑھ کر انہیں عطا فرما۔ اے وعدہ کے نافذ کرنے والے، قول کے پورا کرنے اور برائیوں کو کئی گنا زائد اچھائیوں سے بدل دینے والے، بے شک تو فضل عظیم کا مالک ہے۔

--☆☆--

یہ دُعا کا دوسرا افتتاحیہ ہے جو پہلے افتتاحیہ کیلئے ایک تکملہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے واوٴ عطف کے ذریعہ اس کا سلسلہ پہلے افتتاحیہ سے جوڑ دیا گیا ہے۔

پہلا افتتاحیہ حمد و ثنائے الٰہی پر مشتمل تھا اور یہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ پر دُرود و سلام کے سلسلہ میں ہے۔ حمد و ستائش اور دُرود و سلام ایک دوسرے سے مرتبط اور ایک قدرتی ترتیب کے زیر اثر ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ چنانچہ جب خداوند عالم کے اس احسان و انعام پر نظر جاتی ہے کہ اس نے نوعِ انسانی کی ہدایت کیلئے پیغمبروں اور دین کے رہنماؤں کا سلسلہ جاری کیا تاکہ وحی و تنزیل کے ذریعہ ہدایت کی تعلیم ہوتی رہے تو بے ساختہ زبان اس کی تحمید و ستائش کے استحقاق کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے کہ جس نے مادی تربیت کے سر و سامان کے ساتھ روحانی تربیت کے سامان کی بھی تکمیل کی۔ تو جب خُدا کے انعامات اس کی حمد و ستائش کے محرّک ہوتے ہیں تو جو عرفانِ الٰہی کا ذریعہ ہوں اور انسانی صلاحیتوں کو اس قابل بنائیں کہ ان میں ہدایت کے عناصر نشو و نما پا سکیں تو تحمید الٰہی کے بعد احسان شناسی کا تقاضا یہ ہو گا کہ ان ہستیوں سے بھی دُرود و سلام کے ذریعہ اظہارِ عقیدت و ارادت کیا جائے۔ اور ان ذواتِ مقدسہ میں سب سے اکمل و افضل ہستی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی تھی جنہوں نے تہذیبِ نفس و ترقی رُوحانی کی راہیں بتائیں اور صداقت و روحانیت کی تعلیم سے مُردہ انسانیت کو نشاۃ ثانیہ عطا کیا۔ لہٰذا حمد کے بعد دُرود و سلام کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ دُعا کے ساتھ جس طرح حمد کو منضم کیا گیا ہے، اسی طرح دُرود و صلوٰۃ کو بھی استجابت دُعا کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے:

اِذَا كَانَتْ لَكَ اِلَى اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ حَاجَةٌ فَابْدَاْ بِمَسْئَلَةِ الصَّلٰوةِ عَلٰى رَسُوْلِهٖ صلی اللہ علیہ وآلہ، ثُمَّ سَلْ حَاجَتَكَ، فَاِنَّ اللّٰهَ اَكْرَمُ مِنْ اَنْ يُّسْئَلَ حَاجَتَيْنِ، فَيَقْضِيَ اِحْدَاهُمَا وَ يَمْنَعَ الْاُخْرٰى.

جب اللہ تعالیٰ سے کوئی حاجت طلب کرو تو پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ پر دُرود بھیجو پھر اپنی حاجت مانگو۔ کیونکہ خُدا اس سے بلند تر ہے کہ اس سے دو حاجتیں طلب کی جائیں اور ایک پوری کر دے اور ایک روک لے۔[1]

امام علیہ السلام نے دُرود و سلام کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کی شخصیت پر اس طرح جچے تُلے الفاظ میں روشنی ڈالی ہے کہ ان کی زندگی کے تمام

[1] نہج البلاغہ، حکمت نمبر ۳۶۱۔

گوشوں کی مکمل تصویر نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے۔ چنانچہ ان کلمات سے آپؐ کی ہستی کے حسبِ ذیل اوصاف وکمالات واضح ہوتے ہیں:

آپؐ وحیِ الٰہی کے حامل، پاکیزہ نسب اور برگزیدۂ خلائق تھے۔

خداوند عالم نے آپؐ کو تمام انبیاء علیہم السلام کے آخر میں بھیجا جس کے بعد سلسلۂ نبوت ختم کر دیا۔ لہٰذا آپؐ آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ اور آپؐ کی اُمّت آخری اُمّت ہے، اور اُن کے اہل بیت علیہم السلام لوگوں کے اعمال کے نگران اور اُن کے گواہ ہیں۔

آپؐ رحمت و رأفت کا مجسمہ اور خیر و برکت کا سرچشمہ تھے۔

اُن کی دوستی و دشمنی کا معیار صرف ایمان وعمل صالح ہے اور اس سلسلہ میں اپنے اور بیگانے میں کوئی امتیاز وتفرقہ روا نہیں رکھا۔

انہوں نے تبلیغ احکام اور اعلائے کلمۃ اللہ کیلئے جان کی بازی لگا دی۔ دین کی خاطر دُکھ سہے، مصیبتیں جھیلیں، گھربار چھوڑا اور ہجرت اختیار کی اور اپنی صلاحیتِ نظم ونسق سے مسلمانوں کی شیرازہ بندی کی اور ان کی فلاح ونجاح کا سامان کیا اور ہر طرح کے خطرات کا مقابلہ کرتے ہوئے دُشمنوں سے صف آرا ہوئے اور کسی موقع پر اپنی قوت وطاقت پر بھروسا نہیں کیا بلکہ ہمیشہ خُدا کی نصرت وتائید کے خواہاں اور اس کی مدد کے طالب رہے اور آخر حُسنِ نیّت وحُسنِ عمل کی بدولت انجام کار کی کامیابی انہیں نصیب ہوئی اور قبولیّتِ شفاعت کے درجۂ رفیعہ پر فائز ہوئے۔

☆☆☆☆☆

(۳) وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

فِي الصَّلٰوةِ عَلٰى حَمَلَةِ الْعَرْشِ وَ كُلِّ مَلَكٍ مُّقَرَّبٍ:

اَللّٰهُمَّ وَ حَمَلَةُ عَرْشِكَ الَّذِيْنَ لَا يَفْتُرُوْنَ مِنْ تَسْبِيْحِكَ، وَ لَا يَسْاَمُوْنَ مِنْ تَقْدِيْسِكَ، وَ لَا يَسْتَحْسِرُوْنَ مِنْ عِبَادَتِكَ، وَ لَا يُؤْثِرُوْنَ التَّقْصِيْرَ عَلَى الْجِدِّ فِيْ اَمْرِكَ، وَ لَا يَغْفُلُوْنَ عَنِ الْوَلَهِ اِلَيْكَ.

وَ اِسْرَافِيْلُ صَاحِبُ الصُّوْرِ، الشَّاخِصُ الَّذِيْ يَنْتَظِرُ مِنْكَ الْاِذْنَ وَ حُلُوْلَ الْاَمْرِ، فَيُنَبِّهُ بِالنَّفْخَةِ صَرْعٰى رَهَآئِنِ الْقُبُوْرِ، وَ مِيكَآئِيْلُ ذُو الْجَاهِ عِنْدَكَ، وَ الْمَكَانِ الرَّفِيْعِ مِنْ طَاعَتِكَ، وَ جِبْرِيْلُ الْاَمِيْنُ عَلٰى وَحْيِكَ، الْمُطَاعُ فِيْٓ اَهْلِ سَمٰوٰتِكَ، الْمَكِيْنُ لَدَيْكَ، الْمُقَرَّبُ عِنْدَكَ، وَ الرُّوْحُ الَّذِيْ هُوَ عَلٰى مَلٰٓئِكَةِ الْحُجُبِ، وَ الرُّوْحُ الَّذِيْ هُوَ مِنْ اَمْرِكَ.

فَصَلِّ عَلَيْهِمْ، وَ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ: مِنْ سُكَّانِ سَمٰوٰتِكَ، وَ اَهْلِ الْاَمَانَةِ عَلٰى رِسَالَاتِكَ، وَ الَّذِيْنَ لَا تَدْخُلُهُمْ سَاْمَةٌ مِّنْ دُءُوْبٍ، وَ لَآ اِعْيَآءٌ

دُعا (۳)

حاملان عرش اور دوسرے مقرب فرشتوں پر درود وصلوٰۃ کے سلسلہ میں آپؑ کی دُعا:

اے اللہ! تیرے عرش کے اٹھانے والے فرشتے جو تیری تسبیح سے اُکتاتے نہیں، اور تیری پاکیزگی کے بیان سے تھکتے نہیں، اور نہ تیری عبادت سے خستہ و ملول ہوتے ہیں، اور نہ تیرے تعمیل امر میں سعی وکوشش کے بجائے کوتاہی برتتے ہیں، اور نہ تجھ سے لَو لگانے سے غافل ہوتے ہیں۔

اور ''اسرافیلؑ'' صاحب صور جو نظر اٹھائے ہوئے تیری اجازت اور نفاذ حکم کے منتظر ہیں تاکہ صور پھونک کر قبروں میں پڑے ہوئے مردوں کو ہوشیار کریں، اور ''میکائیلؑ'' جو تیرے یہاں مرتبہ والے اور تیری اطاعت کی وجہ سے بلندمنزلت ہیں، اور ''جبریلؑ'' جو تیری وحی کے امانتدار اور اہل آسمان جن کے مطیع وفرمانبردار ہیں اور تیری بارگاہ میں مقام بلند اور تقرب خاص رکھتے ہیں اور وہ ''روح'' جو فرشتگان حجاب پر موکل ہے، اور وہ ''روح'' جس کی خلقت تیرے عالم امر سے ہے۔

ان سب پر اپنی رحمت نازل فرما اور اسی طرح ان فرشتوں پر جو ان سے کم درجہ اور آسمانوں میں ساکن اور تیرے پیغاموں کے امین ہیں، اور ان فرشتوں پر جن میں کسی سعی و کوشش سے بددلی اور کسی مشقت سے خستگی و درماندگی پیدا نہیں ہوتی اور

مِّنْ لُّغُوْبٍ وَّ لَا فُتُوْرٌ، وَ لَا تَشْغَلُهُمْ عَنْ تَسْبِيْحِكَ الشَّهَوَاتُ، وَ لَا يَقْطَعُهُمْ عَنْ تَعْظِيْمِكَ سَهْوُ الْغَفَلَاتِ.

نہ تیری تسبیح سے نفسانی خواہشیں انہیں روکتی ہیں اور نہ ان میں غفلت کی رُو سے ایسی بھول چوک پیدا ہوتی ہے جو انہیں تیری تعظیم سے باز رکھے۔

اَلْخُشَّعُ الْاَبْصَارِ فَلَا يَرُوْمُوْنَ النَّظَرَ اِلَيْكَ، النَّوَاكِسُ الْاَذْقَانِ، الَّذِيْنَ قَدْ طَالَتْ رَغْبَتُهُمْ فِيْمَا لَدَيْكَ، الْمُسْتَهْتَرُوْنَ بِذِكْرِ اٰلَآئِكَ، وَ الْمُتَوَاضِعُوْنَ دُوْنَ عَظَمَتِكَ وَ جَلَالِ كِبْرِيَآئِكَ، وَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ اِذَا نَظَرُوْآ اِلٰى جَهَنَّمَ تَزْفِرُ عَلٰۤى اَهْلِ مَعْصِيَتِكَ: سُبْحَانَكَ مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ.

وہ آنکھیں جھکائے ہوئے ہیں کہ (تیرے نورِ عظمت کی طرف) نگاہ اٹھانے کا ارادہ بھی نہیں کرتے، اور ٹھوڑیوں کے بل گرے ہوئے ہیں، اور تیرے یہاں کے درجات کی طرف ان کا اشتیاق بے حد و بے نہایت ہے، اور تیری نعمتوں کی یاد میں کھوئے ہوئے ہیں، اور تیری عظمت و جلال کبریائی کے سامنے سرافگندہ ہیں، اور ان فرشتوں پر جو جہنم کو گنہگاروں پر شعلہ ور دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں: ''پاک ہے تیری ذات! ہم نے تیری عبادت جیسا حق تھا ویسی نہیں کی''۔

فَصَلِّ عَلَيْهِمْ وَ عَلَى الرَّوْحَانِيِّيْنَ مِنْ مَّلٰٓئِكَتِكَ، وَ اَهْلِ الزُّلْفَةِ عِنْدَكَ، وَ حُمَّالِ الْغَيْبِ اِلٰى رُسُلِكَ، وَ الْمُؤْتَمَنِيْنَ عَلٰى وَحْيِكَ، وَ قَبَآئِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ الَّذِيْنَ اخْتَصَصْتَهُمْ لِنَفْسِكَ، وَ اَغْنَيْتَهُمْ عَنِ الطَّعَامِ وَ الشَّرَابِ بِتَقْدِيْسِكَ، وَ اَسْكَنْتَهُمْ بُطُوْنَ اَطْبَاقِ سَمٰوٰتِكَ.

اے اللہ! تو ان پر اور فرشتگانِ رحمت پر، اور ان پر جنہیں تیری بارگاہ میں تقرب حاصل ہے، اور تیرے پیغمبروں کی طرف چھپی ہوئی خبریں لے جانے والے، اور تیری وحی کے امانتدار ہیں، اور ان قسم قسم کے فرشتوں پر جنہیں تو نے اپنے لئے مخصوص کر لیا ہے اور جنہیں تسبیح و تقدیس کے ذریعہ کھانے پینے سے بے نیاز کر دیا ہے، اور جنہیں آسمانی طبقات کے اندرونی حصوں میں بسایا ہے۔

وَ الَّذِيْنَ عَلٰۤى اَرْجَآئِهَاۤ اِذَا نَزَلَ الْاَمْرُ بِتَمَامِ وَعْدِكَ، وَ خُزَّانِ الْمَطَرِ وَ زَوَاجِرِ السَّحَابِ، وَ الَّذِیْ بِصَوْتِ زَجْرِهٖ يُسْمَعُ زَجَلُ الرُّعُوْدِ، وَ اِذَا سَبَحَتْ بِهٖ حَفِيْفَةُ

اور ان فرشتوں پر جو آسمان کے کناروں میں توقف کریں گے جب کہ تیرا حکم وعدے کے پورا کرنے کے سلسلہ میں صادر ہو گا، اور بارش کے خزینہ داروں، اور بادلوں کے ہنکانے والوں پر، اور اس پر جس کے جھڑکنے سے رعد کی کڑک سنائی دیتی ہے، اور

السَّحَابِ الْتَمَعَتْ صَوَاعِقُ الْبُرُوْقِ، وَ مُشَيِّعِى الثَّلْجِ وَ الْبَرَدِ، وَ الْهَابِطِيْنَ مَعَ قَطْرِ الْمَطَرِ اِذَا نَزَلَ، وَ الْقُوَّامِ عَلَى خَزَآئِنِ الرِّيَاحِ، وَ الْمُوَكَّلِيْنَ بِالْجِبَالِ فَلَا تَزُوْلُ، وَ الَّذِيْنَ عَرَّفْتَهُمْ مَثَاقِيْلَ الْمِيَاهِ، وَ كَيْلَ مَا تَحْوِيْهِ لَوَاعِجُ الْاَمْطَارِ وَ عَوَالِجُهَا، وَ رُسُلِكَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِلَى اَهْلِ الْاَرْضِ بِمَكْرُوْهِ مَا يَنْزِلُ مِنَ الْبَلَآءِ، وَ مَحْبُوْبِ الرَّخَآءِ.

وَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ، وَ الْحَفَظَةِ الْكِرَامِ الْكَاتِبِيْنَ، وَ مَلَكِ الْمَوْتِ وَ اَعْوَانِهٖ، وَ مُنْكَرٍ وَّ نَكِيْرٍ، وَ رُوْمَانَ فَتَّانِ الْقُبُوْرِ، وَ الطَّآئِفِيْنَ بِالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ، وَ مَالِكٍ، وَ الْخَزَنَةِ، وَ رِضْوَانَ، وَ سَدَنَةِ الْجِنَانِ.

وَ الَّذِيْنَ ﴿لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۝﴾ وَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ: ﴿سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ۝﴾، وَ الزَّبَانِيَةِ الَّذِيْنَ اِذَا قِيلَ لَهُمْ: ﴿خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ۝ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ۝﴾، ابْتَدَرُوْهُ سِرَاعًا، وَ لَمْ يُنْظِرُوْهُ.

جب اس ڈانٹ ڈپٹ پر گرجنے والے بادل رواں ہوتے ہیں تو بجلی کے کوندے تڑپنے لگتے ہیں، اوران فرشتوں پر جو برف اور اَولوں کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں اور جب بارش ہوتی ہے تو اس کے قطروں کے ساتھ اترتے ہیں اور ہوا کے ذخیروں کی دیکھ بھال کرتے ہیں، اوران فرشتوں پر جو پہاڑوں پر مؤکل ہیں تا کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹنے نہ پائیں اوران فرشتوں پر جنہیں تونے پانی کے وزن اور موسلا دھار اور تلاطم افزا بارشوں کی مقدار پر مطلع کیا ہے اور ان فرشتوں پر جو ناگوار ابتلاؤں اور خوش آئند آسائشوں کو لے کر اہل زمین کی جانب تیرے فرستادہ ہیں۔

اور ان پر جو اعمال کا احاطہ کرنے والے گرامی منزلت اور نیکوکار ہیں، اور ان پر جو نگہبانی کرنے والے کراماً کاتبین ہیں، اور ملک الموت اور اس کے اعوان وانصار، اور منکر نکیر اور اہل قبور کی آزمائش کرنے والے رومان پر، اور بیت المعمور کا طواف کرنے والوں پر، اور مالک اور جہنم کے دربانوں پر، اور رضوان اور جنت کے دوسرے پاسبانوں پر، اوران فرشتوں پر جو خدا کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم انہیں دیا جاتا ہے اسے بجالاتے ہیں اوران فرشتوں پر جو (آخرت میں) سلام علیکم کے بعد کہیں گے کہ: ''دنیا میں تم نے صبر کیا (یہ اسی کا بدلہ ہے) دیکھو تو آخرت کا گھر کیسا اچھا ہے''، اور دوزخ کے ان پاسبانوں پر کہ جب ان سے یہ کہا جائے گا کہ: اسے گرفتار کر کے طوق وزنجیر پہنا دو پھر اسے جہنم میں جھونک دو تو وہ اس کی طرف تیزی سے بڑھیں گے اوراسے ذرا مہلت نہ دیں گے۔

وَ مَنْ اَوْهَمْنَا ذِكْرَهٗ، وَ لَمْ نَعْلَمْ مَكَانَهٗ مِنْكَ، وَ بِاَيِّ اَمْرٍ وَّكَّلْتَهٗ. وَ سُكَّانِ الْهَوَآءِ وَ الْاَرْضِ وَ الْمَآءِ، وَ مَنْ مِّنْهُمْ عَلَى الْخَلْقِ.

اور ہر اس فرشتے پر جس کا نام ہم نے نہیں لیا اور نہ ہمیں معلوم ہے کہ اس کا تیرے ہاں کیا مرتبہ ہے اور یہ کہ تو نے کس کام پر اسے معین کیا ہے، اور ہوا، زمین اور پانی میں رہنے والے فرشتوں پر اور ان پر جو مخلوقات پر معین ہیں۔

فَصَلِّ عَلَيْهِمْ يَوْمَ يَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّ شَهِيْدٌ، وَ صَلِّ عَلَيْهِمْ صَلَاةً تَزِيْدُهُمْ كَرَامَةً عَلٰى كَرَامَتِهِمْ، وَ طَهَارَةً عَلٰى طَهَارَتِهِمْ.

ان سب پر رحمت نازل کر اس دن کہ جب ہر شخص اس طرح آئے گا کہ اس کے ساتھ ایک ہنکانے والا ہو گا اور ایک گواہی دینے والا، اور ان سب پر ایسی رحمت نازل فرما جو ان کیلئے عزت بالائے عزت اور طہارت بالائے طہارت کا باعث ہو۔

اَللّٰهُمَّ وَ اِذَا صَلَّيْتَ عَلٰى مَلٰٓئِكَتِكَ وَ رُسُلِكَ، وَ بَلَّغْتَهُمْ صَلَاتَنَا عَلَيْهِمْ، فَصَلِّ عَلَيْنَا بِمَا فَتَحْتَ لَنَا مِنْ حُسْنِ الْقَوْلِ فِيْهِمْ، اِنَّكَ جَوَادٌ كَرِيْمٌ.

--☆☆--

اے اللہ! جب تو اپنے فرشتوں اور رسولوں پر رحمت نازل کرے اور ہمارے صلوٰۃ و سلام کو ان تک پہنچائے، تو ہم پر بھی اپنی رحمت نازل کرنا، اس لئے کہ تو نے ہمیں ان کے ذکرِ خیر کی توفیق بخشی۔ بے شک تو بخشنے والا اور کریم ہے۔

--☆☆--

اس دُعا میں امام علیہ السلام نے فرشتوں اور ملاءِ اعلیٰ کے رہنے والوں پر دُرود و صلوٰۃ کے سلسلہ میں ان کے اوصاف و اقسام اور مدارج و طبقات کا ذکر فرمایا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ملائکہ کے بارے میں وہی کچھ کہہ سکتا ہے جس کی نگاہیں عالمِ ملکوت کی منزلوں سے آشنا ہوں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں سب سے پہلے جس نے تفصیل سے روشنی ڈالی وہ حضرت علی ابن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور اس کیلئے آپؑ کے خطبات شاہد ہیں جن میں ملائکہ کے صُور و اشکال، صفات و خصوصیات اور اللہ سے اُن کی والہانہ محبت و شیفتگی اور ان کی عبادت و وارفتگی کی مکمل تصویر کشی کی ہے۔ جس کی نظیر نہ اگلوں کے کلام میں ملتی ہے نہ پچھلوں کے۔ اسلام سے قبل اگرچہ کچھ افراد ایسے موجود تھے جو حقائق و معارف سے وابستگی رکھتے تھے، جیسے عبد اللہ ابن سلام، اُمیہ ابن ابی الصلت، ورقہ ابن نوفل، قلّس ابن ساعدہ، اکثم ابن صیفی وغیرہ، مگر اس سلسلہ میں وُہ زبان و قلم کو حرکت نہ دے سکے اور اگر کچھ کہتے بھی تو وہ طرزِ بیان اور کلام پر اقتدار انہیں کہاں نصیب تھا جو پروردۂ آغوشِ نبوت امیر المومنین علیہ السلام کو حاصل تھا۔ اور دوسرے ادباء و شعرائے عرب تھے تو ان کا موضوعِ کلام عموماً گھوڑا، نیل گائے، اُونٹ وغیرہ ہوتا تھا یا حرب و پیکار کے خونی ہنگاموں اور خود ستائی و تفاخر کے تذکروں پر مشتمل ہوتا تھا، یا اس میں باد و باراں کے مناظر، عشق و محبت کے واردات اور کھنڈروں اور ویرانوں کے نشانات کا ذکر ہوتا تھا اور مادیات سے بلندتر چیزوں تک ان کے ذہنوں کی رسائی ہی نہ تھی کہ ان کے متعلق وُہ کچھ کہہ سکتے۔ اگرچہ وہ فرشتوں کے وجود کے قائل تھے مگر انہیں خُدا کی چہیتی اور لاڈلی بیٹیاں تصور

کیا کرتے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اُن کے غلط عقیدہ کا تذکرہ اس طرح ہے:

﴿فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ﴿١٤٩﴾ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ﴿١٥٠﴾﴾

اے رسولؐ! ان سے پوچھو کہ کیا تمہارے پروردگار کی بیٹیاں ہیں اور ان کے بیٹے ہیں۔ کیا ہم نے فرشتوں کو طبقہ اناث سے پیدا کیا تو وہ دیکھ رہے تھے؟۔[1]

امیر المومنین علیہ السلام کے بعد حضرت علی ابن الحسین علیہ السلام نے ملائکہ کے اصناف، ان کے درجات و مراتب کے تفاوت اور ان کے فرائض ومظاہرۂ عبودیت پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

مذاہبِ عالم میں فرشتوں کے متعلق مختلف نظریے پائے جاتے ہیں۔ کچھ تو انہیں نور کا مظہر قرار دیتے ہیں، اور کچھ سعد ستاروں کو ملائکۂ رحمت اور نحس ستاروں کو ملائکۂ عذاب تصور کرتے ہیں، اور کچھ کا خیال ہے کہ وہ عقولِ مجردہ ونفوس فلکیہ ہیں، اور کچھ کا مزعومہ یہ ہے کہ وہ طبائع وقویٰ ہیں یا دفع و جذب کی قوتیں ہیں۔ اور پھر جو انہیں کسی مستقل حیثیت سے مانتے ہیں ان میں بھی اختلافات ہیں کہ آیا وہ روحانی محض ہیں یا جسمانی محض یا جسم وروح سے مرکب ہیں۔ اور اگر جسمانی ہیں تو جسم لطیف رکھتے ہیں یا جسم غیر لطیف۔ اور لطیف ہیں تو ازقبیل نور ہیں یا ازقبیل ہوا، یا اُن میں سے بعض ازقبیل نور ہیں اور بعض ازقبیل ہوا۔ بہرحال ان کی حقیقت کچھ بھی ہو ہمیں یہ عقیدہ رکھنا لازم ہے کہ وہ اللہ کی ایک ذی عقل مخلوق ہیں جو گناہوں سے بری اور انبیاء ورُسل علیہم السلام کی جانب الٰہی احکام کے پہنچانے پر مامور ہیں۔ چنانچہ ان پر ایمان لانے کے سلسلہ میں قدرت کا ارشاد ہے:

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ﴾

(ہمارے) پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس پر ایمان لائے اور مومنین بھی سب کے سب خُدا پر اور اس کے فرشتوں پر (اور اس کے کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر) ایمان لائے۔[2]

حضرت علیہ السلام نے اس دُعا میں دس فرشتوں کو نام کے ساتھ یاد کیا ہے جو یہ ہیں:

جبرئیلؑ، میکائیلؑ، اسرافیلؑ، ملک الموت (عزرائیلؑ)، رُوح (القدس) منکرؑ، نکیرؑ، رومانؑ، رضوانؑ، مالکؑ۔

ان میں پہلے چار فرشتے جن کے نام کا آخری جزُ ''ایل'' ہے جس کے معنی عبرانی یا سریانی زبان میں ''اللہ'' کے ہوتے ہیں، سب ملائکہ سے افضل و برتر ہیں۔ اور میکائیل علیہ السلام کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ''کیل'' سے مشتق ہے جس کے معنی ناپنے کے ہوتے ہیں اور یہ چونکہ پانی کی پیمائش پر معیّن ہیں، اس لئے انہیں ''میکائیل'' کہا جاتا ہے۔ اس صورت میں اُن کے نام کا آخری جزُ ''ایل'' بمعنی ''اللہ'' نہیں ہوگا۔

اور ''روح'' کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک فرشتہ کا نام ہے جو تمام فرشتوں سے زیادہ قدرومنزلت کا مالک ہے اور بعض روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جبرئیلؑ ہی کا دوسرا نام ''رُوح'' ہے اور بعض روایات میں یہ ہے کہ ''رُوح'' ایک نوع ہے جس کا

---

[1] سورۂ صافات، آیت ۱۴۹–۱۵۰۔

[2]

کثیر التعداد ملائکہ پر اطلاق ہوتا ہے۔

اور ''منکر''، '' نکیر'' اور'' رومان'' قبر کے سوال و جواب سے تعلق رکھتے ہیں۔ چنانچہ رومان، منکر ونکیر سے پہلے قبر میں آتا ہے اور ہر آدمی کو جانچتا ہے اور پھر منکر ونکیر کو اس کی اچھائی یا برائی سے آگاہ کرتا ہے۔

اور'' رضوان''، جنّت کے پاسبانوں کا راٗس و رئیس اور مالک جہنّم کے دربانوں کا سر خیل ہے جن کی تعداد انیس ہے۔ چنانچہ قدرت کا ارشاد ہے:

﴿عَلَيۡهَا تِسۡعَةَ عَشَرَ ۞﴾

جہنّم پر اُنیس فرشتے مقرر ہیں۔[1]

ان کے علاوہ حسبِ ذیل اصنافِ ملائکہ کا تذکرہ فرمایا ہے:

۱۔حاملانِ عرش:

یہ وہ فرشتے ہیں جو عرشِ الٰہی کو اُٹھائے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ان کے متعلق ارشادِ الٰہی ہے:

﴿اَلَّذِيۡنَ يَحۡمِلُوۡنَ الۡعَرۡشَ وَمَنۡ حَوۡلَهٗ يُسَبِّحُوۡنَ بِحَمۡدِ رَبِّهِمۡ﴾

جو فرشتے عرش کو اُٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے گرداگرد ہیں اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں۔[2]

۲۔ملائکہ حُجُب:

اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو اس عالم انوار و تجلیّات سے تعلق رکھتے ہیں جس کے گرد سرادقِ جلال وحجابِ عظمت کے پہرے ہیں اور انسانی علم و ادراک سے بالاتر ہیں۔

۳۔ملائکہ سمٰوات:

اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو طبقاتِ آسمانی میں پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ قدرت کا ارشاد ہے:

﴿وَاَنَّا لَمَسۡنَا السَّمَآءَ فَوَجَدۡنٰهَا مُلِئَتۡ حَرَسًا شَدِيۡدًا﴾

ہم نے آسمانوں کو ٹٹولا تو اُسے قوی نگہبانوں سے بھرا ہوا پایا۔[3]

۴۔ملائکہ روحانیین:

اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو آسمانِ ہفتم میں حظیرۃ القدس کے اندر مقیم ہیں اور شب قدر زمین پر اُترتے ہیں۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

---

[1] سورۂ مدثر، آیت ۳۰۔

[2] سورۂ مومن (غافر)، آیت ۴۰۔

[3] سورۂ جن، آیت ۸۔

﴿تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝﴾
اس رات فرشتے اور رُوح (القدس) ہر بات کا حکم لے کر اپنے پروردگار کی اجازت سے اُترتے ہیں۔[1]

۵۔ملائکہ مقربین:

یہ وہ فرشتے ہیں جنہیں بارگاہِ الٰہی میں خاص تقرب حاصل ہے اور انہیں ''کروبیین'' سے بھی یاد کیا جاتا ہے جو ''کرب''، بمعنی قُرب سے ماخوذ ہے۔ ان کے متعلق ارشادِ قدرت ہے:

﴿لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ﴾
مسیح کو اس میں عار نہیں کہ وہ اللہ کا بندہ ہو اور نہ اس کے مقرب فرشتوں کو۔[2]

۶۔ملائکہ رُسُل:

یہ وہ فرشتے ہیں جو پیغامبری کا کام انجام دینے پر مامور ہیں۔ چنانچہ قدرت کا ارشاد ہے:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا﴾
سب تعریف اس اللہ کیلئے جو آسمان و زمین کا بنانے والا اور فرشتوں کو اپنا قاصد بنا کر بھیجنے والا ہے۔[3]

۷۔ملائکہ مدبّرات:

یہ وہ فرشتے ہیں جو عناصر بسیط و اجسامِ مرکبہ جیسے پانی، ہوا، برق، باد و باراں، رعد اور جمادات و نباتات و حیوان پر مقرر ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝﴾
ان فرشتوں کی قسم جو امورِ عالم کے انتظام میں لگے ہوئے ہیں۔[4]

پھر ارشاد ہے:

﴿فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۝﴾
جھڑک کر ڈانٹنے والوں کی قسم۔[5]

ابن عباس کا قول ہے کہ: اس سے وُہ فرشتے مراد ہیں جو بادلوں پر مقرر ہیں۔

---

[1] سورۂ قدر، آیت ۴۔

[2] سورۂ نساء، آیت ۱۷۲۔

[3] سورۂ فاطر، آیت ۱۔

[4] سورۂ نازعات، آیت ۵۔

[5] سورۂ صافات، آیت ۲۔

۸۔ملائکہ حفظہ:

یہ وُہ فرشتے ہیں جو افرادِ انسانی کی حفاظت پر مامور ہیں۔ چنانچہ قدرت کا ارشاد ہے:

﴿لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ﴾

اس کیلئے اس کے آگے اور پیچھے حفاظت کرنے والے فرشتے مقرّر ہیں جو خُدا کے حکم سے اسکی حفاظت و نگرانی کرتے ہیں۔[۱]

۹۔ملائکہ کاتبین:

وُہ فرشتے جو بندوں کے اعمال ضبطِ تحریر میں لاتے ہیں۔ چنانچہ قدرت کا ارشاد ہے:

﴿اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ۝۱۷ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ۝۱۸﴾

جب وُہ کوئی کام کرتا ہے تو دو لکھنے والے جو اس کے دائیں بائیں ہیں لکھ لیتے ہیں اور وہ کوئی بات نہیں کہتا مگر ایک نگران اس کے پاس تیار رہتا ہے۔[۲]

۱۰۔ملائکہ موت:

وُہ فرشتے جو موت کا پیغام لاتے اور رُوح کو قبض کرتے ہیں۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا۝۱ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا۝۲﴾

ان فرشتوں کی قسم! جو ڈوب کر انتہائی شدّت سے کافروں کی رُوح کھینچ لیتے ہیں، اور اُن کی قسم جو بڑی آسانی سے مومنوں کی رُوح قبض کرتے ہیں۔[۳]

۱۱۔ملائکہ طائفین:

وُہ فرشتے جو عرش اور عرش کے نیچے بیت المعمور کا طواف کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ قدرت کا ارشاد ہے:

﴿وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ﴾

تم عرش کے گرداگرد فرشتوں کو گھیرا ڈالے ہوئے دیکھو گے۔[۴]

۱۲۔ملائکہ حشر:

وہ فرشتے جو میدانِ حشر میں انسانوں کو لائیں گے اور ان کے اعمال و افعال کی گواہی دیں گے۔ چنانچہ قدرت کا ارشاد ہے:

---

[۱] سورۂ رعد، آیت ۱۱۔

[۲] سورۂ ق، آیت ۱۷-۱۸۔

[۳] سورۂ نازعات، آیت ۱-۲۔

[۴] سورۂ زمر، آیت ۷۵۔

﴿وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ﴿٢١﴾﴾

اور ہر شخص ہمارے پاس آئے گا اور اس کے ساتھ ایک فرشتہ ہنکانے والا اور ایک اعمال کی شہادت دینے والا ہوگا۔[1]

۱۳۔ ملائکہ جہنّم:

وُہ فرشتے جو دوزخ کی پاسبانی پر مقرر ہیں۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ﴾

جہنّم پر وُہ فرشتے مقرّر ہیں جو تُند خُو اور تیز مزاج ہیں۔[2]

۱۴۔ ملائکہ بہشت:

وُہ فرشتے جو جنّت کے دروازوں پر مقرر ہیں۔ چنانچہ قدرت کا ارشاد ہے:

﴿حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ﴿٧٣﴾﴾

یہاں تک کہ جب وہ جنّت کے پاس پہنچیں گے اور اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور اس کے نگہبان اُن سے کہیں گے سلام علیکم تم خیر وخوبی سے رہے لہٰذا بہشت میں ہمیشہ کیلئے داخل ہو جاؤ۔[3]

یہ وہ اصنافِ ملائکہ ہیں جن کا اس دُعا میں تذکرہ ہے اور ان کے علاوہ اور کتنے اقسام واصناف ہیں تو ان کا احاطہ اللہ کے سوا کون کرسکتا ہے ﴿وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ﴾[4]: ''تمہارے پروردگار کے لشکروں کو اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا''۔

☆☆☆☆☆

---

[1] سورۂ ق، آیت ۲۱۔

[2] سورۂ تحریم، آیت ۶۔

[3] سورۂ زمر، آیت ۷۳۔

[4] سورۂ مدثر، آیت ۳۱۔

(۴) وَ كَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

فِي الصَّلَاةِ عَلَى اَتْبَاعِ الرُّسُلِ وَ مُصَدِّقِيهِمْ:

اَللّٰهُمَّ وَ اَتْبَاعُ الرُّسُلِ وَ مُصَدِّقُوْهُمْ مِنْ اَهْلِ الْاَرْضِ بِالْغَيْبِ عِنْدَ مُعَارَضَةِ الْمُعَانِدِيْنَ لَهُمْ بِالتَّكْذِيْبِ وَ الِاشْتِيَاقِ اِلَى الْمُرْسَلِيْنَ بِحَقَآئِقِ الْاِيْمَانِ، فِيْ كُلِّ دَهْرٍ وَ زَمَانٍ اَرْسَلْتَ فِيْهِ رَسُوْلًا وَ اَقَمْتَ لِاَهْلِهٖ دَلِيْلًا مِّنْ لَّدُنْ اٰدَمَ اِلٰى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ مِنْ اَئِمَّةِ الْهُدٰى، وَ قَادَةِ اَهْلِ التُّقٰى، عَلٰى جَمِيْعِهِمُ السَّلَامُ، فَاذْكُرْهُمْ مِنْكَ بِمَغْفِرَةٍ وَّ رِضْوَانٍ.

اَللّٰهُمَّ وَ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ خَاصَّةً الَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الصَّحَابَةَ، وَ الَّذِيْنَ اَبْلَوُا الْبَلَآءَ الْحَسَنَ فِيْ نَصْرِهٖ، وَ كَانَفُوْهُ، وَ اَسْرَعُوْٓا اِلٰى وِفَادَتِهٖ، وَ سَابَقُوْٓا اِلٰى دَعْوَتِهٖ، وَ اسْتَجَابُوْا لَهٗ حَيْثُ اَسْمَعَهُمْ حُجَّةَ رِسَالَاتِهٖ، وَ فَارَقُوا الْاَزْوَاجَ وَ الْاَوْلَادَ فِيْٓ اِظْهَارِ كَلِمَتِهٖ، وَ قَاتَلُوا الْاٰبَآءَ وَ الْاَبْنَآءَ فِيْ تَثْبِيْتِ نُبُوَّتِهٖ، وَ انْتَصَرُوْا بِهٖ. وَ مَنْ كَانُوْا مُنْطَوِيْنَ عَلٰى مَحَبَّتِهٖ، يَرْجُوْنَ تِجَارَةً

دُعا (۴)

انبیاء علیہم السلام کے تابعین اور ان پر ایمان لانے والوں کے حق میں حضرتؑ کی دُعا:

اے اللہ! تو اہل زمین میں سے رسولوں کی پیروی کرنے والوں اوران مومنین کواپنی مغفرت اورخوشنودی کے ساتھ یادفرما جوغیب کی رُو سے ان پر ایمان لائے، اس وقت کہ جب دشمن ان کے جھٹلانے کے درپے تھے اور اس وقت کہ جب وہ ایمان کی حقیقتوں کی روشنی میں ان کے (ظہور کے) مشتاق تھے، ہراس دوراور ہراس زمانہ میں جس میں تو نے کوئی رسول بھیجااوراس وقت کے لوگوں کیلئے کوئی رہنما مقرر کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد تک جو ہدایت کے پیشوا اور صاحبانِ تقویٰ کے سربراہ تھے (ان سب پر سلام ہو)۔

بارالہا! خصوصیت سے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے وہ افراد جنہوں نے پوری طرح پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ دیا، اور ان کی نصرت میں پوری شجاعت کا مظاہرہ کیا، اوران کی مدد پر کمربستہ رہے، اوران پر ایمان لانے میں جلدی اوران کی دعوت کی طرف سبقت کی، اور جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی رسالت کی دلیلیں ان کے گوش گزار کیں تو انہوں نے لبیک کہی، اوران کا بول بالا کرنے کیلئے بیوی بچوں کوچھوڑ دیا اورامر نبوت کے استحکام کیلئے باپ اور بیٹوں تک سے جنگیں کیں، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود کی برکت سے کامیابی حاصل کی، اس حالت میں کہ ان کی محبت دل کے ہر رگ وریشہ میں لئے ہوئے تھے اوران کی محبت ودوستی میں ایسی نفع

لَّنْ تَبُوْرَ فِیْ مَوَدَّتِهٖ، وَ الَّذِیْنَ هَجَرَتْهُمُ الْعَشَآئِرُ اِذْ تَعَلَّقُوْا بِعُرْوَتِهٖ، وَ انْتَفَتْ مِنْهُمُ الْقَرَابَاتُ اِذْ سَكَنُوْا فِیْ ظِلِّ قَرَابَتِهٖ.

فَلَا تَنْسَ لَهُمُ اللّٰهُمَّ مَا تَرَكُوْا لَكَ وَ فِیْكَ، وَ اَرْضِهِمْ مِنْ رِضْوَانِكَ، وَ بِمَا حَاشُوا الْخَلْقَ عَلَيْكَ، وَ كَانُوْا مَعَ رَسُوْلِكَ دُعَاةً لَّكَ اِلَيْكَ، وَ اشْكُرْهُمْ عَلٰى هَجْرِهِمْ فِيْكَ دِيَارَ قَوْمِهِمْ، وَ خُرُوْجِهِمْ مِّنْ سَعَةِ الْمَعَاشِ اِلٰى ضِيْقِهٖ، وَ مَنْ كَثَّرْتَ فِیْٓ اِعْزَازِ دِيْنِكَ مِنْ مَّظْلُوْمِهِمْ.

اَللّٰهُمَّ وَ اَوْصِلْ اِلَى التَّابِعِيْنَ لَهُمْ بِاِحْسَانٍ، الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ: ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ﴾ خَيْرَ جَزَآئِكَ. الَّذِيْنَ قَصَدُوْا سَمْتَهُمْ، وَ تَحَرَّوْا وِجْهَتَهُمْ، وَ مَضَوْا عَلٰى شَاكِلَتِهِمْ، لَمْ يَثْنِهِمْ رَيْبٌ فِیْ بَصِيْرَتِهِمْ، وَ لَمْ يَخْتَلِجْهُمْ شَكٌّ فِیْ قَفْوِ اٰثَارِهِمْ، وَ الِائْتِمَامِ بِهِدَايَةِ مَنَارِهِمْ، مُكَانِفِيْنَ وَ مُوَازِرِيْنَ لَهُمْ، يَدِيْنُوْنَ

بخش تجارت کے متوقع تھے جس میں کبھی نقصان نہ ہو، اور جب ان کے دین کے بندھن سے وابستہ ہوئے تو ان کے قوم قبیلے نے انہیں چھوڑ دیا اور جب ان کے سایہ قرب میں منزل کی تو اپنے بیگانے ہو گئے۔

تو اے میرے معبود! انہوں نے تیری خاطر اور تیری راہ میں جو سب کو چھوڑ دیا تو (جزا کے موقع پر) انہیں فراموش نہ کیجیو، اور ان کی اس فدا کاری اور خلق خدا کو تیرے دین پر جمع کرنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ داعی حق بن کر کھڑا ہونے کے صلہ میں انہیں اپنی خوشنودی سے سرفراز و شادکام فرما، اور انہیں اس امر پر بھی جزا دے کہ انہوں نے تیری خاطر اپنے قوم قبیلے کے شہروں سے ہجرت کی، اور وسعت معاش سے تنگی معاش میں جا پڑے، اور یونہی ان مظلوموں کی خوشنودی کا سامان کر کہ جن کی تعداد کو تو نے اپنے دین کو غلبہ دینے کیلئے بڑھایا۔

بارالہا! جنہوں نے اصحاب رسولؐ کی احسن طریق سے پیروی کی انہیں بہترین جزائے خیر دے جو ہمیشہ یہ دُعا کرتے رہے کہ: "اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ایمان لانے میں ہم سے سبقت لے گئے"، اور جن کا مطمح نظر اصحاب کا طریق رہا اور انہی کا طور طریقہ اختیار کیا اور انہی کی روش پر گامزن ہوئے۔ ان کی بصیرت میں کبھی شبہ کا گزر نہیں ہوا کہ انہیں (راہ حق سے) منحرف کرتا اور ان کے نقش قدم پر گام فرسائی اور ان کے روشن طرز عمل کی اقتدا میں انہیں شک و تردد نے پریشان نہیں کیا۔ وہ اصحاب نبیؐ کے معاون و دستگیر اور دین میں ان

بِدِیْنِهِمْ، وَ یَهْتَدُوْنَ بِهَدْیِهِمْ، یَتَّفِقُوْنَ عَلَیْهِمْ، وَ لَا یَتَّهِمُوْنَهُمْ فِیْمَاۤ اَدَّوْاۤ اِلَیْهِمْ.

اَللّٰهُمَّ وَ صَلِّ عَلَى التَّابِعِیْنَ مِنْ یَّوْمِنَا هٰذَاۤ اِلٰى یَوْمِ الدِّیْنِ، وَ عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ وَ عَلٰى ذُرِّیّٰتِهِمْ، وَ عَلٰى مَنْ اَطَاعَكَ مِنْهُمْ.

صَلَاةً تَعْصِمُهُمْ بِهَا مِنْ مَّعْصِیَتِكَ، وَ تَفْسَحُ لَهُمْ فِیْ رِیَاضِ جَنَّتِكَ، وَ تَمْنَعُهُمْ بِهَا مِنْ كَیْدِ الشَّیْطٰنِ، وَ تُعِیْنُهُمْ بِهَا عَلٰى مَا اسْتَعَانُوْكَ عَلَیْهِ مِنْ بِرٍّ، وَ تَقِیْهِمْ طَوَارِقَ اللَّیْلِ وَ النَّهَارِ اِلَّا طَارِقًا یَّطْرُقُ بِخَیْرٍ، وَ تَبْعَثُهُمْ بِهَا عَلَى اعْتِقَادِ حُسْنِ الرَّجَآءِ لَكَ، وَ الطَّمَعِ فِیْمَا عِنْدَكَ وَ تَرْكِ التُّهَمَةِ فِیْمَا تَحْوِیْهِ اَیْدِی الْعِبَادِ، لِتَرُدَّهُمْ اِلَى الرَّغْبَةِ اِلَیْكَ وَ الرَّهْبَةِ مِنْكَ، وَ تُزَهِّدَهُمْ فِیْ سَعَةِ الْعَاجِلِ، وَ تُحَبِّبَ اِلَیْهِمُ الْعَمَلَ لِلْاٰجِلِ، وَ الِاسْتِعْدَادَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَ تُهَوِّنَ عَلَیْهِمْ كُلَّ كَرْبٍ یَّحِلُّ بِهِمْ یَوْمَ خُرُوْجِ الْاَنْفُسِ مِنْ اَبْدَانِهَا، وَ تُعَافِیَهُمْ مِمَّا تَقَعُ بِهِ الْفِتْنَةُ مِنْ مَحْذُوْرَاتِهَا، وَ كَبَّةِ

کے پیروکار اور سیرت واخلاق میں ان سے درس آموز رہے اور ہمیشہ ان کے ہمنوا رہے اور ان کے پہنچائے ہوئے احکام میں ان پر کوئی الزام نہ دھرا۔

بار الٰہا! ان تابعین اور ان کی ازواج اور آل و اولاد اور ان میں سے جو تیرے فرمانبردار و مطیع ہیں، ان پر آج سے لے کر روز قیامت تک درود ورحمت بھیج۔

ایسی رحمت جس کے ذریعہ تو انہیں معصیت سے بچائے، جنت کے گلزاروں میں فراخی و وسعت دے، شیطان کے مکر سے محفوظ رکھے، اور جس کارِ خیر میں تجھ سے مدد چاہیں ان کی مدد کرے، اور شب و روز کے حوادث سے سوائے کسی نوید خیر کے ان کی نگہداشت کرے، اور اس بات پر انہیں آمادہ کرے کہ وہ تجھ سے حسن امید کا عقیدہ وابستہ رکھیں، اور تیرے ہاں کی نعمتوں کی خواہش کریں، اور بندوں کے ہاتھوں میں فراخی نعمت کو دیکھ کر تجھ پر (بے انصافی کا) الزام نہ دھریں، تاکہ تو ان کا رخ اپنے امید و بیم کی طرف پھیر دے، اور دنیا کی وسعت وفراخی سے انہیں بے تعلق کردے اور عمل آخرت اور موت کے بعد کی منزل کا ساز و برگ مہیا کرنا ان کی نگاہوں میں خوش آیند بنادے، اور روحوں کے جسموں سے جدا ہونے کے دن ہر کرب و اندوہ جو ان پر وارد ہو آسان کردے، اور فتنہ وآزمائش سے پیدا ہونے والے خطرات اور جہنم کی شدت اور اس میں ہمیشہ

النَّارِ وَ طُوْلِ الْخُلُوْدِ فِيْهَا، وَ تُصَيِّرَهُمْ اِلٰٓى اَمْنٍ مِّنْ مَّقِيْلِ الْمُتَّقِيْنَ.

--☆☆--

پڑے رہنے سے نجات دے، اور انہیں جائے امن کی طرف جو پرہیزگاروں کی آسائش گاہ ہے منتقل کردے۔

--☆☆--

حضرتؑ نے اس دُعا میں صحابہ و تابعین بالاحسان اور سابقین بالایمان کیلئے کلماتِ ترحم ارشاد فرمائے ہیں اور حسبِ ارشادِ الٰہی کہ ''اہلِ ایمان گزرے ہوئے عہد کے مومنین کیلئے دُعا کرتے ہوئے کہتے ہیں: ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ﴾[1]: ''اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ایمان لانے میں ہم سے سبقت لے گئے''، ان کیلئے دُعائے عفو و مغفرت فرماتے ہیں۔

امام علیہ السلام کے طرزِ عمل اور اس آیہ قرآنی سے ہمیں یہ درس حاصل ہوتا ہے کہ جو مومنین رحمتِ الٰہی کے جوار میں پہنچ چکے ہیں اُن کیلئے ہماری زبان سے کلماتِ ترحّم نکلیں اور ان کی سبقت ایمانی کے پیشِ نظر ان کیلئے دُعائے مغفرت کریں۔ اور یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ایمان میں سبقت حاصل کرنا بھی فضیلت کا ایک بڑا درجہ ہے تو اس لحاظ سے سبقت لے جانے والوں میں سب سے زیادہ فضیلت کا حامل وہ ہوگا جو ان سب سے سابق ہو اور یہ امر مسلّمہ امر ہے کہ سب سے پہلے ایمان میں سبقت کرنے والے امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام تھے۔ چنانچہ ابن عبد البر مکّی نے تحریر کیا ہے:

اَوَّلُ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ علیہ السلام.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا وہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام تھے۔ (استیعاب، ج ۲، ص ۴۵۹)

اسی بناء پر عبد اللہ ابن عباس فرمایا کرتے تھے کہ:

فَرَضَ اللّٰهُ تَعَالٰى الْاِسْتِغْفَارَ لِعَلِيٍّ فِى الْقُرْاٰنِ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ بِقَوْلِهٖ تَعَالٰى: ﴿يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ﴾، فَكُلُّ مَنْ اَسْلَمَ بَعْدَ عَلِيٍّ فَهُوَ يَسْتَغْفِرُ لِعَلِيٍّ علیہ السلام.

خداوند عالم نے اپنے ارشاد: ''اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ایمان میں ہم سے سابق تھے بخش دے''، کی رُو سے ہر مسلمان پر اپنے کلام میں یہ فریضہ عائد کر دیا ہے کہ وہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام کیلئے دُعائے مغفرت و رحمت کرتا رہے۔ لہٰذا ہر وہ شخص جو علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے بعد ایمان لائے وہ آپؑ کے حق میں دُعائے مغفرت کرے۔

(شرح ابن ابی الحدید، ج ۳، ص ۲۵۶)

بہر حال جن صحابہ اور سابقین بالایمان کا اس دُعا میں تذکرہ ہے یہ وہ اصحاب تھے جنہوں نے ہر مرحلہ پر فداکاری کے جوہر دکھائے، باطل کی طاغوتی قوتوں کے سامنے سینہ سپر رہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے سانچے میں اپنی زندگیوں کو ڈھال کے دوسروں کیلئے منارِ ہدایت قائم کر گئے اور جادۂ حق کی نشاندہی اور اسلام کی صحیح تعلیمات کی طرف رہنمائی کرتے رہے، دین کی خاطر ہر قربانی پر آمادہ نظر آئے، قوم قبیلے کو چھوڑا،

[1] سورۂ حشر، آیت ۱۰۔

بیوی بچوں سے منہ موڑا، گھر سے بے گھر ہوئے، جنگ کی شعلہ فشانیوں میں تلواروں کے وار سہے اور صبر و استقلال کے ساتھ دشمن کے مقابلہ میں جم کر لڑے، جس سے اسلام ان کا رہین منّت اور اہلِ اسلام ان کے زیر احسان ہیں۔کیا سلمان، ابوذر، مقداد، عمار ابن یاسر، خباب ابن ارت، بلال ابن رباح، قیس ابن سعد، جاریہ ابن قدامہ، حجر ابن عدی، حذیفہ ابن الیمان، حنظلہ ابن نعمان، خزیمہ ابن ثابت، احنف ابن قیس، عمرو ابن الحمق، عثمان ابن حنیف ایسے جلیل القدر صحابہ کو اہلِ اسلام فراموش کر سکتے ہیں جن کی جاں فروشانہ خدمات کے تذکروں سے تاریخ کا دامن چھلک رہا ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ یہ دُعا عہد نبویؐ کے تمام مسلمانوں کو شامل نہیں ہے، کیونکہ:

ان میں ایسے بھی تھے جو بنصِ قرآنی فاسق تھے، جیسے ولید ابن عقبہ۔

ایسے بھی تھے جنہیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ نے فتنہ پروری و شر انگیزی کی وجہ سے شہر بدر کر دیا تھا جیسے حکم ابن عاص اور اس کا بیٹا مروان۔

ایسے بھی تھے جنہوں نے محض حصولِ اقتدار و طلبِ جاہ کیلئے اہلِ بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ سے جنگیں کیں، جیسے معاویہ، عمرو ابن عاص، بسر ابن ابی ارطاۃ، حبیب ابن مسلمہ، عمر ابن سعد وغیرہ۔

ایسے بھی تھے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کو مسجد میں تنہا چھوڑ کر الگ ہو جاتے تھے۔ چنانچہ ارشادِ باری ہے:

﴿وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا﴾

یہ وہ ہیں کہ جب کوئی تجارت یا بیہودگی کی بات دیکھتے ہیں تو اس کی طرف ٹوٹ پڑتے ہیں اور تم کو کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں۔[1]

اور ایسے بھی تھے جن کے دماغوں میں جاہلیت کی بُو بسی ہوئی تھی اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی رحلت کے بعد اپنی سابقہ سیرت کی طرف پلٹ گئے۔ چنانچہ محمد ابن اسماعیل بخاری یہ حدیث تحریر کرتے ہیں:

قَالَ: يَرِدُ عَلَيَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ رَهْطٌ مِّنْ اَصْحَابِيْ فَيُحَلَّئُوْنَ عَنِ الْحَوْضِ فَاَقُوْلُ: يَا رَبِّ اَصْحَابِيْ فَيَقُوْلُ: اِنَّكَ لَا عِلْمَ لَكَ بِمَاۤ اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ، اِنَّهُمُ ارْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِهِمُ الْقَهْقَرٰى.

فرمایا کہ قیامت کے دن میرے اصحاب کی ایک جماعت میرے پاس آئے گی جسے حوضِ کوثر سے ہٹا دیا جائے گا۔ میں اس موقع پر کہوں گا کہ اے میرے پروردگار! یہ تو میرے اصحاب ہیں، ارشاد ہوگا کہ: تمہیں خبر نہیں ہے کہ انہوں نے تمہارے بعد دین میں کیا کیا بدعتیں پیدا کیں۔ یہ تو اُلٹے پاؤں اپنے سابقہ مذہب کی طرف پلٹ گئے تھے۔ (صحیح بخاری، باب الحوض)

ان حالات میں ان سب کے متعلق یکساں حسن عقیدت رکھنا اور ان سب کو ایک سا عادل قرار دے لینا، ایک تقلیدی عقیدت کا نتیجہ تو ہو سکتا ہے مگر واقعات و حقائق کی روشنی میں پرکھنے کے بعد اس عقیدہ پر برقرار رہنا بہت مشکل ہے۔ آخر ایک ہوشمند انسان یہ سوچنے پر مجبور ہوگا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کے رحلت فرماتے ہی یہ ایک دم انقلاب کیسے رُونما ہوگیا کہ اُن کی زندگی میں تو اُن کے مراتب و درجات میں امتیاز ہو اور اب سب کے سب ایک سطح پر آ کر عادل قرار پا جائیں اور اُنہیں ہر طرح کے نقد و جرح سے بالاتر سمجھتے ہوئے اپنی عقیدت کا مرکز بنا لیا جائے، آخر کیوں؟ بیشک بیعتِ رضوان

[1] سورۂ جمعہ، آیت ۱۱۔

کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے اُن کے متعلق اپنی خوشنودی کا اظہار کیا۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾

جس وقت ایمان لانے والے تم سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے تو خُدا ان کی اس بات سے ضرور خوش ہوا۔[1]

تو اس ایک بات سے خوشنود ہونے کے معنی یہ نہیں ہوں گے کہ بس اب ان کا ہر عمل اور ہر اقدام رضامندی ہی کا ترجمان ہوگا اور اب وہ جو چاہیں کریں یہ خوشنودی اُن کے شریک حال ہی رہے گی۔ اور پھر یہ کہ خداوند عالم نے اس آیت میں اپنی رضامندی کو صرف بیعت سے وابستہ نہیں کیا بلکہ بیعت اور ایمان دونوں کے مجموعے سے وابستہ کیا ہے۔ لہٰذا یہ رضامندی صرف اُن سے متعلّق ہوگی جو دل سے ایمان لائے ہوں۔ اور اگر کوئی منافقت کے ساتھ اظہارِ اسلام کر کے بیعت کرے تو اس سے رضامندی کا تعلّق ثابت نہیں ہوگا۔ اور پھر جہاں یہ رضامندی ثابت ہو وہاں یہ کہاں ضروری ہے کہ وہ باقی و برقرار بھی رہے گی۔ کیونکہ یہ خوشنودی تو اس معاہدہ پر مبنی تھی کہ وہ دشمن کے مقابلہ میں پیغمبر اکرم ﷺ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے اور جہاد کے موقع پر جم کر حریف کا مقابلہ کریں گے۔ تو اگر وہ اس معاہدہ کے تقاضوں کو نظرانداز کر کے میدان سے منہ موڑ لیں اور بیعت کے ماتحت کئے ہوئے قول و قرار کو پورا نہ کریں تو یہ خوشنودی کہاں باقی رہ سکتی ہے۔ اور واقعات یہ بتاتے ہیں کہ ان میں سے ایسے افراد بھی تھے جنہوں نے اس معاہدہ کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا اور حمایتِ پیغمبر ﷺ کے فریضہ کو نظرانداز کر دیا۔ چنانچہ جنگ حنین اس کی شاہد ہے کہ جو اسلام کی آخری جنگ تھی، اگرچہ اس کے بعد غزوۂ طائف وغزوۂ تبوک پیش آیا مگر ان غزوں میں جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ اس آخری معرکہ میں مسلمانوں کی تعداد چار ہزار سے زیادہ تھی جو دشمن کی فوج سے کہیں زیادہ تھی۔ مگر اتنی بڑی فوج میں سے صرف سات آدمی نکلے جو میدان میں جمے رہے اور باقی دشمن کے مقابلہ میں میدان چھوڑ کر چلے گئے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ﴿۲۵﴾﴾

زمین اپنی وُسعت کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی پھر تم پیٹھ پھرا کر چل دیئے۔[2]

یہ کوئی اور نہ تھے بلکہ وہی لوگ تھے جو بیعتِ رضوان میں شریک تھے۔ چنانچہ پیغمبرؐ نے اس معاہدہ کا ذکر کرتے ہوئے عباس سے فرمایا:

اُصْرُخْ بِالْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا تَحْتَ الشَّجَرَةِ وَبِالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْا.

ان درخت کے نیچے بیعت کرنے والے مہاجروں کو پکارو اور ان پناہ دینے والے اور مدد کرنے والے انصار کو للکارو۔

(خصائص سیوطی، ج ۱، ص ۲۷۰)

کیا اس موقع پر یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ اللہ کی خوشنودی ان کے شامل حال رہی ہوگی؟ ہرگز نہیں! کیونکہ وُہ خوشنودی تو صرف معاہدہ سے وابستہ تھی اور جب اس معاہدہ کی پابندی نہ کی جاسکی تو خوشنودی کے کیا معنی۔ اور بیعتِ رضوان میں شامل ہونے والے بھی یہ سمجھتے تھے کہ اللہ کی خوشنودی

---

[1] سورۂ فتح، آیت ۱۸۔

[2] سورۂ توبہ، آیت ۲۵۔

بشرطِ استواری ہی باقی رہ سکتی تھی۔ چنانچہ محمد ابن اسماعیل بخاری تحریر کرتے ہیں:

عَنْ الْعَلَاءِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ: لَقِيْتُ الْبَرَآءَ بْنَ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَقُلْتُ: طُوْبٰى لَكَ صَحِبْتَ النَّبِيَّ ﷺ وَبَايَعْتَهُ تَحْتَ الشَّجَرَةِ، فَقَالَ: يَا ابْنَ اَخِيْ! اِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَآ اَحْدَثْنَا بَعْدَهُ.

علاء ابن مسیّب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے براء ابن عازب سے ملاقات کی اور ان سے کہا کہ خوشا نصیب تمہارے کہ تم نبی ﷺ کی صحبت میں رہے اور درخت کے نیچے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی۔ فرمایا کہ: اے برادرزادے! تم نہیں جانتے کہ ہم نے ان کے بعد کیا کیا بدعتیں پیدا کیں۔ (صحیح بخاری، ج۳ص۳۰)

لہٰذا نہ محض صحابیت کوئی دلیل عدالت ہے اور نہ بیعتِ رضوان سے اُن کی عدالت پر دلیل لائی جا سکتی ہے۔

☆☆☆☆☆

(۵) وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

لِنَفْسِهٖ وَ اَهْلِ وَلَايَتِهٖ

يَا مَنْ لَّا تَنْقَضِيْ عَجَآئِبُ عَظَمَتِهٖ، صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ احْجُبْنَا عَنِ الْاِلْحَادِ فِيْ عَظَمَتِكَ.

وَ يَا مَنْ لَّا تَنْتَهِيْ مُدَّةُ مُلْكِهٖ، صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اَعْتِقْ رِقَابَنَا مِنْ نَّقِمَتِكَ.

وَ يَا مَنْ لَّا تَفْنٰى خَزَآئِنُ رَحْمَتِهٖ، صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اجْعَلْ لَّنَا نَصِيْبًا فِيْ رَحْمَتِكَ.

وَ يَا مَنْ تَنْقَطِعُ دُوْنَ رُؤْيَتِهِ الْاَبْصَارُ، صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اَدْنِنَآ اِلٰى قُرْبِكَ.

وَ يَا مَنْ تَصْغُرُ عِنْدَ خَطَرِهِ الْاَخْطَارُ، صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ كَرِّمْنَا عَلَيْكَ.

وَ يَا مَنْ تَظْهَرُ عِنْدَهٗ بَوَاطِنُ الْاَخْبَارِ، صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ لَا تَفْضَحْنَا لَدَيْكَ.

اَللّٰهُمَّ اَغْنِنَا عَنْ هِبَةِ الْوَهَّابِيْنَ بِهِبَتِكَ، وَ اكْفِنَا وَحْشَةَ الْقَاطِعِيْنَ

دُعا (۵)

اپنے لئے اور اپنے دوستوں کیلئے حضرتؑ کی دُعا

اے وہ جس کی بزرگی وعظمت کے عجائب ختم ہونے والے نہیں، تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور ہمیں اپنی عظمت کے پردوں میں چھپا کر کج اندیشیوں سے بچالے۔

اے وہ جس کی شاہی وفرمانروائی کی مدت ختم ہونے والی نہیں، تو رحمت نازل کر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آلؑ پر اور ہماری گردنوں کو اپنے غضب وعذاب (کے بندھنوں) سے آزاد رکھ۔

اے وہ جس کی رحمت کے خزانے ختم ہونے والے نہیں، رحمت نازل فرما محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آلؑ پر اور اپنی رحمت میں ہمارا بھی حصہ قرار دے۔

اے وہ جس کے مشاہدہ سے آنکھیں قاصر ہیں، رحمت نازل فرما محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آلؑ پر اور اپنی بارگاہ سے ہم کو قریب کرلے۔

اے وہ جس کی عظمت کے سامنے تمام عظمتیں پست وحقیر ہیں، رحمت نازل فرما محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آلؑ پر اور ہمیں اپنے ہاں عزت عطا کر۔

اے وہ جس کے سامنے راز ہائے سربستہ ظاہر ہیں، رحمت نازل فرما محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آلؑ پر اور ہمیں اپنے سامنے رسوا نہ کر۔

بارالٰہا! ہمیں اپنی بخشش وعطا کی بدولت بخشش کرنے والوں کی بخشش سے بے نیاز کردے، اور اپنی پیوستگی کے ذریعہ قطع تعلق

بِصِلَتِكَ، حَتّٰى لَا نَرْغَبَ اِلٰٓى اَحَدٍ مَّعَ بَذْلِكَ، وَ لَا نَسْتَوْحِشَ مِنْ اَحَدٍ مَّعَ فَضْلِكَ.

اَللّٰهُمَّ فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ كِدْ لَنَا وَ لَا تَكِدْ عَلَيْنَا، وَ امْكُرْ لَنَا وَ لَا تَمْكُرْ بِنَا، وَ اَدِلْ لَنَا وَ لَا تُدِلْ مِنَّا.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ قِنَا مِنْكَ، وَ احْفَظْنَا بِكَ، وَ اهْدِنَآ اِلَيْكَ، وَ لَا تُبَاعِدْنَا عَنْكَ، اِنَّ مَنْ تَقِهٖ يَسْلَمْ، وَ مَنْ تَهْدِهٖ يَعْلَمْ، وَ مَنْ تُقَرِّبْهُ اِلَيْكَ يَغْنَمْ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اكْفِنَا حَدَّ نَوَآئِبِ الزَّمَانِ، وَ شَرَّ مَصَآئِدِ الشَّيْطٰنِ، وَ مَرَارَةَ صَوْلَةِ السُّلْطَانِ.

اَللّٰهُمَّ اِنَّمَا يَكْتَفِى الْمُكْتَفُوْنَ بِفَضْلِ قُوَّتِكَ، فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اكْفِنَا، وَ اِنَّمَا يُعْطِى الْمُعْطُوْنَ مِنْ فَضْلِ جِدَتِكَ، فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اَعْطِنَا، وَ اِنَّمَا يَهْتَدِى

کرنے والوں کی بے تعلقی و دوری کی تلافی کر دے، تا کہ تیری بخشش وعطا کے ہوتے ہوئے دوسرے سے سوال نہ کریں اور تیرے فضل واحسان کے ہوتے ہوئے کسی سے ہراساں نہ ہوں۔

اے اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور ہمارے نفع کی تدبیر کر، اور ہمارے نقصان کی تدبیر نہ کر، اور ہم سے مکر کرنے والے دشمنوں کو اپنے مکر کا نشانہ بنا، اور ہمیں اسکی زد پر نہ رکھ اور ہمیں دشمنوں پر غلبہ دے، دشمنوں کو ہم پر غلبہ نہ دے۔

بارالٰہا! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور ہمیں اپنی ناراضی سے محفوظ رکھ، اور اپنے فضل و کرم سے ہماری نگہداشت فرما، اور اپنی جانب ہمیں ہدایت کر، اور اپنی رحمت سے دور نہ کر کہ جسے تو اپنی ناراضی سے بچائے گا وہی بچے گا، اور جسے تو ہدایت کرے گا وہی (حقائق پر) مطلع ہوگا، اور جسے تو (اپنی رحمت سے) قریب کرے گا وہی فائدہ میں رہے گا۔

اے معبود! تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور ہمیں زمانہ کے حوادث کی سختی اور شیطان کے ہتھکنڈوں کی فتنہ انگیزی اور سلطان کے قہر وغلبہ کی تلخ کامی سے اپنی پناہ میں رکھ۔

بارالٰہا! بے نیاز ہونے والے تیرے ہی کمالِ قوت واقتدار کے سہارے بے نیاز ہوتے ہیں، رحمت نازل فرما محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آلؑ پر اور ہمیں بے نیاز کر دے، اور عطا کرنے والے تیری ہی عطا وبخشش کے حصہ وافر میں سے عطا کرتے ہیں، رحمت نازل فرما محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آلؑ پر اور ہمیں بھی (اپنے خزانۂ رحمت سے) عطا فرما، اور ہدایت پانے والے تیری ہی ذات کی

الْمُهْتَدُوْنَ بِنُوْرِ وَجْهِكَ، فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اهْدِنَا.

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ مَنْ وَّالَيْتَ لَمْ يَضْرُرْهُ خِذْلَانُ الْخَاذِلِيْنَ، وَ مَنْ اَعْطَيْتَ لَمْ يَنْقُصْهُ مَنْعُ الْمَانِعِيْنَ، وَ مَنْ هَدَيْتَ لَمْ يُغْوِهٖ اِضْلَالُ الْمُضِلِّيْنَ، فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ امْنَعْنَا بِعِزِّكَ مِنْ عِبَادِكَ، وَ اَغْنِنَا عَنْ غَيْرِكَ بِاِرْفَادِكَ، وَ اسْلُكْ بِنَا سَبِيْلَ الْحَقِّ بِاِرْشَادِكَ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اجْعَلْ سَلَامَةَ قُلُوْبِنَا فِيْ ذِكْرِ عَظَمَتِكَ، وَ فَرَاغَ اَبْدَانِنَا فِيْ شُكْرِ نِعْمَتِكَ، وَ انْطِلَاقَ اَلْسِنَتِنَا فِيْ وَصْفِ مِنَّتِكَ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اجْعَلْنَا مِنْ دُعَاتِكَ الدَّاعِيْنَ اِلَيْكَ، وَ هُدَاتِكَ الدَّالِّيْنَ عَلَيْكَ، وَ مِنْ خَاصَّتِكَ الْخَاصِّيْنَ لَدَيْكَ، يَاۤ اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ.

--☆☆--

درخشندگیوں سے ہدایت پاتے ہیں، رحمت نازل فرما محمد ﷺ اوران کی آلؑ پراور ہمیں ہدایت فرما۔

بارالٰہا! جس کی تو نے مدد کی اسے مدد نہ کرنے والوں کا مدد سے محروم رکھنا کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا، اور جسے تو عطا کرے اس کے ہاں روکنے والوں کے روکنے سے کچھ کمی نہیں ہوجاتی، اور جس کی تو خصوصی ہدایت کرے اسے گمراہ کرنے والوں کا گمراہ کرنا بے راہ نہیں کرسکتا، رحمت نازل فرما محمد ﷺ اوران کی آلؑ پراور اپنے غلبہ وقوت کے ذریعہ بندوں (کے شر) سے ہمیں بچائے رکھ، اور اپنی عطا وبخشش کے ذریعہ دوسروں سے بے نیاز کردے، اور اپنی رہنمائی سے ہمیں راہ حق پر چلا۔

اے معبود! تو محمد ﷺ اوران کی آلؑ پر رحمت نازل فرمااور ہمارے دلوں کی سلامتی اپنی عظمت کی یاد میں قرار دے، اور ہماری جسمانی فراغت (کے لمحوں) کو اپنی نعمت کے شکریہ میں صرف کردے، اور ہماری زبانوں کی گویائی کو اپنے احسان کی توصیف کیلئے وقف کردے۔

اے اللہ! تو رحمت نازل فرما محمد ﷺ اوران کی آلؑ پر اور ہمیں ان لوگوں میں سے قرار دے جو تیری طرف دعوت دینے والے اور تیری طرف کا راستہ بتانے والے ہیں، اور اپنے خاص الخاص مقربین میں سے قرار دے، اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے۔

--☆☆--

یہ دُعا جس کی ابتدا عظمت الٰہی کے تذکرے سے ہے، بندوں کو اللہ کی عظمت و رفعت کے آگے جھکنے اور صرف اسی سے سوال کرنے کی تعلیم دیتی ہے۔ اگر انسان ہر دروازے سے اپنی حاجتیں وابستہ کرے گا تو یہ چیز عزتِ نفس و خودداری کے منافی ہونے کے علاوہ ذہنی انتشار کا باعث بن کر اسے ہمیشہ پریشانیوں اور اُلجھنوں میں مبتلا رکھے گی۔ اور جو شخص قدم قدم پر دوسروں کا سہارا ڈھونڈتا ہے اور ہر وقت یہ آس لگائے رہتا ہے کہ یہ مقصد فلاں سے پورا ہوگا اور یہ کام فلاں شخص کے ذریعہ انجام پائے گا تو کبھی کسی کی چوکھٹ پر جھکے گا اور کبھی کسی کے آستانہ پر سرِ نیاز خم کرے گا، کبھی کسی سے توقع رکھے گا اور کبھی کسی سے اُمید باندھے گا، کہیں مایوسی کا سامنا ہوگا کہیں ذلّت کا اور نتیجہ میں ذہن منتشر اور خیالات پراگندہ ہو جائیں گے۔ نہ سکونِ قلب نصیب ہوگا نہ ذہنی یکسوئی حاصل ہوگی۔

اور اگر اس کی تمام امیدوں، آرزوؤں اور حاجتوں کا ایک ہی محور ہو تو وہ اپنے کو انتشارِ ذہنی سے بچا لے جا سکتا ہے۔ اسے یوں سمجھنا چاہئے کہ اگر کوئی شخص چھوٹی چھوٹی رقموں کا بہت سے آدمیوں کا مقروض ہو اور صبح سے شام تک اُسے مختلف قرض خواہوں سے نپٹنا پڑتا ہو تو وہ یہ چاہے گا کہ متعدد آدمیوں کا مقروض ہونے کے بجائے ایک ہی آدمی کا مقروض ہو۔ اگرچہ اس سے قرضہ کی مقدار میں کمی واقع نہیں ہوگی مگر متعدد قرض خواہوں کے تقاضوں سے تو بچ جائے گا۔ اب تقاضا ہوگا تو ایک کا اور زیر باری ہوگی تو ایک کی۔ اور اگر یہ معلوم ہو کہ وہ قرض خواہ زیادہ تقاضا کرنے والا نہیں ہے اور نہ ہونے کی صورت میں درگزر کرنے والا بھی ہے تو اس سے ذہنی بار اور ہلکا ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی اپنی حاجتوں اور طلب گاریوں کا ایک ہی مرکز قرار دے لے اور صرف اسی سے اپنے توقعات وابستہ کرے اور تمام متفرق و پاشاں اور ناقابل اطمینان مرکزوں سے رُخ موڑ لے تو اس کے نتیجہ میں ذہنی آسودگی حاصل کر سکتا ہے اور دل و دماغ کو پریشان خیالی سے بچا لے جا سکتا ہے۔ گویا کہ وہ متعدد قرض خواہوں کے چنگل سے چھوٹ کر اب صرف ایک کا زیر بار اور حلقہ بگوش ہے:

اک در پہ بیٹھ گر ہے توکّل کریم پر اللہ کے فقیر کو پھیرا نہ چاہیے

اس دُعا میں ہر جملہ کے بعد دُرود کا تکرار استجابتِ دُعا کیلئے ہے، کیونکہ دُعا میں محمد و آل محمد علیہم السلام پر دُرود بھیجنا استجابتِ دُعا کا ذمہ دار اور اس کی قبولیت کا ضامن ہے اور وہ دُعا جس کا تکملہ دُرود نہ ہو وہ بابِ قبولیت تک نہیں پہنچتی۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

لَا يَزَالُ الدُّعَآءُ مَحۡجُوۡبًا حَتّٰى يُصَلّٰى عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ.

دُعا اس وقت تک رُکی رہتی ہے جب تک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کی آل علیہم السلام پر دُرود نہ بھیجا جائے۔[1]

☆☆☆☆☆

[1] الکافی، ج ۲، ص ۴۹۱۔

(۲) وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

عِنْدَ الصَّبَاحِ وَ الْمَسَآءِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ اللَّيْلَ وَ النَّهَارَ بِقُوَّتِهٖ وَ مَيَّزَ بَيْنَهُمَا بِقُدْرَتِهٖ، وَ جَعَلَ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا حَدًّا مَّحْدُوْدًا، وَ اَمَدًا مَّمْدُوْدًا، يُوْلِجُ كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا فِيْ صَاحِبِهٖ، وَ يُوْلِجُ صَاحِبَهٗ فِيْهِ، بِتَقْدِيْرٍ مِّنْهُ لِلْعِبَادِ فِيْمَا يَغْذُوْهُمْ بِهٖ، وَ يُنْشِئُهُمْ عَلَيْهِ.

فَخَلَقَ لَهُمُ اللَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ، مِنْ حَرَكَاتِ التَّعَبِ وَ نَهَضَاتِ النَّصَبِ، وَ جَعَلَهٗ لِبَاسًا لِّيَلْبَسُوْا مِنْ رَّاحَتِهٖ وَ مَنَامِهٖ، فَيَكُوْنَ ذٰلِكَ لَهُمْ جَمَامًا وَّ قُوَّةً، وَلِيَنَالُوْا بِهٖ لَذَّةً وَّ شَهْوَةً.

وَ خَلَقَ لَهُمُ النَّهَارَ مُبْصِرًا لِّيَبْتَغُوْا فِيْهِ مِنْ فَضْلِهٖ، وَ لِيَتَسَبَّبُوْآ اِلٰى رِزْقِهٖ، وَ يَسْرَحُوْا فِيْٓ اَرْضِهٖ، طَلَبًا لِّمَا فِيْهِ نَيْلُ الْعَاجِلِ مِنْ دُنْيَاهُمْ.

وَ دَرَكُ الْاٰجِلِ فِيْٓ اُخْرَاهُمْ، بِكُلِّ ذٰلِكَ يُصْلِحُ شَاْنَهُمْ، وَ يَبْلُوْ اَخْبَارَهُمْ، وَ يَنْظُرُ كَيْفَ هُمْ فِيْٓ اَوْقَاتِ طَاعَتِهٖ، وَ مَنَازِلِ فُرُوْضِهٖ، وَ مَوَاقِعِ اَحْكَامِهٖ،

دُعا (۲)

دُعائے صبح وشام

سب تعریف اس اللہ کیلئے ہے جس نے اپنی قوت وتوانائی سے شب و روز کو خلق فرمایا، اور اپنی قدرت کی کارفرمائی سے ان دونوں میں امتیاز قائم کیا، اور ان میں سے ہر ایک کو معینہ حدود و مقررہ اوقات کا پابند بنایا، اور ان کے کم وبیش ہونے کا جو اندازہ مقرر کیا اس کے مطابق رات کی جگہ پر دن اور دن کی جگہ پر رات کو لاتا ہے، تا کہ اس ذریعہ سے بندوں کی روزی اور ان کی پرورش کا سروسامان کرے۔

چنانچہ اس نے ان کیلئے رات بنائی تا کہ وہ اس میں تھکا دینے والے کاموں اور خستہ کر دینے والی کلفتوں کے بعد آرام کریں، اور اسے پردہ قرار دیا تا کہ سکون کی چادر تان کر آرام سے سوئیں، اور یہ ان کیلئے راحت ونشاط اور طبعی قوتوں کے بحال ہونے اور لذت وکیف اندوزی کا ذریعہ ہو۔

اور دن کو ان کیلئے روشن و درخشاں پیدا کیا تا کہ اس میں (کاروکسب میں سرگرم عمل ہو کر) اس کے فضل کی جستجو کریں، اور روزی کا وسیلہ ڈھونڈیں، اور دنیاوی منافع اور اُخروی فوائد کے وسائل تلاش کرنے کیلئے اس کی زمین میں چلیں پھریں۔

ان تمام کارفرمائیوں سے وہ ان کے حالات سنوارتا، اور ان کے اعمال کی جانچ کرتا ہے، اور یہ دیکھتا ہے کہ وہ لوگ اطاعت کی گھڑیوں، فرائض کی منزلوں اور تعمیل احکام کے موقعوں پر کیسے ثابت ہوتے ہیں،

﴿لِيَجْزِىَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَ يَجْزِىَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى﴾.

تاکہ بروں کو ان کی بداعمالیوں کی سزا اور نیکوکاروں کو اچھا بدلہ دے۔

اَللّٰهُمَّ فَلَكَ الْحَمْدُ عَلٰى مَا فَلَقْتَ لَنَا مِنَ الْاِصْبَاحِ، وَ مَتَّعْتَنَا بِهٖ مِنْ ضَوْءِ النَّهَارِ، وَ بَصَّرْتَنَا مِنْ مَطَالِبِ الْاَقْوَاتِ، وَ وَقَيْتَنَا فِيْهِ مِنْ طَوَارِقِ الْاٰفَاتِ.

اے اللہ! تیرے ہی لئے تمام تعریف وتوصیف ہے کہ تو نے ہمارے لئے (رات کا دامن چاک کرکے) صبح کا اُجالا کیا، اور اس طرح دن کی روشنی سے ہمیں فائدہ پہنچایا، اور طلب رزق کے مواقع ہمیں دکھائے، اور اس میں آفات وبلیات سے ہمیں بچایا۔

اَصْبَحْنَا وَ اَصْبَحَتِ الْاَشْيَآءُ كُلُّهَا بِجُمْلَتِهَا لَكَ: سَمَآؤُهَا وَ اَرْضُهَا، وَ مَا بَثَثْتَ فِيْ كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا، سَاكِنُهٗ وَ مُتَحَرِّكُهٗ، وَ مُقِيْمُهٗ وَ شَاخِصُهٗ، وَ مَا عَلَا فِي الْهَوَآءِ، وَ مَا كَنَّ تَحْتَ الثَّرٰى.

ہم اور ہمارے علاوہ سب چیزیں تیری ہیں، آسمان بھی اور زمین بھی اور وہ سب چیزیں جنہیں تو نے ان میں پھیلایا ہے، وہ ساکن ہوں یا متحرک، مقیم ہوں یا راہ نورد، فضا میں بلند ہوں یا زمین کی تہوں میں پوشیدہ۔

اَصْبَحْنَا فِيْ قَبْضَتِكَ يَحْوِيْنَا مُلْكُكَ وَ سُلْطَانُكَ، وَ تَضُمُّنَا مَشِيَّتُكَ، وَ نَتَصَرَّفُ عَنْ اَمْرِكَ، وَ نَتَقَلَّبُ فِيْ تَدْبِيْرِكَ، لَيْسَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ اِلَّا مَا قَضَيْتَ، وَ لَا مِنَ الْخَيْرِ اِلَّا مَآ اَعْطَيْتَ.

ہم تیرے قبضۂ قدرت میں ہیں، اور تیرا اقتدار اور تیری بادشاہت ہم پر حاوی ہے، اور تیری مشیت کا محیط ہمیں گھیرے ہوئے ہے، تیرے حکم سے ہم تصرف کرتے، اور تیری تدبیر وکارسازی کے تحت ہم ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پلٹتے ہیں، جو امر تو نے ہمارے لئے نافذ کیا اور جو خیر اور بھلائی تو نے ہمیں بخشی اس کے علاوہ ہمارے اختیار میں کچھ نہیں ہے۔

وَ هٰذَا يَوْمٌ حَادِثٌ جَدِيْدٌ، وَ هُوَ عَلَيْنَا شَاهِدٌ عَتِيْدٌ، اِنْ اَحْسَنَّا وَدَّعَنَا بِحَمْدٍ، وَ اِنْ اَسَاْنَا فَارَقَنَا بِذَمٍّ.

اور یہ دن نیا اور تازہ وارد ہے جو ہم پر ایسا گواہ ہے جو ہمہ وقت حاضر ہے۔ اگر ہم نے اچھے کام کئے تو وہ توصیف وثنا کرتے ہوئے ہمیں رخصت کرے گا اور اگر برے کام کئے تو برائی کرتا ہوا ہم سے علیحدہ ہوگا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ ارْزُقْنَا حُسْنَ مُصَاحَبَتِهٖ، وَ اعْصِمْنَا مِنْ سُوْٓءِ مُفَارَقَتِهٖ، بِارْتِكَابِ جَرِيْرَةٍ، اَوِ اقْتِرَافِ صَغِيْرَةٍ اَوْ كَبِيْرَةٍ، وَ اَجْزِلْ لَنَا فِيْهِ مِنَ الْحَسَنَاتِ، وَ اَخْلِنَا فِيْهِ مِنَ السَّيِّئَاتِ، وَ امْلَاْ لَنَا مَا بَيْنَ طَرَفَيْهِ حَمْدًا وَّ شُكْرًا، وَ اَجْرًا وَّ ذُخْرًا، وَ فَضْلًا وَّ اِحْسَانًا.

اے اللہ! تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور ہمیں اس دن کی اچھی رفاقت نصیب کرنا، اور کسی خطا کے ارتکاب کرنے یا صغیرہ و کبیرہ گناہ میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اس کے چیں بہ جبیں ہو کر رخصت ہونے سے ہمیں بچائے رکھنا، اور اس دن میں ہماری نیکیوں کا حصہ زیادہ کر، اور برائیوں سے ہمارا دامن خالی رکھ، اور ہمارے لئے اس کے آغاز و انجام کو حمد و سپاس، ثواب و ذخیرہ آخرت اور بخشش و احسان سے بھر دے۔

اَللّٰهُمَّ يَسِّرْ عَلَى الْكِرَامِ الْكَاتِبِيْنَ مَئُوْنَتَنَا، وَ امْلَاْ لَنَا مِنْ حَسَنَاتِنَا صَحَآئِفَنَا، وَ لَا تُخْزِنَا عِنْدَهُمْ بِسُوْٓءِ اَعْمَالِنَا.

اے اللہ! کراماً کاتبین پر (ہمارے گناہ قلمبند کرنے کی) زحمت کم کر دے، اور ہمارا نامۂ اعمال نیکیوں سے بھر دے، اور بداعمالیوں کی وجہ سے ہمیں ان کے سامنے رسوا نہ کر۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لَنَا فِيْ كُلِّ سَاعَةٍ مِّنْ سَاعَاتِهٖ حَظًّا مِّنْ عِبَادِكَ، وَ نَصِيْبًا مِّنْ شُكْرِكَ، وَ شَاهِدَ صِدْقٍ مِّنْ مَّلٰٓئِكَتِكَ.

بارالٰہا! تو اس دن کے لمحوں میں سے ہر لحہ و ساعت میں اپنے خاص بندوں کا حظ و نصیب اور اپنے شکر کا ایک حصہ اور فرشتوں میں سے ایک سچا گواہ ہمارے لئے قرار دے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ احْفَظْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْنَا وَ مِنْ خَلْفِنَا، وَ عَنْ اَيْمَانِنَا وَ عَنْ شَمَآئِلِنَا، وَ مِنْ جَمِيْعِ نَوَاحِيْنَا، حِفْظًا عَاصِمًا مِّنْ مَّعْصِيَتِكَ، هَادِيًا اِلٰى طَاعَتِكَ، مُسْتَعْمِلًا لِّمَحَبَّتِكَ.

اے اللہ! تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور آگے پیچھے اور داہنے اور بائیں اور تمام اطراف و جوانب سے ہماری حفاظت کر۔ ایسی حفاظت جو ہمارے لئے گناہ و معصیت سے سد راہ ہو، تیری اطاعت کی طرف رہنمائی کرے اور تیری محبت میں صرف ہو۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ وَفِّقْنَا فِيْ يَوْمِنَا هٰذَا وَ لَيْلَتِنَا هٰذِهٖ، وَ فِيْ جَمِيْعِ اَيَّامِنَا، لِاسْتِعْمَالِ الْخَيْرِ، وَ هِجْرَانِ

اے اللہ! تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور ہمیں آج کے دن اور آج کی رات اور زندگی کے تمام دنوں میں توفیق عطا فرما کہ ہم نیکیوں پر عمل کریں، برائیوں کو

الشَّرِّ، وَ شُكْرِ النِّعَمِ، وَ اتِّبَاعِ السُّنَنِ، وَ مُجَانَبَةِ الْبِدَعِ، وَ الْاَمْرِ بِالْمَعْرُوْفِ، وَ النَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَ حِيَاطَةِ الْاِسْلَامِ، وَ انْتِقَاصِ الْبَاطِلِ وَ اِذْلَالِهٖ، وَ نُصْرَةِ الْحَقِّ وَ اِعْزَازِهٖ، وَ اِرْشَادِ الضَّالِّ، وَ مُعَاوَنَةِ الضَّعِيْفِ، وَ اِدْرَاكِ اللَّهِيْفِ.

چھوڑیں، نعمتوں پر شکر اور سنتوں پر عمل کریں، بدعتوں سے الگ تھلگ رہیں اور نیک کاموں کا حکم دیں اور برے کاموں سے روکیں، اسلام کی حمایت و طرفداری کریں، باطل کو کچلیں اور اسے ذلیل کریں، حق کی نصرت کریں اور اسے سر بلند کریں، گمراہوں کی رہنمائی، کمزوروں کی اعانت اور دردمندوں کی چارہ جوئی کریں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اجْعَلْهُ اَيْمَنَ يَوْمٍ عَهِدْنَاهُ، وَ اَفْضَلَ صَاحِبٍ صَحِبْنَاهُ، وَ خَيْرَ وَقْتٍ ظَلِلْنَا فِيْهِ، وَ اجْعَلْنَا مِنْ اَرْضٰى مَنْ مَّرَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ وَ النَّهَارُ، مِنْ جُمْلَةِ خَلْقِكَ، اَشْكَرَهُمْ لِمَاۤ اَوْلَيْتَ مِنْ نِّعَمِكَ، وَ اَقْوَمَهُمْ بِمَا شَرَعْتَ مِنْ شَرَآئِعِكَ، وَ اَوْقَفَهُمْ عَمَّا حَذَّرْتَ مِنْ نَّهْيِكَ.

بارالہا! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور آج کے دن کو ان تمام دنوں سے جو ہم نے گزارے زیادہ مبارک دن، اور ان تمام ساتھیوں سے جن کا ہم نے ساتھ دیا اس کو بہترین رفیق، اور ان تمام وقتوں سے جن کے زیر سایہ ہم نے زندگی بسر کی اس کو بہترین وقت قرار دے، اور ہمیں ان تمام مخلوقات میں سے زیادہ راضی وخوشنود رکھ جن پر شب و روز کے چکر چلتے رہے ہیں، اور ان سب سے زیادہ اپنی عطا کی ہوئی نعمتوں کا شکر گزار، اور ان سب سے زیادہ اپنے جاری کئے ہوئے احکام کا پابند، اور ان سب سے زیادہ ان چیزوں سے کنارہ کشی کرنے والا قرار دے جن سے تو نے خوف دلا کر منع کیا ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْۤ اُشْهِدُكَ وَ كَفٰى بِكَ شَهِيْدًا، وَ اُشْهِدُ سَمَآءَكَ وَ اَرْضَكَ وَ مَنْ اَسْكَنْتَهُمَا، مِنْ مَّلٰٓئِكَتِكَ وَ سَآئِرِ خَلْقِكَ، فِيْ يَوْمِيْ هٰذَا وَ سَاعَتِيْ هٰذِهٖ وَ لَيْلَتِيْ هٰذِهٖ وَ مُسْتَقَرِّيْ هٰذَا، اَنِّیْۤ اَشْهَدُ اَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ، قَآئِمٌۢ بِالْقِسْطِ،

اے خدا! میں تجھے گواہ کرتا ہوں اور تو گواہی کیلئے کافی ہے، اور تیرے آسمان اور تیری زمین کو، اور ان میں جن جن فرشتوں اور جس جس مخلوق کو تو نے بسایا ہے، آج کے دن اور اس گھڑی اور اس رات میں اور اس مقام پر گواہ کرتا ہوں کہ میں اس بات کا معترف ہوں کہ صرف تو ہی وہ معبود ہے جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، انصاف کا قائم کرنے والا، حکم میں

عَدْلٌ فِي الْحُكْمِ، رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ، مَالِكُ الْمُلْكِ، رَحِيْمٌ بِالْخَلْقِ.

عدل ملحوظ رکھنے والا، بندوں پر مہربان، اقتدار کا مالک اور کائنات پر رحم کرنے والا ہے۔

وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَ رَسُوْلُكَ، وَ خِيَرَتُكَ مِنْ خَلْقِكَ، حَمَّلْتَهٗ رِسَالَتَكَ فَاَدَّاهَا، وَ اَمَرْتَهٗ بِالنُّصْحِ لِاُمَّتِهٖ فَنَصَحَ لَهَا.

اور اس بات کی بھی شہادت دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیرے خاص بندے رسول اور برگزیدۂ کائنات ہیں۔ ان پر تو نے رسالت کی ذمہ داریاں عائد کیں تو انہوں نے اسے پہنچایا اور اپنی اُمت کو پند و نصیحت کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے نصیحت فرمائی۔

اَللّٰهُمَّ فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ اَكْثَرَ مَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْ خَلْقِكَ، وَ اٰتِهٖ عَنَّآ اَفْضَلَ مَا اٰتَيْتَ اَحَدًا مِّنْ عِبَادِكَ، وَ اجْزِهٖ عَنَّآ اَفْضَلَ وَ اَكْرَمَ مَا جَزَيْتَ اَحَدًا مِّنْ اَنْبِيَآئِكَ عَنْ اُمَّتِهٖ.

(بار الٰہا! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر اس سے کہیں زیادہ رحمت نازل فرما جو تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی پر نازل فرمائی ہو)، ہماری طرف سے انہیں وہ بہترین تحفہ عطا کر جو تیرے ہر اس انعام سے بڑھا ہوا ہو جو اپنے بندوں میں سے تو نے کسی ایک کو دیا ہو، اور ہماری طرف سے انہیں وہ جزا دے جو ہر اس جزا سے بہتر و برتر ہو جو انبیاء علیہم السلام میں سے کسی ایک کو تو نے اس کی اُمت کی طرف سے عطا فرمائی ہو۔

اِنَّكَ اَنْتَ الْمَنَّانُ بِالْجَسِيْمِ، الْغَافِرُ لِلْعَظِيْمِ، وَ اَنْتَ اَرْحَمُ مِنْ كُلِّ رَحِيْمٍ، فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ الْاَخْيَارِ الْاَنْجَبِيْنَ.

بے شک تو بڑی نعمتوں کا بخشنے والا اور بڑے گناہوں سے درگزر کرنے والا اور ہر رحیم سے زیادہ رحم کرنے والا ہے، لہٰذا تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی پاک و پاکیزہ اور شریف و نجیب اولاد علیہم السلام پر رحمت نازل فرما۔

--☆☆--

اس دُعا کا سرنامہ ''دُعائے صبح و شام'' ہے جس میں اختلاف شب و روز کی کرشمہ سازی، اوقات کی تبدیلی و تنوع کی حکمت اور قدرت کے ارادہ و مشیّت کی کارفرمائی کا ذکر فرمایا ہے اور حسنِ عمل، شکرِ نعمت، اتباعِ سنّت، ترکِ بدعت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، اسلام کی طرفداری و حفاظت، باطل کی تذلیل و سرکوبی، حق کی نصرت و حمایت، ارشاد و ہدایت میں سرگرمی اور کمزور و ناتواں کی خبرگیری کیلئے توفیق الٰہی کے شامل حال ہونے کی دُعا فرمائی ہے، تاکہ دُعا کے تاثرات، عملی استحکام کا پیش خیمہ ثابت ہوں اور زندگی کے لمحات مقصدِ حیات کی تکمیل میں صرف ہوں۔

یہ اوقات کا تبدل، طلوع و غروب کا تسلسل اور صبح کے بعد شام اور شام کے بعد سپیدۂ سحر کی نمود کارفرمائے فطرت کی وہ حسین کارفرمائی ہے جو نگاہوں کیلئے حظ و کیف اور قلب و روح کیلئے سرور و نشاط کا سامان ہونے کے علاوہ بے شمار مصالح و فوائد کی بھی حامل ہے۔ چنانچہ شب و روز کی تعیین، مہینوں اور سالوں کا انضباط اور کاروبار، معیشت اور آرام و استراحت کے اوقات کی حد بندی اسی سے وابستہ ہے اور پھر اس میں زندگی کی تسکین و راحت کا بھی سامان ہے۔ کیونکہ وقت اگر ہمیشہ ایک حالت پر رہتا اور لیل و نہار کے سیاہ و سفید ورق نگاہوں کے سامنے اُلٹے نہ جاتے تو طبیعتیں بے کیف، دل سیر اور زندگی کیلئے دل بستگی کے تمام ذرائع ختم ہو جاتے اور حُسنِ یک رنگ آنکھوں میں کھٹکنے لگتا اور نغمۂ بے زیر و بم وَبالِ گوش ہو جاتا۔ کیونکہ انسان کی تنوع پسند طبیعت یکسانی و یک رنگی کی حالت سے جلد اُکتا جاتی ہے۔ اس لئے قدرت نے انسانی طبیعت کے خواص کے مطابق شب و روز کی تفریق قائم کر دی تاکہ شام کے بعد صبح اور صبح کے بعد شام کا انتظار زندگی کی خستگیوں اور اس کی مسلسل اُلجھنوں اور پریشانیوں سے سہارا دیتا رہے۔ چنانچہ قدرت نے اختلافِ شب و روز کی مصلحت کی طرف متوجہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

﴿اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۝۷۲ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝۷۳﴾

اگر خدا تمہارے لئے قیامت کے دن تک دن ہی رکھتا تو اللہ کے علاوہ اور کون ہے جو تمہارے لئے رات لاتا کہ تم اس میں آرام کرو، کیا تم اتنا بھی نہیں دیکھتے۔ اور اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات اور دن قرار دئیے ہیں تاکہ رات کو آرام کرو اور دن کو اس کا رزق تلاش کرو تاکہ اس کے نتیجہ میں تم شکر ادا کرو۔[۱]

اسی نظمِ اوقات کا نتیجہ ہے کہ جب صبح نمودار ہوتی ہے اور سورج کی تابناک کرنیں فضا میں پھیل کر کارگاہِ ہستی کے گوشہ گوشہ کو جگمگا دیتی ہیں تو خاموش و پرسکون فضا میں گہما گہمی شروع ہو جاتی ہے۔ پرندے آشیانوں سے، حیوان بھٹوں اور کھوؤں سے، کیڑے مکوڑے بلوں اور سوراخوں سے اور انسان جھونپڑوں اور مکانوں سے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ حرکت و عمل کی دنیا آباد ہو جاتی ہے اور ہر صنف اپنے کاروکسب میں مصروف اور اپنے مشاغل میں سرگرمِ عمل نظر آنے لگتی ہے۔ پرندے فضا میں، حیوان زمین کے اوپر سے اور کیڑے مکوڑے زمین کے اندر سے اپنی روزی ڈھونڈنے لگتے ہیں اور چیونٹیاں بھی اپنی مختصر جسامت کے باوجود سعیِ پیہم و جہدِ مسلسل کا وہ مظاہرہ کرتی ہیں کہ انسانی عقلیں دَنگ رہ جاتی ہیں۔ دھوپ ہو یا سایہ، نہ محنت سے جی چراتی ہیں، نہ مشقت سے منہ موڑتی ہیں اور ہر وقت دوڑ و دھوپ کرتی اور طلب و تلاش میں مصروف نظر آتی ہیں۔ غرض کائنات کی ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی مخلوق محنت و کاوش کو اپنا دستورِ حیات بنائے ہوئے پیٹ پالنے کیلئے بھاگ دوڑ کرتی ہے اور کمزور سے کمزور حیوان بھی یہ گوارا نہیں کرتا کہ جب تک اس کے ہاتھ پاؤں میں سکت ہے بیکار پڑا رہے اور اپنے ہم جنسوں سے بھیک مانگے اور ان کے آگے ہاتھ پھیلائے۔ یہ حیوانی سیرت، انسانی غیرت کیلئے ایک تازیانہ ہے اور انسان کیلئے ایک داعیۂ فکر ہے کہ جب حیوان اس کی سطح سے کہیں پست تر ہونے کے باوجود سوال میں عار محسوس کرتا ہے تو وہ اپنے ہم جنسوں کے آگے کس طرح ہاتھ پھیلانا گوارا کر لیتا ہے۔

---

[۱] سورۂ قصص، آیت ۷۲-۷۳۔

انسانی بلندی کا تقاضا تو یہ ہے کہ اپنے قوتِ بازو سے کمائے اور سوال کی ذلّت اور احتیاج کی نکبت سے عزت نفس پر حرف نہ آنے دے۔ وہ افراد جو تن آسانی کی وجہ سے بے کار پڑے رہتے ہیں وہ آرام وسکون کی حقیقی لذت سے یکسر محروم رہتے ہیں۔ سچی راحت اور اصلی سکون تو محنت و مشقت کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے۔ سایہ کی قدر و قیمت کو وہی جان سکتا ہے جو سورج کی تمازت اور دھوپ کی تپش میں مصروفِ کار ہوا اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں سے وہی کیف اندوز ہو سکتا ہے جو گرمی و حدّت کی شعلہ باریوں میں پسینہ سے شرابور ہو اور رات کے پُرسکون لمحات اسی کیلئے سکون و راحت کا پیغام ثابت ہو سکتے ہیں جس کا دن محنت و جفاکشی کا حامل ہو۔ چنانچہ ایک ٹوکری ڈھونے والا مزدور اور چلچلاتی دھوپ میں ہل چلانے والا کسان جب دن کے کاموں سے فارغ ہوتا ہے تو فطرت پوری فراخ حوصلگی سے اس کیلئے سروسامان راحت مہیّا کر دیتی ہے۔ سورج کا چراغ گُل ہو جاتا ہے، چاند کی ہلکی اور ٹھنڈی چھاؤں کا شامیانہ تن جاتا ہے، ستاروں کی قندیلیں ٹمٹمانے لگتی ہیں، شفق کے رنگین پردے آویزاں ہو جاتے ہیں، ہری بھری گھاس کا مخملی فرش بچھ جاتا ہے، شاخیں جھوم کر مروحہ جنبانی کرتی ہیں اور پتے ہوا کے جھونکوں سے ٹکرا کر فضا کے دامن کو خواب آور نغموں سے بھر دیتے ہیں اور فرشِ زمین کے اوپر اور شامیانۂ فلک کے نیچے سونے والا رات کی سیاہ چادر اوڑھ کر آرام سے سو جاتا ہے۔

کیا اس کے مقابلے میں وہ کاہل و آرام طلب جس کے ہاں نرم و گداز گدے، آرام دہ مسہریاں، ہوا میں لہریں پیدا کرنے والے بجلی کے پنکھے اور آنکھوں کو خیرگی سے بچانے والے ہلکے سبز رنگ کے قمقمے اور دوسرے مصنوعی و خود ساختہ سامانِ آسائش مہیّا ہوں، زیادہ پرسکون و پرکیف رات بسر کر سکتا ہے؟ بہرحال کارخانہ ہست و بود کی بوقلمونیاں اور فطرت کی متنوع رعنائیاں انسان کے حیات کی تسکین اور زندگی کی دل بستگی و آسائش کا مکمّل سروسامان لئے ہوئے ہیں۔

لیکن یہ عالم کے دل آویز نقوش اور راحت و آسائش کے سامان کس لئے ہیں؟ کیا اس لئے ہیں کہ انسان چند دن کھائے پیئے، گھومے پھرے اور پھر قبر میں جا سوئے۔ اگر ایسا ہو تو زندگی کا کوئی مآل و مقصد ہی نہیں رہتا۔ حالانکہ دنیائے کائنات کی ہر چیز کا ایک مقصد اور ایک مدّعا ہے تو پھر زندگی اور زندگی کے سروسامان بغیر مقصد کے کیونکر ہو سکتے ہیں؟ اس کا بھی کوئی مقصد ہونا چاہئے اور وہ مقصد صرف آخرت کی زندگی ہے۔ جس کی سعادتوں اور کامرانیوں کو حاصل کرنے کیلئے دنیا کو ایک ذریعہ اور امتحان گاہ قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَلٰكِنۡ لِّيَبۡلُوَكُمۡ فِىۡ مَاۤ اٰتٰٮكُمۡ فَاسۡتَبِقُوا الۡخَيۡرٰتِ ؕ﴾

لیکن جو اُس نے تمہیں دیا ہے اُس میں تمہیں آزمانا چاہتا ہے، لہٰذا نیکیوں کی طرف بڑھنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔[1]

یہ آزمائش اسی صورت میں آزمائش رہ سکتی ہے جب ان نیکیوں پر عمل پیرا ہونے اور ان میں سبقت لے جانے میں انسانی اختیار کا عمل دخل ہو۔ اور اگر وہ ایمان و عمل صالح پر مجبور ہو تو آزمائش کے معنی ہی کیا، بلکہ ایسی صورت میں تو ہر ایک کو ایمان لانا پڑتا اور اعمال بجا لانے پڑتے، کیونکہ قدرت اپنی بات کے منوانے میں مجبور و قاصر نہیں ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

---

[1] سورۂ مائدہ، آیت ۴۸۔

﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ﴾

اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو زمین میں بسنے والے سب کے سب اس پر ایمان لے آتے۔[1]

بے شک کائنات کا ہر ذرہ اس کی مشیّت کے تابع ہے۔ اس طرح کہ کوئی اس کے محیط اقتدار سے باہر نہیں ہے۔ وہ زمین ہو یا اس پر چلنے پھرنے والی مخلوق، پہاڑ ہوں یا اُن کے دامن میں معدنیات، دریا ہوں یا ان میں رہنے والی مچھلیاں، سمندر ہوں یا اُن میں عنبر مونگے اور موتیوں کے خزانے، فضا ہو یا اُس میں پرواز کرنے والے پرندے، بادلوں کے لکّے ہوں یا اُن میں امڈتے ہوئے پانی کے ذخیرے، چاند سورج ہوں یا اُن کی جوہری شعاعیں، ستارے ہوں یا اُن کی مخصوص تاثیریں، فرشتے ہوں یا اُن کی سرگرمیاں، سب ہی تو اُس کی مشیّت کے اندر جکڑی بندھی ہوئی ہیں۔ اگر انسان بھی اعتقاد و اعمال میں اسی طرح بے بس ہوتا اور مشیّت ہر ایک کو ایک مخصوص طریق کار کا پابند بنا دیتی تو جزا و سزا بے کار ہو جاتی۔ حالانکہ قانونِ مکافات کی رُو سے جزا و سزا سے دو چار ہونا ضروری ہے۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ﴾

اگر اس نے اچھا کام کیا تو اپنے فائدے کیلئے اور بُرا کام کیا تو اس کا وبال اس کے سر پڑے گا۔[2]

تو جب اپنے ہی اعمال سامنے آتے ہیں تو وہی اوقات و لمحات زندگی کا سرمایہ ہیں جن میں اعمالِ خیر کے ذریعہ آخرت کا سرمایہ بہم پہنچا لیا گیا ہو اور وہی شب و روز مبارک و مسعود ہیں جن میں اُخروی ہلاکت و تباہی سے بچنے کا سامان کر لیا گیا ہو۔ یہ دن اور یہ راتیں ہمارے اچھے اور بُرے اعمال کی نگران ہیں۔ اگر ان کے سامنے ہماری نیکیاں آتی ہیں تو اُن کی پیشانی کی گرہیں کُھل جاتی ہیں اور اُن کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل جاتی ہے اور وہ ہم سے خوش خوش رُخصت ہوتے ہیں اور اگر برائیوں کو دیکھتے ہیں تو ان کی جبین پر شکنیں پڑ جاتی ہیں اور بُرائی کرتے ہوئے رخصت ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا ارشاد ہے:

مَا مِنْ يَّوْمٍ يَمُرُّ عَلَى ابْنِ اٰدَمَ اِلَّا قَالَ لَهٗ ذٰلِكَ الْيَوْمُ: اَنَا يَوْمٌ جَدِيْدٌ وَّ اَنَا عَلَيْكَ شَهِيْدٌ، فَقُلْ فِيَّ خَيْرًا وَّ اعْمَلْ فِيَّ خَيْرًا اَشْهَدْ لَكَ بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ.

انسان کی زندگی کا جو دن گزرتا ہے وہ (زبانِ حال سے) خطاب کرتے ہوئے اُس سے کہتا ہے کہ: میں تیرے لئے نیا دن اور تیرے اعمال کا گواہ ہوں۔ لہٰذا زبان اور اعضاء سے نیک عمل کرو، میں اُس کی قیامت کے دن گواہی دوں گا۔[3]

لہٰذا صبح کی پُرسکون فضا اور ستاروں کی ٹھنڈی چھاؤں میں آنے والے دن کا استقبال اس دُعا سے کیا جائے، تاکہ کم از کم اس دن تو اس کے تاثرات ہماری زندگی پر چھائے رہیں اور فکر و عمل کی پاکیزگی ہمارے تصورات پر محیط رہے اور یہی اس دُعا کا مرکزی نقطۂ نگاہ ہے۔

☆☆☆☆☆

---

[1] سورۂ یونس، آیت ۹۹۔

[2] سورۂ بقرہ، آیت ۲۸۶۔

[3] من لا یحضرہ الفقیہ، ج ۴، ص ۳۹۷۔

(۷) وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

اِذَا عَرَضَتْ لَهٗ مُهِمَّةٌ اَوْ نَزَلَتْ بِهٖ مُلِمَّةٌ وَّ عِنْدَ الْكَرْبِ:

يَا مَنْ تُحَلُّ بِهٖ عُقَدُ الْمَكَارِهِ، وَ يَا مَنْ يُّفْثَاُ بِهٖ حَدُّ الشَّدَآئِدِ، وَ يَا مَنْ يُّلْتَمَسُ مِنْهُ الْمَخْرَجُ اِلٰى رَوْحِ الْفَرَجِ.

ذَلَّتْ لِقُدْرَتِكَ الصِّعَابُ، وَ تَسَبَّبَتْ بِلُطْفِكَ الْاَسْبَابُ، وَ جَرٰى بِقُدْرَتِكَ الْقَضَآءُ، وَ مَضَتْ عَلٰى اِرَادَتِكَ الْاَشْيَآءُ. فَهِيَ بِمَشِيَّتِكَ دُوْنَ قَوْلِكَ مُؤْتَمِرَةٌ، وَ بِاِرَادَتِكَ دُوْنَ نَهْيِكَ مُنْزَجِرَةٌ.

اَنْتَ الْمَدْعُوُّ لِلْمُهِمَّاتِ، وَ اَنْتَ الْمَفْزَعُ فِي الْمُلِمَّاتِ، لَا يَنْدَفِعُ مِنْهَآ اِلَّا مَا دَفَعْتَ، وَ لَا يَنْكَشِفُ مِنْهَآ اِلَّا مَا كَشَفْتَ.

وَ قَدْ نَزَلَ بِيْ يَا رَبِّ مَا قَدْ تَكَاَّدَنِيْ ثِقْلُهٗ، وَ اَلَمَّ بِيْ مَا قَدْ بَهَظَنِيْ حَمْلُهٗ، وَ بِقُدْرَتِكَ اَوْرَدْتَّهٗ عَلَيَّ، وَ بِسُلْطَانِكَ وَجَّهْتَهٗ اِلَيَّ.

فَلَا مُصْدِرَ لِمَآ اَوْرَدْتَ، وَ لَا صَارِفَ لِمَا

دُعا (۷)

جب کوئی مہم در پیش ہوتی یا کوئی مصیبت نازل ہوتی یا کسی قسم کی بے چینی ہوتی تو حضرتؑ یہ دُعا پڑھتے تھے:

اے وہ جس کے ذریعہ مصیبتوں کے بندھن کھل جاتے ہیں، اے وہ جس کے باعث سختیوں کی باڑھ کند ہوجاتی ہے، اے وہ جس سے (تنگی و دشواری سے) وسعت وفراخی کی آسائش کی طرف نکال لے جانے کی التجا کی جاتی ہے۔

تو وہ ہے کہ تیری قدرت کے آگے دشواریاں آسان ہوگئیں، تیرے لطف سے سلسلۂ اسباب برقرار رہا، اور تیری قدرت سے قضا کا نفاذ ہوا، اور تمام چیزیں تیرے ارادہ کے رخ پر گامزن ہیں، وہ بن کہے تیری مشیت کی پابند اور بن روکے خود ہی تیرے ارادہ سے رکی ہوئی ہیں۔

مشکلات میں تجھے ہی پکارا جاتا ہے اور بلیات میں تو ہی جائے پناہ ہے۔ ان میں سے کوئی مصیبت ٹل نہیں سکتی مگر جسے تو ٹال دے اور کوئی مشکل حل نہیں ہوسکتی مگر جسے تو حل کردے۔

پروردگارا! مجھ پر ایک ایسی مصیبت نازل ہوئی ہے جس کی سنگینی نے مجھے گرانبار کردیا ہے، اور ایک ایسی آفت آپڑی ہے جس سے میری قوت برداشت عاجز ہوچکی ہے۔ تو نے اپنی قدرت سے اس مصیبت کو مجھ پر وارد کیا ہے، اور اپنے اقتدار سے میری طرف متوجہ کیا ہے۔

تو جسے تو وارد کرے اسے کوئی ہٹانے والا، اور جسے تو متوجہ

وَجَّهْتَ، وَ لَا فَاتِحَ لِمَآ اَغْلَقْتَ، وَ لَا مُغْلِقَ لِمَا فَتَحْتَ، وَ لَا مُيَسِّرَ لِمَا عَسَّرْتَ، وَ لَا نَاصِرَ لِمَنْ خَذَلْتَ.

فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ افْتَحْ لِيْ يَا رَبِّ بَابَ الْفَرَجِ بِطَوْلِكَ، وَ اكْسِرْ عَنِّيْ سُلْطَانَ الْهَمِّ بِحَوْلِكَ، وَ اَنِلْنِيْ حُسْنَ النَّظَرِ فِيْمَا شَكَوْتُ، وَ اَذِقْنِيْ حَلَاوَةَ الصُّنْعِ فِيْمَا سَئَلْتُ، وَ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّ فَرَجًا هَنِيْٓـًٔا، وَ اجْعَلْ لِيْ مِنْ عِنْدِكَ مَخْرَجًا وَّحِيًّا.

وَ لَا تَشْغَلْنِيْ بِالِاهْتِمَامِ عَنْ تَعَاهُدِ فُرُوْضِكَ، وَ اسْتِعْمَالِ سُنَّتِكَ، فَقَدْ ضِقْتُ لِمَا نَزَلَ بِيْ يَا رَبِّ ذَرْعًا، وَ امْتَلَاْتُ بِحَمْلِ مَا حَدَثَ عَلَيَّ هَمًّا، وَ اَنْتَ الْقَادِرُ عَلٰى كَشْفِ مَا مُنِيْتُ بِهٖ، وَ دَفْعِ مَا وَقَعْتُ فِيْهِ، فَافْعَلْ بِيْ ذٰلِكَ وَ اِنْ لَّمْ اَسْتَوْجِبْهُ مِنْكَ، يَا ذَا الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ.

--☆☆--

کرے اسے کوئی پلٹانے والا، اور جسے تو بند کرے اسے کوئی کھولنے والا، اور جسے تو کھولے اسے کوئی بند کرنے والا، اور جسے تو دشوار بنائے اسے کوئی آسان کرنے والا، اور جسے تو نظر انداز کرے اسے کوئی مدد دینے والا نہیں ہے۔

رحمت نازل فرما محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آلؑ پر اور اپنی کرم نوازی سے اے میرے پالنے والے میرے لئے آسائش کا دروازہ کھول دے، اور اپنی قوت وتوانائی سے غم واندوہ کا زور توڑ دے، اور میرے اس شکوہ کے پیشِ نظر اپنی نگاہِ کرم کا رخ میری طرف موڑ دے، اور میری حاجت کو پورا کرکے شیرینی احسان سے مجھے لذت اندوز کر، اور اپنی طرف سے رحمت اور خوشگوار آسودگی مرحمت فرما، اور میرے لئے اپنے لطف خاص سے جلد چھٹکارے کی راہ پیدا کر۔

اور اس غم و اندوہ کی وجہ سے اپنے فرائض کی پابندی اور مستحبات کی بجا آوری سے غفلت میں نہ ڈال دے۔ کیونکہ میں اس مصیبت کے ہاتھوں تنگ آ چکا ہوں، اور اس حادثہ کے ٹوٹ پڑنے سے دل رنج واندوہ سے بھر گیا ہے، جس مصیبت میں مبتلا ہوں اس کے دور کرنے اور جس بلا میں پھنسا ہوا ہوں اس سے نکالنے پر تو ہی قادر ہے، لہٰذا اپنی قدرت کو میرے حق میں کارفرما کر، اگرچہ تیری طرف سے میں اس کا سزاوار نہ قرار پا سکوں۔ اے عرش عظیم کے مالک۔

--☆☆--

جب زہرِ غم رگ و پے میں اُترتا اور کرب واندوہ کے شراروں سے دل و دماغ پھنکتا ہے تو درد و اَلم کی ٹیسیں سکون وقرار چھین لیتی ہیں اور صبر وشکیب کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ نہ تسلّی وتسکین کا کوئی سامان نظر آتا ہے، نہ صبر وضبط کی کوئی صورت۔ ایسی حالت میں یاس وناامیدی کبھی جنون و دیوانگی میں مبتلا اور کبھی موت کا سہارا ڈھونڈنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ اگر انسان اس موقع پر بلند نظری سے کام لے تو اسے ایک ایسا سہارا مل سکتا ہے جو حوادث وآلام کے بھنور اور رنج واندوہ کے سیلاب سے نکال لے جا سکتا ہے اور وہ سہارا اللہ ہے جو اضطراب کی تسلّی اور درد وکرب کا چارہ کرسکتا ہے۔ چنانچہ امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے:

اِذَا اشْتَدَّ الْفَزَعُ فَاِلَى اللهِ الْمَفْزَعُ.

جب بے چینی حد سے بڑھ جائے تو پھر اللہ ہی تسکین کا مرکز ہے۔[1]

اور اگر اللہ کی ہستی پر ایمان نہ بھی ہو جب بھی فطرتِ خوابیدہ کروٹ لے کر اس کا راستہ دکھا دیتی ہے اور مصیبت و بیچارگی کسی ان دیکھی ہستی کے آگے جھکنے اور اُس کا سہارا لینے کیلئے پکارتی ہے۔ چنانچہ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے وجودِ باری کے سلسلہ میں گفتگو کی تو آپؑ نے اُس سے دریافت فرمایا کہ تمہیں کشتی پر سوار ہونے کا کبھی اتفاق ہوا ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں۔ فرمایا: کبھی ایسا اتفاق بھی پیش آیا ہے کہ کشتی بھنور میں گھر گئی ہو اور سمندر کی تلملاتی لہروں نے تمہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا ہو؟ اس نے کہا کہ جی ہاں! ایسا بھی ہوا ہے۔ فرمایا کہ اس وقت تمہارے دل میں کوئی خیال پیدا ہوا تھا؟ کہا کہ ہاں! جب ہر طرف سے مایوسی ہی مایوسی نظر آنے لگی تو میرا دل کہتا تھا کہ ایک ایسی بالا دست قوت بھی موجود ہے جو چاہے تو اس بھنور سے مجھے نکال لے جاسکتی ہے۔ فرمایا: بس وہی تو خدا تھا جو انتہائی مایوس کن حالتوں میں بھی مایوس نہیں ہونے دیتا اور جب کوئی سہارا نہ رہے تو وہ سہارا ثابت ہوتا ہے۔[2]

چنانچہ جب انسان اللہ تعالیٰ پر مکمل یقین واعتماد پیدا کر کے اس پر اپنے اُمور کو چھوڑ دیتا ہے تو وہ اپنی ذہنی قوتوں کو منتشر ہونے سے بچا لے جاتا ہے اور جب ہمہ تن اس کی یاد میں کھو جاتا ہے تو الجھنیں اور پریشانیاں اس کا ساتھ چھوڑ دیتی ہیں۔ کیونکہ ذہن کا سکون اور قلب کی طمانینت اس کے ذکر کا لازمی نتیجہ ہے۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿اَلَا بِذِكْرِ اللهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ﴿۲۸﴾﴾

دل تو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مطمئن ہو جاتے ہیں۔[3]

وہ لوگ جو اطمینان کو بظاہر غم غلط کرنے والی کیفیت انگیز ومسرت افزا چیزوں میں تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ کبھی سکون واطمینان حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ نہ عشرت کدوں میں اطمینان نظر آتا ہے، نہ تاج و دیہیم کے سایوں میں، نہ نغمہ وسرود کی محفلوں میں سکون

---

[1] الکافی، ج ۲، ص ۴۶۸۔

[2] بحار الانوار، ج ۳، ص ۴۱۔

[3] سورۂ رعد، آیت ۲۸۔

وقرار بٹتا ہے، نہ ناؤ ونوش کی مجلسوں میں۔ بے شک ہر موقع پر ذکر وعبادت کیلئے دل آمادہ اور طبیعت حاضر نہیں ہوتی خصوصاً جب کہ انسان کسی مصیبت کی وجہ سے ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو۔ اس لئے کہ مصیبت بہر صورت مصیبت ہے اور اس سے متاثر ہونا طبعی وفطری ہے۔ تو ایسے موقع پر نوافل سے دست کش ہوا جاسکتا ہے۔ مگر بہت سے لوگ ایسے بھی ملیں گے جو پریشان کُن حالات میں فرائض تک سے غافل ہو جاتے ہیں۔ تو انہیں امام علیہ السلام کی اس دُعا پر نظر کرنا چاہئے کہ وہ بارگاہِ الٰہی میں یہ دُعا کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ: خواہ کتنے جانکاہ حوادث و آلام سے سابقہ پڑے، مگر تیرے فرائض ونوافل سے غفلت نہ ہونے پائے، کیونکہ فرائض بہر صورت فرائض ہیں اور نوافل عبودیت کا تقاضا ہیں۔ اور ایسا نہ ہو کہ مصائب و آلام کے تاثرات عبودیت کے اظہار پر غالب آجائیں۔

☆☆☆☆☆

(۸) وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ

فِي الِاسْتِعَاذَةِ مِنَ الْمَكَارِهِ وَ سَيِّئِ الْاَخْلَاقِ وَ مَذَامِّ الْاَفْعَالِ:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَيَجَانِ الْحِرْصِ، وَ سَوْرَةِ الْغَضَبِ، وَ غَلَبَةِ الْحَسَدِ، وَ ضَعْفِ الصَّبْرِ، وَ قِلَّةِ الْقَنَاعَةِ، وَ شَكَاسَةِ الْخُلُقِ، وَ اِلْحَاحِ الشَّهْوَةِ، وَ مَلَكَةِ الْحَمِيَّةِ وَ مُتَابَعَةِ الْهَوٰى، وَ مُخَالَفَةِ الْهُدٰى، وَ سِنَةِ الْغَفْلَةِ، وَ تَعَاطِي الْكُلْفَةِ، وَ اِيْثَارِ الْبَاطِلِ عَلَى الْحَقِّ، وَ الْاِصْرَارِ عَلَى الْمَاْثَمِ، وَ اسْتِصْغَارِ الْمَعْصِيَةِ، وَ اسْتِكْبَارِ الطَّاعَةِ. وَ مُبَاهَاةِ الْمُكْثِرِيْنَ، وَ الْاِزْرَآءِ بِالْمُقِلِّيْنَ، وَ سُوْٓءِ الْوِلَايَةِ لِمَنْ تَحْتَ اَيْدِيْنَا، وَ تَرْكِ الشُّكْرِ لِمَنِ اصْطَنَعَ الْعَارِفَةَ عِنْدَنَآ اَوْ اَنْ نَعْضُدَ ظَالِمًا، اَوْ نَخْذُلَ مَلْهُوْفًا، اَوْ نَرُوْمَ مَا لَيْسَ لَنَا بِحَقٍّ، اَوْ نَقُوْلَ فِي الْعِلْمِ بِغَيْرِ عِلْمٍ.

وَ نَعُوْذُ بِكَ اَنْ نَنْطَوِيَ عَلٰى غِشِّ اَحَدٍ، وَ اَنْ نُّعْجِبَ بِاَعْمَالِنَا، وَ نَمُدَّ فِيْٓ اٰمَالِنَا.

وَ نَعُوْذُ بِكَ مِنْ سُوْٓءِ السَّرِيْرَةِ، وَ

دُعا (۸)

مصیبتوں سے بچاؤ اور بُرے اخلاق و اعمال سے حفاظت کے سلسلہ میں حضرتؑ کی دُعا:

اے اللہ! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں حرص کی طغیانی، غضب کی شدت، حسد کی چیرہ دستی، بے صبری، قناعت کی کمی، کج اخلاقی، خواہش نفس کی فراوانی، عصبیت کے غلبہ، ہوا و ہوس کی پیروی، ہدایت کی خلاف ورزی، خواب غفلت (کی مدہوشی) اور تکلف پسندی سے، نیز باطل کو حق پر ترجیح دینے، گناہوں پر اصرار کرنے، معصیت کو حقیر اور اطاعت کو عظیم سمجھنے، دولت مندوں کے سے تفاخر، محتاجوں کی تحقیر، اور اپنے زیردستوں کی بری نگہداشت، اور جو ہم سے بھلائی کرے اس کی ناشکری سے، اور اس سے کہ ہم کسی ظالم کی مدد کریں، اور مصیبت زدہ کو نظر انداز کریں، یا اس چیز کا قصد کریں جس کا ہمیں حق نہیں، یا دین میں بے جانے بوجھے دخل دیں۔

اور ہم تجھ سے پناہ مانگتے ہیں اس بات سے کہ کسی کو فریب دینے کا قصد کریں، یا اپنے اعمال پر نازاں ہوں، اور اپنی امیدوں کا دامن پھیلائیں۔

اور ہم تجھ سے پناہ مانگتے ہیں، بد باطنی اور چھوٹے گناہوں کو

احْتِقَارِ الصَّغِيْرَةِ، وَ اَنْ يَّسْتَحْوِذَ عَلَيْنَا الشَّيْطٰنُ، اَوْ يَنْكُبَنَا الزَّمَانُ، اَوْ يَتَهَضَّمَنَا السُّلْطَانُ.

حقیر تصور کرنے، اور اس بات سے کہ شیطان ہم پر غلبہ حاصل کر لے جائے، یا زمانہ ہم کو مصیبت میں ڈالے، یا فرمانروا اپنے مظالم کا نشانہ بنائے۔

وَ نَعُوْذُ بِكَ مِنْ تَنَاوُلِ الْاِسْرَافِ، وَ مِنْ فِقْدَانِ الْكَفَافِ.

اور ہم تجھ سے پناہ مانگتے ہیں فضول خرچی میں پڑنے اور حسب ضرورت رزق کے نہ ملنے سے۔

وَ نَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَمَاتَةِ الْاَعْدَآءِ، وَ مِنَ الْفَقْرِ اِلَى الْاَكْفَآءِ، وَ مِنْ مَعِيْشَةٍ فِيْ شِدَّةٍ، وَ مِيْتَةٍ عَلٰى غَيْرِ عُدَّةٍ.

اور ہم تجھ سے پناہ مانگتے ہیں دشمنوں کی شماتت، ہم چشموں کی احتیاج، سختی میں زندگی بسر کرنے، اور توشۂ آخرت کے بغیر مرجانے سے۔

وَ نَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْحَسْرَةِ الْعُظْمٰى، وَ الْمُصِيْبَةِ الْكُبْرٰى، وَ اَشْقَى الشَّقَآءِ، وَ سُوْٓءِ الْمَاٰبِ، وَ حِرْمَانِ الثَّوَابِ، وَ حُلُوْلِ الْعِقَابِ.

اور تجھ سے پناہ مانگتے ہیں بڑے تاسف، بڑی مصیبت، بدترین بد بختی، برے انجام، ثواب سے محرومی، اور عذاب کے وارد ہونے سے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اَعِذْنِيْ مِنْ كُلِّ ذٰلِكَ بِرَحْمَتِكَ، وَ جَمِيْعَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنَاتِ، يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.

اے اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما، اور اپنی رحمت کے صدقہ میں مجھے اورتمام مومنین و مومنات کو ان سب برائیوں سے پناہ دے۔ اے تمام رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے

--☆☆--

انسان اس وقت تک مکارم اخلاق سے آراستہ نہیں ہوسکتا جب تک ایک صحت مند ذہنیت کی تخلیق نہ کرے اور امراض نفسانیہ کے جراثیم سے قلب وضمیر کی تطہیر کر کے اپنے کو فضائل وفواضل کے قبول کرنے کے قابل نہ بنائے۔ اس دُعا میں جن معائب و رذائل کو گنوایا گیا ہے وہ وہی جراثیم ہیں جو امراضِ نفسانیہ کی تولید کرتے اور انہیں پروان چڑھاتے ہیں اور انسان کے ارفع و اعلیٰ احساسات کو ختم کر کے اسے خواہشات کا پرستار بنا دیتے ہیں، جس کے بعد وہ اس سطح پر آجاتا ہے جو ایک عام حیوان کی سطح ہوتی ہے، جہاں پر پہنچ کر فضائل کی بلندیاں اس کے دسترس سے باہر ہو جاتی ہیں اور رذائل وقبائح اس کی توجہ کا مرکز بن جاتے ہیں اور اُسے اُن کی برائی کا احساس تک نہیں ہوتا کہ انہیں چھوڑنے کی ضرورت محسوس

کرے۔ یوں تو اُن معائب میں سے ہر عیب ہلاکت آفرین وتباہ کن ہے، مگر حرص، غضب، حسد اور شہوت سرفہرست اور سب برائیوں کا سرچشمہ ہیں:

حرص:

یہ ہے کہ مالِ دنیا کی ہوس حدِ اعتدال سے تجاوز کر جائے اور روپیہ پیسہ، گھر بار سب کچھ ہونے کے باوجود طلب و خواہش بڑھتی ہی چلی جائے اور کہیں بھی اس میں کمی پیدا نہ ہونے پائے۔ حریص کا منتہائے مقصد یہ ہوتا ہے کہ جس طرح بن پڑے دنیا جہان کی دولت سمیٹ لے، چاہے اس کیلئے جو ساذریعہ بھی اختیار کرنا پڑے۔ چنانچہ اسی تگ و دَو میں اپنی عمر اور قوتِ فکر و عمل کو ضائع کر دیتا ہے۔ اور چونکہ اپنی ہی سعی وکوشش پر اعتماد کرنے کا عادی ہو جاتا ہے، اس لئے خدا پر سے اُس کا اعتماد اُٹھ جاتا ہے، اور جہاں خُدا پر اعتماد ختم ہو جاتا ہے وہاں انسانی قدروں کی اہمیت بھی اس کی نظروں میں باقی نہیں رہتی۔ اسے نہ کسی کے مفاد کا لحاظ ہوتا ہے نہ کسی کے نقصان کی پروا، بلکہ دوسروں کے مفاد سے اگر تصادم ہوتا ہے تو ان کے بڑے سے بڑے نقصان کو نظر انداز کر کے اپنے تھوڑے سے فائدہ کو ترجیح دیتا ہے اور نتیجہ میں ایک ایسی خود غرضانہ ذہنیت تشکیل پا جاتی ہے جو حسد، نفرت و بدخواہی ایسے جذبات پیدا کر کے اس کی زندگی کو تلخ کر دیتی ہے۔ وہ مال کی اندھی ہوس میں دوسروں سے اُلجھتا اور ٹکراتا ہے، جس سے ایک طرف معاشرہ پر بُرا اثر پڑتا ہے اور دوسری طرف وہ اس خوش نما جال سے نکلنے کے بجائے اس میں پھنستا ہی چلا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے:

مَثَلُ الْحَرِيْصِ عَلَى الدُّنْيَا كَمَثَلِ دُوْدَةِ الْقَزِّ كُلَّمَا ازْدَادَتْ عَلٰى نَفْسِهَا لَفًّا كَانَ اَبْعَدَ لَهَا مِنَ الْخُرُوْجِ حَتّٰى تَمُوْتَ غَمًّا.

دنیا میں حریص ریشم کے کیڑے کی مانند ہے کہ جتنا اپنے اوپر ریشم لپیٹتا جاتا ہے اتنا ہی اُس میں پھنستا چلا جاتا ہے اور نکلنا اس کیلئے دشوار ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ اسی میں گُھٹ کر مر جاتا ہے۔[1]

اسلام نے مال کی پرستاری و سرمایہ اندوزی کے انسداد کیلئے، جمع آوری کے بجائے دولت کی تقسیم پر زیادہ زور دیا ہے اور مالی فرائض: خمس، زکوٰۃ، ردِ مظالم وغیرہ کی صورت میں عائد کر دیئے تاکہ دولت آتی بھی رہے اور بٹتی بھی رہے۔ اس طرح جمع آوری کا وہ جذبہ قہراً باقی نہیں رہتا جسے حرص سے تعبیر کیا جا سکے۔

غضب:

یہ ایک دفاعی جذبہ ہے جو انسانی فطرت میں ودیعت ہے جس سے انسان ان چیزوں کی روک تھام کرتا ہے جو اسے ناگوار معلوم دیتی ہیں یا جن سے گزند پہنچتا ہے۔ چنانچہ جب ناگواریوں سے دوچار ہوتا ہے تو اس کے غصہ کا پارہ چڑھ جاتا ہے اور قوت برداشت کم یا بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ یہ ناگواری کی صورت اگر ایسے شخص کے مقابلہ میں ہو جو اس سے زیادہ طاقتور اور بااقتدار ہو اور اس سے انتقام لینا اس کیلئے ممکن نہ ہو تو اس سے خون کا دباؤ دل کی طرف بڑھ جاتا ہے جس سے ایک گھٹن سی محسوس کرتا ہے۔ اس انقباضی کیفیت کا نام ''غم و حزن'' ہے۔ اور اگر ایسے شخص کے مقابلہ میں ہو جو

---

[1] الکافی، ج ۲، ص ۱۳۴۔

اسی کی سطح پر ہوتو اس سے انقباض وانبساط کی ایک ملی جلی کیفیت پیدا ہوتی ہے جس سے وہ تلملاتا اور پیچ وتاب کھاتا ہے اس حالت کو ”حقد“ (کینہ) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور اگر اس شخص کے مقابلہ میں ہو جسے اپنے سے پست تر تصور کرتا ہے تو اس سے خون کھولتا اور باہر کی طرف جوش مارتا ہے جس سے گردن کی رگیں پھول جاتی ہیں اور چہرہ اور آنکھیں سُرخ ہو جاتی ہیں۔ اس ہیجانی کیفیت کا نام ”غضب“ ہے جو برمحل اور حدّ اعتدال میں ہو تو ممدوح اور حد سے بڑھ جائے تو مذموم۔ افراط کی حالت میں پیش بینی ومآل اندیشی کے اوصاف سلب ہو جاتے ہیں، دماغی رطوبتیں خشک ہو جاتی ہیں اور ذہنی توازن برقرار نہیں رہتا۔ چنانچہ حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا ارشاد ہے:

اَلْحِدَّةُ ضَرْبٌ مِّنَ الْجُنُوْنِ، لِاَنَّ صَاحِبَهَا يَنْدَمُ، فَاِنْ لَّمْ يَنْدَمْ فَجُنُوْنُهٗ مُسْتَحْكَمٌ.

غصّہ ایک قسم کی دیوانگی ہے، کیونکہ غصّہ ور بعد میں پشیمان ضرور ہوتا ہے اور اگر پشیمان نہیں ہوتا تو اس کی دیوانگی پختہ ہے۔[1]

یہ ایک ایسی بہیمانہ خصلت ہے جو انسان کو مجسم حیوان اور سراپا درندہ بنا دیتی ہے۔ چنانچہ جب آدمی کو بے تحاشا غصّہ آتا ہے تو اس کی نگاہوں میں قہر کی گھٹائیں اُمنڈ آتی ہیں، منہ سے جھاگ بہنے لگتی ہے، سانس پھول جاتی ہے، حواس منتشر اور چہرہ بھیانک ہو جاتا ہے، بھویں چڑھ جاتی ہیں، آنکھوں سے شرارے برسنے لگتے ہیں، جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے، زبان سے اول فول بکتا ہے۔ ذرا تصور تو کیجئے کہ غصّہ میں اس کی ہیئت کذائی کیا سے کیا ہو جاتی ہے۔ اور اگر مدّمقابل کو زیر نہ کر سکے تو اور عجیب وغریب قسم کی وحشیانہ حرکتیں کرتا ہے: کبھی کپڑے پھاڑتا ہے، کبھی منہ پر طمانچے مارتا ہے، بدحواسی میں ادھر سے اُدھر دوڑتا ہے، چیزیں اٹھا اٹھا کر پھینکتا اور توڑ پھوڑ کر رکھ دیتا ہے اور گالیاں دینے پر آتا ہے تو در و دیوار تک کو گالیاں دیتا ہے، اور کبھی یہ غضب انتہائی خطرناک اقدامات کو جنم دیتا ہے اور قتل تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور اکثر وبیشتر قتل کی وارداتیں اسی غیظ وغضب کا نتیجہ ہوتی ہیں اور کبھی انتہائی طیش میں خود اس کی اپنی موت واقع ہو جاتی ہے۔ ایسے موقع پر سمجھانا بجھانا اور غصّہ کے نتائج بد سے آگاہ کرنا عموماً بے کار ثابت ہوتا ہے، بلکہ بعض اوقات الٹا اثر کرتا ہے اور سمجھانے والا خود اس کے غصّہ کی زد میں آجاتا ہے۔ اس لئے سمجھانے بجھانے کے بجائے نفسیاتی طریقہ پر علاج کرنا چاہئے۔ چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا نفسیاتی علاج یوں وارد ہوا ہے کہ: اگر غصّہ کی حالت میں انسان کھڑا ہو تو بیٹھ جائے، بیٹھا ہو تو ٹیک لگا لے اور ٹیک لگائے ہو تو لیٹ جائے[2] اور ٹھنڈے پانی سے جسم کو دھوئے۔[3]

اور امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ: غصّہ کی حالت میں ایک سے لے کر دس تک انگلیوں پر گنتی کرے۔

اس طرح جسم کو الٹنے پلٹنے اور بدن کو تر کرنے اور گنتی گننے سے طبیعت پلٹا کھائے گی اور طبیعت کے ساتھ غصّہ کا دھارا بھی مڑ جائے گا۔

حسد:

یہ بھی ایک نفسانی مرض ہے جو انسان کو گھن کی طرح اندر ہی اندر چاٹ جاتا ہے۔ حاسد اپنی خود ساختہ طبیعت سے مجبور ہو کر دوسرے کی بلندی و برتری اور جاہ و اقبال کو دیکھتا ہے تو انگاروں پر لوٹتا اور پیچ وتاب کھاتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ اس کی برتری ذلّت میں اور اقبال و دولت

---

[1] نہج البلاغہ، حکمت نمبر ۲۵۵۔

[2] اِذَا غَضِبَ اَحَدُكُمْ وَهُوَ قَآئِمٌ فَلْيَجْلِسْ، فَاِنْ ذَهَبَ عَنْهُ الْغَضَبُ وَاِلَّا فَلْيَضْطَجِعْ. (تفسیر ابن کثیر، ج۲، ص۱۲۰)

[3] اِنَّ الْغَضَبَ مِنَ الشَّيْطٰنِ وَاِنَّ الشَّيْطٰنَ خُلِقَ مِنَ النَّارِ وَاِنَّمَا تُطْفَاُ النَّارُ بِالْمَآءِ، فَاِذَآ اُغْضِبَ اَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّاْ. (تفسیر ابن کثیر، ج۲، ص۱۲۱)

نکبت وادبار میں بدل جائے۔اور اگر یہ چاہے کہ یہ عزت واقبال اسے بھی حاصل ہو جائے تو یہ "غبطہ" ہے۔اور اگر اسے حاصل کرنے کیلئے عملاً تگ و دو بھی کرے تو یہ "منافسہ" ہے اور "غبطہ" اور "منافسہ" دونوں ممدوح صفتیں ہیں۔اور حسد، پست ذہنیت و بد باطنی کی علامت ہے۔ چنانچہ پیغمبر اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

اَلْمُؤْمِنُ يَغْبِطُ وَ الْمُنَافِقَ يَحْسُدُ.

مومن غبطہ کرتا ہے اور منافق حسد کرتا ہے۔[1]

اور "منافسہ" کے متعلق ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ﴾

اس کی طرف رغبت کرنے والوں کو شوق سے بڑھنا چاہئے۔[2]

اور اگر انسان یہ سوچے کہ اس کے حسد کرنے سے دوسرے کا کچھ نہیں بگڑ سکتا اور نہ اُس کے جلنے کڑھنے سے کسی کی قدر و منزلت اور مال و دولت میں کمی واقع ہو سکتی ہے تو وہ اپنے کو حسد کی آگ میں جھونکنے سے بچالے جاسکتا ہے۔اور یہ سمجھ لینا کہ اس کے حسد سے دوسرے کی نعمتیں زائل ہو جائیں گی انتہائی جہالت کا نتیجہ ہے۔ اس لئے کہ اگر حسد سے نعمتیں زائل ہونے لگیں تو پھر دنیا میں کسی کے پاس نعمت و دولت نہ رہتی، کیونکہ صاحب نعمت و ثروت دوسروں کے حسد سے بچ نہیں سکتا۔ چنانچہ پیغمبر اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

كُلُّ ذِىْ نِعْمَةٍ مَحْسُوْدٌ.

ہر صاحب نعمت محسود ہوتا ہے۔[3]

اور اس سے بڑھ کر یہ جہالت ہے کہ وہ یہ سمجھے کہ اس کے حسد سے تو دوسروں کی نعمت پر اثر پڑ سکتا ہے اور کوئی اس پر حسد کرے تو اس کا بال بھی بیکا نہ ہوگا اور نہ اس کی نعمتوں پر زوال آئے گا۔

شہوت:

"شہوت"، ہوس و خواہش نفس کی پیروی کا نام ہے۔خواہ اس خواہش کا تعلق شکم سے ہو یا جذبہ نفسانی سے۔ یوں تو دونوں کشش کا مرکز اور حظ اندوزی کا سرچشمہ ہیں، مگر نفسانی جذبہ سب جذبات سے زیادہ انسان کے ذہن و عواطف کو مغلوب و متاثر کرتا ہے اور جب انسان اس میں منہمک رہنے کا خوگر ہو جاتا ہے تو پھر اس سے دست کش ہونا اس کیلئے مشکل ہو جاتا ہے۔اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک سوار ایسی تنگ گلی میں داخل ہونا چاہتا ہے جس میں سواری سمیت داخل تو ہو سکتا ہے مگر نہ آگے راستہ ہے کہ گزر سکے اور نہ سواری کے موڑنے کی کوئی جگہ ہے۔تو اب ایک صورت تو یہ ہے کہ گلی

[1] کشف الریبۃ،ص ۵۷۔
[2] سورۂ مطففین، آیت ۲۶۔
[3] تحف العقول،ص ۸۔

کے باہر سواری کو کھڑا کرے اور خود اندر داخل ہو جائے اور دوسری صورت یہ ہے کہ سواری سمیت اندر داخل ہو جائے اور جب پلٹنا چاہے تو اسے باہر نکالنے کیلئے دُم سے پکڑ کر گھسیٹے اور زور لگائے۔ ظاہر ہے کہ پہلی صورت ایک آسان صورت ہے اور دوسری صورت مشکل۔ اور اگر سواری اڑیل اور منہ زور ہو تو دشواری اور بڑھ جائے گی اور اُسے نکال لے جانا طاقت واختیار سے باہر ہو جائے گا۔

اسی طرح ابتدا میں نفس کو روکنا سہل ہوتا ہے، مگر عادی وخُوگر بنا دینے کے بعد روکنا ایسا ہی ہے جیسے اڑیل جانور کو دُم سے پکڑ کر پیچھے کی طرف گھسیٹنا۔ چنانچہ جب آدمی خُوگر ہو جاتا ہے اور ہوس پرستی کا جذبہ حد سے بڑھ جاتا ہے تو وہ حلال وحرام کا امتیاز بھی ختم کر دیتا ہے اور اس منزل پر پہنچ جاتا ہے جہاں نہ مذہبی قیود آڑے آتے ہیں اور نہ اخلاقی حدود مانع ہوتے ہیں اور وہ نفس کی ذرا سی تحریک پر خواہشات کے بہاؤ میں بہتا ہوا چلا جاتا ہے۔ کسی کو خوف وخطر، شرم وحیا اور تحفظ صحت کا خصوصی خیال مانع ہوتو ہو، ورنہ عموماً یہ مرحلہ انتہائی شکیب آزما ہوتا ہے اور انسان حُسن کی مسکراہٹوں اور جوانی کی انگڑائیوں میں کھو جاتا ہے اور اپنی سیرت کو داغدار بنا لیتا ہے اور جو نفس کی منہ زوری اور خواہش کی طغیانی پر قابو پا کر اپنے کردار پر دھبہ نہیں آنے دیتا اور اپنا دامن بچالے جاتا ہے وہ ایک شہید راہِ خدا سے بھی بڑھ کر اجر وثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ چنانچہ امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

مَا الْمُجَاهِدُ الشَّهِيْدُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ بِأَعْظَمَ اَجْرًا مِّمَّنْ قَدَرَ فَعَفَّ، لَكَادَ الْعَفِيْفُ اَنْ يَّكُوْنَ مَلَكًا مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ.

وہ مجاہد جو خدا کی راہ میں شہید ہو اس شخص سے زیادہ اجر کا مستحق نہیں ہے جو قدرت واختیار رکھتے ہوئے پاکدامن رہے۔ کیا بعید ہے کہ پاکدامن فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہو جائے۔[1]

ان نفسانی جذبات کی اشتعال انگیزی کا سرچشمہ نگاہوں کا تصادم اور ان کا بے باکانہ ٹکراؤ ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

اَلنَّظْرَةُ سَهْمٌ مَّسْمُوْمٌ.

نظر، زہر میں بجھا ہوا ایک تیر ہے۔[2]

چنانچہ جس طرح سم آلودہ تیر کے زہر کا اثر جسم کے تمام رگ وپے میں سرایت کر جاتا ہے اور صرف تیر خوردہ مقام ہی متاثر نہیں ہوتا، اسی طرح نگاہوں کا تبادلہ فکر وخیال اور جذبات وحسیات کو متاثر کرتا ہوا اپنی خمار آگیں کیفیتوں سے عقل وخرد پر چھا جاتا ہے۔ اسی کی میر تقی میر نے (یوں) ترجمانی کی ہے:

میرؔ ان نیم باز آنکھوں میں ساری مستی شراب کی سی ہے

---

[1] نہج البلاغہ، حکمت نمبر ۴۷۴۔

[2] مستدرک الوسائل، ج ۱۴، ص ۲۶۸۔

اس لئے نظر کے مسموم اثرات سے بچنے کیلئے نگاہوں کا احتساب ضروری ہے اور اس میں سہل انگاری سے کام لینا ایک طرح سے مفاسد کو دعوت دینا ہے۔ اور وہ مفاسد کیا ہیں؟ انہیں ایک مصری شاعر نے انتہائی اختصار کے ساتھ ایک طبعی ترتیب سے اس شعر میں جمع کر دیا ہے جس میں شاعری کے حُسن کے ساتھ حقیقت کی رعنائی بھی جلوہ گر ہے:

نَظْرَةٌ فَابْتِسَامَةٌ فَسَلَامٌ فَكَلَامٌ فَمَوْعِدٌ فَلِقَآءٌ

''پہلے ناوک نگاہ، پھر دلفریب مسکراہٹ، پھر سلامِ شوق، پھر باہمی گفتگو، پھر ایفائے عہد کے تحت ملاقات''۔

بہر حال حرص، غضب، حسد اور ہوائے نفس کے علاوہ جن دوسرے رذائل و اخلاقی معائب کا اس دُعا میں ذکر ہے ان کا سرچشمہ انہی چاروں عیوب میں سے کسی ایک نہ ایک کو سمجھنا چاہیے۔ چنانچہ:

بے جا تگ و دو، عدم قناعت، بے صبری اور طولِ امل حرص کی پیداوار ہیں۔

اور جن رذائل میں تفوق و سربلندی کا شائبہ ہے، جیسے: خود پسندی، حمیتِ جاہلیت، کج اخلاقی، غرورِ اطاعت، احسان ناشناسی، فخر و مباہات، غریبوں کی تحقیر و تذلیل، زیردستوں پر ظلم و تعدّی، یہ سب غضب کا شاخسانہ ہیں۔ اس لئے کہ غضب کا تجزیہ کیا جائے تو اس کا اصلی سبب کبر و احساس برتری ہی نظر آئے گا۔ اور اسی بنا پر غضب کا مظاہرہ ہمیشہ اس کے مقابلہ میں کیا جاتا ہے جسے اپنے سے پست تر تصور کیا جاتا ہے۔ اور یہ تفوق و سربلندی کا جذبہ اس آتشی کیفیت کا نتیجہ ہے جو غضب میں کارفرما ہوتی ہے۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ:

اِنَّ الْغَضَبَ جَمْرَةٌ فِيْ قَلْبِ ابْنِ اٰدَمَ.

غضب اولادِ آدم کے دل میں چنگاری کی صورت میں دہکتا ہے۔[1]

اور آگ طبعاً بلندی کی طرف مائل ہوتی ہے، چنانچہ اسی مادۂ ناری کی وجہ سے شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کے مقابلہ میں غرور اور سربلندی کا مظاہرہ کیا جیسا کہ امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے:

فَافْتَخَرَ عَلٰۤى اٰدَمَ بِخَلْقِهٖ، وَ تَعَصَّبَ عَلَيْهِ لِاَصْلِهٖ.

اس نے اپنے مادۂ تخلیق کی بنا پر آدم علیہ السلام کے مقابلہ میں گھمنڈ کیا اور اپنی اصل کے لحاظ سے ان کے سامنے اکڑ گیا۔[2]

اور خبثِ باطن، غش و فریب اور شماتت، حسد کا کرشمہ ہیں۔

اور فضول خرچی، غفلت و بے اعتنائی، حق و ہدایت سے بے رُخی اور چھوٹے گناہوں کو حقیر سمجھنا یہ سب ہوائے نفس کی کارفرمائی کا نتیجہ ہیں۔

ان تمام معائب و معاصی میں اطاعت پر غرور اور چھوٹے گناہوں کو حقیر تصور کرنا سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ اس لحاظ سے کہ غرورِ اطاعت کو عیب ہی تصور نہیں کیا جاتا کہ اس جذبہ کو ختم کرنے کی ضرورت محسوس کی جائے۔ حالانکہ اطاعت پر غرور و افتخار کرنے اور اسے غیر معمولی اہمیت دینے

[1] ریاض السالکین، ج ۲، ص ۳۳۶۔
[2] نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۹۰۔

سے عجز وخلوص کی روح ختم ہو جاتی ہے اور اطاعت، اطاعت ہی نہیں رہتی کہ اُسے سرمایۂ نازش سمجھ لیا جائے۔ کیونکہ روحِ بندگی تو یہ ہے کہ اللہ کے حضور عجز وتقصیر کا اعتراف، اپنی کوتاہی و بے بضاعتی کا اقرار اور اس کے جنبۂ اُلوہیت کے مقابلہ میں بڑی سے بڑی عبادت کو بھی حقیر و پست تصور کیا جائے۔

اور چھوٹے گناہوں کو حقیر اور غیر اہم سمجھنا دو لحاظ سے خطرناک ہے:

ایک تو یہ کہ یہی چھوٹے گناہ بڑے گناہوں کا پیش خیمہ ہوتے ہیں۔ مثلاً زنا گناہِ کبیرہ ہے مگر اس کا ارتکاب براہِ راست کم ہی ہوتا ہے۔ بلکہ نظر، لمس وغیرہ جذبات میں تحریک پیدا کر کے اس منزل تک لے آتے ہیں۔ اس لئے نبض شناس فطرت نے گڑھے میں گرنے سے روکنے کیلئے اس کے اردگرد چکر کاٹنے سے بھی منع کر دیا۔ کیونکہ جو آس پاس رہتا ہے وہی گرتا ہے اور جو اس سے دُور رہتا ہے اس کے گرنے کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ کبیرہ گناہ میں وہی مبتلا ہوتا ہے جس کیلئے صغیرہ گناہ راستہ ہموار کرتے، قدم بقدم چلاتے اور ہمت بڑھاتے اس مقام پر لا کھڑا کرتے ہیں جہاں گناہ کبیرہ اپنی مقناطیسی کشش سے جذب کر لیتا ہے اور انسان بے اختیار اس کی طرف کھنچ جاتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ صغیرہ گناہ سے بچا جائے تا کہ کبیرہ کی نوبت ہی نہ آئے۔

سرچشمه شاید گرفتن به بیل چو پر شد نشاید گذشتن به پیل

اور دوسرے یہ کہ یہی صغیرہ اصرار سے کبیرہ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَا صَغِيْرَةَ مَعَ الْاِصْرَارِ وَ لَا كَبِيْرَةَ مَعَ الِاسْتِغْفَارِ.

اگر صغیرہ پر اصرار ہو تو وہ صغیرہ نہیں رہتا اور کبیرہ کے ساتھ توبہ واستغفار ہو تو وہ کبیرہ نہیں رہتا۔[۱]

مقصد یہ ہے کہ اگر گناہ کبیرہ کے بعد صدق دل سے توبہ کر لی جائے تو خدا اس گناہ کو بخش دیتا ہے جس کے بعد وہ گناہ ہی نہیں رہتا چہ جائیکہ کبیرہ۔ اور صغیرہ کا اگر بار بار ارتکاب ہوتا رہے تو وہ سنگینی میں کبیرہ کے ہموزن ہو جاتا ہے اور چونکہ اس کے ہلاکت آفرین پہلو پر نظر نہیں کی جاتی اور اس سے توبہ کرنے میں سہل انگاری سے کام لیا جاتا ہے اس لئے توبہ کے بعد گناہ کبیرہ اتنا ہلاکت آفرین نہیں ہوتا جتنا صغیرہ پر اصرار مہلک ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر کسی پتھر پر قطرہ قطرہ کر کے پانی ٹپکتا رہے تو اس سے پتھر پر نشان سا پڑ جاتا ہے اور اگر انہی قطروں کے مجموعی وزن کے برابر ایک دم اس پر پانی انڈیل دیا جائے تو اس سے نہ پتھر پر کچھ اثر ہوتا ہے اور نہ کوئی نشان اُبھرتا ہے۔ اسی طرح اگر صغیرہ گناہ کا سلسلہ مسلسل جاری رہے تو وہ اپنا دیرپا اثر چھوڑ جاتا ہے اور کبیرہ گناہ کی ہلاکت آفرینی توبہ سے ختم ہو جاتی ہے۔

بہر حال وہ معائب جو بنیادی حیثیت رکھتے ہوں یا وہ جو اِن سے جنم لیتے ہوں سب ایسے ہیں جن سے نگہداشت ہی سے انسانیت کا جوہر باقی رہ سکتا ہے۔ چنانچہ امام علیہ السلام دوسروں کو ان عیوب کے عیوب ہونے سے آگاہ کرنے اور اُن سے دامن بچانے کی تعلیم دینے کیلئے ان رذائل سے یکسر پاک ہونے کے باوجود اللہ سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ ان سے بچنے کی توفیق شامل حال رکھے۔ اور یہ خاصانِ خدا اور رہبرانِ حقیقی کا شیوہ ہے کہ

---

[۱] الکافی، ج ۲، ص ۲۸۸۔

وہ زیورِ کمال سے آراستہ ہونے کے باوجود کمالِ اُلوہیت کے آگے اپنے نقص کا اقرار اور پاکیزگیِ نفس کے ہر گوشے کی تکمیل کے بعد اس کے مقامِ تقدیس کے سامنے عجز وتقصیر کا اعتراف کرتے ہیں، تاکہ ہدایت کا فریضہ بھی ادا ہوتا رہے اور عبودیت کا حُسن بھی نکھرتا رہے۔ ورنہ اس قسم کے عیوب نہ اُن کے منصب کے لحاظ سے درست اور نہ اُن کے مزاجِ امامت سے سازگار ہو سکتے ہیں۔

چنانچہ جب ابن عمیر سے ہشام ابن حَکم نے عصمت آئمہؑ کی دلیل طلب کی تو انہوں نے کہا کہ تمام گناہوں کے محرک حرص، غضب، حسد اور شہوت کے جذبات ہوتے ہیں اور دوسرے تمام گناہ انہی کی پیداوار ہیں۔ تو جب یہ ثابت کر دیا جائے کہ ان میں سے کسی چیز کا وجود امامؑ میں نہیں پایا جا سکتا تو عصمت اپنے مقام پر ثابت ہو جائے گی۔

چنانچہ حرص اس لئے نہیں ہو سکتی کہ وہ ایسے خزانوں کے مالک ہوتے ہیں جن کے سامنے فرمانرواؤں کے خزانے ہیچ ہوتے ہیں، جس کے بعد ان سے حرص وطمع کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اس سلسلہ میں یہ واقعہ شاہد ہے کہ: عبدالملک جب حج کیلئے آیا تو اس نے امام زین العابدین علیہ السلام کو یاد کیا۔ جب حضرتؑ اس کے ہاں گئے تو اس نے کہا کہ آپؑ گاہے بگاہے ملتے رہا کیجئے تاکہ اس کے ذریعہ سے آپؑ کی دنیوی ضرورتیں پوری ہوتی رہیں۔ آپؑ نے یہ سن کر دوش پر سے عبا اُتاری اور اُسے زمین پر بچھا دیا اور کچھ ریت جمع کر کے اُس پر ڈال دی۔ عبدالملک نے دیکھا کہ وہ ریت کے ذرّے جواہرات کی صورت میں چمک رہے ہیں۔ امامؑ نے فرمایا کہ: جسے اللہ کی طرف سے یہ دولت نصیب ہو وہ دنیا کیلئے کسی آستانے پر نہیں جھک سکتا، جس کے بعد عبدالملک خود اپنی پیشکش پر شرمسار ہوا۔

اور غضب اس لئے نہیں ہوتا کہ امامؑ کے فرائض میں سے یہ ہے کہ وہ حق وانصاف کے ساتھ باہمی قضیوں کا تصفیہ کرے، حدود شرعیہ کو نافذ کرے۔ تو اگر وہ اپنے ذاتی غضب سے متاثر ہوگا تو اس سے عدل وانصاف کے قائم کرنے کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے ذاتی غضب سے مشتعل ہو کر کوئی بے جا اقدام کر بیٹھے۔ اس لئے امامؑ کا غضب کسی ذاتی جذبہ کے زیرِ اثر نہیں ہوتا، بلکہ جہاں غضب کا مظاہرہ ہوتا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہی پیش نظر ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کا شاہد یہ واقعہ ہے کہ امیرالمومنین علیہ السلام نے میدانِ جنگ میں ایک دشمن کو زمین پر گرا دیا اور اُس کے سینہ پر سوار ہو گئے۔ اُس نے طیش میں آپؑ کے چہرے پر تھوک دیا۔ آپؑ فوراً اُس کے سینہ سے اُتر آئے۔ جب وجہ پوچھی گئی تو فرمایا کہ: میں کسی مرحلہ پر بھی ذاتی غضب کو کارفرما کرنا نہیں چاہتا۔

اور حسد اس لئے نہیں ہوتا کہ حسد کا محل وہ ہے جہاں فریق مخالف اپنے سے بلند مرتبہ کا حامل ہو۔ لہٰذا امیر غریب پر، عالم جاہل پر، قوی کمزور پر اور بلند مرتبہ پست درجہ والے پر حسد نہیں کرے گا۔ تو اس اصول سے امامؑ اُسی پر حسد کرے گا جو اس سے بلند درجہ کا مالک ہو۔ اور جب امامت سے بلندتر دوسرا منصب نہیں ہے تو اس منصب پر فائز ہونے والا کس پر حسد کرے گا؟ اور منصب امامت کی رفعت کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امامت کا اعلان ﴿اِنِّیۡ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ﴾[1] کے ذریعہ اس وقت کیا جاتا ہے جب وہ نبوت ورسالت کے منصب پر فائز ہو چکے تھے تو جو منصب نبوت ورسالت اور خصوصی امتحان کی کامیابی کے بعد حاصل ہوا ہو اس کی رفعت سے کون انکار کر سکتا ہے۔ لہٰذا اس بلند منزل پر فائز ہونے

---

[1] سورۂ بقرہ، آیت ۱۲۴۔

والا محسود ہوسکتا ہے مگر حاسد نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی: ﴿اَمۡ یَحۡسُدُوۡنَ النَّاسَ عَلٰی مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ﴾[۱]: ''یا ان لوگوں پر حسد کرتے ہیں اس نعمت پر جو خدا نے ان کو اپنے فضل سے عطا کی ہے'' کے ذیل میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

نَحۡنُ وَ اللّٰهِ الۡمَحۡسُوۡدُوۡنَ.

خدا کی قسم! ہم ہی وہ ہیں جن پر حسد کیا گیا۔[۲]

اور ہوائے نفس کی چیرہ دستیوں سے اس لئے مغلوب نہیں ہوتا کہ یہ ایک فطری چیز ہے کہ پھولوں کو چھوڑ کر کانٹوں کیلئے دامن میں جگہ پیدا نہیں کی جاتی اور کوّے کی کائیں کائیں کی خاطر گلبانگ ہزار سے کان بند نہیں کئے جاتے۔ تو جس کی نگاہوں کے سامنے جنّت کے دلفریب نظارے اور حسین پیکروں کے محجوب اشارے ہوں وہ حُسنِ دنیا پر وارفتہ اور نفس کی ترغیب سے متاثر نہیں ہوتا۔ چنانچہ یہ واقعہ اس کا شاہد ہے کہ ہارون رشید نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو متہم کرنے کیلئے ان کے زمانۂ اسیری میں ایک کنیز کو ان کے پاس بھیجنے کا ارادہ کیا۔ مقصد یہ تھا کہ امامؑ پر الزام عائد کر کے ان کے قتل کا جواز پیدا کرے۔ امام علیہ السلام کو جب معلوم ہوا تو آپؑ نے فرمایا: «لَا حَاجَةَ لِيَ اِلٰى ذٰلِكَ»: ''مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے''، مگر اُسے تو بہرصورت بھیجنا تھا وہ بھیج دی گئی۔ اور پھر عصر کے وقت ایک شخص کو ٹوہ لگانے کیلئے تعاقب میں روانہ کیا۔ جب وہ زندان میں پہنچا تو دیکھا کہ کنیز سجدہ میں پڑی ہے۔ اس نے پلٹ کر ہارون رشید کو اس کی اطلاع دی۔ ہارون نے اس کنیز کو طلب کیا اور سجدہ کی وجہ دریافت کی۔ اس نے کہا کہ جب میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوئی تو دیکھا کہ وہ مصروفِ نماز ہیں۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے کہا کہ مجھے آپؑ کی خدمت میں بھیجا گیا ہے۔ یہ سن کر آپؑ نے ایک طرف ہاتھ کا اشارہ کیا۔ میں نے اُدھر دیکھا تو ایک عجیب منظر تھا۔ پھلوں سے لدے پھدے درختوں کے جھنڈ، بلند و بالا عمارتیں اور اُن میں ایسی تابناک صورتیں کہ میری نگاہیں خیرہ ہوگئیں۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ: ''اے کنیز! تو کیا خدمت کرے گی، ہم مدت سے منتظر ہیں کہ یہ عبد صالح ہمیں کوئی حکم دے تو ہم اُسے بجا لائیں''۔ یہ دیکھ کر مجھ پر ایک ایسی دہشت سی طاری ہوگئی اور میں بے اختیار سجدہ میں گر پڑی۔ یہاں تک کہ آپ کا آدمی آیا اور مجھے یہاں لے آیا۔

☆☆☆☆☆

---

[۱] سورۂ نساء، آیت ۵۴۔

[۲] بصائر الدرجات، ج ۱، ص ۳۶۔

(۹) وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

فِي الِاشْتِيَاقِ اِلٰى طَلَبِ الْمَغْفِرَةِ مِنَ اللّٰهِ جَلَّ جَلَالُهٗ:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ صَيِّرْنَآ اِلٰى مَحْبُوْبِكَ مِنَ التَّوْبَةِ، وَ اَزِلْنَا عَنْ مَّكْرُوْهِكَ مِنَ الْاِصْرَارِ.

اَللّٰهُمَّ وَ مَتٰى وَقَفْنَا بَيْنَ نَقْصَيْنِ فِيْ دِيْنٍ اَوْ دُنْيَا، فَاَوْقِعِ النَّقْصَ بِاَسْرَعِهِمَا فَنَآءً، وَ اجْعَلِ التَّوْبَةَ فِيْٓ اَطْوَلِهِمَا بَقَآءً، وَ اِذَا هَمَمْنَا بِهَمَّيْنِ يُرْضِيْكَ اَحَدُهُمَا عَنَّا، وَ يُسْخِطُكَ الْاٰخَرُ عَلَيْنَا، فَمِلْ بِنَآ اِلٰى مَا يُرْضِيْكَ عَنَّا، وَ اَوْهِنْ قُوَّتَنَا عَمَّا يُسْخِطُكَ عَلَيْنَا، وَ لَا تُخَلِّ فِيْ ذٰلِكَ بَيْنَ نُفُوْسِنَا وَ اخْتِيَارِهَا، فَاِنَّهَا مُخْتَارَةٌ لِّلْبَاطِلِ اِلَّا مَا وَفَّقْتَ، اَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمْتَ.

اَللّٰهُمَّ وَ اِنَّكَ مِنَ الضُّعْفِ خَلَقْتَنَا، وَ عَلَى الْوَهْنِ بَنَيْتَنَا، وَ مِنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ابْتَدَاْتَنَا، فَلَا حَوْلَ لَنَآ اِلَّا بِقُوَّتِكَ، وَ لَا قُوَّةَ لَنَآ اِلَّا بِعَوْنِكَ، فَاَيِّدْنَا بِتَوْفِيْقِكَ، وَ سَدِّدْنَا بِتَسْدِيْدِكَ، وَ اَعْمِ اَبْصَارَ

دُعا (۹)

طلب مغفرت کے اشتیاق میں حضرتؑ کی دُعا:

اے اللہ! رحمت نازل فرما محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آلؑ پر اور ہماری توجہ اس توبہ کی طرف مبذول کردے جو تجھے پسند ہے، اور گناہ کے اصرار سے ہمیں دور رکھ جو تجھے ناپسند ہے۔

بارالٰہا! جب ہمارا موقف کچھ ایسا ہو کہ (ہماری کسی کوتاہی کے باعث) دین کا زیاں ہوتا ہو یا دنیا کا، تو نقصان (دنیا میں) قرار دے کہ جو جلد فنا پذیر ہے، اور عفو و درگزر کو (دین کے معاملہ میں) قرار دے جو باقی و برقرار رہنے والا ہے، اور جب ہم ایسے دو کاموں کا ارادہ کریں کہ ان میں سے ایک تیری خوشنودی کا اور دوسرا تیری ناراضی کا باعث ہو تو ہمیں اس کام کی طرف مائل کرنا جو تجھے خوش کرنے والا ہو، اور اس کام سے ہمیں بے دست و پا کردینا جو تجھے ناراض کرنے والا ہو، اور اس مرحلہ پر ہمیں اختیار دے کر آزاد نہ چھوڑ دے، کیونکہ نفس تو باطل ہی کو اختیار کرنے والا ہے، مگر جہاں تیری توفیق شامل حال ہو اور برائی کا حکم دینے والا ہے، مگر جہاں تیرا رحم کارفرما ہو۔

بارالٰہا! تو نے ہمیں کمزور اور سست بنیاد پیدا کیا ہے اور پانی کے ایک حقیر قطرہ (نطفہ) سے خلق فرمایا ہے۔ اگر ہمیں کچھ قوت و تصرف حاصل ہے تو تیری قوت کی بدولت، اور اختیار ہے تو تیری مدد کے سہارے سے، لہٰذا اپنی توفیق سے ہماری دستگیری فرما، اور اپنی رہنمائی سے استحکام و قوت بخش، اور ہمارے

قُلُوْبِنَا عَمَّا خَالَفَ مَحَبَّتَكَ، وَ لَا تَجْعَلْ لِشَيْءٍ مِّنْ جَوَارِحِنَا نُفُوْذًا فِيْ مَعْصِيَتِكَ.

دیدۂ دل کو ان باتوں سے جو تیری محبت کے خلاف ہیں نابینا کر دے، اور ہمارے اعضاء کے کسی حصہ میں معصیت کے سرایت کرنے کی گنجائش پیدا نہ کر۔

اَللّٰهُمَّ فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اجْعَلْ هَمَسَاتِ قُلُوْبِنَا، وَ حَرَكَاتِ اَعْضَآئِنَا وَ لَمَحَاتِ اَعْيُنِنَا، وَ لَهَجَاتِ اَلْسِنَتِنَا فِيْ مُوْجِبَاتِ ثَوَابِكَ حَتّٰى لَا تَفُوْتَنَا حَسَنَةٌ نَّسْتَحِقُّ بِهَا جَزَآءَكَ، وَ لَا تَبْقٰى لَنَا سَيِّئَةٌ نَّسْتَوْجِبُ بِهَا عِقَابَكَ.

بارالٰہا! رحمت نازل فرما محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آلؑ پر اور ہمارے دل کے خیالوں، اعضاء کی جنبشوں، آنکھ کے اشاروں اور زبان کے کلموں کو ان چیزوں میں صرف کرنے کی توفیق دے جو تیرے ثواب کا باعث ہوں، یہاں تک کہ ہم سے کوئی ایسی نیکی چھوٹنے نہ پائے جس سے ہم تیرے اجر وثواب کے مستحق قرار پائیں، اور نہ ہم میں کوئی برائی رہ جائے جس سے تیرے عذاب کے سزاوار ٹھہریں۔

--☆☆--

یہ دُعا اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار، حسن عمل کی توفیق اور مغفرت و خوشنودی کی طلب پر مشتمل ہے۔ اگر چہ امام علیہ السلام معصوم اور آغوشِ عصمت کے پروردہ تھے اور عصمت، فکری و عملی و اعتقادی ہر قسم کے گناہ سے حفاظت کی ذمہ دار ہوتی ہے، مگر پھر بھی گناہ کا اعتراف کرتے اور توبہ و استغفار کا دامن پھیلاتے ہیں۔ کیونکہ توبہ خود ایک عبادت اور احساسِ عبودیت کا جوہر ہے۔ اور عصمت، عبودیت و نیازمندی سے بے نیاز نہیں کر دیتی کہ توبہ و انابت کا ہاتھ نہ اٹھے جبکہ عبودیت کے تقاضوں کی تکمیل ہی کا نام عصمت ہے۔ اس لئے آپ گناہوں کی آلودگیوں سے محفوظ ہونے کے باوجود توبہ و استغفار میں مصروف رہتے تاکہ توبہ کا ثواب بھی حاصل ہو اور دُوسرے گنہگار توبہ کی تعلیم بھی پا سکیں۔

''توبہ''، زبان سے گناہ کے اقرار اور اس کے ترک کے اظہار کا نام نہیں ہے، بلکہ اپنے گناہوں پر صدقِ دل سے ندامت اور آئندہ ترکِ گناہ کے عزم اور قابل تلافی امور کے تدارک کا نام ہے۔ اور جب اس طرح سے توبہ ہوتی ہے تو خداوند عالم نہ صرف گناہوں سے درگزر کرتا ہے، بلکہ توبہ پر مزید اجر و ثواب عطا کرتا اور توبہ کرنے والے کو پسندیدگی و قبولیت کی سند دیتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ﴾

اللہ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔[1]

اسی بنا پر امام علیہ السلام نے توبہ کو اللہ کی ایک محبوب و پسندیدہ چیز قرار دینے کے ساتھ اصرارِ گناہ کو مکروہ و ناپسندیدہ چیز قرار دیا ہے۔ کیونکہ گناہ پر

[1] سورۂ بقرہ، آیت ۲۲۲۔

اصرار کے معنی ہی یہ ہیں کہ توبہ کو نظر انداز کیا جارہا ہے اور جبکہ توبہ مطلوب و مرغوب ہے تو جو چیز ترکِ توبہ کا نتیجہ ہوگی وہ بہرحال مبغوض و ناپسند ہوگی۔

گناہ اور خصوصاً گناہ پر اصرار انسان کے اردگرد ایک ایسی مسموم فضا پیدا کر دیتا ہے جہاں اخلاقی روح مُردہ ہو جاتی ہے اور بہت سی ہلاکت آفرین چیزوں کا اسے سامنا کرنا پڑتا ہے اور اس کی ذمہ داری خود اسی پر عائد ہوتی ہے۔ کیونکہ جو چیزیں ظہور میں آتی ہیں وہ گناہ کے طبعی نتائج کی حیثیت رکھتی ہیں۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ﴾

جو مصیبت بھی تم پر وارد ہوتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں ہی کی کمائی ہوتی ہے۔[1]

صورت اعمال ماست هر چه به ما مي رسد

یہ گناہ کے نتائج و اثرات کبھی دینی نقصان کی صورت میں رُونما ہوتے ہیں، جیسے سلبِ توفیق، عبادت سے بے رُخی، علم کی فراموشی وغیرہ۔ جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِنَّ الْعَبْدَ لَيُذْنِبُ الذَّنْبَ فَيَنْسٰى بِهِ الْعِلْمَ الَّذِيْ كَانَ قَدْ عَلِمَهٗ، وَ اِنَّ الْعَبْدَ لَيُذْنِبُ الذَّنْبَ فَيَمْتَنِعُ بِهٖ مِنْ قِيَامِ اللَّيْلِ.

بندہ کبھی ایسے گناہ کا مرتکب ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں سیکھے ہوئے علم پر نسیان طاری ہو جاتا ہے اور کبھی ایسا گناہ کرتا ہے جس کے نتیجہ میں عبادتِ شب کی سعادت سے محروم ہو جاتا ہے۔[2]

اور کبھی دنیوی نقصان کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں، جیسے حوادث و آلام، تنگیٔ معاش، زوالِ نعمت وغیرہ۔ جیسا کہ امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے:

وَايْمُ اللّٰهِ! مَا كَانَ قَوْمٌ قَطُّ فِيْ غَضِّ نِعْمَةٍ مِّنْ عَيْشٍ فَزَالَ عَنْهُمْ اِلَّا بِذُنُوْبٍ اجْتَرَحُوْهَا.

خدا کی قسم! وہ لوگ جو عیش و آرام میں زندگی بسر کرتے تھے اور پھر اُن کی نعمتیں ان سے چھن گئیں، تو یہ اُن گناہوں کا نتیجہ تھا جن کا وہ ارتکاب کرتے تھے۔[3]

امام علیہ السلام نے اس دُعا میں دینی و دنیوی دونوں نقصانوں کا ذکر کیا ہے اور پھر دین کے دائمی نتائج اور دنیا کے عارضی نقصانات پر نظر کرتے ہوئے بارگاہِ الٰہی میں عرض کرتے ہیں کہ:

اگر ہمارے گناہ کے نتیجہ میں دین کا زیان ہوتا ہو یا دنیا کا نقصان تو تمام نقصانات کا بوجھ دنیا پر ڈال دے اور ہمارے دین کو ہر قسم کے خطرات سے محفوظ کر دے، کیونکہ دنیا کے نقصانات عارضی اور چند روزہ ہیں اور دین کا نقصان اس زندگی پر اثر انداز

---

[1] سورۂ شوریٰ، آیت ۳۰۔

[2] عدۃ الداعی، ص ۲۱۱۔

[3] نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۷۶۔

ہوتا ہے جو ہمیشہ رہنے والی ہے اور دائمی فائدہ کی خاطر عارضی نقصان کو برداشت کیا جاسکتا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے حسن عمل کی توفیق کا سوال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

ہمیں بس اس عمل کی توفیق دے جو تیری خوشنودی و رضامندی کا باعث ہو، اور ایسے کاموں سے بچائے رکھ جو تیری ناراضی کا سبب ہوں۔

یہ ارشاد حضرتؑ کی بلند نظری کا آئینہ دار ہے کہ اُن کی نظریں اُٹھتی ہیں تو اللہ کی رضامندی پر اور یہ خاصانِ خدا کا تقاضائے وارفتگی ہے کہ ان کی نظر نہ جنّت پر ہوتی ہے اور نہ نعیم جنت پر، ان کی منزل صرف رضائے الٰہی کی منزل ہوتی ہے جس کی طلب انہیں ہر کیف ولذت سے بیگانہ اور ہر رنج وتکلیف سے بے نیاز بنا دیتی ہے۔ وہ دُکھ جھیلتے، تکلیفیں اٹھاتے اور پوری لگن کے ساتھ برسرِ عمل رہ کر اس منزلِ رضا کا کھوج لگاتے ہیں اور یہی اُن کی عبادت کا مقصد اور یہی اُن کی زندگی کا مآل ہوتا ہے اور یہی کامرانی کی آخری منزل ہے۔ رہی جنّت! تو وہ اللہ کے تفضّل کا ایک کرشمہ ہے، اصل فلاح ونجاح اس کی رضامندی ہی سے وابستہ ہے اور یہی سب سے بڑی سعادت ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ﴾

اللہ کی رضامندی سب سے بڑی چیز ہے۔[1]

اس منزلِ رضامندی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ”نفس امارہ“ کی کارفرمائی ہے جو لذت وعیش کے پردے میں جرم ومعصیت کی دعوت دیتا اور اپنی فسوں کاریوں سے برائیوں کی طرف کھینچ لے جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام کی زبانی ارشاد ہے:

﴿اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْۗءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ۭ﴾

بے شک نفس برائیوں پر اُبھارنے والا ہے مگر یہ کہ میرا پروردگار رحم کرے۔[2]

لیکن جب انسان اس نفس کی فریب کاریوں پر متنبہ ہوتا اور غفلت کی اندھیاریوں سے نکلتا ہے تو اُسے ندامت وشرمساری گھیر لیتی ہے، وہ اپنے کئے پر پچھتاتا ہے اور ضمیر ووجدان اُسے ملامت کرتا ہے۔ یہ ”نفس لوامہ“ کی کارفرمائی ہے جس سے نفس امارہ کی فتنہ سامانیاں دَب جاتی ہیں۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝۲ۭ﴾

برائیوں پر سرزنش کرنے والے نفس کی میں قسم کھاتا ہوں۔[3]

اس ضمیر کی ملامت اور شرمساری کے تاثرات سے نفس نیکی کی راہوں کو دیکھ لیتا ہے اور نیکی کو نیکی سمجھ کر اختیار کرتا اور برائی کو برائی سمجھ کر چھوڑ

---

[1] سورۂ توبہ، آیت ۷۲۔

[2] سورۂ یوسف، آیت ۵۳۔

[3] سورۂ قیامت، آیت ۲۔

دیتا ہے۔ یہ "نفس ملہمہ" کا کرشمہ ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ﴾

اس نے بدکرداری اور پرہیزگاری نفس کو سمجھادی۔[1]

اور جب انسان ہمہ تن نیک اعمال میں مصروف اور برائیوں سے کنارہ کش ہو جاتا ہے اور تمام علائق سے قطع نظر کر لیتا ہے تو صبر و یقین کی روح اس کے اندر دوڑ جاتی ہے، جس کے بعد نہ کوئی مصیبت اُسے متزلزل کرتی ہے اور نہ اس کا یقین ڈانواں ڈول ہوتا ہے۔ یہ "نفس مطمئنہ" کی منزل ہے جہاں اللہ کی رضا و خوشنودی اس کے دامن میں سمٹ آتی ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴾

اے نفس مطمئنہ! اپنے پروردگار کی طرف پلٹ آ۔ اس حالت میں کہ تُو اس سے خوش، وہ تجھ سے راضی۔[2]

بہرحال اس نفس امارہ کی چیرہ دستیوں سے بچ کر ہی آگے بڑھ سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید حاصل ہو اور توفیق الٰہی اس کے شامل حال ہو۔ اسی لئے حضرتؑ نے نفس امارہ کی ستیزہ کاریوں سے بچنے کیلئے اللہ تعالیٰ کی توفیق و تائید کا سہارا ڈھونڈا ہے۔ کیونکہ انسان ہر بری تحریک کے آگے سرخم کر دیتا اور ہر نفسانی خواہش کے ادنیٰ اشارے پر ہتھیار ڈال دیتا ہے۔ اسی بنا پر قدرت نے انسان کو کمزور و ضعیف قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن ضَعْفٍ﴾

اللہ وہ ہے جس نے تمہیں کمزور و ضعیف پیدا کیا۔[3]

☆☆☆☆☆

---

[1] سورۂ شمس، آیت ۸۔

[2] سورۂ فجر، آیت ۲۷-۲۸۔

[3] سورۂ روم، آیت ۵۴۔

(۱۰) وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

فِي اللَّجَاِ اِلَى اللهِ تَعَالٰى

اَللّٰهُمَّ اِنْ تَشَاْ تَعْفُ عَنَّا فَبِفَضْلِكَ، وَ اِنْ تَشَاْ تُعَذِّبْنَا فَبِعَدْلِكَ، فَسَهِّلْ لَنَا عَفْوَكَ بِمَنِّكَ، وَ اَجِرْنَا مِنْ عَذَابِكَ بِتَجَاوُزِكَ، فَاِنَّهٗ لَا طَاقَةَ لَنَا بِعَدْلِكَ، وَلَا نَجَاةَ لِاَحَدٍ مِّنَّا دُوْنَ عَفْوِكَ.

يَا غَنِيَّ الْاَغْنِيَآءِ، هَا نَحْنُ عِبَادُكَ بَيْنَ يَدَيْكَ، وَ اَنَاۤ اَفْقَرُ الْفُقَرَآءِ اِلَيْكَ، فَاجْبُرْ فَاقَتَنَا بِوُسْعِكَ، وَ لَا تَقْطَعْ رَجَآءَنَا بِمَنْعِكَ، فَتَكُوْنَ قَدْ اَشْقَيْتَ مَنِ اسْتَسْعَدَ بِكَ، وَ حَرَمْتَ مَنِ اسْتَرْفَدَ فَضْلَكَ، فَاِلٰى مَنْ حِيْنَئِذٍ مُّنْقَلَبُنَا عَنْكَ، وَ اِلٰۤى اَيْنَ مَذْهَبُنَا عَنْ بَابِكَ.

سُبْحَانَكَ نَحْنُ الْمُضْطَرُّوْنَ الَّذِيْنَ اَوْجَبْتَ اِجَابَتَهُمْ، وَ اَهْلُ السُّوْٓءِ الَّذِيْنَ وَعَدْتَّ الْكَشْفَ عَنْهُمْ، وَ اَشْبَهُ الْاَشْيَآءِ بِمَشِيَّتِكَ، وَ اَوْلَى الْاُمُوْرِ بِكَ فِيْ عَظَمَتِكَ،

دُعا (۱۰)

اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرنے کے سلسلہ میں حضرتؑ کی دُعا

بارالہا! اگر تو چاہے کہ ہمیں معاف کر دے تو یہ تیرے فضل کے سبب سے ہے، اور اگر تو چاہے کہ ہمیں سزا دے تو یہ تیرے عدل کی رُو سے ہے۔ تو اپنے شیوۂ احسان کے پیش نظر ہمیں پوری معافی دے، اور ہمارے گناہوں سے درگزر کر کے اپنے عذاب سے بچا لے۔ اس لئے کہ ہمیں تیرے عدل کی تاب نہیں ہے اور تیرے عفو کے بغیر ہم میں سے کسی ایک کی بھی نجات نہیں ہو سکتی۔

اے بے نیازوں کے بے نیاز! ہاں تو پھر ہم سب تیرے بندے ہیں جو تیرے حضور کھڑے ہیں، اور میں سب محتاجوں سے بڑھ کر تیرا محتاج ہوں۔ لہٰذا اپنے بھرے خزانے سے ہمارے دامن فقر و احتیاج کو بھر دے، اور اپنے دروازے سے رد کر کے ہماری امیدوں کو قطع نہ کر۔ ورنہ جو تجھ سے خوش حالی کا طالب تھا وہ تیرے ہاں سے حرماں نصیب ہوگا، اور جو تیرے فضل سے بخشش و عطا کا خواستگار تھا وہ تیرے در سے محروم رہے گا۔ تو اب ہم تجھے چھوڑ کر کس کے پاس جائیں اور تیرا در چھوڑ کر کدھر کا رخ کریں۔

تو اس سے منزہ ہے (کہ ہمیں ٹھکرا دے جبکہ) ہم ہی وہ عاجز و بے بس ہیں جن کی دُعائیں قبول کرنا تو نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے، اور وہ دردمند ہیں جن کے دکھ دور کرنے کا تو نے وعدہ کیا ہے، اور تمام چیزوں میں تیرے مقتضائے مشیت کے مناسب اور تمام امور میں تیری بزرگی و عظمت کے شایان یہ ہے کہ جو تجھ سے رحم کی

رَحْمَةُ مَنِ اسْتَرْحَمَكَ، وَ غَوْثُ مَنِ اسْتَغَاثَ بِكَ، فَارْحَمْ تَضَرُّعَنَآ اِلَيْكَ، وَ اَغْنِنَآ اِذْ طَرَحْنَآ اَنْفُسَنَا بَيْنَ يَدَيْكَ.

درخواست کرے تو اس پر رحم فرمائے اور جو تجھ سے فریادرسی چاہے تو اس کی فریادرسی کرے۔ تو اب اپنی بارگاہ میں ہماری تضرع وزاری پر رحم فرما، اور جبکہ ہم نے اپنے کو تیرے آگے (خاک مذلّت پر) ڈال دیا ہے تو ہمیں (فکروغم سے) نجات دے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّ الشَّيْطٰنَ قَدْ شَمِتَ بِنَآ اِذْ شَايَعْنَاهُ عَلٰى مَعْصِيَتِكَ، فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ لَا تُشْمِتْهُ بِنَا بَعْدَ تَرْكِنَآ اِيَّاهُ لَكَ، وَ رَغْبَتِنَا عَنْهُ اِلَيْكَ.

بارالٰہا! جب ہم نے تیری معصیت میں شیطان کی پیروی کی تو اس نے (ہماری اس کمزوری پر) اظہار مسرت کیا۔ تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آل اطہارؑ پر درود بھیج اور جب ہم نے تیری خاطر اسے چھوڑ دیا، اور اس سے روگردانی کر کے تجھ سے لو لگا چکے ہیں تو کوئی ایسی افتاد نہ پڑے کہ وہ ہم پر شماتت کرے۔

--☆☆--

یہ دُعا،طلبِ پناہ،خواستگاریٔ رحمت اور عدلِ الٰہی کے تقاضوں سے بے بسی و ناطاقتی کے اعتراف کے سلسلہ میں ہے۔

''رحمت'' و ''عدالت'' اللہ کی دو صفتیں ہیں جو دو مختلف پہلوؤں کو نمایاں کرتی ہیں: ایک پہلو بخشش و مغفرت کا ہے اور دوسرا پہلو تعزیر و عقوبت کا۔ ''رحمت'' کا تقاضا یہ ہے کہ وہ گنہگاروں اور مجرموں سے درگزر کرے اور ''عدالت'' کا تقاضا یہ ہے کہ اُن کے گناہوں اور جرموں کی انہیں سزا دے۔ جب اُس کے عفو و رحمت کی وسعت پر نظر جاتی ہے تو دل میں ''رجاء'' کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، اور جب اُس کے غضب و انتقام کا تصور ہوتا ہے تو دل ''خوف'' سے لرز اٹھتا ہے۔ مگر اس ''خوف و رجاء'' کے ملے جلے جذبات میں رحمت کا نقش پہلے دل و دماغ پر اُبھرتا ہے اور قہر و غضب کا احساس بعد میں ہوتا ہے۔ کیونکہ دنیا و آخرت کے ہر گوشہ میں اصل رحمت ہی کی کارفرمائی ہے اور تعزیر و انتقام تو بعض ناگزیر حالتوں کیلئے ہے جہاں سزا و عقوبت کے بغیر چارہ ہی نہیں ہے۔

چنانچہ امام علیہ السلام نے اپنے دلنشین اور مخصوص اندازِ طلب میں پہلے رحمت کا تذکرہ کیا ہے اور بعد میں عدالت کا، اس طرح کہ:

اگر تو معاف کر دے تو یہ تیری رحمت کی کارسازی ہے اور اگر سزا دے تو یہ تیری عدالت کا تقاضا ہے۔

پھر اس کی رحمت و عدالت کے دونوں رُخوں کو سامنے رکھتے ہوئے بارگاہِ الٰہی میں عرض کرتے ہیں کہ:

اگر نجات کا فیصلہ تیرے عدل کی رُو سے ہو تو دنیا میں کوئی بھی نجات حاصل نہیں کر سکتا۔ اور کون ایسا ہو سکتا ہے جو تیری رحمت سے بے نیاز ہو کر صرف اپنے اعمال کے بل بوتے پر نجات و رستگاری کا پروانہ حاصل کر لے جائے؟ لہٰذا جب نجات تیرے دامن عفو و رحمت سے وابستہ ہے تو بغیر کسی محاسبہ و باز پُرس کے ہمیں معاف کر دے اور اپنے فضل و احسان سے

محروم نہ کر۔اس لئے کہ اے بے نیازوں کے بے نیاز! ہم سب بندے تیرے حضور کھڑے ہیں اور میں سب محتاجوں سے بڑھ کر تیرا محتاج ہوں۔

اس جملہ میں نہ معلوم طلب و نیاز کی کتنی منزلیں طے ہوگئی ہیں اور التجا و استرحام کے کتنے دفتر سمٹ آئے ہیں۔

سید نعمت اللہ جزائریؒ اس جملہ کے ذیل میں تحریر کرتے ہیں کہ:

وَ يُمْكِنُ اسْتِخْرَاجُ زُهَآءِ مِائَةِ لَطِيْفَةٍ مِّنْ هٰذِهِ الْفَقْرَةِ الشَّرِيْفَةِ.

اگر غور کیا جائے تو اس جملہ سے سو کے بقدر دقائق و نکات مستنبط ہو سکتے ہیں۔[1]

چنانچہ پہلی نظر اس صنعت طباق و تضاد پر پڑتی ہے جو ''اغنی الاغنیاء'' اور ''افقر الفقراء'' میں ہے کہ جب اسے سب سے زیادہ غنی کہا ہے تو اس کے مقابلہ میں اپنے کو بہت زیادہ فقیر کہہ کر پیش کیا ہے۔اور اس سے طلب و سوال کے استحقاق پر بھی روشنی پڑتی ہے اس طرح کہ جب وہ غنی ہے تو کسی نعمت و دولت کے بخشنے سے قاصر نہیں ہوسکتا۔اور ادھر فقر ہے تو فقیر اپنی ضرورت و احتیاج کے پیش نظر مانگے گا اور جب کہ پانی کا بہاؤ اُدھر کا رخ کرتا ہے جدھر نشیب ہوتا ہے تو کریم کا دستِ کرم بھی اُدھر بڑھنا چاہئے جہاں فقر و احتیاج ہو۔اور پھر وہ صرف غنی نہیں بلکہ ''اغنی الاغنیاء'' ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ہر لحاظ سے غنی و بے نیاز ہے۔ایسا نہیں کہ ایک لحاظ سے غنی ہو اور ایک اعتبار سے محتاج کہ یہ کہا جاسکے کہ اس سوال کا تعلق اس پہلو سے ہے جس میں احتیاج کارفرما ہے اور اسی طرح دوسری طرف صرف احتیاج نہیں بلکہ حد سے بڑھی ہوئی احتیاج ہے۔تو اس کے فضل و کرم کا زیادہ محل وہی ہوگا جہاں احتیاج اپنی پوری بے سروسامانی کے ساتھ ہو۔

اس مقام پر لفظ ''ھا'' سے جو حرف تنبیہ ہے قدرت کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے۔حالانکہ حرف تنبیہ اس محل پر استعمال ہوتا ہے جہاں مخاطب کو جھنجھوڑنا اور غفلت و بے توجہی سے ہوشیار کرنا مقصود ہوتا ہے۔مگر اللہ کو متنبہ و ہوشیار کرنے کے کیا معنی جب کہ اس پر نہ غفلت طاری ہوسکتی ہے اور نہ وہ بندوں کے حال سے غافل و بے خبر رہ سکتا ہے۔تو اس محل پر اللہ کو متنبہ کرنا نہیں ہے، بلکہ اس تنبیہ کے پردے میں اپنی غفلت و کوتاہی کا اعتراف مقصود ہے۔اس طرح کہ جب انسان گناہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے معنوی لحاظ سے دور ہو جاتا ہے اور جوں جوں گناہ میں بڑھتا جاتا ہے اس دوری کا احساس بھی بڑھتا جاتا ہے اور وہ یہ تصور کرنے لگتا ہے کہ اب وہ اللہ سے اتنا دُور ہو چکا ہے کہ وہ اسے نظر انداز کر دے اور نا قابل التفات سمجھ کر اپنی توجہ کا رُخ اُس سے موڑ لے۔اس احساس کے پیش نظر جو خود اس کی غفلت کا نتیجہ ہوتا ہے، اللہ کو گویا اپنے سے غافل قرار دے لیتا ہے اور اس موقع پر خطاب کیلئے حرف تنبیہ کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔اور جب تضرع و زاری اور دُعا و مناجات سے اس کی طرف رجوع ہوتا ہے تو یہ دُوری کا احساس ختم ہو جاتا ہے اور اس کی طرف متوجہ ہونے سے اُسے اپنے سے قریب تر تصور کرنے لگتا ہے۔چنانچہ جب اپنی غفلت کے پیشِ نظر دُوری کا تصور ہوا تو لفظ ''ھا'' سے اُسے متوجّہ کیا اور جب اس کی طرف رجوع ہونے سے قرب کا احساس ہوا تو فرمایا: «بَيْنَ يَدَيْكَ»: ''ہم تیرے سامنے ہی تو ہیں''۔اور اسی امر کی طرف اس حدیث قدسی میں اشارہ ہے:

---

[1] نور الانوار فی شرح الصحیفۃ السجادیہ، السید نعمت اللہ الجزائریؒ، ج۱، ص۱۴۸۔

مَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ ذِرَاعًا.

جو ایک بالشت مجھ سے قریب ہوتا ہے میں ایک ہاتھ اس کے قریب جاتا ہوں۔[1]

اور کبھی اس محل پر بھی حرف تنبیہ لایا جاتا ہے جہاں مخاطب کو خصوصی توجہ دلا کر کوئی اہم اور غیر معمولی بات کہنا ہوتی ہے اور اس طریقہ سے مقصد کی اہمیّت کو واضح کرنا مقصود ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس مقصد سے اہم مقصد کیا ہوسکتا ہے جو انسان کی دائمی فلاح و بہبود سے متعلق ہو۔ اور پھر مقصد کی اہمیّت اس کی مقتضی ہوتی ہے کہ پوری عاجزی و سرافگندگی کے ساتھ سوال کیا جائے اور انتہائی تضرع و اصرار سے دامن طلب پھیلایا جائے تو اس مختصر اور دو حرفی لفظ ''ھا'' میں اپنی غفلت اور اس کے نتیجہ میں اللہ کی طرف سے بے توجّہی، مدّعا و مقصد کی اہمیت اور اس کیلئے گڑ گڑاہٹ سب معانی سمٹ کر جمع ہو گئے ہیں۔

حضرتؑ نے اس مورد پر لفظ ''عباد'' استعمال کی ہے جو عبد کی جمع ہے تو یہ وہی اسلوب ہے جو ارشادِ الٰہی ﴿اِیَّاکَ نَعْبُدُ﴾[2]: ''ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں'' کا ہے کہ تنہا عبادت کرنے والا بھی عبودیت کا اظہار بصورت جمع کرتا ہے، گویا وہ عبادت گزاروں کے زمرہ میں منسلک ہو کر اپنی عبادت کو اللہ کے حضور پیش کرتا ہے تا کہ ان میں سے قبول ہونے والی عبادتوں کے ساتھ ساتھ یہ بھی قبولیت کا شرف حاصل کر لے جائے۔ اسی طرح حضرتؑ کے ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ اگر میں تیرے کرم و رحمت کا سزاوار نہیں تو ان بندوں میں جنہیں میں نے اپنے ساتھ شامل کیا ہے، بے گناہ، کمزور و ناتواں بوڑھے، عاجز و درماندہ افراد بھی ہیں۔ ان میں کوئی نہ کوئی تو تیری نظرِ کرم کا مستحق اور قابل شفقت و مرحمت ہوگا۔ تو میں بھی ان کی صف میں کھڑا ہوا جاتا ہوں تا کہ جب تیری رحمت جوش میں آئے اور تیرے فضل و انعام کی گھنگھور گھٹائیں برسیں تو میرا دامن بھی چھلک جائے، کیونکہ ابر باراں جب برستا ہے بلا امتیاز برستا ہے اور پھر لفظ ''عباد'' سے اس آیت کی طرف اشارہ بھی ہے کہ:

﴿یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ﴾

اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے نفسوں پر زیادتی کی ہے میری رحمت سے بے آس نہ ہو جاؤ۔[3]

مقصد یہ ہے کہ جب تو نے اپنے ''عباد'' کو اپنی رحمت کا امیدوار بنایا ہے تو ہم وہی ''عباد'' تو ہیں جو جھولی پھیلائے، تجھ سے آس لگائے تیرے دَر پر ایستادہ ہیں۔ بلکہ «طَرَحْنَآ اَنْفُسَنَا بَیْنَ یَدَیْكَ»: ''ہم نے اپنے کو تیرے آگے خاکِ مذلت پر ڈال دیا ہے''، تو اب آگے تیری خوشی جو سرفراز کرے۔

☆☆☆☆☆

---

[1] عوالی اللئالی، ج۱، ص۵۶۔

[2] سورۂ فاتحہ، آیت ۴۔

[3] سورۂ زمر، آیت ۵۳۔

(۱۱) وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

بِخَوَاتِمِ الْخَيْرِ

يَا مَنْ ذِكْرُهٗ شَرَفٌ لِّلذَّاكِرِيْنَ، وَ يَا مَنْ شُكْرُهٗ فَوْزٌ لِّلشَّاكِرِيْنَ، وَ يَا مَنْ طَاعَتُهٗ نَجَاةٌ لِّلْمُطِيْعِيْنَ، صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اشْغَلْ قُلُوْبَنَا بِذِكْرِكَ عَنْ كُلِّ ذِكْرٍ، وَ اَلْسِنَتَنَا بِشُكْرِكَ عَنْ كُلِّ شُكْرٍ، وَ جَوَارِحَنَا بِطَاعَتِكَ عَنْ كُلِّ طَاعَةٍ.

فَاِنْ قَدَّرْتَ لَنَا فَرَاغًا مِّنْ شُغْلٍ فَاجْعَلْهُ فَرَاغَ سَلَامَةٍ لَّا تُدْرِكُنَا فِيْهِ تَبِعَةٌ، وَ لَا تَلْحَقُنَا فِيْهِ سَاْمَةٌ، حَتّٰى يَنْصَرِفَ عَنَّا كُتَّابُ السَّيِّئَاتِ بِصَحِيْفَةٍ خَالِيَةٍ مِّنْ ذِكْرِ سَيِّئَاتِنَا، وَ يَتَوَلّٰى كُتَّابُ الْحَسَنَاتِ عَنَّا مَسْرُوْرِيْنَ بِمَا كَتَبُوْا مِنْ حَسَنَاتِنَا.

وَ اِذَا انْقَضَتْ اَيَّامُ حَيَاتِنَا، وَ تَصَرَّمَتْ مُدَدُ اَعْمَارِنَا، وَ اسْتَحْضَرَتْنَا دَعْوَتُكَ الَّتِيْ لَا بُدَّ مِنْهَا وَ مِنْ اِجَابَتِهَا، فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اجْعَلْ خِتَامَ مَا تُحْصِيْ عَلَيْنَا كَتَبَةُ اَعْمَالِنَا تَوْبَةً مَّقْبُوْلَةً لَّا تُوْقِفُنَا بَعْدَهَا عَلٰى ذَنْبٍ اجْتَرَحْنَاهُ، وَ

دُعا (۱۱)

انجام بخیر ہونے کی دُعا

اے وہ ذات! جس کی یاد، یاد کرنے والوں کیلئے سرمایۂ عزت، اے وہ جس کا شکر، شکرگزاروں کیلئے وجۂ کامرانی، اے وہ جس کی فرمانبرداری فرمانبرداروں کیلئے ذریعہ نجات ہے، رحمت نازل فرما محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوران کی آلؑ پر اور ہمارے دلوں کو اپنی یاد میں، اور ہماری زبانوں کو اپنے شکریہ میں، اور ہمارے اعضاء کو اپنی فرمانبرداری میں مصروف رکھ کر، ہر یاد، ہر شکریہ اور ہر فرمانبرداری سے بے نیاز کر دے۔

اور اگر تُو نے ہماری مصروفیتوں میں کوئی فراغت کا لمحہ رکھا ہے تو اسے سلامتی سے ہمکنار کر، اس طرح کہ نتیجہ میں کوئی گناہ دامن گیر نہ ہو اور نہ خستگی رونما ہو، تاکہ بُرائیوں کو لکھنے والے فرشتے اس طرح پلٹیں کہ نامۂ اعمال ہماری برائیوں کے ذکر سے خالی ہو، اور نیکیوں کو لکھنے والے فرشتے ہماری نیکیوں کو لکھ کر مسرور و شاداں واپس ہوں۔

اور جب ہماری زندگی کے دن بیت جائیں اور سلسلۂ حیات قطع ہوجائے، اور تیری بارگاہ میں حاضر ہونے کا بلاوا آئے، جسے بہرحال آنا اور جس پر بہرصورت لبیک کہنا ہے، تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کاتبانِ اعمال ہمارے جن اعمال کا شمار کریں ان میں آخری عمل مقبول توبہ کو قرار دے کہ اس کے بعد ہمارے ان گناہوں اور ہماری ان معصیتوں

لَا مَعْصِيَةٍ اقْتَرَفْنَاهَا، وَ لَا تَكْشِفْ عَنَّا سِتْرًا سَتَرْتَهُ عَلٰى رُءُوْسِ الْاَشْهَادِ، يَوْمَ تَبْلُوْ اَخْبَارَ عِبَادِكَ.

پر جن کے ہم مرتکب ہوئے ہیں سرزنش نہ کرے، اور جب اپنے بندوں کے حالات جانچے تو اس پردہ کو جو تو نے ہمارے گناہوں پر ڈالا ہے سب کے روبرو چاک نہ کرے۔

اِنَّكَ رَحِيْمٌ بِمَنْ دَعَاكَ، وَ مُسْتَجِيْبٌ لِّمَنْ نَّادَاكَ.

بیشک جو تجھے بلائے تو اس پر مہربانی کرتا ہے، اور جو تجھے پکارے تو اس کی سنتا ہے۔

--☆☆--

سرنامۂ دُعا میں ذکرِ الٰہی کو کرنے والوں کیلئے سرمایۂ عزّ وشرف قرار دیا ہے۔ کیونکہ جب بندہ اللہ کو یاد کرتا ہے تو اللہ بھی اُسے یاد رکھتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے: ﴿فَاذْكُرُوْنِیْۤ اَذْكُرْكُمْ﴾: ''تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد رکھوں گا''۔[1]

اور حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے:

مَنْ ذَكَرَنِیْ فِیْ مَلَاٍ ذَكَرْتُهُ فِیْ مَلَاٍ خَیْرٍ مِنْ مَّلَئِهٖ، وَ مَنْ ذَكَرَنِیْ سِرًّا ذَكَرْتُهُ عَلَانِیَةً.

جوشخص کسی بزم میں میرا ذکر کرتا ہے میں اس سے بہتر اجتماع میں اس کا ذکر کرتا ہوں اور جو خفیہ طور پر میرا ذکر کرتا ہے میں اس کا علانیہ ذکر کرتا ہوں۔[2]

اور ظاہر ہے کہ خالق کا اپنے مخلوق کو اور معبود کا اپنے عبد کو یاد رکھنا اور اپنے الطاف کا مورد قرار دینا بندہ کیلئے باعثِ عزّ وافتخار ہے اور چونکہ یہ نتیجہ ہے ذکرِ الٰہی کا، لہٰذا ذکرِ الٰہی بھی شرف میں محسوب ہوگا۔

ذکرِ الٰہی کے مراتب

اہلِ عرفان کے نزدیک ذکرِ الٰہی کے چار مرتبے ہیں:

پہلا مرتبہ:

یہ ہے کہ اللہ کا ذکر اور اس کی تسبیح و تحمید صرف زبان سے ہو اور دل اس کی یاد سے یکسر خالی ہو۔ یہ ذکر کا پست ترین مرتبہ ہے۔ تاہم فائدے سے یہ بھی خالی نہیں ہے، کیونکہ جتنی دیر زبان اس کے ذکر میں مصروف رہے گی، غیبت، بدگوئی، فحش کلامی اور دوسری بیہودہ باتوں سے محفوظ رہے گی۔ اور ہوسکتا ہے کہ رفتہ رفتہ دل بھی زبان کا ساتھ دینے لگے اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجّہ ہو جائے، کیونکہ جب ذکر کی آوازیں پیہم کان کے پردوں سے ٹکرائیں گی تو کب تک دل متاثر نہ ہوگا۔

---

[1] سورۂ بقرہ، آیت ۱۵۲۔
[2] ریاض السالکین، ج ۲ ص ۴۴۹۔

دوسرا مرتبہ:

یہ ہے کہ دل زبان کا ساتھ تو دے مگر توجہ وانہماک نہ ہو۔ ایسا معلوم ہو کہ اسے جبراً وقہراً اس طرف لایا جا رہا ہے۔ یہ مرتبہ پہلے مرتبہ سے کچھ بلند ہے، کیونکہ دل کچھ تھوڑا بہت تو زبان کا ہمنوا ہے۔

تیسرا مرتبہ:

یہ ہے کہ زبان کے ساتھ دل بھی اس کی یاد میں کھو جائے، لیکن دوسری طرف متوجہ کرنے سے متوجہ بھی ہو جائے، اگرچہ یہ توجہ وقتی و عارضی ہو۔ یہ رسوخ کی منزل ہے۔

اور چوتھا مرتبہ:

یہ ہے کہ دل میں ذکر اس طرح رچ بس جائے کہ خون کے ساتھ رگ و پے میں دوڑنے لگے اور حیات کا ہر لمحہ سوز و گداز کا لافانی مرقع اور جسم و جان کا ہر ریشہ محبت کی شعلہ فشانیوں کا مرکز بن جائے۔ یہ عشقِ الٰہی کی منزل فنافی اللہ کا درجہ اور عبودیت کا وہ بلند مقام ہے جس کے اندر ربوبیت کے جوہر دہ ہیں۔ حضرتؑ کے ارشاد: «وَ اشْغَلْ قُلُوْبَنَا بِذِكْرِكَ عَنْ كُلِّ ذِكْرٍ»: ''ہمارے دلوں کو اپنے ذکر کی بدولت ہر ذکر سے بے نیاز کر دے''، میں اسی مرتبہ کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ ذکرِ الٰہی میں حضرتؑ کے انہماک کا یہ عالم ہوتا تھا کہ نہ کوئی خواہش آپؑ کے تصورات پر غالب آتی تھی اور نہ کوئی حادثہ توجہ کو موڑنے میں کامیاب ہو سکتا تھا۔ کمال الدین ابن طلحہ شافعی نے مطالب السئول میں تحریر کیا ہے کہ:

حضرتؑ محرابِ عبادت میں ایستادہ نماز شب پڑھ رہے تھے کہ شیطان ایک اژدہے کی صورت میں سامنے سے نمودار ہوا مگر آپؑ حسبِ معمول نماز میں مصروف رہے۔ اس نے بڑھ کر آپؑ کے پیر کا انگوٹھا اپنے دانتوں میں دبا لیا۔ پھر بھی آپؑ کی توجہ کو ہٹانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ وہ اژدہے کی صورت میں شیطان ہے۔ آپؑ نے اُسے ٹھوکر لگائی اور پھر مصروفِ عبادت ہو گئے۔ اس منظر کو دیکھ کر ہاتف غیبی نے پکار کر کہا: «اَنْتَ زَيْنُ الْعَابِدِيْنَ»: ''آپؑ عبادت گزاروں کی زینت ہیں''۔[1]

دوسری چیز یہ بیان فرمائی ہے کہ اللہ کا شکریہ ادا کرنا شکر گزاروں کیلئے باعثِ کامرانی ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے کہ:

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ۝۷﴾

اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تمہاری نعمتوں میں اضافہ کروں گا اور اگر تم نے کفرانِ نعمت کیا تو یاد رکھو کہ میرا عذاب سخت عذاب ہے۔[2]

لہٰذا جب کفرانِ نعمت نعمتوں سے محرومی اور عذاب کا باعث ہے تو شکر نعمتوں کی افزائش اور عذاب سے رہائی کا ذریعہ ہوگا۔ اور یہی فوز و کامرانی ہے جو ادائے شکر کی بدولت حاصل ہوتی ہے۔

---

[1] مطالب السؤول فی مناقب آل الرسولؑ، ص ۲۶۸۔

[2] سورۂ ابراہیم، آیت ۷۔

تیسری چیز یہ بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اطاعت گزاروں کیلئے نجات و رستگاری کی ضامن اور اُخروی کامرانی کی ذمہ دار ہے۔ چنانچہ جب انسان میں اطاعت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور وہ اللہ کے احکام کی پابندی اور اسکے ممنوعات ومحرمات سے کنارا کرتا ہے تو قہراً اسکے افکار و اعمال پر ایک خوشگوار اثر پڑتا ہے اور وہ اچھائی بُرائی، درست و نادرست اور صحیح وغلط میں امتیاز کر کے برائیوں سے علیحدگی اختیار کرتا اور اچھائیوں کو اپنے اندر نشوونما دیتا ہے جسکے نتیجہ میں وہ عزت وکامرانی کی زندگی بسر کرتا اور مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے انعامات سے سرفراز ہوتا ہے، چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓـئِكَ مَعَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ﴾

جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں وہ اُن لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے اپنا انعام کیا ہے۔[1]

اور جو اس کی اطاعت سے انحراف کرتا ہوا اس کے حدود کو توڑتا اور گناہ ومعصیت میں پڑا رہتا ہے۔ وہ اپنے ناپاک عمل و کردار کی وجہ سے دلوں میں کوئی مقام و منزلت حاصل نہیں کر سکتا اور ان دنیوی ذلتوں اور تباہیوں کے ساتھ آخرت کی ہلاکتوں کے اسباب بھی فراہم کرتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری ہے:

﴿وَمَنۡ يَّعۡصِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوۡدَهٗ يُدۡخِلۡهُ نَارًا خَالِدًا فِيۡهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ﴾

جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں اور اس کے حدود سے تجاوز کرتے ہیں انہیں ہمیشہ کیلئے جہنّم میں داخل کرے گا اور اس کیلئے رُسوا کرنے والا عذاب ہے۔[2]

بہرحال ذکر، شکر اور اطاعت یہ وہ اعمال ہیں جو انسان کے دل، زبان اور اعضاء کو گناہ سے بچالے جاتے ہیں۔ چنانچہ دل میں اگر اُس کی یاد ہوگی تو خیالاتِ فاسدہ اور معتقداتِ باطلہ کے قبول کرنے کی گنجائش اس میں نہ رہے گی۔ اور زبان پر اس کا ذکر یا شکر ہوگا تو وہ جھوٹ، بہتان، غیبت اور اس قبیل کے دوسرے عیوب سے بچا رہے گا۔ اور اگر اعضاء اس کی اطاعت میں مصروف رہیں گے تو وہ گناہ جو اِن اعضاء سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے ظلم، سرقہ، قتل، زنا وغیرہ اس سے سرزد نہ ہوں گے اور یہی دل، زبان اور اعضاء گناہ ومعاصی کا سرچشمہ ہیں۔ جب ان پر ذکر، شکر اور اطاعت کا پہرا بیٹھ جائے گا تو کلیّۃً گناہوں کا انسداد ہو جائے گا اور یہی مقامِ مقامِ عصمت ہے۔

اس کے بعد خداوند عالم کی بارگاہ میں یہ التجا کی ہے کہ وہ ہمہ وقت ذکر، شکر اور اطاعت میں مصروف رہنے کی توفیق کرامت فرمائے۔ اور اگر عبادت سے کچھ فراغت کے لمحات میسر ہوں تو اس فراغت کی وجہ سے دل میں تنگی کی صورت پیدا نہ ہو کہ پھر ذکر و عبادت کی طرف رجوع ہونا طبیعت پر شاق گزرے، اور کوئی ایسی بات نہ ہونے پائے جو رضائے الٰہی کے خلاف ہو۔ مقصد یہ ہے کہ بے کاری اور تعطل پیدا ہی نہ ہو اور نہ کوئی لمحہ ایسا گزرے جس میں مقصدِ حیات سے فراموشی ہونے پائے۔

☆☆☆☆☆

---

[1] سورۂ نساء، آیت ۶۹۔

[2] سورۂ نساء، آیت ۱۴۔

(۱۲) وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

فِي الِاعْتِرَافِ وَ طَلَبِ التَّوْبَةِ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى:

اَللّٰهُمَّ اِنَّهٗ يَحْجُبُنِيْ عَنْ مَّسْئَلَتِكَ خِلَالٌ ثَلَاثٌ، وَ تَحْدُوْنِيْ عَلَيْهَا خَلَّةٌ وَاحِدَةٌ:

يَحْجُبُنِيْ اَمْرٌ اَمَرْتَ بِهٖ فَاَبْطَاْتُ عَنْهُ، وَ نَهْيٌ نَّهَيْتَنِيْ عَنْهُ فَاَسْرَعْتُ اِلَيْهِ، وَ نِعْمَةٌ اَنْعَمْتَ بِهَا عَلَيَّ فَقَصَّرْتُ فِيْ شُكْرِهَا.

وَ يَحْدُوْنِيْ عَلٰى مَسْئَلَتِكَ تَفَضُّلُكَ عَلٰى مَنْ اَقْبَلَ بِوَجْهِهٖ اِلَيْكَ، وَ وَفَدَ بِحُسْنِ ظَنِّهٖ اِلَيْكَ، اِذْ جَمِيْعُ اِحْسَانِكَ تَفَضُّلٌ، وَ اِذْ كُلُّ نِعَمِكَ ابْتِدَآءٌ.

فَهَآ اَنَا ذَا يَآ اِلٰهِيْ! وَاقِفٌ بِبَابِ عِزِّكَ وُقُوْفَ الْمُسْتَسْلِمِ الذَّلِيْلِ، وَ سَآئِلُكَ عَلَى الْحَيَآءِ مِنِّيْ سُؤَالَ الْبَآئِسِ الْمُعِيْلِ، مُقِرٌّ لَكَ بِاَنِّيْ لَمْ اَسْتَسْلِمْ وَقْتَ اِحْسَانِكَ اِلَّا بِالْاِقْلَاعِ عَنْ عِصْيَانِكَ، وَ لَمْ اَخْلُ فِي الْحَالَاتِ كُلِّهَا مِنِ امْتِنَانِكَ.

فَهَلْ يَنْفَعُنِيْ يَآ اِلٰهِيْ! اِقْرَارِيْ

دُعا (۱۲)

اعترافِ گناہ اور طلبِ توبہ کے سلسلہ میں حضرتؑ کی دُعا:

اے اللہ! مجھے تین باتیں تیری بارگاہ میں سوال کرنے سے روکتی ہیں، اور ایک بات اس پر آمادہ کرتی ہے:

جو باتیں روکتی ہیں ان سے میں ایک یہ ہے کہ جس امر کا تو نے حکم دیا میں نے اس کی تعمیل میں سستی کی، دوسرے یہ کہ جس چیز سے تو نے منع کیا اس کی طرف تیزی سے بڑھا، تیسرے جو نعمتیں تو نے مجھے عطا کیں ان کا شکریہ ادا کرنے میں کوتاہی کی۔

اور جو بات مجھے سوال کرنے کی جرأت دلاتی ہے وہ تیرا تفضّل و احسان ہے جو تیری طرف رجوع ہونے والوں اور حسنِ ظن کے ساتھ آنے والوں کے ہمیشہ شریک حال رہا ہے۔ کیونکہ تیرے تمام احسانات صرف تیرے تفضّل کی بنا پر ہیں، اور تیری ہر نعمت بغیر کسی سابقہ استحقاق کے ہے۔

اچھا پھر اے میرے معبود! میں تیرے دروازۂ عزّ وجلال پر ایک عبدِ مطیع و ذلیل کی طرح کھڑا ہوں، اور شرمندگی کے ساتھ ایک فقیر و محتاج کی حیثیت سے سوال کرتا ہوں، اس امر کا اقرار کرتے ہوئے کہ تیرے احسانات کے وقت ترکِ معصیت کے علاوہ اور کوئی اطاعت (از قبیل حمد و شکر) نہ کر سکا، اور میں کسی حالت میں تیرے انعام و احسان سے خالی نہیں رہا۔

تو کیا اے میرے معبود! یہ بداعمالیوں کا اقرار تیری بارگاہ

عِنْدَكَ بِسُوْٓءِ مَا اكْتَسَبْتُ؟ وَ هَلْ يُنْجِيْنِيْ مِنْكَ اعْتِرَافِيْ لَكَ بِقَبِيْحِ مَا ارْتَكَبْتُ؟ اَمْ اَوْجَبْتَ لِيْ فِيْ مَقَامِيْ هٰذَا سُخْطَكَ؟ اَمْ لَزِمَنِيْ فِيْ وَقْتِ دُعَايَ مَقْتُكَ؟.

میں میرے لئے سود مند ہوسکتا ہے؟ اور وہ برائیاں جو مجھ سے سرزد ہوئی ہیں ان کا اعتراف تیرے عذاب سے نجات کا باعث قرار پاسکتا ہے؟ یا یہ کہ تو نے اس مقام پر مجھ پر غضب کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے اور دُعا کے وقت اپنی ناراضگی کو میرے لئے برقرار رکھا ہے؟۔

سُبْحَانَكَ! لَآ اَيْاَسُ مِنْكَ وَ قَدْ فَتحْتَ لِيْ بَابَ التَّوْبَةِ اِلَيْكَ، بَلْ اَقُوْلُ مَقَالَ الْعَبْدِ الذَّلِيْلِ الظَّالِمِ لِنَفْسِهٖ، الْمُسْتَخِفِّ بِحُرْمَةِ رَبِّهٖ، الَّذِيْ عَظُمَتْ ذُنُوْبُهٗ فَجَلَّتْ، وَ اَدْبَرَتْ اَيَّامُهٗ فَوَلَّتْ، حَتّٰى اِذَا رَاٰى مُدَّةَ الْعَمَلِ قَدِ انْقَضَتْ، وَ غَايَةَ الْعُمُرِ قَدِ انْتَهَتْ، وَ اَيْقَنَ اَنَّهٗ لَا مَحِيْصَ لَهٗ مِنْكَ، وَ لَا مَهْرَبَ لَهٗ عَنْكَ، تَلَقَّاكَ بِالْاِنَابَةِ، وَ اَخْلَصَ لَكَ التَّوْبَةَ.

تو پاک و منزہ ہے، میں تیری رحمت سے مایوس نہیں ہوں، اس لئے کہ تو نے اپنی بارگاہ کی طرف میرے لئے توبہ کا دروازہ کھول دیا ہے، بلکہ میں اس بندۂ ذلیل کی سی بات کہہ رہا ہوں جس نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور اپنے پروردگار کی حرمت کا لحاظ نہ رکھا، جس کے گناہ عظیم اور روز افزوں ہیں، جس کی زندگی کے دن گزر گئے اور گزرتے جارہے ہیں، یہاں تک کہ جب اس نے دیکھا کہ مدتِ عمل تمام ہوگئی اور عمر اپنی آخری حد کو پہنچ گئی اور یہ یقین ہوگیا کہ اب تیرے ہاں حاضر ہوئے بغیر کوئی چارہ اور تجھ سے نکل بھاگنے کی کوئی صورت نہیں ہے تو وہ ہمہ تن تیری طرف رجوع ہوا، اور صدق نیت سے تیری بارگاہ میں توبہ کی۔

فَقَامَ اِلَيْكَ بِقَلْبٍ طَاهِرٍ نَّقِيٍّ، ثُمَّ دَعَاكَ بِصَوْتٍ حَآئِلٍ خَفِيٍّ، قَدْ تَطَاْطَاَ لَكَ فَانْحَنٰى، وَ نَكَّسَ رَاْسَهٗ فَانْثَنٰى، قَدْ اَرْعَشَتْ خَشْيَتُهٗ رِجْلَيْهِ، وَ غَرَّقَتْ دُمُوْعُهٗ خَدَّيْهِ،

اب وہ بالکل پاک و صاف دل کے ساتھ تیرے حضور کھڑا ہوا، پھر کپکپاتی آواز سے اور دبے لہجے میں تجھے پکارا، اس حالت میں کہ خشوع و تذلل کے ساتھ تیرے سامنے جھک گیا اور سر کو نیوڑھا کر تیرے آگے خمیدہ ہوگیا، خوف سے اس کے دونوں پاؤں تھرا رہے ہیں، اور سیلِ اشک اس کے رخساروں پر رواں ہے۔

يَدْعُوكَ: بِيَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ، وَ يَآ اَرْحَمَ

اور تجھے اس طرح پکار رہا ہے: اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے، اے ان سب سے بڑھ کر رحم کرنے

مَنِ انْتَابَهُ الْمُسْتَرْحِمُوْنَ، وَ يَآ اَعْطَفَ مَنْ اَطَافَ بِهِ الْمُسْتَغْفِرُوْنَ.

والےجن سے طلبگاران رحم وکرم بار بار رحم کی التجائیں کرتے ہیں، اے ان سب سے زیادہ مہربانی کرنے والےجن کے گرد معافی چاہنے والے گھیرا ڈالے رہتے ہیں۔

وَ يَا مَنْ عَفْوُهٗ اَكْثَرُ مِنْ نَّقِمَتِهٖ، وَ يَا مَنْ رِضَاهُ اَوْفَرُ مِنْ سَخَطِهٖ، وَ يَا مَنْ تَحَمَّدَ اِلٰى خَلْقِهٖ بِحُسْنِ التَّجَاوُزِ، وَ يَا مَنْ عَوَّدَ عِبَادَهٗ قَبُوْلَ الْاِنَابَةِ، وَ يَا مَنِ اسْتَصْلَحَ فَاسِدَهُمْ بِالتَّوْبَةِ وَ يَا مَنْ رَّضِيَ مِنْ فِعْلِهِمْ بِالْيَسِيْرِ، وَ يَا مَنْ كَافٰى قَلِيْلَهُمْ بِالْكَثِيْرِ، وَ يَا مَنْ ضَمِنَ لَهُمْ اِجَابَةَ الدُّعَآءِ، وَ يَا مَنْ وَّعَدَهُمْ عَلٰى نَفْسِهٖ بِتَفَضُّلِهٖ حُسْنَ الْجَزَآءِ.

اے وہ جس کا عفو و درگزر اس کے انتقام سے فزوں تر ہے، اے وہ جس کی خوشنودی اس کی ناراضگی سے زیادہ ہے، اے وہ جو بہترین عفوو درگزر کے باعث مخلوقات کے نزدیک حمد و ستائش کا مستحق ہے، اے وہ جس نے اپنے بندوں کو قبول توبہ کا خوگر کیا ہے اور توبہ کے ذریعہ ان کے بگڑے ہوئے کاموں کی درستگی چاہی ہے، اے وہ جو ان کے ذرا سے عمل پر خوش ہو جاتا ہے اور تھوڑے سے کام کا بدلہ زیادہ دیتا ہے، اے وہ جس نے ان کی دُعاؤں کو قبول کرنے کا ذمہ لیا ہے، اے وہ جس نے از روئے تفضّل و احسان بہترین جزا کا وعدہ کیا ہے۔

مَآ اَنَا بِاَعْصٰى مَنْ عَصَاكَ فَغَفَرْتَ لَهٗ، وَ مَآ اَنَا بِاَلْوَمِ مَنِ اعْتَذَرَ اِلَيْكَ فَقَبِلْتَ مِنْهُ، وَ مَآ اَنَا بِاَظْلَمِ مَنْ تَابَ اِلَيْكَ فَعُدْتَ عَلَيْهِ.

جن لوگوں نے تیری معصیت کی اور تو نے انہیں بخش دیا میں ان سے زیادہ گنہگار نہیں ہوں، اور جنہوں نے تجھ سے معذرت کی اور تو نے ان کی معذرت کو قبول کرلیا ان سے زیادہ قابل سرزنش نہیں ہوں، اور جنہوں نے تیری بارگاہ میں توبہ کی اور تو نے (توبہ کو قبول فرما کر) ان پر احسان کیا ان سے زیادہ ظالم نہیں ہوں۔

اَتُوْبُ اِلَيْكَ فِيْ مَقَامِيْ هٰذَا تَوْبَةَ نَادِمٍ عَلٰى مَا فَرَطَ مِنْهُ، مُشْفِقٍ مِّمَّا اجْتَمَعَ عَلَيْهِ، خَالِصِ الْحَيَآءِ مِمَّا وَقَعَ فِيْهِ، عَالِمٍ بِاَنَّ الْعَفْوَ عَنِ الذَّنْبِ

لہٰذا میں اپنے اس موقف کو دیکھتے ہوئے تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں اس شخص کی سی توبہ جو اپنے پچھلے گناہوں پر نادم، اور خطاؤں کے ہجوم سے خوف زدہ، اور جن برائیوں کا مرتکب ہوتا رہا ہے ان پر واقعی شرمسار ہو، اور جانتا ہو کہ بڑے سے بڑے گناہ کو

الْعَظِيْمِ لَا يَتَعَاظَمُكَ، وَ اَنَّ التَّجَاوُزَ عَنِ الْاِثْمِ الْجَلِيْلِ لَا يَسْتَصْعِبُكَ، وَ اَنَّ احْتِمَالَ الْجِنَايَاتِ الْفَاحِشَةِ لَا يَتَكَاَّدُكَ، وَ اَنَّ اَحَبَّ عِبَادِكَ اِلَيْكَ مَنْ تَرَكَ الْاِسْتِكْبَارَ عَلَيْكَ، وَ جَانَبَ الْاِصْرَارَ، وَ لَزِمَ الْاِسْتِغْفَارَ.

معاف کردینا تیرے نزدیک کوئی بڑی بات نہیں ہے، اور بڑی سے بڑی خطا سے درگزر کرنا تیرے لئے کوئی مشکل نہیں ہے، اور سخت سے سخت جرم سے چشم پوشی کرنا تجھے ذرا گراں نہیں ہے، یقیناً تمام بندوں میں سے وہ بندہ تجھے زیادہ محبوب ہے جو تیرے مقابلہ میں سرکشی نہ کرے، گناہوں پر مصر نہ ہو اور توبہ واستغفار کی پابندی کرے۔

وَ اَنَا اَبْرَاُ اِلَيْكَ مِنْ اَنْ اَسْتَكْبِرَ، وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ اُصِرَّ، وَ اَسْتَغْفِرُكَ لِمَا قَصَّرْتُ فِيْهِ، وَ اَسْتَعِيْنُ بِكَ عَلٰى مَا عَجَزْتُ عَنْهُ.

اور میں تیرے حضور غرور وسرکشی سے دست بردار ہوتا ہوں، اور گناہوں پر اصرار سے تیرے دامن میں پناہ مانگتا ہوں، اور جہاں جہاں کوتاہی کی ہے اس کیلئے عفو وبخشش کا طلبگار ہوں، اور جن کاموں کے انجام دینے سے عاجز ہوں ان میں تجھ سے مدد کا خواستگار ہوں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ هَبْ لِيْ مَا يَجِبُ عَلَيَّ لَكَ، وَ عَافِنِيْ مِمَّاۤ اَسْتَوْجِبُهٗ مِنْكَ، وَ اَجِرْنِيْ مِمَّا يَخَافُهٗ اَهْلُ الْاِسَآءَةِ.

اے اللہ! تو رحمت نازل فرما محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آلؑ پر اور تیرے جو جو حقوق میرے ذمہ عائد ہوتے ہیں انہیں بخش دے، اور جس پاداش کا میں سزاوار ہوں اس سے معافی دے، اور مجھے اس عذاب سے پناہ دے جس سے گنہگار ہراساں ہیں۔

فَاِنَّكَ مَلِيْٓءٌ بِالْعَفْوِ، مَرْجُوٌّ لِّلْمَغْفِرَةِ، مَعْرُوْفٌ بِالتَّجَاوُزِ، لَيْسَ لِحَاجَتِيْ مَطْلَبٌ سِوَاكَ، وَ لَا لِذَنْۢبِيْ غَافِرٌ غَيْرُكَ، حَاشَاكَ وَ لَاۤ اَخَافُ عَلٰى نَفْسِيْ اِلَّاۤ اِيَّاكَ، اِنَّكَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَ اَهْلُ الْمَغْفِرَةِ.

اس لئے کہ تو معاف کردینے پر قادر ہے، اور تجھ ہی سے مغفرت کی امید کی جاسکتی ہے، اور تو اس صفت عفوو درگزر میں معروف ہے، اور تیرے سوا حاجت کے پیش کرنے کی کوئی جگہ نہیں ہے، اور نہ تیرے علاوہ کوئی میرے گناہوں کا بخشنے والا ہے، حاشا وکلا کوئی اور بخشنے والا نہیں ہے، اور مجھے اپنے بارے میں ڈر ہے تو بس تیرا۔ اس لئے کہ تو ہی اس کا سزاوار ہے کہ تجھ سے ڈرا جائے، اور تو ہی اس کا اہل ہے کہ بخشش وآمرزش سے کام لے۔

صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ، وَ اقْضِ حَاجَتِيْ، وَ اَنْجِحْ طَلِبَتِيْ، وَ اغْفِرْ ذَنْۢبِيْ، وَ اٰمِنْ خَوْفَ نَفْسِيْ، اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، وَ ذٰلِكَ عَلَيْكَ يَسِيْرٌ، اٰمِيْنَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ.

--☆☆--

تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور میری حاجت بَر لا، اور میری مراد پوری کر، میرے گناہ بخش دے، اور میرے دل کو خوف سے مطمئن کر دے۔ اس لئے کہ تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، اور یہ کام تیرے لئے سہل و آسان ہے۔ میری دُعا قبول فرما اے تمام جہان کے پروردگار۔

--☆☆--

فرقہ امامیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ انبیاء و آئمہ علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں اور زندگی کے کسی لمحہ میں عمداً و سہواً خطا و گناہ کے مرتکب نہیں ہوتے خواہ گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ۔ مگر احساسِ عبودیت کے پیش نظر وہ اللہ کی بارگاہ میں عفو و درگزر کی التجا کرتے اور توبہ و انابت کا ہاتھ اٹھاتے تھے۔ کیونکہ اللہ کے حقوق اور اُس کے ان گنت احسانات و انعامات کے شکریہ سے کوئی بھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ اس لحاظ سے ہر شخص خواہ وہ گناہوں سے محفوظ ہو توبہ و استغفار کا محتاج ہے۔ اسی بنا پر انبیاء و آئمہ علیہم السلام اس حق کی ادائیگی سے عجز کا اعتراف اور توبہ و استغفار کرتے تھے۔ چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: «اِنِّيْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ سَبْعِيْنَ مَرَّةً»: ”میں ہر روز ستّر مرتبہ توبہ و استغفار کرتا ہوں“۔[۱]

ظاہر ہے کہ یہ توبہ و استغفار کسی گناہ کے نتیجہ میں نہیں ہوتی تھی، بلکہ یہ ایک طرح سے عبودیت کا مظاہرہ ہے۔ چنانچہ صاحب کشف الغمہ نے تحریر کیا ہے کہ: انبیاء و آئمہ علیہم السلام ہمہ وقت ذکر و عبادت میں مستغرق اور اُن کے قلوب و اذہان ملاء اعلیٰ سے وابستہ رہتے تھے۔ اور جب وہ اللہ کی عظمت و جلال اور اس کے مقامِ رفیع کے تصور کے بعد اپنی عبادتوں اور ریاضتوں کا جائزہ لیتے اور زندگی کے ان لمحات کو دیکھتے جو عبادت و استغراق کے علاوہ دوسرے مشاغل میں بسر ہوتے تھے، جیسا کھانا پینا، آرام و استراحت وغیرہ تو وہ ان مشغولیتوں کو اللہ کے حقوق میں کوتاہی کا مرادف سمجھتے اور انہیں گناہ سے تعبیر کرتے ہوئے توبہ و استغفار کا سہارا ڈھونڈتے تھے۔

بہر حال یہ توبہ و انابت بلندیٔ درجات اور حصولِ ثواب کی غرض سے ہوتی تھی اور وہ اپنے کو اس سے بے نیاز تصور نہ کرتے تھے کہ اللہ ان پر مزید لطف و احسان فرمائے اور اُن کے مراتب کو بلند سے بلند تر کرے۔ یہ امر قابل لحاظ ہے کہ جب معصوم افراد توبہ و انابت سے بے نیاز نہ رہ سکے تو وہ لوگ جو عاصی و خطا کار ہوں وہ کیونکر توبہ و استغفار سے بے نیاز ہو سکتے ہیں، جبکہ توبہ ہی عفو و درگزر کا ذریعہ اور اقرارِ گناہ ہی نجات کا وسیلہ ہے۔ چنانچہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے:

وَ اللّٰهِ! مَا يَنْجُوْ مِنَ الذَّنْبِ اِلَّا مَنْ اَقَرَّ بِهٖ.

خدا کی قسم! گناہوں کی پاداش سے وہی نجات حاصل کر سکتا ہے جو گناہوں کا اعتراف کرے۔[۲]

---

[۱] سنن ابن ماجہ، ج ۲، ص ۱۲۵۴، حدیث ۳۸۱۵۔

[۲] الکافی، ج ۲، ص ۴۲۶۔

اب امام علیہ السلام کی دُعا پر ایک نظر کیجئے اور دیکھئے کہ وہ گناہوں کی کثافت وآلائش سے یکسر پاک ہونے اور ہمہ وقت اللہ تعالیٰ سے لَو لگانے اور اس کی یاد میں کھوئے رہنے کے باوجود خوف ورجاء کے سنگھم پر کھڑے ہو کر کس طرح اُسے پکارتے اور مجرموں اور گنہگاروں کی طرح فریاد کرتے ہیں۔ حالت یہ ہے کہ عظمتِ الٰہی کے تصور اور گناہ وتقصیر کے احساس نے پیروں میں رعشہ، آواز میں کپکپی اور جسم میں تھرتھری پیدا کر دی ہے اور دل میں خوف و ہراس، آنکھوں میں اشکِ ندامت اور نگاہوں میں غبارِ حسرت لئے اس کی بارگاہ میں سر شرم وحیا سے جھکائے ہوئے ہیں۔ گویا زبانِ حال کی صدا یہ ہے:

چگونه سر ز خجالت برآورم بر دوست   که خدمتی به سزا برنیامد از دستم

''حیا'' ایک نفسیاتی کیفیت ہے جو کسی امر میں کوتاہی یا کسی ایسے فعل کے نتیجہ میں انسان پر طاری ہوتی ہے جسے وہ قابل مذمت وسرزنش تصور کرتا ہے۔ خداوند عالم سے حیا کبھی گناہ، کبھی امورِ مستحبہ میں کوتاہی اور کبھی اس کے جلال و جبروت سے متاثر ہونے کے نتیجہ میں محسوس ہوتی ہے۔ چنانچہ انہی تاثرات کی بنا پر فرماتے ہیں کہ: اے معبود! میں کس منہ سے تیری بارگاہ کا رُخ کروں اور کس طرح سوال کرنے کی جرأت کروں، جبکہ میں نے تیرے احکام کے بجالانے میں سستی، محرمات وممنوعات کی طرف پیش قدمی اور تیرے انعام واکرام کے شکریہ میں کوتاہی کی۔

اور پھر یہ جانتے ہوئے کہ احساسِ ندامت واعترافِ گناہ سے اس کی رحمت کا ارادہ جوش میں آتا ہے، کیونکہ:

رحمت یہ چاہتی ہے کہ اپنی زبان سے   کہہ دے گنہگار کہ تقصیر ہو گئی

اپنے گناہوں کی سنگینی واہمیت کو نمایاں کرنے کیلئے بارگاہِ الٰہی میں بطور استفہام عرض کرتے ہیں کہ: کیا میرے گناہ بھی اس قابل ہیں جن کا اعتراف میرے لئے سُودمند اور جن کا اقرار بخشش ونجات کی صورت پیدا کر دے سکتا ہے۔

اس اقرار واعتراف کے بعد اللہ تعالیٰ کے سامنے عفو و بخشش کیلئے جھولی پھیلاتے ہیں کہ: اے میرے معبود! تیرا عفو و درگزر تین حال سے خالی نہیں، یا تو اپنی رحمت کے پیش نظر گنہگاروں سے درگزر کرے گا، جیسا کہ تیرا ارشاد ہے: ﴿وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلَىٰ ظُلْمِهِمْ﴾[1]: ''اس میں شک نہیں کہ تمہارا پروردگار لوگوں کے ظلم کے باوجود اُن سے بڑا ہی درگزر کرنے والا ہے''، یا گنہگار کے عذر واقرار کی بنا پر درگزر سے کام لے گا، یا توبہ واستغفار کے نتیجہ میں بخشے گا، تو میں پہلا گنہگار، پہلا مجرم اور پہلا عاصی نہیں ہوں جسے بخشنے میں تجھے تردّد ہو اور تیری اس ہمہ گیر رحمت سے محروم رہوں، اور جن معذرت کرنے والوں کو تو نے بخش دیا ان سے زیادہ قابل سرزنش نہیں ہوں کہ اقرار واعتذار کے بعد بھی مجھے نہ بخشے، اور جنہوں نے گناہ کے بعد تیری بارگاہ میں توبہ کی اور تو نے ان کے گناہوں پر خط عفو کھینچ دیا اُن سے زیادہ گنہگار نہیں ہوں کہ مجھ سے درگزر کرنے میں دریغ کرے۔ لہٰذا اپنی رحمت کی فراوانی اور میرے اعترافِ گناہ اور توبہ واستغفار کے نتیجہ میں میرے گناہوں سے درگزر فرما اور تیرے علاوہ اور کون ہے جس سے بخشش کی اُمید کی جائے اور تیرے سوا کون مغفرت کرنے والا ہے جس سے مغفرت کی بھیک مانگی جائے۔

☆☆☆☆☆

[1] سورۂ رعد، آیت ۱۳۔

(۱۳) وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

فِيْ طَلَبِ الْحَوَآئِجِ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى

اَللّٰهُمَّ يَا مُنْتَهٰى مَطْلَبِ الْحَاجَاتِ، وَ يَا مَنْ عِنْدَهٗ نَيْلُ الطَّلِبَاتِ، وَ يَا مَنْ لَّا يَبِيْعُ نِعَمَهٗ بِالْاَثْمَانِ، وَ يَا مَنْ لَّا يُكَدِّرُ عَطَايَاهُ بِالْاِمْتِنَانِ، وَيَا مَنْ يُّسْتَغْنٰى بِهٖ وَ لَا يُسْتَغْنٰى عَنْهُ، وَيَا مَنْ يُّرْغَبُ اِلَيْهِ وَ لَا يُرْغَبُ عَنْهُ، وَيَا مَنْ لَّا تُفْنِيْ خَزَآئِنَهُ الْمَسَآئِلُ، وَ يَا مَنْ لَّا تُبَدِّلُ حِكْمَتَهُ الْوَسَآئِلُ، وَ يَا مَنْ لَّا تَنْقَطِعُ عَنْهُ حَوَآئِجُ الْمُحْتَاجِيْنَ.

وَ يَا مَنْ لَّا يُعَنِّيْهِ دُعَآءُ الدَّاعِيْنَ، تَمَدَّحْتَ بِالْغَنَآءِ عَنْ خَلْقِكَ وَ اَنْتَ اَهْلُ الْغِنٰى عَنْهُمْ، وَ نَسَبْتَهُمْ اِلَى الْفَقْرِ وَ هُمْ اَهْلُ الْفَقْرِ اِلَيْكَ.

فَمَنْ حَاوَلَ سَدَّ خَلَّتِهٖ مِنْ عِنْدِكَ، وَ رَامَ صَرْفَ الْفَقْرِ عَنْ نَّفْسِهٖ بِكَ، فَقَدْ طَلَبَ حَاجَتَهٗ فِيْ مَظَآنِّهَا، وَ اَتٰى طَلِبَتَهٗ مِنْ وَّجْهِهَا، وَ مَنْ تَوَجَّهَ بِحَاجَتِهٖ اِلٰى اَحَدٍ مِّنْ خَلْقِكَ، اَوْ جَعَلَهٗ سَبَبَ نُجْحِهَا دُوْنَكَ، فَقَدْ تَعَرَّضَ لِلْحِرْمَانِ، وَ

دُعا (۱۳)

خداوندعالم سے طلب حاجات کے سلسلہ میں حضرتؑ کی دُعا

اے معبود! اے وہ جو طلب حاجات کی منزلِ منتہا ہے، اے وہ جس کے یہاں مرادوں تک رسائی ہوتی ہے، اے وہ جو اپنی نعمتیں قیمتوں کے عوض فروخت نہیں کرتا، اور نہ اپنے عطیوں کو احسان جتا کر مکدر کرتا ہے، اے وہ جس کے ذریعہ بے نیازی حاصل ہوتی ہے اور جس سے بے نیاز نہیں رہا جا سکتا، اے وہ جس کی خواہش و رغبت کی جاتی ہے اور جس سے منہ موڑا نہیں جا سکتا، اے وہ جس کے خزانے طلب و سوال سے ختم نہیں ہوتے، اور جس کی حکمت و مصلحت کو وسائل و اسباب کے ذریعہ تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔

اے وہ جس سے حاجت مندوں کا رشتۂ احتیاج قطع نہیں ہوتا، اور جسے پکارنے والوں کی صدا خستہ و ملول نہیں کرتی، تو نے خلق سے بے نیاز ہونے کی صفت کا مظاہرہ کیا ہے اور تو یقیناً ان سے بے نیاز ہے اور تو نے ان کی طرف فقر و احتیاج کی نسبت دی ہے اور وہ بیشک تیرے محتاج ہیں۔

لہٰذا جس نے اپنے افلاس کے رفع کرنے کیلئے تیرا ارادہ کیا، اور اپنی احتیاج کے دور کرنے کیلئے تیرا قصد کیا اس نے اپنی حاجت کو اس کے محل و مقام سے طلب کیا، اور اپنے مقصد تک پہنچنے کا صحیح راستہ اختیار کیا اور جو اپنی حاجت کو لے کر مخلوقات میں سے کسی ایک طرف متوجہ ہوا، یا تیرے علاوہ دوسرے کو اپنی حاجت برآری کا ذریعہ قرار دیا وہ حرماں نصیبی سے دوچار، اور تیرے

اسْتَحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَوْتَ الْاِحْسَانِ.

اَللّٰهُمَّ وَ لِيْۤ اِلَيْكَ حَاجَةٌ قَدْ قَصَّرَ عَنْهَا جُهْدِيْ، وَ تَقَطَّعَتْ دُوْنَهَا حِيَلِيْ، وَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ رَفْعَهَاۤ اِلٰى مَنْ يَّرْفَعُ حَوَآئِجَهٗ اِلَيْكَ، وَ لَا يَسْتَغْنِيْ فِيْ طَلِبَاتِهٖ عَنْكَ، وَ هِيَ زَلَّةٌ مِّنْ زَلَلِ الْخَاطِئِيْنَ، وَ عَثْرَةٌ مِّنْ عَثَرَاتِ الْمُذْنِبِيْنَ.

ثُمَّ انْتَبَهْتُ بِتَذْكِيْرِكَ لِيْ مِنْ غَفْلَتِيْ، وَ نَهَضْتُ بِتَوْفِيْقِكَ مِنْ زَلَّتِيْ، وَ رَجَعْتُ وَ نَكَصْتُ بِتَسْدِيْدِكَ عَنْ عَثْرَتِيْ، وَ قُلْتُ: سُبْحَانَ رَبِّيْ كَيْفَ يَسْئَلُ مُحْتَاجٌ مُّحْتَاجًا، وَ اَنّٰى يَرْغَبُ مُعْدِمٌ اِلٰى مُعْدِمٍ.

فَقَصَدْتُّكَ يَاۤ اِلٰهِيْ! بِالرَّغْبَةِ، وَ اَوْفَدْتُ عَلَيْكَ رَجَآئِيْ بِالثِّقَةِ بِكَ، وَ عَلِمْتُ اَنَّ كَثِيْرَ مَاۤ اَسْئَلُكَ يَسِيْرٌ فِيْ وُجْدِكَ، وَ اَنَّ خَطِيْرَ مَاۤ اَسْتَوْهِبُكَ حَقِيْرٌ فِيْ وُسْعِكَ، وَ اَنَّ كَرَمَكَ لَا يَضِيْقُ عَنْ سُؤَالِ اَحَدٍ، وَ اَنَّ يَدَكَ بِالْعَطَايَاۤ اَعْلٰى مِنْ كُلِّ يَدٍ.

احسان سے محرومی کا سزاوار ہوا۔

بارالہا! میری تجھ سے ایک حاجت ہے جسے پورا کرنے سے میری طاقت جواب دے چکی ہے، اور میری تدبیر و چارہ جوئی بھی ناکام ہو کر رہ گئی ہے، اور میرے نفس نے مجھے یہ بات خوش نما صورت میں دکھائی کہ میں اپنی حاجت کو اس کے سامنے پیش کروں جو خود اپنی حاجتیں تیرے سامنے پیش کرتا ہے اور اپنے مقاصد میں تجھ سے بے نیاز نہیں ہے، یہ سراسر خطا کاروں کی خطاؤں میں سے ایک خطا اور گنہگاروں کی لغزشوں میں سے ایک لغزش تھی۔

لیکن تیرے یاد دلانے سے میں اپنی غفلت سے ہوشیار ہوا، اور تیری توفیق نے سہارا دیا تو ٹھوکر کھانے سے سنبھل گیا، اور تیری رہنمائی کی بدولت اس غلط اقدام سے باز آیا اور واپس پلٹ آیا، اور میں نے کہا: واہ سبحان اللہ! کس طرح ایک محتاج دوسرے محتاج سے سوال کر سکتا ہے، اور کہاں ایک نادار دوسرے نادار سے رجوع کر سکتا ہے۔

(جب یہ حقیقت واضح ہو گئی) تو میں نے اے میرے معبود! پوری رغبت کے ساتھ تیرا ارادہ کیا، اور تجھ پر بھروسا کرتے ہوئے اپنی امیدیں تیرے پاس لایا ہوں، اور میں نے اس امر کو بخوبی جان لیا ہے کہ میری کثیر حاجتیں تیری تونگری کے آگے کم، اور میری عظیم خواہشیں تیری وسعت رحمت کے سامنے ہیچ ہیں، تیرے دامن کرم کی وسعت کسی کے سوال کرنے سے تنگ نہیں ہوتی اور تیرا دست کرم عطا و بخشش میں ہر ہاتھ سے بلند ہے۔

اَللّٰهُمَّ فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ احْمِلْنِيْ بِكَرَمِكَ عَلَى التَّفَضُّلِ، وَ لَا تَحْمِلْنِيْ بِعَدْلِكَ عَلَى الْاِسْتِحْقَاقِ، فَمَاۤ اَنَا بِاَوَّلِ رَاغِبٍ رَغِبَ اِلَيْكَ فَاَعْطَيْتَهٗ وَ هُوَ يَسْتَحِقُّ الْمَنْعَ، وَ لَا بِاَوَّلِ سَآئِلٍ سَئَلَكَ فَاَفْضَلْتَ عَلَيْهِ وَ هُوَ يَسْتَوْجِبُ الْحِرْمَانَ.

اے اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور اپنے کرم سے میرے ساتھ تفضّل و احسان کی روش اختیار کر، اور اپنے عدل سے کام لیتے ہوئے میرے استحقاق کی رُو سے فیصلہ نہ کر، کیونکہ میں پہلا وہ حاجت مند نہیں ہوں جو تیری طرف متوجہ ہوا اور تو نے اسے عطا کیا ہو حالانکہ وہ رد کئے جانے کا مستحق ہو، اور پہلا وہ سائل نہیں ہوں جس نے تجھ سے مانگا ہو اور تو نے اس پر اپنا فضل کیا ہو حالانکہ وہ محروم کئے جانے کے قابل ہو۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ كُنْ لِّدُعَآئِيْ مُجِيْبًا، وَ مِنْ نِّدَآئِيْ قَرِيْبًا، وَ لِتَضَرُّعِيْ رَاحِمًا، وَ لِصَوْتِيْ سَامِعًا. وَ لَا تَقْطَعْ رَجَآئِيْ عَنْكَ، وَ لَا تَبُتَّ سَبَبِيْ مِنْكَ، وَ لَا تُوَجِّهْنِيْ فِيْ حَاجَتِيْ هٰذِهٖ وَ غَيْرِهَاۤ اِلٰى سِوَاكَ، وَ تَوَلَّنِيْ بِنُجْحِ طَلِبَتِيْ، وَ قَضَآءِ حَاجَتِيْ، وَ نَيْلِ سُؤْلِيْ قَبْلَ زَوَالِيْ عَنْ مَوْقِفِيْ هٰذَا، بِتَيْسِيْرِكَ لِيَ الْعَسِيْرَ، وَ حُسْنِ تَقْدِيْرِكَ لِيْ فِيْ جَمِيْعِ الْاُمُوْرِ.

اے اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور میری دُعا کا قبول کرنے والا، میری پکار پر التفات فرمانے والا، میری عجز و زاری پر رحم کرنے والا، اور میری آواز کا سننے والا ثابت ہو، اور میری امید جو تجھ سے وابستہ ہے اسے نہ توڑ، اور میرا وسیلہ اپنے سے قطع نہ کر، اور مجھے اس مقصد اور دوسرے مقاصد میں اپنے سوا دوسرے کی طرف متوجہ نہ ہونے دے، اور اس مقام سے الگ ہونے سے پہلے میری مشکل کشائی، اور تمام معاملات میں حسن تقدیر کی کارفرمائی سے میرے مقصد کے برلانے، میری حاجت کے روا کرنے، اور میرے سوال کے پورا کرنے کا خود ذمہ لے۔

وَ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، صَلَاةً دَآئِمَةً نَّامِيَةً، لَا انْقِطَاعَ لِاَبَدِهَا وَ لَا مُنْتَهٰى لِاَمَدِهَا، وَ اجْعَلْ ذٰلِكَ عَوْنًا لِّيْ وَ سَبَبًا لِّنَجَاحِ طَلِبَتِيْ، اِنَّكَ وَاسِعٌ كَرِيْمٌ.

اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما، ایسی رحمت جو دائمی اور روز افزوں ہو، جس کا زمانہ غیر مختتم اور جس کی مدت بے پایاں ہو، اور اسے میرے لئے معین اور مقصد برآری کا ذریعہ قرار دے، بیشک تو وسیع رحمت اور جود و کرم کی صفت کا مالک ہے۔

وَ مِنْ حَاجَتِيْ يَا رَبِّ كَذَا وَ كَذَا.

اے میرے پروردگار! میری کچھ حاجتیں یہ ہیں۔

[وَ تَذْكُرُ حَاجَتَكَ ثُمَّ تَسْجُدُ وَ تَقُوْلُ فِيْ سُجُوْدِكَ:]

(اس مقام پر اپنی حاجتیں بیان کرو، پھر سجدہ کرو اور سجدہ کی حالت میں یہ کہو):

فَضْلُكَ اٰنَسَنِيْ، وَ اِحْسَانُكَ دَلَّنِيْ، فَاَسْئَلُكَ بِكَ وَ بِمُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ صَلَوَاتُكَ عَلَيْهِمْ، اَنْ لَّا تَرُدَّنِيْ خَآئِبًا.

تیرے فضل و کرم نے میری دل جمعی اور تیرے احسان نے رہنمائی کی، اس وجہ سے میں تجھ سے تیرے ہی وسیلہ سے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و آل محمد علیہم السلام کے ذریعہ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے (اپنے دَر سے) ناکام و نامراد نہ پھیر۔

--☆☆--

اس دُعا میں خداوند عالم کو حاجت روائیوں کی انتہا اور مقصد برآریوں کی حد آخر قرار دیا ہے۔ یہ اس لحاظ سے کہ جب انسان اپنے کو ہر دروازے سے ناکام ہوتے دیکھتا ہے اور کہیں سے حاجت روائی و مقصد براری کی کوئی صورت نظر نہیں آتی اور ہر طرف سے راہِ چارہ و تدبیر مسدود ہو جاتی ہے تو وہ انجام کار اللہ کی طرف رجوع ہوتا اور اس سے حاجت روائی کا طالب ہوتا ہے۔ یا اس اعتبار سے کہ جتنی بھی حاجتیں بظاہر دوسروں سے پوری ہوتی ہیں وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی کارسازی و کارفرمائی کا کرشمہ ہے۔ کیونکہ تمام مقصدوں اور حاجتوں کے برآنے کے اسباب و وسائل اسی کی ذات پر منتہی ہوتے ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی شخص کسی کو کچھ دیتا ہے تو اسی میں سے جو اللہ تعالیٰ نے اُس کو دیا ہے اور کسی کیلئے تگ و دو کرتا ہے تو اسی قوت و طاقت سے جو اللہ کی بخشی ہوئی ہے۔ اس لحاظ سے جو کچھ بھی دوسروں کے ہاتھ سے ملتا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ملتا ہے اور جو کام اوروں کے ذریعہ انجام پاتا ہے درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی کارسازی کا نتیجہ ہے، ورنہ جو خود سراپا احتیاج ہو وہ دوسرے کی احتیاج کیا دور کر سکتا ہے اور جو خود عاجز و درماندہ ہو وہ دوسرے کی کیا مدد کر سکتا ہے۔ لہٰذا تمام احتیاجوں اور بے نوائیوں کا علاج اسی ذات بے نیاز سے ہو گا جس سے تمام کائنات کا دامن احتیاج وابستہ ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿يَآيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ﴾

اے لوگو! تم سب کے سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ غنی و بے نیاز اور ہر لحاظ سے قابل ستائش ہے۔[1]

جب وہی ذات (جلّ شانہٗ) تمام نعمتوں کا سرچشمہ اور حاجت روائیوں کا نقطہ آخر ہے تو پھر دستِ سوال بھی اسی کے سامنے بڑھنا چاہیے نہ اُن کے سامنے جو خود مانگنے والے اور سراپا احتیاج ہیں:

مَنْ يَّسْئَلُ النَّاسَ يُحَرِّمُوْهُ وَ سَآئِلُ اللّٰهِ لَا يَخِيْبُ

''جو لوگوں سے مانگے گا وہ اُسے محروم رکھیں گے اور اللہ سے مانگنے والا کبھی محروم نہیں ہوتا''۔

[1] سورۂ فاطر، آیت ۱۵۔

اور پھر اللہ کے فیضان و بخشش اور دوسروں کی داد و دہش میں فرق یہ ہے کہ لوگوں کی عطا و بخشش عوض و بدل کی حیثیت رکھتی ہے اور وہ کسی نہ کسی موقع پر احسان جتا کر تفوق و برتری کا مظاہرہ ضرور کریں گے، مگر اللہ صرف اپنے تفضّل و احسان کی بنا پر نعمتوں سے مالا مال کرتا ہے اور ان کے مقابلہ میں کسی اجر و عوض کا طلب گار نہیں ہوتا اور نہ وہ احسان جتاتا ہے کہ میں نے یہ دیا اور یہ دیا۔ اور اگر وہ اپنی نعمتوں کا ذکر کرتا ہے تو اس لئے کہ بندوں میں شکرگزاری کا جذبہ پیدا ہو اور اس کے نتیجہ میں انہیں زیادہ سے زیادہ نعمتیں حاصل ہوں۔ اس سے مقصد احسان جتانا نہیں ہے۔ کیونکہ احسان تو وہ جتاتا ہے جو اپنی عطا کو بڑا تصور کرتا اور معمولی بخشش کو بھی اہم سمجھتا ہو، اور خداوندِ عالم خواہ کتنی نعمتیں بخشے اور کتنے احسانات کرے وہ اس کے کرم و وسعت کے مقابلہ میں کوئی وزن نہیں رکھتے اور نہ اس کے غیر متناہی مقدورات کو دیکھتے ہوئے اس کے ہاں کمی کا تصور ہو سکتا ہے۔ چنانچہ وہ نہ خود احسان جتاتا ہے اور نہ احسان جتانے کو پسند کرتا ہے، کیونکہ یہ دنایت و کم ظرفی کی علامت اور حاجت مندوں کی دل شکنی و تنفّر کا باعث ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى﴾

اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتانے اور اذیّت پہنچانے سے رائیگاں نہ کرو۔[1]

اس دُعا میں انسان کی اس طبعی کمزوری کا بھی ذکر ہے کہ جب اسے اپنی کوششیں رائیگاں اور تدبیریں بے نتیجہ نظر آتی ہیں تو وہ اِدھر اُدھر سے وسائل و ذرائع ڈھونڈتا ہے تاکہ اپنے مقصدوں اور حاجتوں میں کامیابی حاصل کرے۔ یہ چیزیں اس پر نظر کرتے ہوئے کہ دنیا عالم اسباب ہے اور ایک کا کام دوسرے سے نکلتا ہی ہے مذموم نہیں ہے، بشرطیکہ اصل کارفرما اور حقیقی حاجت روا اللہ ہی کو مانے اور اسی کی مشیّت کے عمل دخل کا عقیدہ رکھے۔ چنانچہ قرآن مجید میں حضرت یوسفؑ کے متعلق ہے کہ انہوں نے قید خانہ کے دو ساتھیوں میں سے جس کے متعلق یہ سمجھا کہ یہ بچ رہے گا، کہا کہ: ﴿اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ﴾[2]: "اپنے آقا سے میرا ذکر کیجیو"۔ مگر حضرتؑ اسے توکّل اور انقطاع الی اللہ کے منافی سمجھتے اور اپنے مقام رفیع کے پیش نظر اسے خطا و لغزش سے تعبیر کرتے ہیں۔ اگرچہ اس حد تک یہ لغزش و خطا نہیں ہے، لیکن جب ان وسائل و ذرائع پر وثوق و اعتماد کر لیا جائے تو پھر اس سے بڑھ کر دوسری لغزش نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ اللہ پر سے بے اعتمادی اور اس کے دروازہ سے منہ موڑ کر دوسروں کے آستانوں کی پرستاری ہے۔ اس لغزش و کجروی سے اگر کوئی چیز بچا لے جا سکتی ہے تو وہ یہ کہ اپنے دل و دماغ میں یہ تصور راسخ کرے کہ اس بے نیاز کے علاوہ کوئی حاجت روا اور مشکل کشا نہیں ہے اور محتاج، محتاج کے اور بے نوا، بے نوا کے کچھ کام نہیں آ سکتا۔ چنانچہ جب یہ تصور پختہ اور نیت و ارادہ مضبوط اور یقین مستحکم ہو جاتا ہے تو غفلت کے پردے چاک اور لڑکھڑاتے قدم سنبھل جاتے ہیں اور ہر طلب و نیاز اسی کی بارگاہ کیلئے مخصوص ہو کر رہ جاتی ہے اور خداوند عالم جب یہ دیکھتا ہے کہ وہ سب سے منہ موڑ کر میرے آستانہ کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو چکا ہے تو وہ اپنے فضل و کرم سے اس کی حاجتیں برلاتا اور مشکلیں حل کر دیتا ہے۔

---

[1] سورۂ بقرہ، آیت ۲۶۴۔

[2] سورۂ یوسف، آیت ۴۲۔

یہ دُعا طلبِ حاجات کا ایک افتتاحیہ ہے جب اسے پڑھ لے تو اس کے خاتمہ پر اپنی حاجتیں بیان کرے۔ اگر چہ خداوند عالم سب کی حاجتوں اور خواہشوں کو جانتا ہے مگر وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کے سامنے حاجتوں کو پیش کیا جائے۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى يَعْلَمُ مَا يُرِيْدُ الْعَبْدُ اِذَا دَعَاهُ وَ لٰكِنَّهٗ يُحِبُّ اَنْ تُبَثَّ اِلَيْهِ الْحَوَآئِجُ، فَاِذَا دَعَوْتَ فَسَمِّ حَاجَتَكَ.

خداوند عالم بخوبی جانتا ہے کہ جب بندہ دُعا کرتا ہے تو وہ اپنے پروردگار سے کیا چاہتا ہے، لیکن اللہ اس چیز کو پسند کرتا ہے کہ تم اپنی حاجتیں کھل کر اس کے سامنے پیش کرو۔ لہٰذا دُعا کرو تو اپنی حاجتوں کا نام بنام ذکر کرو۔[1]

دُعا کے بعد سجدہ کرے اور سجدہ میں حضرتؑ کے فرمودہ کلمات پڑھے تا کہ دُعا جلد شرفِ قبولیت حاصل کرے۔ اس لئے کہ سجدہ تضرع و الحاح کی آخری صورت اور عجز و نیازمندی کی خاص علامت ہے اور عجز و الحاح قبولیتِ دُعا کا ذریعہ اور بارگاہِ الٰہی میں تقرب کا وسیلہ ہے۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

اَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهٖ اِذَا دَعَا رَبَّهٗ وَ هُوَ سَاجِدٌ.

بندہ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں اس وقت زیادہ تقرب پر فائز ہوتا ہے جب سجدہ کی حالت میں اپنے پروردگار کو پکارے اور اُس سے دُعا مانگے۔[2]

☆☆☆☆☆

---

[1] الکافی، ج ۲، ص ۴۷۶۔
[2] الکافی، ج ۳، ص ۳۲۳۔

(۱۴) وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

اِذَا اعْتُدِیَ عَلَيْهِ اَوْ رَاٰی مِنَ الظَّالِمِينَ مَا لَا يُحِبُّ:

يَا مَنْ لَّا يَخْفٰى عَلَيْهِ اَنْبَآءُ الْمُتَظَلِّمِيْنَ، وَ يَا مَنْ لَّا يَحْتَاجُ فِیْ قَصَصِهِمْ اِلٰى شَهَادَاتِ الشَّاهِدِيْنَ، وَ يَا مَنْ قَرُبَتْ نُصْرَتُهٗ مِنَ الْمَظْلُوْمِيْنَ، وَ يَا مَنْ بَعُدَ عَوْنُهٗ عَنِ الظّٰلِمِيْنَ.

قَدْ عَلِمْتَ يَآ اِلٰهِیْ! مَا نَالَنِیْ مِنْ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ مِّمَّا حَظَرْتَ وَ انْتَهَكَهٗ مِنِّیْ مِمَّا حَجَزْتَ عَلَيْهِ، بَطَرًا فِیْ نِعْمَتِكَ عِنْدَهٗ، وَ اغْتِرَارًا بِنَكِيْرِكَ عَلَيْهِ.

اَللّٰهُمَّ فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ خُذْ ظَالِمِیْ وَ عَدُوِّیْ عَنْ ظُلْمِیْ بِقُوَّتِكَ، وَ افْلُلْ حَدَّهٗ عَنِّیْ بِقُدْرَتِكَ، وَ اجْعَلْ لَّهٗ شُغْلًا فِيْمَا يَلِيْهِ، وَ عَجْزًا عَمَّا يُنَاوِيْهِ.

اَللّٰهُمَّ وَ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ لَا تُسَوِّغْ لَهٗ ظُلْمِیْ، وَ اَحْسِنْ عَلَيْهِ عَوْنِیْ، وَ اعْصِمْنِیْ مِنْ مِّثْلِ اَفْعَالِهٖ، وَ لَا تَجْعَلْنِیْ فِیْ مِثْلِ حَالِهٖ.

دُعا (۱۴)

جب آپؑ پر کوئی زیادتی ہوتی یا ظالموں سے کوئی ناگوار بات دیکھتے تو یہ دُعا پڑھتے:

اے وہ جس سے فریاد کرنے والوں کی فریادیں پوشیدہ نہیں ہیں، اے وہ جو اُن کی سرگزشتوں کے سلسلہ میں گواہوں کی گواہی کا محتاج نہیں ہے، اے وہ جس کی نصرت مظلوموں کے ہمرکاب اور جس کی مدد ظالموں سے کوسوں دور ہے۔

اے میرے معبود! تیرے علم میں ہیں وہ ایذائیں جو مجھے فلاں ابن فلاں سے اس کے تیری نعمتوں پر اترانے اور تیری گرفت سے غافل ہونے کے باعث پہنچی ہیں جنہیں تو نے اس پر حرام کیا تھا، اور میری ہتک عزت کا مرتکب ہوا جس سے تو نے اسے روکا تھا۔

اے اللہ رحمت نازل فرما محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آلؑ پر اور اپنی قوت و توانائی سے مجھ پر ظلم کرنے والے اور مجھ سے دشمنی کرنے والے کو ظلم وستم سے روک دے، اور اپنے اقتدار کے ذریعہ اس کے حربے کند کر دے، اور اسے اپنے ہی کاموں میں الجھائے رکھ، اور جس سے آمادۂ دشمنی ہے اس کے مقابلہ میں اسے بے دست و پا کر دے۔

اے معبود! رحمت نازل فرما محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آلؑ پر اور اسے مجھ پر ظلم کرنے کی کھلی چھٹی نہ دے، اور اسکے مقابلہ میں اچھے اسلوب سے میری مدد فرما، اور اس کے برے کاموں جیسے کاموں سے مجھے محفوظ رکھ، اور اسکی حالت ایسی حالت نہ ہونے دے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اَعْدِنِيْ عَلَيْهِ عَدْوٰى حَاضِرَةً، تَكُوْنُ مِنْ غَيْظِيْ بِهٖ شِفَآءً، وَ مِنْ حَنَقِيْ عَلَيْهِ وَفَآءً.

اے اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور اس کے مقابلہ میں ایسی بروقت مدد فرما جو میرے غصہ کو ٹھنڈا کر دے، اور میرے غیظ وغضب کا بدلہ چکائے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ عَوِّضْنِيْ مِنْ ظُلْمِهٖ لِيْ عَفْوَكَ، وَ اَبْدِلْنِيْ بِسُوْٓءِ صَنِيْعِهٖ بِيْ رَحْمَتَكَ، فَكُلُّ مَكْرُوْهٍ جَلَلٌ دُوْنَ سَخَطِكَ، وَ كُلُّ مَرْزِئَةٍ سَوَآءٌ مَّعَ مَوْجِدَتِكَ.

اے اللہ! رحمت نازل فرما محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آلؑ پر اور اس کے ظلم وستم کے عوض اپنی معافی، اور اس کی بدسلوکی کے بدلے میں اپنی رحمت عطا فرما، کیونکہ ہر ناگوار چیز تیری ناراضی کے مقابلہ میں ہیچ ہے، اور تیری ناراضی ہو تو ہر (چھوٹی بڑی) مصیبت آسان ہے۔

اَللّٰهُمَّ فَكَمَا كَرَّهْتَ اِلَيَّ اَنْ اُظْلَمَ فَقِنِيْ مِنْ اَنْ اَظْلِمَ.

بارالٰہا! جس طرح ظلم سہنا تو نے میری نظروں میں ناپسند کیا ہے، یونہی ظلم کرنے سے بھی مجھے بچائے رکھ۔

اَللّٰهُمَّ لَآ اَشْكُوْ اِلٰٓى اَحَدٍ سِوَاكَ، وَ لَآ اَسْتَعِيْنُ بِحَاكِمٍ غَيْرِكَ، حَاشَاكَ، فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ صِلْ دُعَآئِيْ بِالْاِجَابَةِ، وَ اقْرِنْ شِكَايَتِيْ بِالتَّغْيِيْرِ.

اے اللہ! میں تیرے سوا کسی سے شکوہ نہیں کرتا، اور تیرے علاوہ کسی حاکم سے مدد نہیں چاہتا، حاشا کہ میں ایسا چاہوں، تو رحمت نازل فرما محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آلؑ پر اور میری دُعا کو قبولیت سے، اور میرے شکوہ کو صورت حال کی تبدیلی سے جلد ہمکنار کر۔

اَللّٰهُمَّ لَا تَفْتِنِّيْ بِالْقُنُوْطِ مِنْ اِنْصَافِكَ، وَ لَا تَفْتِنْهُ بِالْاَمْنِ مِنْ اِنْكَارِكَ، فَيُصِرَّ عَلٰى ظُلْمِيْ، وَ يُحَاضِرَنِيْ بِحَقِّيْ، وَ عَرِّفْهُ عَمَّا قَلِيْلٍ مَّآ اَوْعَدْتَ الظّٰلِمِيْنَ، وَ عَرِّفْنِيْ مَا وَعَدْتَّ مِنْ اِجَابَةِ الْمُضْطَرِّيْنَ.

(خدایا!) اور میرا اس طرح امتحان نہ کرنا کہ تیرے عدل و انصاف سے مایوس ہو جاؤں، اور میرے دشمن کو اس طرح نہ آزمانا کہ وہ تیری سزا سے بے خوف ہو کر مجھ پر برابر ظلم کرتا رہے، اور میرے حق پر چھایا رہے، اور اسے جلد از جلد اس عذاب سے روشناس کر جس سے تو نے ستمگروں کو ڈرایا دھمکایا ہے، اور مجھے قبولیت دُعا کا وہ اثر دکھا جس کا تو نے بے بسوں سے وعدہ کیا ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ وَفِّقْنِيْ لِقَبُوْلِ مَا قَضَيْتَ لِيْ وَ عَلَيَّ، وَ رَضِّنِيْ بِمَآ اَخَذْتَ لِيْ وَ مِنِّيْ، وَ اهْدِنِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ، وَ اسْتَعْمِلْنِيْ بِمَا هُوَ اَسْلَمُ.

اے اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور مجھے توفیق دے کہ جو سُود وزیاں تو نے میرے لئے مقدر کر دیا ہے اسے (بطیبِ خاطر) قبول کروں، اور جو کچھ تو نے دیا ہے اور جو کچھ لیا ہے اس پر مجھے راضی وخوشنود رکھ، اور مجھے سیدھے راستہ پر لگا، اور ایسے کام میں مصروف رکھ جو آفت وزیاں سے بری ہو۔

اَللّٰهُمَّ وَ اِنْ كَانَتِ الْخِيَرَةُ لِيْ عِنْدَكَ فِيْ تَاْخِيْرِ الْاَخْذِ لِيْ، وَ تَرْكِ الْاِنْتِقَامِ مِمَّنْ ظَلَمَنِيْ اِلٰى يَوْمِ الْفَصْلِ وَ مَجْمَعِ الْخَصْمِ، فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اَيِّدْنِيْ مِنْكَ بِنِيَّةٍ صَادِقَةٍ، وَ صَبْرٍ دَآئِمٍ، وَ اَعِذْنِيْ مِنْ سُوْٓءِ الرَّغْبَةِ، وَ هَلَعِ اَهْلِ الْحِرْصِ، وَ صَوِّرْ فِيْ قَلْبِيْ مِثَالَ مَا ادَّخَرْتَ لِيْ مِنْ ثَوَابِكَ، وَ اَعْدَدْتَّ لِخَصْمِيْ مِنْ جَزَآئِكَ وَ عِقَابِكَ، وَ اجْعَلْ ذٰلِكَ سَبَبًا لِّقَنَاعَتِيْ بِمَا قَضَيْتَ، وَ ثِقَتِيْ بِمَا تَخَيَّرْتَ، اٰمِيْنَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ.

اے اللہ! اگر تیرے نزدیک میرے لئے یہی بہتر ہو کہ میری داد رسی کو تاخیر میں ڈال دے، اور مجھ پر ظلم ڈھانے والے سے انتقام لینے کو فیصلہ کے دن اور دعویداروں کے محل اجتماع کیلئے اٹھا رکھے، تو پھر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل کر اور اپنی جانب سے نیت کی سچائی اور صبر کی پائیداری سے میری مدد فرما، اور بری خواہش اور حریصوں کی بے صبری سے بچائے رکھ، اور جو ثواب تو نے میرے لئے ذخیرہ کیا ہے، اور جو سزا وعقوبت میرے دشمن کیلئے مہیا کی ہے اس کا نقشہ میرے دل میں جما دے، اور اسے اپنے فیصلہٴ قضا و قدر پر راضی رہنے کا ذریعہ اور اپنی پسندیدہ چیزوں پر اطمینان و وثوق کا سبب قرار دے۔ میری دُعا کو قبول فرما! اے تمام جہان کے پالنے والے۔

اِنَّكَ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ، وَ اَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ.

بیشک تو فضل عظیم کا مالک ہے، اور تیری قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔

--☆☆--

ہر مذہب وملت اس پر متفق ہے کہ ظلم و جور انسانی سیرت کے دامن پر ایک بدنما دھبّہ ہے اور ظالم اپنی خو خصلت کے لحاظ سے انسانی صف میں کھڑا کئے جانے کے بجائے حیوانی صف میں کھڑا کئے جانے کے زیادہ لائق ہے۔ اور اس سے زیادہ بہیمانہ خصلت کا اور کیا مظاہرہ ہوگا کہ انسان طاقت کے بل بوتے پر عاجزوں اور ناتوانوں کو ستائے اور دولت و اقتدار کے نشہ میں کمزور و شکستہ حال لوگوں کو اپنے مظالم کا نشانہ بنائے۔ حضرت علی ابن الحسین علیہما السلام نے اپنی زندگی کی آخری گھڑیوں میں اپنے فرزند حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کو وصیّت کرتے ہوئے فرمایا:

یَا بُنَیَّ! اِیَّاکَ وَ ظُلْمَ مَنْ لَّا یَجِدُ عَلَیْكَ نَاصِرًا اِلَّا اللهَ.

اے فرزند! اس عاجز و بے کس پر ظلم کرنے سے ڈرو جو تمہارے مقابلہ میں اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں رکھتا۔[1]

ظلم ایسا سنگین جرم ہے جو عفو و درگزر کے قابل ہے ہی نہیں۔ کیونکہ خداوند عالم ان گناہوں کو تو بخش دے سکتا ہے جو خود اس کی ذات سے متعلق ہوں، لیکن وہ گناہ جن کا تعلّق حقوق العباد سے ہے وہ اس وقت تک بخشے نہیں جاسکتے جب تک صاحبِ حق خود نہ بخشے۔ چنانچہ امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے:

وَ اَمَّا الظُّلْمُ الَّذِیْ لَا یُتْرَكُ فَظُلْمُ الْعِبَادِ بَعْضِهِمْ بَعْضًا. اَلْقِصَاصُ هُنَاكَ شَدِیْدٌ.

اور وہ گناہ کہ جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا وہ بندوں کا ایک دُوسرے پر ظلم و زیادتی کرنا ہے جس کا آخرت میں سخت بدلہ لیا جائے گا۔[2]

ظلم کے بُرے نتائج دنیا میں بھی ظاہر ہوتے ہیں اس طرح کہ ظالم کبھی پھلتا پھولتا اور کامیاب و کامران نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴿۲۱﴾﴾

ظالم کبھی فلاح و کامرانی حاصل نہیں کرتا۔[3]

اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کا ارشاد ہے:

بِالظُّلْمِ تَزُوْلُ النِّعَمُ.

ظلم کے نتیجہ میں نعمتیں چھن جاتی ہیں۔[4]

اور آخرت میں بھی موردِ عتاب و گرفتارِ عذاب ہوگا۔ چنانچہ ارشادِ باری ہے:

﴿اِنَّمَا السَّبِیْلُ عَلَی الَّذِیْنَ یَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَیَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴿۴۲﴾﴾

---

[1] الکافی، ج ۲، ص ۳۳۱۔
[2] نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۷۴۔
[3] سورۂ انعام، آیت ۲۱۔
[4] عیون الحکم، ص ۱۸۶۔

گرفت اُن لوگوں کی ہو گی جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق شر و فساد کرتے پھرتے ہیں۔ ان ہی لوگوں کیلئے دردناک عذاب ہے۔[1]

اور ان سختیوں سے کہیں زیادہ سختیوں سے دو چار ہو گا جو دنیا میں اس نے مظلوم و بے کس افراد پر روا رکھی تھیں۔ چنانچہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے:

يَوْمُ الْمَظْلُوْمِ عَلَى الظَّالِمِ اَشَدُّ مِنْ يَوْمِ الظَّالِمِ عَلَى الْمَظْلُوْمِ.

مظلوم کے ظالم پر قابو پانے کا دن اس دن سے کہیں زیادہ سخت ہو گا جس میں ظالم مظلوم کے خلاف اپنی طاقت دکھاتا ہے۔[2]

تحمل کن ای ناتوان از قوی   که روزی تواناتر از وی شوی

اس کے مقابلہ میں مظلوم اپنی مظلومیت وستم زدگی کا صلہ دنیا میں بھی پاتا ہے اور آخرت میں بھی پائے گا۔ دنیا میں اس طرح کہ لوگ ظالم سے نفرت کرتے ہوئے اُسے دل و جان سے چاہنے لگتے ہیں اور ان کی ہمدردیاں اسے حاصل ہو جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی اس کی مظلومیت کی بنا پر اس کی فریاد کو سنتا اور اس کی دُعا کو قبول کرتا ہے۔ چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے:

اِتَّقُوا الظُّلْمَ، فَاِنَّ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ تَصْعَدُ اِلَى السَّمَآءِ.

ظلم سے ڈرو، کیونکہ مظلوم کی پکار سب سے پہلے آسمان کی طرف سے بلند ہوتی ہے۔[3]

بترس از آه مظلومان که هنگام دعا کردن   حجابت از بر حق بهر استقبال می آید

اور آخرت میں اسے بلند سے بلند درجات حاصل ہوں گی اور وہاں پر مظلومیت کے متاعِ گراں بہا کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو گا۔ چنانچہ ربیع الابرار زمخشری میں ہے کہ جب حجاج نے ایک بے گناہ شخص کو سولی پر لٹکایا تو عامر ابن بہدلہ تڑپ اٹھا اور اللہ سے مخاطب ہو کر کہا: «يَا رَبِّ اِنَّ حِلْمَكَ عَنِ الظّٰلِمِيْنَ قَدْ اَضَرَّ بِالْمَظْلُوْمِيْنَ»: ''پروردگار! یہ ظالموں کو ڈھیل دینے ہی کا نتیجہ ہے کہ مظلوم اس طرح تختہ دار پر کھینچے جا رہے ہیں''۔ کہنے کو تو یہ کہہ دیا مگر اسی رات خواب دیکھا کہ قیامت کا میدان ہے اور ہر شخص اپنی فکر میں لگا ہوا ہے، لیکن وہ مظلوم حساب و کتاب سے فارغ ہو کر جنّت کے طبقۂ اعلیٰ میں پہنچ چکا ہے۔ ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ غیب سے آواز سنی کہ:

حِلْمِىْ عَنِ الظّٰلِمِيْنَ اَحَلَّ الْمَظْلُوْمِيْنَ فِىْ اَعْلٰى عِلِّيِّيْنَ.

ظالموں کو ڈھیل دینے اور میرے حلم اختیار کرنے ہی نے مظلوموں کو اس بلند ترین درجہ پر پہنچایا ہے۔[4]

ہر مظلوم کی آخری امید گاہ اللہ کی بارگاہ ہوتی ہے جہاں وہ گڑگڑاتا اور ظالم کے پنجوں سے چھوٹنے کی التجا کرتا ہے۔ اس موقع پر دُعا کا انداز کیا ہونا

---

[1] سورۂ شوریٰ، آیت ۴۲۔
[2] نہج البلاغہ، حکمت نمبر ۲۴۱۔
[3] الکافی، ج ۲، ص ۵۰۹۔
[4] ریاض السالکین، ج ۳، ص ۷۰۔

چاہیئے؟ اس کیلئے حضرتؑ کی یہ دُعا ایک بہترین نمونہ ومثال ہے جس میں صبر و رضا اور توکّل علی اللہ کی تعلیم اور ثوابِ آخرت اور نصرتِ الٰہی پر یقین کے ساتھ مظلوم کی نفسیاتی کیفیت کی ترجمانی بھی ہے۔ کیونکہ یہ اس مظلوم وستم رسیدہ کی دُعا ہے جس کی پوری زندگی مظلومیت وستم زدگی کی ایک مسلسل داستان تھی، جو ظلم سہتے رہے مگر ظلم کا جواب ظلم سے دینا گوارا نہ کیا، جور وستم کا تختۂ مشق بنے رہے مگر صبر وضبط کا دامن ہاتھ سے نہ دیا، اور کرب واضطراب کے شعلوں میں پھنکتے رہے مگر زبان کو شکوہ وشکایت سے آلودہ نہ ہونے دیا۔ اگر زبان پر حرفِ شکایت آتا ہے تو یہ کہ: «اَللّٰهُمَّ لَآ اَشْكُوْ اِلٰٓى اَحَدٍ سِوَاكَ»: ''اے اللہ! میں تیرے سوا کسی سے گلہ نہیں کرتا''۔ اور اللہ تعالیٰ سے شکایت آئینِ صبر وتحمل کے منافی نہیں ہے، بلکہ عبودیت ونیازمندی کا ایک مظاہرہ ہے۔ اور خاصانِ خدا کا یہ شیوہ رہا ہے کہ وہ اللہ سے اپنا دکھ درد بیان کرتے اور اپنی بے تابی اور بے قراری کا اظہار کرتے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی زبانی ارشاد ہے:

﴿اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾

میں صرف اللہ تعالیٰ سے اپنے غم واندوہ کا شکوہ کرتا ہوں۔[1]

اور حضرت ایوب علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے:

﴿وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ﴾

اور ایوبؑ کو دیکھو جب انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا تھا کہ میں دُکھیا ہوں اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔[2]

اگرچہ مظلومیت کا تقاضا یہ ہے کہ مظلوم اپنی ستم زدگی وبے چارگی کی داستان دہرائے اور دوسروں کی ہمدردیوں کا سہارا ڈھونڈے، مگر یہاں صبر وضبط دوسروں کے سامنے زبان کھولنے سے مانع ہے۔ اس لئے اسی کے سامنے گڑگڑاتے ہیں جو اُن شکووں کا سننے والا ہے اور اُسی سے ظلم وجور کے شکنجوں کو توڑنے کی التجا کرتے ہیں جو انہیں توڑ کر نکال لے جاسکتا ہے۔ پھر عموماً ستائے جانے کے بعد انتقامی جذبات مشتعل ہو جایا کرتے ہیں اور دُشمن کی تباہی وبربادی کی خواہش زبان پر آئے بغیر نہیں رہا کرتی۔ مگر اس دُعا میں ایک جملہ بھی ایسا نہیں ہے جس سے کینہ توزی وبدخواہی کے جذبات کا اظہار ہوتا ہو، بلکہ ظالم کے بارے میں کچھ چاہتے ہیں تو یہ کہ وہ ظلم سے کنارا کش ہو جائے اور میرے دل صد پارہ پر ظلم کے آشیانے تعمیر نہ کرے۔ رہی ظلم کی پاداش تو اسے اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیتے ہیں کہ وہ جو چاہے کرے۔ خواہ دنیا میں انتقام لے یا آخرت میں۔ البتہ اپنے لئے یہ چاہتے ہیں کہ وہ اُن ظلموں کے جھیلنے کے صلہ میں اپنی خوشنودی ورضامندی عطا فرمائے۔ چاہے جور وستم کے تیر دل کی ایک ایک رگ کو توڑ دیں اور ظلم واستبداد کے تمام ترکش خالی ہو جائیں، مگر اللہ تعالیٰ کی ناراضی سے دوچار ہونا نہ پڑے۔ کیونکہ دنیا کی ہر تلخی وناگواری کو برداشت کیا جاسکتا ہے مگر اس کی ناراضی کے نتیجہ میں جس یاس وقنوطیت سے دوچار ہونا پڑے گا وہ ناقابل برداشت ہے۔

☆☆☆☆☆

---

[1] سورۂ یوسف، آیت ۸۶۔

[2] سورۂ انبیاء، آیت ۸۳۔

(۱۵) وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

اِذَا مَرِضَ اَوْ نَزَلَ بِهٖ كَرْبٌ اَوْ بَلِيَّةٌ

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى مَا لَمْ اَزَلْ اَتَصَرَّفُ فِيْهِ مِنْ سَلَامَةِ بَدَنِيْ، وَ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى مَاۤ اَحْدَثْتَ بِيْ مِنْ عِلَّةٍ فِيْ جَسَدِيْ.

فَمَاۤ اَدْرِيْ يَاۤ اِلٰهِيْ! اَيُّ الْحَالَيْنِ اَحَقُّ بِالشُّكْرِ لَكَ؟ وَ اَيُّ الْوَقْتَيْنِ اَوْلٰى بِالْحَمْدِ لَكَ؟:

اَ وَقْتُ الصِّحَّةِ الَّتِيْ هَنَّاْتَنِيْ فِيْهَا طَيِّبَاتِ رِزْقِكَ، وَ نَشَّطْتَنِيْ بِهَا لِابْتِغَآءِ مَرْضَاتِكَ وَ فَضْلِكَ، وَ قَوَّيْتَنِيْ مَعَهَا عَلٰى مَا وَفَّقْتَنِيْ لَهٗ مِنْ طَاعَتِكَ.

اَمْ وَقْتُ الْعِلَّةِ الَّتِيْ مَحَّصْتَنِيْ بِهَا، وَ النِّعَمِ الَّتِي اَتْحَفْتَنِيْ بِهَا، تَخْفِيْفًا لِّمَا ثَقُلَ بِهٖ عَلٰى ظَهْرِيْ مِنَ الْخَطِيْئَاتِ، وَ تَطْهِيْرًا لِّمَا انْغَمَسْتُ فِيْهِ مِنَ السَّيِّئَاتِ، وَ تَنْبِيْهًا لِّتَنَاوُلِ التَّوْبَةِ، وَ تَذْكِيْرًا لِّمَحْوِ الْحَوْبَةِ بِقَدِيْمِ النِّعْمَةِ وَ فِيْ خِلَالِ ذٰلِكَ مَا كَتَبَ لِيَ الْكَاتِبَانِ مِنْ زَكِيِّ الْاَعْمَالِ، مَا لَا قَلْبٌ فَكَّرَ فِيْهِ، وَ لَا لِسَانٌ نَّطَقَ بِهٖ، وَ لَا جَارِحَةٌ تَكَلَّفَتْهُ، بَلْ اِفْضَالًا مِّنْكَ

دُعا (۱۵)

جب کسی بیماری یا کرب و اذیت میں مبتلا ہوتے تو یہ دُعا پڑھتے

اے معبود! تیرے ہی لئے حمد و سپاس ہے اس صحت و سلامتی بدن پر جس میں ہمیشہ زندگی بسر کرتا رہا، اور تیرے ہی لئے حمد و سپاس ہے اس مرض پر جو اَب میرے جسم میں تیرے حکم سے رونما ہوا ہے۔

اے معبود! مجھے نہیں معلوم کہ ان دونوں حالتوں میں سے کونسی حالت پر تو شکریہ کا زیادہ مستحق ہے اور ان دونوں وقتوں میں سے کون سا وقت تیری حمد و ستائش کے زیادہ لائق ہے۔

آیا صحت کے لمحے جن میں تو نے اپنی پاکیزہ روزی کو میرے لئے خوشگوار بنایا، اور اپنی رضا و خوشنودی اور فضل و احسان کے طلب کی اُمنگ میرے دل میں پیدا کی، اور اس کے ساتھ اپنی اطاعت کی توفیق دے کر اس سے عہدہ برآ ہونے کی قوت بخشی۔

یا یہ بیماری کا زمانہ، جس کے ذریعے میرے گناہوں کو دور کیا، اور نعمتوں کے تحفے عطا فرمائے، تاکہ ان گناہوں کا بوجھ ہلکا کر دے جو میری پیٹھ کو گراں بار بنائے ہوئے ہیں، اور ان برائیوں سے پاک کر دے جن میں ڈوبا ہوا ہوں، اور توبہ کرنے پر متنبہ کر دے، اور گزشتہ نعمت (تندرستی) کی یاددہانی سے (کفرانِ نعمت کے) گناہ کو محو کر دے، اور اس بیماری کے اثنا میں کاتبانِ اعمال میرے لئے وہ پاکیزہ اعمال بھی لکھتے رہے جن کا نہ دل میں تصور ہوا تھا نہ زبان پر آئے تھے اور نہ کسی عضو نے اس کی تکلیف گوارا کی تھی۔

عَلَيَّ، وَ اِحْسَانًا مِّنْ صَنِيْعِكَ اِلَيَّ.

اَللّٰهُمَّ فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ حَبِّبْ اِلَيَّ مَا رَضِيتَ لِيْ، وَ يَسِّرْ لِيْ مَآ اَحْلَلْتَ بِيْ، وَ طَهِّرْنِيْ مِنْ دَنَسِ مَآ اَسْلَفْتُ، وَ امْحُ عَنِّيْ شَرَّ مَا قَدَّمْتُ، وَ اَوْجِدْنِيْ حَلَاوَةَ الْعَافِيَةِ، وَ اَذِقْنِيْ بَرْدَ السَّلَامَةِ، وَ اجْعَلْ مَخْرَجِيْ عَنْ عِلَّتِيْٓ اِلٰى عَفْوِكَ، وَ مُتَحَوَّلِيْ عَنْ صَرْعَتِيْٓ اِلٰى تَجَاوُزِكَ، وَ خَلَاصِيْ مِنْ كَرْبِيْ اِلٰى رَوْحِكَ، وَ سَلَامَتِيْ مِنْ هٰذِهِ الشِّدَّةِ اِلٰى فَرَجِكَ.

اِنَّكَ الْمُتَفَضِّلُ بِالْاِحْسَانِ، الْمُتَطَوِّلُ بِالْاِمْتِنَانِ، الْوَهَّابُ الْكَرِيْمُ، ذُو الْجَلَالِ وَ الْاِكْرَامِ.

--☆☆--

یہ صرف تیرا تفضّل و احسان تھا جو مجھ پر ہوا۔

اے اللہ! رحمت نازل فرما محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور ان کی آلؑ پر اور جو کچھ تو نے میرے لئے پسند کیا ہے وہی میری نظروں میں پسندیدہ قرار دے، اور جو مصیبت مجھ پر ڈال دی ہے اسے سہل و آسان کر دے، اور مجھے گزشتہ گناہوں کی آلائش سے پاک اور سابقہ برائیوں کو نیست و نابود کر دے، اور تندرستی کی لذت سے کامران اور صحت کی خوشگواری سے بہرہ اندوز کر، اور مجھے اس بیماری سے چھڑا کر اپنے عفو کی جانب لے آ، اور اس حالتِ اُفتادگی سے بخشش و درگزر کی طرف پھیر دے، اور اس بے چینی سے نجات دے کر اپنی راحت تک اور اس شدت و سختی کو دور کر کے کشائش و وسعت کی منزل تک پہنچا دے۔

اس لئے کہ تو بے استحقاق احسان کرنے والا اور گرانبہا نعمتیں بخشنے والا ہے اور تو ہی بخشش و کرم کا مالک اور عظمت و بزرگی کا سرمایہ دار ہے۔

--☆☆--

غریبی، امیری، دُکھ، آرام اور بیماری و صحت وہ لوازمِ حیات ہیں جن سے زندگی کے لمحات کبھی خالی نہیں رہتے۔ کبھی نکبت و افلاس ہے تو کبھی ثروت و اقبال، کبھی رنج و الم ہے تو کبھی عیش و آرام، کبھی مرض کی جانکاہی ہے تو کبھی صحت کی کیف افزائی۔ اگر چہ یہ دو مختلف کیفیتیں اور الگ الگ حالتیں ہیں جن کے تاثرات بھی جدا جدا ہیں، اس طرح کہ صحت و رفاہیت سے شکریہ کے اور بیماری و کلفت سے شکوہ و شکایت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، مگر جس کے آب و گل میں رضائے الٰہی کا عنصر شامل ہو وہ ہر حالت میں یکساں شکر گزار رہتا ہے اور کسی وقت اپنی زبان کو شکوہ و شکایت سے آلودہ نہیں ہونے دیتا۔ چنانچہ جب بستر بیماری پر بے قراری کی کروٹیں بے چین کرتی اور کرب و اذیت کی ٹیسیں سکون و قرار چھین لیتی ہیں تو اس کی زبان پر صبر و شکر اور حمد و ثنا ہی کا ترانہ گونجتا ہے، کیونکہ اسے یہ یقین ہوتا ہے کہ صحت ہو یا مرض دونوں شکر و ستائش کے قابل ہیں۔

بے شک صحت ایک گراں مایہ دولت ہے جس کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ اُسے ہی ہوسکتا ہے جو اسے ہاتھ سے کھو چکا ہو لیکن اتنا تو ہر شخص سمجھتا

ہے کہ یہ صحت ہی کے خوشگوار احساس کا نتیجہ ہے کہ انسان چاق چوبند اور آمادۂ عمل نظر آتا ہے اور جوش، جرأت، حوصلہ، احساسِ خود داری اور ولولہ سب اسی کا کرشمہ ہیں۔ اسی سے کسب معیشت اور عبادت و اطاعت کی سرگرمی وابستہ ہے اور اسی کی بدولت دنیا کی لذتوں سے حظ اندوز ہوا جاتا ہے۔ مگر مرض بھی اپنے نتائج و اثرات کے لحاظ سے فائدوں سے خالی نہیں ہے۔ چنانچہ حضرتؑ نے اس کے چند فوائد کی طرف اس دُعا میں اشارہ کیا ہے:

- پہلا فائدہ یہ ہے کہ مرض گناہوں سے تطہیر اور گناہوں کی گرانباری سے سبکدوشی کا باعث ہوتا ہے۔ چنانچہ امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے:

  اِنَّ الْمَرَضَ يَحُطُّ السَّيِّئَاتِ، وَ يَحُتُّهَا حَتَّ الْاَوْرَاقِ.

  مرض گناہوں کو دُور کرتا ہے اور اس طرح جھاڑ دیتا ہے جس طرح پتے جھڑتے ہیں۔[۱]

- دوسرا فائدہ یہ ہے کہ انسان حالتِ مرض میں اپنے گناہوں پر نادم ہوتا، توبہ و انابت کرتا اور اللہ تعالیٰ سے لَو لگاتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

  ﴿وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ﴾

  جب انسان دُکھیا ہوتا ہے تو اپنے پہلو پر لیٹا ہو یا بیٹھا ہو یا کھڑا ہو ہمیں پکارتا ہے۔[۲]

- تیسرا فائدہ یہ ہے کہ اس سے صحت و عافیت کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے اور بھولی بسری نعمت کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ ورنہ اس نعمتِ تندرستی کو نعمت ہی تصور نہ کیا جاتا۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ:

  نِعْمَتَانِ مَجْهُوْلَتَانِ الْاَمْنُ وَ الْعَافِيَةُ.

  دو نعمتیں ایسی ہیں جنہیں نعمت ہی نہیں سمجھا گیا: ایک امن اور دوسرے عافیت۔[۳]

اور چونکہ نعمت کی فراموشی و ناقدری ایک گناہ ہے اور بیماری اس نعمت کی طرف متوجہ کرتی اور کفرانِ نعمت سے بچا کر شکر گزاری کا جذبہ پیدا کرتی ہے اس لئے یہ بھی نعمت کی یاد دہانی کی وجہ سے نعمت میں محسوب ہوگی۔

- چوتھا فائدہ یہ ہے کہ جب مرض کی وجہ سے انسان کے عمل کی رفتار سُست ہو جاتی ہے یا عمل کے قابل ہی نہیں رہتا تو وہ جن اعمال کو صحت کی حالت میں بجالایا کرتا تھا وہ اس کے نامۂ اعمال میں برابر درج ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ:

  يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ لِلْمَلَكِ الْمُوَكَّلِ بِالْمُؤْمِنِ: اِذَا مَرِضَ اكْتُبْ لَهٗ مَا كُنْتَ تَكْتُبُ لَهٗ فِيْ صِحَّتِهٖ، فَاِنِّيْٓ اَنَا الَّذِيْ صَيَّرْتُهٗ فِيْ حِبَالِيْ.

  جب مومن بیمار ہوتا ہے تو خداوند تعالیٰ اس فرشتہ کو جو اس پر مقرر ہوتا ہے حکم دیتا ہے کہ مرض میں بھی اس کے وہ اعمال جنہیں وہ بجالایا کرتا تھا لکھتے رہو، کیونکہ اُسے مرض کے شکنجہ میں اسیر کرنے والا میں ہی ہوں۔[۴]

---

[۱] ریاض السالکین، ج ۳ ص ۸۴۔

[۲] سورۂ یونس، آیت ۱۲۔

[۳] روضۃ الواعظین، ج ۲ ص ۴۷۲۔

[۴] الکافی، ج ۳ ص ۱۱۳۔

- پانچواں فائدہ یہ ہے کہ جب انسان مرض میں مبتلا ہوتا ہے تو دفعیہ کیلئے صدقہ وخیرات کرتا ہے اور یہ بھی ایک کارگر علاج ہے۔ جیسا کہ امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے: «اَلصَّدَقَةُ دَوَاءٌ مُّنْجِحٌ»: ''صدقہ ایک کامیاب دوا ہے''[1]۔ اور اس صدقہ اور داد و دہش سے طبیعت کا رُخ بخل وحرص اور زراندوزی کی خواہش سے جود و سخا کی طرف مڑ جاتا ہے اور نفسانی روگ انحطاط پذیر ہو جاتا ہے۔
- چھٹا فائدہ یہ ہے کہ مرض دنیا کی بے ثباتی و ناپائیداری اور موت کی یاد دلاتا ہے۔ کیونکہ صحتِ جسمانی کا فقدان موت کا پیش خیمہ ہے اور موت کا تصور انسان کو اللہ سے لَو لگانے اور اس کی طرف رجوع ہونے پر آمادہ کر دیتا ہے، بلکہ دنیا کی ہر اُفتاد اور ہر کلفت اللہ کی طرف جھکاتی اور اُسے پکارنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ﴾: ''جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو تم اس کے سامنے گڑگڑاتے ہو''۔[2]
- ساتواں فائدہ یہ ہے کہ اکثر گناہوں کا سرچشمہ قوتِ غضبیہ وشہوانیہ ہوتی ہے اور بیماری سے جہاں اور قوائے بدنی میں کمزوری آجاتی ہے وہاں ان دونوں پر بھی اثر انداز ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں انسان بہت سے گناہوں کے ارتکاب سے بچ جاتا ہے۔
- آٹھواں فائدہ یہ ہے کہ اگر بے صبری و بے قراری کا اظہار نہ کرے اور صبر وضبط سے کام لے تو اس مشقت و زحمت کشی کے نتیجہ میں اجر و ثواب کا بھی مستحق ہوگا۔
- نواں فائدہ یہ ہے کہ اگر کسی گناہ کے ارتکاب کی عادت جڑ پکڑ چکی ہو تو طولِ مرض سے اس عادت کے چھوٹ جانے کا بھی امکان پیدا ہو جاتا ہے، اور ہوسکتا ہے کہ ہمیشہ کیلئے اس سے چھٹکارا حاصل ہو جائے۔
- دسواں فائدہ یہ ہے کہ بعض چھوٹے موٹے امراض اس نوعیت کے ہوتے ہیں کہ وہ کسی بڑے مرض کیلئے روک بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ہوسکتا ہے کہ موجودہ مرض بھی کسی دوسرے مرض کی روک تھام کر دے۔ چنانچہ اطباء کا یہ متفق علیہ نظریہ ہے کہ زکام و مل بخار وغیرہ سے بدنِ انسانی کو مختلف فائدے پہنچتے ہیں اور بعض زہریلے مادے خارج ہو جاتے ہیں جو دوسرے امراض کیلئے حفظِ ماتقدم کا کام دے جاتے ہیں۔

مذکورہ بالا فوائد کے باوجود پھر انسان صحت کو مرض پر ترجیح دیتا اور تندرستی کا خواہاں ہوتا ہے اور کسی طرح مرض کو گوارا نہیں کرتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صحت و عافیت حُبِ طبعی کا کرشمہ ہے اور مرض حُبِ عقلی کا تقاضا ہے۔ اور حُبِ طبعی حُبِ عقلی سے زیادہ انسانی احساسات کو متاثر کرتی اور اس کے بشری جذبات سے سازگار رہتی ہے۔ اس لئے وہ مرض کے فائدہ بخش نتائج کے باوجود صحت و سلامتی ہی کا خواہشمند رہتا ہے۔ مگر جس میں حُبِ عقلی کے تقاضے حُبِ طبعی کے تقاضوں پر غالب ہوں وہ اپنی ہر مادی طلب و خواہش کو بھی رضائے الٰہی سے وابستہ کر دیتا ہے اور اس رضائے الٰہی کے علاوہ اس کا کوئی اور مقصد نہیں ہوتا۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں حضرتؑ کی زندگی کے اطوار عام انسانی زندگی کے اطوار سے بلند تر نظر آتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

---

[1] نہج البلاغہ، حکمت نمبر ۷۔
[2] سورۂ نحل، آیت ۵۳۔

(۱۶) وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

اِذَا اسْتَقَالَ مِنْ ذُنُوْبِهٖ، اَوْ تَضَرَّعَ فِيْ طَلَبِ الْعَفْوِ عَنْ عُيُوْبِهٖ:

اَللّٰهُمَّ يَا مَنْ بِرَحْمَتِهٖ يَسْتَغِيْثُ الْمُذْنِبُوْنَ، وَ يَا مَنْ اِلٰى ذِكْرِ اِحْسَانِهٖ يَفْزَعُ الْمُضْطَرُّوْنَ ،وَ يَا مَنْ لِّخِيْفَتِهٖ يَنْتَحِبُ الْخَاطِئُوْنَ، يَاۤ اُنْسَ كُلِّ مُسْتَوْحِشٍ غَرِيْبٍ، وَ يَا فَرَجَ كُلِّ مَكْرُوْبٍ كَئِيْبٍ، وَ يَا غَوْثَ كُلِّ مَخْذُوْلٍ فَرِيْدٍ، وَيَا عَضُدَ كُلِّ مُحْتَاجٍ طَرِيْدٍ.

اَنْتَ الَّذِيْ وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَحْمَةً وَّ عِلْمًا، وَ اَنْتَ الَّذِيْ جَعَلْتَ لِكُلِّ مَخْلُوْقٍ فِيْ نِعَمِكَ سَهْمًا، وَ اَنْتَ الَّذِيْ عَفْوُهٗ اَعْلٰى مِنْ عِقَابِهٖ، وَ اَنْتَ الَّذِيْ تَسْعٰى رَحْمَتُهٗ اَمَامَ غَضَبِهٖ، وَ اَنْتَ الَّذِيْ عَطَآؤُهٗ اَكْثَرُ مِنْ مَّنْعِهٖ، وَ اَنْتَ الَّذِي اتَّسَعَ الْخَلَآئِقُ كُلُّهُمْ فِيْ وُسْعِهٖ، وَ اَنْتَ الَّذِيْ لَا يَرْغَبُ فِيْ جَزَآءِ مَنْ اَعْطَاهُ، وَ اَنْتَ الَّذِيْ لَا يُفْرِطُ فِيْ عِقَابِ مَنْ عَصَاهُ.

وَ اَنَا يَاۤ اِلٰهِيْ! عَبْدُكَ الَّذِيْۤ اَمَرْتَهٗ بِالدُّعَآءِ فَقَالَ: لَبَّيْكَ وَ سَعْدَيْكَ، هَاۤ اَنَا ذَا يَا رَبِّ! مَطْرُوْحٌ بَيْنَ يَدَيْكَ، اَنَا الَّذِيْۤ

دُعا (۱۶)

جب گناہوں سے معافی چاہتے یا اپنے عیبوں سے درگزر کی التجا کرتے تو یہ دُعا پڑھتے:

اے خدا! اے وہ جسے گنہگار اس کی رحمت کے وسیلہ سے فریادرسی کیلئے پکارتے ہیں، اے وہ جس کے تفضّل و احسان کی یاد کا سہارا بےکس و لاچار ڈھونڈتے ہیں، اے وہ جس کے خوف سے عاصی و خطاکار نالہ و فریاد کرتے ہیں، اے ہر وطن آوارہ و دل گرفتہ کے سرمایۂ انس، ہر غمزدہ و دل شکستہ کے غمگسار، ہر بےکس و تنہا کے فریادرس اور ہر راندہ و محتاج کے دست گیر۔

تو وہ ہے جو اپنے علم و رحمت سے ہر چیز پر چھایا ہوا ہے اور تو وہ ہے جس نے اپنی نعمتوں میں ہر مخلوق کا حصہ رکھا ہے، تو وہ ہے جس کا عفو و درگزر اس کے انتقام پر غالب ہے، تو وہ ہے جس کی رحمت اس کے غضب سے آگے چلتی ہے، تو وہ ہے جس کی عطائیں فیض و عطا کے روک لینے سے زیادہ ہیں، تو وہ ہے جس کے دامن وسعت میں تمام کائناتِ ہستی کی سمائی ہے، تو وہ ہے کہ جس کسی کو عطا کرتا ہے اس سے عوض کی توقع نہیں رکھتا اور تو وہ ہے کہ جو تیری نافرمانی کرتا ہے اسے حد سے بڑھ کر سزا نہیں دیتا۔

خدایا! میں تیرا وہ بندہ ہوں جسے تو نے دُعا کا حکم دیا تو وہ لبیک لبیک پکار اٹھا۔ ہاں تو وہ میں ہوں اے میرے معبود! جو تیرے آگے خاک مذلت پر پڑا ہے، میں وہ ہوں جس کی پشت گناہوں

اَوْقَرَتِ الْخَطَایَا ظَهْرَهٗ، وَ اَنَا الَّذِیْۤ اَفْنَتِ الذُّنُوْبُ عُمُرَهٗ، وَ اَنَا الَّذِیْ بِجَهْلِهٖ عَصَاكَ، وَ لَمْ تَكُنْ اَهْلًا مِّنْهُ لِذٰاكَ.

سے بوجھل ہوگئی ہے، میں وہ ہوں جس کی عمر گناہوں میں بیت چکی ہے، میں وہ ہوں جس نے اپنی نادانی و جہالت سے تیری نافرمانی کی، حالانکہ تو میری جانب سے نافرمانی کا سزاوار نہ تھا۔

هَلْ اَنْتَ یَاۤ اِلٰهِیْ! رَاحِمٌ مَّنْ دَعَاكَ فَاُبْلِغَ فِی الدُّعَآءِ؟ اَمْ اَنْتَ غَافِرٌ لِّمَنْ بَكَاكَ فَاُسْرِعَ فِی الْبُكَآءِ؟ اَمْ اَنْتَ مُتَجَاوِزٌ عَمَّنْ عَفَّرَ لَكَ وَجْهَهٗ تَذَلُّلًا؟ اَمْ اَنْتَ مُغْنٍ مَّنْ شَكَاۤ اِلَیْكَ فَقْرَهٗ تَوَكُّلًا؟.

اے میرے معبود! جو تجھ سے دُعا مانگنے آیا تو اس پر رحم فرمائے گا؟ تاکہ میں لگاتار دُعا مانگوں، یا جو تیرے آگے روئے اسے بخش دے گا؟ تاکہ میں رونے پر جلد آمادہ ہوجاؤں، یا جو تیرے سامنے عجز و نیاز سے اپنا چہرہ خاک پر ملے اس سے درگزر کرے گا؟ یا جو تجھ پر بھروسا کرتے ہوئے اپنی تہی دستی کا شکوہ کرے اسے بے نیاز کردے گا؟

اِلٰهِیْ! لَا تُخَیِّبْ مَنْ لَّا یَجِدُ مُعْطِیًا غَیْرَكَ، وَ لَا تَخْذُلْ مَنْ لَّا یَسْتَغْنِیْ عَنْكَ بِاَحَدٍ دُوْنَكَ.

بارالہا! جس کا دینے والا تیرے سوا کوئی نہیں ہے اُسے ناامید نہ کر اور جس کا تیرے علاوہ اور کوئی ذریعہ بے نیازی نہیں ہے اُسے محروم نہ کر۔

اِلٰهِیْ فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ لَا تُعْرِضْ عَنِّیْ وَ قَدْ اَقْبَلْتُ عَلَیْكَ، وَ لَا تَحْرِمْنِیْ وَ قَدْ رَغِبْتُ اِلَیْكَ، وَ لَا تَجْبَهْنِیْ بِالرَّدِّ وَ قَدِ انْتَصَبْتُ بَیْنَ یَدَیْكَ.

خداوندا! رحمت نازل فرما محمدؐ اوران کی آلؑ پر اور مجھ سے روگردانی اختیار نہ کر جبکہ میں تیری طرف متوجہ ہو چکا ہوں، اور مجھے ناامید نہ کر جبکہ تیری طرف خواہش لے کر آیا ہوں، اور مجھے سختی سے دھتکار نہ دے جبکہ میں تیرے سامنے کھڑا ہوں۔

اَنْتَ الَّذِیْ وَصَفْتَ نَفْسَكَ بِالرَّحْمَةِ، فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ ارْحَمْنِیْ، وَ اَنْتَ الَّذِیْ سَمَّیْتَ نَفْسَكَ بِالْعَفْوِ فَاعْفُ عَنِّیْ.

تو وہ ہے جس نے اپنی توصیف رحم و کرم سے کی ہے، لہٰذا محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور مجھ پر رحم فرما اور تو نے اپنا نام درگزر کرنے والا رکھا ہے لہٰذا مجھ سے درگزر فرما۔

قَدْ تَرٰى یَاۤ اِلٰهِیْ! فَیْضَ دَمْعِیْ مِنْ خِیْفَتِكَ، وَ وَجِیْبَ قَلْبِیْ مِنْ

بارالہا! تو میرے اشکوں کی روانی کو جو تیرے خوف کے باعث ہے، میرے دل کی دھڑکن کو جو تیرے ڈر کی وجہ سے ہے

خَشْيَتِكَ، وَ انْتِقَاضَ جَوَارِحِيْ مِنْ هَيْبَتِكَ، كُلُّ ذٰلِكَ حَيَآءٌ مِّنْكَ لِسُوْٓءِ عَمَلِيْ، وَ لِذَاكَ خَمَدَ صَوْتِيْ عَنِ الْجَاْرِ اِلَيْكَ، وَ كَلَّ لِسَانِيْ عَنْ مُّنَاجَاتِكَ.

يَآ اِلٰهِيْ! فَلَكَ الْحَمْدُ، فَكَمْ مِنْ عَآئِبَةٍ سَتَرْتَهَا عَلَيَّ فَلَمْ تَفْضَحْنِيْ، وَ كَمْ مِنْ ذَنْبٍ غَطَّيْتَهٗ عَلَيَّ فَلَمْ تَشْهَرْنِيْ، وَ كَمْ مِنْ شَآئِبَةٍ اَلْمَمْتُ بِهَا فَلَمْ تَهْتِكْ عَنِّيْ سِتْرَهَا، وَ لَمْ تُقَلِّدْنِيْ مَكْرُوْهَ شَنَارِهَا، وَ لَمْ تُبْدِ سَوْءَاتِهَا لِمَنْ يَّلْتَمِسُ مَعَايِبِيْ مِنْ جِيْرَتِيْ، وَ حَسَدَةِ نِعْمَتِكَ عِنْدِيْ، ثُمَّ لَمْ يَنْهَنِيْ ذٰلِكَ عَنْ اَنْ جَرَيْتُ اِلٰى سُوْٓءِ مَا عَهِدْتَّ مِنِّيْ!.

فَمَنْ اَجْهَلُ مِنِّيْ يَآ اِلٰهِيْ بِرُشْدِهٖ؟ وَ مَنْ اَغْفَلُ مِنِّيْ عَنْ حَظِّهٖ؟ وَ مَنْ اَبْعَدُ مِنِّيْ مِنِ اسْتِصْلَاحِ نَفْسِهٖ حِيْنَ اُنْفِقُ مَآ اَجْرَيْتَ عَلَيَّ مِنْ رِزْقِكَ فِيْمَا نَهَيْتَنِيْ عَنْهُ مِنْ مَّعْصِيَتِكَ؟ وَ مَنْ اَبْعَدُ غَوْرًا فِي الْبَاطِلِ وَ اَشَدُّ اِقْدَامًا عَلَى السُّوْٓءِ مِنِّيْ حِيْنَ اَقِفُ بَيْنَ دَعْوَتِكَ وَ دَعْوَةِ الشَّيْطٰنِ فَاَتَّبِعُ دَعْوَتَهٗ عَلٰى غَيْرِ عَمًى مِّنِّيْ فِيْ

اور میرے اعضاء کی تھرتھری کو جو تیری ہیبت کے سبب سے ہے، دیکھ رہا ہے۔ یہ سب اپنی بداعمالیوں کو دیکھتے ہوئے تجھ سے شرم وحیا محسوس کرنے کا نتیجہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تضرع وزاری کے وقت میری آواز رک جاتی ہے اور مناجات کے موقع پر زبان کام نہیں دیتی۔

اے خدا تیرے ہی لئے حمد وسپاس ہے کہ تو نے میرے کتنے ہی عیبوں پر پردہ ڈالا اور مجھے رسوا نہیں ہونے دیا، اور کتنے ہی میرے گناہوں کو چھپایا اور مجھے بدنام نہیں کیا، اور کتنی ہی برائیوں کا میں مرتکب ہوا مگر تو نے پردہ فاش نہ کیا اور نہ میرے گلے میں ننگ و عار کی ذلت کا طوق ڈالا اور نہ میرے عیبوں کی جستجو میں رہنے والے ہمسایوں اور ان نعمتوں پر جو مجھے عطا کی ہیں حسد کرنے والوں پر ان برائیوں کو ظاہر کیا۔ پھر بھی تیری مہربانیاں مجھے ان برائیوں کے ارتکاب سے جن کا تو میرے بارے میں علم رکھتا ہے، روک نہ سکیں۔

تو اے میرے معبود! مجھ سے بڑھ کر کون اپنی اصلاح و بہبود سے بے خبر، اپنے حظ ونصیب سے غافل اور اصلاح نفس سے دور ہوگا، جبکہ میں اس روزی کو جسے تو نے میرے لئے قرار دیا ہے، ان گناہوں میں صرف کرتا ہوں جن سے تو نے منع کیا ہے، اور مجھ سے زیادہ کون باطل کی گہرائی تک اترنے والا اور برائیوں پر اقدام کی جرأت کرنے والا ہوگا، جبکہ میں ایسے دوراہے پر کھڑا ہوں کہ جہاں ایک طرف تُو دعوت دے اور دوسری طرف شیطان آواز دے، تو میں اسکی کارستانیوں سے واقف ہوتے ہوئے اور

مَعْرِفَةٍ بِهٖ، وَلَا نِسْيَانٍ مِّنْ حِفْظِيْ لَهٗ؟، وَ اَنَا حِيْنَئِذٍ مُّوقِنٌ بِاَنَّ مُنْتَهٰى دَعْوَتِكَ اِلَى الْجَنَّةِ، وَ مُنْتَهٰى دَعْوَتِهٖ اِلَى النَّارِ.

سُبْحَانَكَ! مَآ اَعْجَبَ مَآ اَشْهَدُ بِهٖ عَلٰى نَفْسِيْ، وَ اُعَدِّدُهٗ مِنْ مَكْتُوْمِ اَمْرِيْ، وَ اَعْجَبُ مِنْ ذٰلِكَ اَنَاتُكَ عَنِّيْ، وَ اِبْطَاؤُكَ عَنْ مُّعَاجَلَتِيْ، وَ لَيْسَ ذٰلِكَ مِنْ كَرَمِيْ عَلَيْكَ، بَلْ تَاَنِّيًا مِّنْكَ لِيْ، وَ تَفَضُّلًا مِّنْكَ عَلَيَّ، لِاَنْ اَرْتَدِعَ عَنْ مَّعْصِيَتِكَ الْمُسْخِطَةِ، وَ اُقْلِعَ عَنْ سَيِّئَاتِي الْمُخْلِقَةِ، وَ لِاَنَّ عَفْوَكَ عَنِّيْ اَحَبُّ اِلَيْكَ مِنْ عُقُوْبَتِيْ.

بَلْ اَنَا يَآ اِلٰهِيْ! اَكْثَرُ ذُنُوْبًا، وَ اَقْبَحُ اٰثَارًا، وَ اَشْنَعُ اَفْعَالًا، وَ اَشَدُّ فِي الْبَاطِلِ تَهَوُّرًا، وَ اَضْعَفُ عِنْدَ طَاعَتِكَ تَيَقُّظًا، وَ اَقَلُّ لِوَعِيْدِكَ انْتِبَاهًا وَ ارْتِقَابًا، مِنْ اَنْ اُحْصِيَ لَكَ عُيُوْبِيْ، اَوْ اَقْدِرَ عَلٰى ذِكْرِ ذُنُوْبِيْ.

وَ اِنَّمَآ اُوَبِّخُ بِهٰذَا نَفْسِيْ طَمَعًا فِيْ رَاْفَتِكَ الَّتِيْ بِهَا صَلَاحُ اَمْرِ الْمُذْنِبِيْنَ، وَ رَجَآءً لِّرَحْمَتِكَ الَّتِيْ بِهَا فَكَاكُ رِقَابِ الْخَاطِئِيْنَ.

اس کی شرانگیزیوں کو ذہن میں محفوظ رکھتے ہوئے اس کی آواز پر لبیک کہتا ہوں، حالانکہ مجھے اس وقت بھی یقین ہوتا ہے کہ تیری دعوت کا مآل جنت اور اسکی آواز پر لبیک کہنے کا انجام دوزخ ہے۔

اللہ اکبر! کتنی یہ عجیب بات ہے جس کی گواہی میں خود اپنے خلاف دے رہا ہوں، اور اپنے چھپے ہوئے کاموں کو ایک ایک کر کے گن رہا ہوں، اور اس سے زیادہ عجیب تیرا مجھے مہلت دینا اور عذاب میں تاخیر کرنا ہے۔ یہ اس لئے نہیں کہ میں تیری نظروں میں باوقار ہوں بلکہ یہ میرے معاملہ میں تیری بردباری اور مجھ پر تیرا لطف و احسان ہے تا کہ میں تجھے ناراض کرنے والی نافرمانیوں سے باز آجاؤں اور ذلیل و رسوا کرنے والے گناہوں سے دست کش ہو جاؤں، اور اس لئے ہے کہ مجھ سے درگزر کرنا سزا دینے سے تجھے زیادہ پسند ہے۔

بلکہ میں تو اے میرے معبود! بہت گنہگار، بہت بدصفات و بد اعمال اور غلط کاریوں میں بیباک اور تیری اطاعت کے وقت سست گام اور تیری تہدید و سرزنش سے غافل اور اس کی طرف بہت کم نگران ہوں، تو کس طرح میں اپنے عیوب تیرے سامنے شمار کر سکتا ہوں یا اپنے گناہوں کا ذکر و بیان سے احاطہ کر سکتا ہوں۔

اور جو اس طرح میں اپنے نفس کو ملامت و سرزنش کر رہا ہوں تو تیری اس شفقت و مرحمت کے لالچ میں جس سے گنہگاروں کے حالات اصلاح پذیر ہوتے ہیں اور تیری اس رحمت کی توقع میں جس کے ذریعہ خطا کاروں کی گردنیں (عذاب سے) رہا ہوتی ہیں۔

اَللّٰهُمَّ وَ هٰذِهٖ رَقَبَتِيْ قَدْ اَرَقَّتْهَا الذُّنُوْبُ، فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اَعْتِقْهَا بِعَفْوِكَ، وَ هٰذَا ظَهْرِيْ قَدْ اَثْقَلَتْهُ الْخَطَايَا، فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ خَفِّفْ عَنْهُ بِمَنِّكَ.

يَاۤ اِلٰهِيْ! لَوْ بَكَيْتُ اِلَيْكَ حَتّٰى تَسْقُطَ اَشْفَارُ عَيْنَيَّ، وَ انْتَحَبْتُ حَتّٰى يَنْقَطِعَ صَوْتِيْ، وَ قُمْتُ لَكَ حَتّٰى تَتَنَشَّرَ قَدَمَايَ، وَ رَكَعْتُ لَكَ حَتّٰى يَنْخَلِعَ صُلْبِيْ، وَ سَجَدْتُّ لَكَ حَتّٰى تَتَفَقَّاَ حَدَقَتَايَ، وَ اَكَلْتُ تُرَابَ الْاَرْضِ طُوْلَ عُمُرِيْ، وَشَرِبْتُ مَآءَ الرَّمَادِ اٰخِرَ دَهْرِيْ، وَ ذَكَرْتُكَ فِيْ خِلَالِ ذٰلِكَ حَتّٰى يَكِلَّ لِسَانِيْ، ثُمَّ لَمْ اَرْفَعْ طَرْفِيْ اِلٰۤى اٰفَاقِ السَّمَآءِ اسْتِحْيَآءً مِّنْكَ، مَا اسْتَوْجَبْتُ بِذٰلِكَ مَحْوَ سَيِّئَةٍ وَّاحِدَةٍ مِّنْ سَيِّئَاتِيْ.

وَ اِنْ كُنْتَ تَغْفِرُ لِيْ حِيْنَ اَسْتَوْجِبُ مَغْفِرَتَكَ، وَ تَعْفُو عَنِّيْ حِيْنَ اَسْتَحِقُّ عَفْوَكَ، فَاِنَّ ذٰلِكَ غَيْرُ وَاجِبٍ لِّيْ بِاسْتِحْقَاقٍ، وَ لَاۤ اَنَا اَهْلٌ لَّهٗ بِاسْتِيْجَابٍ، اِذْ كَانَ جَزَآئِيْ مِنْكَ فِيْ اَوَّلِ مَا عَصَيْتُكَ النَّارَ، فَاِنْ تُعَذِّبْنِيْ فَاَنْتَ غَيْرُ ظَالِمٍ لِيْ.

بارالہا! یہ میری گردن ہے جسے گناہوں نے جکڑ رکھا ہے، تو رحمت نازل فرما محمدؐ اور ان کی آلؑ پر اور اپنے عفو و درگزر سے اسے آزاد کر دے، اور یہ میری پشت ہے جسے گناہوں نے بوجھل کر دیا ہے، تو رحمت نازل فرما محمدؐ اور ان کی آلؑ پر اور اپنے لطف و انعام کے ذریعہ اسے ہلکا کر دے۔

بارالہا! اگر میں تیرے سامنے اتنا روؤں کہ میری آنکھوں کی پلکیں جھڑ جائیں اور اتنا چیخ چیخ کر گریہ کروں کہ آواز بند ہو جائے اور تیرے سامنے اتنی دیر کھڑا رہوں کہ دونوں پیروں پر ورم آ جائے اور اتنے رکوع کروں کہ ریڑھ کی ہڈیاں اپنی جگہ سے اکھڑ جائیں اور اس قدر سجدے کروں کہ آنکھیں اندر کو دھنس جائیں اور عمر بھر خاک پھانکتا رہوں اور زندگی بھر گندلا پانی پیتا رہوں اور اس اثنا میں تیرا ذکر اتنا کروں کہ زبان تھک کر جواب دے جائے، پھر شرم و حیا کی وجہ سے آسمان کی طرف نگاہ نہ اٹھاؤں تو اس کے باوجود میں اپنے گناہوں میں سے ایک گناہ کے بخشے جانے کا بھی سزاوار نہ ہوں گا۔

اور اگر تو مجھے بخش دے جبکہ میں تیری مغفرت کے لائق قرار پاؤں اور مجھے معاف کر دے جبکہ میں تیری معافی کے قابل سمجھا جاؤں تو یہ میرے استحقاق کی بنا پر لازم نہیں ہوگا اور نہ میں استحقاق کی بنا پر اس کا اہل ہوں، کیونکہ جب میں نے پہلے پہل تیری معصیت کی تو میری سزا جہنم طے تھی، لہٰذا تو مجھ پر عذاب کرے تو میرے حق میں ظالم نہیں ہوگا۔

اِلٰهِیْ! فَاِذْ قَدْ تَغَمَّدْتَنِیْ بِسِتْرِكَ فَلَمْ تَفْضَحْنِیْ، وَ تَاَنَّیْتَنِیْ بِكَرَمِكَ فَلَمْ تُعَاجِلْنِیْ، وَ حَلُمْتَ عَنِّیْ بِتَفَضُّلِكَ فَلَمْ تُغَیِّرْ نِعْمَتَكَ عَلَیَّ، وَ لَمْ تُكَدِّرْ مَعْرُوْفَكَ عِنْدِیْ، فَارْحَمْ طُوْلَ تَضَرُّعِیْ وَ شِدَّةَ مَسْكَنَتِیْ، وَ سُوْٓءَ مَوْقِفِیْ.

اے میرے معبود! جبکہ تو نے میری پردہ پوشی کی اور مجھے رسوا نہیں کیا اور اپنے لطف و کرم سے نرمی برتی اور عذاب میں جلدی نہیں کی اور اپنے فضل سے میرے بارے میں حلم سے کام لیا اور اپنی نعمتوں میں تبدیلی نہیں کی اور نہ اپنے احسان کو مکدّر کیا ہے تو میری اس طویل تضرع و زاری اور سخت احتیاج اور موقف کی بدحالی پر رحم فرما۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ قِنِیْ مِنَ الْمَعَاصِیْ، وَ اسْتَعْمِلْنِیْ بِالطَّاعَةِ، وَ ارْزُقْنِیْ حُسْنَ الْاِنَابَةِ، وَ طَهِّرْنِیْ بِالتَّوْبَةِ، وَ اَیِّدْنِیْ بِالْعِصْمَةِ، وَ اسْتَصْلِحْنِیْ بِالْعَافِیَةِ، وَ اَذِقْنِیْ حَلَاوَةَ الْمَغْفِرَةِ، وَ اجْعَلْنِیْ طَلِیْقَ عَفْوِكَ، وَ عَتِیْقَ رَحْمَتِكَ، وَ اكْتُبْ لِیْ اَمَانًا مِّنْ سُخْطِكَ، وَ بَشِّرْنِیْ بِذٰلِكَ فِی الْعَاجِلِ دُوْنَ الْاٰجِلِ بُشْرٰی اَعْرِفُهَا، وَ عَرِّفْنِیْ فِیْهِ عَلَامَةً اَتَبَیَّنُهَا، اِنَّ ذٰلِكَ لَا یَضِیْقُ عَلَیْكَ فِیْ وُسْعِكَ، وَ لَا یَتَكَاَّدُكَ فِیْ قُدْرَتِكَ، اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ.

--☆☆--

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور مجھے گناہوں سے محفوظ اور اطاعت میں سرگرم عمل رکھ اور مجھے حسن رجوع کی توفیق دے اور توبہ کے ذریعہ پاک کر دے اور اپنی حسن نگہداشت سے نصرت فرما اور تندرستی سے میری حالت سازگار کر اور مغفرت کی شیرینی سے کام و دہن کو لذت بخش اور مجھے اپنے عفو کا رہا شدہ اور اپنی رحمت کا آزاد کردہ قرار دے اور اپنے عذاب سے رہائی کا پروانہ لکھ دے اور آخرت سے پہلے دنیا ہی میں نجات کی ایسی خوش خبری سنا دے جسے واضح طور سے سمجھ لوں اور اس کی ایسی علامت دکھا دے جسے کسی شائبہ ابہام کے بغیر پہچان لوں، اور یہ چیز تیرے ہمہ گیر اقتدار کے سامنے مشکل اور تیری قدرت کے مقابلہ میں دشوار نہیں ہے، بے شک تیری قدرت ہر چیز پر محیط ہے۔

--☆☆--

یہ دُعا امید و بیم کا ایک مرقع ہے جس کے نقوش زندگی کو خوف و رجاء کے خطوط پر چلنے کیلئے شمع ہدایت کا کام دیتے ہیں۔ ''خوف و رجاء'' دونوں عملی زندگی کی بنیاد اور اُخروی کامرانی کا پیش خیمہ ہیں۔ اگر ''خوف'' نہ ہو تو انسان پاداشِ عمل سے غافل ہو جائے گا اور ''اُمید'' نہ ہو تو عمل میں سرگرمی پیدا نہ ہونے پائے گی اور یہ خوف و رجاء کی کیفیت خدا کی صفتِ عدالت و رحمت کے تصور سے پیدا ہوتی ہے، کیونکہ عدالت کا تقاضا یہ ہے کہ جو اس کے دروازۂ رحمت پر دستک دے، توبہ و انابت کا ہاتھ پھیلائے اور اس سے عفو و درگزر کا سوال کرے، اسے بے آس نہ کرے، جس سے اُمید کا سوتا پھوٹے

گااور مغفرت کی آس مایوسیوں سے بچا کر برسرِعمل رکھے گی۔ یہ اس کی رحمت ہی کی کارفرمائی ہے کہ وہ بڑے بڑے گناہوں پر بھی سزاوعقوبت میں تعجیل سے کام نہیں لیتا اور سخت سے سخت جرم کی پاداش میں بھی فوری گرفت نہیں کرتا۔ اور اگر وہ سزا دینے میں جلدی کرتا تو توبہ وانابت کا وقت کہاں ملتا، بلکہ توبہ کا وسیلہ ڈھونڈنے اور انابت کا ہاتھ پھیلانے سے پہلے ہی ہلاکت وتباہی گھیر لیتی۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ ؕ﴾

اور جس طرح لوگ اپنی بھلائی کیلئے جلدی کرتے ہیں اسی طرح اگر خدا (ان گناہوں کی) سزا میں جلدی کرتا تو ان کا مقررہ وقت کب کا آچکا ہوتا۔[۱]

اگر وہ گناہ کے فوراً بعد اپنے غضب سے کام لیتا اور مجرم کو اس کے جرم کی سزا دیتا تو یہ اس کے عدل و انصاف کے منافی تو نہ ہوتا، لیکن تقاضائے رحمت کے خلاف ضرور ہوتا۔ حالانکہ اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے۔ چنانچہ جہاں غضب و رحمت میں کشمکش ہوتی ہے وہاں رحمت آگے بڑھ جاتی ہے اور غضب کو پیچھے چھوڑ جاتی ہے۔ کیونکہ رحمت اس کی ذات کا تقاضا ہے اور غضب مخالفت و نافرمانی کا نتیجہ۔ چنانچہ غضب خاص خاص موقعوں کیلئے ہے اور رحمت عام و ہمہ گیر ہے۔ اس طرح کہ اگر دنیا میں سرکشی وطغیان اور کفر وعصیان کا وجود نہ ہوتا تو پھر رحمت ہی رحمت ہوتی اور قہر وغضب کا نام ونشان بھی نہ ہوتا۔ کیونکہ اصل رحمت ہی کارفرمائی ہے اور غضب ایک تبعی وفرعی حیثیت رکھتا ہے جو صرف بداعمالیوں کے نتیجہ میں مشتعل ہوتا ہے۔ اور پھر ایسا نہیں کہ ایک دفعہ مشتعل ہو جائے تو پھر فرو نہ ہو۔ بلکہ اس کے غضب کی صورت تو یہ ہے کہ ادھر کسی نے اپنی غفلتوں اور کوتاہیوں کا اعتراف کر کے اصلاحِ عمل کا عہد کیا، غضب کا رُخ مڑ گیا۔ اور کسی نے اپنے گناہوں پر پشیمان ہو کر اس کی بارگاہ کا رُخ کیا، رحمت کا ارادہ جوش میں آگیا اور گناہوں کو اس طرح ملیا میٹ کر دیا گویا اس کے دامن پر کبھی دھبّا پڑا ہی نہ تھا۔ چنانچہ ارشادِ نبویؐ ہے:

اَلتَّآئِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ.

گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو۔[۲]

اب اس دُعا پر ایک نظر ڈالیئے اور دیکھئے کہ حضرتؑ کے کلمات میں خوف و رجاء کی جو روح مضمر ہے وہ کس طرح غفلت سے جھنجھوڑتی اور دل و دماغ کو متاثر کرتی ہے۔ وہ اللہ کے سامنے عبودیت کے تقاضوں میں کوتاہی کا اعتراف کرتے ہیں مگر خوف وخشیت سے حالت یہ ہے کہ پیروں میں رعشہ، بدن میں تھرتھری اور جسم پر کپکپی طاری ہے۔ بوجھل پلکوں میں آنسو تیر رہے ہیں اور دل کی دھڑکنیں کپکپاتی آواز سے ہم آہنگ ہیں اور فریاد کا انداز یہ ہے کہ: "اے معبود! اگر روتے روتے پلکیں جھڑ جائیں، کھڑے کھڑے پیر سوج جائیں، رکوع کرتے کرتے پشت خم ہو جائے، سجدوں میں عمر بیت جائے، زندگی بھر خاک پھانکوں اور خاک بسر زندگی بسر کروں پھر بھی تیری رحمت ہی کا سہارا ہے اور میں کسی استحقاق کی بنا پر عفو ومغفرت کا مستحق نہیں ہو سکتا"۔

ان الفاظ میں عجز ونیاز کی جو تصویر کھینچی ہے وہ آپؑ کی زندگی کا ہو بہو نقشہ ہے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ جب آپؑ وضو کرتے تو چہرے کا رنگ زرد ہو

---

[۱] سورۂ یونس، آیت ۱۱۔

[۲] الکافی، ج ۲، ص ۴۳۵۔

جاتا اور مصلائے عبادت پر کھڑے ہوتے تو لرزہ براندام ہو جاتے، اور شب و روز کے قیام سے پیروں پر وَرم آجاتا۔ جب کسی نعمت کا ذکر کرتے تو سجدہ کرتے، جب کوئی نعمت ملتی تو سجدہ کرتے، جب کسی کارِخیر کا ارادہ کرتے تو سجدہ کرتے۔ جب دو شخصوں میں صلح کراتے تو سجدہ کرتے اور اس وقت تک سجدہ سے سر نہ اٹھاتے جب تک پسینہ میں تر بتر نہ ہو جاتے۔ اور ماہِ رمضان میں تسبیح و استغفار کے علاوہ کوئی کلمہ آپؑ کی زبان سے نہ نکلتا تھا۔ اور اکثر و بیشتر غشی کی حالت طاری ہو جاتی تھی۔ چنانچہ ابن عیینیہ کہتے ہیں کہ: میں نے مکّہ کے راستے میں دیکھا کہ آپؑ نے سواری کو روک کر احرام باندھنا چاہا تو جسم کانپنے لگا، چہرے پر زردی چھا گئی اور زبان سے کلماتِ تلبیہ نہ کہہ سکے۔ میں نے آگے بڑھ کر عرض کیا کہ آپؑ تلبیہ کیوں نہیں کرتے؟ فرمایا: ''اندیشہ ہے کہ میں لَبَّیْكَ کہوں اور ادھر سے لَا لَبَّیْكَ وَلَا سَعْدَیْكَ کی آواز آئے''۔ اور جب سنبھل کر تلبیہ کیا تو غش کھا کر گر پڑے اور حج کے اختتام تک برابر یہی صورت رہی کہ کبھی سنبھل گئے اور کبھی بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

بہر حال اگر ایک طرف زندگی کے چہرے پر خوف و خشیت کا غبار چھایا ہوا تھا تو دوسری طرف اُمید کی مسکراتی ہوئی کرنیں نور و نکہت بکھیر رہی تھیں اور قدم رجاء کی اُس منزل پر تھے جہاں کبھی یاس و ناامیدی کی پرچھائیں بھی نہیں پڑی اور روح اس مقامِ تقرب سے وابستہ تھی جہاں دل کا ریشہ ریشہ ندائے حق کیلئے گوش برآواز اور سامعہ نویدِ رحمت کا منتظر تھا کہ کب ادھر سے آمرزش و رحمت کا پیغام آتا ہے کہ:

همه شب در این امیدم که نسیم صبحگاهی　　به پیام آشنایان بنوازد آشنا را

چنانچہ خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ:

﴿الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿٦٣﴾ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ﴾

وہ لوگ جو ایمان لائے اور خوف کھاتے رہے انہیں دنیا کی زندگی میں بھی بشارت ہے اور آخرت میں بھی۔[1]

یہ بشارت رویائے صالحہ کے ذریعہ ہوتی ہے۔ چنانچہ ابوالدرداء سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ: اس آیت میں ﴿الْبُشْرٰى﴾ سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «هِيَ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ يَرَاهَا الْمُسْلِمُ اَوْ تُرٰى لَهٗ»: ''وہ رویائے صالحہ ہے جسے مومن خود اپنے لئے دیکھتا ہے یا کوئی اُس کیلئے دیکھتا ہے''۔[2]

یہ رویائے صالحہ پاکیزگیٔ نفس و صفائے باطن اور عالم قدس سے اتصال کے نتیجہ میں دیکھا جاتا ہے۔ اس طرح کہ مردِ مومن اپنے حُسنِ انجام کو خواب میں دیکھتا، یا اس کے متعلق خواب میں ندائے غیب سنتا ہے، یا دوسرا اس کے بارے میں خواب دیکھتا، یا خواب میں کوئی آواز سنتا ہے۔ چنانچہ اس قسم کے خواب صلحاء و متورعین کے متعلق کتب میں مذکور ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس دُعا میں ''بُشریٰ'' سے ایسی ہی بشارت مراد ہو یا کسی دوسری قسم کی بشارت جو اس عام بشارت سے بلند تر ہو۔

☆☆☆☆☆

---

[1] سورۂ یونس، آیت ۶۳-۶۴۔

[2] بحار الانوار، ج ۵۸، ص ۱۹۱۔

(۱۷) وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

اِذَا ذُكِرَ الشَّيْطٰنُ فَاسْتَعَاذَ مِنْهُ وَ مِنْ عَدَاوَتِهٖ وَ كَيْدِهٖ:

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنْ نَزَغَاتِ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، وَ كَيْدِهٖ وَ مَكَايِدِهٖ، وَ مِنَ الثِّقَةِ بِاَمَانِيِّهٖ وَ مَوَاعِيْدِهٖ وَ غُرُوْرِهٖ وَ مَصَآئِدِهٖ، وَ اَنْ يُّطْمِعَ نَفْسَهٗ فِيْٓ اِضْلَالِنَا عَنْ طَاعَتِكَ، وَ امْتِهَانِنَا بِمَعْصِيَتِكَ، اَوْ اَنْ يَّحْسُنَ عِنْدَنَا مَا حَسَّنَ لَنَا، اَوْ اَنْ يَّثْقُلَ عَلَيْنَا مَا كَرَّهَ اِلَيْنَا.

اَللّٰهُمَّ اخْسَاْهُ عَنَّا بِعِبَادَتِكَ، وَ اكْبِتْهُ بِدُءُوْبِنَا فِيْ مَحَبَّتِكَ، وَ اجْعَلْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَهٗ سِتْرًا لَّا يَهْتِكُهٗ، وَ رَدْمًا مُّصْمِتًا لَّا يَفْتُقُهٗ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اشْغَلْهُ عَنَّا بِبَعْضِ اَعْدَآئِكَ، وَ اعْصِمْنَا مِنْهُ بِحُسْنِ رِعَايَتِكَ، وَ اكْفِنَا خَتْرَهٗ، وَ وَلِّنَا ظَهْرَهٗ، وَ اقْطَعْ عَنَّآ اِثْرَهٗ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اَمْتِعْنَا مِنَ الْهُدٰى بِمِثْلِ ضَلَالَتِهٖ،

دُعا (۱۷)

جب شیطان کا ذکر آتا تو اُس سے اور اُس کے مکر و عداوت سے بچنے کیلئے یہ دُعا پڑھتے:

اے اللہ! ہم شیطان مردود کے وسوسوں، مکروں اور حیلوں سے اور اس کی جھوٹی طفل تسلیوں پر اعتماد کرنے اور اس کے ہتھکنڈوں سے تیرے ذریعہ پناہ مانگتے ہیں، اور اس بات سے کہ اس کے دل میں یہ طمع و خواہش پیدا ہو کہ وہ ہمیں تیری اطاعت سے بہکائے اور تیری معصیت کے ذریعہ ہماری رسوائی کا سامان کرے، یا یہ کہ جس چیز کو وہ رنگ و روغن سے آراستہ کرے وہ ہماری نظروں میں کھب جائے، یا جس چیز کو وہ بدنما ظاہر کرے وہ ہمیں شاق گزرے۔

اے اللہ! تو اپنی عبادت کے ذریعہ اسے ہم سے دور کر دے اور تیری محبت میں محنت و جانفشانی کرنے کے باعث اسے ٹھکرا دے، اور ہمارے اور اس کے درمیان ایک ایسا پردہ جسے وہ چاک نہ کر سکے اور ایک ایسی ٹھوس دیوار جسے وہ توڑ نہ سکے، حائل کر دے۔

اے اللہ! رحمت نازل فرما محمدؐ اور ان کی آلؑ پر، اور اسے ہمارے بجائے اپنے کسی دشمن کے بہکانے میں مصروف رکھ، اور ہمیں اپنے حسن نگہداشت کے ذریعہ اس سے محفوظ کر دے، اس کے مکر و فریب سے بچا لے اور ہم سے روگرداں کر دے اور ہمارے راستے سے اس کے نقش قدم مٹا دے۔

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور ہمیں ویسی ہی (محفوظ) ہدایت سے بہرہ مند فرما جیسی اس کی گمراہی

وَ زَوِّدْنَا مِنَ التَّقْوٰى ضِدَّ غَوَايَتِهٖ، وَ اسْلُكْ بِنَا مِنَ التُّقٰى خِلَافَ سَبِيْلِهٖ مِنَ الرَّدٰى.

(مستحکم) ہے، اور ہمیں اس کی گمراہی کے مقابلہ میں تقویٰ و پرہیزگاری کا زادِراہ دے اور اس کی ہلاکت آفرین راہ کے خلاف رشد اور تقویٰ کے راستے پر لے چل۔

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ لَهٗ فِيْ قُلُوْبِنَا مَدْخَلًا، وَ لَا تُوْطِنَنَّ لَهٗ فِيْمَا لَدَيْنَا مَنْزِلًا.

اے اللہ! ہمارے دلوں میں اسے عمل دخل کا موقع نہ دے اور ہمارے پاس کی چیزوں میں اس کیلئے منزل مہیا نہ کر۔

اَللّٰهُمَّ وَ مَا سَوَّلَ لَنَا مِنْ بَاطِلٍ فَعَرِّفْنَاهُ، وَ اِذَا عَرَّفْتَنَاهُ فَقِنَاهُ، وَ بَصِّرْنَا مَا نُكَايِدُهٗ بِهٖ، وَ اَلْهِمْنَا مَا نُعِدُّهٗ لَهٗ، وَ اَيْقِظْنَا عَنْ سِنَةِ الْغَفْلَةِ بِالرُّكُوْنِ اِلَيْهِ، وَ اَحْسِنْ بِتَوْفِيْقِكَ عَوْنَنَا عَلَيْهِ.

اے اللہ! وہ جس بیہودہ بات کو خوشنما بنا کے ہمیں دکھائے وہ ہمیں پہچنوا دے، اور جب پہچنوا دے تو اس سے ہماری حفاظت بھی فرما، اور ہمیں اس کو فریب دینے کے طور طریقوں میں بصیرت اور اس کے مقابلہ میں سروسامان کی تیاری کی تعلیم دے، اور اس خواب غفلت سے جو اس کی طرف جھکاؤ کا باعث ہو ہوشیار کر دے اور اپنی توفیق سے اسکے مقابلہ میں کامل نصرت عطا فرما۔

اَللّٰهُمَّ وَ اَشْرِبْ قُلُوْبَنَآ اِنْكَارَ عَمَلِهٖ، وَ الْطُفْ لَنَا فِيْ نَقْضِ حِيَلِهٖ.

بارالٰہا! اس کے اعمال سے ناپسندیدگی کا جذبہ ہمارے دلوں میں بھر دے اور اس کے حیلوں کو توڑنے کی توفیق کرامت فرما۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ حَوِّلْ سُلْطَانَهٗ عَنَّا، وَ اقْطَعْ رَجَآءَهٗ مِنَّا، وَ ادْرَاْهُ عَنِ الْوُلُوْعِ بِنَا.

اے اللہ! رحمت نازل فرما محمدؐ اور ان کی آلؑ پر اور شیطان کے تسلط کو ہم سے ہٹا دے، اور اس کی امیدیں ہم سے قطع کر دے، اور ہمیں گمراہ کرنے کی حرص و آز سے اسے دور کر دے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اجْعَلْ اٰبَآءَنَا وَ اُمَّهَاتِنَا وَ اَوْلَادَنَا، وَ اَهَالِيَنَا وَ ذَوِيْ اَرْحَامِنَا وَ قَرَابَاتِنَا، وَ جِيْرَانَنَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنَاتِ مِنْهُ فِيْ حِرْزٍ حَارِزٍ، وَ حِصْنٍ حَافِظٍ، وَ كَهْفٍ مَّانِعٍ، وَ اَلْبِسْهُمْ مِنْهُ جُنَنًا وَّاقِيَةً، وَ

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور ہمارے باپ داداؤں، ہماری ماؤں، ہماری اولادوں، ہمارے قبیلہ والوں، عزیزوں، رشتہ داروں اور ہمسایہ میں رہنے والے مومن مردوں اور مومنہ عورتوں کو اس کے شر سے ایک محکم جگہ، حفاظت کرنے والے قلعہ اور روک تھام کرنے والی پناہ میں رکھ، اور اس سے بچا لے جانے والی زرہیں انہیں پہنا، اور اس کے مقابلہ میں

اَعْطِهِمْ عَلَيْهِ اَسْلِحَةً مَّاضِيَةً.

اَللّٰهُمَّ وَ اعْمُمْ بِذٰلِكَ مَنْ شَهِدَ لَكَ بِالرُّبُوْبِيَّةِ، وَ اَخْلَصَ لَكَ بِالْوَحْدَانِيَّةِ، وَ عَادَاهُ لَكَ بِحَقِيْقَةِ الْعُبُوْدِيَّةِ، وَ اسْتَظْهَرَ بِكَ عَلَيْهِ فِيْ مَعْرِفَةِ الْعُلُوْمِ الرَّبَّانِيَّةِ.

اَللّٰهُمَّ احْلُلْ مَا عَقَدَ، وَ افْتُقْ مَا رَتَقَ، وَ افْسَخْ مَا دَبَّرَ، وَ ثَبِّطْهُ اِذَا عَزَمَ، وَ انْقُضْ مَاۤ اَبْرَمَ.

اَللّٰهُمَّ وَ اهْزِمْ جُنْدَهٗ، وَ اَبْطِلْ كَيْدَهٗ وَ اهْدِمْ كَهْفَهٗ، وَ اَرْغِمْ اَنْفَهٗ.

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا فِيْ نَظْمِ اَعْدَآئِهٖ، وَ اعْزِلْنَا عَنْ عِدَادِ اَوْلِيَآئِهٖ، لَا نُطِيْعُ لَهٗ اِذَا اسْتَهْوَانَا، وَ لَا نَسْتَجِيْبُ لَهٗ اِذَا دَعَانَا، نَاْمُرُ بِمُنَاوَاتِهٖ، مَنْ اَطَاعَ اَمْرَنَا، وَ نَعِظُ عَنْ مُّتَابَعَتِهٖ مَنِ اتَّبَعَ زَجْرَنَا.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِيّٖنَ وَ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ، وَ عَلٰۤى اَهْلِ بَيْتِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ، وَ اَعِذْنَا وَ اَهَالِيَنَا وَ اِخْوَانَنَا وَ جَمِيْعَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنَاتِ مِمَّا اسْتَعَذْنَا مِنْهُ، وَ اَجِرْنَا

تیز دھار والے ہتھیار انہیں عطا کر۔

بارالٰہا! اس دُعا میں ان لوگوں کو بھی شامل کر جو تیری ربوبیت کی گواہی دیں، اور دوئی کے تصور کے بغیر تجھے یکتا سمجھیں، اور حقیقتِ عبودیت کی روشنی میں تیری خاطر اسے دشمن رکھیں، اور الٰہی علوم کے سیکھنے میں اس کے برخلاف تجھ سے مدد چاہیں۔

اے اللہ! جو گرہ وہ لگائے اسے کھول دے، جسے جوڑے اسے توڑ دے، اور جو تدبیر کرے اسے ناکام بنا دے، اور جب کوئی ارادہ کرے اسے روک دے، اور جسے فراہم کرے اُسے درہم و برہم کر دے۔

خدایا! اس کے لشکر کو شکست دے، اسکے مکر و فریب کو ملیا میٹ کر دے، اس کی پناہ گاہ کو ڈھا دے، اور اس کی ناک رگڑ دے۔

اے اللہ! ہمیں اس کے دشمنوں میں شامل کر، اور اس کے دوستوں میں شمار ہونے سے علیحدہ کر دے، تاکہ وہ ہمیں بہکائے تو اس کی اطاعت نہ کریں، اور جب ہمیں پکارے تو اس کی آواز پر لبیک نہ کہیں، اور جو ہمارا حکم مانے ہم اسے اس سے دشمنی رکھنے کا حکم دیں، اور جو ہمارے روکنے سے باز آئے اسے اس کی پیروی سے منع کریں۔

اے اللہ! رحمت نازل فرما محمدؐ پر جو تمام نبیوں کے خاتم اور سب رسولوں کے سرتاج ہیں، اور ان کے اہل بیتؑ پر جو طیب و طاہر ہیں، اور ہمارے عزیزوں، بھائیوں اور تمام مومن مردوں اور مومنہ عورتوں کو اس چیز سے پناہ میں رکھ جس سے ہم نے پناہ مانگی ہے اور جس چیز سے خوف کھاتے ہوئے ہم نے تجھ سے امان چاہی

مِمَّا اسْتَجَرْنَا بِكَ مِنْ خَوْفِهٖ، وَ اسْمَعْ لَنَا مَا دَعَوْنَا بِهٖ، وَ اَعْطِنَا مَاۤ اَغْفَلْنَاهُ، وَ احْفَظْ لَنَا مَا نَسِيْنَاهُ، وَ صَيِّرْنَا بِذٰلِكَ فِیْ دَرَجَاتِ الصّٰلِحِيْنَ وَ مَرَاتِبِ الْمُؤْمِنِيْنَ، اٰمِيْنَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ.

--☆☆--

ہے اس سے امان دے، اور جو درخواست کی ہے اسے منظور فرما، اور جس کے طلب کرنے میں غفلت ہو گئی ہے اسے مرحمت فرما، اور جسے بھول گئے ہیں اسے ہمارے لئے محفوظ رکھ، اور اس وسیلہ سے ہمیں نیکوکاروں کے درجوں اور اہل ایمان کے مرتبوں تک پہنچا دے، ہماری دُعا قبول فرما، اے تمام جہان کے پروردگار۔

--☆☆--

وہ محرکاتِ شر جو انسان پر ہر طرف سے ہجوم کئے ہوئے ہیں، ان میں وہ خطرات و وساوس بھی شامل ہیں جو انسان کے دل میں پیدا ہوتے اور اُسے متاثر کرتے ہیں۔ فلاسفہ کے نزدیک یہ خیالاتِ فاسدہ قوت واہمہ کے تسلط کا نتیجہ ہیں جو انسانی حیات کو متاثر کرتی اور عقل کے تقاضوں سے متصادم رہتی ہے۔ اور بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ جسم سے الگ ہونے والی روحوں میں جو اچھی روحیں ہوتی ہیں وہ نیکوکارانہ زندگی کا راستہ ہموار کرتی اور حق وصداقت کی راہ کا سالک بناتی ہیں اور جو بُری ہوتی ہیں وہ برائیوں کی طرف لے چلتی ہیں اور گناہوں پر اُبھارتی ہیں۔ ان اچھی روحوں کو وہ جنّات سے اور بُری روحوں کو شیاطین سے تعبیر کرتے ہیں اور خیالاتِ فاسدہ کو انہی ارواح خبیثہ کی تحریک کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔

مگر اسلامی نقطۂ نظر یہ ہے کہ بُرے افکار و تخیلات چاہے وہ کسی عمل بد کے محرک ہوں یا صرف خیالات تک محدود ہوں ایک ناری مخلوق کی وسوسہ انگیزی سے پیدا ہوتے ہیں، جو حسد وخود پسندی کی وجہ سے مردودِ بارگاہ قرار پائی اور ایک معینہ عرصہ تک ضلالت و معصیت کی طرف دعوت دیتی رہے گی، اُسے شیطان کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اور اچھے خیالات و جذبات خواہ وہ کسی عمل خیر کا پیش خیمہ ہوں یا صرف خیالات تک محدود ہوں، فیضانِ الٰہی کا کرشمہ ہیں جسے القاء والہام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

فِی الْقَلْبِ لَمَّتَانِ: لَمَّةٌ مِّنَ الْمَلَكِ اِيْعَادٌ بِالْخَيْرِ وَ تَصْدِيْقٌ بِالْحَقِّ، وَ لَمَّةٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ اِيْعَادٌ بِالشَّرِّ وَ تَكْذِيْبٌ بِالْحَقِّ.

انسان کے دل میں دو طرح کے خیالات و افکار وارد ہوتے ہیں: ایک ملک کی جانب سے اور وہ دل میں نیکی کا ارادہ اور حق کی تصدیق کا جذبہ پیدا کرتے ہیں اور دوسرے شیطان کی طرف سے اور وہ گناہ وشر اور حق کی تکذیب پر آمادہ کرتے ہیں۔[1]

اور انسان کا دل ان دونوں قسم کے خیالات کی آماجگاہ ہے اور دونوں کی یکساں صلاحیت رکھتا ہے۔ البتہ کبھی بداعمالیوں میں حد سے بڑھ جانے کی وجہ سے توفیق سلب کر لی جاتی ہے اور نورِ ہدایت سے محروم ہو کر تاریکیوں میں بھٹکتا رہتا ہے۔ اور کبھی خوش اطواریوں کے نتیجہ میں توفیقات بڑھ جاتے ہیں اور شیطان کی فریب کاریوں کے بندھن ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ ان اچھی اور بُری تحریکات کے اثرات اس کے اقوال و اعمال اور

[1] شرح اصول الکافی، ج ۱، ص ۲۴۶۔ تفسیر المراغی، ج ۲۹، ص ۹۴۔

حرکات وسکنات سے ظاہر ہوتے رہتے ہیں ۔ جہاں تک ان اچھے اور بُرے کاموں کا تعلق ہے وہ اسی کے حُسنِ اختیار وسُوء اختیار کا نتیجہ ہیں ۔ نہ توفیق بہ جبر اسے نیکی کی طرف لاتی ہے اور نہ وسوسہ بہ جبر اُسے بُرائی کی جانب لاتا ہے کہ اُسے مجبور ومعذور قرار دے لیا جائے ۔ کیونکہ انسانی افعال واعمال کی نوعیت یہ ہے کہ وہ ایک طبعی ترتیب سے وابستہ ہیں ۔ اس طرح کہ پہلے کسی چیز میں لذت ومنفعت کا تصور پیدا ہوتا ہے ۔ اس تصور کا نام ''داعی'' ہے جس کے نتیجہ میں انسان اس کے حصول کی طرف مائل ہوتا ہے ۔ اس میلان کا نام ''ارادہ'' ہے ۔ پھر قدرت واختیار کے زیر اثر اعضاء میں حرکت پیدا ہوتی ہے اور وہ فعل ظہور میں آتا ہے جس سے اس شے کا حصول وابستہ ہے ۔ اور ظاہر ہے کہ جب کسی چیز میں لذت ومنفعت کا تصور ہوگا تو اس کی طرف میلان کا ہونا ایک لازمی وطبعی امر ہے اور اگر کوئی مانع نہ ہو تو ارادہ وقدرت کے اجتماع سے فعل کا ظہور بھی ضروری ہے ۔ لہٰذا ان میں سے کسی ایک میں بھی شیطان کا عمل دخل نہیں مانا جاسکتا ۔

اب صرف یہ ایک صورت رہ جاتی ہے کہ جس چیز میں لذت ومنفعت کا تصور پیدا ہوا ہے وہ شیطان کے بہکانے کا نتیجہ ہو ۔ چنانچہ یہی وہ محل ہے جہاں وہ اپنے فریبوں اور حیلوں سے کام لیتا ہے اور زہر ہلاہل کو شہد وشکر کہہ کر پیش کرتا ہے اور اس کے بعد کے مراحل اس کے ارادہ واختیار سے وابستہ ہیں ۔ اس لئے اُسے معذور نہیں قرار دیا جاسکتا کہ یہ کہہ کر چھوٹ جائے کہ شیطان کے بہکانے میں آگیا ۔ کیونکہ ایک طرف عقل کا چراغ روشن ہے اور دوسری طرف آسمانی تعلیم ہدایت کیلئے موجود ہے ۔ اب وہ ان دونوں کے سدراہ ہونے کے باوجود برائی کی طرف قدم اٹھاتا اور حصولِ لذت کی دُھن میں عواقب ونتائج سے آنکھیں بند کر لیتا ہے تو اس ہلاکت آفرینی کی ذمہ داری اسی پر عائد ہوگی ۔ چنانچہ قرآن مجید میں شیطان کی زبانی وارد ہوا ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ﴾

مجھے تم پر کوئی تسلّط نہ تھا سوا اس کے کہ میں نے تمہیں پکارا تو تم نے میری آواز پر لبیک کہی ۔[۱]

ان شیطانی تحریصات وترغیبات کا سلسلہ اس طرح شروع ہوتا ہے کہ پہلے وہ انسان کے دل میں فاسد خیالات کیلئے راہ پیدا کرتا ہے اور جب انسان کا دل ودماغ ان فاسد خیالات کو بغیر روک ٹوک کے قبول کر لیتا ہے تو اس کے تحت الشعور میں لذت اندوزی کی خواہش بیدار ہوتی ہے ۔ مگر اخلاقی قوانین، شرعی احکام اور ماحول کے تاثرات اسے گناہ کی جرأت نہیں ہونے دیتے ۔ اس موقع پر وہ انسان کی خواہش پرست طبیعت کو گناہِ صغیرہ کی طرف مائل کرتا ہے ۔ اس طرح کہ ایک طرف اس گناہ کی اہمیت کو کم کر کے دکھاتا ہے اور دوسری طرف اس کی ہمت وجرأت بڑھاتا ہے اور جب گناہ کی خواہش اسے گناہِ صغیرہ کی منزل میں لاکھڑا کرتی ہے تو پھر وہ گناہِ کبیرہ کی دعوت دیتا ہے اور جب وہ اس کے ارتکاب سے ہچکچاتا اور پاداشِ عمل سے ڈرتا ہے تو یہ ڈھارس دیتا ہے کہ توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے جب چاہو توبہ کر سکتے ہو ۔ اور جب وہ توبہ کے سہارے پر گناہ کر لیتا ہے تو پھر دوبارہ یہ کہہ کر اکساتا ہے کہ جہاں ایک دفعہ گناہ کیا ہے وہاں ایک دفعہ اور سہی اور دونوں سے ایک دفعہ توبہ ہو جائے گی ۔ اور جب دوسری دفعہ ارتکابِ گناہ کے بعد توبہ کا قصد کرتا ہے تو یہ کہتا ہے کہ ابھی زندگی بہت باقی ہے ایک آدھ مرتبہ اور سہی پھر توبہ کر لینا ۔ یہاں تک کہ گناہ کی عادت اس

---

[۱] سورۂ ابراہیمؑ، آیت ۲۲ ۔

حد تک پختہ ہو جاتی ہے کہ گناہ سے دست بردار ہونا مشکل ہو جاتا ہے اور بھولے سے بھی توبہ کا خیال نہیں آتا۔ اور جس طرح وہ ناسور جس کا شروع شروع میں علاج نہ کیا جائے اپنے زہریلے اثرات تمام جسم میں پھیلا دیتا ہے، اسی طرح گناہ کے مسموم اثرات رگ و پے میں سرایت کر جاتے ہیں اور گناہ کا احساس تک باقی نہیں رہتا اور وہ بے جھجک گناہوں میں پھاندتا، گمراہیوں میں بھٹکتا اور اپنی سرمستیوں میں کھویا رہتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ﴾

شیطان نے ان کیلئے ان کے کاموں کو سج دیا، چنانچہ وہ سیدھے راستہ سے بے راہ ہو گئے۔[1]

یوں ہی کسی عمل خیر سے روکنا چاہتا ہے تو پہلے سہل انگاری کی طرف لاتا ہے، پھر غفلت کی راہ پر ڈال دیتا ہے۔ چنانچہ صبح کے وقت جب فطرت کی مسرت آمیز تر و تازگی ہر چیز میں دوڑتی ہے اور فضا تکبیر کی صداؤں سے گونج اٹھتی ہے تو وہ بستر پر کروٹیں بدلنے والے کو تھپکیاں دے کر سلاتا ہے کہ ابھی وقت بہت ہے کچھ دیر اور آرام کرلو۔ یہاں تک کہ جب وقت تنگ رہ جاتا ہے تو وہ کسمساتا اور آنکھیں ملتا ہوا اٹھتا ہے اور بمشکل صبح کا دوگانہ ادا کر پاتا ہے اور رفتہ رفتہ یہ ہوتا ہے کہ وقت گزر جاتا ہے اور اُسے بستر سے اٹھنا دوبھر ہو جاتا ہے۔ اور جب سورج نکلنے کے بعد بستر سے اٹھتا ہے تو نماز قضا کر کے پڑھتا ہے۔ پھر اس میں بھی سستی ہونے لگتی ہے اور ظہر کی نماز کے ساتھ نمازِ صبح قضا کر کے پڑھی جاتی ہے۔ اور جب ظہر و عصر کی نماز بھی قریب غروب پڑھی جاتی ہے تو صبح کی نماز کو کل پر ٹال دیا جاتا ہے یہاں تک کہ صبح کی نماز کی یہ صورت ہو جاتی ہے کہ کبھی قضا پڑھ لی اور کبھی چھوڑ دی۔ اب اس سہل انگاری کا اثر دوسری نمازوں پر بھی پڑنا شروع ہوا۔ اس طرح کہ دوست و احباب کی باتوں میں لگے رہے اور وقت کھو دیا۔ کچھ طبیعت میں اضمحلال محسوس کیا اور نماز چھوڑ دی۔ رفتہ رفتہ ناغوں میں اضافہ ہونے لگا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ صرف عید و بقر عید کی نماز رہ گئی اور باقی ختم، اور وہ بھی اس لئے کہ ذرا عید گاہ کی چہل پہل دیکھ لیں اور اعزہ و احباب سے ملاقات ہو جائے۔

اسی طرح جب مالی عبادات سے روکنا چاہتا ہے تو یہ فریب دیتا ہے کہ فی الحال خمس و زکوٰۃ وغیرہ کو اپنے ذمہ کرلو جب فلاں مد کا روپیہ آئے گا تو ادا کر دینا اور اس وقت ادا کرنے سے کاروبار پر بُرا اثر پڑے گا اور اسلام یہ نہیں چاہتا کہ تم اپنی اقتصادی حالت کو خراب ہونے دو۔ اگرچہ فقراء و مساکین موجود ہیں مگر ان کا انحصار ہم ہی پر تو نہیں ہے، انہیں کہیں اور سے مل جائے گا۔ اور پھر ان محتاجوں اور فقیروں کو دینے سے خود بھی تو محتاج ہونے کا اندیشہ ہے، لہٰذا ان میں سے اگر ایک محتاج کم ہو گا تو اس کی جگہ دوسرا آجائے گا۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ﴾

شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور بُرے کاموں کا حکم دیتا ہے۔[2]

نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ حالات کے سازگار ہونے کا منتظر رہتا ہے اور وہ کبھی سازگار ہوتے ہی نہیں کہ وہ صدقاتِ واجبہ اور مالی عبادات سے عہدہ برآ ہو سکے۔ بہر حال شیطان کی پُر فریب و عشرت انگیز دعوت کے مقابلہ میں گناہ کی آلودگیوں سے حفاظت کرنا مشکل ہے اور اس کے حیل و وساوس سے

[1] سورۂ نمل، آیت ۲۴۔

[2] سورۂ بقرہ، آیت ۲۶۸۔

ایک عام انسان بچ کر نہیں رہ سکتا۔ مگر وہ نفوس قدسیہ جو جوہرِ عصمت سے آراستہ اور ملکوتی صفات کے حامل ہوتے ہیں وہ کسی مرحلہ پر اُس کے فریب میں نہیں آتے اور نہ اس کا کوئی حربہ اُن پر چل سکتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ﴾

میرے خاص بندوں پر تجھے غلبہ وتسلّط حاصل نہیں۔[1]

اور شیطان نے بھی ﴿اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ﴾[2]: مگر تیرے مخلص بندے"۔ کہہ کر ان کے مقابلہ میں اپنے عجز کا اظہار کیا ہے۔ مگر پھر بھی انہیں قدرت نے شیطان سے پناہ مانگنے کی تلقین کی ہے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حکم دیا:

﴿فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ﴾

جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود سے پناہ مانگ لیا کرو۔[3]

یہ "استعاذہ" دُعا ہی کی ایک قسم ہے اور جس طرح بعض اُمور دُعا سے وابستہ ہیں اسی طرح شیطانی حربوں سے حفاظت کا ایک ذریعہ استعاذہ بھی ہے اور انبیاء وآئمہ علیہم السلام کے استعاذہ کا مقصد دوسروں کو تعلیم دینا بھی ہوتا ہے کہ جب وہ اس کے فریب سے مامون اور اس کے تسلّط سے آزاد ہونے کے باوجود پناہ مانگتے ہیں تو جو اس کی زد پر ہیں اور بآسانی اس کے قابو میں آجاتے ہیں، وہ کس طرح استعاذہ سے مستغنی ہو سکتے ہیں۔

اس دُعا میں استعاذہ کے علاوہ اس کے وسوسوں کو مضمحل کرنے کیلئے دو چیزوں کی تعلیم بھی دی گئی ہے: ایک محبتِ الٰہی اور دوسرے بندگی وعبادت۔ کیونکہ جب دل اللہ تعالیٰ کی محبت میں سرشار ہوگا تو اس کے دشمن کی فریب کاریاں بہکا نہ سکیں گی۔ اور جب عبادت میں انہماک ہوگا تو نفس میں عجز وتذلل کی کیفیت پیدا ہوگی اور یہ کیفیت شیطانی وساوس سے سدّراہ ہوجاتی ہے۔

☆☆☆☆☆

---

[1] سورۂ حجر، آیت ۴۲۔

[2] سورۂ حجر، آیت ۴۰۔

[3] سورۂ نحل، آیت ۹۸۔

(۱۸) وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

اِذَا دُفِعَ عَنْهُ مَا يَحْذَرُ، اَوْ عُجِّلَ لَهٗ مَطْلَبُهٗ:

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى حُسْنِ قَضَآئِكَ، وَ بِمَا صَرَفْتَ عَنِّيْ مِنْ بَلَآئِكَ، فَلَا تَجْعَلْ حَظِّيْ مِنْ رَّحْمَتِكَ مَا عَجَّلْتَ لِيْ مِنْ عَافِيَتِكَ، فَاَكُوْنَ قَدْ شَقِيْتُ بِمَآ اَحْبَبْتُ وَ سَعِدَ غَيْرِيْ بِمَا كَرِهْتُ.

وَ اِنْ يَّكُنْ مَّا ظَلِلْتُ فِيْهِ اَوْ بِتُّ فِيْهِ، مِنْ هٰذِهِ الْعَافِيَةِ بَيْنَ يَدَيْ بَلَآءٍ لَّا يَنْقَطِعُ، وَ وِزْرٍ لَّا يَرْتَفِعُ فَقَدِّمْ لِيْ مَآ اَخَّرْتَ، وَ اَخِّرْ عَنِّيْ مَا قَدَّمْتَ، فَغَيْرُ كَثِيْرٍ مَّا عَاقِبَتُهُ الْفَنَآءُ، وَ غَيْرُ قَلِيْلٍ مَّا عَاقِبَتُهُ الْبَقَآءُ، وَ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ.

--☆☆--

دُعا (۱۸)

جب کوئی مصیبت برطرف ہوتی یا کوئی حاجت پوری ہوتی تو یہ دُعا پڑھتے:

اے اللہ! تیرے ہی لئے حمد و ستائش ہے تیرے بہترین فیصلہ پر اور اس بات پر کہ تو نے بلاؤں کا رخ مجھ سے موڑ دیا، تو میرا حصہ اپنی رحمت میں سے صرف اس دنیوی تندرستی میں منحصر نہ کر دے کہ میں اپنی اس پسندیدہ چیز کی وجہ سے (آخرت کی) سعادتوں سے محروم رہوں اور دوسرا میری ناپسندیدہ چیز کی وجہ سے خوش بختی وسعادت حاصل کر لے جائے،

اور اگر یہ تندرستی کہ جس میں دن گزارا ہے یا رات بسر کی ہے کسی لازوال مصیبت کا پیش خیمہ اور کسی دائمی وبال کی تمہید بن جائے تو جس (زحمت و اندوہ) کو تو نے مؤخر کیا ہے اسے مقدم کر دے، اور جس (صحت و عافیت) کو مقدم کیا اسے مؤخر کر دے، کیونکہ جس چیز کا نتیجہ فنا ہو وہ زیادہ نہیں، اور جس کا انجام بقا ہو وہ کم نہیں۔ اے اللہ! تو محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما۔

--☆☆--

دنیا کے مصائب و آلام، ابدی عیش و آرام کا پیش خیمہ ہیں۔ اس لئے خداوند عالم اپنے مخصوص بندوں کو رنج و زحمت میں مبتلا دیکھنا چاہتا ہے۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

وَ مَآ اَحَبَّ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ قَوْمًا اِلَّا ابْتَلَاهُمْ.

خدا جن لوگوں کو دوست رکھتا ہے انہیں مصیبت و بلا میں جکڑ لیتا ہے۔[1]

اور جس کا مرتبہ جتنا بلند ہوتا ہے اسی قدر اسے رنج و محن سے سابقہ پڑتا ہے۔

[1] مسکن الفواد، ص ۱۲۴۔

چنانچہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے:

اَشَدُّ النَّاسِ بَلَآءً الْاَنْبِيَآءُ، ثُمَّ الْاَوْصِيَآءُ، ثُمَّ الْاَمَاثِلُ، فَالْاَمَاثِلُ.

سب سے زیادہ مصیبت میں انبیاء علیہم السلام مبتلا ہوتے ہیں، پھر اوصیاء علیہم السلام، پھر علی الترتیب دوسرے برگزیدگانِ خدا۔[1]

اور اس مصیبت کے لحاظ سے ان کے اجر وثواب میں اضافہ اور ان کے درجات میں بلندی ہوتی ہے۔ چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِنَّ عَظِيْمَ الْبَلَآءِ يُكَافِئُ بِهٖ عَظِيْمُ الْجَزَآءِ، فَاِذَآ اَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا ابْتَلَاهُ بِعَظِيْمِ الْبَلَآءِ.

بڑی مصیبت کی جزا بھی بڑی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو اپنی محبت کا مرکز بناتا ہے تو اسے سختیوں سے آزماتا ہے۔[2]

چنانچہ خاصانِ خدا بڑی سے بڑی مصیبتوں میں ڈالے گئے، طرح طرح کی آزمائشوں سے دوچار ہوئے مگر محبت ورضا کے جذبۂ بے پایاں کے زیرِ اثر رنج ومصیبت کے کڑوے گھونٹ خوشی سے پیتے رہے۔ نہ ان کے چہروں پر کڑواہٹ کھلی، نہ اُن کی پیشانیوں پر بَل آئے اور نہ زبان شکوہ و شکایت سے آلودہ ہوئی۔ بلکہ مصیبت کے پھندوں سے رہائی نصیب ہوتی یا کسی مرض سے شفا حاصل ہوتی تو جہاں اُن کے دل میں شکر کا جذبہ پیدا ہوتا تھا وہاں یہ اندیشہ بھی دامن گیر ہوتا تھا کہ کہیں یہ آسائش وعافیت آخرت کی کسی کامرانی اور عقبیٰ کی کسی سعادت سے محرومی کا باعث نہ بن جائے۔ چنانچہ امام علیہ السلام اس دُعا میں ایک طرف صحت وعافیت کے حصول اور ابتلاءٔ مصیبت سے رہائی پر شکریہ ادا کرتے ہیں تو دوسری طرف یہ اندیشہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ اگر عافیت کا دور طویل ہو جائے تو یہ کہیں صبر وضبط کے ثواب سے محرومی کا باعث نہ بن جائے۔ مقصد یہ ہے کہ دنیا کے کسی آرام وراحت کا اثر آخرت کی زندگی پر نہ پڑے۔ اور اگر پڑتا ہے تو پھر وہاں کی تکلیف کے بجائے دنیا ہی میں مجھ پر تکلیف ڈال دی جائے۔ کیونکہ دنیا کی تکلیفیں خواہ کتنی شدید ہوں انہیں جھیلا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ انہیں ایک نہ ایک دن ختم ہونا ہے۔ اور آخرت کی تکلیفوں اور صعوبتوں کو برداشت نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ان کا سلسلہ خدا جانے کہاں پر ختم ہونے والا ہے۔ لہٰذا یہ صحت وتندرستی اور آسائش وراحت جو دنیا میں مجھے نصیب ہوئی ہے اس پر اسی صورت میں خوش ہوں کہ یہ مصیبتوں پر اجر وثواب اور آخرت کی سعادت وکامرانی سے محرومی کا سبب نہ بنے۔

☆☆☆☆☆

---

[1] الکافی، ج ۲، ص ۲۵۳۔

[2] ریاض السالکین، ج ۳، ص ۲۲۴۔

(۱۹) وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

عِنْدَ الْاِسْتِسْقَآءِ بَعْدَ الْجَدْبِ

اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا الْغَيْثَ، وَ انْشُرْ عَلَيْنَا رَحْمَتَكَ بِغَيْثِكَ الْمُغْدِقِ مِنَ السَّحَابِ الْمُنْسَاقِ، لِنَبَاتِ اَرْضِكَ الْمُوْنِقِ فِيْ جَمِيْعِ الْاٰفَاقِ.

وَ امْنُنْ عَلٰى عِبَادِكَ بِاِيْنَاعِ الثَّمَرَةِ، وَ اَحْيِ بِلَادَكَ بِبُلُوْغِ الزَّهَرَةِ، وَ اَشْهِدْ مَلٰٓئِكَتَكَ الْكِرَامَ السَّفَرَةَ بِسَقْيٍ مِّنْكَ نَافِعٍ، دَآئِمٍ غُزْرُهٗ، وَاسِعٍ دِرَرُهٗ، وَابِلٍ سَرِيْعٍ عَاجِلٍ، تُحْيِيْ بِهٖ مَا قَدْ مَاتَ، وَ تَرُدُّ بِهٖ مَا قَدْ فَاتَ، وَ تُخْرِجُ بِهٖ مَا هُوَ اٰتٍ، وَ تُوَسِّعُ بِهٖ فِي الْاَقْوَاتِ، سَحَابًا مُّتَرَاكِمًا، هَنِيْٓئًا مَّرِيْٓئًا، طَبَقًا مُّجَلْجَلًا، غَيْرَ مُلِثٍّ وَدْقُهٗ، وَلَا خُلَّبٍ بَرْقُهٗ.

اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُّغِيْثًا، مَّرِيْعًا مُّمْرِعًا، عَرِيْضًا وَّاسِعًا غَزِيْرًا، تَرُدُّ بِهِ النَّهِيْضَ، وَ تَجْبُرُ بِهِ الْمَهِيْضَ.

دُعا (۱۹)

قحط سالی کے موقعہ پر طلبِ باراں کی دُعا

بارالٰہا! ابرِ باراں سے ہمیں سیراب فرما، اور ان ابروں کے ذریعہ ہم پر دامن رحمت پھیلا جو موسلا دھار بارشوں کے ساتھ زمین کے سبزۂ خوش رنگ کی روئیدگی کا سرو سامان لئے ہوئے اطراف عالم میں روانہ کئے جاتے ہیں۔

اور پھلوں کے پختہ ہونے سے اپنے بندوں پر احسان فرما، اور شگوفوں کے کھلنے سے اپنے شہروں کو زندگیٔ نوبخش اور اپنے معزز و باوقار فرشتوں اور سفیروں کو ایسی نفع رساں بارش پر آمادہ کر جس کی فراوانی دائم اور روانی ہمہ گیر ہو، اور بڑی بوندوں والی، تیزی سے آنے والی اور جلد برسنے والی ہو، جس سے تو مردہ چیزوں میں زندگی دوڑا دے، گزری ہوئی بہاریں پلٹا دے اور جو چیزیں آنے والی ہیں انہیں نمودار کر دے، اور سامان معیشت میں وسعت پیدا کر دے، ایسا ابر چھائے جو تہہ بہ تہہ، خوش آئند و خوشگوار، زمین پر محیط اور گھن گرج والا ہو، اور اس کی بارش لگا تار نہ برسے (کہ کھیتوں اور مکانوں کو نقصان پہنچے) اور نہ اس کی بجلی دھوکا دینے والی ہو (کہ چمکے، گرجے اور برسے نہیں)۔

بارالٰہا! ہمیں اس بارش سے سیراب کر جو خشک سالی کو دور کرنے والی، (زمین سے) سبزہ اُگانے والی، (دشت و صحرا کو) سرسبز کرنے والی، بڑے پھیلاؤ اور بڑھاؤ اور ان تھاہ گہراؤ والی ہو، جس سے تو مرجھائی ہوئی گھاس کی رونق پلٹا دے، اور سوکھے سڑے سبزے میں جان پیدا کر دے۔

اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا سَقْيًا تُسِيْلُ مِنْهُ الظِّرَابَ، وَ تَمْلَاُ مِنْهُ الْجِبَابَ، وَ تُفَجِّرُ بِهِ الْاَنْهَارَ، وَ تُنْبِتُ بِهِ الْاَشْجَارَ، وَ تُرْخِصُ بِهِ الْاَسْعَارَ فِيْ جَمِيْعِ الْاَمْصَارِ، وَ تَنْعَشُ بِهِ الْبَهَآئِمَ وَ الْخَلْقَ، وَ تُكْمِلُ لَنَا بِهٖ طَيِّبَاتِ الرِّزْقِ، و تُنْبِتُ لَنَا بِهِ الزَّرْعَ ،وَ تُدِرُّ بِهِ الضَّرْعَ، وَ تَزِيْدُنَا بِهٖ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِنَا.

خدایا! ہمیں ایسی بارش سے سیراب کر جس سے تو ٹیلوں پر سے پانی کے دھارے بہادے، کنویں چھلکا دے، نہریں جاری کردے، درختوں کو تر و تازہ و شاداب کردے، شہروں میں نرخوں کی ارزانی کر دے، چوپاؤں اور انسانوں میں نئی روح پھونک دے، پاکیزہ روزی کا سرو سامان ہمارے لئے مکمل کر دے، کھیتوں کو سرسبز و شاداب کردے اور چوپاؤں کے تھنوں کو دودھ سے بھر دے اور اس کے ذریعہ ہماری قوت و طاقت میں مزید قوت کا اضافہ کردے۔

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ ظِلَّهٗ عَلَيْنَا سَمُوْمًا، وَ لَا تَجْعَلْ بَرْدَهٗ عَلَيْنَا حُسُوْمًا، وَ لَا تَجْعَلْ صَوْبَهٗ عَلَيْنَا رُجُوْمًا، وَ لَا تَجْعَلْ مَآئَهٗ عَلَيْنَآ اُجَاجًا.

بارالٰہا! اس ابر کی سایہ افگنی کو ہمارے لئے جھلسا دینے والا لوکا جھونکا، اس کی خنکی کو نحوست کا سرچشمہ اور اس کے برسنے کو عذاب کا پیش خیمہ اور اس کے پانی کو (ہمارے کام و دہن کیلئے) شور نہ قرار دینا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ، وَ ارْزُقْنَا مِنْ بَرَكَاتِ السَّمٰوَاتِ وَ الْاَرْضِ، اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ.

بار الٰہا! رحمت نازل فرما محمدؐ اور ان کی آلؑ پر اور ہمیں آسمان و زمین کی برکتوں سے بہرہ مند کر، اس لئے کہ تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

--☆☆--

جب بارش کے رُک جانے سے خشک سالی کے آثار ظاہر ہوتے ہیں تو اس سے سب ہی متاثر ہوتے ہیں۔ زمین پر تشنگی و بے آبی کی وجہ سے خاک اُڑتی ہے اور سیرابی کے نہ ہونے سے مُردہ ہو جاتی ہے۔ ہرے بھرے کھیت مُرجھا کر رہ جاتے ہیں۔ حیوان بوکھلائے ہوئے پریشان حال پھرتے ہیں۔ کسان حسرت بھری نظروں سے آسمان کو دیکھتا اور مایوسی سے سر جھکا لیتا ہے۔ غرض ہر چہرہ قحط زدگی سے اُداس اُداس نظر آتا ہے۔ اس موقع پر گناہوں سے توبہ و استغفار کرنا، اللہ سے لَو لگانا اور اس سے بارش کی دُعا مانگنا چاہیئے کہ یہی اس کا حل ہے۔ اور بہتر یہ ہے کہ نماز کے بعد دُعا مانگے کہ وہ جلد مستجاب ہوتی ہے اور اس سے بہتر یہ ہے کہ ''نمازِ استسقاء'' کی صورت میں دُعا کرے۔

''نمازِ استسقاء'' کا طریقہ یہ ہے کہ جمعہ کے دن خطیب یہ اعلان کرے کہ لوگ اپنے اخلاق و اطوار شائستہ بنائیں، توبہ و استغفار کریں، حقوق سے

سبکدوش ہوں اور کل سے تین روزے مسلسل رکھیں اور تیسرے دن عجز و انکسار کے ساتھ توبہ و استغفار کرتے ہوئے صحرا کی طرف نکل کھڑے ہوں۔ اس طرح کہ جوتے اُتار کر ہاتھوں میں اٹھالیں، بچے، بوڑھے، بوڑھی عورتیں اور چوپائے بھی ساتھ ہوں اور بچوں کو ماؤں سے علیحدہ کر دیا جائے اور صحرا میں پہنچ کر مؤذن تین مرتبہ «اَلصَّلٰوۃَ» پکارے اور امام دو رکعت نمازِ استسقاء کی نیت کرے اور حمد و سورۃ بلند آواز سے پڑھے۔ سورۃ ختم کرنے کے بعد پانچ مرتبہ تکبیر کہے اور ہر تکبیر کے بعد قنوت کیلئے ہاتھ اٹھائے اور یہ دُعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَ اِمَآئَكَ وَ بَهَآئِمَكَ، وَ انْشُرْ رَحْمَتَكَ، وَ اَحْيِ بِلَادَكَ الْمَيْتَةَ.

بارِالٰہا! تو اپنے بندوں، کنیزوں اور چوپایوں کو سیراب فرما اور اپنے دامن رحمت کو پھیلا دے اور اپنے مُردہ شہروں میں پھر سے زندگی پیدا کر دے۔[1]

پھر چھٹی تکبیر کہہ کر رکوع میں جائے اور دونوں سجدوں کے بعد دوسری رکعت کیلئے اٹھ کھڑا ہو اور حمد و سورۃ کے بعد چار مرتبہ تکبیر کہے اور ہر تکبیر کے بعد یہی دُعائے قنوت پڑھے اور پانچویں تکبیر کہہ کر رکوع میں جائے اور سجود اور تشہد کے بعد نماز ختم کرے اور ختم نماز کے بعد منبر پر جائے اور عبا کا دایاں حصّہ بائیں طرف اور بایاں حصّہ دائیں طرف کرلے۔ عبا کو اس طرح الٹنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ خداوند عالم اسی طرح موسم میں تبدیلی کر سکتا اور خشک سالی کو شادابی و سیرابی سے بدل سکتا ہے۔ پھر دو خطبے پڑھے اور خطبوں سے فارغ ہونے کے بعد قبلہ رُخ ہو کر سو مرتبہ «اَللّٰهُ اَكْبَرُ» کہے۔ پھر دائیں طرف رُخ کرے اور سو مرتبہ «لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ» کہے۔ پھر بائیں طرف رُخ کرے اور سو مرتبہ «سُبْحَانَ اللّٰهِ» کہے۔ پھر لوگوں کی طرف منہ کر کے سو مرتبہ «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ» کہے۔ اور دوسرے لوگ بھی ان کلمات کو ساتھ ساتھ دہراتے جائیں۔ یہ نماز طلوعِ آفتاب سے لے کر زوالِ آفتاب تک پڑھی جاسکتی ہے۔

☆☆☆☆☆

[1] ریاض السالکین، ج ۳، ص ۲۳۲۔

(۲۰) وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

فِيْ مَكَارِمِ الْاَخْلَاقِ وَ مَرْضِيِّ الْاَفْعَالِ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ بَلِّغْ بِاِيْمَانِيَ اَكْمَلَ الْاِيْمَانِ، وَ اجْعَلْ يَقِيْنِيَ اَفْضَلَ الْيَقِيْنِ، وَ انْتَهِ بِنِيَّتِيَ اِلٰى اَحْسَنِ النِّيَّاتِ، وَ بِعَمَلِيَ اِلٰى اَحْسَنِ الْاَعْمَالِ.

اَللّٰهُمَّ وَفِّرْ بِلُطْفِكَ نِيَّتِيْ، وَ صَحِّحْ بِمَا عِنْدَكَ يَقِيْنِيْ، وَ اسْتَصْلِحْ بِقُدْرَتِكَ مَا فَسَدَ مِنِّيْ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اكْفِنِيْ مَا يَشْغَلُنِي الْاِهْتِمَامُ بِهٖ، وَ اسْتَعْمِلْنِيْ بِمَا تَسْئَلُنِيْ غَدًا عَنْهُ، وَ اسْتَفْرِغْ اَيَّامِيْ فِيْمَا خَلَقْتَنِيْ لَهٗ، وَ اَغْنِنِيْ وَ اَوْسِعْ عَلَيَّ فِيْ رِزْقِكَ، وَ لَا تَفْتِنِّيْ بِالنَّظَرِ، وَ اَعِزَّنِيْ وَ لَا تَبْتَلِيَنِّيْ بِالْكِبْرِ، وَ عَبِّدْنِيْ لَكَ وَ لَا تُفْسِدْ عِبَادَتِيْ بِالْعُجْبِ، وَ اَجْرِ لِلنَّاسِ عَلٰى يَدِيَ الْخَيْرَ وَ لَا تَمْحَقْهُ بِالْمَنِّ، وَ هَبْ لِيْ مَعَالِيَ الْاَخْلَاقِ وَ اعْصِمْنِيْ مِنَ الْفَخْرِ.

دُعا (۲۰)

پسندیدہ اخلاق وشائستہ کردار کے سلسلہ میں حضرتؑ کی دُعا

بارِالٰہا! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور میرے ایمان کو کامل ترین ایمان کی حد تک پہنچا دے، اور میرے یقین کو بہترین یقین قرار دے، اور میری نیت کو پسندیدہ ترین نیت، اور میرے اعمال کو بہترین اعمال کے پایہ تک بلند کردے۔

خداوندا! اپنے لطف سے میری نیت کو خالص و بے ریا، اور اپنی رحمت سے میرے یقین کو استوار، اور اپنی قدرت سے میری خرابیوں کی اصلاح کردے۔

بارِالٰہا! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما، اور مجھے ان مصروفیتوں سے جو عبادت میں مانع ہیں بے نیاز کردے، اور انہی چیزوں پر عمل پیرا ہونے کی توفیق دے جن کے بارے میں مجھ سے کل کے دن سوال کریگا، اور میرے ایام زندگی کو غرض خلقت کی انجام دہی کیلئے مخصوص کر دے اور مجھے (دوسروں سے) بے نیاز کردے، اور میرے رزق میں کشائش و وسعت عطا فرما، احتیاج و دست نگری میں مبتلا نہ کر، عزت وتوقیر دے، کبر وغرور سے دوچار نہ ہونے دے، میرے نفس کو بندگی وعبادت کیلئے رام کر، اور خود پسندی سے میری عبادت کو فاسد نہ ہونے دے، اور میرے ہاتھوں سے لوگوں کو فیض پہنچا، اور اسے احسان جتانے سے رائیگاں نہ ہونے دے، مجھے بلند پایہ اخلاق مرحمت فرما اور غرور اور تفاخر سے محفوظ رکھ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ لَا تَرْفَعْنِىْ فِى النَّاسِ دَرَجَةً اِلَّا حَطَطْتَّنِىْ عِنْدَ نَفْسِىْ مِثْلَهَا، وَ لَا تُحْدِثْ لِىْ عِزًّا ظَاهِرًا اِلَّآ اَحْدَثْتَ لِىْ ذِلَّةً بَاطِنَةً عِنْدَ نَفْسِىْ بِقَدَرِهَا.

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ، وَ مَتِّعْنِىْ بِهُدًى صَالِحٍ لَآ اَسْتَبْدِلُ بِهٖ، وَ طَرِيْقَةِ حَقٍّ لَّآ اَزِيْغُ عَنْهَا، وَ نِيَّةِ رُشْدٍ لَآ اَشُكُّ فِيْهَا، وَ عَمِّرْنِىْ مَا كَانَ عُمُرِىْ بِذْلَةً فِىْ طَاعَتِكَ، فَاِذَا كَانَ عُمُرِىْ مَرْتَعًا لِّلشَّيْطٰنِ فَاقْبِضْنِىْٓ اِلَيْكَ قَبْلَ اَنْ يَّسْبِقَ مَقْتُكَ اِلَىَّ، اَوْ يَسْتَحْكِمَ غَضَبُكَ عَلَىَّ.

اَللّٰھُمَّ لَا تَدَعْ خَصْلَةً تُعَابُ مِنِّىْٓ اِلَّآ اَصْلَحْتَهَا، وَ لَا عَآئِبَةً اُؤَنَّبُ بِهَآ اِلَّا حَسَّنْتَهَا، وَ لَآ اُكْرُوْمَةً فِىَّ نَاقِصَةً اِلَّآ اَتْمَمْتَهَا.

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ، وَ اَبْدِلْنِىْ مِنْ بِغْضَةِ اَهْلِ الشَّنَاٰنِ الْمَحَبَّةَ، وَ مِنْ حَسَدِ اَهْلِ الْبَغْىِ الْمَوَدَّةَ، وَ مِنْ ظِنَّةِ اَهْلِ الصَّلَاحِ الثِّقَةَ، وَ مِنْ عَدَاوَةِ الْاَدْنَيْنَ الْوَلَايَةَ، وَ مِنْ عُقُوْقِ ذَوِى

بارِالٰہا! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور لوگو ں میں میرا درجہ جتنا بلند کرے اتنا ہی مجھے خود اپنی نظروں میں پست کر دے، اور جتنی ظاہری عزت مجھے دے اتنا ہی میرے نفس میں باطنی بے وقعتی کا احساس پیدا کر دے۔

بارِالٰہا! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور مجھے ایسی نیک ہدایت سے بہرہ مند فرما کہ جسے دوسری چیز سے تبدیل نہ کروں، اور ایسے صحیح راستہ پر لگا جس سے کبھی منہ نہ موڑوں، اور ایسی پختہ نیّت دے جس میں ذرا شبہ نہ کروں، اور جب تک میری زندگی تیری اطاعت وفرمانبرداری کے کام آئے مجھے زندہ رکھ، اور جب وہ شیطان کی چراگاہ بن جائے تو اس سے پہلے کہ تیری ناراضگی سے سابقہ پڑے یا تیرا غضب مجھ پر یقینی ہوجائے مجھے اپنی طرف اٹھالے۔

اے معبود! کوئی ایسی خصلت جو میرے لئے معیوب سمجھی جاتی ہو اسکی اصلاح کئے بغیر نہ چھوڑ، اور کوئی ایسی بری عادت جس پر میری سرزنش کی جاسکے اسے درست کئے بغیر نہ رہنے دے، اور جو پاکیزہ خصلت ابھی مجھ میں ناتمام ہو، اسے تکمیل تک پہنچا دے۔

اے اللہ! رحمت نازل فرما محمدؐ اور ان کی آلؑ پر اور میری نسبت کینہ توز دشمنوں کی دشمنی کو الفت سے، سرکشوں کے حسد کو محبت سے، نیکوں سے بے اعتمادی کو اعتماد سے، قریبیوں کی عداوت کو دوستی سے، عزیزوں کی قطع تعلقی کو صلہ رحمی سے،

الْاَرْحَامِ الْمَبَرَّةَ، وَ مِنْ خِذْلَانِ الْاَقْرَبِيْنَ النُّصْرَةَ، وَ مِنْ حُبِّ الْمُدَارِيْنَ تَصْحِيْحَ الْمِقَةِ، وَ مِنْ رَدِّ الْمُلَابِسِيْنَ كَرَمَ الْعِشْرَةِ، وَ مِنْ مَرَارَةِ خَوْفِ الظّٰلِمِيْنَ حَلَاوَةَ الْاَمَنَةِ.

قرابتداروں کی بے اعتنائی کو نصرت و تعاون سے، خوشامدیوں کی ظاہری محبت کو سچی محبت سے، اور ساتھیوں کے اہانت آمیز برتاؤ کو حسن معاشرت سے، اور ظالموں کے خوف کی تلخی کو امن کی شیرینی سے بدل دے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اجْعَلْ لِّيْ يَدًا عَلٰى مَنْ ظَلَمَنِيْ، وَ لِسَانًا عَلٰى مَنْ خَاصَمَنِيْ، وَ ظَفَرًا بِمَنْ عَانَدَنِيْ، وَ هَبْ لِيْ مَكْرًا عَلٰى مَنْ كَايَدَنِيْ، وَ قُدْرَةً عَلٰى مَنِ اضْطَهَدَنِيْ، وَ تَكْذِيْبًا لِّمَنْ قَصَبَنِيْ، وَ سَلَامَةً مِّمَّنْ تَوَعَّدَنِيْ، وَ وَفِّقْنِيْ لِطَاعَةِ مَنْ سَدَّدَنِيْ، وَ مُتَابَعَةِ مَنْ اَرْشَدَنِيْ.

خداوندا! رحمت نازل فرما محمدؐ اوران کی آلؑ پر اور جو مجھ پر ظلم کرے اس پر مجھے غلبہ دے، جو مجھ سے جھگڑا کرے اس کے مقابلہ میں زبان (حجت شکن) دے، جو مجھ سے دشمنی کرے اس پر مجھے فتح و کامرانی بخش، جو مجھ سے مکر کرے اس کے مکر کا توڑ عطا کر، جو مجھے دبائے اس پر قابو دے، جو میری بدگوئی کرے اسے جھٹلانے کی طاقت دے، اور جو ڈرائے دھمکائے اس سے مجھے محفوظ رکھ، جو میری اصلاح کرے اس کی اطاعت اور جو راہِ راست دکھائے اس کی پیروی کی توفیق عطا فرما۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ سَدِّدْنِيْ لِاَنْ اُعَارِضَ مَنْ غَشَّنِيْ بِالنُّصْحِ، وَ اَجْزِيَ مَنْ هَجَرَنِيْ بِالْبِرِّ، وَ اُثِيْبَ مَنْ حَرَمَنِيْ بِالْبَذْلِ، وَ اُكَافِيَ مَنْ قَطَعَنِيْ بِالصِّلَةِ، وَ اُخَالِفَ مَنِ اغْتَابَنِيْ اِلٰى حُسْنِ الذِّكْرِ، وَ اَنْ اَشْكُرَ الْحَسَنَةَ، وَ اُغْضِيَ عَنِ السَّيِّئَةِ.

اے اللہ! محمدؐ اوران کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور مجھے اس امر کی توفیق دے کہ جو مجھ سے غش وفریب کرے میں اس کی خیرخواہی کروں، جو مجھے چھوڑ دے اس سے حسن سلوک سے پیش آؤں، جو مجھے محروم کرے اسے عطا و بخشش کے ساتھ عوض دوں، اور جو قطع رحمی کرے اسے صلہ رحمی کے ساتھ بدلہ دوں، اور جو پس پشت میری برائی کرے میں اسکے برخلاف اسکا ذکرِ خیر کروں اور حسن سلوک پر شکریہ بجالاؤں اور بدی سے چشم پوشی کروں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ حَلِّنِيْ بِحِلْيَةِ الصّٰلِحِيْنَ، وَ اَلْبِسْنِيْ زِيْنَةَ

بارِالٰہا! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور عدل کے نشر، غصّہ کے ضبط، اور فتنہ کے فروکرنے،

الْمُتَّقِيْنَ، فِيْ بَسْطِ الْعَدْلِ، وَ كَظْمِ الْغَيْظِ، وَ اِطْفَآءِ النَّآئِرَةِ، وَ ضَمِّ اَهْلِ الْفُرْقَةِ، وَ اِصْلَاحِ ذَاتِ الْبَيْنِ، وَ اِفْشَآءِ الْعَارِفَةِ، وَ سَتْرِ الْعَآئِبَةِ، وَ لِيْنِ الْعَرِيْكَةِ، وَ خَفْضِ الْجَنَاحِ، وَ حُسْنِ السِّيْرَةِ، وَ سُكُوْنِ الرِّيْحِ، وَ طِيْبِ الْمُخَالَقَةِ، وَ السَّبْقِ اِلَى الْفَضِيْلَةِ، وَ اِيْثَارِ التَّفَضُّلِ، وَ تَرْكِ التَّعْيِيْرِ، وَ الْاِفْضَالِ عَلٰى غَيْرِ الْمُسْتَحِقِّ، وَ الْقَوْلِ بِالْحَقِّ وَ اِنْ عَزَّ، وَ اسْتِقْلَالِ الْخَيْرِ وَ اِنْ كَثُرَ مِنْ قَوْلِيْ وَ فِعْلِيْ، وَ اسْتِكْثَارِ الشَّرِّ وَ اِنْ قَلَّ مِنْ قَوْلِيْ وَ فِعْلِيْ، وَ اَكْمِلْ ذٰلِكَ لِيْ بِدَوَامِ الطَّاعَةِ، وَ لُزُوْمِ الْجَمَاعَةِ، وَ رَفْضِ اَهْلِ الْبِدَعِ، وَ مُسْتَعْمِلِ الرَّاْيِ الْمُخْتَرَعِ.

متفرق و پراگندہ لوگوں کو ملانے، آپس میں صلح صفائی کرانے، نیکی کے ظاہر کرنے، عیب پر پردہ ڈالنے، نرم خوئی و فروتنی اور حسن سیرت کے اختیار کرنے، رکھ رکھاؤ رکھنے، حسن اخلاق سے پیش آنے، فضیلت کی طرف پیش قدمی کرنے، تفضّل واحسان کو ترجیح دینے، خوردہ گیری سے کنارا کرنے اور غیر مستحق کے ساتھ حسن سلوک کے ترک کرنے اور حق بات کے کہنے میں اگرچہ وہ گراں گزرے، اور اپنی گفتار و کردار کی بھلائی کو کم سمجھنے میں اگرچہ وہ زیادہ ہو، اور اپنے قول وعمل کی برائی کو زیادہ سمجھنے میں اگرچہ وہ کم ہو، مجھے نیکوکاروں کے زیور اور پرہیزگاروں کی سج دھج سے آراستہ کر، اور ان تمام چیزوں کو دائمی اطاعت اور جماعت سے وابستگی، اور اہل بدعت اور ایجاد کردہ رایوں پر عمل کرنے والوں سے علیحدگی کے ذریعہ پایۂ تکمیل تک پہنچادے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اجْعَلْ اَوْسَعَ رِزْقِكَ عَلَيَّ اِذَا كَبِرْتُ، وَ اَقْوٰى قُوَّتِكَ فِيَّ اِذَا نَصِبْتُ، وَ لَا تَبْتَلِيَنِّيْ بِالْكَسَلِ عَنْ عِبَادَتِكَ، وَ لَا الْعَمٰى عَنْ سَبِيْلِكَ، وَ لَا بِالتَّعَرُّضِ لِخِلَافِ مَحَبَّتِكَ، وَ لَا مُجَامَعَةِ مَنْ تَفَرَّقَ عَنْكَ، وَ لَا مُفَارَقَةِ

بارِالٰہا! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور جب میں بوڑھا ہو جاؤں تو اپنی وسیع روزی میرے لئے قرار دے، اور جب عاجز و درماندہ ہوجاؤں تو اپنی قوی طاقت سے مجھے سہارا دے، اور مجھے اس بات میں مبتلا نہ کر کہ تیری عبادت میں سستی وکوتاہی کروں، تیری راہ کی تشخیص میں بھٹک جاؤں، تیری محبت کے تقاضوں کی خلاف ورزی کروں، اور جو تجھ سے متفرق و پراگندہ ہوں ان سے میل جول رکھوں، اور جو تیری جانب بڑھنے

مَنِ اجْتَمَعَ اِلَيْكَ.

والے ہیں ان سے علیحدہ رہوں۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ اَصُوْلُ بِكَ عِنْدَ الضَّرُوْرَةِ، وَ اَسْئَلُكَ عِنْدَ الْحَاجَةِ، وَ اَتَضَرَّعُ اِلَيْكَ عِنْدَ الْمَسْكَنَةِ، وَ لَا تَفْتِنِّيْ بِالِاسْتِعَانَةِ بِغَيْرِكَ اِذَا اضْطُرِرْتُ، وَ لَا بِالْخُضُوْعِ لِسُؤَالِ غَيْرِكَ اِذَا افْتَقَرْتُ، وَ لَا بِالتَّضَرُّعِ اِلٰى مَنْ دُوْنَكَ اِذَا رَهِبْتُ، فَاَسْتَحِقَّ بِذٰلِكَ خِذْلَانَكَ وَ مَنْعَكَ وَ اِعْرَاضَكَ، يَاۤ اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ.

خداوندا! مجھے ایسا قرار دے کہ ضرورت کے وقت تیرے ذریعہ حملہ کروں، حاجت کے وقت تجھ سے سوال کروں، اور فقر و احتیاج کے موقع پر تیرے سامنے گڑگڑاؤں، اور اس طرح مجھے نہ آزمانا کہ اضطرار میں تیرے غیر سے مدد مانگوں، اور فقر و ناداری کے وقت تیرے غیر کے آگے عاجزانہ درخواست کروں، اور خوف کے موقع پر تیرے سوا کسی دوسرے کے سامنے گڑگڑاؤں کہ تیری طرف سے محرومی، ناکامی اور بے اعتنائی کا مستحق قرار پاؤں، اے تمام رحم کرنے والوں میں سے سب سے زیادہ رحم کرنے والے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِيْ رُوْعِيْ، مِنَ التَّمَنِّيْ وَ التَّظَنِّيْ وَ الْحَسَدِ، ذِكْرًا لِّعَظَمَتِكَ، وَ تَفَكُّرًا فِيْ قُدْرَتِكَ، وَ تَدْبِيْرًا عَلٰى عَدُوِّكَ، وَ مَاۤ اَجْرٰى عَلٰى لِسَانِيْ مِنْ لَّفْظَةِ فُحْشٍ اَوْ هُجْرٍ ،اَوْ شَتْمِ عِرْضٍ، اَوْ شَهَادَةِ بَاطِلٍ اَوِ اغْتِيَابِ مُؤْمِنٍ غَآئِبٍ، اَوْ سَبِّ حَاضِرٍ، وَ مَاۤ اَشْبَهَ ذٰلِكَ نُطْقًا بِالْحَمْدِ لَكَ، وَ اِغْرَاقًا فِي الثَّنَآءِ عَلَيْكَ، وَ ذَهَابًا فِيْ تَمْجِيْدِكَ، وَ شُكْرًا لِّنِعْمَتِكَ، وَ اعْتِرَافًا بِاِحْسَانِكَ، وَ اِحْصَآءً لِّمِنَنِكَ.

خدایا! جو حرص، بدگمانی اور حسد کے جذبات شیطان میرے دل میں پیدا کرے انہیں اپنی عظمت کی یاد، اپنی قدرت میں تفکر اور دُشمن کے مقابلہ میں تدبیر و چارہ سازی کے تصورات سے بدل دے، اور فحش کلامی، یا بےہودہ گوئی، یا دُشنام طرازی، یا جھوٹی گواہی، یا غائب مومن کی غیبت، یا موجود سے بد زبانی، اور اس قبیل کی جو باتیں میری زبان پر لانا چاہے، انہیں اپنی حمد سرائی، مدح میں کوشش و انہماک، تمجید و بزرگی کے بیان، شکر نعمت و اعتراف احسان اور اپنی نعمتوں کے شمار سے تبدیل کردے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ لَاۤ اُظْلَمَنَّ وَ اَنْتَ مُطِيْقٌ لِّلدَّفْعِ عَنِّيْ، وَ لَاۤ اَظْلِمَنَّ وَ اَنْتَ الْقَادِرُ عَلَى الْقَبْضِ مِنِّيْ، وَ لَاۤ اَضِلَّنَّ وَ قَدْ اَمْكَنَتْكَ هِدَايَتِيْ، وَ لَاۤ اَفْتَقِرَنَّ وَ مِنْ عِنْدِكَ وُسْعِيْ، وَ لَاۤ اَطْغَيَنَّ وَ مِنْ عِنْدِكَ وُجْدِيْ.

اے اللہ! محمدؐ اوران کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور مجھ پر ظلم نہ ہونے پائے جبکہ تو اس کے دفع کرنے پر قادر ہے، اور کسی پر ظلم نہ کروں جبکہ تو مجھے ظلم سے روک دینے کی طاقت رکھتا ہے، اور گمراہ نہ ہو جاؤں جبکہ میری راہنمائی تیرے لئے آسان ہے، اور محتاج نہ ہوں جبکہ میری فارغ البالی تیری طرف سے ہے، اور سرکش نہ ہو جاؤں جبکہ میری خوشحالی تیری جانب سے ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِلٰى مَغْفِرَتِكَ وَفَدْتُّ، وَ اِلٰى عَفْوِكَ قَصَدْتُّ، وَ اِلٰى تَجَاوُزِكَ اشْتَقْتُ، وَ بِفَضْلِكَ وَثِقْتُ، وَ لَيْسَ عِنْدِيْ مَا يُوْجِبُ لِيْ مَغْفِرَتَكَ، وَ لَا فِيْ عَمَلِيْ مَاۤ اَسْتَحِقُّ بِهٖ عَفْوَكَ، وَ مَا لِيْ بَعْدَ اَنْ حَكَمْتُ عَلٰى نَفْسِيْۤ اِلَّا فَضْلُكَ، فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ تَفَضَّلْ عَلَيَّ.

بارِالٰہا! میں تیری مغفرت کی جانب آیا ہوں، اور تیری معافی کا طلبگار اور تیری بخشش کا مشتاق ہوں، میں صرف تیرے فضل پر بھروسا رکھتا ہوں، اور میرے پاس کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو میرے لئے مغفرت کا باعث بن سکے، اور نہ میرے عمل میں کچھ ہے کہ تیرے عفو کا سزاوار قرار پاؤں، اور اب اس کے بعد کہ میں خود ہی اپنے خلاف فیصلہ کر چکا ہوں تیرے فضل کے سوا میرا سرمایۂ امید کیا ہوسکتا ہے؟ لہٰذا محمدؐ اوران کی آلؑ پر رحمت نازل کر اور مجھ پر تفضّل فرما۔

اَللّٰهُمَّ وَ اَنْطِقْنِيْ بِالْهُدٰى، وَ اَلْهِمْنِي التَّقْوٰى، وَ وَفِّقْنِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَزْكٰى، وَ اسْتَعْمِلْنِيْ بِمَا هُوَ اَرْضٰى.

خدایا! مجھے ہدایت کے ساتھ گویا کر، میرے دل میں تقویٰ و پرہیزگاری کا القاء فرما، پاکیزہ عمل کی توفیق دے، پسندیدہ کام میں مشغول رکھ۔

اَللّٰهُمَّ اسْلُكْ بِيَ الطَّرِيْقَةَ الْمُثْلٰى، وَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى مِلَّتِكَ اَمُوْتُ وَ اَحْيَا.

خدایا! مجھے بہترین راستہ پر چلا اور ایسا کر کہ تیرے دین وآئین پر مروں اوراسی پر زندہ رہوں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ مَتِّعْنِيْ بِالْاِقْتِصَادِ، وَ اجْعَلْنِيْ مِنْ اَهْلِ السَّدَادِ، وَ مِنْ اَدِلَّةِ الرَّشَادِ، وَ مِنْ

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور مجھے (گفتار و کردار میں) میانہ روی سے بہرہ مند فرما، اور درست کاروں اور ہدایت کے رہنماؤں اور

صَالِحِ الْعِبَادِ، وَ ارْزُقْنِیْ فَوْزَ الْمَعَادِ، وَ سَلَامَةَ الْمِرْصَادِ.

اَللّٰهُمَّ خُذْ لِنَفْسِكَ مِنْ نَفْسِیْ مَا یُخَلِّصُهَا، وَ اَبْقِ لِنَفْسِیْ مِنْ نَّفْسِیْ مَا یُصْلِحُهَا، فَاِنَّ نَفْسِیْ هَالِكَةٌ اَوْ تَعْصِمَهَا.

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عُدَّتِیْۤ اِنْ حَزِنْتُ، وَ اَنْتَ مُنْتَجَعِیْۤ اِنْ حُرِمْتُ، وَ بِكَ اسْتِغَاثَتِیْۤ اِنْ كَرِثْتُ، وَ عِنْدَكَ مِمَّا فَاتَ خَلَفٌ، وَ لِمَا فَسَدَ صَلَاحٌ، وَ فِیْمَاۤ اَنْكَرْتَ تَغْیِیْرٌ، فَامْنُنْ عَلَیَّ قَبْلَ الْبَلَآءِ بِالْعَافِیَةِ، وَ قَبْلَ الطَّلَبِ بِالْجِدَةِ، وَ قَبْلَ الضَّلَالِ بِالرَّشَادِ، وَ اكْفِنِیْ مَؤُوْنَةَ مَعَرَّةِ الْعِبَادِ، وَ هَبْ لِیْۤ اَمْنَ یَوْمِ الْمَعَادِ، وَ امْنَحْنِیْ حُسْنَ الْاِرْشَادِ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ ادْرَاْ عَنِّیْ بِلُطْفِكَ، وَ اغْذُنِیْ بِنِعْمَتِكَ، وَ اَصْلِحْنِیْ بِكَرَمِكَ، وَ دَاوِنِیْ بِصُنْعِكَ، وَ اَظِلَّنِیْ فِیْ ذَرَاكَ، وَ جَلِّلْنِیْ رِضَاكَ، وَ وَفِّقْنِیْ اِذَا اشْتَكَلَتْ عَلَیَّ الْاُمُوْرُ

نیک بندوں میں سے قرار دے، اور آخرت کی کامیابی اور جہنم سے سلامتی عطا کر۔

خدایا! میرے نفس کا ایک حصہ اپنی (ابتلاء و آزمائش کیلئے) مخصوص کر دے تا کہ اسے (عذاب سے) رہائی دلا سکے، اور ایک حصہ کہ جس سے اس کی (دنیوی) اصلاح و درستی وابستہ ہے، میرے لئے رہنے دے، کیونکہ میرا نفس تو ہلاک ہونے والا ہے مگر یہ کہ تو اسے بچالے جائے۔

اے اللہ! اگر میں غمگین ہوں تو میرا ساز و سامان (تسکین) تو ہے، اور اگر (ہر جگہ سے) محروم رہوں تو میری امید گاہ تو ہے، اور اگر مجھ پر غموں کا ہجوم ہو تو تجھ ہی سے داد فریاد ہے، جو چیز جا چکی اس کا عوض اور جو شے تباہ ہو گئی اس کی درستی اور جسے تو ناپسند کرے اس کی تبدیلی تیرے ہاتھ میں ہے، لہٰذا بلا کے نازل ہونے سے پہلے عافیت، مانگنے سے پہلے خوشحالی اور گمراہی سے پہلے ہدایت سے مجھ پر احسان فرما، اور لوگوں کی سخت و درشت باتوں کے رنج سے محفوظ رکھ، اور قیامت کے دن امن و اطمینان عطا فرما، اور حسن ہدایت و ارشاد کی توفیق مرحمت فرما۔

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور اپنے لطف سے (برائیوں کو) مجھ سے دور کر دے، اور اپنی نعمت سے میری پرورش اور اپنے کرم سے میری اصلاح فرما اور اپنے فضل و احسان سے (جسمانی و نفسانی امراض سے) میرا مداوا کر، مجھے اپنی رحمت کے سایہ میں جگہ دے اور اپنی رضامندی میں ڈھانپ لے، اور جب امور مشتبہ ہو جائیں تو جو اُن میں زیادہ قرین صواب ہو، اور

لِاَهْدَاهَا، وَ اِذَا تَشَابَهَتِ الْاَعْمَالُ لِاَزْكَاهَا، وَ اِذَا تَنَاقَضَتِ الْمِلَلُ لِاَرْضَاهَا.

جب اعمال میں اشتباہ واقع ہوجائے تو جواُن میں پاکیزہ تر ہو، اور جب مذاہب میں اختلاف پڑ جائے تو جواُن میں پسندیدہ تر ہو، اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرما۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ تَوِّجْنِيْ بِالْكِفَايَةِ، وَ سُمْنِيْ حُسْنَ الْوِلَايَةِ، وَ هَبْ لِيْ صِدْقَ الْهِدَايَةِ، وَ لَا تَفْتِنِّيْ بِالسَّعَةِ، وَ امْنَحْنِيْ حُسْنَ الدَّعَةِ، وَ لَا تَجْعَلْ عَيْشِيْ كَدًّا كَدًّا، وَ لَا تَرُدَّ دُعَآئِيْ عَلَيَّ رَدًّا، فَاِنِّيْ لَآ اَجْعَلُ لَكَ ضِدًّا، وَ لَآ اَدْعُوْ مَعَكَ نِدًّا.

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور مجھے بے نیازی کا تاج پہنا، اور متعلقہ کاموں کو احسن طریق سے انجام دینے پر مامور فرما، اور ایسی ہدایت سے سرفراز فرما جو دوام وثبات لئے ہوئے ہو، اور غنا وخوشحالی سے مجھے بے راہ نہ ہونے دے، اور آسودگی و آسائش عطا فرما، اور زندگی کو سخت دشوار نہ بنا دے، میری دُعا کو رد نہ کر، کیونکہ میں کسی کو تیرا ضد مقابل نہیں قرار دیتا، اور نہ تیرے ساتھ کسی کو تیرا ہمسر سمجھتے ہوئے پکارتا ہوں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ امْنَعْنِيْ مِنَ السَّرَفِ، وَ حَصِّنْ رِّزْقِيْ مِنَ التَّلَفِ، وَ وَفِّرْ مَلَكَتِيْ بِالْبَرَكَةِ فِيْهِ، وَ اَصِبْ بِيْ سَبِيْلَ الْهِدَايَةِ لِلْبِرِّ فِيْمَآ اُنْفِقُ مِنْهُ.

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور مجھے فضول خرچی سے باز رکھ، اور میری روزی کو تباہ ہونے سے بچا، اور میرے مال میں برکت دے کر اس میں اضافہ کر، اور مجھے اس میں سے امور خیر میں خرچ کرنے کی وجہ سے راہ حق وصواب تک پہنچا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اكْفِنِيْ مَئُوْنَةَ الْاِكْتِسَابِ، وَ ارْزُقْنِيْ مِنْ غَيْرِ احْتِسَابٍ، فَلَآ اَشْتَغِلَ عَنْ عِبَادَتِكَ بِالطَّلَبِ، وَ لَآ اَحْتَمِلَ اِصْرَ تَبِعَاتِ الْمَكْسَبِ.

بارالٰہا! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور مجھے کسب معیشت کے رنج وغم سے بے نیاز کردے، اور بے حساب روزی عطا فرما، تاکہ تلاشِ معاش میں الجھ کر تیری عبادت سے روگرداں نہ ہوجاؤں اور (غلط و نامشروع) کار و کسب کا خمیازہ نہ بھگتوں۔

اَللّٰهُمَّ فَاَطْلِبْنِيْ بِقُدْرَتِكَ مَآ اَطْلُبُ، وَ اَجِرْنِيْ بِعِزَّتِكَ

اے اللہ! میں جو کچھ طلب کرتا ہوں اسے اپنی قدرت سے مہیا کر دے، اور جس چیز سے خائف ہوں اس سے اپنی

مِمَّآ اَرْهَبُ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ صُنْ وَّجْهِيْ بِالْيَسَارِ، وَ لَا تَبْتَذِلْ جَاهِيْ بِالْاِقْتَارِ فَاَسْتَرْزِقَ اَهْلَ رِزْقِكَ، وَ اَسْتَعْطِيَ شِرَارَ خَلْقِكَ، فَاَفْتَتِنَ بِحَمْدِ مَنْ اَعْطَانِيْ، وَ اُبْتَلٰى بِذَمِّ مَنْ مَّنَعَنِيْ، وَ اَنْتَ مِنْ دُوْنِهِمْ وَلِيُّ الْاِعْطَآءِ وَ الْمَنْعِ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ ارْزُقْنِيْ صِحَّةً فِيْ عِبَادَةٍ، وَ فَرَاغًا فِيْ زَهَادَةٍ، وَ عِلْمًا فِي اسْتِعْمَالٍ، وَ وَرَعًا فِيْۤ اِجْمَالٍ.

اَللّٰهُمَّ اخْتِمْ بِعَفْوِكَ اَجَلِيْ، وَ حَقِّقْ فِيْ رَجَآءِ رَحْمَتِكَ اَمَلِيْ، وَ سَهِّلْ اِلٰى بُلُوْغِ رِضَاكَ سُبُلِيْ، وَ حَسِّنْ فِيْ جَمِيْعِ اَحْوَالِيْ عَمَلِيْ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ نَبِّهْنِيْ لِذِكْرِكَ فِيْۤ اَوْقَاتِ الْغَفْلَةِ، وَ اسْتَعْمِلْنِيْ بِطَاعَتِكَ فِيْۤ اَيَّامِ الْمُهْلَةِ، وَ انْهَجْ لِيْۤ اِلٰى مَحَبَّتِكَ سَبِيْلًا سَهْلَةً، اَكْمِلْ لِّيْ بِهَا خَيْرَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ.

اَللّٰهُمَّ وَ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، كَاَفْضَلِ مَا صَلَّيْتَ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْ خَلْقِكَ

عزت وجلال کے ذریعہ پناہ دے۔

خدایا! میری آبرو کو غنا و تونگری کے ساتھ محفوظ رکھ، اور فقر و تنگ دستی سے میری منزلت کو نظروں سے نہ گرا کہ تجھ سے رزق پانے والوں سے رزق مانگنے لگوں، اور تیرے پست بندوں کی نگاہِ لطف و کرم کو اپنی طرف موڑنے کی تمنّا کروں، اور جو مجھے دے اس کی مدح و ثنا اور جو نہ دے اس کی برائی کرنے میں مبتلا ہو جاؤں اور تو ہی عطا کرنے اور روک لینے کا اختیار رکھتا ہے نہ کہ وہ۔

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور مجھے ایسی صحت دے جو عبادت میں کام آئے، اور ایسی فرصت جو دنیا سے بے تعلقی میں صرف ہو، اور ایسا علم جو عمل کیساتھ ہو، اور ایسی پرہیزگاری جو حد اعتدال میں ہو (کہ وسواس میں مبتلا نہ ہو جاؤں)۔

اے اللہ! میری مدت حیات کو اپنے عفو و درگزر کے ساتھ ختم کر، اور میری آرزو کو رحمت کی امید میں کامیاب فرما، اور اپنی خوشنودی تک پہنچنے کیلئے راہ آسان کر، اور ہر حالت میں میرے عمل کو بہتر قرار دے۔

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور مجھے غفلت کے لمحات میں اپنے ذکر کیلئے ہوشیار کر، اور مہلت کے دنوں میں اپنی اطاعت میں مصروف رکھ، اور اپنی محبت کی سہل و آسان راہ میرے لئے کھول دے، اور اس کے ذریعہ میرے لئے دنیا و آخرت کی بھلائی کو کامل کر دے۔

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی اولادؑ پر بہترین رحمت نازل فرما، ایسی رحمت جو اس سے پہلے تو نے مخلوقات میں سے کسی ایک پر نازل کی

قَبْلَهٗ، وَ اَنْتَ مُصَلٍّ عَلٰٓى اَحَدٍ بَعْدَهٗ، وَ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً، وَقِنِيْ بِرَحْمَتِكَ عَذَابَ النَّارِ.

--☆☆--

ہو، اور اس کے بعد کسی پر نازل کرنے والا ہو، اور ہمیں دنیا میں بھی نیکی عطا کر اور آخرت میں بھی، اور اپنی رحمت سے ہمیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

--☆☆--

بادی النظر میں نیکی و بدی میں امتیاز نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ نیک و بد اعمال ظاہری صورت کے لحاظ سے یکساں ہوتے ہیں اور ان میں کوئی امتیازی فرق نظر نہیں آتا۔ چنانچہ زن و مرد کے تعلقات وہ جائز ذریعہ سے ہوں یا ناجائز طریقہ سے دونوں ایک سے ہیں۔ اسی طرح دروغِ مصلحت آمیز و دروغِ بے مصلحت، اَکلِ حلال اور اَکلِ حرام، قتل بے گناہ اور قتل خطا کار، ان میں بظاہر کوئی فرق نہیں ہے۔ وہاں بھی ایک خلافِ واقع چیز کا بیان کرنا ہے اور یہاں بھی، وہاں بھی پیٹ بھرنا ہے اور یہاں بھی، وہاں بھی انسانی جان سے کھیلنا ہے اور یہاں بھی۔ یونہی متکبّر کے مقابلہ میں تکبر کرنے اور عام طور سے اترانے اور ماہِ رمضان میں دن کے وقت کھانے پینے اور دوسرے دنوں میں کھانے پینے میں فعل کی نوعیت یکساں ہے۔ تو اس یکسانیت کے باوجود ایک کو اچھائی اور ایک کو برائی، اور ایک کو کارِ ثواب اور دوسرے کو گناہ سے تعبیر کرنے کی کیا وجہ اور دونوں میں تفریق کرنے کی کیا ضرورت؟۔

اگرچہ حدود و قیود سے آزاد نگاہیں ان میں تفرقہ نہیں کر سکتیں، مگر جو لوگ کسی آئین و شریعت اور ضابطۂ اخلاق کے پابند ہوتے ہیں وہ ان کی ظاہری ہیئت وصورت اور یکسانیت و یک رنگی پر نظر نہیں کرتے۔ بلکہ ان دونوں کے درمیان جو حدِّ فاصل حائل ہے اس پر نظر کرتے ہوئے دونوں کو بالکل جُدا جُدا تصور کرتے ہیں اور اسی حدّ فاصل سے خیر و شر کی حدیں قائم ہوتیں اور عیوب و محاسن کے پیمانے مقرر ہوتے ہیں اور یہ حدّ فاصل اُسی وقت نظر آتی ہے جب ایمان کے ساتھ تقویٰ اپنا نورانی پرتو ڈالتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا﴾

اے ایماندارو! اگر تم تقویٰ و پرہیزگاری اختیاری کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے (نیک و بد میں) ایک حد فاصل قرار دے گا۔[1]

اگر اس حدّ فاصل کو نظر انداز کر کے اخلاقِ فاضلہ اور اوصافِ رذیلہ کا معیار عوامی عقل کو قرار دے لیا جائے تو اگرچہ وہ ایک حد تک اخلاقی اصولوں کی طرف راہنمائی کرتی ہے، مگر اخلاق کا عملی لائحہ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ چنانچہ جنہوں نے عقل پر اخلاق کی بنیاد رکھی، وہ یہ نہیں کہتے کہ راست گفتاری و عدل گستری معیوب اور سخاوت و شجاعت بری چیز ہے اور اس کے مقابلہ میں کذب وظلم اور بخل و بزدلی اچھی صفتیں ہیں، مگر ان کے حدود اور مواقع استعمال کیا ہیں تو اس میں ان کی رائیں مختلف نظر آتی ہیں اور ایک، ایک راہ پر چلتا ہے تو دوسرا اس سے بالکل الگ راستہ اختیار کرتا ہے۔ کیونکہ مختلف عقول و افہام کے قائم کردہ نظریات کسی ایک مرکزی نقطہ پر مجتمع نہیں ہو سکتے۔

[1] سورۂ انفال، آیت ۲۹۔

ایسی صورت میں ان کی پیروی کرنے میں قدم قدم پر رکاوٹیں پیدا ہوں گی اور مختلف نظریات میں سے صحیح نظریہ کا انتخاب مشکل ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ عقل کا دائرہ عمل محدود ہے اور وہ دنیائے محسوسات سے الگ ہو کر کسی قسم کا کوئی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتی اور قدم قدم پر حواس کا سہارا ڈھونڈ نے پر مجبور ہو جاتی ہے اور اس کے مقابلہ میں خواہشات و جذبات بھی پر اجمائے ہوئے ہیں جو اسے سپر انداختہ ہونے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ چنانچہ جب انسان میں خواہشات و جذبات اُبھرتے ہیں تو وہ عقل کے مقابلہ میں اُن سے جلد مغلوب ہو جاتا ہے اور عقل کے صریحی احکام کو ٹھکرا کر ہوائے نفسانی کے پیچھے ہو لیتا ہے۔ لہٰذا تنہا عقل نہ کسی صورت میں کافی ہو سکتی ہے اور نہ ہر جگہ اسے معیار قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور اس کی روشنی میں اجتماعی زندگی کا نصب العین تو درکنار انفرادی زندگی کا بھی کوئی یقینی، صحیح اور ناقابل ترمیم آئین اخلاق ترتیب نہیں دیا جاسکتا۔

ان حالات میں ایک ایسے معیار کی ضرورت سے انکار نہیں ہوسکتا جو عقل کی درماندگیوں میں رہنمائی کر سکے اور ایک ایسا ناقابل تغییر آئین پیش کرے جو حیاتِ انسانی کے ہر دور میں قابل عمل ہو۔ اور وہ معیار وحی و تنزیل ہے، جس کی روشنی میں ترتیب دیا ہوا آئین وہ ہے جس کے اصول منضبط اور ضوابط ناقابل ترمیم ہیں اور جسے حاملانِ نبوت و رسالت ہر دور میں پیش کرتے رہے اور اس کے ذریعہ تہذیبِ نفس و تزکیۂ اخلاق کا درس دیتے رہے ہیں۔

ان معلّمین اخلاق میں سب سے بلند مرتبت حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جنہوں نے زیورِ اخلاق سے آراستہ کرنے اور انسانیت کی زلفِ پریشان کو سنوارنے کیلئے وہ تعلیمات دیئے جو محاسن اخلاق کا سرچشمہ ہیں۔ یہ تعلیمات صرف قول تک محدود نہ تھے بلکہ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ پاکیزگی سیرت کا ایک ضابطہ اور حسن اخلاق کا ایک زندہ قانون تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا مقصد ہی یہ تھا کہ وہ علماً و عملاً اخلاقِ حسنہ کی تکمیل فرمائیں۔ چنانچہ ارشادِ نبویؐ ہے کہ:

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ.

میں اس لئے مبعوث ہوا ہوں تا کہ مکارم الاخلاق کو پایۂ تکمیل تک پہنچاؤں۔[۱]

اور ان اخلاقی تعلیمات کو زندہ رکھنے کیلئے ان کے اوصیاء و نائبین جو سیرت و کردار اور اخلاق و اطوار میں ان کے ورثہ دار اور علم و عمل میں اُن کے آئینہ دار تھے ان تعلیمات کو نشر کرتے اور اپنے قول و عمل سے ان کا احیاء کرتے رہے۔ چنانچہ ان کے چوتھے وصی و جانشین حضرت زین العابدین علیہ السلام نے اس دُعائے مکارم الاخلاق میں اخلاقیات کے وہ درس دیئے ہیں جو اخلاق نبویؐ کے آئینہ دار اور الہامی تعلیمات کے حامل ہیں اور ان تمام جواہر پاروں کو سمیٹ لیا ہے جو تحلّی بالفضائل (علمی و عملی اوصاف سے آراستگی) اور تخلّی عن الرذائل (قبیح و پست عادات سے علیحدگی) پر مشتمل ہیں۔ ان دونوں جنبوں میں سے اگر ایک جنبہ کمزور ہے تو اس سے دوسرے جنبہ کا متاثر ہونا بھی ضروری ہے۔ اس لئے اخلاقی تکمیل کیلئے ان ایجابی و سلبی دونوں پہلوؤں کو ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے۔

وہ ایجابی صفات جو اس دُعا میں بیان ہوئے ہیں یہ ہیں:

---

[۱] مجموعہ ورام، ج ۱، ص ۸۹۔

ایمان:

یہ تمام محاسن اخلاق کا سرچشمہ ہے، اس لئے اسے سرفہرست جگہ دی ہے۔ "ایمان" کے معنی تصدیق کے ہیں اور کبھی تصدیق وعمل دونوں کے مجموعہ پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس کے متعدد درجات ہیں اور اہل ایمان کے مراتب و درجات میں جو تفاوت ہوتا ہے وہ ایمان ہی کے درجات کے بلند و پست ہونے کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ زبیری کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے کہا کہ: اِنَّ لِلْاِيْمَانِ دَرَجَاتٍ وَّ مَنَازِلَ يَتَفَاضَلُ الْمُؤْمِنُوْنَ فِيْهَا عِنْدَ اللهِ؟: ایمان کے مختلف درجے اور مرتبے ہیں جن کے اعتبار سے ایمان لانے والے اللہ کے نزدیک ایک دوسرے سے فضیلت لے جاتے ہیں؟ قَالَ نَعَمْ: حضرتؑ نے فرمایا کہ: "ہاں ایسا ہی ہے"۔[1]

✲ چنانچہ پہلا درجہ یہ ہے کہ صرف زبان سے اللہ کی اُلوہیت اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا اقرار کیا جائے اور بس۔ یہ ایمان اسلام کا مرادف ہے۔ جب انسان یہ اقرار کر لیتا ہے تو وہ "مسلم" کہلانے لگتا ہے اور اس کا ذبیحہ حلال اور جان و مال محفوظ ہو جاتا ہے۔

✲ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ زبان سے اقرار کیا جائے اور دل سے اعتقاد بھی رکھا جائے، مگر اسلام کے تعلیمات اور اس کے اوامر و نواہی پر عمل نہ کیا جائے۔

✲ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ اس اقرار و اعتقاد کے ساتھ کبیرہ گناہوں سے بچا جائے اور ان فرائض کو پورا کیا جائے جنہیں ترک کرنا کبائر میں داخل ہے۔ جیسے نماز، زکوٰۃ، حج وغیرہ۔ یہ واضح رہے کہ احادیث میں جو نماز و حج و زکوٰۃ کے تارک کو کافر کہا گیا ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اس مرتبۂ ایمان سے خارج ہو گیا ہے، یہ مقصد نہیں ہے کہ وہ تمام مراتب ایمان سے خارج ہو گیا ہے کہ اب اُس پر کفر کے احکام عائد ہونے لگیں۔

✲ چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ اقرار و اعتقاد کے ساتھ تمام واجبات بھی بجالائے جائیں اور تمام محرمات سے اجتناب بھی کیا جائے۔

✲ پانچواں مرتبہ یہ ہے کہ واجبات کے ساتھ مستحبات بھی ادا کئے جائیں اور محرمات کے ساتھ مکروہات سے بھی پرہیز کیا جائے۔

✲ چھٹا مرتبہ یہ ہے کہ بعض مباحات کو بھی اس خیال سے چھوڑ دیا جائے کہ مبادا یہ کسی بُرائی کا پیش خیمہ بن جائیں اور کوئی غلط قدم اٹھ جائے۔ جیسے زیادہ باتیں کرنے سے اس لئے اجتناب کیا جائے کہ زبان سے کوئی ناشائستہ کلمہ یا جھوٹی بات نہ نکل جائے، یا کسی کی غیبت و بدگوئی نہ ہو جائے۔ یہ انبیاء و اوصیاء علیہم السلام کے ایمان کا درجہ ہے اور اسی درجہ کو امام علیہ السلام نے "اکمل الایمان" سے تعبیر کیا ہے۔

"ایمان" صرف عقبیٰ ہی کا سرمایہ نہیں ہے، بلکہ دنیا میں بھی انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کی فلاح و بہبود اس سے وابستہ ہے۔ چنانچہ جب انسان کے دل و دماغ میں ایک بالادست ہستی کا تصور پیدا ہوتا اور خُدا پرستی کا جذبہ اُبھرتا ہے تو اُسے کچھ ذمہ داریوں کا احساس ہوتا ہے جس کے پیش نظر وہ چوری، رشوت، خیانت، ظلم اور اس قسم کے دوسرے اخلاقی عیوب سے کنارہ کش ہو جاتا ہے اور خودغرضی و مفاد پرستی کی سطح سے بلند ہو کر سیرت و کردار کے وہ اعلیٰ نمونے پیش کرتا ہے جس سے اجتماعی زندگی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتی اور بڑی حد تک معاشرے کی بےاعتدالیاں کم ہو جاتی ہیں۔ اگرچہ حکومت کا قانون اور اس کا احتساب ایک حد تک ان مفاسد کی روک تھام کرتا ہے، مگر قانون کا خوف انسان کے باطن میں کوئی

---

[1] الکافی، ج ۲ ص ۴۰۔

تبدیلی پیدا نہیں کرسکتا۔ اور اقتدار اُسی حد تک حفاظت کرسکتا ہے جہاں تک اس کا دسترس ہے۔ وہ بازاروں، کوچوں، عام گزرگاہوں اور مفاسد کے مرکزوں سے برائیوں کو دُور کرسکتا ہے، مگر گھر کے گوشوں اور رات کے اندھیروں میں اُس کا بس نہیں چلتا اور برائی کا چلن بدستور باقی رہتا ہے۔ اس موقع پر خدا کا خوف ہی قلب و روح کو متاثر کرسکتا اور برائیوں سے مانع ہوسکتا ہے۔ حکومت کے کارندے کبھی نظروں سے اوجھل بھی ہوجاتے ہیں اور کبھی ان کی بے راہ روی کی وجہ سے خود اُن پر نگران چھوڑنے کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ مگر اخلاقی وجدان جو ایمان کی بدولت طاقتور ہوتا ہے ہر دم نگرانی و حفاظت کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ خواہ دن کا اُجالا ہو یا رات کا اندھیرا، خلوت ہو یا جلوت، آبادی ہو یا ویرانہ۔

یقین:

کسی چیز کا علم اس طرح ہوجائے کہ اس کے خلاف کوئی احتمال نہ رہے ''یقین'' کہلاتا ہے۔ اس لحاظ سے یقین دو علموں کا مجموعہ ہوگا: ایک معلوم کا علم اور دوسرے اس کے خلاف کے محال ہونے کا علم۔ اور یہ ایمان ہی کا دوسرا نام ہے۔ چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَلْيَقِيْنُ الْاِيْمَانُ كُلُّهٗ.

یقین ہی ایمانِ کامل ہے۔[1]

اس یقین کے تین درجے ہیں:

* پہلا درجہ یہ ہے کہ دھوئیں کو دیکھ کر آگ کی موجودگی کا علم حاصل ہو۔ یہ اہل نظر و استدلال کا یقین ہے۔ جو انہیں ترتیب مقدمات سے حاصل ہوتا ہے، یہ ''علم الیقین'' کہلاتا ہے۔
* دوسرا درجہ یہ ہے کہ اُس آگ کو آنکھ سے دیکھ لیا جائے۔ یہ خواص کو چشم بصیرت و دیدۂ باطن کے مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ ذعلب یمانی نے امیر المومنین علیہ السلام سے دریافت کیا کہ: ''هَلْ رَاَيْتَ رَبَّكَ؟'': کیا آپؑ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟ فرمایا: «لَمْ اَعْبُدْ رَبًّا لَّمْ اَرَهٗ»[2]: ''میں اُس ربّ کی پرستش نہیں کرتا جس کی جلوہ طرازی میری آنکھوں کے سامنے نہ ہو''۔ یہ ''عین الیقین'' کہلاتا ہے۔
* تیسرا درجہ یہ ہے کہ آگ کے شعلوں میں کود کر آگ کا علم حاصل ہو، یہ اہل شہود کا یقین ہے جو انہیں مبدأ فیض سے اتصال معنوی کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ یہ ''حق الیقین'' کہلاتا ہے۔ امامؑ نے اسی یقین کو ''افضل الیقین'' فرمایا ہے اور اسی مرتبۂ عالیہ پر فائز ہونے کی اللہ تعالیٰ سے التجا کی ہے۔

نیّت:

کسی عمل کی انجام دہی کے قصد و ارادہ کا نام ''نیّت'' ہے۔ اور یہ علم و عمل کے درمیان ایک واسطہ ہے جو ایک طرف علم سے وابستہ ہے اور دوسری طرف عمل سے۔ کیونکہ علم نہ ہو تو قصد نہیں ہوسکتا اور قصد نہ ہو تو عمل واقع نہیں ہوسکتا۔ اور قوائے عمل کے استعمال کے موقع پر یہ ایک ناگزیر اور طبعی چیز ہے۔ چنانچہ شارع کی طرف سے اگر بغیر نیّت کے اعمال و عبادات کے بجالانے کا حکم ہوتا تو اس سے کوئی بھی عہدہ برآنہ ہوسکتا۔ اس سے یہ

---

[1] مجموعۂ ورام، ج ۱، ص ۴۰۔

[2] تفسیر الصافی، ج ۲، ص ۲۳۶۔

امر بھی واضح ہوگیا کہ نیّت ان الفاظ کا نام نہیں ہے جو کسی عمل کے بجالانے کے وقت زبان سے کہے جاتے ہیں۔ کیونکہ نیّت کا تعلق دل سے ہوتا ہے اور الفاظ کا تعلق زبان سے۔ اس لئے زبان کے الفاظ کے بجائے دل کے قصد و ارادہ کو نیّت تصور کرنا چاہیئے۔

اس نیّت کے مختلف درجات ہیں جن کے لحاظ سے اعمال میں رفعت یا پستی پیدا ہوتی ہے۔ اگر نیّت میں صدق و خلوص ہے تو عمل بلند اور اگر ریاء و نمود ہے تو عمل فاسد۔ چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: «اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ»: ''نیت پر عمل کا انحصار ہے''۔[1]

ان درجات میں سے:

☆ پہلا درجہ یہ ہے کہ اس میں ریا و نمود کارفرما ہو۔ اس نیّت کے ماتحت جو عمل واقع ہوگا اس پر ثواب کا مرتب ہونا تو درکنار گناہ عائد ہوگا۔ عبادات میں جو ریا کارفرما ہوتا ہے اس کی تین قسمیں ہیں: پہلی قسم یہ ہے کہ نفس عبادت میں تو ریا نہ ہو لیکن اس کے دوسرے اوصاف میں نمائش مقصود ہو۔ اس طرح کہ گھر پر نماز پڑھی جائے تو مختصر اور گھر سے باہر دوسروں کے سامنے پڑھی جائے تو طویل۔ دوسری قسم یہ ہے کہ مستحب عبادتوں میں ریا کرے اس طرح کہ گھر میں یا تنہائی میں تو نوافل بجانہ لائے مگر کہیں دوسری جگہ ہو تو نوافل بھی پڑھے اور نمازِ شب بھی بجالائے۔ اور تیسری قسم یہ ہے کہ واجب عبادتوں میں ریا کرے۔ اس طرح کہ گھر میں تو نہ نماز پڑھے اور نہ روزہ رکھے اور جب دکھلاوے کا موقع ہو تو نماز بھی پڑھے اور روزہ بھی رکھے۔ ریا کی یہ صورت سب سے زیادہ مہلک اور خطرناک ہے۔

☆ نیّت کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ جنّت کی خواہش اور عذاب سے بچاؤ کیلئے عمل کرے۔ یہ نیّت اخلاص کے منافی نہیں ہے، کیونکہ شارع نے خود ترغیب و ترہیب سے کام لیا ہے۔

☆ تیسرا درجہ یہ ہے کہ شکر و سپاس کو ملحوظ رکھتے ہوئے عمل کرے تاکہ اس شکر کے نتیجہ میں اس کی نعمتوں میں اضافہ ہو۔ یہ عمل بھی خلوص کا حامل ہوگا۔ اسی طرح اُن عبادات میں جو دنیوی اغراض سے وابستہ ہوتی ہیں ان میں رزق، اولاد وغیرہ کا قصد کرنا صحت و اخلاص کے منافی نہ ہوگا۔

☆ چوتھا درجہ یہ ہے کہ حیا کے احساس سے متاثر ہو کر عبادت کرے۔

☆ پانچواں درجہ یہ ہے کہ خدا کے جلال و جبروت کے اثر سے متاثر ہو کر اعمال بجالائے۔

☆ چھٹا درجہ یہ ہے کہ تعمیل حکم کے لحاظ سے عبادت کرے۔

☆ ساتواں درجہ یہ ہے کہ اُسے عبادت کا اہل و سزاوار سمجھتے ہوئے اس کے آگے سر نیاز خم کرے۔ یہ نیّت ان بندوں سے مخصوص ہے جو تقرب کے مدارجِ عالیہ پر فائز ہوتے ہیں اور اسی کو حضرتؑ نے ''احسن النیات'' سے تعبیر فرمایا ہے۔ کیونکہ اس کے اندر حسن و خوبی اور اظہارِ عبودیت کے علاوہ اور کوئی جذبہ نہیں ہوتا۔ اسی کا ذکر امیر المومنین علیہ السلام کے اس ارشاد میں ہے:

مَا عَبَدْتُكَ خَوْفًا مِّنْ نَّارِكَ وَلَا طَمَعًا فِيْ جَنَّتِكَ، وَلٰكِنْ وَّجَدْتُّكَ اَهْلًا لِّلْعِبَادَةِ فَعَبَدْتُّكَ.

میں نے تیری پرستش جہنّم کے ڈر سے اور جنّت کی طمع سے نہیں کی، بلکہ تجھے عبادت کا سزاوار پایا ہے اس لئے تیری

[1] مصباح الشریعہ، ص ۵۳۔

پرستش کی ہے ۔[۱]

سایه طوبیٰ و دلجویی حور و لب حوض　　　به هوای سر کوی تو برفت از یادم

عمل:

اسلام نے اگرچہ ''علم'' کو بڑی اہمیت دی ہے، مگر ''عمل'' کی اہمیت بھی ناقابل انکار ہے، بلکہ علم کی اہمیت بھی اسی صورت میں ہے جب اس کے مقتضیات پر عمل کیا جائے اور اگر اس کے تقاضوں کو ٹھکرا دیا جائے تو وہ علم جہل، بلکہ جہل سے بھی بدتر ہے ۔ کیونکہ جہالت کبھی معذوری کا سبب قرار پا جاتی ہے مگر علم کے بعد تو کوئی عذر مسموع نہیں ہوتا۔ لہٰذا علم اسی صورت میں سُود مند سمجھا جاسکتا ہے جب اس کے ساتھ عمل بھی ہو۔ اور عمل چونکہ نیّت سے وابستہ ہے اس لئے جس مرتبہ پر نیّت ہوگی اسی مرتبہ پر عمل ہوگا۔ اگر اس میں نمود و ریا ہو تو وہ عمل وبالِ جان ہے ۔ اور اگر صدق وخلوص کا حامل ہو تو وہ اُخروی فوز و کامرانی کا پروانہ ہے ۔ خداوند عالم عمل کی ظاہری شکل وصورت اور اس کی کمیت ومقدار کو نہیں دیکھتا، بلکہ اس جذبہ اخلاص کو دیکھتا ہے جس کے ماتحت وہ عمل بجالایا گیا ہو۔ اگر خلوص کے ساتھ کم عبادت ہو تو وہ اس طویل ذکر وریاضت سے بہتر ہے جس میں خلوص کارفرمانہ ہو۔ ایسے اعمال ہی کو امام علیہ السلام نے ''احسن الاعمال'' سے یاد کیا ہے اور قدرت نے انہیں اعمالِ صالحہ سے تعبیر کیا ہے ۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۝۱۱۰﴾

جو شخص لقائے پروردگار کی آرزو رکھتا ہے اسے عمل صالح بجا لانا چاہئے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرنا چاہئے ۔[۲]

عدل:

افراط وتفریط کی دو مختلف سمتوں کے درمیان حدّ وسط کا نام ''عدل'' ہے ۔ اس حدّ وسط کے التزام سے ''فضائل'' اور اس سے انحراف کے نتیجہ میں ''رذائل'' وجود میں آتے ہیں ۔ چنانچہ اخلاق کے بنیادی عناصر چار ہیں: حکمت، عفّت، شجاعت اور عدالت ۔

اور ان میں سے ہر عنصر وسط اور نقطۂ اعتدال پر واقع ہے اور اگر مرکزِ اعتدال سے اُسے ہٹا دیا جائے تو ایک دوسری ہی نوعیت کی چیز پیدا ہو جائے گی ۔

''حکمت'' میں اگر افراط کی صورت ہو تو وہ خباثت اور چالاکی بن جاتی ہے اور تفریط کی صورت ہو تو وہ نافہمی وکند ذہنی ہو جاتی ہے ۔

''عفّت'' میں اگر افراط ہو تو وہ خمود و بے حسّی ہے اور تفریط ہو تو ہوس رانی وشہوت پرستی کہلاتی ہے ۔

''شجاعت'' میں اگر افراط ہو تو وہ قہر وتہور ہے اور تفریط ہو تو بزدلی وکم ہمتی کے نام سے پکاری جاتی ہے ۔

اور عدالت حدّ وسط سے انحراف کی صورت میں ظلم یا ذلّت وخواری کی شکل اختیار کرے گی ۔ اسی طرح دوسرے اخلاقِ فاضلہ میں عدل وتوازن

---

[۱] عوالی اللئالی، ج۱، ص۴۰۴ ۔

[۲] سورۂ کہف، آیت ۱۱۰ ۔

ہی باعثِ حُسنِ خوبی ہے۔ چنانچہ ''اقتصاد و میانہ روی'' میں خوبی اسی لئے ہے کہ وہ بخل اور اسراف کے وسط میں ہے۔ اور ''تواضع'' میں حُسن اسی لئے ہے کہ وہ نہ غرور کی حد تک پہنچتی ہے اور نہ ذلّتِ نفس کی سطح پر اُتر آتی ہے۔ غرض ہر فضیلت وہ قول سے متعلق ہو یا عمل سے یا اعتقاد سے، عدل ہی اس کا اصل جوہر ہے۔ اور چونکہ ہر چیز میں حدّ وسط سے انحراف کی صورت میں متفرّق راہیں پیدا ہو جاتی ہیں اس لئے ضلالت کے راستے متعدد اور ہدایت کا راستہ ایک ہوگا۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ﴾

یہ میرا سیدھا راستہ ہے اس کی پیروی کرو۔ اور دوسرے متعدد راستوں کی پیروی نہ کرو، ورنہ وہ تمہیں حق کی راہ سے منتشر کر دیں گے۔[1]

ذکر و فکر:

''ذکر'' یہ ہے کہ دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ رہے اور ''فکر'' یہ ہے کہ انسان خلقتِ کائنات و مظاہر فطرت پر نظرِ غائر ڈال کر صانع کے حُسنِ صنعت کا کرشمہ دیکھے۔ ''ذکر'' سے تزکیۂ نفس ہوتا ہے اور غفلت کے پردے چاک ہو جاتے ہیں اور ''فکر'' سے علم و یقین کی روشنی بڑھتی ہے۔ چنانچہ جب وہ تعقّل و تفکّر سے کام لیتا ہے اور اپنے اندر اور باہر کی کائنات میں غور و فکر کرتا ہے تو اُسے ہر چیز کی تہ میں ایک حکیمانہ تدبر و فہم کارفرما نظر آتا ہے۔ خود اپنی ذات پر نظر کرتا ہے تو دیکھتا ہے کہ نطفہ کے ایک حقیر قطرہ سے اس کے وجود کی بنیاد رکھی گئی اور ایک معینہ مدت تک شکمِ مادر میں اس کے نشو و نما کے سامان ہوتے رہے اور دُنیائے ہست و بود میں قدم رکھتے ہی سانس لینے کیلئے ہوا، تشنگی بجھانے کیلئے پانی اور گرسنگی دُور کرنے کیلئے ہر طرف رزق کے انبار فراوانی سے موجود۔ اور جسمانی ساخت کا ایسا مستحکم نظام جس میں ذرّہ بھر نقص نہیں۔ اس طرح کہ ہڈیوں کے سہارے پر جسم کو کھڑا کیا گیا، اس میں رگوں کا جال اس طرح پھیلایا گیا کہ ازسرتاپا خون کی گردش ہوتی رہے اور ہر عضو کو اس کی ضرورت کے مطابق غذا ملتی رہے۔ اور ہڈیوں کے جوڑ بند اس طرح ملائے کہ اُٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے میں ذرا رکاوٹ نہ ہو اور تمام وظائف خوش اسلوبی سے انجام پاتے رہیں۔ اس منظّم کارخانہ اور اس کے نظم و نسق کو دیکھنے کے بعد وہ یہ تسلیم کرنے کیلئے کبھی آمادہ نہ ہوگا کہ یہ بے شعور مادہ کی کارفرمائی اور بعض عناصر کے اتفاقی تصادم کا نتیجہ ہے۔ اس لئے کہ اگر ایسا ہوتا تو کائنات میں یکسانیت اور نظمِ خلقت میں وحدت نظر نہ آتی، جبکہ یہ مسلّم ہے کہ اتفاق نہ حدود کا پابند ہوتا ہے نہ قیود کا۔ لہٰذا یہ نظم و انضباطِ عالم اس کی قوی دلیل ہے کہ دیکھ بھال کرنے والی کوئی مدبر ہستی موجود ہے اور جوں جوں غور و فکر میں ترقی ہوگی، اللہ تعالیٰ کی ہستی کا یقین دل کے ہر رگ و ریشہ میں سرایت کرتا جائے گا اور اس کے رُخِ مستور سے شک و ابہام کا پردہ اٹھ جائے گا۔

چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

وَ الْعَجَبُ مِنْ مَّخْلُوْقٍ يَّزْعُمُ اَنَّ اللّٰهَ يَخْفٰى عَلٰى عِبَادِهٖ وَ هُوَ يَرٰى اَثَرَ الصُّنْعِ فِيْ نَفْسِهٖ بِتَرْكِيْبٍ يَّبْهَرُ عَقْلَهٗ وَ تَاْلِيْفٍ يُّبْطِلُ حُجَّتَهٗ.

---

[1] سورۂ انعام، آیت ۱۵۳۔

تعجب ہے اس پر جو یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ اپنے بندوں کی نظروں سے اوجھل ہے۔ حالانکہ وہ اپنے اندر اس کی صنعت کے ایسے آثار دیکھتا ہے جن کی ترکیب و ترتیب اس کی عقل کو حیران اور اس کے خلاف اس کی ہر دلیل کو توڑ دیتی ہے۔[1]

یونہی کائناتِ عالم کی طرف نگاہ دوڑاتا ہے تو دیکھتا ہے کہ کس حکمتِ کاملہ سے سورج، چاند اور ان گنت ستارے ضیا پاشی کا سامان کر رہے ہیں، اور فضا میں ہر طرف ہوائیں پھیلی ہوئی ہیں۔ تاکہ زمین کے ہر حصّہ پر سانس لی جا سکے اور اس کی متموج لہروں کے ذریعہ شرق و غربِ عالم کی آوازوں کو سمیٹا جائے اور اس فرشِ زمین کو کس طرح انسانی بُود و ماند کے قابل بنایا گیا ہے کہ نہ اتنا سخت کہ چلنے پھرنے میں تکلیف ہو اور نہ اتنا نرم کہ پیر اندر دھنسنے لگیں۔ اور اجزائے ارضی میں قوت نامیہ ودیعت کرکے اُس کی عریانی کو سبزے سے ڈھانپا اور اس کی گود کو پھلوں اور خوش رنگ پھولوں سے بھرا گیا ہے۔ اور اس کی سیرابی کیلئے بادلوں سے مینہ برسائے گئے اور پہاڑوں سے آبِ شیریں کے چشمے جاری کئے گئے۔ اور اس کی تہہ میں قیمتی دھاتوں کے خزانے بھر دیئے گئے۔ کیا یہ سب کچھ خود بخود ہو گیا ہے یا کسی صانع کی اعجاز نمائی ہے۔ جب وہ اپنے اندر اور عالم میں بکھری ہوئی نشانیوں کو دیکھتا تو اس میں شک و تذبذب کا شائبہ بھی باقی نہیں رہتا اور اس کی ہستی کا یقین دل میں راسخ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ۝۲۰ۙ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۝۲۱﴾

یقین رکھنے والوں کیلئے زمین میں بے شمار نشانیاں ہیں اور خود تمہارے اندر بھی تو کیا تم اتنا بھی نہیں دیکھتے۔[2]

پھر دنیا کے تغیرات و انقلابات کو دیکھتا ہے کہ جو بنتا ہے وہ بگڑتا ہے، جو کھلتا ہے وہ مرجھاتا ہے اور جو پیدا ہوتا ہے وہ مرتا ہے۔ تو کیا یہ تمام کارخانہ شکست و ریخت بغیر کسی مقصد کے ہے؟ غور و فکر اسے اس نتیجہ تک پہنچائے گا کہ جب ہر چیز کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے تو اس دنیا کی عظیم زندگانی کا بھی کوئی مقصد ہونا چاہئے۔ اور جب کہ ہر بگاڑ کے پیچھے بناؤ اور سلجھاؤ ہے تو اس فانی زندگی کے پیچھے بھی کوئی باقی و جاوداں زندگی ہونا چاہئے جسے دنیوی زندگی کا مقصد قرار دیا جا سکے۔ اور جب ان دونوں زندگیوں میں موازنہ کرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ ایک کا نتیجہ فنا اور ایک کا انجام بقا ہے تو وہ آخرت کی دائمی راحت کو دنیا کی چند روزہ زندگی پر ترجیح دے گا۔ جب غور و فکر سے اس نتیجہ پر پہنچتا ہے تو عمل کی تحریک اور آخرت کے سر و سامان کی فکر دامن گیر ہوتی ہے اور اس طرح وہ ذخیرۂ آخرت فراہم کرنے اور عمل صالح بجالانے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے:

اَلتَّفَكُّرُ يَدْعُوْ اِلَى الْبِرِّ وَ الْعَمَلِ بِهٖ.

تفکر، نیکی اور اس پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دیتا ہے۔[3]

تقویٰ:

''تقویٰ'' نام ہے اس تاثر کا جو عظمت و اقتدارِ الٰہی کے تصور سے انسان کے دل و دماغ پر طاری ہوتا ہے، جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت

---

[1] بحار الانوار، ج ۳، ص ۱۵۲۔

[2] سورۂ ذاریات، آیت ۲۰-۲۱۔

[3] الکافی، ج ۲، ص ۵۵۔

اور ادائے فرض پر آمادہ ہوتا ہے، تاکہ عقبیٰ کی باز پرس اور جہنم کے عذاب سے اپنا تحفظ کر سکے۔ خداوند عالم نے بہت سے محامد و اوصاف کو تقویٰ سے وابستہ کیا ہے، جن میں چند یہ ہیں جو قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں:

✼ ۱۔ "تقویٰ" ایک ممدوح صفت ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ ﴾

اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو بے شک یہ بڑے حوصلہ کے کام ہیں۔[1]

✼ ۲۔ یہ کید و مکر سے حفظ و نگہداشت کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا لَا يَضُرُّكُمۡ كَيۡدُهُمۡ شَيۡـــًٔا ؕ﴾

اور اگر تم صبر اور تقویٰ اختیار کرو تو تمہیں ان کا مکر ذرا نقصان نہ پہنچا سکے گا۔[2]

✼ ۳۔ یہ تائید و نصرتِ الٰہی کا وسیلہ ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيۡنَ اتَّقَوْا﴾

اللہ تعالیٰ تو بس ان لوگوں کے ساتھ ہے جو اس سے ڈرتے ہیں۔[3]

✼ ۴۔ یہ سختیوں سے رہائی اور رزق کی فراوانی کا باعث ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّهٗ مَخۡرَجًا ۙ وَّيَرۡزُقۡهُ مِنۡ حَيۡثُ لَا يَحۡتَسِبُ ؕ﴾

جو خدا سے ڈرے گا تو خدا اس کیلئے رہائی کی صورت پیدا کر دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے سان گمان بھی نہ ہو۔[4]

✼ ۵۔ یہ اصلاحِ عمل کا ذریعہ ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوۡلُوۡا قَوۡلًا سَدِيۡدًا ۙ يُّصۡلِحۡ لَكُمۡ اَعۡمَالَكُمۡ﴾

(اے ایمان والو!) خدا سے ڈرتے رہو اور جب کہو تو درست بات کہو تو خدا تمہارے اعمال درست کر دے گا۔[5]

✼ ۶۔ یہ محبت الٰہی کا پیش خیمہ ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَّقِيۡنَ ﴾

---

[1] سورۂ آل عمران، آیت ۱۸۶۔

[2] سورۂ آل عمران، آیت ۱۲۰۔

[3] سورۂ نحل، آیت ۱۲۸۔

[4] سورۂ طلاق، آیت ۲-۳۔

[5] سورۂ احزاب، آیت ۷۰-۷۱۔

بیشک اللہ پرہیز گاروں کو دوست رکھتا ہے۔[1]

✲ ۷۔اس پر قبولیت اعمال کا انحصار ہے۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ۝۲۷﴾

اللہ تعالیٰ صرف پرہیز گاروں کے اعمال قبول کرتا ہے۔[2]

✲ ۸۔ یہ دشواریوں کے حل کرنے کا ذریعہ ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا۝۴﴾

جو خدا سے ڈرتا ہے خدا اس کے کام میں سہولت و آسانی پیدا کر دیتا ہے۔[3]

✲ ۹۔ یہ عفوِ گناہ اور اجرِ عظیم کا باعث ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا۝۵﴾

جو خدا سے ڈرتا رہے گا تو وہ اس کے گناہ دُور کر دے گا اور اُسے بڑا اجر دے گا۔[4]

✲ ۱۰۔ یہ فلاح وکامرانی کا باعث ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝۲۰۰﴾

خدا سے ڈرو تا کہ تم فلاح وکامرانی حاصل کرو۔[5]

✲ ۱۱۔ یہ عزت وسرفرازی کا سبب ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ﴾

بے شک خدا کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ باعزت وہی ہے جو بڑا پرہیز گار ہو۔[6]

✲ ۱۲۔ یہ موت کے وقت نوید و بشارت کا سبب ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ۝۶۳ؕ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ ؕ﴾

وہ لوگ جو ایمان لائے اور خوف کھاتے رہے، انہیں دنیا کی زندگی میں بھی بشارت ہے اور آخرت میں بھی۔[7]

---

[1] سورۂ توبہ، آیت ۴۔
[2] سورۂ مائدہ، آیت ۲۷۔
[3] سورۂ طلاق، آیت ۴۔
[4] سورۂ طلاق، آیت ۵۔
[5] سورۂ آل عمران، آیت ۲۰۰۔
[6] سورۂ حجرات، آیت ۱۳۔
[7] سورۂ یونس، آیت ۶۳-۶۴۔

✲ ۱۳۔ یہ نجات کا ذریعہ ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوْا﴾

پھر انہی کو نجات دیں گے جو ڈرتے رہے ہیں۔[1]

✲ ۱۴۔ یہ فوزِ اُخروی کا ضامن ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى﴾

پرہیزگاری ہی کا تو انجام بخیر ہے۔[2]

محبت ومودّت:

دنیا میں زندگی بسر کرنے کیلئے جن چیزوں کی ضرورت ہے ان میں سب سے زیادہ ضروری چیز تعلقات کی خوشگواری اور باہمی تعاون وسازگاری ہے۔ کیونکہ انسان اپنے ضروریات میں ایک دوسرے کا محتاج ہے اور دوسروں سے بے نیاز رہ کر زندگی بسر نہیں کرسکتا۔ اور محبت و باہمی وابستگی کی صورت میں بآسانی ان ضروریات کو پورا کیا جاسکتا ہے اور محبت کے ہوتے ہوئے کسی کو کسی سے شکایت کا موقع نہ ملے گا۔ کیونکہ محبت ایثار کی مقتضی ہوتی ہے اور روابط محبت کی استواری کے بعد اگر کوئی نقصان ہوتا بھی ہو تو اُسے نظرانداز کیا جاسکتا ہے۔ اسی لئے شارع اسلام نے نماز پنجگانہ، جمعہ کے اجتماع، مصافحہ اور میل ملاقات کو خاص اہمیت دی ہے، تاکہ لوگوں میں اُلفت و یگانگت کے رابطے بڑھیں اور ایک دوسرے کے دُکھ درد میں شریک ہوں، دوسروں کی ضرورتوں کو پورا کریں اور اپنے بنی نوع کے کام آئیں۔

صلۂ رحمی:

''صلۂ رحمی'' یہ ہے کہ اپنے عزیزوں اور قریبیوں سے قطع تعلق نہ کرے، نہ انہیں کسی قسم کا گزند پہنچائے اور نہ اُن کے متعلق کوئی ایسی بات کہے جو رنجش و دل شکستگی کا باعث ہو، بلکہ ہر طرح سے اُن کی دلجوئی و ہمدردی کرے، احتیاج وضرورت کے موقع پر اگر استطاعت رکھتا ہو تو اُن کی مدد کرے، کسی مصیبت میں مبتلا ہوں تو ان کی رہائی کیلئے تگ و دو کرے، بیمار ہوں تو عیادت کیلئے جائے، غمی خوشی میں شرکت کرے۔ اس صلۂ رحمی کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے محبت وموانست کے جذبات قوی ہوتے ہیں جو ایک دوسرے سے وابستہ کردیتے ہیں جس کے نتیجہ میں وہ وقت پر کام آتے ہیں، دُکھ درد میں شریک ہوتے ہیں اور اس اجتماع واتحاد سے قوت و پشت پناہی حاصل ہوتی ہے۔ اور احادیث میں وارد ہوا ہے کہ اس سے عمر میں اضافہ اور فقر و پریشانی کا ازالہ ہوتا ہے۔

احسان:

کسی کے ساتھ نیکی کرنا ''احسان'' کہلاتا ہے۔ احسان کا پھل دنیا میں ملتا ہے اور آخرت میں بھی۔ چنانچہ انسان جب دوسرے کے ساتھ اچھا

---

[1] سورۂ مریم، آیت ۷۲۔

[2] سورۂ طٰہٰ، آیت ۱۳۲۔

سلوک کرتا ہے تو «اَلْاِنْسَانُ عَبِیْدُ الْاِحْسَانِ»: ''انسان بندۂ احسان ہے'' کی بنا پر دوسرا اس حسن سلوک و ہمدردی سے متاثر ہوگا اور اس کے دل میں محبت و خیر سگالی کے جذبات پیدا ہوں گے اور وہ اس احسان کے بدلہ میں اپنی تمام ہمدردیوں کو اس کیلئے وقف کر دے گا۔ اور وہ خود بھی جب نام و نمود اور ذاتی اغراض کے جذبات سے الگ ہو کر کسی کے ساتھ نیکی کرتا ہے مثلاً کسی بھوکے کو کھانا کھلاتا ہے یا کسی نادار کی مدد کرتا ہے تو ایک ایسی ملکوتی مسرت محسوس کرتا ہے جو مادی لذائذ سے کہیں زیادہ کیف افزا ہوتی ہے۔ اور اگر اس کے احسان کو ناقدری و ناشکری کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے تو اسے اس پر کبیدہ خاطر نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ اس کا احسان رائیگاں نہیں گیا۔ اس لئے کہ اُس نے روحانی مسرت کے ساتھ محبت الٰہی کی دولت حاصل کر لی ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾

اللہ تعالیٰ کی محبت ان کیلئے ہے جو احسان کرنے والے ہیں۔[1]

چشم:

اگر انسان دوسروں کے عیوب ہی پر نظر رکھے اور کسی موقع پر ''چشم'' سے کام نہ لے تو وہ کبھی اپنی زندگی کو خوشگوار نہیں بنا سکتا۔ کیونکہ انسانوں میں عیب تو ہوتے ہی ہیں۔ اگر اُن کی ہر ہر غلطی پر نظر رکھی جائے اور ہر بات سے اثر لیا جائے تو وہ ان کی نظروں میں کھٹکنے لگے گا اور تعلقات کی خوشگواری ختم ہو جائے گی اور اس طرح وہ اپنے ہاتھ سے اپنے دوستوں کو کھو دے گا اور وقت پڑا اُسے کوئی معاون و مددگار نہ مل سکے گا۔

خوش خلقی:

یہ وہ جوہر ہے جو اپنی تابانیوں سے چاروں طرف مسرت پھیلاتا اور دل و دماغ کو غم و غصّہ کے مضر جذبات سے بچا کر ایک کیف افزا ماحول میں پہنچا دیتا ہے۔ چنانچہ جو خوش خوئی و نرم روی کے صفات رکھتا ہے وہ نہ تنہا اپنی ذہنی فضا کو پُر مسرت بناتا ہے بلکہ دوسروں کیلئے بھی بساطِ مسرت چن دیتا ہے اور اس طرح وہ بڑی آسانی سے دوسروں کا تعاون حاصل کرتا اور اپنے بگڑے کاموں کو بنا لیتا ہے۔

اصلاحِ ذات البین:

باہم غلط فہمیوں کو دُور کر کے دو شخصوں کو آپس میں ملا دینا ''اصلاح ذات البین'' کہلاتا ہے۔ اس سلسلہ میں اگر کوئی بات خلافِ واقع کہنی پڑے، اس طرح کہ ایک کو دوسرے کی طرف سے یہ کہے کہ وہ تمہارے متعلق بڑے اچھے خیال کا اظہار کرتا تھا اور دوسرے سے یہ کہے کہ وہ تمہارے فلاں کام کی بڑی تعریف کرتا تھا تو یہ باتیں اگر چہ خلافِ واقع ہیں لیکن مقصد کی اہمیّت کے پیشِ نظر اس دروغ مصلحت آمیز کی شرعاً اجازت ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دونوں طرف سے دل صاف ہو جائیں گے اور کدورتیں ختم ہو جائیں گی۔ اسی اہمیت کے پیشِ نظر قدرت کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ﴾

---

[1] سورۂ آل عمران، آیت ۱۴۸۔

مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں لہٰذا اپنے دو بھائیوں میں (اگر رنجش ہو تو) میل کرا دیا کرو۔[1]

راست گوئی:

علم و یقین کے مطابق کسی بات کے کہنے کا نام سچ اور خلاف واقعہ اظہار کا نام جھوٹ ہے۔ خواہ یہ خلافِ واقعہ اظہار زبان سے ہو یا سَر کی حرکت سے یا ہاتھ کے اشارہ سے۔ سچ اخلاقی تعمیر کی بنیاد اور خود اعتمادی و ذہنی سکون کا سرچشمہ ہے اور جھوٹ سے اطمینان و ذہنی اعتماد ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ سچ فطری اور جھوٹ فطرت سے بغاوت ہے۔ چنانچہ ایک بچے سے جو ابھی غلط ماحول سے متاثر نہ ہوا ہو، کوئی بات دریافت کی جائے تو بے ساختہ اس کی زبان پر سچی بات آئے گی اور جب پہلے پہل کسی سے کوئی خلافِ واقعہ بات سنتا ہے تو اسے ایک طرح سے حیرت ہوتی ہے کہ یہ کیا؟ اور اس کی صاف و سادہ طبیعت پر یہ چیز گراں گزرتی ہے۔ سچا انسان بغیر کسی ہتھیار کے اپنے اندر اتنی قوت رکھتا ہے کہ اس کا مقابلہ مشکل ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف جھوٹا آدمی جھوٹ کے ظاہر ہو جانے کے اندیشہ سے غیر مطمئن اور ذہنی الجھاؤ میں مبتلا اور متذبذب و متزلزل رہتا ہے۔ اور چونکہ لوگ اس کی بات پر اعتماد نہیں کرتے اس لئے وہ ان کی نگاہوں میں بھی ذلیل اور خود اپنی نظروں میں بھی حقیر ہو جاتا ہے۔ اسلام اصلاحِ معاشرہ اور باہمی تعاون و اعتماد کا داعی ہے اور یہ دونوں چیزیں سچائی سے وابستہ ہیں۔ اس لئے وہ ایک مسلمان کو زندگی کے ہر شعبہ میں سچائی کی راہ پر گامزن دیکھنا چاہتا ہے۔ خواہ سچائی بہت سے منافع سے محرومی اور جھوٹ بہت سے فوائد کا باعث کیوں نہ ہو۔ چنانچہ امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے:

عَلَامَةُ الْاِيْمَانِ اَنْ تُؤْثِرَ الصِّدْقَ حَيْثُ يَضُرُّكَ عَلَى الْكَذِبِ حَيْثُ يَنْفَعُكَ.

ایمان کی علامت یہ ہے کہ جہاں سچائی سے نقصان اور جھوٹ سے کچھ فائدہ بھی حاصل ہو رہا ہو، سچائی ہی کو اختیار کرے۔[2]

وہ اوصاف جن سے انسان کو خالی ہونا چاہئے تا کہ اخلاق کی تربیت بہ احسن طریق ہو سکے، یہ ہیں:

بدعت:

''بدعت'' کے لغوی معنی نئی چیز کے ہیں اور اصطلاحاً اس چیز کو کہتے ہیں جو قرآن و سنّت کے خلاف ہونے کے باوجود دین میں داخل کر لی گئی ہو۔ یہ حرام اور سراسر ضلالت و گمراہی ہے۔ جیسے نوافل میں جماعت، جمعہ کے دن اذان میں اضافہ، قبل از وقت افطار، اعضائے مسح کو مسح کے بجائے دھونا، امام حق کے خلاف بغاوت وغیرہ۔ اور ہر نئی چیز پر بدعت کا اطلاق صحیح نہیں ہے، چنانچہ شہیدؒ نے قواعد میں تحریر کیا ہے کہ صرف انہی چیزوں کو بدعت سے تعبیر کیا جائے گا جو ادلہ تحریم کے تحت میں آتی ہوں اور جو اس کے تحت میں نہ آتی ہوں انہیں حرام نہیں کہا جائے گا، بلکہ اُن میں سے بعض واجب ہیں، جیسے کتاب و سنّت کی تدوین جبکہ ان کے تلف ہونے کا اندیشہ ہو، اور بعض مستحب ہیں جیسے دینی مدارس کی تاسیس، اور بعض مکروہ ہیں جیسے تزئین مساجد، اور بعض مباح ہیں جیسے آرام و رفاہیت کی زندگی بسر کرنا۔

---

[1] سورۂ حجرات، آیت ۱۰۔

[2] نہج البلاغہ، حکمت نمبر ۴۵۸۔

قیاس:

دین میں قیاس کے معنیٰ یہ ہیں کہ کسی امر مشترک کی وجہ سے ایک چیز کا حکم دوسری چیز پر جاری کرنا، کیونکہ وہ امرِ مشترک ہی اس حکم کی علّت ہے اور علّت کا اتحاد حکم کے اتحاد کا مقتضی ہوتا ہے۔ اس قیاس کی تین قسمیں ہیں:

- پہلی قسم قیاس منصوص العلة ہے۔ جیسے ارشادِ نبوی ﷺ: حُرِمَتِ الْخَمْرُ لِاِسْكَارِهَا[1]: ''شراب نشہ آور ہونے کے سبب سے حرام ہے'' سے ہر نشہ آور چیز کو حرام قرار دینا۔ یہ قیاس صحیح ہے، کیونکہ شارع نے خود علّت کو بیان کر دیا ہے۔
- دوسری قسم قیاس بطریق اولیٰ ہے جیسے ارشادِ الٰہی: ﴿فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ﴾[2]: ''ماں باپ کو اُف تک نہ کہو'' سے گزند و اذیت کا حرام قرار دینا۔ یہ قیاس بھی اپنی اولویت کی بنا پر درست ہے۔
- تیسری قسم قیاس مستنبط العلة ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی رائے سے علت کا استنباط کر لیا جائے اور اسے مناطِ حکم قرار دے لیا جائے۔ یہ قیاس شیعی نقطۂ نظر سے صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ قیاس و رائے کی تجویز کی ہوئی علّت کا علّت ہونا ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ چور کا ہاتھ اگر ایک چوتھائی دینار کی وجہ سے کاٹا جاتا ہے تو از روئے قیاس غاصب کا ہاتھ بھی اس مقدار پر قطع ہونا چاہئے، حالانکہ وہ ہزار دینار بھی غصب کر لے جب بھی اس کے ہاتھ قطع نہیں ہوں گے۔ اس لئے آئمہ معصومین علیہم السلام نے اس قسم کے قیاس سے منع کیا ہے تا کہ انسانی رایوں سے شریعت کے خدوخال مسخ نہ ہونے پائیں۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

اِنَّ السُّنَّةَ اِذَا قِيْسَتْ مُحِقَ الدِّيْنُ.

سنت میں اگر قیاس کیا جائے تو دین ہی ختم ہو جائے گا۔[3]

البتہ ایک گروہ اس قسم کے قیاس کو صحیح سمجھتا اور اسے شرعی ماخذ قرار دیتا ہے۔ ابن قتیبہ نے المعارف میں اس گروہ کے نمایاں افراد کے نام گنوائے ہیں جو یہ ہیں: ابن ابی لیلیٰ، ابوحنیفہ، ربیعہ ابن ابی عبد الرحمٰن، زفر ابن ہذیل، عبدالرحمٰن ابن عمرو اوزاعی، سفیان ثوری، مالک ابن انس، قاضی ابو یوسف اور محمد ابن الحسن الفقیہ۔ ان سب میں حضرت ابوحنیفہ کو ایک خاص شہرت و امتیاز حاصل ہے۔ چنانچہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اور دمیری نے حیٰوة الحیوان میں انہیں اہل قیاس و رائے کا امام تحریر کیا ہے اور زمخشری نے ربیع الابرار میں یوسف ابن اسباط کا یہ قول نقل کیا ہے:

رَدَّ اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَرْبَعَمِائَةِ حَدِيْثٍ اَوْ اَكْثَرَ.

امام ابوحنیفہ نے چار سو یا اس سے زیادہ حدیثوں کو قیاس کے مقابلے میں ناقابلِ عمل قرار دیا۔[4]

---

[1] بیان المختصر شرح مختصر ابن الحاجب، ج۲ص ۱۹۴۔
[2] سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۲۴۔
[3] الکافی، ج۱ص ۵۷۔
[4] ربیع الابرار، ج۱ص۳۱۱۔

عُجب وکبر:

''عُجب''(خود بینی) یہ ہے کہ انسان اپنی کسی خوبی پر ناز کرتے ہوئے دوسروں سے اپنے کو بلند و برتر تصور کرے، اعم اس سے کہ (خواہ) وہ خوبی اس میں پائی جاتی ہو یا نہ پائی جاتی ہو، یا جسے وہ خوبی سمجھ رہا ہے وہ واقع میں خوبی ہو یا صرف اسے خوبی تصور کر لیا ہو۔ اور ''کبر''(غرور) یہ ہے کہ دوسروں کے مقابلہ میں ایسے افعال وحرکات کا مظاہرہ کرے جن میں اپنی بلندی اور دوسروں کی تحقیر کا پہلو نکلتا ہو۔ مثلاً کسی کے ساتھ کھانے پینے میں ناک بھوں چڑھائے، غریب کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور تعلقات پیدا کرنا پسند نہ کرے، راستہ چلنے میں ساتھ والوں سے آگے رہنے کی کوشش کرے، دوسروں سے سلام کا منتظر رہے اور بات چیت میں بے رُخی و بے التفاتی کا رویہ اختیار کرے۔ یہ تمام چیزیں تکبّر کی علامات ہیں۔ ایسا شخص فیضانِ رحمت سے ہمیشہ محروم رہتا ہے۔ چنانچہ جب مینہ برستا ہے تو سر بلند چوٹیوں پر سے پانی گزر جاتا ہے اور جہاں نشیب ہوتا ہے وہاں جمع ہو جاتا ہے اور اس کے رگ وریشہ کو سیراب کر دیتا ہے۔

اس غرور وخود پسندی کا علاج یہ ہے کہ انسان اپنے آغاز و انجام کو دیکھے کہ «اَوَّلُهٗ نُطْفَةٌ وَّ اٰخِرُهٗ جِيْفَةٌ»[1]: ''اس کی ابتدا نطفہ اور انتہا مردار ہے''، اور اپنی شکستگی و درماندگی پر نظر کرے کہ وہ زندگی کے ہر گوشہ میں سراپا احتیاج ہے، اور ہر مرحلہ پر دوسروں کے سہارے کا منتظر، جب پیدا ہوا اس وقت دوسروں کی تربیت و نگرانی کا دست نگر، جب مرے گا اس وقت دوستوں کے قبر تک پہنچانے کا محتاج، اور جب تک زندہ رہا لباس، رہائش، غذا، دوا، غرض زندگی کے تمام ضروریات میں دوسروں کا سہارا ڈھونڈتا رہا۔ اس کے مقابلہ میں حیوان کا دائرہ احتیاج کہیں محدود ہے۔ وہ اپنی جائے رہائش، خوراک خود مہیّا کر لیتا ہے، لباس کی اسے احتیاج نہیں، مرض کا حملہ اس پر بہت کم ہوتا ہے اور جب ہوتا ہے تو اپنی دوا خود تلاش کر لیتا ہے۔

اگر انسان کو اپنے حسب ونسب پر غرور ہو تو اسے غور کرنا چاہئے کہ اس میں اس کی کارکردگی کا کیا دخل ہے کہ بلند نسبی اس کیلئے سرمایۂ افتخار بن سکے۔ اُسے یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ اپنے آباء کے کمالات کا ورثہ دار ہے، یا ننگِ اسلاف۔ اگر ورثہ دار ہے تو یہی ذاتی جوہر کیا کم ہے کہ وہ قصر عِز وافتخار کی تعمیر کیلئے بوسیدہ ہڈیوں کا سہارا ڈھونڈے۔ اور اگر باعثِ ننگ ہے تو ان پر افتخار موجبِ عار ہے۔

اور اگر مال و دولت کی وجہ سے غرور ہو تو یہ دیکھے کہ یہ تو مبروص اور کوڑھی لوگوں کے پاس بھی فراوانی کے ساتھ ہو سکتی ہے اور کافر و بے دین بھی اس میں سے زیادہ حصہ سمیٹ سکتا ہے۔ تو اس پر فخر ہی کیا جس میں ایک کافر بھی بڑھ جائے۔ اور قوت و طاقت پر ناز ہو تو ایک چیونٹی کو دیکھے کہ وہ دن بھر چلتی پھرتی اور اپنے سے چار سو گنا بوجھ اٹھا لیتی ہے، مگر تھکتی نہیں، اور شہد کی مکھی ایک قطرہ شہد تیار کرنے کیلئے تین سو پھولوں کا رَس چوستی ہے مگر تھکن محسوس نہیں کرتی، اور مچھر انتہائی قلیل غذا کے باوجود دن بھر پرواز کر سکتا ہے اور اسے چند گھنٹے بھی پیدل چلنا پڑے تو ہلکان ہو جائے۔

---

[1] نہج البلاغہ، حکمت نمبر ۴۵۴۔

حسد:

یہ ایک شدید قسم کا نفسانی مرض ہے جو حاسد کو گھن کی طرح اندر ہی اندر چاٹ لیتا ہے یہ سمجھتے ہوئے کہ حسد سے نہ محسود کا کچھ بگڑ سکتا ہے، نہ اس کی نعمتیں اور آسائشیں سلب ہو سکتی ہیں۔ پھر جلنا اور کڑھنا تقاضائے ہوشمندی کے سراسر خلاف ہے۔ بلکہ دوسرے کو نقصان پہنچنے کے بجائے خود اس کیلئے تلخیوں کے ایسے اسباب فراہم ہو جاتے ہیں جو اسے ہمیشہ قرار و سکون سے محروم اور ذہنی الجھنوں میں مبتلا رکھتے ہیں۔

چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

اَقَلُّ النَّاسِ لَذَّةً اَلْحَسُوْدُ.

حاسد سب سے بڑھ کر تلخ کام ہوتا ہے۔[1]

اگر اسے یہ یقین ہو کہ خداوند عالم جو کچھ کرتا ہے اس میں خیر و مصلحت ہی کارفرما ہوتی ہے۔ اگر کسی کو عزت و اقبال اور جاہ و ثروت سے وافر حصہ دیتا ہے تو اس میں بھی اس کی حکمت و مصلحت ہوتی ہے۔ لہٰذا حسد کرنا حکمت و مصلحت الٰہی کے خلاف چاہنا ہے اور یہ ایک طرح سے سرکشی و الحاد ہے جو خیر و سعادت سے محرومی کا باعث ہوتا ہے۔

غیظ و غضب:

یہ بھی ایک نفسانی مرض ہے جس کے نتیجہ میں انسان بے قابو ہو جاتا ہے اور زبان سے ایسے ناز یبا کلمات نکل جاتے ہیں، یا ہاتھ سے ایسی حرکت سرزد ہو جاتی ہے جس کے نتائج عموماً ناخوشگوار ہوتے ہیں۔ اگر اس ہیجانی کیفیت پر صبر و ضبط کے ذریعہ غلبہ پالیا جائے تو بہت سے مفاسد کا سد باب ہو جاتا ہے اور دوسرے رفیق پر یہ اثر پڑتا ہے کہ وہ اس زیادتی پر جو غصہ دلانے کا باعث ہوئی ہے خود نادم و شرمسار ہوتا ہے اور اپنی خطا کا اعتراف کرتے ہوئے معذرت پر آمادہ ہو جاتا ہے جس سے تلخی پھر خوشگواری سے بدل جاتی ہے۔

غیبت:

کسی مومن کی پس پشت برائی کرنا ''غیبت'' کہلاتا ہے۔ یہ ایک ایسی ناشائستہ خصلت ہے کہ انسان دوسروں کے عیوب کی ٹوہ میں لگا رہتا ہے تاکہ اپنی عادت کو پورا کرنے کیلئے اُسے مواد حاصل ہوتا رہے۔ قدرت نے اس خصلت کو مُردار خواری سے تعبیر کیا ہے، تاکہ انسان کی فطری کراہت کو اُبھار کر اُسے نفرت دلائے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا﴾

تم آپس میں ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو، کیا تم میں سے کوئی یہ گوارا کرے گا کہ وہ اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھائے۔[2]

---

[1] من لا یحضرہ الفقیہ، ج ۴، ص ۱۹۵۔

[2] سورۂ حجرات، آیت ۱۲۔

غیبت سے منع کرنے اور اس سے نفرت دلانے کیلئے اس سے بہتر کیا تعبیر ہوگی کہ یہ غیبت کرنا ایسا ہی ہے جیسے مُردہ بھائی کا گوشت کھانا۔ یہ قید اس لئے ہے کہ مُردہ نہ زبان سے کچھ کہہ سکتا ہے اور نہ ہاتھ سے روک سکتا ہے جس طرح چاہو اسے چیرو پھاڑو اور اس کی بوٹیاں نوچو۔ یہی حالت اس شخص کی ہوتی ہے جس کی غیبت کی جاتی ہے کہ وہ نہ غیبت کرنے والے کی زبان روک سکتا ہے اور نہ اُسے منع کر سکتا ہے۔ کیونکہ یہ سب بُرائی اس کے پس پشت ہوتی ہے۔ اس غیبت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے آپس میں نفرت بڑھتی ہے، پھر رفتہ رفتہ اس نفرت کا دائرہ اتنا وسیع ہو جاتا ہے کہ خاندانوں اور قوموں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ جس سے ایسے مفاسد جنم لیتے ہیں جو تباہی و بربادی کی تکمیل کر دیتے ہیں۔

تعییر:

کسی شخص کو اس کے عیب یا گناہ کی بنا پر مطعون قرار دینا "تعییر" کہلاتا ہے۔ یہ بھی بعض لوگوں کا دلچسپ مشغلہ ہے کہ وہ جس میں کوئی بری بات دیکھتے ہیں اس کی تنقیص شروع کر دیتے ہیں اور بعض تو اپنی تقشف پسندی و تنگ مزاجی کی وجہ سے اُسے نہی عن المنکر کے قبیل سے تصور کرتے ہوئے موقع و بے موقع زبانِ طعن کھول دیتے ہیں، حالانکہ اگر وہ خود اپنا جائزہ لیں تو اس جیسے کتنے ہی عیوب ان کے اندر موجود ہوں گے۔ درحقیقت یہ عیب بینی و نکتہ چینی اپنی ہی خامی ہوتی ہے جو دوسروں کے اندر نظر آتی ہے:

ای بسا ظلمی که بینی در کسان — خوی تو باشد دریشان ای فلان

اگر یہ گناہ سے نفرت دلانے اور نصیحت و خیر خواہی کے عنوان سے ہو تو یہ نہی عن المنکر کے قبیل سے سمجھی جائے گی جو اپنے محل و مورد سے وابستہ ہے، مگر یہ نکتہ چینی تو علاج کے بجائے دوسرے کی تحقیر و تذلیل کیلئے ہوتی ہے جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے کہ وہ خود اس عیب سے بری ہیں۔ لیکن بری ہوں بھی تو اس کا ذمہ تو نہیں لے سکتے کہ ان کا دامن کبھی داغدار نہ ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ جو آج دوسروں میں کیڑے ڈال رہے ہیں کل ان میں بھی پڑ جائیں۔ چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ عَيَّرَ مُؤْمِناً بِذَنْبٍ لَّمْ يَمُتْ حَتّٰى يَرْكَبَهٗ.

جو کسی مومن پر اس کے کسی گناہ کی وجہ سے عیب لگاتا ہے وہ ویسے ہی گناہ کا مرتکب ہو کر مرتا ہے۔[1]

سوءظن:

کسی مسلم و مومن کے متعلق خود ساختہ قرائن کی بنا پر خیال فاسد قائم کرنا سوءظن کہلاتا ہے۔ یہ چیز خبث فطرت وسُوء باطن کی دلیل ہے جس کے نتیجہ میں باہمی تعاون و اعتماد کا ماحول ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے قدرت نے بدگمانی کو گناہ سے تعبیر کرتے ہوئے اس سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ﴾

اے ایمان والو! بہت سی بدگمانیوں سے بچے رہا کرو کیونکہ بعض گمان بدگناہ ہوتے ہیں۔[2]

---

[1] الکافی، ج ۲، ص ۳۵۶۔

[2] سورۂ حجرات، آیت ۱۲۔

اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ مِنَ الْمُسْلِمِ دَمَهٗ وَ عِرْضَهٗ وَ اَنْ يُّظَنَّ بِهٖ ظَنُّ السَّوْءِ.

خداوند عالم نے مسلم کا خون بہانے، اس کی عزت پر حملہ آور ہونے اور اس کے متعلق سوءِ ظن رکھنے کو حرام قرار دیا ہے۔[1]

بدگمانی کو وہی شخص اپنے دل میں جگہ دے گا جس کا دل خود صاف نہ ہوگا۔ اس لئے کہ انسان ہر آئینہ میں اپنی ہی صورت دیکھتا ہے اور جیسا وہ خود ہوتا ہے ویسا ہی دوسروں کے متعلق تصور قائم کرنے لگتا ہے۔ اور جس کا دل پاک وصاف ہوگا وہ بدگمانی کو اپنے دل میں نہ آنے دے گا اور نہ زبان سے کوئی ایسی بات کہے گا جس سے بدگمانی کا اظہار ہوتا ہو۔ اس قسم کی بدگمانی صرف اغوائے شیطانی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ کیونکہ اندرونی کیفیت و باطنی حالت پر خداوند علیم وخبیر کے علاوہ کوئی دوسرا آگاہ نہیں ہوسکتا اور نہ کوئی دوسرے کے اندر جھانک کر نیت کی اچھائی یا بُرائی کو دیکھ سکتا اور دل کا حال جان سکتا ہے۔ لہٰذا کسی کے متعلق بے جانے، بے دیکھے ایک خیال قائم کر لینا صرف اس وجہ سے ہوسکتا ہے کہ شیطان نے اس کی قوت واہمہ میں نیکی کا تصور قائم کرنے کے بجائے بُرا تصور قائم کر دیا ہے اور جو تصور شیطانی وسوسہ کا نتیجہ ہو اس پر اثرات مرتب کرنا غلط ہوگا۔ اس طرح کہ کسی کو خیرات کرتے دیکھیں تو یہ خیال قائم کر لیں کہ یہ نام ونمود کیلئے ایسا کر رہا ہے، یا کوئی اور عمل خیر کر رہا ہو تو اُسے اُس کی ذاتی غرض پر محمول کیا جائے۔ ہمیں ظاہر کو دیکھتے ہوئے حُسنِ ظن ہی سے کام لینا چاہیئے۔ رہا نیت کا سوال تو اس کا محاسبہ کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے، لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ جب حسن ظن ہی پر بنیاد ہے تو پھر جو ہو اس پر اعتماد کر لینا چاہیئے۔ جسے چاہیں گھر میں چھوڑ جائیں جسے چاہیں اپنا مال سپرد کر دیں۔ اور جو شخص کوئی دعویٰ کرے اُسے بغیر دلیل وسند کے تسلیم کر لیں تو یہ حزم واحتیاط اور تقاضائے عقل کے خلاف ہوگا۔ ایسے موارد پر حسن ظن کو بنیاد نہیں قرار دیا جاسکتا اور نہ ہر ایک پر پرکھے بغیر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے:

وَ الطُّمَاْنِيْنَةُ اِلٰى كُلِّ اَحَدٍ قَبْلَ الْاِخْتِبَارِ عَجْزٌ.

پرکھے بغیر ہر ایک پر بھروسا کر لینا عجز وکمزوری کی دلیل ہے۔[2]

فحش کلامی:

یہ بازاری لوگوں کا وطیرہ ہے کہ وہ اپنے جیسے لوگوں میں اُٹھنے بیٹھنے کی وجہ سے اول فول بکنے کے عادی ہو جاتے ہیں۔ مگر ایک شریف ومعیاری انسان کبھی یہ گوارا نہیں کرتا کہ وہ اپنی زبان پر کوئی فحش کلمہ آنے دے۔ اور اگر کسی موقعہ پر ایسی ضرورت پڑ جائے کہ کوئی فحش کلمہ کہنا پڑے تو وہ اسے اشارے کنائے سے ادا کرے گا اور کُھل کر کہنے سے ہچکچائے گا۔

دشنام طرازی:

یہ عادت نفس کی خباثت ودنایت کی علامت ہے۔ اس سے مقصد دوسروں کو گزند پہنچانا ہوتا ہے اور کبھی بُرے لوگوں میں اُٹھنے بیٹھنے کی وجہ سے

---

[1] ریاض السالکین، ج ۳، ص ۳۲۰۔

[2] نہج البلاغہ، حکمت نمبر ۳۸۴۔

اس کی عادت پڑ جاتی ہے۔ بہر حال یہ کسی کو گزند پہنچانے کیلئے ہو یا بر بنائے عادت، انتہائی اشتعال انگیزی کا باعث ہوتی ہے جس سے جھگڑے، فساد اور خون خرابے تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور کبھی قتل ایسے سنگین جرم کا بھی ارتکاب ہو جاتا ہے۔لہٰذا کوئی گالی دے تو گالی کا جواب گالی سے دینے کے بجائے صبر و تحمل سے کام لینا چاہیئے اور گالی گلوچ سے اپنی زبان کو بچائے رکھنا چاہیئے تاکہ یہ سلسلہ آگے نہ بڑھے۔

اسراف:

جہاں جتنا صرف کرنا چاہیئے اس سے زیادہ مقدار میں صرف کرنا ''اسراف'' کہلاتا ہے۔اور بعض اسے دریا دلی سمجھتے ہوئے جہاں ایک صرف کرنا چاہیئے وہاں دس صرف کرتے ہیں اور دعوتوں اور نمائشی کاموں میں دل کے حوصلے نکالتے ہیں۔اور جہاں کسی غریب و نادار کی اعانت اور کسی بیوہ و یتیم کی مدد کا سوال آتا ہے تو مالی کمزوری و کساد بازاری کا رونا لے کر بیٹھ جاتے ہیں۔ایسی دریا دلی نام و نمود کی ہوس کا نتیجہ ہوتی ہے اور یہی اسراف ہے۔یہ اسراف اگر کھانے پینے کے سلسلہ میں ہو تو اس کے نتیجہ میں طرح طرح کے امراض سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور دوسرے اُمور میں ہو تو اس کا نتیجہ تباہی و بدحالی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسی مثالوں کی کمی نہیں کہ کسی منچلی طبیعت والے نے کسی تقریب میں نام و نمود کی خاطر یا رسم و رواج کو نباہنے کیلئے زمین یا مکان کو رہن رکھا اور ایک آدھ دن خوب چہل پہل اور تزک و احتشام دکھانے میں گزارا اور ہوا یہ کہ جو رہا سہا پاس تھا وہ ختم ہوا۔سود در سود کی بدولت مکان نیلام ہوا۔اب نہ کوئی ٹھکانہ رہا اور نہ سر چھپانے کی کوئی جگہ۔انسان راحت و آسائش کی زندگی اسی صورت میں گزار سکتا ہے جب وہ اعتدال و میانہ روی سے کام لے۔ورنہ اسراف کے نتیجہ میں اقتصادی الجھن اور تنگ دستی و پریشانی سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

تبذیر:

جہاں صرف نہ کرنا چاہیئے وہاں صرف کرنا ''تبذیر'' کہلاتا ہے۔اس بے محل جود و سخا کے مظاہرہ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے شخص کے گرد خوشامدیوں اور بازاری قسم کے لوگوں کا ایک حلقہ پیدا ہو جاتا ہے جو اس کی بے جا تعریف و خوشامد کر کے اُسے خود پسند بنا دیتے ہیں اور وہ انہیں اپنا خیر خواہ دوست سمجھ کر دیتا دلاتا رہتا ہے اور غریب و نادار اور مستحق و فقیر اُس کے ہاں سے محروم رہتے ہیں۔ یہ بے محل داد و دہش بدبختی کی علامت اور اُخروی سعادت سے محرومی کا باعث ہوتی ہے۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

> اِذَآ اَرَدْتَّ اَنْ تَعْلَمَ اَشَقِیٌّ الرَّجُلُ اَمْ سَعِیْدٌ، فَانْظُرْ سَیْبَهٗ وَ مَعْرُوْفَهٗ اِلٰی مَنْ یَّصْنَعُهٗ، فَاِنْ كَانَ یَصْنَعُهٗ اِلٰی مَنْ هُوَ اَهْلُهٗ، فَاعْلَمْ اَنَّهٗ اِلٰی خَیْرٍ، وَ اِنْ كَانَ یَصْنَعُهٗ اِلٰی غَیْرِ اَهْلِهٖ، فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَیْسَ لَهٗ عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ.
>
> جب تم یہ جاننا چاہو کہ فلاں شخص بدبخت ہے یا نیک، تو اس کی داد و دہش کو دیکھو کہ وہ کن سے حُسنِ سلوک کرتا ہے۔اگر وہ اہل و مستحق افراد کو دیتا ہے تو وہ بھلائی کی راہ پر گامزن ہے اور اگر نا اہل سے سلوک کرتا ہے تو یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اُس کیلئے کوئی بھلائی نہیں ہے۔[1]

---

[1] الکافی، ج ۴، ص ۳۰۔

سوال:

دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانا اپنی عزت سے ہاتھ اٹھانا ہے۔اس لئے کوئی باعزت انسان انتہائی تنگی وعسرت کے باوجود سوال کرنا گوارا نہیں کرسکتا۔ یہ دنیا میں بھی رُوسیاہی کا سبب ہے اور آخرت میں بھی۔اس سے جواب دہی ہوگی۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

اِيَّاكُمْ وَ سُؤَالَ النَّاسِ، فَاِنَّهٗ ذُلٌّ فِي الدُّنْيَا وَ فَقْرٌ تُعَجِّلُوْنَهٗ وَ حِسَابٌ طَوِيْلٌ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ.

لوگوں سے سوال کرنے اور مانگنے سے بچے رہو، کیونکہ یہ دنیا میں ذلت وفقر کا باعث ہے اور آخرت میں حساب کتاب دینا ہوگا۔[1]

سوال کی عادت عموماً فقر و ناداری کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے جس سے انسان عزتِ نفس کھو بیٹھتا ہے۔اسی چیز کے پیشِ نظر صلحاء و ابرار احتیاج وتنگ دستی سے پناہ مانگتے رہے ہیں کہ مبادا یہ تنگ دستی سوال پر مجبور کردے اور اخلاق کی پاکیزگی ختم ہوجائے۔مال و دولت سے بھی اگر اس کا مصرف صحیح ہو تو اخلاق کی نگہداشت کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کا ارشاد ہے کہ:

نِعْمَ الْعَوْنُ عَلٰى تَقْوَى اللّٰهِ الْغِنٰى.

وسعتِ مالی تقویٰ الٰہی میں معین ومعاون ہوتی ہے۔[2]

اسی مال و دولت کی وجہ سے انسان مالی عبادات کو سرانجام دیتا ہے اور حج خمس، زکوٰۃ، کفارہ، صلہ رحم وصدقات سب اسی سے وابستہ ہیں۔

☆☆☆☆☆

---

[1] الکافی، ج ۴، ص ۲۰۔

[2] الکافی، ج ۵، ص ۷۱۔

(۲۱) وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

اِذَا حَزَنَهٗ اَمْرٌ وَّ اَهَمَّتْهُ الْخَطَايَا:

اَللّٰهُمَّ يَا كَافِيَ الْفَرْدِ الضَّعِيْفِ، وَ وَاقِيَ الْاَمْرِ الْمَخُوْفِ، اَفْرَدَتْنِي الْخَطَايَا فَلَا صَاحِبَ مَعِيْ، وَ ضَعُفْتُ عَنْ غَضَبِكَ فَلَا مُؤَيِّدَ لِيْ، وَ اَشْرَفْتُ عَلٰى خَوْفِ لِقَآئِكَ، فَلَا مُسَكِّنَ لِرَوْعَتِيْ.

وَ مَنْ يُّؤْمِنُنِيْ مِنْكَ وَ اَنْتَ اَخَفْتَنِيْ، وَ مَنْ يُسَاعِدُنِيْ وَ اَنْتَ اَفْرَدْتَّنِيْ، وَمَنْ يُّقَوِّيْنِيْ وَاَنْتَ اَضْعَفْتَنِيْ، لَا يُجِيْرُ يَآ اِلٰهِيْ اِلَّا رَبٌّ عَلٰى مَرْبُوْبٍ، وَ لَا يُؤْمِنُ اِلَّا غَالِبٌ عَلٰى مَغْلُوْبٍ، وَ لَا يُعِيْنُ اِلَّا طَالِبٌ عَلٰى مَطْلُوْبٍ، وَ بِيَدِكَ يَآ اِلٰهِيْ جَمِيْعُ ذٰلِكَ السَّبَبِ، وَ اِلَيْكَ الْمَفَرُّ وَ الْمَهْرَبُ، فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اَجِرْ هَرَبِيْ، وَ اَنْجِحْ مَطْلَبِيْ.

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ اِنْ صَرَفْتَ عَنِّيْ وَجْهَكَ الْكَرِيْمَ، اَوْ مَنَعْتَنِيْ فَضْلَكَ الْجَسِيْمَ،

دُعا (۲۱)

جب کسی بات سے غمگین یا گناہوں کہ وجہ سے پریشان ہوتے تو یہ دُعا پڑھتے:

اے اللہ! اے یکہ وتنہا اور کمزور و ناتواں کی (مہموں میں) کفایت کرنیوالے اور خطرناک مرحلوں سے بچا لے جانیوالے! گناہوں نے مجھے بے یار و مددگار چھوڑ دیا ہے، اب کوئی ساتھی نہیں ہے، اور تیرے غضب کے برداشت کرنے سے عاجز ہوں، اب کوئی سہارا دینے والا نہیں ہے، تیری طرف بازگشت کا خطرہ درپیش ہے۔

اب اس دہشت سے کوئی تسکین دینے والا نہیں ہے، اور جبکہ تو نے مجھے خوف زدہ کیا ہے تو کون ہے جو مجھے تجھ سے مطمئن کرے، اور جبکہ تو نے مجھے تنہا چھوڑ دیا ہے تو کون ہے جو میری دستگیری کرے اور جبکہ تو نے مجھے ناتواں کر دیا ہے تو کون ہے جو مجھے قوت دے؟ اے میرے معبود! پروردہ کو کوئی پناہ نہیں دے سکتا سوائے اسکے پروردگار کے، اور شکست خوردہ کو کوئی امان نہیں دے سکتا سوائے اس پر غلبہ پانے والے کے، اور طلب کردہ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا سوائے اسکے طالب کے، یہ تمام وسائل اے میرے معبود تیرے ہی ہاتھ میں ہیں اور تیری ہی طرف راہ فرار و گریز ہے، لہٰذا تو محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور میرے گریز کو اپنے دامن میں پناہ دے، اور میری حاجت برلا۔

اے اللہ! اگر تو نے اپنا پاکیزہ رُخ مجھ سے موڑ لیا اور اپنے احسان عظیم سے دریغ کیا، یا اپنے رزق کو بند کر دیا، یا اپنے

اَوْ حَظَرْتَ عَلَيَّ رِزْقَكَ، اَوْ قَطَعْتَ عَنِّيْ سَبَبَكَ، لَمْ اَجِدِ السَّبِيْلَ اِلٰى شَيْءٍ مِّنْ اَمَلِيْ غَيْرَكَ، وَ لَمْ اَقْدِرْ عَلٰى مَا عِنْدَكَ بِمَعُوْنَةِ سِوَاكَ، فَاِنِّيْ عَبْدُكَ وَ فِيْ قَبْضَتِكَ، نَاصِيَتِيْ بِيَدِكَ، لَاۤ اَمْرَ لِيْ مَعَ اَمْرِكَ، مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ، عَدْلٌ فِيَّ قَضَاۤئُكَ، وَ لَا قُوَّةَ لِيْ عَلَى الْخُرُوْجِ مِنْ سُلْطَانِكَ، وَ لَاۤ اَسْتَطِيْعُ مُجَاوَزَةَ قُدْرَتِكَ، وَ لَاۤ اَسْتَمِيْلُ هَوَاكَ، وَ لَاۤ اَبْلُغُ رِضَاكَ، وَ لَاۤ اَنَالُ مَا عِنْدَكَ اِلَّا بِطَاعَتِكَ وَ بِفَضْلِ رَحْمَتِكَ.

اِلٰهِيْ! اَصْبَحْتُ وَ اَمْسَيْتُ عَبْدًا دَاخِرًا لَّكَ، لَاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَ لَا ضَرًّا اِلَّا بِكَ، اَشْهَدُ بِذٰلِكَ عَلٰى نَفْسِيْ، وَ اَعْتَرِفُ بِضَعْفِ قُوَّتِيْ وَ قِلَّةِ حِيْلَتِيْ، فَاَنْجِزْ لِيْ مَا وَعَدْتَّنِيْ، وَ تَمِّمْ لِيْ مَاۤ اٰتَيْتَنِيْ، فَاِنِّيْ عَبْدُكَ الْمِسْكِيْنُ الْمُسْتَكِيْنُ، الضَّعِيْفُ الضَّرِيْرُ، الْحَقِيْرُ الْمَهِيْنُ، الْفَقِيْرُ الْخَاۤئِفُ الْمُسْتَجِيْرُ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ لَا تَجْعَلْنِيْ نَاسِيًا لِّذِكْرِكَ فِيْمَاۤ اَوْلَيْتَنِيْ، وَ لَا غَافِلًا لِّاِحْسَانِكَ فِيْمَاۤ اَبْلَيْتَنِيْ، وَ لَا

رشتۂ رحمت کو مجھ سے قطع کر لیا تو میں اپنی آرزوؤں تک پہنچنے کا وسیلہ تیرے سوا کوئی پا نہیں سکتا، اور تیرے ہاں کی چیزوں پر تیری مدد کے سوا دسترس حاصل نہیں کر سکتا، کیونکہ میں تیرا بندہ اور تیرے قبضۂ قدرت میں ہوں، اور تیرے ہی ہاتھ میں میری باگ ڈور ہے، تیرے حکم کے آگے میرا حکم نہیں چل سکتا، میرے بارے میں تیرا فرمان جاری اور میرے حق میں تیرا فیصلہ عدل وانصاف پر مبنی ہے، تیرے قلمروِ سلطنت سے نکل جانے کا مجھے یارا نہیں، اور تیرے احاطۂ قدرت سے قدم باہر رکھنے کی طاقت نہیں، اور نہ تیری محبت کو حاصل کر سکتا ہوں، نہ تیری رضامندی تک پہنچ سکتا ہوں، اور نہ تیرے ہاں کی نعمتیں پا سکتا ہوں، مگر تیری اطاعت اور تیری رحمت فراواں کے وسیلہ سے۔

اے اللہ! میں ہر حال میں تیرا ذلیل بندہ ہوں، تیری مدد کے بغیر میں اپنے سود و زیاں کا مالک نہیں، میں اس عجز و بے بضاعتی کی اپنے بارے میں گواہی دیتا ہوں اور اپنی کمزوری و بے چارگی کا اعتراف کرتا ہوں، لہٰذا جو وعدہ تو نے مجھ سے کیا ہے اسے پورا کر اور جو دیا ہے اسے تکمیل تک پہنچا دے، اس لئے کہ میں تیرا وہ بندہ ہوں جو بے نوا، عاجز، کمزور، بے سروسامان، حقیر، ذلیل، نادار، خوفزدہ اور پناہ کا خواستگار ہے۔

اے اللہ! رحمت نازل فرما محمدؐ اور ان کی آلؑ پر اور مجھے ان عطیوں میں جو تو نے بخشے ہیں فراموش کار اور ان نعمتوں میں جو تو نے عطا کی ہیں احسان ناشناس نہ بنا دے، اور مجھے دُعا کی قبولیت

اٰيِسًا مِّنْ اِجَابَتِكَ لِيْ وَ اِنْ اَبْطَاَتْ عَنِّيْ، فِيْ سَرَّآءَ كُنْتُ اَوْ ضَرَّآءَ، اَوْ شِدَّةٍ اَوْ رَخَآءٍ، اَوْ عَافِيَةٍ اَوْ بَلَآءٍ، اَوْ بُؤْسٍ اَوْ نَعْمَآءَ، اَوْ جِدَةٍ اَوْ لَاْوَآءَ، اَوْ فَقْرٍ اَوْ غِنًى.

سے ناامید نہ کر اگرچہ اس میں تاخیر ہوجائے، آسائش میں ہوں یا تکلیف میں، تنگی میں ہوں یا فارغ البالی میں، تندرستی کی حالت میں ہوں یا بیماری کی، بدحالی میں ہوں یا خوشحالی میں، تونگری میں ہوں یا عسرت میں، فقر میں ہوں یا دولتمندی میں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اجْعَلْ ثَنَآئِيْ عَلَيْكَ، وَ مَدْحِيَ اِيَّاكَ، وَ حَمْدِيْ لَكَ فِيْ كُلِّ حَالَاتِيْ، حَتّٰى لَاۤ اَفْرَحَ بِمَاۤ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الدُّنْيَا، وَ لَاۤ اَحْزَنَ عَلٰى مَا مَنَعْتَنِيْ فِيْهَا، وَ اَشْعِرْ قَلْبِيْ تَقْوَاكَ، وَ اسْتَعْمِلْ بَدَنِيْ فِيْمَا تَقْبَلُهٗ مِنِّيْ، وَ اشْغَلْ بِطَاعَتِكَ نَفْسِيْ عَنْ كُلِّ مَا يَرِدُ عَلَيَّ، حَتّٰى لَاۤ اُحِبَّ شَيْئًا مِّنْ سُخْطِكَ، وَ لَاۤ اَسْخَطَ شَيْئًا مِّنْ رِضَاكَ.

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور مجھے ہر حالت میں مدح و ستائش و سپاس میں مصروف رکھ، یہاں تک کہ دنیا میں سے جو کچھ تو دے اس پر خوش نہ ہونے لگوں اور جو روک لے اس پر رنجیدہ نہ ہوں، اور پرہیزگاری کو میرے دل کا شعار بنا، اور میرے جسم سے وہی کام لے جسے تو قبول فرمائے، اور اپنی اطاعت میں انہاک کے ذریعہ تمام دنیوی علائق سے فارغ کر دے، تاکہ اس چیز کو جو تیری ناراضی کا سبب ہے، دوست نہ رکھوں اور جو چیز تیری خوشنودی کا باعث ہے اسے ناپسند نہ کروں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ فَرِّغْ قَلْبِيْ لِمَحَبَّتِكَ، وَ اشْغَلْهُ بِذِكْرِكَ، وَ انْعَشْهُ بِخَوْفِكَ وَ بِالْوَجَلِ مِنْكَ، وَ قَوِّهٖ بِالرَّغْبَةِ اِلَيْكَ، وَ اَمِلْهُ اِلٰى طَاعَتِكَ، وَ اَجْرِ بِهٖ فِيْ اَحَبِّ السُّبُلِ اِلَيْكَ، وَ ذَلِّلْهُ بِالرَّغْبَةِ فِيْمَا عِنْدَكَ اَيَّامَ حَيَاتِيْ كُلِّهَا، وَ اجْعَلْ تَقْوَاكَ مِنَ الدُّنْيَا زَادِيْ، وَ اِلٰى رَحْمَتِكَ رِحْلَتِيْ، وَ فِيْ مَرْضَاتِكَ مَدْخَلِيْ، وَ اجْعَلْ فِيْ جَنَّتِكَ مَثْوَايَ.

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور زندگی بھر میرے دل کو اپنی محبت کیلئے فارغ کر دے، اپنی یاد میں اسے مشغول رکھ، اپنے خوف و ہراس کے ذریعہ (گناہوں کی) تلافی کا موقع دے، اپنی طرف رجوع ہونے سے اس کو قوت و توانائی بخش، اپنی اطاعت کی طرف اسے مائل کر اور اپنے پسندیدہ ترین راستہ پر چلا اور اپنی نعمتوں کی طلب پر اسے تیار کر اور پرہیزگاری کو میرا توشہ، اپنی رحمت کی جانب میرا سفر، اپنی خوشنودی میں میرا گزر اور اپنی جنت میں میری منزل قرار دے۔

وَ هَبْ لِيْ قُوَّةً اَحْتَمِلُ بِهَا جَمِيْعَ مَرْضَاتِكَ، وَ اجْعَلْ فِرَارِيْ اِلَيْكَ، وَ رَغْبَتِيْ فِيْمَا عِنْدَكَ، وَ اَلْبِسْ قَلْبِيَ الْوَحْشَةَ مِنْ شِرَارِ خَلْقِكَ، وَ هَبْ لِيَ الْاُنْسَ بِكَ وَ بِاَوْلِيَآئِكَ وَ اَهْلِ طَاعَتِكَ.

اور مجھے ایسی قوت عطا فرما جس سے تیری رضامندیوں کا بوجھ اٹھالوں، اور میرے گریز کو اپنی جانب اور میری خواہش کو اپنے ہاں کی نعمتوں کی طرف قرار دے، اور برے لوگوں سے میرے دل کو متوحش اور اپنےاور اپنے دوستوں اور فرمانبرداروں سے مانوس کردے۔

وَ لَا تَجْعَلْ لِفَاجِرٍ وَّ لَا كَافِرٍ عَلَيَّ مِنَّةً، وَ لَا لَهٗ عِنْدِيْ يَدًا، وَ لَا بِيْۤ اِلَيْهِمْ حَاجَةً، بَلِ اجْعَلْ سُكُوْنَ قَلْبِيْ وَ اُنْسَ نَفْسِيْ وَ اسْتِغْنَآئِيْ وَكِفَايَتِيْ بِكَ وَ بِخِيَارِ خَلْقِكَ.

اور کسی بدکار اور کافر کا مجھ پر احسان نہ ہو، نہ اس کی نگاہِ کرم مجھ پر ہو اور نہ اس کی مجھے کوئی احتیاج ہو، بلکہ میرے دلی سکون، قلبی لگاؤ اور میری بے نیازی و کارگزاری کو اپنے اور اپنے برگزیدہ بندوں سے وابستہ کر۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اجْعَلْنِيْ لَهُمْ قَرِيْنًا، وَ اجْعَلْنِيْ لَهُمْ نَصِيْرًا، وَ امْنُنْ عَلَيَّ بِشَوْقٍ اِلَيْكَ، وَ بِالْعَمَلِ لَكَ بِمَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰى، اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، وَ ذٰلِكَ عَلَيْكَ يَسِيْرٌ.

--☆☆--

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور مجھے ان کا ہم نشین و مددگار قرار دے، اور اپنے شوق و وارفتگی اور ان اعمال کے ذریعے جنہیں تو پسند کرتا اور جن سے خوش ہوتا ہے، مجھ پر احسان فرما، اس لئے کہ تو ہر چیز پر قادر ہے، اور یہ کام تیرے لئے آسان ہے۔

--☆☆--

جب انسان کو گناہوں کا احساس ہوتا ہے تو وہ اپنے کو یکہ وتنہا محسوس کرتا ہے۔ کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ اس کا بوجھ بٹانے والا اور ان گناہوں کا بار ہلکا کرنے والا کوئی نہیں ہے اس لئے اپنے گرد وپیش دوستوں کے اجتماع کے باوجود وہ اپنے کو تنہا سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اور جب گناہ کے نتیجہ میں غضب و انتقام الٰہی کا تصور کرتا ہے تو اس کے مقابلہ میں اپنی قوت و طاقت کو عاجز و کمزور پاتا ہے۔ اور جب حشر و نشر، حساب و کتاب اور برزخ و قبر کی سختیوں کا تصور کرتا ہے تو اس پر خوف و ہراس طاری ہو جاتا ہے۔ یہ خوف و پراگندگی کے تمام حالات گناہ، غضب الٰہی اور حشر و نشر کے تصور سے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی لئے امام علیہ السلام نے ان چیزوں کی نسبت انہی اسباب کی طرف دی ہے۔ پھر اسباب و وسائط سے قطع نظر کرتے ہوئے اللہ سبحانہ کی

طرف نسبت دیتے ہیں۔ کیونکہ حقیقۃً وہی عجز وتنہائی وخوف کے اسباب پیدا کرنے والا ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ذٰلِكَ یُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ یٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ﴾

یہ وہ عذاب ہے جس خدا نے اپنے بندوں کو ڈرایا ہے۔ اے میرے بندو! مجھ سے ڈرتے رہو۔[1]

ایسی صورت میں خوف و ہراس سے تسلی حاصل کرنے کا جب کوئی ذریعہ نظر نہیں آتا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتا اور اسی سے خوف و پریشانی، تنہائی و بے کسی اور اپنی عاجزی و بے بسی کا مداوا چاہتا ہے۔ کیونکہ اس کے علاوہ کوئی پناہ دینے والا، اور خوف واضطراب کو دور کرنے والا نہیں ہے۔ چنانچہ امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے:

وَ فِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مِنَ اللّٰهِ.

اللہ تعالیٰ کے عذاب سے اللہ تعالیٰ ہی کے دامن میں پناہ مانگو۔[2]

اور حضرتؑ نے اس دُعا میں صرف اسی کو پناہ دہندہ قرار دینے پر اس طرح استدلال فرمایا ہے کہ: وہ ''رب'' ہے جس کے معنی مالک کے ہیں اور اس کے علاوہ ہر فرد مملوک اور اس کے دائرہ ربوبیت کے اندر ہے۔ تو مملوک کا مالک کے مقابلہ میں کیا بس چل سکتا ہے کہ وہ اس کے غضب وانتقام سے سپر بن سکے۔ اور وہ ''غالب'' ہے اور اس کے علاوہ سب شکست خوردہ ومغلوب ہیں۔ لہٰذا جو خود مغلوب ہو وہ غالب کے مقابلے میں کیا پناہ دے سکتا ہے، جبکہ اسے غلبہ وتسلط حاصل ہی نہیں ہے۔ اور وہ ''طالب'' ہے، بایں معنی کہ وہ سب کو اپنی بارگاہ میں طلب کرنے والا اور ان کے اعمال کا جائزہ لینے والا ہے۔ اور اس کے علاوہ سب کے سب وہاں حساب وکتاب کیلئے مطلوب ہیں۔ اور ایک فرد کیلئے بھی جائے گریز نہیں ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِیْطٌ﴾

اللہ ان کا آگے سے اور پیچھے سے احاطہ کئے ہوئے ہے۔[3]

لہٰذا جو خود مطلوب وماخوذ ہو وہ طالب کے مقابلہ میں کیا مدد کر سکتا ہے۔ اب اگر کہیں پناہ طلب کی جا سکتی ہے تو اسی کے سایۂ رحمت میں اور خوف وہراس کے اندھیرے چھٹ سکتے ہیں تو اسی کے فضل وکرم کی روشنی سے۔ اور انسان اس کے سامنے عاجز ودرماندہ اور بے بس ولاچار ہے۔ کیونکہ ہر چیز میں اسی کا امر نافذ اور اسی کا حکم کارفرما ہے اور اسی کے ہاتھ میں تمام اسباب ووسائل ہیں۔

اس کے یہ معنی نہ سمجھے جائیں کہ انسان اپنے افعال پر اختیار ہی نہیں رکھتا اور اس سلسلہ میں بے بس ومجبور ہے۔ کیونکہ قدرت کی طرف سے صرف اسباب اور وسائل مہیا ہوتے ہیں جس کے بعد وہ اچھے اور برے کاموں کو باختیار خود انجام دیتا ہے۔ چنانچہ جہاں تک ان افعال کیلئے قوتیں درکار تھیں

---

[1] سورۂ زمر، آیت ۱۶۔

[2] نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۲۴۔

[3] سورۂ بروج، آیت ۲۰۔

وہ قدرت کا عطیہ ہیں جنہیں اچھے اور برے دونوں قسم کے کاموں میں صرف کیا جا سکتا ہے۔اور جب توفیق الٰہی سے انہیں اچھے کاموں میں صرف کرتا ہے تو یہ اس کا اختیاری فعل ہوتا ہے جس پر وہ جزا و ثواب کا مستحق قرار پاتا ہے۔اور قدرت کی طرف سے اسباب و قویٰ کا مہیا ہونا ان افعال کے وقوع کی علت نہیں ہے کہ اسے اپنے کاموں میں مجبور سمجھ لیا جائے۔البتہ توفیق الٰہی کا شامل حال ہونا ایک انعام خداوندی ہے جو ہر اس شخص کی دست گیری کیلئے آمادہ ہے جو فکر و عمل سے اس کیلئے راستہ ہموار کر دیتا ہے۔اور یہ اس کی توفیق ہی کا کرشمہ ہے کہ انسان خواہشات و جذبات کو دبا کر اپنے اعضا کو اس کی عبادت میں، اپنے دل کو اس کی یاد میں اور اپنی زبان کو اس کے ذکر میں مصروف رکھتا ہے اور خواہش پرستی کے مقابلہ میں اس کی خوشنودی و رضامندی کو ترجیح دیتا ہے۔ یہاں تک کہ کسی سے محبت ہے تو اس لئے کہ وہ اللہ کا فرمانبردار اور اس کا دوست ہے اور کسی سے بغض ہے تو اس لئے کہ وہ عاصی و نافرمان اور اس کا دشمن ہے۔غرض اس کا جینا، مرنا، اٹھنا، بیٹھنا، میل ملت رکھنا سب اللہ تعالیٰ کی خاطر اور اس کی خوشنودی کیلئے ہوتا ہے اور اس کے مقابلہ میں نہ کسی مصیبت کو مصیبت اور نہ کسی نقصان کو نقصان تصور کرتا ہے۔

☆☆☆☆☆

(۲۲) وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

عِنْدَ الشِّدَّةِ وَ الْجَهْدِ وَ تَعَسُّرِ الْاُمُوْرِ

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ كَلَّفْتَنِيْ مِنْ نَّفْسِيْ مَآ اَنْتَ اَمْلَكُ بِهٖ مِنِّيْ، وَ قُدْرَتُكَ عَلَيْهِ وَ عَلَيَّ اَغْلَبُ مِنْ قُدْرَتِيْ، فَاَعْطِنِيْ مِنْ نَّفْسِيْ مَا يُرْضِيْكَ عَنِّيْ، وَ خُذْ لِنَفْسِكَ رِضَاهَا مِنْ نَّفْسِيْ فِيْ عَافِيَةٍ.

اَللّٰهُمَّ لَا طَاقَةَ لِيْ بِالْجَهْدِ، وَ لَا صَبْرَ لِيْ عَلَى الْبَلَآءِ، وَ لَا قُوَّةَ لِيْ عَلَى الْفَقْرِ، فَلَا تَحْظُرْ عَلَيَّ رِزْقِيْ، وَ لَا تَكِلْنِيْٓ اِلٰى خَلْقِكَ، بَلْ تَفَرَّدْ بِحَاجَتِيْ، وَ تَوَلَّ كِفَايَتِيْ، وَ انْظُرْ اِلَيَّ وَ انْظُرْ لِيْ فِيْ جَمِيْعِ اُمُوْرِيْ، فَاِنَّكَ اِنْ وَّكَلْتَنِيْٓ اِلٰى نَفْسِيْ عَجَزْتُ عَنْهَا وَ لَمْ اُقِمْ مَا فِيْهِ مَصْلَحَتُهَا، وَ اِنْ وَكَلْتَنِيْٓ اِلٰى خَلْقِكَ تَجَهَّمُوْنِيْ، وَ اِنْ اَلْجَاْتَنِيْٓ اِلٰى قَرَابَتِيْ حَرَمُوْنِيْ، وَ اِنْ اَعْطَوْآ اَعْطَوْا قَلِيْلًا نَكِدًا، وَ مَنُّوْا عَلَيَّ طَوِيْلًا، وَ ذَمُّوْا كَثِيْرًا، فَبِفَضْلِكَ اللّٰهُمَّ فَاَغْنِنِيْ، وَ بِعَظَمَتِكَ فَانْعَشْنِيْ، وَ بِسَعَتِكَ

دُعا (۲۲)

شدائد ومشکلات کے موقع پر یہ دُعا پڑھتے

اے میرے معبود! تو نے (اصلاح و تہذیب نفس کے بارے میں) جو تکلیف مجھ پر عائد کی ہے اس پر تو مجھ سے زیادہ قدرت رکھتا ہے، اور تیری قوت وتوانائی اس امر پر اور خود مجھ پر میری قوت وطاقت سے فزوں تر ہے، لہٰذا مجھے ان اعمال کی توفیق دے جو تیری خوشنودی کا باعث ہوں، اور صحت وسلامتی کی حالت میں اپنی رضا مندی کے تقاضے مجھ سے پورے کر لے۔

بارِالٰہا! مجھ میں مشقت کے مقابلہ میں ہمت، مصیبت کے مقابلہ میں صبر اور فقر واحتیاج کے مقابلہ میں قوت نہیں ہے، لہٰذا میری روزی کو روک نہ لے، اور مجھے اپنی مخلوق کے حوالے نہ کر، بلکہ بلا واسطہ میری حاجت برلا، اور خود ہی میرا کارساز بن، اور مجھ پر نظر شفقت فرما، اور تمام کاموں کے سلسلہ میں مجھ پر نظر کرم رکھ، اس لئے کہ اگر تو نے مجھے میرے حال پر چھوڑ دیا تو میں اپنے امور کی انجام دہی سے عاجز رہوں گا، اور جن کاموں میں میری بہبودی ہے انہیں انجام نہ دے سکوں گا، اور اگر تو نے مجھے لوگوں کے حوالے کر دیا تو وہ تیوریوں پر بل ڈال کر مجھے دیکھیں گے، اور اگر عزیزوں کی طرف ڈھکیل دیا تو وہ مجھے ناامید رکھیں گے، اور اگر کچھ دیں گے تو قلیل و ناخوشگوار اور اسکے مقابلہ میں احسان زیادہ رکھیں گے اور برائی بھی حد سے بڑھ کر کرینگے، لہٰذا اے میرے معبود! تو اپنے فضل وکرم کے ذریعہ مجھے بے نیاز کر، اور اپنی بزرگی وعظمت کے وسیلہ سے میری احتیاج کو برطرف فرما، اور اپنی تونگری

فَابْسُطْ يَدِىْ، وَ بِمَا عِنْدَكَ فَاكْفِنِىْ.

ووسعت سے میرا ہاتھ کشادہ کردے، اور اپنے ہاں کی نعمتوں کے ذریعہ مجھے (دوسروں سے) بے نیاز بنادے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ خَلِّصْنِىْ مِنَ الْحَسَدِ، وَ احْصُرْنِىْ عَنِ الذُّنُوْبِ، وَ وَرِّعْنِىْ عَنِ الْمَحَارِمِ، وَ لَا تُجَرِّئْنِىْ عَلَى الْمَعَاصِىْ، وَ اجْعَلْ هَوَاىَ عِنْدَكَ، وَ رِضَاىَ فِيْمَا يَرِدُ عَلَىَّ مِنْكَ، وَ بَارِكْ لِىْ فِيْمَا رَزَقْتَنِىْ وَ فِيْمَا خَوَّلْتَنِىْ، وَ فِيْمَاۤ اَنْعَمْتَ بِهٖ عَلَىَّ، وَ اجْعَلْنِىْ فِىْ كُلِّ حَالَاتِىْ مَحْفُوْظًا مَّكْلُوْٓءًا، مَّسْتُوْرًا مَّمْنُوْعًا مُّعَاذًا مُّجَارًا.

اے اللہ! رحمت نازل فرما محمدؐ اور ان کی آلؑ پر اور مجھے حسد سے نجات دے، اور گناہوں کے ارتکاب سے روک دے، اور حرام کاموں سے بچنے کی توفیق دے، اور گناہوں پر جرأت پیدا نہ ہونے دے، اور میری خواہش و رغبت اپنے سے وابستہ رکھ، اور میری رضامندی انہی چیزوں میں قرار دے جو تیری طرف سے مجھ پر وارد ہوں، اور رزق و بخشش و انعام میں میرے لئے افزائش فرما، اور مجھے ہر حال میں اپنے حفظ و نگہداشت، حجاب و نگرانی اور پناہ وامان میں رکھ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اقْضِ عَنِّىْ كُلَّ مَاۤ اَلْزَمْتَنِيْهِ، وَ فَرَضْتَهٗ عَلَىَّ لَكَ فِىْ وَجْهٍ مِّنْ وُجُوْهِ طَاعَتِكَ، اَوْ لِخَلْقٍ مِّنْ خَلْقِكَ وَ اِنْ ضَعُفَ عَنْ ذٰلِكَ بَدَنِىْ، وَ وَهَنَتْ عَنْهُ قُوَّتِىْ، وَ لَمْ تَنَلْهُ مَقْدُرَتِىْ، وَ لَمْ يَسَعْهُ مَالِىْ وَ لَا ذَاتُ يَدِىْ، ذَكَرْتُهٗ اَوْ نَسِيْتُهٗ، هُوَ يَا رَبِّ مِمَّا قَدْ اَحْصَيْتَهٗ عَلَىَّ وَ اَغْفَلْتُهٗ اَنَا مِنْ نَّفْسِىْ، فَاَدِّهٖ عَنِّىْ مِنْ جَزِيْلِ عَطِيَّتِكَ وَ كَثِيْرِ مَا عِنْدَكَ، فَاِنَّكَ وَاسِعٌ كَرِيْمٌ، حَتّٰى لَا يَبْقٰى عَلَىَّ شَىْءٌ مِّنْهُ تُرِيْدُ اَنْ تُقَاصَّنِىْ بِهٖ مِنْ

اے اللہ! رحمت نازل فرما محمدؐ اور ان کی آلؑ پر اور مجھے ہر قسم کی اطاعت کے بجالانے کی توفیق عطا فرما جو تو نے اپنے لئے یا مخلوقات میں سے کسی کیلئے مجھ پر لازم وواجب کی ہو، اگرچہ اسے انجام دینے کی سکت میرے جسم میں نہ ہو، اور میری قوت اس کے مقابلہ میں کمزور ثابت ہو، اور میری مقدرت سے باہر ہو، اور میرا مال واثاثہ اس کی گنجائش نہ رکھتا ہو، وہ مجھے یاد ہو یا بھول گیا ہوں، وہ تو اے میرے پروردگار! ان چیزوں میں سے ہے جنہیں تو نے میرے ذمہ شمار کیا ہے اور میں اپنی سہل انگاری کی وجہ سے اسے بجا نہ لایا، لہٰذا اپنی وسیع بخشش اور کثیر رحمت کے پیش نظر اس (کمی) کو پورا کردے، اس لئے کہ تو تونگر و کریم ہے، تاکہ اے میرے پروردگار! جس دن میں تیری ملاقات کروں اس میں سے

حَسَنَاتِیْ، اَوْ تُضَاعِفَ بِهٖ مِنْ سَیِّئَاتِیْ یَوْمَ اَلْقَاكَ یَا رَبِّ.

کوئی ایسی بات میرے ذمہ باقی نہ رہے کہ تو اس کے مقابلہ میں یہ چاہے کہ میری نیکیوں میں کمی یا میری بدیوں میں اضافہ کر دے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ ارْزُقْنِی الرَّغْبَةَ فِی الْعَمَلِ لَكَ لِاٰخِرَتِیْ، حَتّٰی اَعْرِفَ صِدْقَ ذٰلِكَ مِنْ قَلْبِیْ، وَ حَتّٰی یَكُوْنَ الْغَالِبُ عَلَیَّ الزُّهْدَ فِیْ دُنْیَایَ، وَ حَتّٰی اَعْمَلَ الْحَسَنَاتِ شَوْقًا، وَ اٰمَنَ مِنَ السَّیِّئَاتِ فَرَقًا وَّ خَوْفًا، وَ هَبْ لِیْ نُوْرًا اَمْشِیْ بِهٖ فِی النَّاسِ، وَ اَهْتَدِیْ بِهٖ فِی الظُّلُمَاتِ، وَ اَسْتَضِیْٓءُ بِهٖ مِنَ الشَّكِّ وَ الشُّبُهَاتِ.

اے اللہ! رحمت نازل فرما محمدؐ اور ان کی آلؑ پر اور آخرت کے پیش نظر صرف اپنے لئے عمل کی رغبت عطا کر یہاں تک کہ میں اپنے دل میں اس کی صحت کا احساس کر لوں، اور دنیا میں زہد و بے رغبتی کا جذبہ مجھ پر غالب آ جائے اور نیک کام شوق سے کروں اور خوف و ہراس کی وجہ سے برے کاموں سے محفوظ رہوں، اور مجھے ایسا نور (علم و دانش) عطا کر جس کے پرتو میں لوگوں کے درمیان (بے کھٹکے) چلوں پھروں اور اس کے ذریعہ تاریکیوں میں ہدایت پاؤں اور شکوک و شبہات کے دھندلکوں میں روشنی حاصل کروں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ ارْزُقْنِیْ خَوْفَ غَمِّ الْوَعِیْدِ، وَ شَوْقَ ثَوَابِ الْمَوْعُوْدِ حَتّٰی اَجِدَ لَذَّةَ مَاۤ اَدْعُوْكَ لَهٗ، وَ كَاٰبَةَ مَاۤ اَسْتَجِیْرُ بِكَ مِنْهُ.

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور اندوہ عذاب کا خوف اور ثواب آخرت کا شوق میرے اندر پیدا کر دے، تا کہ جس چیز کا تجھ سے طالب ہوں اس کی لذت اور جس سے پناہ مانگتا ہوں اس کی تلخی محسوس کر سکوں۔

اَللّٰهُمَّ قَدْ تَعْلَمُ مَا یُصْلِحُنِیْ مِنْ اَمْرِ دُنْیَایَ وَ اٰخِرَتِیْ، فَكُنْ بِحَوَآئِجِیْ حَفِیًّا.

بار الٰہا! جن چیزوں سے میرے دینی اور دنیوی امور کی بہبودی وابستہ ہے تو انہیں خوب جانتا ہے، لہٰذا میری حاجتوں کی طرف خاص توجہ فرما۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ، وَ ارْزُقْنِی الْحَقَّ عِنْدَ تَقْصِیْرِیْ فِی الشُّكْرِ لَكَ بِمَاۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ فِی الْیُسْرِ وَ الْعُسْرِ، وَ الصِّحَّةِ وَ السَّقَمِ، حَتّٰی اَتَعَرَّفَ مِنْ

اے اللہ! رحمت نازل فرما محمدؐ اور ان کی آلؑ پر اور خوشحالی و تنگدستی اور صحت و بیماری میں جو نعمتیں تو نے بخشی ہیں ان پر ادائے شکر میں کوتاہی کے وقت مجھے اعتراف حق کی توفیق عطا کر، تا کہ میں

نَّفْسِیْ رَوْحَ الرِّضَا وَ طُمَاْنِیْنَةَ النَّفْسِ مِنِّیْ، بِمَا یَجِبُ لَكَ فِیْمَا یَحْدُثُ فِیْ حَالِ الْخَوْفِ وَ الْاَمْنِ، وَ الرِّضَا وَ السُّخْطِ، وَ الضَّرِّ وَ النَّفْعِ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ ارْزُقْنِیْ سَلَامَةَ الصَّدْرِ مِنَ الْحَسَدِ حَتّٰی لَاۤ اَحْسُدَ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ عَلٰی شَیْءٍ مِّنْ فَضْلِكَ، وَ حَتّٰی لَاۤ اَرٰی نِعْمَةً مِّنْ نِّعَمِكَ عَلٰۤی اَحَدٍ مِّنْ خَلْقِكَ فِیْ دِیْنٍ اَوْ دُنْیَا، اَوْ عَافِیَةٍ اَوْ تَقْوٰی، اَوْ سَعَةٍ اَوْ رَخَآءٍ، اِلَّا رَجَوْتُ لِنَفْسِیَ اَفْضَلَ ذٰلِكَ بِكَ وَ مِنْكَ، وَحْدَكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ ارْزُقْنِی التَّحَفُّظَ مِنَ الْخَطَایَا، وَ الِاحْتِرَاسَ مِنَ الزَّلَلِ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ فِیْ حَالِ الرِّضَا وَ الْغَضَبِ، حَتّٰۤی اَكُوْنَ بِمَا یَرِدُ عَلَیَّ مِنْهُمَا بِمَنْزِلَةٍ سَوَآءٍ، عَامِلًا بِطَاعَتِكَ، مُؤْثِرًا لِّرِضَاكَ عَلٰی مَا سِوَاهُمَا فِی الْاَوْلِیَآءِ وَ الْاَعْدَآءِ، حَتّٰی یَاْمَنَ عَدُوِّیْ مِنْ ظُلْمِیْ وَ جَوْرِیْ، وَ یَیْاَسَ وَلِیِّیْ مِنْ مَّیْلِیْ وَ انْحِطَاطِ هَوَایَ، وَ اجْعَلْنِیْ مِمَّنْ یَّدْعُوْكَ مُخْلِصًا فِی الرَّخَآءِ، دُعَآءَ

خوف و امن، رضا و غضب اور نفع و نقصان کے موقع پر تیرے حقوق و وظائف کے انجام دینے میں مسرت قلبی و اطمینانِ نفس محسوس کروں۔

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور میرے سینہ کو حسد سے پاک کر دے تا کہ میں مخلوقات میں سے کسی ایک پر اس چیز کی وجہ سے جو تو نے اسے اپنے فضل و کرم سے عطا کی ہے حسد نہ کروں، یہاں تک کہ میں تیری نعمتوں میں سے کوئی نعمت، وہ دین سے متعلق ہو یا دنیا سے، عافیت سے متعلق ہو یا تقویٰ سے، وسعت رزق سے متعلق ہو یا آسائش سے، مخلوقات میں سے کسی ایک کے پاس نہ دیکھوں مگر یہ کہ تیرے وسیلہ سے، اور تجھ سے اے خدائے یگانہ ولاشریک اس سے بہتر کی اپنے لئے آرزو کروں۔

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور دنیا و آخرت کے امور میں خواہ خوشنودی کی حالت ہو یا غضب کی، مجھے خطاؤں سے تحفظ اور لغزشوں سے اجتناب کی توفیق عطا فرما، یہاں تک کہ غضب و رضا کی جو حالت پیش آئے میری حالت یکساں رہے اور تیری اطاعت پر عمل پیرا رہوں، اور دوست و دشمن کے بارے میں تیری رضا اور اطاعت کو دوسری چیزوں پر مقدم کروں، یہاں تک کہ دشمن کو میرے ظلم و جور کا کوئی اندیشہ نہ رہے، اور میرے دوست کو بھی جنبہ داری اور دوستی کی رو میں بہ جانے سے مایوسی ہو جائے، اور مجھے ان لوگوں میں قرار دے جو راحت و آسائش کے زمانہ میں پورے اخلاص کے ساتھ ان مخلصین کی

الْمُخْلِصِيْنَ الْمُضْطَرِّيْنَ لَكَ فِي الدُّعَآءِ، اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

--☆☆--

طرح دُعا مانگتے ہیں جو اضطرار و بیچارگی کے عالم میں دست بہ دُعا رہتے ہیں، بے شک تو قابل ستائش اور بزرگ و برتر ہے۔

--☆☆--

دنیا کی مصیبت و ابتلا اور زمانے کی شدت و سختی سے کم و بیش ہر شخص کو دو چار ہونا پڑتا ہے۔ ایسے وقت میں ضابط سے ضابط انسان بھی بے صبری کا مظاہرہ کر بیٹھتا ہے اور مصیبتوں سے گھبرا کر کبھی مقدر کا گلہ کرتا ہے، کبھی فلک کج رفتار کا، کبھی زمانہ کا شکوہ کرتا ہے اور کبھی اہل زمانہ کا۔ اور بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جو زمانہ کی اونچ نیچ میں اپنی سطح کو ہموار رکھ سکیں اور یہ طبیعت بشری کا خاصہ ہے کہ وہ مصیبت سے متاثر ہو۔ اور مصیبت کو مصیبت نہ سمجھنا تو فطرت کے خلاف ہے، لیکن اس تاثر پر صبر و ضبط سے قابو پا لینا مصیبت کے احساس کو کم کر دیتا ہے اور بے صبری سے اس کی تلخی بڑھ جاتی ہے۔ اس لئے رنج و اندوہ کے موقع پر صبر و ضبط سے کام لے اور دوسرے مصیبت زدہ لوگوں کو دیکھ کر اپنے لئے تسلی کا سامان مہیا کرے۔

یہ مصائب و آلام جہاں تلخ کامی کا باعث ہوتے ہیں وہاں ایسے تعلیمی اسباق بھی ان سے حاصل ہوتے ہیں جو زندگی کی پر پیچ راہوں میں سعادت و کامرانی کی راہ دکھاتے ہیں۔ چنانچہ ان مصیبت ہی کے لمحوں سے آرام و راحت کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ کیونکہ جب تک دریا کی طغیانیوں اور سمندر کی طوفانی موجوں سے واسطہ نہ پڑے، ساحل کی پرسکون و بے خطر فضا کی قدر نہیں ہوتی۔ اور انہی مصائب و شدائد کے جھیل لے جانے سے صبر و استقامت کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے جو آیندہ کٹھن موقعوں پر کام آتی اور اضطراب و پریشانی سے بچا لے جاتی ہے اور مصیبت ہی کے موقع پر دوستوں، عزیزوں کی آزمائش ہوتی ہے جو انسان کو محتاط بنا دیتی ہے۔

اور ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے نخوت و رعونت کے جذبات کو ٹھیس لگتی ہے اور عجز و بے بسی کا احساس شکستگی و انکسار کی کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔ اگر زندگی کے لمحات سکون و اطمینان ہی کا گہوارہ بنے رہیں اور راحت و آسائش کے تمام سامان مہیا اور تمنائیں اور آرزوئیں کامیابی سے ہمکنار رہیں تو لازماً دنیا سے وابستگی کا جذبہ زیادہ ہوگا اور اس سے رخ موڑنا انتہائی رنج و الم اور حسرت و اندوہ کا باعث ہوگا۔ اس کے برعکس اگر زندگی مصائب و آلام کی گود میں کروٹیں لے تو دنیا سے دلچسپی و وابستگی کا احساس کم ہوگا اور جوں جوں مصیبتیں بڑھیں گی دل زیادہ اُچاٹ ہوگا اور دنیا ایک قید خانہ معلوم دے گی اور دنیا کو چھوڑنے اور اس تنگنائے دہر سے نکلنے کا صدمہ چنداں محسوس نہ ہوگا۔ جب ان مصائب کے نتیجہ میں دنیا سے رغبت کم ہوگی تو آخرت سے وابستگی لازماً بڑھے گی اور وہ دنیا کے آرام و سکون کو عارضی اور اس کے عیش کو ڈھلتی چھاؤں سمجھ کر ابدی سکون کیلئے اللہ تعالیٰ سے اپنا رشتہ جوڑے گا۔

چنانچہ یہ دُعا شدت و سختی کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی قوت و قدرت کی طرف متوجہ کر کے اس سے وابستگی کا درس دیتی ہے کہ انسان اپنی کارگزاری پر غرہ نہ کرے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و بالادستی کو نظر میں رکھے کہ وہ نفوس انسانی پر اتنا اختیار اور اقتدار رکھتا ہے کہ وہ خود اتنا اختیار نہیں رکھتے اور جتنا وہ ان کی درستی و اصلاح پر قادر ہے وہ خود اتنے قادر نہیں ہیں۔ کیونکہ ہر قوت و طاقت کا وہی سرچشمہ ہے اور کوئی قوت اس سے بالاتر متصور نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ انسان فاعل مختار ہے مگر جب تک قدرت کی طرف سے اسباب و ذرائع مہیا نہ ہوں وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ یہ ہاتھ پاؤں میں سکت، آنکھوں میں

بینائی، کانوں میں شنوائی اسی کی بخشی ہوئی ہے اور اسی نے حواس کے چراغ روشن کئے اور عقل و شعور کی قوتیں دی ہیں۔ لہٰذا جو قدم اٹھے گا اسی کی دی ہوئی قوت سے اور جو کام سرانجام پائے گا اسی کی دی ہوئی صحت اور توانائی سے۔ خود انسان نہ اپنے مصالح کو سمجھ سکتا ہے نہ اپنے سود و زیاں پر اختیار رکھتا ہے۔ نہ ابتلا و مصیبت کے دھارے کو موڑ سکتا ہے نہ فقر و احتیاج کو دور کر سکتا ہے۔

اسی لئے حضرتؑ شدت و مصیبت اور فقر و بیچارگی کے مقابلہ میں اپنے عجز کا اظہار کرتے ہوئے اسی سے اپنے حوائج و مقاصد وابستہ کرتے ہیں۔ اس طرح کہ نہ کوئی واسطہ گوارا کیا ہے اور نہ کوئی سہارا ڈھونڈا ہے۔ اس لئے کہ جو حاجتیں دوسروں کے ذریعے پوری ہوتی ہیں ان میں احسان کی آمیزش ہوتی ہے اور جو بے منتِ خلق ملتا ہے وہ ہر کدورت سے پاک ہوتا ہے۔ اور فرائض و واجبات کی ادائیگی میں بھی اسی سے توفیق طلب کرتے ہیں۔ کیونکہ جب تک اس کی توفیق شامل حال نہ ہو ایک شمہ بھی اس کے حقوق کا ادا نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق کے پہلو بہ پہلو حقوق الناس کا بھی ذکر کیا ہے۔ کیونکہ وہ حقوق اللہ سے اہمیت میں کم نہیں ہیں۔ بلکہ خداوند عالم اپنے حقوق کو تو معاف کر دے سکتا ہے مگر حقوق الناس کو نظر انداز نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص کسی کی برائی کرتا ہے تو اس وقت تک معاف نہیں کرتا جب تک صاحب حق خود معاف نہ کر دے۔ اور اگر معاف نہ کرے تو یہ گناہ اس سے برطرف نہیں ہو سکتا اور اس کی نیکیوں کو کم کر کے جس کی غیبت کی ہے اس کے نامہ اعمال میں درج کر دے گا۔

حضرتؑ نے اللہ تعالیٰ کے حقوق کو صرف دو لفظوں میں بیان کر دیا ہے: ایک ''اطاعت'' اور دوسرے ''رضا''۔ ''اطاعت'' یہ ہے کہ اس کے احکام کی پابندی کرے اور ''رضا'' یہ ہے کہ ہر خوشگوار و ناگوار کو حکمت و مصلحت الٰہی کے زیر اثر سمجھے اور اس پر خوش و خوشنود رہے، جس کے بعد نہ کسی چوکھٹ پر سرنیاز خم کرے گا نہ دنیا کی تلخیوں سے متاثر ہو گا اور اس طرح اپنی عبودیت کو کمال کی منزل تک پہنچا دے گا۔

اور آخر میں انسان کو غفلت سے ہوشیار رہنے کی تعلیم دی ہے کہ وہ عیش و تنعم کی راحتوں میں کھو کر مصیبت کی گھڑیوں کو فراموش نہ کرے، بلکہ راحت و آسائش کے دنوں میں بھی فقر و احتیاج اور مصیبت و ابتلا سے پناہ مانگتا رہے۔ کیونکہ امن و اطمینان کے موقع پر جو دُعا مانگی جاتی ہے وہ برے وقت میں ہر مصیبت و افتاد سے سپر بن جایا کرتی ہے۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

اِنَّ الدُّعَآءَ فِي الرَّخَآءِ يَسْتَخْرِجُ الْحَوَآئِجَ فِي الْبَلَآءِ.

وسعت و کشائش کے موقع پر دُعا مصیبت کے موقع پر مقصد برآری کا ذریعہ ہوتی ہے۔[1]

☆☆☆☆☆

---

[1] الکافی، ج ۲، ص ۴۷۲۔

(۲۳) وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

إِذَا سَئَلَ اللهَ الْعَافِيَةَ وَ شُكْرَهَا

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اَلْبِسْنِيْ عَافِيَتَكَ، وَ جَلِّلْنِيْ عَافِيَتَكَ، وَ حَصِّنِّيْ بِعَافِيَتِكَ، وَ اَكْرِمْنِيْ بِعَافِيَتِكَ، وَ اَغْنِنِيْ بِعَافِيَتِكَ، وَ تَصَدَّقْ عَلَيَّ بِعَافِيَتِكَ، وَ هَبْ لِيْ عَافِيَتَكَ وَ اَفْرِشْنِيْ عَافِيَتَكَ، وَ اَصْلِحْ لِيْ عَافِيَتَكَ، وَ لَا تُفَرِّقْ بَيْنِيْ وَ بَيْنَ عَافِيَتِكَ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ عَافِنِيْ عَافِيَةً كَافِيَةً شَافِيَةً عَالِيَةً نَّامِيَةً، عَافِيَةً تُوَلِّدُ فِيْ بَدَنِي الْعَافِيَةَ، عَافِيَةَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ، وَ امْنُنْ عَلَيَّ بِالصِّحَّةِ وَ الْاَمْنِ وَ السَّلَامَةِ فِيْ دِيْنِيْ وَ بَدَنِيْ، وَ الْبَصِيْرَةِ فِيْ قَلْبِيْ، وَ النَّفَاذِ فِيْٓ اُمُوْرِيْ، وَ الْخَشْيَةِ لَكَ، وَ الْخَوْفِ مِنْكَ، وَ الْقُوَّةِ عَلٰى مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖ مِنْ طَاعَتِكَ، وَ الِاجْتِنَابِ لِمَا نَهَيْتَنِيْ عَنْهُ مِنْ مَّعْصِيَتِكَ.

اَللّٰهُمَّ وَ امْنُنْ عَلَيَّ بِالْحَجِّ وَ الْعُمْرَةِ، وَ زِيَارَةِ قَبْرِ رَسُوْلِكَ، صَلَوَاتُكَ عَلَيْهِ وَ رَحْمَتُكَ وَ بَرَكَاتُكَ عَلَيْهِ وَ عَلٰٓى اٰلِهٖ، وَ اٰلِ

دُعا (۲۳)

جب طلب عافیت کرتے اور اس پر شکر ادا کرتے تو یہ دُعا پڑھتے

اے اللہ! رحمت نازل فرما محمدؐ اور ان کی آلؑ پر اور مجھے اپنی عافیت کا لباس پہنا، اپنی عافیت کی ردا اوڑھا، اپنی عافیت کے ذریعہ محفوظ رکھ، اپنی عافیت کے ذریعہ عزت و وقار دے، اپنی عافیت کے ذریعہ بے نیاز کر دے، اپنی عافیت کی بھیک میری جھولی میں ڈال دے، اپنی عافیت مجھے مرحمت فرما، اپنی عافیت کو میرا اوڑھنا بچھونا قرار دے، اپنی عافیت کی میرے لئے اصلاح و درستی فرما، اور دنیا و آخرت میں میرے اور اپنی عافیت کے درمیان جدائی نہ ڈال۔

اے میرے معبود! رحمت نازل فرما محمدؐ اور ان کی آلؑ پر اور مجھے ایسی عافیت دے جو بے نیاز کرنے والی، شفا بخشنے والی (امراض کے دسترس سے) بالا اور روز افزوں ہو، ایسی عافیت جو میرے جسم میں دنیا و آخرت کی عافیت کو جنم دے اور صحت، امن، جسم و ایمان کی سلامتی، قلبی بصیرت، نفاذ امور کی صلاحیت، بیم و خوف کا جذبہ اور جس اطاعت کا حکم دیا ہے اس کے بجا لانے کی قوت، اور جن گناہوں سے منع کیا ہے، ان سے اجتناب کی توفیق بخش کر مجھ پر احسان فرما۔

بارالہا! مجھ پر یہ احسان بھی فرما کہ جب تک تو مجھے زندہ رکھے ہمیشہ اس سال بھی اور ہر سال حج و عمرہ اور قبر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قبور آل رسول علیہم السلام

رَسُولِكَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ اَبَدًا مَّآ اَبْقَيْتَنِيْ، فِيْ عَامِيْ هٰذَا وَ فِيْ كُلِّ عَامٍ، وَ اجْعَلْ ذٰلِكَ مَقْبُوْلًا مَّشْكُوْرًا، مَذْكُوْرًا لَّدَيْكَ، مَذْخُوْرًا عِنْدَكَ، وَ اَنْطِقْ بِحَمْدِكَ وَ شُكْرِكَ وَ ذِكْرِكَ وَ حُسْنِ الثَّنَآءِ عَلَيْكَ لِسَانِيْ، وَ اشْرَحْ لِمَرَاشِدِ دِيْنِكَ قَلْبِيْ، وَ اَعِذْنِيْ وَ ذُرِّيَّتِيْ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، وَ مِنْ شَرِّ السَّامَّةِ وَ الْهَامَّةِ و الْعَامَّةِ وَ اللَّامَّةِ، وَ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ، وَ مِنْ شَرِّ كُلِّ سُلْطَانٍ عَنِيْدٍ، وَ مِنْ شَرِّ كُلِّ مُتْرَفٍ حَفِيْدٍ، وَ مِنْ شَرِّ كُلِّ ضَعِيْفٍ وَّ شَدِيْدٍ، وَ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَرِيْفٍ وَّ وَضِيْعٍ، وَ مِنْ شَرِّ كُلِّ صَغِيْرٍ وَ كَبِيْرٍ، وَ مِنْ شَرِّ كُلِّ قَرِيْبٍ وَّ بَعِيْدٍ، وَ مِنْ شَرِّ كُلِّ مَنْ نَّصَبَ لِرَسُوْلِكَ وَ لِاَهْلِ بَيْتِهٖ حَرْبًا مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ، وَ مِنْ شَرِّ كُلِّ دَآبَّةٍ اَنْتَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا، اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ مَنْ اَرَادَنِيْ بِسُوْٓءٍ فَاصْرِفْهُ عَنِّيْ، وَ ادْحَرْ عَنِّيْ مَكْرَهٗ، وَ ادْرَاْ عَنِّيْ شَرَّهٗ، وَ رُدَّ كَيْدَهٗ فِيْ نَحْرِهٖ، وَ اجْعَلْ بَيْنَ

کی زیارت کرتا رہوں ،اور ان عبادات کو مقبول و پسندیدہ، قابل التفات اور اپنے ہاں ذخیرہ قرار دے، اور حمد و شکر و ذکر اور ثنائے جمیل کے نغموں سے میری زبان کو گویا رکھ، اور دینی ہدایتوں کیلئے میرے دل کی گرہیں کھول دے، اور مجھے اور میری اولاد کو شیطان مردود اور زہریلے جانوروں، ہلاک کرنے والے حیوانوں اور دوسرے جانوروں کے گزند، اور چشم بد سے پناہ دے، اور ہر سرکش شیطان، ہر ظالم حکمران، ہر جمع جتھے والے مغرور، ہر کمزور اور طاقتور، ہر اعلیٰ و ادنیٰ، ہر چھوٹے بڑے، اور ہر نزدیک اور دور والے، اور جن وانس میں سے تیرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اہل بیت علیہم السلام سے برسر پیکار ہونے والے، اور ہر حیوان کے شر سے جن پر تجھے تسلط حاصل ہے، محفوظ رکھ، اس لئے کہ تو حق و عدل کی راہ پر ہے۔

اے اللہ! محمدؐ اوران کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور جو مجھ سے برائی کرنا چاہے اسے مجھ سے روگردان کردے، اس کا مکر مجھ سے دور، اس کا اثر مجھ سے دفع کردے، اور اس کے مکر وفریب (کے تیر) اسی کے سینے کی طرف پلٹا دے، اور اس کے سامنے ایک

يَدَيْهِ سُدًّا حَتّٰى تُعْمِيَ عَنِّيْ بَصَرَهٗ، وَ تُصِمَّ عَنْ ذِكْرِيْ سَمْعَهٗ، وَ تُقْفِلَ دُوْنَ اِخْطَارِيْ قَلْبَهٗ، وَ تُخْرِسَ عَنِّيْ لِسَانَهٗ، وَ تَقْمَعَ رَاْسَهٗ، وَ تُذِلَّ عِزَّهٗ، وَ تَكْسِرَ جَبَرُوْتَهٗ، وَ تُذِلَّ رَقَبَتَهٗ، وَ تَفْسَخَ كِبْرَهٗ، وَ تُؤْمِنَنِيْ مِنْ جَمِيْعِ ضَرِّهٖ وَ شَرِّهٖ، وَ غَمْزِهٖ وَ هَمْزِهٖ وَ لَمْزِهٖ، وَ حَسَدِهٖ وَ عَدَاوَتِهٖ وَ حَبَآئِلِهٖ، وَ مَصَآئِدِهٖ وَ رَجِلِهٖ وَ خَيْلِهٖ، اِنَّكَ عَزِيْزٌ قَدِيْرٌ.

--☆☆--

دیوار کھڑی کر دے، یہاں تک کہ اس کی آنکھوں کو مجھے دیکھنے سے نابینا اور اس کے کانوں کو میرا ذکر سننے سے بہرا کر دے، اور اس کے دل پر قفل چڑھا دے، تا کہ میرا اسے خیال نہ آئے، اور میرے بارے میں کچھ کہنے سننے سے اس کی زبان کو گنگ کر دے، اس کا سر کچل دے، اس کی عزت پامال کر دے، اس کی تمکنت کو توڑ دے، اس کی گردن میں ذلت کا طوق ڈال دے، اس کا تکبر ختم کر دے، اور مجھے اس کی ضرر رسانی، شر پسندی، طعنہ زنی، غیبت، عیب جوئی، حسد، دشمنی اور اس کے پھندوں، ہتھکنڈوں، پیادوں اور سواروں سے اپنے حفظ و امان میں رکھ، یقیناً تو غلبہ و اقتدار کا مالک ہے۔

--☆☆--

یہ دُعا طلب عافیت کے سلسلہ میں ہے۔ ''عافیت'' دین و دنیا کے تمام انواع خیر کو شامل ہے۔ وہ جسم سے متعلق ہو جیسے صحت و تندرستی، یا روح سے جیسے سیرت و کردار کی پاکیزگی، وہ دنیا کی کامرانی سے متعلق ہو، یا آخرت کی فلاح سے، غرض ظاہر و باطن اور دنیا و آخرت کی ہر فلاح و بہبود اس کے ضمن میں آجاتی ہے۔ اسی جامعیت کے لحاظ سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طلب عافیت سے بڑھ کر کوئی دُعا مطلوب و مرغوب نہ تھی۔ چنانچہ وارد ہوا ہے کہ:

مَا سَئَلَ اللّٰهُ شَيْئًا اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ اَنْ يُّسْئَلَ اللّٰهَ الْعَافِيَةَ.

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے کوئی ایسی چیز طلب نہیں کی جو انہیں طلب عافیت سے زیادہ پسند ہو۔[1]

اس دُعا میں لفظ ''عافیت'' کا تکرار اس کے متعدد معانی کے اعتبار سے ہے۔ چنانچہ ہر جملہ میں لفظ عافیت کے الگ الگ معنی ہیں اور وہ معنی بالترتیب یہ ہیں:

۱۔جسمانی صحت، ۲۔ذلت اور رسوائی سے نجات، ۳۔دشمن سے بچاؤ، ۴۔عیوب و رذائل سے علیحدگی، ۵۔فقر و احتیاج سے دوری، ۶۔عزت نفس، ۷۔استغناء، ۸۔بےخوفی، ۹۔ازالۂ نقاہت، ۱۰۔امور دنیا و آخرت کی اصلاح۔

ان تمام انواعِ عافیت کے سوال کے بعد حج، عمرہ، زیارت قبر رسولؐ اور زیارت قبور آئمہؑ کیلئے دُعا فرمائی ہے اور ان اعمال پر دُعائے عافیت کو اس لئے مقدم کیا ہے کہ یہ تمام اعمال صحت، عافیت اور وسعت مال سے وابستہ ہیں۔

[1] ریاض السالکین، ج۷، ص۱۵۰۔

''حج'' کے لغوی معنی قصد و ارادہ کے ہیں اور ''عمرہ'' اعتمار سے ہے جس کے معنی زیارت کے ہیں اور شرعاً مکہ مکرمہ میں مخصوص دنوں میں مخصوص اعمال و ارکان کے بجالانے کا نام ہے۔ ان لوگوں کیلئے جو مکہ سے ۱۲ میل دور کے رہنے والے ہیں ''حج تمتع'' ہے۔ جس میں دو مرتبہ احرام باندھا جاتا ہے۔ پہلی مرتبہ عمرہ کی نیت سے جس کے بعد عمرہ کے مخصوص اعمال بجالائے جاتے ہیں اور دوسری مرتبہ آٹھ ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھا جاتا ہے جس کے بعد حج کے مخصوص اعمال ادا کئے جاتے ہیں۔ حج کے بعد یا حج سے پہلے مدینہ میں زیارت قبر رسولؐ مستحب مؤکد اور ثواب عظیم کی حامل ہے۔ چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ زَارَ قَبْرِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ کَانَ کَمَنْ هَاجَرَ اِلَیَّ فِیْ حَیَاتِیْ.

جو شخص میری رحلت کے بعد میری قبر کی زیارت کرے وہ اس شخص کے مانند ہے جس نے میری زندگی میں میری طرف ہجرت کی ہو۔[۱]

یہ زیارت حج ہی کا ایک تتمہ ہے اور امام شافعی نے اسے ''حج اصغر'' سے تعبیر کیا ہے۔ اسے ترک کرنا حقِ پیغمبرؐ کو نظر انداز کرنا اور احسان ناشاسی کا مظاہرہ ہے۔ اسی طرح آئمہ اطہار علیہم السلام کے مشاہد کی زیارت مستحب مؤکد اور انکے حقوق کے اعتراف کی دلیل ہے۔ چنانچہ امام رضا علیہ السلام کا ارشاد ہے:

اِنَّ لِکُلِّ اِمَامٍ عَهْدًا فِیْ عُنُقِ اَوْلِیَآئِهٖ وَ شِیْعَتِهٖ، وَ اِنَّ مِنْ تَمَامِ الْوَفَآءِ بِالْعَهْدِ وَ حُسْنِ الْاَدَآءِ زِیَارَةَ قُبُوْرِهِمْ.

ہر امامؑ کیلئے اس کے دوستوں اور شیعوں کے ذمہ ایک عہد و پیمان ہے اور وفائے عہد و حسن ادائیگی کی تکمیل یہ ہے کہ ان کی قبروں کی زیارت کی جائے۔[۲]

☆☆☆☆☆

---

[۱] دعائم الاسلام، ج ۱ ص ۲۹۶۔
[۲] الکافی، ج ۴ ص ۵۶۷۔

(۲۴) وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

لِاَبَوَيْهِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَ رَسُوْلِكَ، وَ اَهْلِ بَيْتِهِ الطَّاهِرِيْنَ، وَ اخْصُصْهُمْ بِاَفْضَلِ صَلَوَاتِكَ وَ رَحْمَتِكَ وَ بَرَكَاتِكَ وَ سَلَامِكَ، وَ اخْصُصِ اللّٰهُمَّ وَالِدَيَّ بِالْكَرَامَةِ لَدَيْكَ، وَ الصَّلٰوةِ مِنْكَ يَاۤ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اَلْهِمْنِيْ عِلْمَ مَا يَجِبُ لَهُمَا عَلَيَّ اِلْهَامًا، وَ اجْمَعْ لِيْ عِلْمَ ذٰلِكَ كُلِّهٖ تَمَامًا، ثُمَّ اسْتَعْمِلْنِيْ بِمَا تُلْهِمُنِيْ مِنْهُ، وَ وَفِّقْنِيْ لِلنُّفُوْذِ فِيْمَا تُبَصِّرُنِيْ مِنْ عِلْمِهٖ، حَتّٰى لَا يَفُوْتَنِيْ اسْتِعْمَالُ شَيْءٍ عَلَّمْتَنِيْهِ، وَ لَا تَثْقُلَ اَرْكَانِيْ عَنِ الْحَفُوْفِ فِيْمَاۤ اَلْهَمْتَنِيْهِ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ كَمَا شَرَّفْتَنَا بِهٖ، وَ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، كَمَاۤ اَوْجَبْتَ لَنَا الْحَقَّ عَلَى الْخَلْقِ بِسَبَبِهٖ.

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْۤ اَهَابُهُمَا هَيْبَةَ السُّلْطَانِ الْعَسُوْفِ،

دُعا (۲۴)

اپنے والدین علیہما السلام کے حق میں حضرتؑ کی دُعا

اے اللہ! اپنے عبد خاص اور رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے پاک و پاکیزہ اہل بیت علیہم السلام پر رحمت نازل فرما، اور انہیں بہترین رحمت و برکت اور درود و سلام کے ساتھ خصوصی امتیاز بخش، اور اے معبود! میرے ماں باپ کو بھی اپنے نزدیک عزت و کرامت اور اپنی رحمت سے مخصوص فرما، اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے۔

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور ان کے جو حقوق مجھ پر واجب ہیں ان کا علم بذریعہ الہام عطا کر، اور ان تمام واجبات کا علم بے کم و کاست میرے لئے مہیا فرما دے، پھر جو مجھے بذریعہ الہام بتائے اس پر کاربند رکھ، اور اس سلسلہ میں جو بصیرت علمی عطا کرے اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق دے، تاکہ ان باتوں میں سے جو تو نے مجھے تعلیم کی ہیں کوئی بات عمل میں آئے بغیر نہ رہ جائے، اور اس خدمت گزاری سے جو تو نے مجھے بتلائی ہے میرے ہاتھ پیر تھکن محسوس نہ کریں۔

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما کیونکہ تو نے ان کی طرف انتساب سے ہمیں شرف بخشا ہے، محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما کیونکہ تو نے ان کی وجہ سے ہمارا حق مخلوقات پر قائم کیا ہے۔

اے اللہ! مجھے ایسا بنا دے کہ میں ان دونوں سے اس طرح ڈروں جس طرح کسی جابر بادشاہ سے ڈرا جاتا ہے، اور اس طرح

وَ اَبَرَّهُمَا بِرَّ الْاُمِّ الرَّءُوْفِ، وَ اجْعَلْ طَاعَتِيْ لِوَالِدَيَّ وَ بِرِّيْ بِهِمَاۤ اَقَرَّ لِعَيْنِيْ مِنْ رَّقْدَةِ الْوَسْنَانِ، وَ اَثْلَجَ لِصَدْرِيْ مِنْ شَرْبَةِ الظَّمْاٰنِ، حَتّٰى اُوْثِرَ عَلٰى هَوَايَ هَوَاهُمَا، وَ اُقَدِّمَ عَلٰى رِضَايَ رِضَاهُمَا، وَ اَسْتَكْثِرَ بِرَّهُمَا بِيْ وَ اِنْ قَلَّ، وَ اَسْتَقِلَّ بِرِّيْ بِهِمَا وَاِنْ كَثُرَ.

ان کے حال پر شفیق و مہربان رہوں جس طرح شفیق ماں (اپنی اولاد پر) شفقت کرتی ہے، اور ان کی فرمانبرداری اور ان سے حسن سلوک کے ساتھ پیش آنے کو میری آنکھوں کیلئے اس سے زیادہ کیف افزا قرار دے جتنا چشم خواب آلود میں نیند کا خمار، اور میرے قلب و روح کیلئے اس سے بڑھ کر مسرت انگیز قرار دے جتنا پیاسے کیلئے جرعۂ آب، تاکہ میں اپنی خواہش پر ان کی خواہش کو ترجیح دوں، اور اپنی خوشی پر ان کی خوشی کو مقدم رکھوں، اور ان کے تھوڑے احسان کو بھی جو مجھ پر کریں زیادہ سمجھوں، اور میں جو نیکی ان کے ساتھ کروں وہ زیادہ بھی ہو تو اسے کم تصور کروں۔

اَللّٰهُمَّ خَفِّضْ لَهُمَا صَوْتِيْ، وَ اَطِبْ لَهُمَا كَلَامِيْ، وَ اَلِنْ لَّهُمَا عَرِيْكَتِيْ، وَ اعْطِفْ عَلَيْهِمَا قَلْبِيْ، وَ صَيِّرْنِيْ بِهِمَا رَفِيْقًا، وَ عَلَيْهِمَا شَفِيْقًا.

اے اللہ! میری آواز کو ان کے سامنے آہستہ، میرے کلام کو ان کیلئے خوشگوار، میری طبیعت کو نرم اور میرے دل کو مہربان بنا دے اور مجھے ان کے ساتھ نرمی و شفقت سے پیش آنے والا قرار دے۔

اَللّٰهُمَّ اشْكُرْ لَهُمَا تَرْبِيَتِيْ، وَ اَثِبْهُمَا عَلٰى تَكْرِمَتِيْ، وَ احْفَظْ لَهُمَا مَا حَفِظَاهُ مِنِّيْ فِيْ صِغَرِيْ.

اے اللہ! انہیں میری پرورش کی جزائے خیر دے، اور میری حسن نگہداشت پر اجر و ثواب عطا کر، اور کم سنی میں میری خبر گیری کا انہیں صلہ دے۔

اَللّٰهُمَّ وَ مَا مَسَّهُمَا مِنِّيْ مِنْ اَذًى، اَوْ خَلَصَ اِلَيْهِمَا عَنِّيْ مِنْ مَّكْرُوْهٍ، اَوْ ضَاعَ قِبَلِيْ لَهُمَا مِنْ حَقٍّ، فَاجْعَلْهُ حِطَّةً لِّذُنُوْبِهِمَا، وَ عُلُوًّا فِيْ دَرَجَاتِهِمَا، وَ زِيَادَةً فِيْ حَسَنَاتِهِمَا، يَا مُبَدِّلَ السَّيِّئَاتِ بِاَضْعَافِهَا مِنَ الْحَسَنَاتِ.

اے اللہ! انہیں میری طرف سے کوئی تکلیف پہنچی ہو، یا میری جانب سے کوئی ناگوار صورت پیش آئی ہو، یا ان کی حق تلفی ہوئی ہو تو اسے ان کے گناہوں کا کفارہ، درجات کی بلندی اور نیکیوں میں اضافہ کا سبب قرار دے، اے برائیوں کو کئی گنا نیکیوں سے بدل دینے والے۔

اَللّٰهُمَّ وَ مَا تَعَدَّيَا عَلَيَّ فِيْهِ مِنْ قَوْلٍ، اَوْ اَسْرَفَا عَلَيَّ فِيْهِ مِنْ فِعْلٍ، اَوْ ضَيَّعَاهُ لِيْ مِنْ حَقٍّ، اَوْ قَصَّرَا بِيْ عَنْهُ مِنْ وَّاجِبٍ فَقَدْ وَهَبْتُهٗ لَهُمَا، وَ جُدْتُّ بِهٖ عَلَيْهِمَا، وَ رَغِبْتُ اِلَيْكَ فِيْ وَضْعِ تَبِعَتِهٖ عَنْهُمَا، فَاِنِّيْ لَآ اَتَّهِمُهُمَا عَلٰى نَفْسِيْ، وَ لَآ اَسْتَبْطِئُهُمَا فِيْ بِرِّيْ، وَ لَآ اَكْرَهُ مَا تَوَلَّيَاهُ مِنْ اَمْرِيْ يَا رَبِّ، فَهُمَآ اَوْجَبُ حَقًّا عَلَيَّ، وَ اَقْدَمُ اِحْسَانًآ اِلَيَّ، وَ اَعْظَمُ مِنَّةً لَدَيَّ مِنْ اَنْ اُقَاصَّهُمَا بِعَدْلٍ، اَوْ اُجَازِيَهُمَا عَلٰى مِثْلٍ، اَيْنَ اِذًا يَآ اِلٰهِيْ طُوْلُ شُغْلِهِمَا بِتَرْبِيَتِيْ؟ وَ اَيْنَ شِدَّةُ تَعَبِهِمَا فِيْ حِرَاسَتِيْ؟ وَ اَيْنَ اِقْتَارُهُمَا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمَا لِلتَّوْسِعَةِ عَلَيَّ؟ هَيْهَاتَ مَا يَسْتَوْفِيَانِ مِنِّيْ حَقَّهُمَا، وَ لَآ اُدْرِكُ مَا يَجِبُ عَلَيَّ لَهُمَا، وَ لَآ اَنَا بِقَاضٍ وَّظِيْفَةَ خِدْمَتِهِمَا، فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اَعِنِّيْ يَا خَيْرَ مَنِ اسْتُعِيْنَ بِهٖ، وَ وَفِّقْنِيْ يَآ اَهْدٰى مَنْ رُّغِبَ اِلَيْهِ، وَ لَا تَجْعَلْنِيْ فِيْٓ اَهْلِ الْعُقُوْقِ لِلْاٰبَآءِ وَ الْاُمَّهَاتِ، يَوْمَ تُجْزٰى ﴿كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۝﴾.

بارالٰہا! اگر انہوں نے میرے ساتھ گفتگو میں سختی، یا کسی کام میں زیادتی، یا میرے کسی حق میں فروگذاشت، یا اپنے فرض منصبی میں کوتاہی کی ہو تو میں ان کو بخشتا ہوں اور اسے نیکی و احسان کا وسیلہ قرار دیتا ہوں، اور پالنے والے! تجھ سے خواہش کرتا ہوں کہ اس کا مؤاخذہ ان سے نہ کرنا، اس لئے کہ میں اپنی نسبت ان سے کوئی بدگمانی نہیں رکھتا، اور نہ تربیت کے سلسلہ میں انہیں سہل انگار سمجھتا ہوں، اور نہ ان کی دیکھ بھال کو ناپسند کرتا ہوں، اس لئے کہ ان کے حقوق مجھ پر لازم و واجب، ان کے احسانات دیرینہ اور ان کے انعامات عظیم ہیں، وہ اس سے بالاتر ہیں کہ میں ان کو برابر کا بدلہ یا ویسا ہی عوض دے سکوں، اگر ایسا کرسکوں تو اے میرے معبود! وہ ان کا ہمہ وقت میری تربیت میں مشغول رہنا، میری خبرگیری میں رنج وتعب اٹھانا، اور خود عسرت وتنگی میں رہ کر میری آسودگی کا سامان کرنا کہاں جائے گا، بھلا کہاں ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے حقوق کا صلہ مجھ سے پاسکیں، اور نہ میں خود ہی ان کے حقوق سے سبکدوش ہوسکتا ہوں، اور نہ ان کی خدمت کا فریضہ انجام دے سکتا ہوں، رحمت نازل فرما محمدؐ اور ان کی آلؑ پر اور میری مدد فرما اے بہتر ان سب سے جن سے مدد مانگی جاتی ہے، اور مجھے توفیق دے اے زیادہ رہنمائی کرنے والے ان سب سے جن کی طرف (ہدایت کیلئے) توجہ کی جاتی ہے، اور مجھے اس دن جبکہ ہر شخص کو اسکے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا اور کسی پر زیادتی نہ ہوگی، ان لوگوں میں سے قرار نہ دینا جو ماں باپ کے عاق و نافرمان بردار ہوں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ ذُرِّيَّتِهٖ، وَ اخْصُصْ اَبَوَيَّ بِاَفْضَلِ مَا خَصَصْتَ بِهٖ اٰبَآءَ عِبَادِكَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اُمَّهَاتِهِمْ، يَاۤ اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ.

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ و اولاد پر رحمت نازل فرما اور میرے ماں باپ کو اس سے بڑھ کر امتیاز دے جو مومن بندوں کے ماں باپ کو تو نے بخشا ہے، اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے۔

اَللّٰهُمَّ لَا تُنْسِنِيْ ذِكْرَهُمَا فِيْۤ اَدْبَارِ صَلَوَاتِيْ، وَ فِيْۤ اِنًى مِّنْ اٰنَآءِ لَيْلِيْ، وَ فِيْ كُلِّ سَاعَةٍ مِّنْ سَاعَاتِ نَهَارِيْ.

اے اللہ! ان کی یاد کو نمازوں کے بعد رات کی ساعتوں اور دن کے تمام لمحوں میں کسی وقت فراموش نہ ہونے دے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اغْفِرْ لِيْ بِدُعَآئِيْ لَهُمَا، وَ اغْفِرْ لَهُمَا بِبِرِّهِمَا بِيْ مَغْفِرَةً حَتْمًا، وَ ارْضَ عَنْهُمَا بِشَفَاعَتِيْ لَهُمَا رِضًى عَزْمًا، وَ بَلِّغْهُمَا بِالْكَرَامَةِ مَوَاطِنَ السَّلَامَةِ.

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور مجھے ان کے حق میں دُعا کرنے کی وجہ سے، اور انہیں میرے ساتھ نیکی کرنے کی وجہ سے لازمی طور پر بخش دے، اور میری سفارش کی وجہ سے ان سے قطعی طور پر راضی وخوشنود ہو، اور انہیں عزّت وآبرو کے ساتھ سلامتی کی منزلوں تک پہنچادے۔

اَللّٰهُمَّ وَ اِنْ سَبَقَتْ مَغْفِرَتُكَ لَهُمَا فَشَفِّعْهُمَا فِيَّ، وَ اِنْ سَبَقَتْ مَغْفِرَتُكَ لِيْ فَشَفِّعْنِيْ فِيْهِمَا، حَتّٰى نَجْتَمِعَ بِرَاْفَتِكَ فِيْ دَارِ كَرَامَتِكَ، وَ مَحَلِّ مَغْفِرَتِكَ وَ رَحْمَتِكَ، اِنَّكَ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ، وَ الْمَنِّ الْقَدِيْمِ، وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ.

اے اللہ! اگر تو نے انہیں مجھ سے پہلے بخش دیا تو انہیں میرا شفیع بنا، اور اگر مجھے پہلے بخش دیا تو مجھے ان کا شفیع قرار دے، تاکہ ہم سب تیرے لطف وکرم کی بدولت تیرے بزرگی کے گھر اور بخشش و رحمت کی منزل میں ایک ساتھ جمع ہوسکیں، یقیناً تو بڑے فضل والا، قدیم احسان والا اور سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

--☆☆--

خداوندعالم کے عظیم احسانات کے بعد ماں باپ کے احسانات کا درجہ ہے جن کی پرورش وتربیت میں ربوبیت الٰہی کی جھلک نظر آتی ہے اور وہ بغیر کسی طمع، غرض اور عوض کے پیہم تربیت کا اہتمام کرتے اور شفقت ومہربانی کے سایوں میں پروان چڑھاتے ہیں۔ چنانچہ وہ بچہ جو گوشت و پوست کا ایک لوتھڑا ہوتا ہے، جس کا شعور نا تمام، حواس کمزور، قویٰ ناقص، نفع نقصان کے سمجھنے سے قاصر، نہ اپنی کسی ضرورت کو پورا کرسکتا ہے نہ بغیر سہارے کروٹ بدل سکتا ہے، نہ بیٹھ سکتا ہے، نہ کھڑا ہوسکتا ہے، ہر لحہ ایک نگرانی کرنے والے کا محتاج، ہر مرحلہ پر دوسروں کا دست نگر، کون ہے جو اسے اپنے

آرام وراحت کی قربانی کرکے پالتا ہے؟ وہ ''ماں'' ہے جو ایسی حالت میں تربیت اور دیکھ بھال کا بیڑہ اٹھاتی ہے اور راتوں کی نینداور دن کا سکون اس کیلئے قربان کر دیتی ہے۔ جب اس میں اُٹھنے بیٹھنے کی سکت نہیں ہوتی، اسے گود میں اٹھائے پھرتی ہے۔ جب کچھ توانائی آتی ہے تو ہاتھ کا سہارا دے کر چلنا سکھاتی ہے اور جب ہوش سنبھالتا ہے تو باپ اس کی تعلیم و اخلاقی تربیت کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور اس کی خاطر طرح طرح کی مشقتیں برداشت کرتا ہے اور اپنے خون پسینہ کی کمائی سے اسے علم و ہنر سے آراستہ کرتا ہے۔ اگر شریعتِ اسلام کا یہ حکم نہ بھی ہوتا کہ ان کے ساتھ خوش رفتاری سے پیش آیا جائے، جب بھی حق شناسی و شکر گزاری کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے پیہم احسانات کے بدلہ میں ان کے حقوق کا اعتراف کیا جائے اور ان کا احترام ملحوظ رکھا جائے چہ جائیکہ شریعت نے بھی ان کے ساتھ نیکی کا تاکیدی حکم دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰـهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝﴾

تمہارے پروردگار کا حکم ہے کہ اس کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو۔ اگر ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچیں تو انہیں (کسی ناگوار بات پر) اُف تک نہ کہو اور نہ انہیں جھڑکو اور ان سے نرمی کے ساتھ بات کرو اور شفقت و مہربانی سے ان کے سامنے عاجزی کا اظہار کرو اور کہو کہ: اے میرے پروردگار! جس طرح ان دونوں نے بچپن میں میری پرورش کی ہے اسی طرح تو بھی ان پر رحم فرما۔[1]

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنی عبادت کا بلاشرکت غیرے حکم دیا ہے اور اس کے پہلو بہ پہلو ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا بھی ذکر کیا ہے۔ تاکہ ربوبیت حقیقی کے ساتھ ربوبیت مجازی نظر انداز نہ ہونے پائے اور دونوں کے تقاضے یکساں پورے ہوں۔ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی پرستش کرے اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرے۔ اس نیکی کو صرف ان کی زندگی تک محدود نہ سمجھنا چاہیئے، بلکہ ان کے مرنے کے بعد بھی ان کے حقوق برقرار رہتے ہیں۔ چنانچہ ان کے حقوق میں سے یہ ہے کہ ان کا قرضہ ادا کرے، ان کی وصیت کی تعمیل کرے اور جو واجبات ان کے ذمہ ہوں انہیں ادا کرے۔ جیسے نماز، روزہ، حج وغیرہ۔ اور ان کیلئے ہمیشہ دُعائے مغفرت کرے ارشادات معصومینؑ سے مستفاد ہوتا ہے کہ اگر ان کی زندگی میں ان کے حقوق سے فروگذاشت کی گئی ہو تو ان کے جوارِ رحمت میں پہنچنے کے بعد ان کے حق میں دُعائے مغفرت کرنے اور ان کے دوسرے حقوق ادا کرنے سے اس کی تلافی ہو جاتی ہے۔ اور اگر عاق بھی ہو تو اہل عقوق کی فہرست سے خارج کر دیا جاتا ہے اور درصورتے کہ نہ زندگی میں ان کا کچھ خیال کیا ہو اور نہ مرنے کے بعد ان کے حقوق کی طرف توجہ کی ہو تو اس کے نتیجہ میں عمر کم اور زندگی تلخ ہو جاتی ہے اور فقر و پریشانی اور جان کنی کی انتہائی شدت میں مبتلا ہو کر مرتا ہے۔

☆☆☆☆☆

---

[1] سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۲۳-۲۴۔

(۲۵) وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

لِوُلْدِهٖ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ

اَللّٰهُمَّ وَ مُنَّ عَلَيَّ بِبَقَآءِ وُلْدِيْ وَ بِاِصْلَاحِهِمْ لِيْ و بِاِمْتَاعِيْ بِهِمْ.

اِلٰهِي امْدُدْ لِيْ فِيْٓ اَعْمَارِهِمْ، وَ زِدْ لِيْ فِيْٓ اٰجَالِهِمْ، وَ رَبِّ لِيْ صَغِيْرَهُمْ، وَ قَوِّ لِيْ ضَعِيْفَهُمْ، وَ اَصِحَّ لِيْ اَبْدَانَهُمْ وَ اَدْيَانَهُمْ وَ اَخْلَاقَهُمْ، وَ عَافِهِمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَ فِيْ جَوَارِحِهِمْ، وَ فِيْ كُلِّ مَآ عُنِيْتُ بِهٖ مِنْ اَمْرِهِمْ، وَ اَدْرِرْ لِيْ وَ عَلٰى يَدِيَ اَرْزَاقَهُمْ، وَ اجْعَلْهُمْ اَبْرَارًآ اَتْقِيَآءَ بُصَرَآءَ، سَامِعِيْنَ مُطِيْعِيْنَ لَكَ، وَ لِاَوْلِيَآئِكَ مُحِبِّيْنَ مُنَاصِحِيْنَ، وَ لِجَمِيْعِ اَعْدَآئِكَ مُعَانِدِيْنَ وَ مُبْغِضِيْنَ، اٰمِيْنَ.

اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ بِهِمْ عَضُدِيْ، وَ اَقِمْ بِهِمْ اَوَدِيْ، وَ كَثِّرْ بِهِمْ عَدَدِيْ، وَ زَيِّنْ بِهِمْ مَّحْضَرِيْ، وَ اَحْيِ بِهِمْ ذِكْرِيْ، وَ اكْفِنِيْ بِهِمْ فِيْ غَيْبَتِيْ، وَ اَعِنِّيْ بِهِمْ عَلٰى حَاجَتِيْ، وَ اجْعَلْهُمْ لِيْ مُحِبِّيْنَ، وَ عَلَيَّ حَدِبِيْنَ مُقْبِلِيْنَ مُسْتَقِيْمِيْنَ لِيْ، مُطِيْعِيْنَ غَيْرَ عَاصِيْنَ، وَ لَا عَاقِّيْنَ وَ لَا مُخَالِفِيْنَ وَ لَا خَاطِئِيْنَ، وَ اَعِنِّيْ عَلٰى

دُعا (۲۵)

اولاد کے حق میں حضرتؑ کی دُعا

اے میرے معبود! میری اولاد کی بقا اور ان کی اصلاح اور ان سے بہرہ مندی کے سامان مہیا کر کے مجھے ممنون احسان فرما۔

(اے میرے معبود!) میرے سہارے کیلئے ان کی عمروں میں برکت اور زندگیوں میں طول دے، اور ان میں سے چھوٹوں کی پرورش فرما، اور کمزوروں کو توانائی دے، اور ان کی جسمانی، ایمانی اور اخلاقی حالت کو درست فرما، اور ان کے جسم و جان اور ان کے دوسرے معاملات میں جن میں مجھے اہتمام کرنا پڑے انہیں عافیت سے ہمکنار رکھ، اور میرے لئے اور میرے ذریعہ ان کیلئے رزق فراواں جاری کر، اور انہیں نیکوکار، پرہیزگار، روشن دل، حق نیوش اور اپنا فرمانبردار، اور اپنے دوستوں کا دوست و خیرخواہ، اور اپنے تمام دشمنوں کا دشمن و بدخواہ قرار دے، آمین!

اے اللہ! ان کے ذریعہ میرے بازوؤں کو قوی، اور میری پریشان حالی کی اصلاح، اور ان کی وجہ سے میری جمعیت میں اضافہ، اور میری مجلس کی رونق دوبالا فرما، اور ان کی بدولت میرا نام زندہ رکھ، اور میری عدم موجودگی میں انہیں میرا قائم مقام قرار دے، اور ان کے وسیلہ سے میری حاجتوں میں میری مدد فرما، اور انہیں میرے لئے دوست، مہربان، ہمہ تن متوجہ، ثابت قدم اور فرمانبردار قرار دے، وہ نافرمان، سرکش، مخالف و خطاکار نہ ہوں، اور ان کی تربیت و تادیب اور ان سے

تَرْبِيَتِهِمْ وَ تَأْدِيْبِهِمْ، وَ بِرِّهِمْ، وَ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ مَعَهُمْ اَوْلَادًا ذُكُوْرًا، وَ اجْعَلْ ذٰلِكَ خَيْرًا لِيْ، وَ اجْعَلْهُمْ لِيْ عَوْنًا عَلٰى مَا سَئَلْتُكَ.

اچھے برتاؤ میں میری مدد فرما، اور ان کے علاوہ بھی مجھے اپنے خزانۂ رحمت سے نرینہ اولاد عطا کر، اور انہیں میرے لئے سراپا خیر و برکت قرار دے، اور انہیں ان چیزوں میں جن کا میں طلبگار ہوں میرا مددگار بنا۔

وَ اَعِذْنِيْ وَ ذُرِّيَّتِيْ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، فَاِنَّكَ خَلَقْتَنَا وَ اَمَرْتَنَا وَ نَهَيْتَنَا، وَ رَغَّبْتَنَا فِيْ ثَوَابِ مَآ اَمَرْتَنَا وَ رَهَّبْتَنَا عِقَابَهٗ، وَ جَعَلْتَ لَنَا عَدُوًّا يَّكِيْدُنَا، سَلَّطْتَهٗ مِنَّا عَلٰى مَا لَمْ تُسَلِّطْنَا عَلَيْهِ مِنْهُ، اَسْكَنْتَهٗ صُدُوْرَنَا، وَ اَجْرَيْتَهٗ مَجَارِيَ دِمَآئِنَا، لَا يَغْفُلُ اِنْ غَفَلْنَا، وَ لَا يَنْسٰى اِنْ نَّسِيْنَا، يُؤْمِنُنَا عِقَابَكَ، وَ يُخَوِّفُنَا بِغَيْرِكَ.

اور مجھے اور میری ذریت کو شیطان مردود سے پناہ دے، اس لئے کہ تو نے ہمیں پیدا کیا اور امر و نہی کی، اور جو حکم دیا اس کے ثواب کی طرف راغب کیا، اور جس سے منع کیا اس کے عذاب سے ڈرایا، اور ہمارا ایک دشمن بنایا جو ہم سے مکر کرتا ہے اور جتنا ہماری چیزوں پر اسے تسلط دیا ہے، اتنا ہمیں اس کی کسی چیز پر تسلط نہیں دیا، اس طرح کہ اسے ہمارے سینوں میں ٹھہرا دیا، اور ہمارے رگ و پے میں دوڑا دیا، ہم غافل ہو جائیں مگر وہ غافل نہیں ہوتا، ہم بھول جائیں مگر وہ نہیں بھولتا، وہ ہمیں تیرے عذاب سے مطمئن کرتا اور تیرے علاوہ دوسروں سے ڈراتا ہے۔

اِنْ هَمَمْنَا بِفَاحِشَةٍ شَجَّعَنَا عَلَيْهَا، وَ اِنْ هَمَمْنَا بِعَمَلٍ صَالِحٍ ثَبَّطَنَا عَنْهُ، يَتَعَرَّضُ لَنَا بِالشَّهَوَاتِ، وَ يَنْصِبُ لَنَا بِالشُّبُهَاتِ، اِنْ وَّعَدَنَا كَذَبَنَا، وَ اِنْ مَنَّانَآ اَخْلَفَنَا، وَ اِلَّا تَصْرِفْ عَنَّا كَيْدَهٗ يُضِلَّنَا، وَ اِلَّا تَقِنَا خَبَالَهٗ يَسْتَزِلَّنَا.

اگر ہم کسی برائی کا ارادہ کرتے ہیں تو وہ ہماری ہمت بندھاتا ہے، اور اگر کسی عمل خیر کا ارادہ کرتے ہیں تو ہمیں اس سے باز رکھتا ہے، اور گناہوں کی دعوت دیتا اور ہمارے سامنے شبہے کھڑے کر دیتا ہے، اگر وعدہ کرتا ہے تو جھوٹا، اور امید دلاتا ہے تو خلاف ورزی کرتا ہے، اگر تو اسکے مکر کو نہ ہٹائے تو وہ ہمیں گمراہ کر کے چھوڑے گا، اور اس کے فتنوں سے نہ بچائے تو وہ ہمیں ڈگمگا دے گا۔

اَللّٰهُمَّ فَاقْهَرْ سُلْطَانَهٗ عَنَّا بِسُلْطَانِكَ، حَتّٰى تَحْبِسَهٗ عَنَّا بِكَثْرَةِ الدُّعَآءِ لَكَ، فَنُصْبِحَ مِنْ كَيْدِهٖ فِيْ

خدایا! اس (لعین) کے تسلط کو اپنی قوت و توانائی کے ذریعہ ہم سے دفع کر دے تاکہ کثرت دُعا کے وسیلہ سے اسے ہماری راہ ہی سے ہٹا دے، اور ہم اس کی مکاریوں سے

الْمَعْصُوْمِیْنَ بِكَ.

اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِیْ كُلَّ سُؤْلِیْ، وَ اقْضِ لِیْ حَوَآئِجِیْ، وَ لَا تَمْنَعْنِی الْاِجَابَةَ وَ قَدْ ضَمِنْتَهَا لِیْ، وَ لَا تَحْجُبْ دُعَآئِیْ عَنْكَ وَ قَدْ اَمَرْتَنِیْ بِهٖ، وَ امْنُنْ عَلَیَّ بِكُلِّ مَا یُصْلِحُنِیْ فِیْ دُنْیَایَ وَ اٰخِرَتِیْ مَا ذَكَرْتُ مِنْهُ وَ مَا نَسِیْتُ، اَوْ اَظْهَرْتُ اَوْ اَخْفَیْتُ اَوْ اَعْلَنْتُ اَوْ اَسْرَرْتُ، وَ اجْعَلْنِیْ فِیْ جَمِیْعِ ذٰلِكَ مِنَ الْمُصْلِحِیْنَ بِسُؤَالِیَ اِیَّاكَ، الْمُنْجِحِیْنَ بِالطَّلَبِ اِلَیْكَ غَیْرِ الْمَمْنُوْعِیْنَ بِالتَّوَكُّلِ عَلَیْكَ، الْمُعَوَّدِیْنَ بِالتَّعَوُّذِ بِكَ، الرَّابِحِیْنَ فِی التِّجَارَةِ عَلَیْكَ، الْمُجَارِیْنَ بِعِزِّكَ، الْمُوَسَّعِ عَلَیْهِمُ الرِّزْقُ الْحَلَالُ مِنْ فَضْلِكَ، الْوَاسِعِ بِجُوْدِكَ وَ كَرَمِكَ، الْمُعَزِّیْنَ مِنَ الذُّلِّ بِكَ، وَ الْمُجَارِیْنَ مِنَ الظُّلْمِ بِعَدْلِكَ، وَ الْمُعَافَیْنَ مِنَ الْبَلَآءِ بِرَحْمَتِكَ، وَ الْمُغْنَیْنَ مِنَ الْفَقْرِ بِغِنَاكَ، وَ الْمَعْصُوْمِیْنَ مِنَ الذُّنُوْبِ وَ الزَّلَلِ وَ الْخَطَآءِ بِتَقْوَاكَ، وَ الْمُوَفَّقِیْنَ لِلْخَیْرِ وَ الرُّشْدِ وَ الصَّوَابِ بِطَاعَتِكَ، وَ الْمُحَالِ بَیْنَهُمْ وَ بَیْنَ الذُّنُوْبِ

محفوظ ہو جائیں۔

اے اللہ! میری ہر درخواست کو قبول فرما، اور میری حاجتیں برلا، اور جبکہ تو نے استجابتِ دُعا کا ذمہ لیا ہے تو میری دُعا کو رد نہ کر، اور جبکہ تو نے مجھے دُعا کا حکم دیا ہے تو میری دُعا کو اپنی بارگاہ سے روک نہ دے، اور جن چیزوں سے میرا دینی و دنیوی مفاد وابستہ ہے ان کی تکمیل سے مجھ پر احسان فرما، جو یاد ہوں اور جو بھول گیا ہوں، ظاہر کی ہوں، یا پوشیدہ رہنے دی ہوں، علانیہ طلب کی ہوں یا در پردہ، ان تمام صورتوں میں اس وجہ سے کہ تجھ سے سوال کیا ہے (نیت و عمل کی) اصلاح کرنے والوں، اور اس بنا پر کہ تجھ سے طلب کیا ہے کامیاب ہونے والوں، اور اس سبب سے کہ تجھ پر بھروسا کیا ہے غیر مسترد ہونے والوں میں سے قرار دے، اور (ان لوگوں میں شمار کر) جو تیرے دامن میں پناہ لینے کے خوگر، تجھ سے بیوپار میں فائدہ اٹھانے والے، اور تیرے دامن عزت میں پناہ گزیں ہیں، جنہیں تیرے ہمہ گیر فضل اور جود و کرم سے رزق حلال میں فراوانی حاصل ہوئی ہے، اور تیری وجہ سے ذلت سے عزت تک پہنچے ہیں، اور تیرے عدل و انصاف کے دامن میں ظلم سے پناہ لی ہے، اور رحمت کے ذریعہ بلا و مصیبت سے محفوظ ہیں، اور تیری بے نیازی کی وجہ سے فقیر سے غنی ہو چکے ہیں، اور تیرے تقویٰ کی وجہ سے گناہوں، لغزشوں اور خطاؤں سے معصوم ہیں، اور تیری اطاعت کی وجہ سے خیر و رشد و صواب کی توفیق انہیں حاصل ہے، اور تیری قدرت سے ان کے اور گناہوں کے درمیان

بِقُدْرَتِكَ، التَّارِكِيْنَ لِكُلِّ مَعْصِيَتِكَ، السَّاكِنِيْنَ فِيْ جِوَارِكَ.

پردہ حائل ہے، اور جو تمام گناہوں سے دست بردار اور تیرے جوارِ رحمت میں مقیم ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اَعْطِنَا جَمِيْعَ ذٰلِكَ بِتَوْفِيْقِكَ وَ رَحْمَتِكَ، وَ اَعِذْنَا مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ، وَ اَعْطِ جَمِيْعَ الْمُسْلِمِيْنَ وَ الْمُسْلِمَاتِ وَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنَاتِ، مِثْلَ الَّذِيْ سَئَلْتُكَ لِنَفْسِيْ وَ لِوُلْدِيْ فِيْ عَاجِلِ الدُّنْيَا وَ اٰجِلِ الْاٰخِرَةِ، اِنَّكَ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ، سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ، عَفُوٌّ غَفُوْرٌ، رَءُوْفٌ رَحِيْمٌ، وَ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ.

--☆☆--

بارالٰہا! اپنی توفیق و رحمت سے یہ تمام چیزیں ہمیں عطا فرما، اور دوزخ کے آزار سے پناہ دے، اور جن چیزوں کا میں نے اپنے لئے اور اپنی اولاد کیلئے سوال کیا ہے ایسی ہی چیزیں تمام مسلمین و مسلمات اور مؤمنین و مومنات کو دنیا و آخرت میں مرحمت فرما، اس لئے کہ تُو نزدیک اور دُعا کا قبول کرنے والا ہے، سننے والا اور جاننے والا ہے، معاف کرنے والا اور بخشنے والا اور شفیق و مہربان ہے، اور ہمیں دُنیا میں نیکی (توفیق عبادت) اور آخرت میں نیکی (بہشت جاوید) عطا کر، اور دوزخ کے عذاب سے بچائے رکھ۔

--☆☆--

فطرتِ انسانی کے حسیات اور طبیعت بشری کے جذبات میں سے زیادہ پرجوش، دیرپا اور ناقابل شکست اولاد کی محبت کا جذبہ ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اولاد گوشت پوست اور خون میں باپ کی شریک اور اسی کا ایک جز ہوتی ہے۔ اس لئے اسے کبھی نورِ دیدہ، کبھی پارۂ دل اور کبھی لختِ جگر سے تعبیر کرتا ہے۔ چنانچہ عرب کا ایک شاعر کہتا ہے:

وَ اِنَّمَآ اَوْلَادُنَا بَيْنَنَا اَكْبَادُنَا تَمْشِيْ عَلَى الْاَرْضِ

”یہ ہمارے گردوپیش ہمارے بچے، ہمارے جگر پارے ہیں جو زمین پر چل پھر رہے ہیں۔“[1]

اس فطری لگاؤ اور طبعی جذبہ کی بنا پر باپ خلوص اور بے لوثی کا وہ کردار پیش کرتا ہے جس کی مثال دوسرے روابط وتعلقات میں نظر نہیں آتی۔ وہ اس کی تعلیم وتربیت میں اپنا وقت، اپنی کاوش اور اپنی دولت بے دریغ صرف کرتا ہے، تاکہ اس کی زیست کا قصر بلند اقدار پر استوار ہو، مگر بعض اوقات غلط اور نامکمل تربیت کی وجہ سے اولاد بے راہ ہو جاتی ہے۔ شروع شروع میں لاڈ چاؤ اور پیار میں اس کی بری حرکتوں کی طرف توجہ نہیں دی جاتی اور جب بری عادتیں راسخ ہو جاتی ہیں تو پھر دریا کا دھارا موڑنے کی سعی لاحاصل کی جاتی ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ابتدا ہی میں ایسی تعلیم وتربیت دی جائے جو ایک صحت مند ذہنیت کی تشکیل کرے اور غلط اندازِ فکر سے آشنا ہی نہ ہونے دے۔ کیونکہ ابتدا میں بچے کے ذہن میں جو نقش

[1] شرح ابن ابی الحدید، ج۱۶/ص۶۱۔

بٹھا دیا جاتا ہے وہ ہمیشہ کیلئے بیٹھ جاتا ہے۔

تعلیم وتربیت کے موقع پر صرف دنیوی ترقی کے پہلو پر نظر نہ ہونا چاہیئے، بلکہ اس کے ساتھ دینی واخلاقی زندگی کے سنوارنے کا بھی سامان کرنا چاہیئے اور شروع ہی میں دین ومذہب کی اہمیت، خدا کی عظمت اور غرض خلقت کو ذہن نشین کرانا چاہیئے تاکہ آگے بڑھ کر یہ تاثرات زندگی کے ہر گوشے میں کارفرما رہیں۔اس کے ساتھ بڑوں کی عزت، بزرگوں کا احترام، ہم جولیوں سے پیار محبت اور دوسروں سے ہمدردی وغمخواری کی تعلیم دے۔بری صحبت سے دور رکھے اور لڑائی جھگڑے، بے محل ہنسنے کسی کا مذاق اڑانے، جھوٹ، گالی، غیبت، بے موقع چیخ پکار اور اول فول بکنے سے منع کرے اور اس کے حرکات وسکنات پر کڑی نظر رکھے۔اور جب کسی بری بات سے روکنا چاہے تو اعتدال کی حد میں رہ کر سمجھائے اور تشدد وسختی سے کام نہ لے کہ اس کا بعض اوقات الٹا اثر ہوتا ہے اور وہ ردعمل کے طور پر اس عادت پر بضد ہو جاتا ہے۔

بہرحال حسن تربیت وتعلیم ہی اولاد کے ساتھ سب سے بڑی نیکی ہے اور ان کیلئے دُعا کرنا بھی ان کے ساتھ احسان کرنے میں شمار ہوتا ہے اور باپ کی دُعا اولاد کے حق میں منجملہ ان دُعاؤں کے ہے جو رد نہیں ہوتیں، چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میرے والد بزرگوار کا ارشاد ہے کہ:

خَمْسُ دَعَوَاتٍ لَّا يُحْجَبْنَ عَنِ الرَّبِّ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى: دَعْوَةُ الْاِمَامِ الْمُقْسِطِ، وَ دَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ: لَاَنْتَقِمَنَّ لَكَ وَ لَوْ بَعْدَ حِيْنٍ، وَ دَعْوَةُ الْوَلَدِ الصَّالِحِ لِوَالِدَيْهِ، وَ دَعْوَةُ الْوَالِدِ الصَّالِحِ لِوَلَدِهٖ، وَ دَعْوَةُ الْمُؤْمِنِ لِاَخِيْهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ فَيَقُوْلُ: وَ لَكَ مِثْلُهٗ.

پانچ دُعائیں ایسی ہیں جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کبھی رد نہیں کرتا: امام عادل کی دُعا، مظلوم کی دُعا جب وہ دُعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ میں تیرا انتقام لوں گا اگرچہ کچھ دیر ہو جائے، فرزند صالح کی دُعا ماں باپ کے حق میں، صالح باپ کی دُعا اولاد کے حق میں، مرد مومن کی دُعا اپنے کسی بھائی کیلئے اس کی غیبت میں۔جب وہ دُعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ جو تم نے اس کیلئے مانگا ہے اس سے دوگنا تمہارے لئے ہے۔[1]

حضرتؑ کی یہ دُعا ایک نمونہ ہے کہ اولاد کیلئے کس طرح اور کیا دُعا کرے۔اس دُعا میں وہ تمام چیزیں سمو دی گئی ہیں جو ایک صالح باپ اپنی صالح اولاد کیلئے طلب کر سکتا ہے۔ان کیلئے زندگی، رزق، صحت اور قوت وتوانائی کی دُعا کی ہے، تاکہ وہ خلق خدا سے بے نیاز ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت میں مصروف رہیں اور روشن دل اور روشن خیال، بلند نفس، بلند کردار، اخلاق حسنہ سے آراستہ، مطیع وفرمانبردار، خیر وسعادت کے خزینہ دار، دوستان خدا کے دوست، دشمنان خدا کے دشمن، اسلاف کی زینت اور باقیات الصالحات ثابت ہوں۔

☆☆☆☆☆

[1] الکافی، ج۲، ص۵۰۹۔

(۲۶) وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

لِجِيْرَانِهٖ وَ اَوْلِيَآئِهٖ اِذَا ذَكَرَهُمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ تَوَلَّنِيْ فِيْ جِيْرَانِيْ وَ مَوَالِيَّ الْعَارِفِيْنَ بِحَقِّنَا، وَ الْمُنَابِذِيْنَ لِاَعْدَآئِنَا بِاَفْضَلِ وَلَايَتِكَ، وَ وَفِّقْهُمْ لِاِقَامَةِ سُنَّتِكَ، وَ الْاَخْذِ بِمَحَاسِنِ اَدَبِكَ فِيْ اِرْفَاقِ ضَعِيْفِهِمْ، وَ سَدِّ خَلَّتِهِمْ، وَ عِيَادَةِ مَرِيْضِهِمْ، وَ هِدَايَةِ مُسْتَرْشِدِهِمْ، وَ مُنَاصَحَةِ مُسْتَشِيْرِهِمْ، وَ تَعَهُّدِ قَادِمِهِمْ، وَ كِتْمَانِ اَسْرَارِهِمْ، وَ سَتْرِ عَوْرَاتِهِمْ، وَ نُصْرَةِ مَظْلُوْمِهِمْ، وَ حُسْنِ مُوَاسَاتِهِمْ بِالْمَاعُوْنِ، وَ الْعَوْدِ عَلَيْهِمْ بِالْجِدَةِ وَ الْاِفْضَالِ، وَ اِعْطَآءِ مَا يَجِبُ لَهُمْ قَبْلَ السُّؤَالِ.

وَ اجْعَلْنِي اللّٰهُمَّ اَجْزِيْ بِالْاِحْسَانِ مُسِيْٓئَهُمْ، وَ اُعْرِضُ بِالتَّجَاوُزِ عَنْ ظَالِمِهِمْ، وَ اَسْتَعْمِلُ حُسْنَ الظَّنِّ فِيْ كَافَّتِهِمْ، وَ اَتَوَلّٰى بِالْبِرِّ عَامَّتَهُمْ، وَ اَغُضُّ بَصَرِيْ عَنْهُمْ عِفَّةً، وَ اُلِيْنُ جَانِبِيْ لَهُمْ تَوَاضُعًا، وَ اَرِقُّ عَلٰى اَهْلِ الْبَلَآءِ مِنْهُمْ رَحْمَةً، وَ

دُعا (۲۶)

جب ہمسایوں اور دوستوں کو یاد کرتے تو ان کیلئے یہ دُعا فرماتے

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور میری اس سلسلہ میں بہترین نصرت فرما کہ میں اپنے ہمسایوں اور ان دوستوں کے حقوق کا لحاظ رکھوں جو ہمارے حق کے پہنچاننے والے اور ہمارے دشمنوں کے مخالف ہیں، اور انہیں اپنے طریقوں کے قائم کرنے، اور عمدہ اخلاق و آداب سے آراستہ ہونے کی توفیق دے، اس طرح کہ وہ کمزوروں کے ساتھ نرم رویہ رکھیں، اور ان کے فقر کا مداوا کریں، مریضوں کی بیمار پرسی، طالبان ہدایت کی ہدایت، مشورہ کرنے والوں کی خیر خواہی اور تازہ وارد کی ملاقات کریں، رازوں کو چھپائیں، عیبوں پر پردہ ڈالیں، مظلوم کی نصرت اور گھریلو ضروریات کے ذریعہ حسن مواسات کریں، اور بخشش و انعام سے فائدہ پہنچائیں، اور سوال سے پہلے ان کے ضروریات مہیا کریں۔

اے اللہ! مجھے ایسا بنا کہ میں ان میں سے برے کے ساتھ بھلائی سے پیش آؤں، اور ظالم سے چشم پوشی کر کے درگزر کروں، اور ان سب کے بارے میں حسن ظن سے کام لوں، اور نیکی و احسان کے ساتھ سب کی خبر گیری کروں، اور پرہیزگاری و عفت کی بنا پر ان (کے عیوب) سے آنکھیں بند رکھوں، تواضع و فروتنی کی رو سے ان سے نرم رویہ اختیار کروں، اور شفقت کی بنا پر مصیبت زدہ کی دلجوئی کروں، ان کی غیبت میں بھی ان کی محبت کو

اُسِرُّ لَهُمْ بِالْغَيْبِ مَوَدَّةً، وَ اُحِبُّ بَقَآءَ النِّعْمَةِ عِنْدَهُمْ نُصْحًا، وَ اُوْجِبُ لَهُمْ مَآ اُوْجِبُ لِحَامَّتِيْ، وَ اَرْعٰى لَهُمْ مَآ اَرْعٰى لِخَاصَّتِيْ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ ارْزُقْنِيْ مِثْلَ ذٰلِكَ مِنْهُمْ، وَ اجْعَلْ لِيَ اَوْفَى الْحُظُوْظِ فِيْمَا عِنْدَهُمْ، وَ زِدْهُمْ بَصِيْرَةً فِيْ حَقِّيْ، وَ مَعْرِفَةً بِفَضْلِيْ حَتّٰى يَسْعَدُوْا بِيْ وَ اَسْعَدَ بِهِمْ، اٰمِيْنَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ.

--☆☆--

دل میں لئے رہوں، اور خلوص کی بنا پر ان کے پاس سدا نعمتوں کا رہنا پسند کروں، اور جو چیزیں اپنے خاص قریبیوں کیلئے ضروری سمجھوں ان کیلئے بھی ضروری سمجھوں، اور جو مراعات اپنے مخصوصین سے کروں وہی مراعات ان سے بھی کروں۔

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور مجھے بھی ان سے ویسے ہی سلوک کا روادار قرار دے، اور جو چیزیں ان کے پاس ہیں ان میں میرا حصہ وافر قرار دے، اور انہیں میرے حق کی بصیرت اور میرے فضل و برتری کی معرفت میں افزائش و ترقی دے، تا کہ وہ میری وجہ سے سعادت مند اور میں ان کی وجہ سے مثاب و ماجور قرار پاؤں، آمین، اے تمام جہاں کے پروردگار۔

--☆☆--

اسلام، افرادنوعِ انسانی کو ایک سلسلۂ وحدت میں مربوط کرنے کیلئے باہمی ہمدردی و تعاون کی تعلیم دیتا ہے اور نوعِ بشر کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے دوسرے پر اس کا حق عائد کرتا ہے، خواہ وہ اس کا ہم مسلک ہو یا نہ ہو، اس کا ہم قوم ہو یا نہ ہو، اس کا ہم وطن ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ سب کا سلسلۂ نسب وہ مشرق کا باشندہ ہو یا مغرب کا ایک ہی ماں باپ تک منتہی ہوتا ہے اور سب ایک ہی خالق کے بنائے سنوارے ہوئے ہیں۔

یہ وہ تعلیم ہے جو تہذیب و تمدن اجتماعی کیلئے سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لئے کہ اگر تعاون و اتحادِ باہمی کا جذبہ اور دوسروں کے دکھ درد کا احساس نہ ہو تو تمدن و اجتماع کی صورت تشکیل پذیر ہو ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ انسان ہمدردی اور سازگاری ہی کی بدولت ایک دوسرے کے قریب ہوتا اور مدنیت کی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے تمدن و اجتماع کی بنیادیں استوار کرتا ہے۔

بیشک اسلامی برادری میں شمولیت سے ایک مسلمان کا حق دوسرے مسلمان پر قائم ہو جاتا ہے۔ مگر اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ جو ہم مسلک و ہم عقیدہ نہ ہو ان کا کوئی حق ہی نہیں ہے۔ اگر انہیں وہ حقوق حاصل نہیں ہیں جو اسلامی برادری سے وابستہ ہونے کی صورت میں عائد ہوتے ہیں تو مشترکہ انسانی حقوق سے تو محروم نہیں کئے جا سکتے۔ چنانچہ امیر المومنین علیہ السلام نے مالک اشتر نخعی کیلئے جو عہد نامہ تحریر کیا اس میں انسانی حقوق کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فَاِنَّهُمْ صِنْفَانِ: اِمَّا اَخٌ لَّكَ فِي الدِّيْنِ وَ اِمَّا نَظِيْرٌ لَّكَ فِي الْخَلْقِ.

رعایا میں دو قسم کے لوگ ہیں: ایک تو تمہارے دینی بھائی اور دوسرے تمہارے جیسی مخلوقِ خدا۔[1]

مقصد یہ ہے کہ جہاں مذہب و مسلک کے اتحاد کی بنا پر حقوق کا لحاظ رکھو وہاں انسانی حقوق کو نظر انداز نہ کرنا۔ کیونکہ سب ایک ہی خالق کے بنائے ہوئے ہیں اور ان دونوں کے حقوق کے سلسلہ میں تمہیں جواب دہ ہونا ہے۔ البتہ دونوں کے حقوق یکساں نہیں ہیں۔ اس لئے کہ جہاں نقاطِ مشترکہ کم ہوں گے وہاں حقوق بھی کم ہوں گے اور جہاں نقاطِ مشترکہ زیادہ ہوں گے وہاں حقوق بھی زیادہ ہوں گے۔ چنانچہ رشتۂ انسانیت کے ساتھ جہاں مذہبی رشتہ بھی ہوگا وہاں حقوق بڑھ جائیں گے۔ کیونکہ ایک مقام پر اشتراک صرف انسانیت میں ہے اور دوسرے مقام پر انسانیت اور مذہب دونوں میں ہے۔ چنانچہ امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے:

فَضَّلَ حُرْمَةَ الْمُسْلِمِ عَلَى الْحُرَمِ كُلِّهَا، وَ شَدَّ بِالْاِخْلَاصِ وَ التَّوْحِيْدِ حُقُوْقَ الْمُسْلِمِيْنَ فِيْ مَعَاقِدِهَا، فَالْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَ يَدِهٖ اِلَّا بِالْحَقِّ، وَ لَا يَحِلُّ اَذَى الْمُسْلِمِ اِلَّا بِمَا يَجِبُ.

اس نے مسلمان کی عزت و حرمت کو تمام حرمتوں پر فضیلت دی ہے اور مسلمانوں کے حقوق کو ان کے موقع و محل پر اخلاص و توحید کے دامن سے باندھ دیا ہے۔ چنانچہ مسلمان وہی ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان بچے رہیں، مگر یہ کہ کسی حق کی بنا پر ان پر ہاتھ ڈالا جائے اور ان کو ایذا پہنچانا جائز نہیں، مگر جہاں واجب ہو جائے۔[2]

یہ ایک عام مسلمان کا حق ہے کہ اسے ہاتھ اور زبان سے گزند نہ پہنچایا جائے اور مومن کے حقوق تو اس سے کہیں زیادہ ہیں۔ چنانچہ ابو اسمٰعیل روایت کرتے ہیں:

قُلْتُ لِاَبِيْ جَعْفَرٍ عليه السلام: جُعِلْتُ فِدَاكَ! اِنَّ الشِّيْعَةَ عِنْدَنَا كَثِيْرٌ، فَقَالَ: فَهَلْ يَعْطِفُ الْغَنِيُّ عَلَى الْفَقِيْرِ؟ وَ هَلْ يَتَجَاوَزُ الْمُحْسِنُ عَنِ الْمُسِيْٓءِ وَ يَتَوَاسَوْنَ؟ فَقُلْتُ: لَا، فَقَالَ: لَيْسَ هٰٓؤُلَآءِ شِيْعَةً، الشِّيْعَةُ مَنْ يَّفْعَلُ هٰذَا.

میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے عرض کیا کہ: ہمارے ہاں شیعوں کی تعداد بہت ہے۔ فرمایا: ''کیا ان میں کا دولتمند فقیر اور نادار سے حسنِ سلوک اور اچھا برے سے درگزر کرتا ہے اور کیا وہ آپس میں ہمدردی و مواسات کا برتاؤ کرتے ہیں''؟ میں نے کہا: ایسا تو نہیں کرتے۔ فرمایا کہ: ''پھر وہ شیعہ کہاں کے، شیعہ تو وہ ہے جو یہ سب کچھ کرے''۔[3]

پھر کچھ حقوق قوم و قبیلہ اور خاندانی اشتراک کے لحاظ سے عائد ہوتے ہیں۔ یہ حقوق بھی اہم اور قابلِ لحاظ ہیں۔ چنانچہ امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے:

---

[1] نہج البلاغہ، مکتوب نمبر ۵۳۔
[2] نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۶۵۔
[3] الکافی، ج ۲ ص ۱۷۳۔

وَ اَكْرِمْ عَشِيْرَتَكَ، فَاِنَّهُمْ جَنَاحُكَ الَّذِیْ بِهٖ تَطِيْرُ، وَ اَصْلُكَ الَّذِیْٓ اِلَيْهِ تَصِيْرُ، وَ يَدُكَ الَّتِیْ بِهَا تَصُوْلُ.

اپنے قوم قبیلے کا اکرام واحترام کرو، کیونکہ وہ تمہارے ایسے پر وبال ہیں جن سے تم پرواز کرتے ہو اور ایسی بنیادیں ہیں جن کا تم سہارا لیتے ہو اور تمہارے وہ دست و بازو ہیں جن سے تم حملہ کرتے ہو۔[1]

پھر قوم وقبیلہ میں جو قریبی عزیز ہوں ان کے حقوق الاقرب فالاقرب کے لحاظ سے عام قوم وقبیلہ کے حقوق سے زیادہ ہیں۔ جیسے ماں باپ، اولاد، بھائی بہن وغیرہ۔ یہ تمام حقوق وہ ہیں جو انسانیت، اتحادِ مذہب اور خویشی وقرابت کی وجہ سے عائد ہوتے ہیں۔ اب ان کے ساتھ اگر شہری و وطنی اتحاد بھی ہو تو ہم وطنی کے حقوق کا بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہ حقوق بھی اپنے مقام پر اہمیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ زکوٰۃ وصدقات کی تقسیم میں خطہ ارضی کے لحاظ سے ہم وطنوں کو دوسروں پر ترجیح دی گئی ہے۔ پھر اہل شہر میں سے جن کے ساتھ معاشرتی تعلقات زیادہ وابستہ ہوتے ہیں وہ ارد گرد بسنے والے ہمسائے ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کا حق دوسرے اہل شہر سے زیادہ ہوگا۔ اس حق ہمسائیگی کے ساتھ مذہب یا قرابت یا دونوں کا انضمام بھی ہو تو اس انضمام کے لحاظ سے اس کی اہمیت بھی زیادہ ہو جائے گی۔ چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَلْجِيْرَانُ ثَلَاثَةٌ: فَمِنْهُمْ مَنْ لَّهٗ ثَلَاثَةُ حُقُوْقٍ: حَقُّ الْاِسْلَامِ وَ حَقُّ الْجِوَارِ وَ حَقُّ الْقَرَابَةِ، وَ مِنْهُمْ مَنْ لَّهٗ حَقَّانِ: حَقُّ الْاِسْلَامِ وَ حَقُّ الْجِوَارِ، وَ مِنْهُمْ مَنْ لَّهٗ حَقٌّ وَاحِدٌ، الْكَافِرُ لَهٗ حَقُّ الْجِوَارِ.

ہمسایہ کی تین قسمیں ہیں: ایک وہ جس کیلئے تین حق ہیں: حق ہمسائیگی، حق اسلام اور حق قرابت۔ اور ایک وہ جس کیلئے دو حق ہیں: حق اسلام اور حق ہمسائیگی۔ اور ایک وہ جس کیلئے صرف ایک حق ہے اور وہ کافر ہے جو ہمسایہ میں ہو۔[2]

اس ہمسائیگی کے حدود دیکھیں تو اس سلسلہ میں عرف کی طرف رجوع کیا جائے گا اور جو عرف میں ہمسایہ کہلا سکتا ہو اسے ہی ہمسایہ قرار دیا جائے گا اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمسائیگی کے حدود ہر چہار طرف سے چالیس چالیس گھر ہیں۔ چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے:

حَدُّ الْجِوَارِ اَرْبَعُوْنَ دَارًا مِّنْ كُلِّ جَانِبٍ: مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ، وَ مِنْ خَلْفِهٖ، وَ عَنْ يَّمِيْنِهٖ، وَ عَنْ شِمَالِهٖ.

ہمسائیگی کی حد سامنے، پیچھے، اور دائیں بائیں ہر چہار جانب سے چالیس گھروں تک ہے۔[3]

اس دُعا میں پڑوسیوں کے جن حقوق کا تذکرہ فرمایا ہے وہ یہ ہیں:

ان سے تواضع وخوش اخلاقی سے پیش آئے، فقر واحتیاج میں ہو سکے تو مالی امداد کرے اور ان کی حالت کا اندازہ کر کے خود سے مالی امداد کی پیشکش کرے اور ان کے طلب کرنے پر موقوف نہ رکھے۔ قرضہ مانگیں یا عام گھریلو استعمال کی چیزیں طلب کریں تو انکار نہ کرے۔ اپنی نگاہوں کو تاک جھانک سے روکے۔ ان کے عیوب کی ٹوہ نہ لگائے، اور اگر اتفاقیہ ان کے کسی عیب پر مطلع ہو جائے تو اسے ظاہر نہ کرے اور ان کے بارے

---

[1] نہج البلاغہ، مکتوب نمبر ۳۱۔

[2] روضۃ الواعظین، ج ۲، ص ۳۸۹۔

[3] الکافی، ج ۲، ص ۶۶۹۔

میں خواہ مخواہ بدگمانی سے کام نہ لے۔ بیماری میں عیادت کرے۔مظلوم وستم رسیدہ کی نصرت کرے۔ان کے بارے میں ظاہر و باطن یکساں رکھے۔ اگر حج و زیارت یا سفر سے پلٹیں تو ملاقات کیلئے جائے۔انہیں اپنے قریبی عزیزوں اور رشتہ داروں کی طرح سمجھے۔ان کی خوشحالی و فارغ البالی کو دل سے چاہے۔مشورہ کے موقع پر صحیح مشورہ دے۔انہیں تعلیم و ہدایت کے موقع پر تعلیم و ہدایت کرے اور اگر برا سلوک کریں تو بھی ان سے اچھا برتاؤ کرے۔غرض انہیں کسی طرح سے گزند نہ پہنچائے۔ چنانچہ پیغمبر اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهٗ.

جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ اپنے ہمسایہ کو کوئی تکلیف نہ پہنچائے۔[1]

اس دُعا کے ابتدائی حصہ میں دُعا کا رخ دوستوں اور ہمسایوں کی طرف ہے کہ انہیں یہ توفیق حاصل ہو کہ وہ ان چیزوں پر عمل پیرا ہو کر دنیا و آخرت میں سعادت حاصل کریں اور دُعا کے آخری حصہ میں خود اپنے لئے دُعا فرمائی ہے کہ مجھے بھی ان کے ساتھ حسنِ سلوک اور شفقت و احسان کی توفیق عطا فرما، تا کہ میری تعلیم اور میرا عمل ان کیلئے ایک اخلاق آموز اُسوہ قرار پائے۔ کیونکہ انسان ناصح کی حیثیت سے اتنا متاثر نہیں ہوتا جتنا اس کے عمل سے متاثر ہوتا ہے۔اور پھر یہ تمام اوصاف دُعائیہ پیرایہ میں بیان فرمائے ہیں جس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ یہ خصائل و عادات جب ہی پیدا ہو سکتے ہیں جب خداوند عالم کی طرف سے توفیق بھی شامل حال ہو۔

بہر حال یہ وہ خصائل و عادات ہیں کہ اگر انسان ان پر عامل ہو تو وہ نہ صرف ہمسایوں کیلئے سراپا محبت ہو گا، بلکہ روزمرہ کی زندگی میں اپنے افعال، اپنی روش اور دوسروں کے ساتھ اپنے طریق کار کو محبت و ہمدردی کے سانچے میں ڈھال لے گا۔اور بعید نہیں کہ اس کے طرزِ عمل سے دوسروں کی زندگی میں بھی انقلاب آجائے اور ایک پاکیزہ معاشرہ تشکیل پا جائے۔

☆☆☆☆☆

---

[1] وسائل الشیعہ ،ج ۱۲ ،ص ۱۲۶۔

(۲۷) وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

لِاَهْلِ الثُّغُوْرِ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ حَصِّنْ ثُغُوْرَ الْمُسْلِمِيْنَ بِعِزَّتِكَ، وَ اَيِّدْ حُمَاتَهَا بِقُوَّتِكَ، وَ اَسْبِغْ عَطَايَاهُمْ مِنْ جِدَتِكَ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ كَثِّرْ عِدَّتَهُمْ، وَ اشْحَذْ اَسْلِحَتَهُمْ، وَ احْرُسْ حَوْزَتَهُمْ، وَ امْنَعْ حَوْمَتَهُمْ، وَ اَلِّفْ جَمْعَهُمْ، وَ دَبِّرْ اَمْرَهُمْ، وَ وَاتِرْ بَيْنَ مِيَرِهِمْ، وَ تَوَحَّدْ بِكِفَايَةِ مُؤَنِهِمْ، وَ اعْضُدْهُمْ بِالنَّصْرِ، وَ اَعِنْهُمْ بِالصَّبْرِ، وَ الْطُفْ لَهُمْ فِي الْمَكْرِ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ عَرِّفْهُمْ مَا يَجْهَلُوْنَ، وَ عَلِّمْهُمْ مَا لَا يَعْلَمُوْنَ، وَ بَصِّرْهُمْ مَا لَا يُبْصِرُوْنَ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اَنْسِهِمْ عِنْدَ لِقَآئِهِمُ الْعَدُوَّ ذِكْرَ دُنْيَاهُمُ الْخَدَّاعَةِ الْغَرُوْرِ، وَ امْحُ عَنْ قُلُوْبِهِمْ خَطَرَاتِ الْمَالِ الْفَتُوْنِ، وَ اجْعَلِ الْجَنَّةَ نَصْبَ اَعْيُنِهِمْ، وَ لَوِّحْ مِنْهَا

دُعا (۲۷)

سرحدوں کی نگہبانی کرنے والوں کیلئے حضرتؑ کی دُعا

بارالہا! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور اپنے غلبہ و اقتدار سے مسلمانوں کی سرحدوں کو محفوظ رکھ، اور اپنی قوت و توانائی سے ان کی حفاظت کرنے والوں کو تقویت دے، اور اپنے خزانۂ بے پایاں سے انہیں مالا مال کر دے۔

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور انکی تعداد بڑھا دے، ان کے ہتھیاروں کو تیز کر دے، انکے حدود و اطراف اور مرکزی مقامات کی حفاظت و نگہداشت کر، ان کی جمعیت میں اُنس و یکجہتی پیدا کر، ان کے امور کی درستی فرما، رسد رسانی کے ذرائع مسلسل قائم رکھ، ان کی مشکلات کے حل کرنے کا خود ذمہ لے، ان کے بازو قوی کر، صبر کے ذریعہ ان کی اعانت فرما، اور دشمن سے چھپی تدبیروں میں انہیں باریک نگاہی عطا کر۔

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور جس شے کو وہ نہیں پہچانتے وہ انہیں پہچنوا دے، اور جس بات کا علم نہیں رکھتے وہ انہیں بتا دے، اور جس چیز کی بصیرت انہیں نہیں ہے وہ انہیں سجھا دے۔

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور دشمن سے مد مقابل ہوتے وقت غدار و فریب کار دنیا کی یاد ان کے ذہنوں سے مٹا دے، اور گمراہ کرنے والے مال کے اندیشے ان کے دلوں سے نکال دے، اور جنت کو ان کی نگاہوں کے سامنے کر دے، اور جو دائمی قیام گاہیں،

لِاَبْصَارِهِمْ مَاۤ اَعْدَدْتَّ فِيْهَا مِنْ مَّسَاكِنِ الْخُلْدِ، وَ مَنَازِلِ الْكَرَامَةِ وَ الْحُوْرِ الْحِسَانِ، وَ الْاَنْهَارِ الْمُطَّرِدَةِ بِاَنْوَاعِ الْاَشْرِبَةِ وَ الْاَشْجَارِ الْمُتَدَلِّيَةِ بِصُنُوْفِ الثَّمَرِ، حَتّٰى لَا يَهُمَّ اَحَدٌ مِّنْهُمْ بِالْاِدْبَارِ، وَلَا يُحَدِّثَ نَفْسَهٗ عَنْ قِرْنِهٖ بِفِرَارٍ.

عزت و شرف کی منزلیں اور (پانی، دودھ، شراب اور صاف و شفاف شہد کی) بہتی ہوئی نہریں اور طرح طرح کے پھلوں (کے بار) سے جھکے ہوئے اشجار وہاں فراہم کئے ہیں، انہیں دکھا دے، تاکہ ان میں سے کوئی پیٹھ پھرانے کا ارادہ اور اپنے حریف کے سامنے سے بھاگنے کا خیال نہ کرے۔

اَللّٰهُمَّ افْلُلْ بِذٰلِكَ عَدُوَّهُمْ، وَ اقْلِمْ عَنْهُمْ اَظْفَارَهُمْ، وَ فَرِّقْ بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ اَسْلِحَتِهِمْ، وَ اخْلَعْ وَثَاۤئِقَ اَفْئِدَتِهِمْ، وَ بَاعِدْ بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ اَزْوِدَتِهِمْ، وَ حَيِّرْهُمْ فِيْ سُبُلِهِمْ، وَ ضَلِّلْهُمْ عَنْ وَّجْهِهِمْ، وَ اقْطَعْ عَنْهُمُ الْمَدَدَ، وَ انْقُصْ مِنْهُمُ الْعَدَدَ، وَ امْلَاْ اَفْئِدَتَهُمُ الرُّعْبَ، وَ اقْبِضْ اَيْدِيَهُمْ عَنِ الْبَسْطِ، وَ اخْزِمْ اَلْسِنَتَهُمْ عَنِ النُّطْقِ، وَ شَرِّدْ بِهِمْ مَنْ خَلْفَهُمْ، وَ نَكِّلْ بِهِمْ مَنْ وَّرَاۤءَهُمْ، وَ اقْطَعْ بِخِزْيِهِمْ اَطْمَاعَ مَنْ بَعْدَهُمْ.

اے اللہ! اس ذریعہ سے ان کے دشمنوں کے حربے کند اور انہیں بے دست و پا کر دے، اور ان میں اور ان کے ہتھیاروں میں تفرقہ ڈال دے، (یعنی ہتھیار چھوڑ کر بھاگ جائیں)، اور ان کے رگ دل کی طنابیں توڑ دے، اور ان میں اور ان کے آذوقہ میں دوری پیدا کر دے، اور ان کی راہوں میں انہیں بھٹکنے کیلئے چھوڑ دے، اور ان کے مقصد سے انہیں بے راہ کر دے، ان کی کمک کا سلسلہ قطع کر دے، ان کی گنتی کم کر دے، ان کے دلوں میں دہشت بھر دے، ان کی دراز دستیوں کو کوتاہ کر دے، ان کی زبانوں میں گرہ لگا دے کہ بول نہ سکیں اور انہیں سزا دے کر ان کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کو بھی تتر بتر کر دے جو ان کے پس پشت ہیں، اور پس پشت والوں کو ایسی شکست دے کہ جو ان کے پشت پر ہیں انہیں عبرت حاصل ہو، اور ان کی ہزیمت و رسوائی سے ان کے پیچھے والوں کے حوصلے توڑ دے۔

اَللّٰهُمَّ عَقِّمْ اَرْحَامَ نِسَاۤئِهِمْ، وَ يَبِّسْ اَصْلَابَ رِجَالِهِمْ، وَ اقْطَعْ نَسْلَ دَوَابِّهِمْ وَ اَنْعَامِهِمْ، لَا تَاْذَنْ لِسَمَاۤئِهِمْ

اے اللہ! ان کی عورتوں کے شکم بانجھ، ان کے مردوں کے صلب خشک اور ان کے گھوڑوں، اونٹوں، گائیوں، بکریوں کی نسل قطع کر دے، اور ان کے آسمان کو برسنے کی اور زمین کو روئیدگی کی

فِيْ قَطْرٍ، وَلَا لِاَرْضِهِمْ فِيْ نَبَاتٍ.

اَللّٰهُمَّ وَ قَوِّ بِذٰلِكَ مِحَالَ اَهْلِ الْاِسْلَامِ، وَ حَصِّنْ بِهٖ دِيَارَهُمْ، وَ ثَمِّرْ بِهٖ اَمْوَالَهُمْ، وَ فَرِّغْهُمْ عَنْ مُّحَارَبَتِهِمْ لِعِبَادَتِكَ، وَ عَنْ مُنَابَذَتِهِمْ لِلْخَلْوَةِ بِكَ، حَتّٰى لَا يُعْبَدَ فِيْ بِقَاعِ الْاَرْضِ غَيْرُكَ، وَ لَا تُعَفَّرَ لِاَحَدٍ مِّنْهُمْ جَبْهَةٌ دُوْنَكَ.

اَللّٰهُمَّ اغْزُ بِكُلِّ نَاحِيَةٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ عَلٰى مَنْ بِاِزَآئِهِمْ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ، وَ اَمْدِدْهُمْ بِمَلٰٓئِكَةٍ مِّنْ عِنْدِكَ مُرْدِفِيْنَ، حَتّٰى يَكْشِفُوْهُمْ اِلٰى مُنْقَطَعِ التُّرَابِ قَتْلًا فِيْ اَرْضِكَ وَ اَسْرًا، اَوْ يُقِرُّوْا بِاَنَّكَ اَنْتَ اللهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ.

اَللّٰهُمَّ وَ اعْمُمْ بِذٰلِكَ اَعْدَآءَكَ فِيْٓ اَقْطَارِ الْبِلَادِ مِنَ الْهِنْدِ وَ الرُّوْمِ، وَ التُّرْكِ وَ الْخَزَرِ وَ الْحَبَشِ، وَ النُّوْبَةِ وَ الزَّنْجِ، وَ السَّقَالِبَةِ وَ الدَّيَالِمَةِ، وَ سَآئِرِ اُمَمِ الشِّرْكِ، الَّذِيْنَ تَخْفٰى اَسْمَآؤُهُمْ وَ صِفَاتُهُمْ، وَ قَدْ اَحْصَيْتَهُمْ بِمَعْرِفَتِكَ، وَ اَشْرَفْتَ عَلَيْهِمْ بِقُدْرَتِكَ.

اَللّٰهُمَّ اشْغَلِ الْمُشْرِكِيْنَ

اجازت نہ دے۔

بارالٰہا! اس ذریعہ سے اہل اسلام کی تدبیروں کو مضبوط، ان کے شہروں کو محفوظ اور ان کی دولت وثروت کو زیادہ کر دے، اور انہیں عبادت وخلوت گزینی کیلئے جنگ وجدال اور لڑائی جھگڑے سے فارغ کر دے، تاکہ روئے زمین پر تیرے علاوہ کسی کی پرستش نہ ہو، اور تیرے سوا کسی کے آگے خاک پر پیشانی نہ رکھی جائے۔

اے اللہ! تو مسلمانوں کو ان کے ہر ہر علاقہ میں برسرپیکار ہونے والے مشرکوں پر غلبہ دے، اور صف در صف فرشتوں کے ذریعہ ان کی امداد فرما، تاکہ اس خطہ زمین میں انہیں قتل و اسیر کرتے ہوئے اس کے آخری حدود تک پسپا کر دیں، یا یہ کہ وہ اقرار کریں کہ تو وہ خدا ہے جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور یکتا ولاشریک ہے۔

خدایا! مختلف اطراف و جوانب کے دشمنان دین کو بھی اس قتل و غارت کی لپیٹ میں لے لے، وہ ہندی ہوں یا رومی، ترکی ہوں یا خزری، حبشی ہوں یا نوبی، زنگی ہوں یا صقلبی و دیلمی اور نیز ان مشرک جماعتوں کو جن کے نام اور صفات ہمیں معلوم نہیں اور تو اپنے علم سے ان پر محیط اور اپنی قدرت سے ان پر مطلع ہے۔

اے اللہ! مشرکوں کو مشرکوں سے الجھا کر مسلمانوں

بِالْمُشْرِكِيْنَ عَنْ تَنَاوُلِ اَطْرَافِ الْمُسْلِمِيْنَ، وَ خُذْهُمْ بِالنَّقْصِ عَنْ تَنَقُّصِهِمْ، وَ ثَبِّطْهُمْ بِالْفُرْقَةِ عَنِ الْاِحْتِشَادِ عَلَيْهِمْ.

کے حدود مملکت پر دست درازی سے باز رکھ، اور ان میں کمی واقع کر کے مسلمانوں میں کمی کرنے سے روک دے، اور ان میں پھوٹ ڈلوا کر اہل اسلام کے مقابلہ میں صف آرائی سے بٹھا دے۔

اَللّٰهُمَّ اَخْلِ قُلُوْبَهُمْ مِنَ الْاَمَنَةِ، وَ اَبْدَانَهُمْ مِنَ الْقُوَّةِ، وَ اَذْهِلْ قُلُوْبَهُمْ عَنِ الْاِحْتِيَالِ، وَ اَوْهِنْ اَرْكَانَهُمْ عَنْ مُّنَازَلَةِ الرِّجَالِ، وَ جَبِّنْهُمْ عَنْ مُّقَارَعَةِ الْاَبْطَالِ، وَ ابْعَثْ عَلَيْهِمْ جُنْدًا مِّنْ مَلٰٓئِكَتِكَ بِبَأْسٍ مِّنْ بَأْسِكَ كَفِعْلِكَ يَوْمَ بَدْرٍ، تَقْطَعُ بِهٖ دَابِرَهُمْ وَ تَحْصُدُ بِهٖ شَوْكَتَهُمْ، وَ تُفَرِّقُ بِهٖ عَدَدَهُمْ.

اے اللہ! ان کے دلوں کو تسکین و بے خوفی سے، ان کے جسموں کو قوت و توانائی سے خالی کر دے، ان کی فکروں کو تدبیر و چارہ جوئی سے غافل اور مردان کارزار کے مقابلہ میں ان کے دست و بازو کو کمزور کر دے، اور دلیران اسلام سے ٹکر لینے میں انہیں بزدل بنا دے، اور اپنے عذابوں میں سے ایک عذاب کے ساتھ ان پر فرشتوں کی سپاہ بھیج، جیسا کہ تو نے بدر کے دن کیا تھا، اسی طرح تو ان کی جڑ بنیادیں کاٹ دے، ان کی شان و شوکت مٹا دے، اور ان کی جمعیت کو پراگندہ کر دے۔

اَللّٰهُمَّ وَ امْزُجْ مِيَاهَهُمْ بِالْوَبَآءِ، وَ اَطْعِمَتَهُمْ بِالْاَدْوَآءِ، وَ ارْمِ بِلَادَهُمْ بِالْخُسُوْفِ، وَ اَلِحَّ عَلَيْهَا بِالْقُذُوْفِ، وَ افْرَعْهَا بِالْمُحُوْلِ، وَ اجْعَلْ مِيَرَهُمْ فِيْٓ اَحَصِّ اَرْضِكَ وَ اَبْعَدِهَا عَنْهُمْ، وَ امْنَعْ حُصُوْنَهَا مِنْهُمْ، اَصِبْهُمْ بِالْجُوْعِ الْمُقِيْمِ وَ السُّقْمِ الْاَلِيْمِ.

اے اللہ! ان کے پانی میں وبا اور ان کے کھانوں میں امراض (کے جراثیم) کی آمیزش کر دے، ان کے شہروں کو زمین میں دھنسا دے، انہیں ہمیشہ پتھروں کا نشانہ بنا، اور قحط سالی ان پر مسلط کر دے، ان کی روزی ایسی سرزمین میں قرار دے جو بنجر اور ان سے کوسوں دور ہو، زمین کے محفوظ قلعے ان کیلئے بند کر دے، اور انہیں ہمیشہ کی بھوک اور تکلیف دہ بیماریوں میں مبتلا رکھ۔

اَللّٰهُمَّ وَ اَيُّمَا غَازٍ غَزَاهُمْ مِنْ اَهْلِ مِلَّتِكَ، اَوْ مُجَاهِدٍ جَاهَدَهُمْ مِنْ اَتْبَاعِ سُنَّتِكَ، لِيَكُوْنَ دِيْنُكَ الْاَعْلٰى، وَ حِزْبُكَ

بارالہا! تیرے دین و ملت والوں میں سے جو غازی ان سے آمادۂ جنگ ہو یا تیرے طریقہ کی پیروی کرنے والوں میں سے جو مجاہد قصد جہاد کرے، اس غرض سے کہ تیرا دین بلند، تیرا گروہ قوی

الْاَقْوٰى، وَ حَظُّكَ الْاَوْفٰى، فَلَقِّهِ الْيُسْرَ، وَ هَيِّئْ لَهُ الْاَمْرَ، وَ تَوَلَّهُ بِالنُّجْحِ، وَ تَخَيَّرْ لَهُ الْاَصْحَابَ، وَ اسْتَقْوِ لَهُ الظَّهْرَ، وَ اَسْبِغْ عَلَيْهِ فِي النَّفَقَةِ، وَ مَتِّعْهُ بِالنَّشَاطِ، وَ اَطْفِ عَنْهُ حَرَارَةَ الشَّوْقِ، وَ اَجِرْهُ مِنْ غَمِّ الْوَحْشَةِ، وَ اَنْسِهِ ذِكْرَ الْاَهْلِ وَ الْوَلَدِ، وَ اْثُرْ لَهُ حُسْنَ النِّيَّةِ، وَ تَوَلَّهُ بِالْعَافِيَةِ، وَ اَصْحِبْهُ السَّلَامَةَ، وَ اَعْفِهِ مِنَ الْجُبْنِ، وَ اَلْهِمْهُ الْجُرْاَةَ، وَ ارْزُقْهُ الشِّدَّةَ، وَ اَيِّدْهُ بِالنُّصْرَةِ، وَ عَلِّمْهُ السِّيَرَ وَ السُّنَنَ، وَ سَدِّدْهُ فِي الْحُكْمِ، وَ اعْزِلْ عَنْهُ الرِّيَآءَ، وَ خَلِّصْهُ مِنَ السُّمْعَةِ، وَ اجْعَلْ فِكْرَهُ وَ ذِكْرَهُ وَ ظَعْنَهُ وَ اِقَامَتَهُ فِيْكَ وَ لَكَ.

فَاِذَا صَافَّ عَدُوَّكَ وَ عَدُوَّهُ فَقَلِّلْهُمْ فِيْ عَيْنِهِ، وَ صَغِّرْ شَاْنَهُمْ فِيْ قَلْبِهِ، وَ اَدِلْ لَهُ مِنْهُمْ، وَ لَا تُدِلْهُمْ مِنْهُ، فَاِنْ خَتَمْتَ لَهُ بِالسَّعَادَةِ، وَ قَضَيْتَ لَهُ بِالشَّهَادَةِ، فَبَعْدَ اَنْ يَّجْتَاحَ عَدُوَّكَ بِالْقَتْلِ، وَ بَعْدَ اَنْ يَّجْهَدَ بِهِمُ الْاَسْرُ، وَ بَعْدَ اَنْ تَاْمَنَ اَطْرَافُ الْمُسْلِمِيْنَ، وَ بَعْدَ اَنْ يُّوَلِّيَ عَدُوُّكَ مُدْبِرِيْنَ.

اور تیرا حصہ ونصیب کامل تر ہو، تو اس کیلئے آسانیاں پیدا کر، تکمیل کار کے سامان فراہم کر، اس کامیابی کا ذمہ لے، اس کیلئے بہترین ہمراہی انتخاب فرما، قوی ومضبوط سواری کا بندوبست کر، ضروریات پورا کرنے کیلئے وسعت وفراخی دے، دل جمعی ونشاط خاطر سے بہرہ مند فرما، اس کے اشتیاق (وطن) کا ولولہ ٹھنڈا کر دے، تنہائی کے غم کا اسے احساس نہ ہونے دے، زن وفرزند کی یاد اسے بھلا دے، قصد خیر کی طرف رہنمائی فرما، اس کی عافیت کا ذمہ لے، سلامتی کو اس کا ساتھی قرار دے، بزدلی کو اس کے پاس نہ پھٹکنے دے، اس کے دِل میں جرأت پیدا کر، زور وقوت اسے عطا فرما، اپنی مددگاری سے اسے توانائی بخش، راہ وروش (جہاد) کی تعلیم دے، اور حکم میں صحیح طریق کار کی ہدایت فرما، ریاونمود کو اس سے دور رکھ، ہوسِ شہرت کا کوئی شائبہ اس میں نہ رہنے دے، اس کے ذکر وفکر اور سفر وقیام کو اپنی راہ میں اور اپنے لئے قرار دے۔

اور جب وہ تیرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں سے مدّمقابل ہو تو اس کی نظروں میں ان کی تعداد تھوڑی کر کے دکھا، اس کے دل میں ان کے مقام ومنزلت کو پست کر دے، اسے ان پر غلبہ دے اور ان کو اس پر غالب نہ ہونے دے، اگر تو نے اس مردمجاہد کے خاتمہ بالخیر اور شہادت کا فیصلہ کر دیا ہے تو یہ شہادت اس وقت واقع ہو جب وہ تیرے دشمنوں کو قتل کر کے کیفر کردار تک پہنچا دے، یا اسیری انہیں بے حال کر دے اور مسلمانوں کے اطراف مملکت میں امن برقرار ہو جائے اور دشمن پیٹھ پھرا کر چل دے۔

اَللّٰهُمَّ وَ اَيُّمَا مُسْلِمٍ خَلَفَ غَازِيًا اَوْ مُرَابِطًا فِيْ دَارِهٖ، اَوْ تَعَهَّدَ خَالِفِيْهِ فِيْ غَيْبَتِهٖ، اَوْ اَعَانَهٗ بِطَآئِفَةٍ مِّنْ مَّالِهٖ، اَوْ اَمَدَّهٗ بِعِتَادٍ، اَوْ شَحَذَهٗ عَلٰى جِهَادٍ، اَوْ اَتْبَعَهٗ فِيْ وَجْهِهٖ دَعْوَةً، اَوْ رَعٰى لَهٗ مِنْ وَّرَآئِهٖ حُرْمَةً، فَاٰجِرْ لَهٗ مِثْلَ اَجْرِهٖ وَزْنًا بِوَزْنٍ وَّ مِثْلًا بِمِثْلٍ، وَ عَوِّضْهُ مِنْ فِعْلِهٖ عِوَضًا حَاضِرًا يَّتَعَجَّلُ بِهٖ نَفْعَ مَا قَدَّمَ وَ سُرُوْرَ مَآ اَتٰى بِهٖ، اِلٰى اَنْ يَّنْتَهِيَ بِهِ الْوَقْتُ اِلٰى مَآ اَجْرَيْتَ لَهٗ مِنْ فَضْلِكَ، وَ اَعْدَدْتَّ لَهٗ مِنْ كَرَامَتِكَ.

بارالہا! وہ مسلمان جو کسی مجاہد یا نگہبان سرحد کے گھر کا نگران ہو، یا اس کے اہل وعیال کی خبر گیری کرے، یا تھوڑی بہت مالی اعانت کرے، یا آلات جنگ سے مدد دے، یا جہاد پر ابھارے، یا اس کے مقصد کے سلسلہ میں دُعائے خیر کرے، یا اس کے پس پشت اس کی عزت وناموس کا خیال رکھے، تو اسے بھی اس کے اجر کے برابر بے کم وکاست اجر اور اس کے عمل کا ہاتھوں ہاتھ بدلہ دے، جس سے وہ اپنے پیش کئے ہوئے عمل کا نفع اور اپنے بجا لائے ہوئے کام کی مسرت دنیا میں فوری طور سے حاصل کر لے، یہاں تک کہ زندگی کی ساعتیں اسے تیرے فضل واحسان کی اس نعمت تک جو تو نے اس کیلئے جاری کی ہے اور اس عزت وکرامت تک جو تو نے اس کیلئے مہیا کی ہے، پہنچا دیں۔

اَللّٰهُمَّ وَ اَيُّمَا مُسْلِمٍ اَهَمَّهٗ اَمْرُ الْاِسْلَامِ، وَ اَحْزَنَهٗ تَحَزُّبُ اَهْلِ الشِّرْكِ عَلَيْهِمْ فَنَوٰى غَزْوًا، اَوْ هَمَّ بِجِهَادٍ فَقَعَدَ بِهٖ ضَعْفٌ، اَوْ اَبْطَاَتْ بِهٖ فَاقَةٌ، اَوْ اَخَّرَهٗ عَنْهُ حَادِثٌ، اَوْ عَرَضَ لَهٗ دُوْنَ اِرَادَتِهٖ مَانِعٌ، فَاكْتُبِ اسْمَهٗ فِي الْعَابِدِيْنَ، وَ اَوْجِبْ لَهٗ ثَوَابَ الْمُجَاهِدِيْنَ، وَ اجْعَلْهُ فِيْ نِظَامِ الشُّهَدَآءِ وَ الصَّالِحِيْنَ.

پروردگار! جس مسلمان کو اسلام کی فکر پریشان اور مسلمانوں کے خلاف مشرکوں کی جتھہ بندی غمگین کرے، اس حد تک کہ وہ جنگ کی نیت اور جہاد کا ارادہ کرے مگر کمزوری اسے بٹھا دے، یا بے سروسامانی اسے قدم نہ اٹھانے دے، یا کوئی حادثہ اس مقصد سے تاخیر میں ڈال دے، یا کوئی مانع اس کے ارادہ میں حائل ہو جائے، تو اس کا نام عبادت گزاروں میں لکھ، اور اسے مجاہدوں کا ثواب عطا کر، اور اسے شہیدوں اور نیکوکاروں کے زمرہ میں شمار فرما۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَ رَسُوْلِكَ وَ اٰلِ مُحَمَّدٍ، صَلَاةً عَالِيَةً عَلَى الصَّلَوَاتِ، مُشْرِفَةً فَوْقَ التَّحِيَّاتِ،

اے اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو تیرے عبد خاص اور رسول ہیں اور ان کی اولاد علیہم السلام پر ایسی رحمت نازل فرما جو شرف ورتبہ میں تمام رحمتوں سے بلندتر اور تمام درودوں سے بالاتر ہو، ایسی رحمت جس

صَلَاةً لَّا يَنْتَهِيْ اَمَدُهَا، وَ لَا يَنْقَطِعُ عَدَدُهَا كَاَتَمِّ مَا مَضٰى مِنْ صَلَوَاتِكَ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْ اَوْلِيَآئِكَ، اِنَّكَ الْمَنَّانُ الْحَمِيْدُ، الْمُبْدِئُ الْمُعِيْدُ، الْفَعَّالُ لِمَا تُرِيْدُ.

--☆☆--

کی مدت اختتام پذیر نہ ہو، جس کی گنتی کا سلسلہ کہیں قطع نہ ہو، ایسی کامل و اکمل رحمت جو تیرے دوستوں میں سے کسی ایک پر نازل ہوئی ہو، اس لئے کہ تو عطا و بخشش کرنے والا، ہر حال میں قابل ستائش، پہلی دفعہ پیدا کرنے والا، اور دوبارہ زندہ کرنے والا، اور جو چاہے وہ کرنے والا ہے۔

--☆☆--

یہ دُعا کسی خاص گروہ یا کسی خاص جماعت سے مخصوص نہیں ہے، بلکہ جو بھی اسلامی سرحدوں کی حفاظت کا فریضہ انجام دینے کیلئے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں ان سب کو شامل ہے۔ خواہ وہ انہی سرحدوں کے رہنے والے ہوں یا وہاں اس مقصد سے قیام کریں تاکہ مشرکین و کفار اگر مسلمانوں کے جان و مال و ناموس پر حملہ آور ہوں تو بروقت ان کی روک تھام کر سکیں اور ان کی چیرہ دستیوں سے اسلامی مملکت کو بچا سکیں۔

اور اسلام میں جہاد کا مفہوم یہی ہے کہ جو لوگ صلح و آشتی کے اصولوں کو توڑ کر اسلام کی بربادی اور مسلمانوں کی بیخ کنی پر آمادہ ہوں ان کی سرکوبی کی جائے۔ یہ مقصد نہیں ہے کہ اختلاف مذہب کی بنا پر امن پسند و صلح جو افراد کے خلاف اعلان جنگ کر دیا جائے اور اسلام کی آڑ لے کر تاخت و تاراج کو جائز سمجھ لیا جائے۔ اسلام کے متعلق ایسا تصور کرنا بھی اس کی تقدیس پر حرف رکھتا ہے، جبکہ وہ ناگزیر صورتِ دفاع اور حفاظت خود اختیاری کے علاوہ جنگ کی اجازت نہیں دیتا۔ چنانچہ حضرت امام رضا علیہ السلام کا ارشاد ہے:

وَ اِنْ خَافَ عَلٰى بَيْضَةِ الْاِسْلَامِ وَ الْمُسْلِمِيْنَ قَاتَلَ فَيَكُوْنُ قِتَالُهٗ لِنَفْسِهٖ وَ لَيْسَ لِلسُّلْطَانِ، قَالَ قُلْتُ: فَاِنْ جَآءَ الْعَدُوُّ اِلَى الْمَوْضِعِ الَّذِيْ هُوَ فِيْهِ مُرَابِطٌ كَيْفَ يَصْنَعُ؟ قَالَ: يُقَاتِلُ عَنْ بَيْضَةِ الْاِسْلَامِ لَا عَنْ هٰٓؤُلَآءِ، لِاَنَّ فِيْ دُرُوْسِ الْاِسْلَامِ دُرُوْسَ دِيْنِ مُحَمَّدٍ ﷺ.

اگر اسلام اور اہل اسلام کے متعلق خطرہ ہو تو قتال کرے۔ یہ قتال درحقیقت حفاظت خود اختیاری کیلئے ہوگا نہ کسی فرمانروا کیلئے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کیا کہ: اگر دشمن وہاں تک آگے بڑھ جائے جہاں یہ حفاظت کیلئے مقیم ہے تو کیا کرے؟ فرمایا کہ: اسلام کی حفاظت کیلئے جنگ کرے نہ حکمرانوں کی طرف سے۔ یہ اس لئے کہ اگر اسلام مٹے گا تو دین محمدیؐ کے حقیقی نقوش بھی مٹ جائیں گے۔[1]

اسی جذبۂ بقائے اسلام کے پیش نظر حضرتؑ نے اسلامی سرحدوں کی نگہداشت کرنے والوں کے حق میں دُعا فرمائی ہے تاکہ حقیقی اسلام کی حفاظت، عمومی اسلام کی حفاظت کے پردہ میں ہوتی رہے اور یہی اس دُعا کا مقصودِ اصلی ہے۔ ان محافظوں اور نگہبانوں کے حق میں صدق نیت،

[1] الکافی، ج۵، ص۲۱۔

خلوص عمل اور ثباتِ قدم کی دُعا کے ساتھ ان کفار ومشرکین کیلئے بددُعا بھی کرتے ہیں جو اسلامی علاقوں پر حملہ آور ہو کر مسلمانوں کو قتل وغارت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس میں ایک جملہ یہ ہے کہ: ''ان کے پانی میں وبائی اور ان کے کھانوں میں امراض کی آمیزش کر دے''۔ جس وقت تک مائیکروب دریافت نہ ہوئے تھے اس جملہ کے معنی پورے طور سے نہ سمجھے جاسکتے تھے اور نہ سمجھائے جاسکتے تھے۔ مگر جراثیم کے علم ومشاہدہ میں آنے کے بعد جہاں اس جملہ کے معنی منکشف ہوئے ہیں وہاں اس کی اہمیت اور قدر وقیمت کا بھی اندازہ ہوا ہے۔ چنانچہ اب اس نظریہ میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ خراب اور کچی خوراک اور پانی میں ایسے جراثیم کی آلودگی پائی جاتی ہے جو مہلک اور وبائی امراض کی تولید کرتے ہیں۔ ان جراثیم کی اہمیت کو سب سے پہلے لیون ہاک نے سمجھا اور اس کے بعد ۱۸۸۱ء میں میں فرانسیسی ڈاکٹر لوئی پاسچر (Louis Pasteur) نے اسے ثابت کر دیا اور ۱۸۸۳ء میں جرمن ڈاکٹر کاخ نے ہیضہ کے جراثیم دریافت کئے۔ اور پھر مختلف امراض کے مختلف جراثیم دریافت ہوتے رہے۔ چنانچہ ہیضہ، تپ دق، نمونیا، تپ محرقہ، ملیریا وغیرہ کے جراثیم ہی ہوتے ہیں جو کھانے اور پانی اور دوسرے ذرائع سے ایک سے دوسرے کی طرف منتقل ہوتے ہیں اور خون کے سفید ذرّوں کو مغلوب کر کے اپنا اثر پھیلانا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ ایک مربع انچ میں چالیس کروڑ تک سما سکتے ہیں۔ اور آنکھ سے انہیں دیکھا نہیں جاسکتا بلکہ اعلیٰ درجہ کی الیکٹرک خوردبین ہی سے دیکھے جاسکتے ہیں۔ کیا یہ ایک حیرت انگیز چیز نہیں کہ جب جراثیم کا تصور بھی پیدا نہ ہوا تھا اور نہ خوردبین ہی ایجاد ہوئی تھی، اس لئے کہ خوردبین تو ۱۶۰۸ء میں ایجاد ہوئی، اس وقت یہ آواز بلند ہوتی ہے کہ وہ پانی جو حیات کا سرچشمہ ہے وبا کا پیش خیمہ اور وہ غذا جس سے انسانی زندگی وابستہ ہے امراض کی تولید کا سبب بن جایا کرتی ہے۔ اس کے علاوہ پیغمبر اکرم ﷺ اور امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے بھی ایسے کلمات منقول ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس انتہائی چھوٹی مخلوق سے نا آشنا نہ تھے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

فِرَّ مِنَ الْمَجْذُوْمِ فِرَارَكَ مِنَ الْاَسَدِ.

جذامی سے اس طرح دور رہو جس طرح شیر سے دور رہا جاتا ہے۔[1]

عصری تحقیق نے بتایا ہے کہ جذامی کے اندر جو مائیکروب پائے جاتے ہیں ان کی شکل وصورت ہو بہو شیر کی سی ہوتی ہے، جو آس پاس بیٹھنے والوں کو متاثر کرتے ہیں اور امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ:

لَا يَبُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ فِي الْمَآءِ، لِاَنَّ لِلْمَآءِ اَهْلًا.

تم میں سے کوئی شخص پانی میں پیشاب نہ کرے، اس لئے کہ پانی کے اندر بھی ایک مخلوق آباد ہے۔[2]

☆☆☆☆☆

---

[1] من لا یحضرہ الفقیہ، ج ۳ ص ۵۵۷۔

[2] شرح مقامات الحریری، ج ۱ ص ۳۹۰۔

(۲۸) وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

مُتَفَزِّعًا اِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْۤ اَخْلَصْتُ بِانْقِطَاعِيْۤ اِلَيْكَ، وَ اَقْبَلْتُ بِكُلِّيْ عَلَيْكَ، وَ صَرَفْتُ وَجْهِيْ عَمَّنْ يَّحْتَاجُ اِلٰى رِفْدِكَ، وَ قَلَبْتُ مَسْئَلَتِيْ عَمَّنْ لَّمْ يَسْتَغْنِ عَنْ فَضْلِكَ، وَ رَاَيْتُ اَنَّ طَلَبَ الْمُحْتَاجِ اِلَى الْمُحْتَاجِ سَفَهٌ مِّنْ رَّاْيِهٖ، وَ ضَلَّةٌ مِّنْ عَقْلِهٖ.

فَكَمْ قَدْ رَاَيْتُ يَاۤ اِلٰهِيْ مِنْ اُنَاسٍ طَلَبُوا الْعِزَّ بِغَيْرِكَ فَذَلُّوْا، وَ رَامُوا الثَّرْوَةَ مِنْ سِوَاكَ فَافْتَقَرُوْا، وَ حَاوَلُوا الْاِرْتِفَاعَ فَاتَّضَعُوْا، فَصَحَّ بِمُعَايَنَةِ اَمْثَالِهِمْ حَازِمٌ وَّفَّقَهٗ اعْتِبَارُهٗ، وَ اَرْشَدَهٗ اِلٰى طَرِيْقِ صَوَابِهٖ اخْتِيَارُهٗ.

فَاَنْتَ يَا مَوْلَايَ دُوْنَ كُلِّ مَسْئُوْلٍ مَّوْضِعُ مَسْئَلَتِيْ، وَ دُوْنَ كُلِّ مَطْلُوْبٍ اِلَيْهِ وَلِيُّ حَاجَتِيْ، اَنْتَ الْمَخْصُوْصُ قَبْلَ كُلِّ مَدْعُوٍّ بِدَعْوَتِيْ، لَا يَشْرَكُكَ اَحَدٌ فِيْ رَجَآئِيْ، وَ لَا يَتَّفِقُ اَحَدٌ مَّعَكَ فِيْ دُعَآئِيْ، وَ لَا يَنْظِمُهٗ وَ اِيَّاكَ نِدَآئِيْ.

دُعا (۲۸)

اللہ تعالیٰ سے طلب وفریاد کے سلسلہ میں حضرتؑ کی دُعا

اے اللہ! میں پورے خلوص کے ساتھ دوسروں سے منہ موڑ کر تجھ سے لولگائے ہوں، اور ہمہ تن تیری طرف متوجہ ہوں، اور اس شخص سے جو خود تیری عطا و بخشش کا محتاج ہے منہ پھیر لیا ہے، اور اس شخص سے جو تیرے فضل و احسان سے بے نیاز نہیں ہے سوال کا رخ موڑ لیا ہے، اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ محتاج کا محتاج سے مانگنا سراسر سمجھ بوجھ کی سبکی اور عقل کی گمراہی ہے۔

کیونکہ اے میرے اللہ! میں نے بہت سے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جو تجھے چھوڑ کر دوسروں کے ذریعہ عزت کے طلبگار ہوئے تو وہ ذلیل و رسوا ہوئے، اور دوسروں سے نعمت و دولت کے خواہشمند ہوئے تو فقیر و نادار ہی رہے، اور بلندی کا قصد کیا تو پستی پر جا گرے، لہٰذا ان جیسوں کو دیکھنے سے ایک دور اندیش کی دور اندیشی بالکل برمحل ہے کہ عبرت کے نتیجہ میں اسے توفیق حاصل ہوئی، اور اس کے (صحیح) انتخاب نے اسے سیدھا راستہ دکھایا۔

جب حقیقت یہی ہے تو پھر اے میرے مالک! تو ہی میرے سوال کا مرجع ہے، نہ وہ جس سے سوال کیا جاتا ہے، اور تو ہی میرا حاجت روا ہے، نہ وہ جن سے حاجت طلب کی جاتی ہے، اور ان تمام لوگوں سے پہلے جنہیں پکارا جاتا ہے تو میری دُعا کیلئے مخصوص ہے، اور میری اُمید میں تیرا کوئی شریک نہیں ہے، اور میری دُعا میں تیرا کوئی ہم پایہ نہیں ہے، اور میری آواز تیرے ساتھ کسی اور کو شریک نہیں کرتی۔

لَكَ يَآ اِلٰهِىْ وَحْدَانِيَّةُ الْعَدَدِ، وَ مَلَكَةُ الْقُدْرَةِ الصَّمَدِ، وَ فَضِيْلَةُ الْحَوْلِ وَ الْقُوَّةِ، وَ دَرَجَةُ الْعُلُوِّ وَ الرِّفْعَةِ، وَ مَنْ سِوَاكَ مَرْحُوْمٌ فِىْ عُمُرِهٖ، مَغْلُوْبٌ عَلٰى اَمْرِهٖ، مَقْهُوْرٌ عَلٰى شَاْنِهٖ، مُخْتَلِفُ الْحَالَاتِ، مُتَنَقِّلٌ فِى الصِّفَاتِ فَتَعَالَيْتَ عَنِ الْاَشْبَاهِ وَ الْاَضْدَادِ، وَ تَكَبَّرْتَ عَنِ الْاَمْثَالِ وَ الْاَنْدَادِ، فَسُبْحَانَكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ.

--☆☆--

اے اللہ! عدد کی یکتائی، قدرت کاملہ کی کارفرمائی اور کمال قوت وتوانائی اور مقام رفعت و بلندی تیرے لئے ہے، اور تیرے علاوہ جو ہے وہ اپنی زندگی میں تیرے رحم و کرم کا محتاج، اپنے امور میں درماندہ اور اپنے مقام پر بے بس و لاچار ہے، جس کے حالات گوناگوں ہیں، اور ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پلٹتا رہتا ہے، تو مانند و ہمسر سے بلندتر، اور مثل ونظیر سے بالاتر ہے، تو پاک ہے، تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔

--☆☆--

یہ دُعا خلوص، اعتماد، توکل علی اللہ اور اسی کو حاجت روا ومرکز سوال قرار دینے کے سلسلہ میں ہے۔

خلوص، توکل، اور اعتماد کا تقاضا یہ ہے کہ دوسرے آستانوں سے منہ موڑ کر صرف اسی سے لو لگائی جائے اور اسی کے سامنے دامن سوال پھیلایا جائے اور کسی حالت میں بھی دوسرے سے سوال نہ کیا جائے تا کہ عزت و وقار محفوظ اور شرافت نفس برقرار رہے۔ اس لئے کہ جب انسان اپنے ایسوں سے احتیاج وابستہ نہیں کرتا تو وہ اپنے نفس میں سنگینی و وقار اور اپنے کو ایک باعزت و پرسکون فضا میں محسوس کرتا ہے۔ جہاں نہ دل و دماغ پر دباؤ، نہ قلب وضمیر پر بوجھ، نہ احساسات مجروح، نہ خیالات پراگندہ، نہ ہاتھوں میں احسان مندی کی بوجھل ہتھکڑیاں اور نہ دوسروں کی تفوق پسندانہ ذہنیت کے مقابلہ میں احساس کمتری ہوتا ہے۔ اور پھر یہی کیا ضروری ہے کہ مانگے سے کچھ مل بھی جائے، جبکہ اکثر جگہوں سے ناکامی، دل شکستگی اور مایوسی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اگر عقل وبصیرت سے کام لیا جائے تو اس نتیجہ پر بآسانی پہنچا جاسکتا ہے کہ جو خود دوسروں کی مددگاری کا محتاج ہو وہ کسی اور کی احتیاج کا مداوا کیا کرسکتا ہے۔ اور اگر کرسکتا ہوتا تو پہلے اپنے دامن سے احتیاج کے دھبے دور کرتا، پھر دوسروں کی احتیاج رفع کرتا۔ اور جب مانگنا ہی ہے تو پھر اسی سے کیوں نہ مانگا جائے جس سے یہ مانگتا ہے اور اسی کے سامنے ہاتھ کیوں نہ پھیلایا جائے جو اس سے زیادہ کریم، غنی اور حاجت روا ہے۔ اور جبکہ وہ بھی اس جیسا محتاج ہے تو پھر محتاج سے حاجت برآری کی کیا امید اور زمین شور سے روئیدگی کی کیا توقع ہوسکتی ہے۔

لَمْ يَخْلُقِ الرَّحْمٰنُ اَحْمَقَ لِحْيَةً ۔۔۔ مِنْ سَآئِلٍ يَرْجُو الْغِنٰى مِنْ سَآئِلٍ

"اللہ تعالیٰ نے اس سے زیادہ کم عقل دوسرا پیدا ہی نہیں کیا جو اپنے ایسے مانگنے والے سے غنا وثروت کی توقع رکھتا ہے"۔

بہرحال جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں سے بے نیازی کا خواہاں، جاہ وحشم کا طالب ہوتا ہے، وہ ہمیشہ ذلت وخواری میں مبتلا، اطمینان و یکسوئی

سے محروم اور حقیقی ثروت و غنی سے تہی دامن رہتا ہے۔ چنانچہ حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے:

اِنِّیْ وَضَعْتُ الْعِزَّةَ فِیْ خِدْمَتِیْ وَ النَّاسُ یَطْلُبُوْنَهَا فِیْ خِدْمَةِ السُّلْطَانِ فَلَمْ یَجِدُوْهَا، وَ وَضَعْتُ الْغِنٰی بِالْقَنَاعَةِ وَ النَّاسُ یَطْلُبُوْنَهٗ بِجَمْعِ الْمَالِ فَلَمْ یَجِدُوْهُ.

میں نے عزت کو اپنی خدمت سے وابستہ کیا ہے اور لوگ اسے شاہی دربار داری میں ڈھونڈتے ہیں جو انہیں حاصل نہیں ہوتی، اور میں نے دولت مندی کو قناعت میں قرار دیا ہے اور لوگ اسے مال کی فراہمی میں تلاش کرتے ہیں جو انہیں نصیب نہیں ہوتی۔[1]

خداوند عالم ہر شخص کو اس کے ظرف و وسعت کے لحاظ سے اور اپنی مصلحت و مشیت کے اعتبار سے دیتا ہے اور وہی ہر بخشش و عطا کا سرچشمہ اور ہر رفعت و سربلندی کا منبع ہے۔ اور دوسرے کو اس صفت میں اس کا شریک قرار دینا اس کے فضل و احسان اور ربوبیت کو ناقص و ناتمام سمجھنا ہے۔ اس کے نتیجہ میں خداوند عالم ایسے لوگوں کو انہی کے حوالے کر دیتا ہے جنہیں وہ اپنا حاجت روا و قبلۂ مقصود سمجھتے ہیں۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی بخشش و عطا سے محرومی خود انہی کے پیدا کردہ اسباب کا نتیجہ ہوتی ہے۔ ورنہ اس کی نعمتیں اور بخشائشیں کسی فرد یا گروہ کیلئے مخصوص نہیں ہیں، بلکہ ہر ایک کو حصہ رسدی اس کے خوانِ نعمت سے ملتا ہے۔ اب اگر کوئی خود ہی فیوضِ الٰہی کے آگے روک بن کر کھڑا ہو جائے تو اسے محرومی و ناکامی سے دو چار ہونا ہی پڑے گا۔ اس حرماں نصیبی کے اسباب میں سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ انسان دوسروں کو مرکزِ امید قرار دے کر اللہ سے امید و طلب کا سلسلہ قطع کر لے۔ چنانچہ حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے کہ:

وَ عِزَّتِیْ وَ جَلَالِیْ وَ مَجْدِیْ وَ ارْتِفَاعِیْ عَلٰی عَرْشِیْ! لَاَقْطَعَنَّ اَمَلَ كُلِّ مُؤَمِّلٍ غَیْرِیْ بِالْیَاْسِ وَ لَاَكْسُوَنَّهٗ ثَوْبَ الْمَذَلَّةِ عِنْدَ النَّاسِ.

مجھے اپنے جلال و عزت اور عرش پر بلندی و رفعت کی قسم! جو میرے علاوہ دوسروں سے امید رکھے گا میں اس کی امید کو یاس سے بدل دوں گا اور لوگوں میں اسے ذلّت و رسوائی کا جامہ پہناؤں گا۔[2]

☆☆☆☆☆

---

[1] نصائح، ص ۲۰۴۔

[2] الکافی، ج ۲، ص ۶۶۔

(۲۹) وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

اِذَا قُتِّرَ عَلَيْهِ الرِّزْقُ

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ ابْتَلَيْتَنَا فِيْٓ اَرْزَاقِنَا بِسُوْٓءِ الظَّنِّ، وَ فِيْٓ اٰجَالِنَا بِطُوْلِ الْاَمَلِ، حَتّٰى الْتَمَسْنَآ اَرْزَاقَكَ مِنْ عِنْدِ الْمَرْزُوْقِيْنَ، وَ طَمِعْنَا بِاٰمَالِنَا فِيْٓ اَعْمَارِ الْمُعَمَّرِيْنَ.

فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ هَبْ لَنَا يَقِيْنًا صَادِقًا تَكْفِيْنَا بِهٖ مِنْ مَئُوْنَةِ الطَّلَبِ، وَ اَلْهِمْنَا ثِقَةً خَالِصَةً تُعْفِيْنَا بِهَا مِنْ شِدَّةِ النَّصَبِ وَ اجْعَلْ مَا صَرَّحْتَ بِهٖ مِنْ عِدَتِكَ فِيْ وَحْيِكَ، وَ اَتْبَعْتَهٗ مِنْ قَسَمِكَ فِيْ كِتَابِكَ، قَاطِعًا لِّاهْتِمَامِنَا بِالرِّزْقِ الَّذِيْ تَكَفَّلْتَ بِهٖ، وَ حَسْمًا لِّلِاشْتِغَالِ بِمَا ضَمِنْتَ الْكِفَايَةَ لَهٗ فَقُلْتَ وَ قَوْلُكَ الْحَقُّ الْاَصْدَقُ، وَ اَقْسَمْتَ وَ قَسَمُكَ الْاَبَرُّ الْاَوْفٰى: ﴿وَ فِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَ مَا تُوْعَدُوْنَ۝﴾، ثُمَّ قُلْتَ: ﴿فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ۝﴾.

--☆☆--

دُعا (۲۹)

جب رزق کی تنگی ہوتی تو یہ دُعا پڑھتے

اے اللہ! تو نے رزق کے بارے میں بے یقینی سے اور زندگی کے بارے میں طول امل سے ہماری آزمائش کی ہے، یہاں تک کہ ہم ان سے رزق طلب کرنے لگے جو تجھ سے رزق پانے والے ہیں، اور عمر رسیدہ لوگوں کی عمریں دیکھ کر ہم بھی درازی عمر کی آرزوئیں کرنے لگے۔

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور ہمیں ایسا پختہ یقین عطا کر جس کے ذریعہ تو ہمیں طلب و جستجو کی زحمت سے بچالے، اور خالص اطمینانی کیفیت ہمارے دلوں میں پیدا کر دے جو ہمیں رنج و سختی سے چھڑا لے، اور وحی کے ذریعہ جو واضح اور صاف وعدہ تو نے فرمایا ہے اور اپنی کتاب میں اس کے ساتھ ساتھ قسم بھی کھائی ہے، اسے اس روزی کے اہتمام سے جس کا تو ضامن ہے، سبکدوشی کا سبب قرار دے، اور جس روزی کا ذمہ تو نے لیا ہے اس کی مشغولیتوں سے علیحدگی کا وسیلہ بنا دے، چنانچہ تو نے فرمایا ہے اور تیرا قول حق اور بہت سچا ہے، اور تو نے قسم کھائی ہے اور تیری قسم سچی اور پوری ہونے والی ہے کہ: "تمہاری روزی اور وہ کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے آسمان میں ہے"، پھر تیرا ارشاد ہے: "زمین و آسمان کے مالک کی قسم! یہ امر یقینی و قطعی ہے جیسے یہ کہ تم بول رہے ہو"۔

--☆☆--

وہ رازق و مربی جو شکم مادر اور زمانہ طفولیت میں جبکہ نہ ہاتھ پاؤں میں سکت ہوتی ہے نہ اکتسابِ رزق پر قدرت، نہ کاروکسب کا شعور ہوتا ہے نہ ذرائع معیشت پر اطلاع، محبت وشفقت کے سایہ میں بقائے زندگی کے تمام سروسامان مہیا کرتا ہے تو وہ زندگی کے دوسرے ادوار میں کیونکر غفلت کرے گا؟ جبکہ وہی سب کا خالق اور سب کا روزی رساں ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ﴾

اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں تمہیں بخشی ہیں انہیں یاد کرو، کیا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور بھی خالق ہے جس نے تمہارے لئے آسمان وزمین مہیا کیا ہے۔[1]

لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت ومصلحت کبھی اس کی مقتضی ہوتی ہے کہ وہ اپنے خاص بندوں کو تنگیٔ معیشت میں مبتلا کرے۔ چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے متعلق وارد ہوا ہے کہ: «كَانَ يَرْبَطُ حَجَرًا عَلٰى بَطْنِهٖ مِنَ الْجُوْعِ»: ”گرسنگی کی وجہ سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے“[2] اور فرمایا کرتے تھے کہ: ”مجھے یہی پسند ہے کہ ایک دن سیر ہوں اور ایک دن بھوکا رہوں“۔[3]

اسی طرح حضرت ایوب علیہ السلام تنگیٔ معیشت میں مبتلا ہوئے، حالانکہ وہ اپنے زمانہ میں بڑے مالدار شمار ہوتے تھے۔ زمین تھی، باغات تھے، بار برداری کیلئے تین ہزار اونٹ، پانچ سو گدھے اور کھیتی باڑی کیلئے ایک ہزار بیل۔ اس کے علاوہ سات ہزار بھیڑیں اور خدمت ونگہداشت کیلئے چار سو نوکر تھے کہ اچانک حالات بدل جاتے ہیں، دولت جاتی رہتی ہے، مویشی لوٹ لئے جاتے ہیں، اولاد بھی ایک ایک کرکے ختم ہو جاتی ہے، بیماری کی وجہ سے نقل وحرکت سے مجبور ہو جاتے ہیں اور زبان سے یہ فریاد نکلتی ہے کہ:

﴿اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ﴿۸۳﴾﴾

(پالنے والے!) میں دکھیا ہوں اور تو سب رحیموں سے زیادہ رحیم ہے۔[4]

یونہی حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیاء علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام پر معاشی لحاظ سے آزمائشی دور آئے، مگر اس تنگی وعسرت میں اگر مانگا تو اللہ تعالیٰ سے اور دوسرے کے آگے ہاتھ نہ پھیلایا۔ اس ابتلاء وتنگیٔ معیشت سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے صبر وشکیب پر انہیں زیادہ سے زیادہ اجر وثواب دے اور وہ اللہ تعالیٰ سے لَو لگا کر اس سے تضرع وزاری کرتے رہیں۔

چنانچہ امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَيَبْتَلِي الْعَبْدَ وَ هُوَ يُحِبُّهٗ لِيَسْمَعَ تَضَرُّعَهٗ.

---

[1] سورۂ فاطر، آیت ۳۔

[2] شرح الکافی (الاصول والروضۃ)، (ملا صالح مازندرانی، ج۸، ص۳۵۶۔

[3] عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ عليه السلام قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله: عُرِضَتْ عَلَيَّ بَطْحَآءُ مَكَّةَ ذَهَبًا فَقُلْتُ: يَا رَبِّ لَا، وَ لٰكِنْ اَشْبَعُ يَوْمًا وَّ اَجُوْعُ يَوْمًا، فَاِذَا شَبِعْتُ حَمِدْتُّكَ وَ شَكَرْتُكَ وَ اِذَا جُعْتُ دَعَوْتُكَ وَ ذَكَرْتُكَ. (الکافی، ج۸، ص۱۳۱)

[4] سورۂ انبیاء، آیت ۸۳۔

خدا اپنے بندے کو دوست رکھنے کے باوجود مبتلا کرتا ہے، تا کہ اس کے تضرع وزاری کی آوازیں سنے۔[1]

عام انسانوں کی نگاہیں ایسے موقع پر اسباب ووسائل پر ہوتی ہیں، لیکن خاصان خدا اپنے علم ویقین کی روشنی میں یہ سمجھتے ہیں کہ اگر چہ اس نے رزق کو اسباب سے وابستہ کیا ہے، لیکن وہ جب چاہے ان اسباب کو بے نتیجہ بھی بنا دے سکتا ہے۔ اس لئے محض اسباب پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ایک شخص تجارت کو وسیلہ قرار دیتا ہے، مگر نفع کے بجائے نقصان ہوتا ہے اور یہی وسیلہ اصل سرمایہ کو بھی لے ڈوبتا ہے اور دوسرا زراعت کے ذریعہ روزی حاصل کرنا چاہتا ہے تو کھڑی کھیتی کو برق وژالہ باری تباہ کر دیتی ہے اور کبھی کھلیان کو آگ لگ جاتی ہے اور کئے کرائے پر پانی پھر جاتا ہے۔ اگر یہ اسباب ووسائل ہی کافی ہوتے تو گھر میں تالا لگانے اور دربان چھوڑنے کے بعد چوری نہ ہوتی اور دشمن کے مقابلہ میں ہتھیار مہیّا کرنے کے بعد اس پر کامیابی یقینی ہوتی۔ حالانکہ اکثر ایسا ہوتا رہتا ہے کہ تالا ٹوٹ جاتا ہے اور گھر کا اثاثہ لُٹ جاتا ہے اور ہتھیار کے ہوتے ہوئے دشمن سے شکست ہو جاتی ہے۔ یہ اس لئے کہ ایک قوت ان کو بے نتیجہ بنانے والی ہے۔ تو جن اسباب ووسائل کی باگ دوڑ دوسرے کے ہاتھ میں ہو ان پر اعتماد کیونکر کیا جا سکتا ہے۔ یہ تو اسی وقت نتیجہ خیز ثابت ہو سکتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کی مشیت بھی کارفرما ہو۔ لہٰذا اصل کارسازی اسی کی ہوگی جو ان اسباب کے نتیجہ خیز بنانے کی قدرت رکھتا ہے۔

اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ جب وہی کارساز و رزق رساں ہے تو پھر حرکت وعمل اور اسباب مہیا کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ کیونکہ یہ دنیا عالم اسباب ہے اور اسباب سے کلیۃً الگ نہیں رہا جا سکتا۔ اور یہ یقین رکھنا کہ یہ اسباب بھی اسی کے پیدا کردہ ہیں اور اسی نے قوائے عمل دیئے ہیں عین توکل ہے۔ اگر انسان ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جائے تو یہ قوائے عمل ایسی نعمت کی ناشکری ہے جو ہمہ گیر ہونے کی صورت میں نظم عالم کی تباہی کا باعث ہے۔ اس دُعا کا مقصد یہ نہیں ہے کہ اسباب سے قطع نظر کر لی جائے بلکہ مقصد یہ ہے کہ ان اسباب پر اعتماد کے بجائے خالق اسباب پر اعتماد رکھا جائے اور ان قوائے عمل کو صرف حصولِ رزق کیلئے وقف نہ کر دیا جائے، بلکہ ان سے اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت کا بھی کام لیا جائے کہ یہی زندگی کا مقصود اصلی ہے۔

☆☆☆☆☆

---

[1] ریاض السالکین، ج ۴، ص ۳۱۶۔

(۳۰) وَ كَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

فِی الْمَعُوْنَةِ عَلٰی قَضَآءِ الدَّيْنِ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ هَبْ لِيَ الْعَافِيَةَ مِنْ دَيْنٍ تُخْلِقُ بِهٖ وَجْهِيْ، وَ يَحَارُ فِيْهِ ذِهْنِيْ، وَ يَتَشَعَّبُ لَهٗ فِكْرِيْ، وَ يَطُوْلُ بِمُمَارَسَتِهٖ شُغْلِيْ.

وَ اَعُوْذُ بِكَ يَا رَبِّ مِنْ هَمِّ الدَّيْنِ وَ فِكْرِهٖ، وَ شُغْلِ الدَّيْنِ وَ سَهَرِهٖ، فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اَعِذْنِيْ مِنْهُ.

وَ اَسْتَجِيْرُ بِكَ يَا رَبِّ مِنْ ذِلَّتِهٖ فِي الْحَيَاةِ، وَ مِنْ تَبِعَتِهٖ بَعْدَ الْوَفَاةِ، فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اَجِرْنِيْ مِنْهُ بِوُسْعٍ فَاضِلٍ اَوْ كَفَافٍ وَاصِلٍ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ احْجُبْنِيْ عَنِ السَّرَفِ وَ الْاِزْدِيَادِ، وَ قَوِّمْنِيْ بِالْبَذْلِ وَ الْاِقْتِصَادِ، وَ عَلِّمْنِيْ حُسْنَ التَّقْدِيْرِ، وَ اقْبِضْنِيْ بِلُطْفِكَ عَنِ التَّبْذِيْرِ، وَ اَجْرِ مِنْ اَسْبَابِ الْحَلَالِ اَرْزَاقِيْ، وَ وَجِّهْ فِيْۤ اَبْوَابِ الْبِرِّ اِنْفَاقِيْ، وَ ازْوِ عَنِّيْ مِنَ الْمَالِ مَا يُحْدِثُ لِيْ، مَخِيْلَةً اَوْ تَاَدِّيًاۤ اِلٰى بَغْيٍ، اَوْ مَاۤ اَتَعَقَّبُ

دُعا (۳۰)

ادائے قرض کے سلسہ میں اللہ تعالیٰ سے طلب اعانت کی دُعا

اے اللہ! محمدؐ اوران کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور مجھے ایسے قرض سے نجات دے جس سے تو میری آبرو پر حرف آنے دے، اور میرا ذہن پریشان اور فکر پراگندہ رہے، اور اس کی فکر و تدبیر میں ہمہ وقت مشغول رہوں۔

اے میرے پروردگار! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں قرض کے فکر واندیشہ سے، اور اسکے جھمیلوں سے، اور اسکے باعث بے خوابی سے، تو محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور مجھے اس سے پناہ دے۔

پروردگار! میں تجھ سے زندگی میں اس کی ذلت اور مرنے کے بعد اس کے وبال سے پناہ مانگتا ہوں، تو محمدؐ اوران کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور مجھے مال و دولت کی فراوانی اور پیہم رزق رسانی کے ذریعہ اس سے چھٹکارا دے۔

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور مجھے فضول خرچی اور مصارف کی زیادتی سے روک دے، اور عطا و میانہ روی کے ساتھ نقطہ اعتدال پر قائم رکھ، اور میرے لئے حلال طریقوں سے روزی کا سامان کر، اور میرے مال کا مصرف امور خیر میں قرار دے، اور اس مال کو مجھ سے دور ہی رکھ جو میرے اندر غرور و تمکنت پیدا کرے، یا ظلم کی راہ پر ڈال دے، یا اس کا نتیجہ

مِنْهُ طُغْيَانًا.

اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ اِلَيَّ صُحْبَةَ الْفُقَرَآءِ، وَ اَعِنِّيْ عَلٰى صُحْبَتِهِمْ بِحُسْنِ الصَّبْرِ ،وَ مَا زَوَيْتَ عَنِّيْ مِنْ مَّتَاعِ الدُّنْيَا الْفَانِيَةِ، فَاذْخَرْهُ لِيْ فِيْ خَزَآئِنِكَ الْبَاقِيَةِ، وَ اجْعَلْ مَا خَوَّلْتَنِيْ مِنْ حُطَامِهَا، وَ عَجَّلْتَ لِيْ مِنْ مَّتَاعِهَا بُلْغَةً اِلٰى جِوَارِكَ، وَ وُصْلَةً اِلٰى قُرْبِكَ، وَ ذَرِيْعَةً اِلٰى جَنَّتِكَ، اِنَّكَ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ، وَ اَنْتَ الْجَوَادُ الْكَرِيْمُ.

--☆☆--

طغیان وسرکشی ہو۔

اے اللہ! درویشوں کی ہم نشینی میری نظروں میں پسندیدہ بنا دے، اور اطمینان افزا صبر کے ساتھ ان کی رفاقت اختیار کرنے میں میری مدد فرما، دنیائے فانی کے مال میں سے جو تو نے مجھ سے روک لیا ہے اسے اپنے باقی رہنے والے خزانوں میں میرے لئے ذخیرہ کر دے، اور اس کے ساز و برگ میں سے جو تو نے دیا ہے اور اس کے سروسامان میں سے جو بہم پہنچایا ہے اسے اپنے جوار (رحمت) تک پہنچنے کا زادِ راہ، حصول تقرب کا وسیلہ اور جنّت تک رسائی کا ذریعہ قرار دے۔ اس لئے کہ تو فضل عظیم کا مالک اور سخی وکریم ہے۔

--☆☆--

اگر احساسات زندہ ہوں تو انسان مقروض ہونے کی صورت میں ایک لمحہ بھی اطمینان و یکسوئی سے بسر نہیں کر سکتا اور اس فکر و اندیشہ میں نہ رات کو آرام سے سو سکتا ہے نہ دن چین سے گزار سکتا ہے۔ اسے ہر وقت یہ کھٹکا لگا رہتا ہے کہ نہ جانے کب قرض خواہ آجائے اور مطالبہ شروع کر دے، یا کہیں راستہ میں گھیر لے اور سچ جھوٹ وعدوں سے بھی پیچھا چھڑانا مشکل ہو جائے۔ ایسے حالات میں یقیناً ذہن پریشان، خیالات پراگندہ اور طبیعت منتشر رہے گی اور اس بوجھ کے نیچے اپنے کو بے حس محسوس کرے گا۔ کیونکہ قرض کا ذہنی بوجھ مادی بوجھ سے کہیں زیادہ خستہ و ہلکان کر دیتا ہے۔

چنانچہ بزرگ مہر کا قول ہے کہ: ”میں نے جنگل کے وزنی ہتھیاروں کو اٹھایا اور پتھروں کو لاد کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے گیا مگر میں نے قرض سے زیادہ کسی چیز کو بوجھل نہیں پایا“۔

اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

لَا وَجَعَ اِلَّا وَجَعُ الْعَيْنِ وَ لَا هَمَّ اِلَّا هَمُّ الدَّيْنِ.

درد چشم سے بڑھ کر کوئی درد اور اندوہِ قرض سے زیادہ کوئی اندوہ نہیں ہے۔[1]

اور امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے:

اِيَّاكُمْ وَ الدَّيْنَ، فَاِنَّهٗ مَذَلَّةٌ بِالنَّهَارِ وَ مَهَمَّةٌ بِاللَّيْلِ وَ قَضَآءٌ فِي الدُّنْيَا وَ قَضَآءٌ فِي الْاٰخِرَةِ.

[1] الکافی، ج ۵ ص ۱۰۱۔

قرض سے بچے رہو، اس لئے کہ دن ہو تو یہ ذلّت و رسوائی کا سبب اور رات ہو تو غم و اندوہ کا سامان اور دنیا و آخرت میں واجب الاداء ہے۔[1]

اس ذلت و رسوائی اور فکر و پریشانی سے وہی شخص بچ سکتا ہے جسے عزت نفس کا احساس ہو کہ وہ فقر و فاقہ کی سختیوں کو گوارا کر لے، تنگی و عسرت میں زندگی بسر کر لے، مگر قرض لے کر اپنی آبرو کو خطرہ میں نہ ڈالے۔ اور اگر کوئی شدید ضرورت مجبور کر دے تو بس اتنا قرض لے جس سے ضرورت رفع ہو جائے اور اسے جلد سے جلد ادا کرنے کی کوشش کرے۔ اور اگر سرے سے ادا کرنے کا ارادہ ہی نہ ہو تو ایسا شخص بمنزلہ خائن و سارق کے ہے۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

مَنِ اسْتَدَانَ فَلَمْ يَنْوِ قَضَآءَهُ، كَانَ بِمَنْزِلَةِ السَّارِقِ.
جو شخص قرضہ لے اور ادا کرنے کی نیت نہ رکھتا ہو وہ بمنزلہ سارق ہے۔[2]

اگر ارادہ ہو مگر کسی مجبوری کی وجہ سے وقت پر ادا نہ کر سکے تو وہ معذور قرار پائے گا۔ ایسی صورت میں قرض خواہ کو چاہئے کہ اسے مہلت دے اور سختی سے مطالبہ نہ کرے۔ ایسا کرنے سے اسے ہر روز اتنا ہی مال صدقہ کرنے کا ثواب حاصل ہوگا اور اگر وہ ادائے قرض سے بالکل ہی مجبور ہو جائے تو وہ عدم ادائیگی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل مؤاخذہ نہیں ہوگا، بشرطیکہ اس مال کو حرام میں صرف نہ کیا ہو۔ اگر قرض خواہ اسے معاف کر دے تو وہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سے زیادہ اجر پانے کا مستحق ہوگا اور اگر معاف نہ کرے تو اللہ تعالیٰ صرف اسے اس کے قرض کا بدلہ دے گا۔

☆☆☆☆☆

[1] الکافی، ج۵ ص۹۵۔
[2] ہدایۃ الامۃ الی احکام الائمۃ علیہم السلام، ج۶ ص۲۱۵۔

(۳۱) وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

فِيْ ذِكْرِ التَّوْبَةِ وَ طَلَبِهَا

اَللّٰهُمَّ يَا مَنْ لَّا يَصِفُهٗ نَعْتُ الْوَاصِفِيْنَ، وَ يَا مَنْ لَّا يُجَاوِزُهٗ رَجَآءُ الرَّاجِيْنَ وَ يَا مَنْ لَّا يَضِيْعُ لَدَيْهِ اَجْرُ الْمُحْسِنِيْنَ، وَ يَا مَنْ هُوَ مُنْتَهٰى خَوْفِ الْعَابِدِيْنَ، وَ يَا مَنْ هُوَ غَايَةُ خَشْيَةِ الْمُتَّقِيْنَ.

هٰذَا مَقَامُ مَنْ تَدَاوَلَتْهُ اَيْدِی الذُّنُوْبِ، وَ قَادَتْهُ اَزِمَّةُ الْخَطَايَا، وَ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِ الشَّيْطٰنُ، فَقَصَّرَ عَمَّآ اَمَرْتَ بِهٖ تَفْرِيْطًا، وَ تَعَاطٰى مَا نَهَيْتَ عَنْهُ تَغْرِيْرًا، كَالْجَاهِلِ بِقُدْرَتِكَ عَلَيْهِ، اَوْ كَالْمُنْكِرِ فَضْلَ اِحْسَانِكَ اِلَيْهِ.

حَتّٰى اِذَا انْفَتَحَ لَهٗ بَصَرُ الْهُدٰى، وَ تَقَشَّعَتْ عَنْهُ سَحَآئِبُ الْعَمٰى، اَحْصٰى مَا ظَلَمَ بِهٖ نَفْسَهٗ، وَ فَكَّرَ فِيْمَا خَالَفَ بِهٖ رَبَّهٗ، فَرَاٰى كَبِيْرَ عِصْيَانِهٖ كَبِيْرًا، وَ جَلِيْلَ مُخَالَفَتِهٖ جَلِيْلًا، فَاَقْبَلَ نَحْوَكَ مُؤَمِّلًا لَّكَ مُسْتَحْيِيًا مِّنْكَ، وَ وَجَّهَ رَغْبَتَهٗ اِلَيْكَ ثِقَةً بِكَ،

دُعا (۳۱)

دُعائے توبہ

اے معبود! اے وہ جس کی توصیف سے وصف کرنے والوں کے توصیفی الفاظ قاصر ہیں، اے وہ جو امیدواروں کی امیدوں کا مرکز ہے، اے وہ جس کے ہاں نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں ہوتا، اے وہ جو عبادت گزاروں کے خوف کی منزل منتہا ہے، اے وہ جو پرہیزگاروں کے بیم و ہراس کی حدآخر ہے۔

یہ اس شخص کا موقف ہے جو گناہوں کے ہاتھوں میں کھیلتا ہے، اور خطاؤں کی باگوں نے جسے کھینچ لیا ہے، اور جس پر شیطان غالب آ گیا ہے، اس لئے تیرے حکم سے لاپرواہی کرتے ہوئے اس نے (ادائے فرض) میں کوتاہی کی، اور فریب خوردگی کی وجہ سے تیرے منہیات کا مرتکب ہوتا ہے، گویا وہ اپنے کو تیرے قبضۂ قدرت میں سمجھتا ہی نہیں ہے، اور تیرے فضل و احسان کو جو تو نے اس پر کئے ہیں مانتا ہی نہیں ہے۔

مگر جب اس کی چشم بصیرت وا ہوئی اور اس کوری و بے بصری کے بادل اس کے سامنے سے چھٹے تو اس نے اپنے نفس پر کئے ہوئے ظلموں کا جائزہ لیا، اور جن جن موارد پر اپنے پروردگار کی مخالفتیں کی تھیں ان پر نظر دوڑائی تو اپنے بڑے گناہوں کو (واقعاً) بڑا اور اپنی عظیم مخالفتوں کو (حقیقتاً) عظیم پایا تو وہ اس حالت میں کہ تجھ سے امیدوار بھی ہے اور شرمسار بھی، تیری جانب متوجہ ہوا، اور تجھ پر اعتماد کرتے ہوئے تیری طرف راغب ہوا، اور یقین و

فَاَمَّكَ بِطَمَعِهٖ يَقِيْنًا، وَ قَصَدَكَ بِخَوْفِهٖ اِخْلَاصًا، قَدْ خَلَا طَمَعُهٗ مِنْ كُلِّ مَطْمُوْعٍ فِيْهِ غَيْرِكَ، وَ اَفْرَخَ رَوْعُهٗ مِنْ كُلِّ مَحْذُوْرٍ مِّنْهُ سِوَاكَ.

اطمینان کے ساتھ اپنی خواہش و آرزو کو لے کر تیرا قصد کیا، اور (دل میں) تیرا خوف لئے ہوئے خلوص کے ساتھ تیری بارگاہ کا ارادہ کیا، اس حالت میں کہ تیرے علاوہ اسے کسی سے غرض نہ تھی اور تیرے سوا اسے کسی کا خوف نہ تھا۔

فَمَثَلَ بَيْنَ يَدَيْكَ مُتَضَرِّعًا، وَ غَمَّضَ بَصَرَهٗ اِلَى الْاَرْضِ مُتَخَشِّعًا، وَ طَأْطَاَ رَاْسَهٗ لِعِزَّتِكَ مُتَذَلِّلًا، وَ اَبَثَّكَ مِنْ سِرِّهٖ مَاۤ اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنْهُ خُضُوْعًا، وَ عَدَّدَ مِنْ ذُنُوْبِهٖ مَاۤ اَنْتَ اَحْصٰى لَهَا خُشُوْعًا، وَ اسْتَغَاثَ بِكَ مِنْ عَظِيْمِ مَا وَقَعَ بِهٖ فِيْ عِلْمِكَ، وَ قَبِيْحِ مَا فَضَحَهٗ فِيْ حُكْمِكَ: مِنْ ذُنُوْبٍ اَدْبَرَتْ لَذَّاتُهَا فَذَهَبَتْ، وَ اَقَامَتْ تَبِعَاتُهَا فَلَزِمَتْ.

چنانچہ وہ عاجزانہ صورت میں تیرے سامنے آ کھڑا ہوا، اور فروتنی سے اپنی آنکھیں زمین میں گاڑلیں، اور تذلل و انکسار سے تیری عظمت کے آگے سر جھکا لیا، اور عجز و نیاز مندی سے اپنے راز ہائے درون پردہ جنہیں تو اس سے بہتر جانتا ہے تیرے آگے کھول دیئے، اور عاجزی سے اپنے وہ گناہ جن کا تو اس سے زیادہ حساب رکھتا ہے ایک ایک کر کے شمار کئے، اور ان بڑے گناہوں سے جو تیرے علم میں اس کیلئے مہلک اور ان بداعمالیوں سے جو تیرے فیصلہ کے مطابق اس کیلئے رسوا کُن ہیں، دادوفریاد کرتا ہے، وہ گناہ کہ جن کی لذت جاتی رہی ہے اور ان کا وبال ہمیشہ کیلئے باقی رہ گیا ہے۔

لَا يُنْكِرُ يَاۤ اِلٰهِيْ عَدْلَكَ اِنْ عَاقَبْتَهٗ، وَ لَا يَسْتَعْظِمُ عَفْوَكَ اِنْ عَفَوْتَ عَنْهُ وَ رَحِمْتَهٗ، لِاَنَّكَ الرَّبُّ الْكَرِيْمُ الَّذِيْ لَا يَتَعَاظَمُهٗ غُفْرَانُ الذَّنْبِ الْعَظِيْمِ.

اے میرے معبود! اگر تو اس پر عذاب کرے تو وہ تیرے عدل کا منکر نہیں ہوگا، اور اگر اس سے درگزر کرے اور ترس کھائے تو وہ تیرے عفو کو کوئی عجیب اور بڑی بات نہیں سمجھے گا۔ اس لئے کہ تو وہ پروردگار کریم ہے، جس کے نزدیک بڑے سے بڑے گناہ کو بھی بخش دینا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔

اَللّٰهُمَّ فَهَاۤ اَنَا ذَا قَدْ جِئْتُكَ مُطِيْعًا لِّاَمْرِكَ فِيْمَاۤ اَمَرْتَ بِهٖ مِنَ الدُّعَاۤءِ، مُتَنَجِّزًا وَعْدَكَ فِيْمَا وَعَدْتَّ بِهٖ

اچھا تو اے میرے معبود! میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں، تیرے حکم دُعا کی اطاعت کرتے ہوئے اور تیرے وعدہ کا ایفا چاہتے ہوئے جو قبولیت دُعا کے متعلق تو نے

مِنَ الْاِجَابَةِ، اِذْ تَقُوْلُ: ﴿اُدْعُوْنِیْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ﴾.

اَللّٰهُمَّ فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ الْقَنِیْ بِمَغْفِرَتِكَ كَمَا لَقِیْتُكَ بِاِقْرَارِیْ، وَ ارْفَعْنِیْ عَنْ مَّصَارِعِ الذُّنُوْبِ كَمَا وَضَعْتُ لَكَ نَفْسِیْ، وَ اسْتُرْنِیْ بِسِتْرِكَ كَمَا تَاَنَّیْتَنِیْ عَنِ الِانْتِقَامِ مِنِّیْ.

اَللّٰهُمَّ وَ ثَبِّتْ فِیْ طَاعَتِكَ نِیَّتِیْ، وَ اَحْكِمْ فِیْ عِبَادَتِكَ بَصِیْرَتِیْ، وَ وَفِّقْنِیْ مِنَ الْاَعْمَالِ لِمَا تَغْسِلُ بِهٖ دَنَسَ الْخَطَایَا عَنِّیْ، وَ تَوَفَّنِیْ عَلٰى مِلَّتِكَ وَ مِلَّةِ نَبِیِّكَ: مُحَمَّدٍ عَلَیْهِ السَّلَامُ اِذَا تَوَفَّیْتَنِیْ.

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْۤ اَتُوْبُ اِلَیْكَ فِیْ مَقَامِیْ هٰذَا مِنْ كَبَآئِرِ ذُنُوْبِیْ وَ صَغَآئِرِهَا، وَ بَوَاطِنِ سَیِّئَاتِیْ وَ ظَوَاهِرِهَا، وَ سَوَالِفِ زَلَّاتِیْ وَ حَوَادِثِهَا، تَوْبَةَ مَنْ لَّا یُحَدِّثُ نَفْسَهٗ بِمَعْصِیَةٍ، وَ لَا یُضْمِرُ اَنْ یَّعُوْدَ فِیْ خَطِیْٓـئَةٍ وَ قَدْ قُلْتَ یَاۤ اِلٰهِیْ فِیْ مُحْكَمِ كِتَابِكَ: اِنَّكَ تَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِكَ، وَ تَعْفُوْ عَنِ السَّیِّئَاتِ، وَ تُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ،

اپنے اس ارشاد میں کیا ہے: "مجھ سے دُعا مانگو تو میں تمہاری دُعا قبول کروں گا"۔

خداوندا! محمدؐ اوران کی آلؑ پر رحمت نازل فرمااوراپنی مغفرت میرے شامل حال کر جس طرح میں (اپنے گناہوں کا) اقرار کرتے ہوئے تیری طرف متوجہ ہوا ہوں، اوران مقامات سے جہاں گناہوں سے مغلوب ہونا پڑتا ہے مجھے (سہارادے کر) اوپر اٹھالے جس طرح میں نے اپنے نفس کو تیرے آگے (خاک مذلت پر) ڈال دیا ہے، اوراپنے دامن رحمت سے میری پردہ پوشی فرما، جس طرح مجھ سے انتقام لینے میں صبر وحلم سے کام لیا ہے۔

اے اللہ! اپنی اطاعت میں میری نیت کو استوار، اوراپنی عبادت میں میری بصیرت کو قوی کر، اور مجھے ان اعمال کے بجالانے کی توفیق دے جن کے ذریعہ تو میرے گناہوں کے میل کو دھو ڈالے، اور جب مجھے دنیا سے اٹھائے تو اپنے دین اوراپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آئین پر اٹھا۔

اے معبود! میں اس مقام پر اپنے چھوٹے بڑے گناہوں، پوشیدہ وآشکار معصیتوں اور گزشتہ وموجودہ لغزشوں سے توبہ کرتا ہوں، اس شخص کی سی توبہ جو دل میں معصیت کا خیال بھی نہ لائے اور گناہ کی طرف پلٹنے کا تصور بھی نہ کرے۔ خداوندا! تو نے اپنی محکم کتاب میں فرمایا ہے کہ: تو بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور گناہوں کو معاف کرتا ہے اور توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے، لہٰذا تو میری توبہ قبول فرما جیسا کہ تو نے وعدہ کیا ہے، اور میرے گناہوں کو معاف کر دے جیسا کہ تو نے ذمہ لیا ہے، اور حسب

فَاقْبَلْ تَوْبَتِیْ كَمَا وَعَدْتَّ، وَ اعْفُ عَنْ سَيِّئَاتِیْ كَمَا ضَمِنْتَ، وَ اَوْجِبْ لِیْ مَحَبَّتَكَ كَمَا شَرَطْتَّ، وَ لَكَ يَا رَبِّ شَرْطِیْٓ اَلَّآ اَعُوْدَ فِیْ مَكْرُوْهِكَ، وَ ضَمَانِیْٓ اَنْ لَّآ اَرْجِعَ فِیْ مَذْمُوْمِكَ، وَ عَهْدِیْٓ اَنْ اَهْجُرَ جَمِيْعَ مَعَاصِيْكَ.

قرار داد اپنی محبت کو میرے لئے ضروری قرار دے، اور میں تجھ سے اے میرے پروردگار! یہ اقرار کرتا ہوں کہ تیری ناپسندیدہ باتوں کی طرف رخ نہیں کروں گا، اور یہ قول وقرار کرتا ہوں کہ قابلِ مذمت چیزوں کی طرف رجوع نہ کروں گا، اور یہ عہد کرتا ہوں کہ تیری تمام نافرمانیوں کو یکسر چھوڑ دوں گا۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ اَعْلَمُ بِمَا عَمِلْتُ، فَاغْفِرْ لِیْ مَا عَلِمْتَ، وَ اصْرِفْنِیْ بِقُدْرَتِكَ اِلٰى مَاۤ اَحْبَبْتَ.

بارالٰہا! تو میرے عمل وکردار سے خوب آگاہ ہے، اب جو بھی تو جانتا ہے اسے بخش دے، اور اپنی قدرت کاملہ سے پسندیدہ چیزوں کی طرف مجھے موڑ دے۔

اَللّٰهُمَّ وَ عَلَیَّ تَبِعَاتٌ قَدْ حَفِظْتُهُنَّ، وَ تَبِعَاتٌ قَدْ نَسِيْتُهُنَّ، وَ كُلُّهُنَّ بِعَيْنِكَ الَّتِیْ لَا تَنَامُ، وَ عِلْمِكَ الَّذِیْ لَا يَنْسٰى، فَعَوِّضْ مِنْهَاۤ اَهْلَهَا، وَ احْطُطْ عَنِّیْ وِزْرَهَا، وَ خَفِّفْ عَنِّیْ ثِقْلَهَا، وَ اعْصِمْنِیْ مِنْ اَنْ اُقَارِفَ مِثْلَهَا.

اے اللہ! میرے ذمہ کتنے ایسے حقوق ہیں جو مجھے یاد ہیں، اور کتنے ایسے مظلمے ہیں جن پر نسیان کا پردہ پڑا ہوا ہے، لیکن وہ سب کے سب تیری آنکھوں کے سامنے ہیں، ایسی آنکھیں جو خواب آلودہ نہیں ہوتیں، اور تیرے علم میں ہیں، ایسا علم جس میں فروگزاشت نہیں ہوتی، لہٰذا جن لوگوں کا مجھ پر کوئی حق ہے اس کا انہیں عوض دے کر اس کا بوجھ مجھ سے برطرف اور اس کا بار ہلکا کر دے اور مجھے پھر ویسے گناہوں کے ارتکاب سے محفوظ رکھ۔

اَللّٰهُمَّ وَ اِنَّهٗ لَا وَفَآءَ لِیْ بِالتَّوْبَةِ اِلَّا بِعِصْمَتِكَ، وَ لَا اسْتِمْسَاكَ بِیْ عَنِ الْخَطَايَاۤ اِلَّا عَنْ قُوَّتِكَ، فَقَوِّنِیْ بِقُوَّةٍ كَافِيَةٍ، وَ تَوَلَّنِیْ بِعِصْمَةٍ مَّانِعَةٍ.

اے اللہ! میں توبہ پر قائم نہیں رہ سکتا مگر تیری ہی نگرانی سے، اور گناہوں سے باز نہیں آ سکتا مگر تیری ہی قوت وتوانائی سے، لہٰذا مجھے بے نیاز کرنے والی قوت سے تقویت دے اور (گناہوں سے) روکنے والی نگرانی کا ذمہ لے۔

اَللّٰهُمَّ اَيُّمَا عَبْدٍ تَابَ اِلَيْكَ وَ هُوَ فِیْ عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ فَاسِخٌ لِّتَوْبَتِهٖ، وَ

اے اللہ! وہ بندہ جو تجھ سے توبہ کرے اور تیرے علم غیب میں وہ توبہ شکنی کرنے والوں اور گناہ ومعصیت کی طرف دوبارہ پلٹنے

عَآئِدٌ فِيْ ذَنْبِهٖ وَ خَطِيْٓـَٔتِهٖ، فَاِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَكُوْنَ كَذٰلِكَ، فَاجْعَلْ تَوْبَتِيْ هٰذِهٖ تَوْبَةً لَّآ اَحْتَاجُ بَعْدَهَآ اِلٰى تَوْبَةٍ، تَوْبَةً مُّوْجِبَةً لِّمَحْوِ مَا سَلَفَ، وَ السَّلَامَةِ فِيْمَا بَقِيَ.

والا ہو تو میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ اس جیسا ہوں، میری توبہ کو ایسی توبہ قرار دے کہ اس کے بعد پھر توبہ کی احتیاج نہ رہے، جس سے گزشتہ گناہ محو ہو جائیں اور زندگی کے باقی دنوں میں (گناہوں سے) سلامتی کا سامان ہو۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْٓ اَعْتَذِرُ اِلَيْكَ مِنْ جَهْلِيْ، وَ اَسْتَوْهِبُكَ سُوْٓءَ فِعْلِيْ، فَاضْمُمْنِيْٓ اِلٰى كَنَفِ رَحْمَتِكَ تَطَوُّلًا، وَ اسْتُرْنِيْ بِسِتْرِ عَافِيَتِكَ تَفَضُّلًا.

اے اللہ! میں اپنی جہالتوں سے عذرخواہ اور اپنی بداعمالیوں سے بخشش کا طلبگار ہوں، لہٰذا اپنے لطف و احسان سے مجھے پناہ گاہ رحمت میں جگہ دے، اور اپنے تفضّل سے اپنی عافیت کے پردہ میں چھپالے۔

اَللّٰهُمَّ وَ اِنِّيْٓ اَتُوْبُ اِلَيْكَ مِنْ كُلِّ مَا خَالَفَ اِرَادَتَكَ، اَوْ زَالَ عَنْ مَّحَبَّتِكَ مِنْ خَطَرَاتِ قَلْبِيْ، وَ لَحَظَاتِ عَيْنِيْ، وَ حِكَايَاتِ لِسَانِيْ، تَوْبَةً تَسْلَمُ بِهَا كُلُّ جَارِحَةٍ عَلٰى حِيَالِهَا مِنْ تَبِعَاتِكَ، وَ تَأْمَنُ مِمَّا يَخَافُ الْمُعْتَدُوْنَ مِنْ اَلِيْمِ سَطَوَاتِكَ.

اے اللہ! میں دل میں گزرنے والے خیالات اور آنکھ کے اشاروں اور زبان کی گفتگوؤں، غرض ہر اس چیز سے جو تیرے ارادہ و رضا کے خلاف ہو اور تیری محبت کے حدود سے باہر ہو، تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں، ایسی توبہ جس سے میرا ہر ہر عضو اپنی جگہ پر تیری عقوبتوں سے بچا رہے، اور ان تکلیف دہ عذابوں سے جن سے سرکش لوگ خائف رہتے ہیں محفوظ رہے۔

اَللّٰهُمَّ فَارْحَمْ وَحْدَتِيْ بَيْنَ يَدَيْكَ، وَ وَجِيْبَ قَلْبِيْ مِنْ خَشْيَتِكَ، وَ اضْطِرَابَ اَرْكَانِيْ مِنْ هَيْبَتِكَ، فَقَدْ اَقَامَتْنِيْ.

اے معبود! یہ تیرے سامنے میرا عالم تنہائی، تیرے خوف سے میرے دل کی دھڑکن، تیری ہیبت سے میرے اعضاء کی تھرتھری، ان حالتوں پر رحم فرما۔

يَا رَبِّ ذُنُوْبِيْ مَقَامَ الْخِزْيِ بِفِنَآئِكَ، فَاِنْ سَكَتُّ لَمْ يَنْطِقْ عَنِّيْٓ اَحَدٌ، وَ اِنْ شَفَعْتُ فَلَسْتُ بِاَهْلِ الشَّفَاعَةِ.

پروردگارا! مجھے گناہوں نے تیری بارگاہ میں رسوائی کی منزل پر لا کھڑا کیا ہے، اب اگر چپ رہوں تو میری طرف سے کوئی بولنے والا نہیں ہے، اور کوئی وسیلہ لاؤں تو شفاعت کا سزاوار نہیں ہوں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ شَفِّعْ

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور اپنے کرم و

فِيْ خَطَايَايَ كَرَمَكَ، وَ عُدْ عَلٰى سَيِّئَاتِيْ بِعَفْوِكَ، وَ لَا تَجْزِنِيْ جَزَآئِيْ مِنْ عُقُوْبَتِكَ، وَ ابْسُطْ عَلَيَّ طَوْلَكَ، وَ جَلِّلْنِيْ بِسِتْرِكَ، وَ افْعَلْ بِيْ فِعْلَ عَزِيْزٍ تَضَرَّعَ اِلَيْهِ عَبْدٌ ذَلِيْلٌ فَرَحِمَهٗ، اَوْ غَنِيٍّ تَعَرَّضَ لَهٗ عَبْدٌ فَقِيْرٌ فَنَعَشَهٗ.

اَللّٰهُمَّ لَا خَفِيْرَ لِيْ مِنْكَ فَلْيَخْفُرْنِيْ عِزُّكَ، وَ لَا شَفِيْعَ لِيْۤ اِلَيْكَ فَلْيَشْفَعْ لِيْ فَضْلُكَ، وَ قَدْ اَوْجَلَتْنِيْ خَطَايَايَ فَلْيُؤْمِنِّيْ عَفْوُكَ، فَمَا كُلُّ مَا نَطَقْتُ بِهٖ عَنْ جَهْلٍ مِّنِّيْ بِسُوْٓءِ اَثَرِيْ، وَ لَا نِسْيَانٍ لِّمَا سَبَقَ مِنْ ذَمِيْمِ فِعْلِيْ، لٰكِنْ لِّتَسْمَعَ سَمَآؤُكَ وَ مَنْ فِيْهَا، وَ اَرْضُكَ وَ مَنْ عَلَيْهَا مَآ اَظْهَرْتُ لَكَ مِنَ النَّدَمِ، وَ لَجَاْتُ اِلَيْكَ فِيْهِ مِنَ التَّوْبَةِ، فَلَعَلَّ بَعْضَهُمْ بِرَحْمَتِكَ يَرْحَمُنِيْ لِسُوْٓءِ مَوْقِفِيْ، اَوْ تُدْرِكُهُ الرِّقَّةُ عَلَيَّ لِسُوْٓءِ حَالِيْ، فَيَنَالَنِيْ مِنْهُ بِدَعْوَةٍ هِيَ اَسْمَعُ لَدَيْكَ مِنْ دُعَآئِيْ، اَوْ شَفَاعَةٍ اَوْكَدُ عِنْدَكَ مِنْ شَفَاعَتِيْ، تَكُوْنُ بِهَا نَجَاتِيْ مِنْ غَضَبِكَ وَ

بخشش کو میری خطاؤں کا شفیع قرار دے، اور اپنے فضل سے میرے گناہوں کو بخش دے، اور جس سزا کا میں سزاوار ہوں وہ سزا نہ دے، اور اپنا دامن کرم مجھ پر پھیلا دے، اور اپنے پردۂ عفو ورحمت میں مجھے ڈھانپ لے، اور مجھ سے اس ذی اقتدار شخص کا سا برتاؤ کر جس کے آگے کوئی بندہ ذلیل گڑگڑائے تو وہ اس پر ترس کھائے، یا اس دولتمند کا سا جس سے کوئی بندہ محتاج لپٹے تو وہ اسے سہارا دے کر اٹھا لے۔

بارالٰہا! مجھے تیرے (عذاب) سے کوئی پناہ دینے والا نہیں ہے، اب تیری قوت وتوانائی ہی پناہ دے تو دے، اور تیرے یہاں کوئی میری سفارش کرنے والا نہیں، اب تیرا فضل ہی سفارش کرے تو کرے، اور میرے گناہوں نے مجھے ہراساں کر دیا ہے، اب تیرا عفو و درگزر ہی مجھے مطمئن کرے تو کرے، یہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس لئے نہیں کہ میں اپنی بداعمالیوں سے ناواقف اور اپنی گزشتہ بدکرداریوں کو فراموش کر چکا ہوں، بلکہ اس لئے کہ تیرا آسمان اور جو اس میں رہتے سہتے ہیں اور تیری زمین اور جو اس پر آباد ہیں، میری ندامت کو جس کا میں نے تیرے سامنے اظہار کیا ہے اور میری توبہ کو جس کے ذریعہ تجھ سے پناہ مانگی ہے سن لیں، تا کہ تیری رحمت کی کارفرمائی کی وجہ سے کسی کو میرے حال زار پر رحم آجائے، یا میری پریشان حالی پر اس کا دل پسیجے، تو میرے حق میں دُعا کرے جس کی تیرے ہاں میری دُعا سے زیادہ شنوائی ہو، یا کوئی ایسی سفارش حاصل کرلوں جو تیرے ہاں میری درخواست سے زیادہ مؤثر ہو، اور اس طرح تیرے غضب سے نجات کی

فَوْزَتِیْ بِرِضَاكَ.

دستاویز اور تیری خوشنودی کا پروانہ حاصل کرسکوں۔

اَللّٰهُمَّ اِنْ يَّكُنِ النَّدَمُ تَوْبَةً اِلَيْكَ فَاَنَاۤ اَنْدَمُ النَّادِمِيْنَ، وَ اِنْ يَّكُنِ التَّرْكُ لِمَعْصِيَتِكَ اِنَابَةً فَاَنَاۤ اَوَّلُ الْمُنِيْبِيْنَ، وَ اِنْ يَّكُنِ الِاسْتِغْفَارُ حِطَّةً لِّلذُّنُوْبِ فَاِنِّيْ لَكَ مِنَ الْمُسْتَغْفِرِيْنَ.

اے اللہ! اگر تیری بارگاہ میں ندامت و پشیمانی ہی توبہ ہے تو میں پشیمان ہونے والوں میں سب سے زیادہ پشیمان ہوں، اور اگر ترک معصیت ہی توبہ وانابت ہے تو میں توبہ کرنے والوں میں اول درجہ پر ہوں، اور اگر طلب مغفرت گناہوں کو زائل کرنے کا سبب ہے تو مغفرت کرنے والوں میں سے ایک میں بھی ہوں۔

اَللّٰهُمَّ فَكَمَاۤ اَمَرْتَ بِالتَّوْبَةِ، وَ ضَمِنْتَ الْقَبُوْلَ، وَ حَثَثْتَ عَلَى الدُّعَآءِ، وَ وَعَدْتَّ الْاِجَابَةَ، فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اقْبَلْ تَوْبَتِيْ، وَ لَا تَرْجِعْنِيْ مَرْجِعَ الْخَيْبَةِ مِنْ رَّحْمَتِكَ، اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ عَلَى الْمُذْنِبِيْنَ، وَ الرَّحِيْمُ لِلْخَاطِئِيْنَ الْمُنِيْبِيْنَ.

خدایا! جبکہ تو نے توبہ کا حکم دیا اور قبول کرنے کا ذمہ لیا ہے اور دُعا پر آمادہ کیا ہے اور قبولیت کا وعدہ فرمایا ہے تو رحمت نازل فرما محمدؐ اور ان کی آلؑ پراور میری توبہ کو قبول فرما، اور مجھے اپنی رحمت سے ناامیدی کے ساتھ نہ پلٹا، کیونکہ تو گنہگاروں کی توبہ قبول کرنے والا اور رجوع ہونے والے خطا کاروں پر رحم کرنے والا ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، كَمَا هَدَيْتَنَا بِهٖ، وَ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، كَمَا اسْتَنْقَذْتَنَا بِهٖ، وَ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، صَلَاةً تَشْفَعُ لَنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ يَوْمَ الْفَاقَةِ اِلَيْكَ، ﴿اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾، وَ هُوَ عَلَيْكَ يَسِيْرٌ.

اے اللہ! محمدؐ اوران کی آلؑ پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے ان کے وسیلہ سے ہماری ہدایت فرمائی ہے، تو محمدؐ اوران کی آلؑ پر رحمت نازل کر جس طرح ان کے ذریعہ ہمیں (گمراہی کے بھنور سے) نکالا ہے، تو محمدؐ اوران کی آلؑ پر رحمت نازل کر ایسی رحمت جو قیامت کے روز اور تجھ سے احتیاج کے دن ہماری سفارش کرے، اس لئے کہ تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور یہ امر تیرے لئے سہل وآسان ہے۔

--☆☆--

صحیفہ کاملہ کی اکثر دُعائیں اعتراف گناہ، عفو تقصیر اور توبہ و انابت پر مشتمل ہیں مگر یہ دُعا ''دُعائے توبہ'' ہی کے نام سے موسوم ہے جس سے اس کے خصوصیات ظاہر ہیں۔

''توبہ'' کے لغوی معنی پلٹنے اور رجوع ہونے کے ہیں اور اصطلاحاً ''توبہ'' کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنے گناہوں پر پشیمان ہو کر بارگاہِ الٰہی میں ان سے باز رہنے کا عہد کرے اور جن گناہوں کا تدارک ممکن ہے ان کا تدارک کرے۔ اس طرح کہ جو حقوق اس کے ذمہ ہوں انہیں ادا کرے، یا اہل حقوق سے معافی حاصل کرے، اور یہ نہ ہوسکے تو ان کیلئے ایسے اعمالِ خیر بجالائے کہ وہ قیامت کے روز اس سے خوش ہو کر درگزر کریں۔

''توبہ'' کا اصل محرک جزا و سزا کا علم و یقین ہے جو گنہگار کو کثافتِ گناہ کی آلودگیوں سے دور رہنے پر آمادہ کرتا ہے۔ چنانچہ جب وہ گناہوں کے ہلاکت آفرین نتائج کے پیش نظر اپنا محاسبہ کرتا ہے تو یہ احتسابِ نفس اسے جھنجھوڑتا اور مطعون کرتا ہے جس سے وہ نفسیاتی طور پر ایک قسم کی تکلیف و اذیت محسوس کرتا ہے۔ اس احساس تکلیف کو ندامت و پشیمانی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جب یہ ندامت اس کے احساسات پر غالب آجاتی ہے تو وہ گناہوں سے باز رہنے کا ارداہ کرلیتا ہے اور توبہ اسی علم، ندامت اور ارادہ کے مجموعے کا نام ہے جس کے بعد اعمال میں تبدیلی کا ہونا ناگزیر ہوجاتا ہے۔

اس دنیا میں رہتے ہوئے کوئی شخص بھی توبہ سے بے نیاز نہیں ہوسکتا، کیونکہ کبھی ہاتھ، زبان اور دوسرے اعضاء سے کوئی گناہ سرزد ہوا ہوگا، کبھی جھوٹ بولا ہوگا، کبھی کسی کی غیبت کی ہوگی، کبھی کسی پر ظلم کیا ہوگا، کبھی کسی سے ناحق جھگڑا کیا ہوگا۔ اور اگر اس کے اعضاء و جوارح ہر قسم کے گناہ سے بری ہوں تو وہ برائی کے قصد، گناہ کے ارادہ اور نفس کے دوسرے رذائل سے خالی نہیں ہوگا۔ اور اگر ان چیزوں سے بھی پاک ہو تو شیطانی وساوس اور گناہ کے تصورات و خیالات سے خالی نہیں ہوگا۔ اور اگر ان سے بھی پاک ہو تو خداوند عالم کی قدرت و حکمت اور اس کے آثار و صفات میں نظر و فکر سے غافل رہا ہوگا۔ اور اگر اس قصور و غفلت سے بھی بری اور ہر لحاظ سے معصوم ہو تو اس ثواب سے تو بے نیاز نہیں ہوسکتا جو ''توبہ'' پر مترتب ہوتا ہے، لہٰذا گنہگار ہو یا معصوم، سب ہی کو ''توبہ'' کرنا چاہیے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝۳۱﴾

اے ایمان والو! تم سب کے سب اللہ سے توبہ کرو، تاکہ تم ہر لحاظ سے بہتری پاسکو۔[۱]

اگر انسان گناہ کا مرتکب ہو تو اسے فوراً توبہ کرنا چاہیئے اور توبہ کو تاخیر میں نہ ڈالنا چاہیے۔ ایک تو اس لئے کہ نہ معلوم کب موت کا پیغام آجائے اور توبہ کئے بغیر اس دنیا سے رختِ سفر باندھ لینا پڑے اور دوسرے یہ کہ توبہ میں تاخیر کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ توبہ کی نوبت ہی نہیں آتی اور گناہ کی عادت اس طرح اس میں راسخ ہوجاتی ہے کہ طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے اور پھر وہ بغیر کسی احساس ندامت کے گناہ پر گناہ کئے جاتا ہے جس سے دل و دماغ پر تاریکی کی تہیں چڑھ جاتی ہیں اور دل کے صفاوَ نورانیت کے ساتھ توفیق کی روشنی بھی ختم ہوجاتی ہے۔ اور جس طرح طبیعت مرض سے مغلوب ہوجائے تو صحت کے عود کرنے کی توقع نہیں رہتی، اسی طرح گناہ کے رگ و پے میں سرایت کرنے کے بعد گنہگار لاعلاج ہوجاتا ہے، لہٰذا اس یاس آفرین حالت کے پیدا ہونے سے پہلے توبہ کرلینا چاہیے۔ اور یہ توبہ اس کی دلیل ہے کہ ابھی دل فطری سلامتی پر باقی ہے جس نے احساس ندامت پیدا کرکے

---

[۱] سورۂ نور، آیت ۳۱۔

توبہ کی طرف متوجہ کیا ہے اور یہ خداوند عالم کا انتہائی لطف و کرم ہے کہ وہ یقین موت کی صورت کے علاوہ ہر صورت میں توبہ قبول فرماتا ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ﴾

وہی تو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا اور گناہوں کو معاف کرتا ہے۔[1]

اور پیغمبر اکرمﷺ سے مروی ہے کہ: اگر بندہ اپنے مرنے سے ایک سال پہلے توبہ کرلے، تو خدا اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔ پھر فرمایا کہ: سال بھر کی مدت تو بہت زیادہ ہے، اگر مرنے سے ایک مہینہ بھی پہلے توبہ کرلے تو خدا قبول کرے گا۔ پھر فرمایا کہ: ایک مہینہ بھی بہت ہے، اگر مرنے سے ایک دن پہلے توبہ کرلے تو خدا قبول فرمانے والا ہے۔ پھر فرمایا کہ: ایک دن بھی بہت ہے، اگر موت سے ایک ساعت بھی پہلے توبہ کرلے تو خداوند عالم اپنی رحمت سے اس کی توبہ قبول کرلے گا اور اس کے گناہوں سے درگزر فرمائے گا۔[2]

''توبہ'' صرف گناہوں کو دور کرنے ہی کا ذریعہ نہیں ہے، بلکہ ثواب عظیم اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و محبت بھی اس سے وابستہ ہے۔ چنانچہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهٖ مِنْ رَّجُلٍ اَضَلَّ رَاحِلَتَهٗ وَ زَادَهٗ فِيْ لَيْلَةٍ ظَلْمَآءَ فَوَجَدَهَا.

خداوند عالم اس شخص سے بھی زیادہ اپنے بندہ کی توبہ سے خوش ہوتا ہے جو اندھیری رات میں اپنی سواری اور زاد راہ کھو کر اچانک اسے پالے۔[3]

☆☆☆☆☆

---

[1] سورۂ شوریٰ، آیت ۳۵۔

[2] اِنَّهٗ مَنْ تَابَ قَبْلَ مَوْتِهٖ بِسَنَةٍ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: وَاِنَّ السَّنَةَ لَكَثِيْرٌ، مَنْ تَابَ قَبْلَ مَوْتِهٖ بِشَهْرٍ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: وَ شَهْرٌ كَثِيْرٌ، مَنْ تَابَ قَبْلَ مَوْتِهٖ بِجُمْعَةٍ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: وَ جُمْعَةٌ كَثِيْرٌ، مَنْ تَابَ قَبْلَ اَنْ يَّمُوْتَ بِيَوْمٍ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: وَ يَوْمٌ كَثِيْرٌ، مَنْ تَابَ قَبْلَ اَنْ يَّمُوْتَ بِسَاعَةٍ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: وَ سَاعَةٌ كَثِيْرَةٌ، مَنْ تَابَ وَ قَدْ بَلَغَتْ نَفْسُهٗ هٰذِهٖ۔ وَ اَوْمَاَ بِيَدِهٖ اِلٰى حَلْقِهٖ۔ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ. (وسائل الشیعہ، ج۱۶، ص۹۱۔ روح المعانی، ج۴، ص۲۳۸)

[3] الکافی، ج۲، ص۴۳۵۔

(۳۲)وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

بَعْدَ الْفَرَاغِ مِنْ صَلَاةِ اللَّيْلِ لِنَفْسِهٖ فِي الِاعْتِرَافِ بِالذَّنْبِ:

اَللّٰهُمَّ يَا ذَا الْمُلْكِ الْمُتَاَبِّدِ بِالْخُلُوْدِ وَ السُّلْطَانِ الْمُمْتَنِعِ بِغَيْرِ جُنُوْدٍ وَ لَآ اَعْوَانٍ، وَ الْعِزِّ الْبَاقِيْ عَلٰى مَرِّ الدُّهُوْرِ وَ خَوَالِي الْاَعْوَامِ، وَ مَوَاضِي الْاَزْمَانِ وَ الْاَيَّامِ، عَزَّ سُلْطَانُكَ عِزًّا لَّا حَدَّ لَهٗ بِاَوَّلِيَّةٍ، وَ لَا مُنْتَهٰى لَهٗ بِاٰخِرِيَّةٍ، وَ اسْتَعْلٰى مُلْكُكَ عَلُوًّا سَقَطَتِ الْاَشْيَآءُ دُوْنَ بُلُوْغِ اَمَدِهٖ وَ لَا يَبْلُغُ اَدْنٰى مَا اسْتَاْثَرْتَ بِهٖ مِنْ ذٰلِكَ اَقْصٰى نَعْتِ النَّاعِتِيْنَ، ضَلَّتْ فِيْكَ الصِّفَاتُ، وَ تَفَسَّخَتْ دُوْنَكَ النُّعُوْتُ، وَ حَارَتْ فِيْ كِبْرِيَآئِكَ لَطَآئِفُ الْاَوْهَامِ.

كَذٰلِكَ اَنْتَ اللّٰهُ الْاَوَّلُ فِيْٓ اَوَّلِيَّتِكَ، وَ عَلٰى ذٰلِكَ اَنْتَ دَآئِمٌ لَّا تَزُوْلُ، وَ اَنَا الْعَبْدُ الضَّعِيْفُ عَمَلًا، الْجَسِيْمُ اَمَلًا، خَرَجَتْ مِنْ يَدِيَ اَسْبَابُ الْوُصُلَاتِ اِلَّا مَا وَصَلَهٗ رَحْمَتُكَ، وَ تَقَطَّعَتْ عَنِّيْ عِصَمُ الْاٰمَالِ اِلَّا مَآ اَنَا مُعْتَصِمٌ بِهٖ مِنْ عَفْوِكَ، قَلَّ عِنْدِيْ مَآ اَعْتَدُّ بِهٖ مِنْ طَاعَتِكَ،

دُعا (۳۲)

اعترافِ گناہ کے سلسلہ میں حضرتؑ کی دُعا جسے نمازِ شب کے بعد پڑھتے:

اے اللہ! اے دائمی و ابدی بادشاہی والے اور لشکر و اعوان کے بغیر مضبوط فرمانروائی والے اور ایسی عزت و رفعت والے جو صدیوں، سالوں، زمانوں اور دنوں کے بیتنے گزرنے کے باوجود پائندہ و برقرار ہے، تیری بادشاہی ایسی غالب ہے جس کی ابتدا کی کوئی حد ہے اور نہ انتہا کا کوئی آخری کنارا ہے، اور تیری جہانداری کا پایہ اتنا بلند ہے کہ تمام چیزیں اس کی بلندی کو چھونے سے قاصر ہیں، اور تعریف کرنے والوں کی انتہائی تعریف تیری اس بلندی کے پست ترین درجہ تک بھی نہیں پہنچ سکتی جسے تو نے اپنے لئے مخصوص کیا ہے، صفتوں کے کارواں تیرے بارے میں سرگرداں ہیں، اور توصیفی الفاظ تیرے لائق حال مدح تک پہنچنے سے عاجز ہیں، اور نازک تصورات تیرے مقام کبریائی میں ششدر و حیران ہیں۔

تو وہ خدائے ازلی ہے جو ازل ہی سے ایسا ہے، اور ہمیشہ بغیر زوال کے ایسا ہی رہے گا، میں تیرا وہ بندہ ہوں جس کا عمل کمزور اور سرمایۂ امید زیادہ ہے، میرے ہاتھ سے تعلق و وابستگی کے رشتے جاتے رہے ہیں مگر وہ رشتہ جسے تیری رحمت نے جوڑ دیا ہے، اور امیدوں کے وسیلے بھی ایک ایک کر کے ٹوٹ گئے ہیں مگر تیرے عفو و درگزر کا وسیلہ جس پر سہارا کئے ہوئے ہوں، تیری اطاعت جسے کسی شمار میں لاسکوں نہ ہونے کے برابر ہے، اور وہ معصیت

وَ كَثُرَ عَلَيَّ مَآ اَبُوْٓءُ بِهٖ مِنْ مَّعْصِيَتِكَ، وَ لَنْ يَّضِيْقَ عَلَيْكَ عَفْوٌ عَنْ عَبْدِكَ وَ اِنْ اَسَآءَ، فَاعْفُ عَنِّيْ.

جس میں گرفتار ہوں بہت زیادہ ہے، تجھے اپنے کسی بندے کو معاف کردینا اگرچہ وہ کتنا ہی برا کیوں نہ ہو دشوار نہیں ہے، تو پھر مجھے بھی معاف کردے۔

اَللّٰهُمَّ وَ قَدْ اَشْرَفَ عَلٰى خَفَايَا الْاَعْمَالِ عِلْمُكَ، وَ انْكَشَفَ كُلُّ مَسْتُوْرٍ دُوْنَ خُبْرِكَ، وَ لَا تَنْطَوِيْ عَنْكَ دَقَآئِقُ الْاُمُوْرِ، وَ لَا تَعْزُبُ عَنْكَ غَيِّبَاتُ السَّرَآئِرِ، وَ قَدِ اسْتَحْوَذَ عَلَيَّ عَدُوُّكَ الَّذِي اسْتَنْظَرَكَ لِغَوَايَتِيْ فَاَنْظَرْتَهٗ، وَ اسْتَمْهَلَكَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ لِاِضْلَالِيْ فَاَمْهَلْتَهٗ، فَاَوْقَعَنِيْ وَ قَدْ هَرَبْتُ اِلَيْكَ مِنْ صَغَآئِرِ ذُنُوْبٍ مُّوْبِقَةٍ، وَ كَبَآئِرِ اَعْمَالٍ مُّرْدِيَةٍ، حَتّٰٓى اِذَا قَارَفْتُ مَعْصِيَتَكَ، وَ اسْتَوْجَبْتُ بِسُوْٓءِ سَعْيِيْ سَخْطَتَكَ، فَتَلَ عَنِّيْ عِذَارَ غَدْرِهٖ، وَ تَلَقَّانِيْ بِكَلِمَةِ كُفْرِهٖ، وَ تَوَلَّى الْبَرَآءَةَ مِنِّيْ، وَ اَدْبَرَ مُوَلِّيًا عَنِّيْ، فَاَصْحَرَنِيْ لِغَضَبِكَ فَرِيْدًا، وَ اَخْرَجَنِيْٓ اِلٰى فِنَآءِ نَقِمَتِكَ طَرِيْدًا.

اے اللہ تیرا علم تمام پوشیدہ اعمال پر محیط ہے، اور تیرے علم واطلاع کے آگے ہر مخفی چیز ظاہر وآشکارا ہے، اور باریک سے باریک چیزیں بھی تیری نظر سے پوشیدہ نہیں ہیں، اور نہ رازہائے درون پردہ تجھ سے مخفی ہیں، تیرا وہ دشمن جس نے میرے بے راہرو ہونے کے سلسلہ میں تجھ سے مہلت مانگی اور تونے اسے مہلت دی، اور مجھے گمراہ کرنے کیلئے روز قیامت تک فرصت طلب کی اور تونے اسے فرصت دی، مجھ پر غالب آگیا ہے، اور جبکہ میں ہلاک کرنے والے صغیرہ گناہوں اور تباہ کرنے والے کبیرہ گناہوں سے تیرے دامن میں پناہ لینے کیلئے بڑھ رہا تھا اس نے مجھے آگرایا، اور جب میں گناہ کا مرتکب ہوا اور اپنی بداعمالی کی وجہ سے تیری ناراضی کا مستحق بنا تو اس نے اپنے حیلہ وفریب کی باگ مجھ سے موڑ لی، اور اپنے کلمۂ کفر کے ساتھ میرے سامنے آگیا، اور مجھ سے بیزاری کا اظہار کیا، اور میری جانب سے پیٹھ پھرا کر چل دیا، اور مجھے کھلے میدان میں تیرے غضب کے سامنے اکیلا چھوڑ دیا، اور تیرے انتقام کی منزل میں مجھے کھینچ تان کرلے آیا۔

لَا شَفِيْعٌ يَّشْفَعُ لِيْٓ اِلَيْكَ، وَ لَا خَفِيْرٌ يُّؤْمِنُنِيْ عَلَيْكَ، وَ لَا حِصْنٌ يَّحْجُبُنِيْ

اس حالت میں کہ نہ کوئی سفارش کرنے والا تھا جو تجھ سے میری سفارش کرے، اور نہ کوئی پناہ دینے والا تھا جو مجھے تیرے عذاب سے ڈھارس دے، اور نہ کوئی چاردیواری تھی جو مجھے تیری

عَنۡكَ، وَ لَا مَلَاذٌ اَلۡجَاُ اِلَيۡهِ مِنۡكَ.

نگاہوں سے چھپا سکے، اور نہ کوئی پناہ گاہ تھی جہاں تیرے خوف سے پناہ لے سکوں۔

فَهٰذَا مَقَامُ الۡعَآئِذِ بِكَ، وَ مَحَلُّ الۡمُعۡتَرِفِ لَكَ، فَلَا يَضِيۡقَنَّ عَنِّيۡ فَضۡلُكَ، وَ لَا يَقۡصُرَنَّ دُوۡنِيۡ عَفۡوُكَ، وَ لَآ اَكُنۡ اَخۡيَبَ عِبَادِكَ التَّآئِبِيۡنَ، وَ لَآ اَقۡنَطَ وُفُوۡدِكَ الۡاٰمِلِيۡنَ، وَ اغۡفِرۡ لِيۡ، اِنَّكَ خَيۡرُ الۡغَافِرِيۡنَ.

اب یہ منزل میرے پناہ مانگنے اور یہ مقام میرے گناہوں کے اعتراف کرنے کا، لہٰذا ایسا نہ ہو کہ تیرے دامن فضل (کی وسعتیں) میرے لئے تنگ ہو جائیں اور عفو و درگزر مجھ تک پہنچنے ہی نہ پائے، اور نہ توبہ گزار بندوں میں سب سے زیادہ ناکام ثابت ہوں، اور نہ تیرے پاس امیدیں لے کر آنے والوں میں سب سے زیادہ ناامید رہوں، (بارالٰہا!) مجھے بخش دے، اس لئے کہ تو بخشنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ اَمَرۡتَنِيۡ فَتَرَكۡتُ، وَ نَهَيۡتَنِيۡ فَرَكِبۡتُ، وَ سَوَّلَ لِيَ الۡخَطَآءَ خَاطِرُ السُّوۡٓءِ فَفَرَّطۡتُ، وَ لَآ اَسۡتَشۡهِدُ عَلٰى صِيَامِيۡ نَهَارًا، وَ لَآ اَسۡتَجِيۡرُ بِتَهَجُّدِيۡ لَيۡلًا، وَ لَا تُثۡنِيۡ عَلَيَّ بِاِحۡيَآئِهَا سُنَّةٌ، حَاشَا فُرُوۡضِكَ الَّتِيۡ مَنۡ ضَيَّعَهَا هَلَكَ، وَ لَسۡتُ اَتَوَسَّلُ اِلَيۡكَ بِفَضۡلِ نَافِلَةٍ مَّعَ كَثِيۡرِ مَآ اَغۡفَلۡتُ مِنۡ وَّظَآئِفِ فُرُوۡضِكَ، وَ تَعَدَّيۡتُ عَنۡ مَّقَامَاتِ حُدُوۡدِكَ اِلٰى حُرُمَاتٍ انۡتَهَكۡتُهَا، وَ كَبَآئِرِ ذُنُوۡبٍ اجۡتَرَحۡتُهَا، كَانَتۡ عَافِيَتُكَ لِيۡ مِنۡ فَضَآئِحِهَا سِتۡرًا.

اے اللہ! تو نے مجھے (اطاعت کا) حکم دیا مگر میں اسے بجا نہ لایا، اور (برے اعمال سے) مجھے روکا مگر ان کا مرتکب ہوتا رہا، اور برے خیالات نے جب گناہ کو خوشنما کر کے دکھایا تو (تیرے احکام میں) کوتاہی کی، میں نہ روزہ رکھنے کی وجہ سے دن کو گواہ بنا سکتا ہوں، اور نہ نماز شب کی وجہ سے رات کو اپنی سپر بنا سکتا ہوں، اور نہ کسی سنّت کو میں نے زندہ کیا ہے کہ اس سے تحسین وثنا کی توقع کروں سوائے تیرے واجبات کے کہ جو انہیں ضائع کرے، وہ بہرحال ہلاک و تباہ ہوگا اور نوافل کے فضل و شرف کی وجہ سے بھی تجھ سے توسل نہیں کر سکتا، درصورتیکہ تیرے واجبات کے بہت سے شرائط سے غفلت کرتا رہا، اور تیرے احکام کے حدود سے تجاوز کرتا ہوا محارم شریعت کا دامن چاک کرتا رہا، اور کبیرہ گناہوں کا مرتکب ہوتا رہا جن کی رسوائیوں سے صرف تیرا دامن عفو رحمت پردہ پوش رہا۔

وَ هٰذَا مَقَامُ مَنِ اسْتَحْيَا لِنَفْسِهٖ مِنْكَ، وَ سَخِطَ عَلَيْهَا، وَ رَضِيَ عَنْكَ، فَتَلَقَّاكَ بِنَفْسٍ خَاشِعَةٍ، وَ رَقَبَةٍ خَاضِعَةٍ، وَ ظَهْرٍ مُّثْقَلٍ مِّنَ الْخَطَايَا، وَاقِفًا بَيْنَ الرَّغْبَةِ اِلَيْكَ وَ الرَّهْبَةِ مِنْكَ، وَ اَنْتَ اَوْلٰى مَنْ رَّجَاهُ، وَ اَحَقُّ مَنْ خَشِيَهٗ وَ اتَّقَاهُ، فَاَعْطِنِيْ يَا رَبِّ مَا رَجَوْتُ، وَ اٰمِنِّيْ مَا حَذِرْتُ، وَ عُدْ عَلَيَّ بِعَآئِدَةِ رَحْمَتِكَ، اِنَّكَ اَكْرَمُ الْمَسْئُوْلِيْنَ.

یہ (میرا موقف) اس شخص کا موقف ہے جو تجھ سے شرم و حیا کرتے ہوئے اپنے نفس کو برائیوں سے روکتا ہو، اور اس پر ناراض ہو اور تجھ سے راضی ہو، اور تیرے سامنے خوفزدہ دل، خمیدہ گردن اور گناہوں سے بوجھل پیٹھ کے ساتھ امید و بیم کی حالت میں ایستادہ ہو، اور تو ان سب سے زیادہ سزاوار ہے جن سے اس نے آس لگائی، اور ان سب سے زیادہ حقدار ہے جن سے وہ ہراساں و خائف ہوا، اے میرے پروردگار! جب یہی حالت میری ہے تو مجھے بھی وہ چیز مرحمت فرما جس کا میں امیدوار ہوں، اور اس چیز سے مطمئن کر جس سے خائف ہوں، اور اپنی رحمت کے انعام سے مجھ پر احسان فرما۔ اس لئے کہ تو ان تمام لوگوں سے جن سے سوال کیا جاتا ہے زیادہ سخی و کریم ہے۔

اَللّٰهُمَّ وَ اِذْ سَتَرْتَنِيْ بِعَفْوِكَ، وَ تَغَمَّدْتَنِيْ بِفَضْلِكَ فِيْ دَارِ الْفَنَآءِ بِحَضْرَةِ الْاَكْفَآءِ، فَاَجِرْنِيْ مِنْ فَضِيْحَاتِ دَارِ الْبَقَآءِ عِنْدَ مَوَاقِفِ الْاَشْهَادِ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ، وَ الرُّسُلِ الْمُكَرَّمِيْنَ، وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ، مِنْ جَارٍ كُنْتُ اُكَاتِمُهٗ سَيِّئَاتِيْ، وَ مِنْ ذِيْ رَحِمٍ كُنْتُ اَحْتَشِمُ مِنْهُ فِيْ سَرِيْرَاتِيْ، لَمْ اَثِقْ بِهِمْ رَبِّ فِي السِّتْرِ عَلَيَّ، وَ وَثِقْتُ بِكَ رَبِّ فِي الْمَغْفِرَةِ لِيْ، وَ اَنْتَ اَوْلٰى مَنْ وُّثِقَ بِهٖ،

اے اللہ! جبکہ تو نے مجھے اپنے دامن عفو میں چھپا لیا ہے، اور ہمسروں کے سامنے اس دار فنا میں فضل و کرم کا جامہ پہنایا ہے، تو دار بقا کی رسوائیوں سے بھی پناہ دے، اس مقام پر کہ جہاں مقرب فرشتے، معزز و باوقار پیغمبرؑ، شہید و صالح افراد سب حاضر ہوں گے، کچھ تو ہمسائے ہوں گے جن سے میں اپنی برائیوں کو چھپاتا رہا ہوں، اور کچھ خویش و اقارب ہوں گے جن سے میں اپنے پوشیدہ کاموں میں شرم و حیا کرتا رہا ہوں، اے میرے پروردگار! میں نے اپنی پردہ پوشی میں ان پر بھروسا نہیں کیا، اور مغفرت کے بارے میں پروردگارا تجھ پر اعتماد کیا ہے، اور تو ان تمام لوگوں سے جن پر اعتماد کیا جاتا ہے زیادہ سزاوار اعتماد ہے، اور ان سب سے زیادہ عطا کرنے والا ہے جن کی طرف رجوع ہوا

وَ اَعْطٰى مَنْ رُّغِبَ اِلَيْهِ، وَ اَرْاَفُ مَنِ اسْتُرْحِمَ، فَارْحَمْنِيْ.

جا تا ہے، اور ان سب سے زیادہ مہربان ہے جن سے رحم کی التجا کی جاتی ہے، لہٰذا مجھ پر رحم فرما۔

اَللّٰهُمَّ وَ اَنْتَ حَدَرْتَنِيْ مَآءً مَّهِيْنًا مِّنْ صُلْبٍ مُّتَضَايِقِ الْعِظَامِ، حَرِجِ الْمَسَالِكِ اِلٰى رَحِمٍ ضَيِّقَةٍ سَتَرْتَهَا بِالْحُجُبِ، تُصَرِّفُنِيْ حَالًا عَنْ حَالٍ حَتّٰى انْتَهَيْتَ بِيْٓ اِلٰى تَمَامِ الصُّوْرَةِ، وَ اَثْبَتَّ فِيَّ الْجَوَارِحَ كَمَا نَعَتَّ فِيْ كِتَابِكَ: نُطْفَةً ثُمَّ عَلَقَةً ثُمَّ مُضْغَةً ثُمَّ عَظْمًا ثُمَّ كَسَوْتَ الْعِظَامَ لَحْمًا، ثُمَّ اَنْشَاْتَنِيْ خَلْقًا اٰخَرَ كَمَا شِئْتَ، حَتّٰٓى اِذَا احْتَجْتُ اِلٰى رِزْقِكَ، وَ لَمْ اَسْتَغْنِ عَنْ غِيَاثِ فَضْلِكَ، جَعَلْتَ لِيْ قُوْتًا مِّنْ فَضْلِ طَعَامٍ وَّ شَرَابٍ، اَجْرَيْتَهٗ لِاَمَتِكَ الَّتِيْٓ اَسْكَنْتَنِيْ جَوْفَهَا، وَ اَوْدَعْتَنِيْ قَرَارَ رَحِمِهَا.

اے اللہ! تو نے مجھے باہم پیوستہ ہڈیوں اور تنگ راہوں والی صلب سے تنگ نائے رحم میں کہ جسے تو نے پردوں میں چھپا رکھا ہے ایک ذلیل پانی (نطفہ) کی صورت میں اتارا، جہاں تو مجھے ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل کرتا رہا، یہاں تک کہ تو نے مجھے اس حد تک پہنچا دیا جہاں میری صورت کی تکمیل ہوگئی، پھر مجھ میں اعضاء و جوارح ودیعت کئے، جیسا کہ تو نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ (میں) پہلے نطفہ تھا، پھر منجمد خون ہوا، پھر گوشت کا ایک لوتھڑا، پھر ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ، پھر ان ہڈیوں پر گوشت کی تہیں چڑھا دیں، پھر جیسا تو نے چاہا ایک دوسری طرح کی مخلوق بنا دیا، اور جب میں تیری روزی کا محتاج ہوا اور تیرے لطف و احسان کی دستگیری سے بے نیاز نہ رہ سکا تو تو نے اس بچے ہوئے کھانے پانی میں سے جسے تو نے اس کنیز کیلئے جاری کیا تھا جس کے شکم میں تو نے مجھے ٹھہرا دیا اور جس کے رحم میں مجھے ودیعت کیا تھا، میری روزی کا سر و سامان کر دیا۔

وَ لَوْ تَكِلُنِيْ يَا رَبِّ فِيْ تِلْكَ الْحَالَاتِ اِلٰى حَوْلِيْ، اَوْ تَضْطَرُّنِيْٓ اِلٰى قُوَّتِيْ، لَكَانَ الْحَوْلُ عَنِّيْ مُعْتَزِلًا، وَ لَكَانَتِ الْقُوَّةُ مِنِّيْ بَعِيْدَةً، فَغَذَوْتَنِيْ بِفَضْلِكَ غِذَآءَ الْبَرِّ اللَّطِيْفِ، تَفْعَلُ ذٰلِكَ بِيْ تَطَوُّلًا

اے میرے پروردگار ان حالات میں اگر تو خود میری تدبیر پر مجھے چھوڑ دیتا، یا میری ہی قوت کے حوالے کر دیتا تو تدبیر مجھ سے کنارا کش اور قوت مجھ سے دور رہتی، مگر تو نے اپنے فضل و احسان سے ایک شفیق و مہربان کی طرح میری پرورش کا اہتمام کیا، جس کا تیرے فضل بے پایاں کی بدولت اس وقت تک سلسلہ جاری ہے کہ نہ تیرے حسن سلوک سے کبھی محروم رہا، اور نہ تیرے

عَلَیَّ اِلٰی غَایَتِیْ هٰذِهٖ، لَآ اَعْدَمُ بِرَّكَ، وَ لَا یُبْطِئُ بِیْ حُسْنُ صَنِیْعِكَ، وَ لَا تَتَاَكَّدُ مَعَ ذٰلِكَ ثِقَتِیْ، فَاَتَفَرَّغَ لِمَا هُوَ اَحْظٰی لِیْ عِنْدَكَ، قَدْ مَلَكَ الشَّیْطٰنُ عِنَانِیْ فِیْ سُوْٓءِ الظَّنِّ وَ ضَعْفِ الْیَقِیْنِ، فَاَنَاۤ اَشْكُوْ سُوْٓءَ مُجَاوَرَتِهٖ لِیْ، وَ طَاعَةَ نَفْسِیْ لَهٗ، وَ اَسْتَعْصِمُكَ مِنْ مَّلَكَتِهٖ، وَ اَتَضَرَّعُ اِلَیْكَ فِیْ صَرْفِ كَیْدِهٖ عَنِّیْ، وَ اَسْئَلُكَ فِیْۤ اَنْ تُسَهِّلَ اِلٰی رِزْقِیْ سَبِیْلًا.

احسانات میں کبھی تاخیر ہوئی، لیکن اس کے باوجود یقین واعتماد قوی نہ ہوا کہ میں صرف اسی کام کیلئے وقف ہو جاتا جو تیرے نزدیک میرے لئے زیادہ سومند ہے، (اس بے یقینی کا سبب یہ ہے کہ) بدگمانی اور کمزوریٔ یقین کے سلسلہ میں میری باگ شیطان کے ہاتھ میں ہے، اس لئے میں اس کی بد ہمسائیگی اور اپنے نفس کی فرمانبرداری کا شکوہ کرتا ہوں، اوراس کے تسلط سے تیرے دامن میں حفظ ونگہداشت کا طالب ہوں، اور تجھ سے عاجزی کے ساتھ التجا کرتا ہوں کہ اس کے مکر وفریب کا رخ مجھ سے موڑ دے، اور تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میری روزی کی آسان سبیل پیدا کردے۔

فَلَكَ الْحَمْدُ عَلَی ابْتِدَآئِكَ بِالنِّعَمِ الْجِسَامِ، وَ اِلْهَامِكَ الشُّكْرَ عَلَی الْاِحْسَانِ وَ الْاِنْعَامِ، فَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ سَهِّلْ عَلَیَّ رِزْقِیْ، وَ اَنْ تُقَنِّعَنِیْ بِتَقْدِیْرِكَ لِیْ، وَ اَنْ تُرْضِیَنِیْ بِحِصَّتِیْ فِیْمَا قَسَمْتَ لِیْ، وَ اَنْ تَجْعَلَ مَا ذَهَبَ مِنْ جِسْمِیْ وَ عُمُرِیْ فِیْ سَبِیْلِ طَاعَتِكَ، اِنَّكَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ.

تیرے ہی لئے حمد وستائش ہے کہ تو نے ازخود بلند پایہ نعمتیں عطا کیں، اوراحسان وانعام پر (دل میں) شکر کا القاء کیا، تو محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور میرے لئے روزی کو سہل وآسان کردے، اور جو اندازہ میرے لئے مقرر کیا ہے اس پر قناعت کی توفیق دے، اور جو حصہ میرے لئے معین کیا ہے اس پر مجھے راضی کردے، اور جو جسم کام میں آچکا اور جو عمر گزر چکی ہے اسے اپنی اطاعت کی راہ میں محسوب فرما، بلاشبہ تو اسباب رزق مہیا کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ نَّارٍ تَغَلَّظْتَ بِهَا عَلٰی مَنْ عَصَاكَ، وَ تَوَعَّدْتَّ بِهَا مَنْ صَدَفَ عَنْ رِضَاكَ، وَ مِنْ نَّارٍ نُّوْرُهَا ظُلْمَةٌ،

بارالٰہا! میں اس آگ سے پناہ مانگتا ہوں جسکے ذریعہ تو نے اپنے نافرمانوں کی سخت گرفت کی ہے، اور جس سے تو نے ان لوگوں کو جنہوں نے تیری رضا وخوشنودی سے رخ موڑ لیا ڈرایا دھمکایا ہے، اوراس آتش جہنم سے پناہ مانگتا ہوں جس میں روشنی

وَ هَيِّنُهَآ اَلِيْمٌ، وَ بَعِيْدُهَا قَرِيْبٌ، وَ مِنْ نَّارٍ يَّاْكُلُ بَعْضَهَا بَعْضٌ، وَ يَصُوْلُ بَعْضُهَا عَلٰى بَعْضٍ، وَ مِنْ نَّارٍ تَذَرُ الْعِظَامَ رَمِيْمًا، وَ تَسْقِيْ اَهْلَهَا حَمِيْمًا، وَ مِنْ نَّارٍ لَّا تُبْقِيْ عَلٰى مَنْ تَضَرَّعَ اِلَيْهَا، وَ لَا تَرْحَمُ مَنِ اسْتَعْطَفَهَا، وَ لَا تَقْدِرُ عَلَى التَّخْفِيْفِ عَمَّنْ خَشَعَ لَهَا وَ اسْتَسْلَمَ اِلَيْهَا، تَلْقٰى سُكَّانَهَا بِاَحَرِّ مَا لَدَيْهَا مِنْ اَلِيْمِ النَّكَالِ، وَ شَدِيْدِ الْوَبَالِ.

وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَقَارِبِهَا الْفَاغِرَةِ اَفْوَاهُهَا، وَ حَيَّاتِهَا الصَّالِقَةِ بِاَنْيَابِهَا، وَ شَرَابِهَا الَّذِيْ يُقَطِّعُ اَمْعَآءَ وَ اَفْئِدَةَ سُكَّانِهَا، وَ يَنْزِعُ قُلُوْبَهُمْ، وَ اَسْتَهْدِيْكَ لِمَا بَاعَدَ مِنْهَا، وَ اَخَّرَ عَنْهَا.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اَجِرْنِيْ مِنْهَا بِفَضْلِ رَحْمَتِكَ، وَ اَقِلْنِيْ عَثَرَاتِيْ بِحُسْنِ اِقَالَتِكَ، وَ لَا تَخْذُلْنِيْ يَا خَيْرَ الْمُجِيْرِيْنَ.

کے بجائے اندھیرا، جس کا خفیف لپکا بھی انتہائی تکلیف دہ اور جو کوسوں دور ہونے کے باوجود (گرمی و تپش کے لحاظ سے) قریب ہے، اور اس آگ سے پناہ مانگتا ہوں جو آپس میں ایک دوسرے کو کھا لیتی ہے اور ایک دوسرے پر حملہ آور ہوتی ہے، اور اس آگ سے پناہ مانگتا ہوں جو ہڈیوں کو خاکستر کر دے گی اور دوزخیوں کو کھولتا ہوا پانی پلائے گی، اور اس آگ سے کہ جو اس کے آگے گڑ گڑائے گا اس پر ترس نہیں کھائے گی، اور جو اس سے رحم کی التجا کرے گا اس پر رحم نہیں کرے گی، اور جو اسکے سامنے فروتنی کرے گا اور خود کو اس کے حوالے کر دے گا اس پر کسی طرح کی تخفیف کا اسے اختیار نہیں ہوگا، وہ دردناک عذاب اور شدید عقاب کی شعلہ سامانیوں کے ساتھ اپنے رہنے والوں کا سامنا کرے گی۔

(بارالٰہا!) میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں جہنم کے بچھوؤں سے جن کے منہ کھلے ہوئے ہوں گے، اور ان سانپوں سے جو دانتوں کو پیس پیس کر پھنکار رہے ہوں گے، اور اس کے کھولتے ہوئے پانی سے جو انتڑیوں اور دلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا، اور (سینوں کو چیر کر) دلوں کو نکال لے گا۔ خدایا! میں تجھ سے توفیق مانگتا ہوں ان باتوں کی جو اس آگ سے دور کریں اور اسے پیچھے ہٹا دیں۔

خداوندا! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور مجھے اپنی رحمت فراواں کے ذریعہ اس آگ سے پناہ دے، اور حسن درگزر سے کام لیتے ہوئے میری لغزشوں کو معاف کر دے، اور مجھے محروم و ناکام نہ کر، اے پناہ دینے والوں میں سب سے بہتر پناہ دینے والے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ تَقِي الْكَرِيْهَةَ، وَ تُعْطِي الْحَسَنَةَ، وَ تَفْعَلُ مَا تُرِيْدُ، وَ اَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ.

خدایا تو سختی و مصیبت سے بچاتا اور اچھی نعمتیں عطا کرتا اور جو چاہے وہ کرتا ہے اور تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، اِذَا ذُكِرَ الْاَبْرَارُ، وَ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، مَا اخْتَلَفَ اللَّيْلُ وَ النَّهَارُ، صَلٰوةً لَّا يَنْقَطِعُ مَدَدُهَا، وَ لَا يُحْصٰى عَدَدُهَا، صَلَاةً تَشْحَنُ الْهَوَآءَ، وَ تَمْلَاُ الْاَرْضَ وَ السَّمَآءَ.

اے اللہ! جب بھی نیکو کاروں کا ذکر آئے تو محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور جب تک شب و روز کے آنے جانے کا سلسلہ قائم رہے تو محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما، ایسی رحمت جس کا ذخیرہ ختم نہ ہو اور جس کی گنتی شمار نہ ہو سکے، ایسی رحمت جو فضائے عالم کو پر کر دے اور زمین و آسمان کو بھر دے۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ حَتّٰى يَرْضٰى، وَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ بَعْدَ الرِّضَا، صَلَاةً لَّا حَدَّ لَهَا وَ لَا مُنْتَهٰى، يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.

خدا ان پر رحمت نازل کرے اس حد تک کہ وہ خوشنود ہو جائیں، اور خوشنودی کے بعد بھی انؐ پر اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل کرتا رہے، ایسی رحمت جس کی نہ کوئی حد ہو اور نہ کوئی انتہا، اے تمام رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے۔

--☆☆--

اس دُعا کو نمازِ شب کے بعد پڑھنا چاہیے۔ نمازِ شب کا اطلاق کبھی آٹھ رکعتوں پر ہوتا ہے اور کبھی شفع و وتر کی نمازوں کو ملا کر گیارہ رکعتوں پر اور کبھی نافلۂ صبح کو بھی ان کے ساتھ ملا کر تیرہ رکعتوں پر۔ علامہ سید علی خانؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ:

شیخ الطائفہ شیخ ابوجعفر طوسیؒ نے "مصباح" میں اور شیخ بہاؤ الدین عاملی نے "مفتاح" میں لکھا ہے کہ: اسے تیرہ رکعتوں کے بعد پڑھنا چاہئے اور کفعمی رحمہ اللہ نے اس دُعا کو نقل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ: اسے گیارہ رکعتوں کے بعد پڑھنا چاہیے۔[1]

بہر حال خواہ تیرہ رکعتوں کے بعد پڑھے یا گیارہ رکعتوں کے یا آٹھ رکعتوں کے، تینوں صورتوں میں اسے پڑھا جا سکتا ہے۔

نمازِ شب کا آسان و مختصر طریقہ یہ ہے کہ: نصف شب کے بعد دو دو رکعت کر کے آٹھ نوافل پڑھے۔ پہلی رکعت میں حمد اور سورۂ توحید اور دوسری رکعت میں حمد اور سورۂ قل یا ایہا الکافرون یا سورۂ توحید پڑھے اور دوسری رکعتوں میں حمد اور جو سورہ چاہے پڑھے، اور ہر دوسری رکعت میں قبل

[1] ریاض السالکین، ج ۵، ص ۱۱۔

رکوع قنوت پڑھے جس میں تین مرتبہ سبحان اللہ کہہ لینا کافی ہے۔اس کے بعد دو رکعت نماز شفع پڑھے اور دونوں رکعتوں میں سورۃ حمد کے بعد سورہ توحید پڑھے۔نماز شفع کے بعد ایک رکعت نماز وتر پڑھے اور اس میں بھی سورہ حمد و سورہ توحید پڑھے اور قبل رکوع قنوت بھی پڑھے اور مستحب ہے کہ قنوت میں چالیس افراد کیلئے نام بنام دُعا مانگے اور پھر رکوع و سجود و تشہد کے بعد نماز تمام کرے اور بعد ختم نماز تسبیح حضرت زہرا سلام اللہ علیہا پڑھے۔

نماز شب کا وقت اگرچہ نصف شب کے بعد شروع ہو جاتا ہے، مگر جس قدر صبح صادق کے قریب ہو اتنا بہتر ہے اور اگر کوئی عذر مانع ہو تو نصف شب سے پہلے بھی پڑھی جا سکتی ہے، لیکن اس سے بہتر یہ ہے کہ بعد میں بہ نیت قضا پڑھے، اور اگر طلوع صبح صادق سے پہلے چار رکعت پڑھ چکا ہو تو پھر بقیہ رکعتیں بھی ادا کرلے اور اس صورت میں صرف سورۂ حمد پر اکتفا کرے۔

☆☆☆☆☆

(۳۳) وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

فِي الْاِسْتِخَارَةِ

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْٓ اَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ، فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اقْضِ لِيْ بِالْخِيَرَةِ، وَ اَلْهِمْنَا مَعْرِفَةَ الْاِخْتِيَارِ، وَ اجْعَلْ ذٰلِكَ ذَرِيْعَةً اِلَى الرِّضَا بِمَا قَضَيْتَ لَنَا وَ التَّسْلِيْمِ لِمَا حَكَمْتَ، فَاَزِحْ عَنَّا رَيْبَ الْاِرْتِيَابِ، وَ اَيِّدْنَا بِيَقِيْنِ الْمُخْلِصِيْنَ.

وَ لَا تَسُمْنَا عَجْزَ الْمَعْرِفَةِ عَمَّا تَخَيَّرْتَ فَنَغْمِطَ قَدْرَكَ، وَ نَكْرَهَ مَوْضِعَ رِضَاكَ، وَ نَجْنَحَ اِلَى الَّتِيْ هِيَ اَبْعَدُ مِنْ حُسْنِ الْعَاقِبَةِ، وَ اَقْرَبُ اِلٰى ضِدِّ الْعَافِيَةِ.

حَبِّبْ اِلَيْنَا مَا نَكْرَهُ مِنْ قَضَآئِكَ، وَ سَهِّلْ عَلَيْنَا مَا نَسْتَصْعِبُ مِنْ حُكْمِكَ، وَ اَلْهِمْنَا الْاِنْقِيَادَ لِمَآ اَوْرَدْتَّ عَلَيْنَا مِنْ مَشِيَّتِكَ، حَتّٰى لَا نُحِبَّ تَاْخِيْرَ مَا عَجَّلْتَ، وَ لَا تَعْجِيْلَ مَآ اَخَّرْتَ، وَ لَا نَكْرَهَ مَآ اَحْبَبْتَ، وَ لَا نَتَخَيَّرَ مَا كَرِهْتَ. وَ اخْتِمْ لَنَا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْمَدُ عَاقِبَةً، وَ اَكْرَمُ مَصِيْرًا،

دُعا (۳۳)

دُعائے استخارہ

بارالٰہا! میں تیرے علم کے ذریعہ تجھ سے خیر و بہبود چاہتا ہوں، تو محمدؐ اوران کی آلؑ پر رحمت نازل کراور میرے لئے اچھائی کا فیصلہ صادر فرما، اور ہمارے دل میں اپنے فیصلہ (کی حکمت و مصلحت) کا القا کر، اوراسے ایک ذریعہ قرار دے کہ ہم تیرے فیصلہ پر راضی رہیں، اور تیرے حکم کے آگے سرتسلیم خم کریں، اس طرح ہم سے شک کی خلش دور کر دے، اور مخلصین کا یقین ہمارے اندر پیدا کر کے ہمیں تقویت دے۔

اور ہمیں خود ہمارے حوالے نہ کر دے کہ جو تو نے فیصلہ کیا ہے اس کی معرفت سے عاجز رہیں، اور تیری قدرو منزلت کو سبک سمجھیں، اور جس چیز سے تیری رضا وابستہ ہے اسے ناپسند کریں، اور جو چیز انجام کی خوبی سے دور اور عافیت کی ضد سے قریب ہو اس کی طرف مائل ہو جائیں۔

تیرے جس فیصلہ کو ہم ناپسند کریں وہ ہماری نظروں میں پسندیدہ بنا دے، اور جسے ہم دشوار سمجھیں اسے ہمارے لئے سہل و آسان کر دے، اور جس مشیت و ارادہ کو ہم سے متعلق کیا ہے اس کی اطاعت ہمارے دل میں القا کر، یہاں تک کہ جس چیز میں تو نے تعجیل کی ہے اس میں تاخیر اور جس میں تاخیر کی ہے اس میں تعجیل نہ چاہیں، اور جسے تو نے پسند کیا ہے اسے ناپسند اور جسے ناگوار سمجھا ہے اسے اختیار نہ کریں، اور ہمارے کاموں کا اس چیز پر خاتمہ کر جو انجام کے لحاظ سے پسندیدہ اور مآل کے اعتبار

اِنَّكَ تُفِيْدُ الْكَرِيْمَةَ، وَ تُعْطِي الْجَسِيْمَةَ، وَ تَفْعَلُ مَا تُرِيْدُ، وَ اَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ.

سے بہتر ہو۔ اس لئے کہ تو نفیس و پاکیزہ چیزیں عطا کرتا اور بڑی نعمتیں بخشتا ہے اور جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے، اور تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

--☆☆--

خداوند عالم سے خیر و برکت طلب کرنا یا خیر وسعادت کی طرف رہنمائی چاہنا ’’استخارہ‘‘ کہلاتا ہے۔ جب استخارہ دُعا کی صورت میں ہو تو اس کے اثرات و نتائج مختلف صورتوں سے ظاہر ہوتے ہیں، کبھی انسان کے دل میں ایسی روشنی پیدا ہوتی ہے جس سے صحیح صورت حال منکشف ہو جاتی ہے، اسے ’’القائے غیبی‘‘ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور حضرتؑ نے اپنے ارشاد «وَ اَلْهِمْنَا مَعْرِفَةَ الْاِخْتِيَارِ» میں اسے ’’الہام‘‘ سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس کیلئے ظاہر و باطن کی پاکیزگی، قلب و نظر کی تطہیر اور اللہ تعالیٰ سے وابستگی کی ضرورت ہے، تاکہ انسان کا دل کشف و القا کا محل قرار پاسکے اور آئمہ اہل بیت علیہم السلام اپنے بعض اصحاب کو اس استخارہ کی تعلیم و تلقین فرماتے تھے۔ چنانچہ حسن ابن جہم نے امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ: فرزند رسولؐ! ہمیں سفر کرنا ہے مگر تردد ہے کہ خشکی کا سفر کریں یا پانی کا، آپؑ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا:

وَ ائْتِ الْمَسْجِدَ فِيْ غَيْرِ وَقْتِ صَلٰوةِ الْفَرِيْضَةِ فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ وَ اسْتَخِرِ اللهَ مِائَةَ مَرَّةٍ ثُمَّ انْظُرْ اَيُّ شَيْءٍ يَّقَعُ فِيْ قَلْبِكَ فَاعْمَلْ بِهٖ.

نماز فریضہ کے اوقات کے علاوہ مسجد میں جاؤ اور دو رکعت نماز پڑھو اور سو مرتبہ «اَسْتَخِيْرُ اللهَ بِرَحْمَتِهٖ» کہو، اس کے بعد دیکھو کہ تمہارے دل میں کس بات کا القاء ہوتا ہے، بس اس پر عمل کرو۔[1]

اور کبھی طلب خیر کا اثر اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ جس کام میں بہتری ہوتی ہے دل میں اس کا عزم پختہ ہو جاتا ہے اور ذہن یکسوئی کے ساتھ اس پر ٹھہر جاتا ہے۔ چنانچہ اسحٰق بن عمار کہتے ہیں کہ: میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ بعض اوقات کسی کام کا ارادہ کرتا ہوں تو کچھ لوگ اس کے موافق رائے دیتے ہیں اور کچھ خلاف اور میں کچھ طے نہیں کر سکتا کہ کن لوگوں کی رائے پر عمل کروں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ:

اِذَا كُنْتَ كَذٰلِكَ فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ وَ اسْتَخِرِ اللهَ مِائَةَ مَرَّةٍ وَ مَرَّةً ثُمَّ انْظُرْ اَحْزَمَ الْاَمْرَيْنِ لَكَ فَافْعَلْهُ، فَاِنَّ الْخِيَرَةَ فِيْهِ اِنْ شَآءَ اللهُ.

جب ایسی صورت ہو تو دو رکعت نماز پڑھو اور ایک سو ایک مرتبہ «اَسْتَخِيْرُ اللهَ بِرَحْمَتِهٖ» کہو تو ان دونوں کاموں میں سے جس میں حزم و احتیاط کا پہلو نظر آئے اسے اختیار کرو، ان شاء اللہ تعالیٰ اسی میں بہتری ہوگی۔[2]

اور کبھی طلب خیر کا اثر اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ جس امر میں بہتری ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کسی زبان سے جاری کرا دیتا ہے۔ چنانچہ ہارون ابن

---

[1] الکافی، ج ۳ ص ۴۷۱۔
[2] الکافی، ج ۳ ص ۴۷۲۔

خارجہ کہتے ہیں کہ:

سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عليه السلام يَقُوْلُ: اِذَآ اَرَادَ اَحَدُكُمْ اَمْرًا فَلَا يُشَاوِرَنَّ فِيْهِ اَحَدًا مِّنَ النَّاسِ حَتّٰى يَبْدَاَ فَيُشَاوِرَ اللّٰهَ، قُلْتُ: وَ مَا مُشَاوَرَةُ اللّٰهِ؟ قَالَ: يَبْدَاُ فَيَسْتَخِيْرُ اللّٰهَ فِيْهِ اَوَّلًا ثُمَّ يُشَاوِرُ فِيْهِ فَاِنَّهٗ اِذَا بَدَاَ بِاللّٰهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى اَجْرَى اللّٰهُ لَهُ الْخِيَرَةَ عَلٰى لِسَانِ مَنْ يَّشَآءُ مِنَ الْخَلْقِ.

میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو فرماتے سنا کہ: ''جو شخص کسی کام کو کرنا چاہے تو دوسروں سے مشورہ لینے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے مشورہ لے''۔ میں نے عرض کیا کہ: اللہ تعالیٰ سے کس طرح مشورہ لے؟ فرمایا: پہلے اس کام میں اللہ تعالیٰ سے خیر و برکت چاہے، پھر مشورہ کرے تو جب اللہ تبارک وتعالیٰ سے طلب خیر کے بعد دوسروں سے مشورہ لے گا تو اللہ تعالیٰ مخلوقات میں سے جس کی زبان سے چاہے گا ایسی بات نکلوا دے گا جو اس کے حق میں بھلائی اور بہتری کی ہو گی۔[1]

اور وہ استخارہ جو نفع و نقصان کے سلسلہ میں رہنمائی چاہنے کیلئے دیکھا جاتا ہے، جیسے تسبیح کے دانوں کا طاق و جفت ہونا، رقعوں کا ''لا'' (نہ) اور ''نعم'' (ہاں) کی صورت میں نکلنا اور آیۂ قرآنی کا ثواب و عذاب کے مضمون پر مشتمل ہونا تو یہ بھی القا و کشف کی طرح مشورۂ الٰہی کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہے جس سے ذہنی یکسوئی اور دلجمعی حاصل ہوتی ہے اور رائے میں قوت پیدا ہو جاتی ہے۔

اس استخارہ کے حسب ذیل آداب و شرائط ہیں جنہیں ملحوظ رکھنا چاہئے:

* پہلے یہ کہ استخارہ سے قبل طہارت کرے اور دو رکعت نماز پڑھے۔
* دوسرے یہ کہ دل و دماغ سے ہر طرح کے فاسد خیالات دور رکھے۔
* تیسرے یہ کہ ہمہ تن اللہ کی طرف متوجہ رہے اور دوران استخارہ میں گفتگو نہ کرے۔
* چوتھے یہ کہ جس امر کیلئے استخارہ دیکھے وہ مباح ہو اور واجبات و محرمات میں استخارہ نہ دیکھے۔ اس لئے کہ واجبات کو بہر صورت بجا لانا ہے اور محرمات سے بہر حال پرہیز کرنا ہے۔
* پانچویں یہ کہ بے محل استخارہ نہ دیکھے، اس طرح کہ استخارہ منع آنے پر کچھ توقف کے بعد پھر استخارہ کرے اس خیال سے کہ شاید اب بہتر آ جائے اور جب تک بہتر نہ آئے یونہی استخارہ دیکھتا رہے، یا کہیں جانے کیلئے استخارہ کرے اور منع آنے کی صورت میں کسی خاص راستہ کی نیت کر کے پھر استخارہ کرے یہ سمجھ کر کہ اب نیت بدل گئی ہے، یا بغیر کسی ضرورت کے بات بات پر استخارہ دیکھے۔ یہ سب بازیچہ اطفال ہے جو عموماً قوائے عقلیہ کے ضعیف اور سوچ بچار کی قوتوں کے معطل ہونے کا نتیجہ ہوتا ہے اور بعض لوگ اسے بلا وجہ صرف مظاہرہ تقدس کیلئے معمول بنا لیتے ہیں جو ریاء کی ایک قسم ہے۔

اب ذیل میں استخارہ کے تین طریقے درج کئے جاتے ہیں جو مروی اور معمول بہ ہیں:

---

[1] المحاسن، ج ۲، ص ۵۹۸۔

استخارۂ قرآنی:

قرآن سے استخارہ دیکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے تین مرتبہ سورۂ توحید اور پھر تین مرتبہ درود پڑھے اور پھر یہ دُعا پڑھے: «اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ تَفَأَّلْتُ بِكِتَابِكَ وَ تَوَكَّلْتُ عَلَيْكَ، فَاَرِنِيْ مِنْ كِتَابِكَ مَا هُوَ الْمَكْتُوْمُ مِنْ سِرِّكَ الْمَكْنُوْنِ فِيْ غَيْبِكَ»[1] اور پھر نیت کے بعد قرآن مجید کو کھولے اور اس کے پہلے صفحہ کی پہلی آیت کو دیکھے اور اس کے مضمون پر نظر کرنے کے بعد ''فعل'' (ہاں) یا ''ترک'' (ناں) کا فیصلہ کرے اس طرح کہ اگر آیت بشارت و نوید پر مشتمل ہو تو اس کام کو کرے اور اگر عذاب و وعید کے سلسلہ میں ہو تو اسے ترک کرے۔

استخارۂ ذات الرقاع:

ہارون ابن خارجہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ: جب کسی کام کا ارادہ کرو تو کاغذ کے چھ پرزوں پر «بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ خِيَرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ لِفُلَانِ بْنِ فُلَانَةَ» لکھو (''فلاں'' کی جگہ اپنا اور ''فلانۃ'' کی جگہ اپنی ماں کا نام لکھنا چاہئے) اور ان میں تین پر «اِفْعَلْ» اور تین پر «لَا تَفْعَلْ» تحریر کرو اور ان پرزوں کو ملا کر مصلے کے نیچے رکھ دو اور دو رکعت نمازِ استخارہ بجالاؤ اور بعد ختم نماز سجدہ میں سو مرتبہ «اَسْتَخِيْرُ اللّٰهَ بِرَحْمَتِهٖ خِيَرَةً فِيْ عَافِيَةٍ» کہو اور سجدہ سے سر اٹھا کر یہ دُعا پڑھو «اَللّٰهُمَّ خِرْ لِيْ وَ اخْتَرْ لِيْ فِيْ جَمِيْعِ اُمُوْرِيْ فِيْ يُسْرٍ مِّنْكَ وَ عَافِيَةٍ» پھر ایک ایک کرکے تین پرزے نکالو۔ اگر تینوں پر «اِفْعَلْ» تحریر ہو تو اس کام کو کرو اور اگر تینوں پر «لَا تَفْعَلْ» تحریر ہو تو اس کام کو نہ کرو اور اگر مختلف ہوں تو دو پرزے اور نکالو اب اگر «اِفْعَلْ» تین ہوں تو اس کام کو کرو اور لَا تَفْعَلْ» تین ہوں تو اس کام کو نہ کرو۔[2]

استخارۂ تسبیح:

یہ استخارہ بھی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ: پہلے ایک دفعہ سورۂ فاتحہ اور تین دفعہ سورۂ توحید اور پندرہ مرتبہ درود پڑھو اور اس کے بعد یہ دُعا پڑھو: «اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ الْحُسَيْنِ وَ جَدِّهٖ وَ اَبِيْهِ وَ اُمِّهٖ وَ اَخِيْهِ وَ الْاَئِمَّةِ مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ اَنْ تُصَلِّيَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ اَنْ تَجْعَلَ لِيَ الْخِيَرَةَ فِيْ هٰذِهِ السُّبْحَةِ وَ اَنْ تُرِيَنِيْ مَا هُوَ الْاَصْلَحُ لِيْ فِي الدِّيْنِ وَ الدُّنْيَا، اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ الْاَصْلَحُ فِيْ دِيْنِيْ وَ دُنْيَايَ وَ عَاجِلِ اَمْرِيْ وَ اٰجِلِهٖ فِعْلَ مَاۤ اَنَا عَازِمٌ عَلَيْهِ فَاْمُرْنِيْ وَ اِلَّا فَانْهَنِيْ، اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ»، پھر نیت کرو اور مٹھی بھر تسبیح کے دانے ہاتھ میں لو اور پہلے دانہ پر «سُبْحَانَ اللّٰهِ» اور دوسرے پر «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ» اور تیسرے پر «لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ» پڑھتے جاؤ اور آخری دانہ پر «سُبْحَانَ اللّٰهِ» ہو تو یہ استخارہ درمیانہ ہے، چاہے اس کام کو کرو یا اسے ترک کرو، اور اگر «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ» آئے تو استخارہ بہتر ہے، اس کام کو کرو اور اگر «لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ» آئے تو استخارہ بہتر نہیں ہے، اس کام کو ترک کرو وَ هُوَ الْعَلِيْمُ بِعَوَاقِبِ اُمُوْرِنَا۔[3]

☆☆☆☆☆

---

[1] ریاض السالکین، ج ۵، ص ۱۳۵۔

[2] الکافی، ج ۳، ص ۴۷۰-۴۷۱۔

[3] بحار الانوار، ج ۸۸، ص ۲۵۰-۲۵۱۔

(۳۴) وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

اِذَا ابْتُلِیَ اَوْ رَاٰی مُبْتَلًى بِفَضِيْحَةٍ بِذَنْبٍ:

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى سِتْرِكَ بَعْدَ عِلْمِكَ، وَ مُعَافَاتِكَ بَعْدَ خُبْرِكَ، فَكُلُّنَا قَدِ اقْتَرَفَ الْعَآئِبَةَ فَلَمْ تَشْهَرْهُ، وَ ارْتَكَبَ الْفَاحِشَةَ فَلَمْ تَفْضَحْهُ، وَ تَسَتَّرَ بِالْمَسَاوِئِ فَلَمْ تَدْلُلْ عَلَيْهِ.

كَمْ نَهْيٍ لَّكَ قَدْ اَتَيْنَاهُ، وَ اَمْرٍ قَدْ وَقَفْتَنَا عَلَيْهِ فَتَعَدَّيْنَاهُ، وَ سَيِّئَةٍ اكْتَسَبْنَاهَا، وَ خَطِيْٓئَةٍ ارْتَكَبْنَاهَا، كُنْتَ الْمُطَّلِعَ عَلَيْهَا دُوْنَ النَّاظِرِيْنَ، وَ الْقَادِرَ عَلٰٓى اِعْلَانِهَا فَوْقَ الْقَادِرِيْنَ، كَانَتْ عَافِيَتُكَ لَنَا حِجَابًا دُوْنَ اَبْصَارِهِمْ، وَ رَدْمًا دُوْنَ اَسْمَاعِهِمْ.

فَاجْعَلْ مَا سَتَرْتَ مِنَ الْعَوْرَةِ، وَ اَخْفَيْتَ مِنَ الدَّخِيْلَةِ، وَاعِظًا لَّنَا، وَ زَاجِرًا عَنْ سُوْٓءِ الْخُلُقِ، وَ اقْتِرَافِ الْخَطِيْٓئَةِ، وَ سَعْيًا اِلَى التَّوْبَةِ الْمَاحِيَةِ، وَ

دُعا (۳۴)

جب خود مبتلا ہوتے یا کسی کو گناہوں کی رسوائی میں مبتلا دیکھتے تو یہ دُعا پڑھتے:

اے معبود! تیرے ہی لئے تمام تعریف ہے اس بات پر کہ تو نے (گناہوں کے) جاننے کے بعد پردہ پوشی کی، اور (حالات پر) اطلاع کے بعد عافیت و سلامتی بخشی، یوں تو ہم میں سے ہر ایک ہی عیوب و نقائص کے درپے ہوا مگر تو نے اسے مشتہر نہ کیا، اور افعال بد کا مرتکب ہوا مگر تو نے اس کو رسوا نہ ہونے دیا، اور پردۂ خفا میں برائیوں سے آلودہ رہا مگر تو نے اس کی نشان دہی نہ کی۔

کتنے ہی تیرے منہیات تھے جن کے ہم مرتکب ہوئے، اور کتنے ہی تیرے احکام تھے جن پر تو نے کاربند رہنے کا حکم دیا تھا مگر ہم نے ان سے تجاوز کیا، اور کتنی ہی برائیاں تھیں جو ہم سے سرزد ہوئیں، اور کتنی ہی خطائیں تھیں جن کا ہم نے ارتکاب کیا، درآنحالیکہ دوسرے دیکھنے والوں کے بجائے تو ان پر آگاہ تھا، اور دوسرے (گناہوں کی تشہیر پر) قدرت رکھنے والوں سے تو زیادہ ان کے افشا پر قادر تھا، مگر اس کے باوجود ہمارے بارے میں تیری حفاظت و نگہداشت ان کی آنکھوں کے سامنے پردہ، اور ان کے کانوں کے بالمقابل دیوار بن گئی۔

تو پھر اس پردہ داری و عیب پوشی کو ہمارے لئے ایک نصیحت کرنے والا، اور بدخوئی و ارتکاب گناہ سے روکنے والا، اور (گناہوں کو) مٹانے والی راہِ توبہ، اور طریق پسندیدہ پر گامزنی کا وسیلہ قرار دے، اور اس راہ پیمائی کے لمحے (ہم سے) قریب کر،

الطَّرِيْقِ الْمَحْمُوْدَةِ، وَ قَرِّبِ الْوَقْتَ فِيْهِ، وَ لَا تَسُمْنَا الْغَفْلَةَ عَنْكَ، اِنَّآ اِلَيْكَ رَاغِبُوْنَ، وَمِنَ الذُّنُوْبِ تَآئِبُوْنَ.

وَ صَلِّ عَلٰى خِيَرَتِكَ اللّٰهُمَّ مِنْ خَلْقِكَ: مُحَمَّدٍ وَّ عِتْرَتِهِ الصِّفْوَةِ مِنْ بَرِيَّتِكَ الطَّاهِرِيْنَ، وَ اجْعَلْنَا لَهُمْ سَامِعِيْنَ وَ مُطِيْعِيْنَ كَمَآ اَمَرْتَ.

--☆☆--

اور ہمارے لئے ایسے اسباب مہیا نہ کر جو تجھ سے ہمیں غافل کر دیں۔ اس لئے کہ ہم تیری طرف رجوع ہونے والے اور گناہوں سے توبہ کرنے والے ہیں۔

بارالٰہا! محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر جو مخلوقات میں تیرے برگزیدہ اور ان کی پاکیزہ عترتؑ پر جو کائنات میں تیری منتخب کردہ ہے رحمت نازل فرما اور ہمیں اپنے فرمان کے مطابق ان کی بات پر کان دھرنے والا اور ان کے احکام کی تعمیل کرنے والا قرار دے۔

--☆☆--

یہ دُعا خداوند عالم کی صفتِ پردہ پوشی کے سلسلہ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان ستاریت ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ بندوں کے عیوب پر پردہ پڑا رہتا ہے۔ کیونکہ وہ یہ گوارا نہیں کرتا کہ اس کے بندے ہم چشموں کی نگاہوں میں سبک ہوں اور اپنے چھپے ہوئے عیبوں کی وجہ سے ذلیل ہوں۔ اس لئے وہ معائب پر پردہ ڈالتا ہے اور کسی کا عیب آشکار نہیں کرتا۔ حالانکہ وہ جب چاہے گنہگاروں کے رازہائے درون پردہ کو بے نقاب کر کے انہیں رسوا و ذلیل کر سکتا ہے اور ان کی بداعمالیوں کا تقاضا بھی یہ ہوتا ہے کہ انہیں ذلت و رسوائی سے دوچار کیا جائے، مگر اس کی شان ستاریت آڑے آجاتی ہے اور انہیں رسوائیوں سے بچالے جاتی ہے۔ اگر ان کی طرف سے پردہ پوشی نہ ہوتی تو پھر کون ایسا ہے جو اپنی کارستانیوں کی بدولت رسوا و ذلیل نہ ہوتا۔

گر پردہ ز روی کار ما بر دارند   آن کیست کہ رسوای دو عالم نشود

چنانچہ جو شخص بھی اپنی باطنی حالت کا جائزہ لے گا وہ اس امر کے اعتراف پر مجبور ہوگا کہ اس کے وہ عیوب جو افشا ہوئے ہیں عموماً ایسے ہی تھے کہ جن کے چھپانے کی اس نے کبھی فکر کی ہی نہ تھی، مگر اس کے باوجود اس کے ڈھکے چھپے ہوئے گناہ ان گناہوں سے کہیں زیادہ ہوں گے جو ظاہر ہوئے ہیں۔ یہ اس کی صفت پردہ پوشی ہی کا تو کرشمہ ہے کہ باوجود افشائے عیوب و معاصی کے اسباب مہیا کرنے کے وہ پردہ چاک نہیں کرتا اور دوسروں کو اس کے معائب پر مطلع نہیں ہونے دیتا۔ اسی پردہ پوشی کی بنا پر اس نے زنا کے ثبوت کیلئے چار عینی گواہوں کی کڑی شرط لگادی ہے، تاکہ گنہگار کے گناہ پر پردہ پڑا رہے اور دوسروں کے عیوب اچھالنے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ﴾

جو لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ ایمان لانے والوں کی برائیاں نشر ہوں ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔[1]

خداوند عالم کی یہ پردہ پوشی صرف دنیا ہی میں نہیں ہے، بلکہ آخرت میں بھی وہ پردہ داری سے کام لے گا۔ چنانچہ وارد ہوا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

---

[1] سورۂ نور، آیت ۱۹۔

موقف حساب میں عرض کریں گے کہ: اے میرے معبود! میری امت کا حساب وکتاب انبیاء علیہم السلام اور دوسری امتوں کے سامنے نہ لیا جائے تاکہ میری امت کے گناہوں اور لغزشوں پر کوئی مطلع نہ ہو۔ لہٰذا میری امت کا محاسبہ صرف میرے سامنے ہو۔ اس موقع پر قدرت کی طرف سے ارشاد ہوگا کہ: ''اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میں اپنے بندوں پر تم سے زیادہ رحیم ومہربان ہوں۔ جب تمہیں یہ گوارا نہیں کہ تمہاری امت کے گناہ ومعائب کسی اور پر ظاہر ہوں تو میں بھی یہ گوارا نہیں کرسکتا کہ میں اپنے بندوں کو تمہارے سامنے نادم ورسوا کروں، لہٰذا میں جانوں اور ان کا حساب وکتاب''۔[1]

بہرحال اس دنیا میں پردہ پوشی کا نفسیاتی طور پر یہ اثر ہوتا ہے کہ بندہ اس کی مرحمت وعیب پوشی کو دیکھتے ہوئے خود اپنے مقام پر شرمندہ ہوتا ہے اور یہ شرمندگی اسے جھنجھوڑتی اور توبہ کی راہ دکھاتی ہے اور وہ جذبہ ممنونیت سے متاثر ہوکر گناہوں سے دستبردار ہونے کا ارادہ کرلیتا ہے۔ اور جس کا پردہ خود اپنے ہاتھوں چاک ہوجاتا ہے اور زبانوں پر اس کے معائب کا چرچا ہونے لگتا ہے تو دوسرے لوگ اگرچہ ویسے ہی گناہوں کے مرتکب ہوتے ہوں یا ہوتے رہے ہوں اس پر زبان طعن کھولتے اور اسے مورد الزام ٹھہراتے ہیں جس کے نتیجے میں اس کے دل میں نفرت بھر جاتی ہے اور یہ جوش نفرت ضد اور ہٹ دھرمی کی صورت اختیار کرلیتا ہے اور وہ مزید رسوائی کی پرواکئے بغیر گناہوں میں جری وبے باک ہوجاتا ہے اور جو شرم کی ہلکی سی نقاب اس کے چہرے پر ہوتی ہے، اتر جاتی ہے اور علانیہ گناہوں کا مرتکب ہونے لگتا ہے۔

☆☆☆☆☆

[1] سَئَلْتُ اللّٰهَ اَنْ يَّجْعَلَ حِسَابَ اُمَّتِىْ اِلَىَّ لِئَلَّا تَفْتَضِحُ عِنْدَ الْاُمَمِ، فَاَوْحَى اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ اِلَىَّ: يَا مُحَمَّدُ! بَلْ اَنَا اُحَاسِبُهُمْ، فَاِنْ كَانَ مِنْهُمْ زَلَّةٌ سَتَرْتُهَا عَنْكَ لِئَلَّا تَفْتَضِحُ عِنْدَكَ. (نہج الفصاحۃ ص ۵۱۷۔ کنز العمال، ج ۱۴، ص ۴۳۳، حدیث ۳۸۹۷۲)

(۳۵) وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

فِي الرِّضَآ اِذَا نَظَرَ اِلَى اَصْحَابِ الدُّنْيَا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رِضًى بِحُكْمِ اللّٰهِ، شَهِدْتُّ اَنَّ اللّٰهَ قَسَمَ مَعَايِشَ عِبَادِهٖ بِالْعَدْلِ، وَ اَخَذَ عَلٰى جَمِيْعِ خَلْقِهٖ بِالْفَضْلِ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ لَا تَفْتِنِّيْ بِمَآ اَعْطَيْتَهُمْ، وَ لَا تَفْتِنْهُمْ بِمَا مَنَعْتَنِيْ فَاَحْسُدَ خَلْقَكَ، وَ اَغْمَطَ حُكْمَكَ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ طَيِّبْ بِقَضَآئِكَ نَفْسِيْ، وَ وَسِّعْ بِمَوَاقِعِ حُكْمِكَ صَدْرِيْ، وَ هَبْ لِيَ الثِّقَةَ لِاُقِرَّ مَعَهَا بِاَنَّ قَضَآءَكَ لَمْ يَجْرِ اِلَّا بِالْخِيَرَةِ، وَ اجْعَلْ شُكْرِيْ لَكَ عَلٰى مَا زَوَيْتَ عَنِّيْ اَوْفَرَ مِنْ شُكْرِيَ اِيَّاكَ عَلٰى مَا خَوَّلْتَنِيْ، وَ اعْصِمْنِيْ مِنْ اَنْ اَظُنَّ بِذِيْ عَدَمٍ خَسَاسَةً، اَوْ اَظُنَّ بِصَاحِبِ ثَرْوَةٍ فَضْلًا، فَاِنَّ الشَّرِيْفَ مَنْ شَرَّفَتْهُ طَاعَتُكَ، وَ الْعَزِيْزَ مَنْ

دُعا (۳۵)

جب اہل دنیا کو دیکھتے تو راضی برضا رہنے کیلئے یہ دُعا پڑھتے

اللہ تعالیٰ کے حکم پر رضا وخوشنودی کی بنا پر اللہ تعالیٰ کیلئے حمد وستائش ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ اس نے اپنے بندوں کی روزیاں آئین عدل کے مطابق تقسیم کی ہیں، اور تمام مخلوقات سے فضل واحسان کا رویہ اختیار کیا ہے۔

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور مجھے ان چیزوں سے جو دوسروں کو دی ہیں آشفتہ وپریشان نہ ہونے دے کہ میں تیری مخلوق پر حسد کروں، اور تیرے فیصلہ کو حقیر سمجھوں، اور جن چیزوں سے مجھے محروم رکھا ہے انہیں دوسروں کیلئے فتنہ وآزمائش نہ بنا دے (کہ وہ از روئے غرور مجھے بہ نظر حقارت دیکھیں)۔

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور مجھے اپنے فیصلۂ قضا وقدر پر شادماں رکھ، اور اپنے مقدرات کی پذیرائی کیلئے میرے سینہ میں وسعت پیدا کر دے، اور میرے اندر وہ روح اعتماد پھونک دے کہ میں یہ اقرار کروں کہ تیرا فیصلہ قضا وقدر خیر وبہبودی کے ساتھ نافذ ہوا ہے، اور ان نعمتوں پر ادائے شکر کی بہ نسبت جو مجھے عطا کی ہیں ان چیزوں پر میرے شکریہ کو کامل و فزوں تر قرار دے جو مجھ سے روک لی ہیں، اور مجھے اس سے محفوظ رکھ کہ میں کسی نادار کو ذلت وحقارت کی نظر سے دیکھوں، یا کسی صاحب ثروت کے بارے میں (اس کی ثروت کی بنا پر) فضیلت و برتری کا گمان کروں۔ اس لئے کہ صاحب شرف و فضیلت وہ ہے جسے تیری اطاعت نے شرف بخشا ہو، اور صاحب

اَعَزَّتْهُ عِبَادَتُكَ.

فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ مَتِّعْنَا بِثَرْوَةٍ لَّا تَنْفَدُ، وَ اَيِّدْنَا بِعِزٍّ لَّا يُفْقَدُ، وَ اسْرَحْنَا فِيْ مُلْكِ الْاَبَدِ، اِنَّكَ الْوَاحِدُ الْاَحَدُ الصَّمَدُ، الَّذِيْ لَمْ تَلِدْ وَ لَمْ تُوْلَدْ، وَ لَمْ يَكُنْ لَّكَ كُفُوًا اَحَدٌ.

--☆☆--

عزت وہ ہے جسے تیری عبادت نے عزت وسربلندی دی ہو۔

اے اللہ! محمدؐ اوران کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور ہمیں ایسی ثروت و دولت سے بہرہ اندوز کر جو ختم ہونے والی نہیں، اور ایسی عزت و بزرگی سے ہماری تائید فرما جو زائل ہونے والی نہیں، اور ہمیں ملکِ جاوداں کی طرف رواں دواں کر۔ بیشک تو یکتا و یگانہ اور ایسا بے نیاز ہے کہ نہ تیری کوئی اولاد ہے، اور نہ تو کسی کی اولاد ہے، اور نہ تیرا کوئی مثل وہمسر ہے۔

--☆☆--

یہ دُعا طلب ''تسلیم ورضا'' کے سلسلہ میں ہے۔ ''تسلیم ورضا'' یقین کے بلندترین درجہ کا نام ہے جہاں ایقان کی پختگی میں لچک اور اعتقاد کی مضبوطی میں کمزوری کا رونما ہونا درکنار مقصد ومنشائے الٰہی کے خلاف ذہن کسی تصور کو قبول کرنے کیلئے بھی آمادہ نہیں ہوتا۔ یہ جذبہ رضا عشق ومحبت الٰہی کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے، کیونکہ یہ محبت ہی کا تقاضا ہے کہ محبوب کی طرف سے راحت پہنچے یا گزند، کوئی چیز بار خاطر نہ ہو اور تلخ سے تلخ حالات میں بھی چہرے پر کڑواہٹ نہ کھلے۔

چنانچہ جب دل میں عشق الٰہی کی شرر افشانی ہوتی ہے تو پھر رنج و راحت، عزت و ذلت، اقبال و ادبار، خوشحالی و تنگدستی، مرض وصحت اور موت وحیات میں کوئی فرق نہیں رہتا اور انسان مرض میں اتنی ہی کشش محسوس کرتا ہے جتنی صحت وتندرستی میں اور اذیت وکلفت سے اتنی ہی لذت حاصل کرتا ہے جتنی آرام وراحت سے۔ اس کیلئے کانٹوں کی چبھن، پھولوں کی سیج اور کرب ومصیبت کی جان کاہی عیش وراحت کا گہوارہ بن جاتی ہے، وہ نیش کو نوش اور زہر کو شہد وشکر سمجھ کر اس طرح پی جاتا ہے کہ اسے بدمزگی اور تلخ کامی کا احساس تک نہیں ہوتا۔

جب انسان مقدرات الٰہیہ کے آگے سر تسلیم خم کر دیتا ہے تو اس جذبہ رضا کے نتیجے میں دو طرح کی حالتیں پیش آتی ہیں:

- ایک یہ ہے کہ درد وکلفت کا احساس تو ہوتا ہے، مگر اسے خندہ پیشانی سے برداشت کر لیتا ہے۔ نہ صرف برداشت کرتا ہے، بلکہ اس میں اطمینان و راحت محسوس کرتا ہے۔ جیسے وہ مریض جو ''فصد'' کے موقع پر تکلیف تو محسوس کرتا ہے، مگر اس تکلیف کو تکلیف تصور نہیں کرتا، بلکہ حصول صحت کے پیش نظر اس تکلیف کو بھی ایک گونہ راحت سمجھتا ہے۔
- اور دوسری حالت یہ ہے کہ سرے سے کرب واذیت کا احساس ہی باقی نہ رہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس پر بعض افراد کو حیرت واستعجاب ہو کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ آگ لگے اور جسم وجان نہ پھنکے اور درد وکرب کی ایذارسانی ہو اور اذیت کا احساس نہ ہو۔ مگر مشاہدہ اور واقعات اس کے شاہد ہیں کہ انسان

پر ایسے کیفیات طاری ہوتے رہتے ہیں جو درد و تکلیف کا احساس ختم کر دیتے ہیں۔ چنانچہ انتہائی غیظ وغضب کی حالت میں یا شدید خوف و ہراس کی صورت میں کوئی چوٹ لگ جائے تو جب تک غصہ فرو اور خوف کم نہیں ہوتا اس وقت تک چوٹ کی تکلیف کا احساس نہیں ہوتا۔ اسی طرح معرکہ کارزار میں بہت سے زخمی سپاہیوں کو زخم کی اذیت کا احساس اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک وہ حرب و پیکار میں منہمک رہتے ہیں اور جب ادھر سے توجہ ہٹتی ہے تو طبیعت کا رخ اپنی طرف پلٹتا ہے اور تکلیف کا احساس ابھر آتا ہے۔

یہ وہ صورتیں ہیں جن میں محبت و شیفتگی کے جذبات کارفرما نہیں ہوتے۔ مگر پھر بھی انسانی احساسات مغلوب ہو جاتے ہیں اور اگر محبت و وارفتگی کی صورت ہو تو درد و الم کا احساس کیسا۔ درد کی لذت انگیزی بڑھتی ہی چلی جاتی ہے اور آگ کے شعلوں میں تڑپنے کے باوجود آتش کدۂ عشق میں جلنے کا ذوق کم نہیں ہوتا۔

تنم بسوخت، دلم سوخت، استخوانم سوخت

تمام سوختم و ذوقِ سوختن باقی است

چنانچہ عشق و محبت کے واردات میں سے یہ ایک معمولی واقعہ ہے کہ: ایک دل باختۂ محبت اپنے محبوب کے سامنے ایک برتن میں دوا کو جوش دے رہا تھا اور نظارہ جمال میں اس حد تک محو تھا کہ برتن میں چمچہ کے بجائے اس کا ہاتھ حرکت کرتا رہا مگر اسے احساس تک نہ ہوا اور جب اسے متوجہ کیا گیا تو ہاتھ سے گوشت و پوست الگ ہو چکا تھا۔ یونہی زنانِ مصر کی دل باختگی کا عالم کہ جو چھریاں پھلوں کے کاٹنے کیلئے انہیں دی جاتی ہیں وہ ان کے ہاتھوں پر چل جاتی ہیں مگر نہ تو انہیں ہاتھوں کے کٹنے کا علم ہوتا ہے اور نہ اذیت ہی کا احساس ہوتا ہے۔ تو اگر عشق مجازی اور جمال بشری اس طرح حواس کو مغلوب کر دے سکتا ہے تو جمال ابدی و حسن سرمدی کے تاثرات کس حد تک خود فراموشی کی کیفیتی طاری کر سکتے ہیں، اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ محبت الٰہی ہی کی کرشمہ سازی تھی کہ خلیل، نارِ نمرود میں بے دھڑک پھاند پڑتے ہیں اور حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے پیروں سے حالت نماز میں تیر نکال لیا جاتا ہے تو جمال ازلی کا استغراق اذیت کے احساس سے مانع ہو جاتا ہے اور بعض شہداء راہِ خدا کے متعلق وارد ہوا ہے کہ انہیں میدان جنگ میں تیر و تلوار اور تیغ و تبر کی بھرپور چوٹوں کا احساس تک نہ ہوتا تھا۔

بہرحال جب انسان محبت الٰہی کے نتیجہ میں راضی برضا رہنے کا خوگر ہو جاتا ہے تو جس حالت میں ہوتا ہے اسی حالت میں خوش رہتا ہے۔ نہ اُسے اپنی شکستگی و بدحالی کا شکوہ ہوتا ہے اور نہ زندگی کی تلخ کامی کا گلہ، نہ دوسروں کا جاہ و اقبال اسے متاثر کرتا ہے اور نہ دوسروں کی دولت و ثروت کو دیکھ کر اس میں حرص و طمع کا جذبہ ابھرتا ہے۔ کیونکہ اسے یہ یقین ہوتا ہے کہ رنج و کلفت ہو یا آرام و راحت، عسرت و تنگی ہو یا ثروت و خوشحالی، سب میں حکمت و مصلحت کارفرما ہے اور اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل حدودِ عدل و انصاف سے باہر نہیں ہوتا۔

سر قبول بباید نهاد و گردن طوع　　　که هرچه حاکم عادل کند نه بیدادست

☆☆☆☆☆

(۳۶) وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

اِذَا نَظَرَ اِلَى السَّحَابِ وَ الْبَرْقِ وَ سَمِعَ صَوْتَ الرَّعْدِ:

اَللّٰهُمَّ اِنَّ هٰذَيْنِ اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِكَ، وَ هٰذَيْنِ عَوْنَانِ مِنْ اَعْوَانِكَ، يَبْتَدِرَانِ طَاعَتَكَ بِرَحْمَةٍ نَّافِعَةٍ اَوْ نَقِمَةٍ ضَارَّةٍ، فَلَا تُمْطِرْنَا بِهِمَا مَطَرَ السَّوْءِ، وَ لَا تُلْبِسْنَا بِهِمَا لِبَاسَ الْبَلَآءِ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اَنْزِلْ عَلَيْنَا نَفْعَ هٰذِهِ السَّحَآئِبِ وَ بَرَكَتَهَا، وَ اصْرِفْ عَنَّآ اَذَاهَا وَ مَضَرَّتَهَا، وَ لَا تُصِبْنَا فِيْهَا بِاٰفَةٍ، وَ لَا تُرْسِلْ عَلٰى مَعَايِشِنَا عَاهَةً.

اَللّٰهُمَّ وَ اِنْ كُنْتَ بَعَثْتَهَا نَقِمَةً وَّ اَرْسَلْتَهَا سَخْطَةً، فَاِنَّا نَسْتَجِيْرُكَ مِنْ غَضَبِكَ، وَ نَبْتَهِلُ اِلَيْكَ فِيْ سُؤَالِ عَفْوِكَ، فَمِلْ بِالْغَضَبِ اِلَى الْمُشْرِكِيْنَ، وَ اَدِرْ رَحٰى نَقِمَتِكَ عَلَى الْمُلْحِدِيْنَ.

اَللّٰهُمَّ اَذْهِبْ مَحْلَ بِلَادِنَا بِسُقْيَاكَ، وَ اَخْرِجْ وَحَرَ صُدُوْرِنَا بِرِزْقِكَ، وَ لَا تَشْغَلْنَا عَنْكَ بِغَيْرِكَ، وَ لَا تَقْطَعْ عَنْ كَافَّتِنَا مَادَّةَ بِرِّكَ،

دُعا (۳۶)

جب بادل اور بجلی کو دیکھتے اور رعد کی آواز سنتے تو یہ دُعا پڑھتے:

بارالہا! یہ (ابرو برق) تیری نشانیوں میں سے دو نشانیاں اور تیرے خدمت گزاروں میں سے دو خدمت گزار ہیں، جو نفع رساں رحمت یا ضرر رساں عقوبت کے ساتھ تیرے حکم کی بجا آوری کیلئے رواں دواں ہیں، تو اب ان کے ذریعہ ایسی بارش نہ برسا جو ضرر و زیاں کا باعث ہو اور نہ ان کی وجہ سے ہمیں بلا و مصیبت کا لباس پہنا۔

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور ان بادلوں کی منفعت و برکت ہم پر نازل کر، اور ان کے ضرور و آزار کا رخ ہم سے موڑ دے، اور ان سے ہمیں کوئی گزند نہ پہنچانا، اور نہ ہمارے سامان معیشت پر تباہی وارد کرنا۔

بارالہا! اگر ان گھٹاؤں کو تو نے بطور عذاب بھیجا ہے اور بصورت غضب روانہ کیا ہے تو پھر ہم تیرے غضب سے تیرے ہی دامن میں پناہ کے خواستگار ہیں اور عفو و درگزر کیلئے تیرے سامنے گڑگڑا کر سوال کرتے ہیں، تو مشرکوں کی جانب اپنے غضب کا رخ موڑ دے، اور کافروں پر آسیائے عذاب کو گردش دے۔

اے اللہ! ہمارے شہروں کی خشک سالی کو سیرابی کے ذریعہ دور کر دے، اور ہمارے دل کے وسوسوں کو رزق کے وسیلہ سے برطرف کر دے، اور اپنی بارگاہ سے ہمارا رخ موڑ کر ہمیں دوسروں کی طرف متوجہ نہ فرما، اور ہم سب سے اپنے احسانات کا سرچشمہ

فَاِنَّ الْغَنِیَّ مَنْ اَغْنَیْتَ، وَ اِنَّ السَّالِمَ مَنْ وَّقَیْتَ مَا عِنْدَ اَحَدٍ دُوْنَكَ دِفَاعٌ، وَ لَا بِاَحَدٍ عَنْ سَطْوَتِكَ امْتِنَاعٌ، تَحْكُمُ بِمَا شِئْتَ عَلٰى مَنْ شِئْتَ، وَ تَقْضِیْ بِمَاۤ اَرَدْتَّ فِیْمَنْ اَرَدْتَ.

فَلَكَ الْحَمْدُ عَلٰى مَا وَقَیْتَنَا مِنَ الْبَلَاۤءِ، وَ لَكَ الشُّكْرُ عَلٰى مَا خَوَّلْتَنَا مِنَ النَّعْمَاۤءِ، حَمْدًا یُّخَلِّفُ حَمْدَ الْحَامِدِیْنَ وَرَآءَهٗ، حَمْدًا یَّمْلَاُ اَرْضَهٗ وَ سَمَآءَهٗ، اِنَّكَ الْمَنَّانُ بِجَسِیْمِ الْمِنَنِ، الْوَهَّابُ لِعَظِیْمِ النِّعَمِ، الْقَابِلُ یَسِیْرَ الْحَمْدِ، الشَّاكِرُ قَلِیْلَ الشُّكْرِ، الْمُحْسِنُ الْمُجْمِلُ ذُو الطَّوْلِ، لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ، اِلَیْكَ الْمَصِیْرُ.

--☆☆--

قطع نہ کر، کیونکہ بے نیاز وہی ہے جسے تو بے نیاز کرے اور سالم و محفوظ وہی ہے جس کی تو نگہداشت کرے۔ اس لئے کہ تیرے علاوہ کسی کے پاس (مصیبتوں کا) دفعیہ اور کسی کے ہاں تیری سطوت و ہیبت سے بچاؤ کا سامان نہیں ہے۔ تو جس کی نسبت جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہے اور جس کے بارے میں جو فیصلہ کرتا ہے، وہ صادر کر دیتا ہے۔

تیرے ہی لئے تمام تعریفیں ہیں کہ تو نے ہمیں مصیبتوں سے محفوظ رکھا، اور تیرے ہی لئے شکر ہے کہ تو نے ہمیں نعمتیں عطا کیں، ایسی حمد جو تمام حمد گزاروں کی حمد کو پیچھے چھوڑ دے، ایسی حمد جو خدا کے آسمان و زمین کی فضاؤں کو چھلکا دے، اس لئے کہ تو بڑی سے بڑی نعمتوں کا عطا کرنے والا اور بڑے سے بڑے انعامات کا بخشنے والا ہے، مختصر سی حمد کو بھی قبول کرنے والا اور تھوڑے سے شکریے کی بھی قدر کرنے والا ہے، اور احسان کرنے والا، اور بہت نیکی کرنے والا، اور صاحب کرم و بخشش ہے۔ تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اور تیری ہی طرف (ہماری) بازگشت ہے۔

--☆☆--

جب سورج کی تیز شعائیں سمندروں اور جھیلوں کی سطح سے بخارات اٹھاتی ہیں تو وہ بخارات جو ننھی ننھی بوندوں کا مجموعہ ہوتے ہیں بادلوں کی دلفریب صورت میں فضا میں لہرانے اور ہوا میں اڑنے لگتے ہیں اور جب ہوا کے جھونکے انہیں حرکت میں لاتے ہیں تو ان کی تہوں میں پانی کا جمع شدہ ذخیرہ کبھی ہلکی پھوہار اور کبھی دھواں دار بارش کی صورت میں برسنے لگتا ہے اور ٹیلوں، چٹانوں پر سے گزرتا ندی نالوں کو چھلکاتا، زمین کے ذرہ ذرہ کو سیراب کر دیتا ہے جس سے زمین کی سطح پر ہریالی اور کاشتکار کے چہرے پر سرخی دوڑ جاتی ہے۔ چنانچہ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ فِی السَّمَآءِ كَیْفَ یَشَآءُ وَیَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ﴿۴۸﴾﴾

خدا ہی وہ ہے جو ہواؤں کو چلاتا ہے تو وہ بادلوں کو حرکت میں لاتی ہیں، پھر وہ جس طرح چاہتا ہے انہیں فضا میں پھیلا دیتا ہے

اور انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے، پھر تم دیکھتے ہو کہ ان بادلوں کے اندر سے بوندیں نکل پڑتی ہیں، پھر خدا اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے انہیں برسا دیتا ہے تو وہ خوشیاں منانے لگتے ہیں۔[1]

جب ان بادلوں میں ننھی ننھی بوندیں ہوا سے ٹکراتی یا آپس میں رگڑ کھاتی ہیں تو اس ٹکراؤ سے ان میں برقی قوت پیدا ہوتی ہے جو بعض بادلوں میں مثبت ہوتی ہے اور بعض میں منفی۔ اس طرح کے جس طرف سے بجلی آتی ہے اسے مثبت کا نام دے دیا گیا ہے اور جدھر جاتی ہے اسے منفی کہہ لیتے ہیں۔ جب یہ مثبت اور منفی والے بادل ایک دوسرے کے قریب آتے ہیں تو یہ دونوں متضاد قسمیں آپس میں ٹکراتی ہیں جس سے روشنی کا ایک شرارہ پیدا ہوتا ہے جو اپنی تیزی اور چمک کی وجہ سے آنکھوں میں چکا چوند پیدا کر دیتا ہے۔ اس شرارہ کا نام ''برق'' ہے۔ یہ برق ہر وقت درخشاں رہتی ہے اور ایک سیکنڈ میں کم و بیش سو مرتبہ چمکتی ہے۔ اور اس کے ہر شرارہ میں دس کروڑ وولٹ سے لے کر بیس ارب تک بجلی ہوتی ہے۔ اس شرارہ سے اس قدر گرمی پیدا ہوتی ہے کہ آس پاس کی ہوا گرم ہو جاتی ہے اور اس گرمی کی وجہ سے اس کا پھیلاؤ بڑھ جاتا ہے اور اس کی جگہ پر چاروں طرف سے ٹھنڈی ہوائیں انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ بڑھتی ہیں جس سے کڑک کی آواز پیدا ہوتی ہے۔ اس کڑک کا نام ''رعد'' ہے۔ یہ کڑک بجلی کے چمکنے کے چند دقیقہ بعد سنائی دیتی ہے۔ اس لئے کہ آواز کی رفتار روشنی کی رفتار سے بہت سست ہوتی ہے۔ چنانچہ روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار دو سو چوراسی میل فی سیکنڈ ہے اور آواز کی رفتار تین سو ستر گز فی سیکنڈ ہے۔ اس لحاظ سے اگر ایک میل کے فاصلہ سے روشنی اور آواز ایک ساتھ چلیں تو آواز پانچ سیکنڈ بعد میں پہنچے گی۔

کبھی کبھی یہ بجلی زمین پر گر بھی پڑتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب برقی قوت والا بادل ٹھنڈک پا کر زمین کے قریب آجاتا ہے تو اس سے اونچی اور بلند سطح عمارتیں، اونچے اونچے درخت اور کھلے میدان اور ان میں چلنے پھرنے والے انسان اور چوپائے برقائے جاتے ہیں۔ اور جب ان کی جمع شدہ برقی قوت بادلوں کے مخالف برقی قوت سے ٹکراتی ہے تو دھماکے کے ساتھ روشنی اور گرمی پیدا ہوتی ہے۔ اسے عرف عام میں بجلی کا گرنا کہتے ہیں۔ اس سے ہر وہ چیز متاثر ہوتی ہے جو اس کی زد میں آجاتی ہے۔ نہ اس سے سر بلند عمارتیں محفوظ رہ سکتی ہیں اور نہ کوئی جاندار زندہ و سلامت رہ سکتا ہے۔ مگر جہاں یہ ہلاکت و تباہی کا سر و سامان لئے ہوئے ہے وہاں بیش بہا فوائد کی بھی حامل ہے۔ چنانچہ اس بجلی سے ایک سال کے عرصہ میں دس کروڑ ٹن نائٹروجن گیس پیدا ہوتی ہے جو بارش کے ساتھ زمین پر اترتی ہے اور زمین کی قوت و نشو و نما کو بڑھاتی اور اس کیلئے کھاد کا کام دیتی ہے۔ چنانچہ خداوند عالم نے اس کے دونوں پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وَمِنۡ اٰيٰتِهٖ يُرِيۡكُمُ الۡبَرۡقَ خَوۡفًا وَّطَمَعًا﴾

اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہیں بجلی کا منظر دکھایا جس کا ایک رخ خوف ناک اور دوسرا امید افزا ہے۔[2]

☆☆☆☆☆

---

[1] سورۂ روم، آیت ۴۸۔

[2] سورۂ روم، آیت ۲۴۔

(۳۷) وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

اِذَا اعْتَرَفَ بِالتَّقْصِيْرِ عَنْ تَأْدِيَةِ الشُّكْرِ

اَللّٰهُمَّ اِنَّ اَحَدًا لَّا يَبْلُغُ مِنْ شُكْرِكَ غَايَةً اِلَّا حَصَلَ عَلَيْهِ مِنْ اِحْسَانِكَ مَا يُلْزِمُهٗ شُكْرًا، وَ لَا يَبْلُغُ مَبْلَغًا مِّنْ طَاعَتِكَ، وَ اِنِ اجْتَهَدَ اِلَّا كَانَ مُقَصِّرًا دُوْنَ اسْتِحْقَاقِكَ بِفَضْلِكَ، فَاَشْكَرُ عِبَادِكَ عَاجِزٌ عَنْ شُكْرِكَ، وَ اَعْبَدُهُمْ مُقَصِّرٌ عَنْ طَاعَتِكَ، لَا يَجِبُ لِاَحَدٍ اَنْ تَغْفِرَ لَهٗ بِاسْتِحْقَاقِهٖ، وَ لَاۤ اَنْ تَرْضٰى عَنْهُ بِاسْتِيْجَابِهٖ، فَمَنْ غَفَرْتَ لَهٗ فَبِطَوْلِكَ، وَ مَنْ رَّضِيْتَ عَنْهُ فَبِفَضْلِكَ.

تَشْكُرُ يَسِيْرَ مَا شَكَرْتَهٗ، وَ تُثِيْبُ عَلٰى قَلِيْلِ مَا تُطَاعُ فِيْهِ، حَتّٰى كَاَنَّ شُكْرَ عِبَادِكَ الَّذِيْۤ اَوْجَبْتَ عَلَيْهِ ثَوَابَهُمْ، وَ اَعْظَمْتَ عَنْهُ جَزَآءَهُمْ اَمْرٌ مَّلَكُوا اسْتِطَاعَةَ الْاِمْتِنَاعِ مِنْهُ دُوْنَكَ فَكَافَيْتَهُمْ، اَوْ لَمْ يَكُنْ سَبَبُهٗ بِيَدِكَ فَجَازَيْتَهُمْ، بَلْ مَلَكْتَ يَاۤ اِلٰهِيْۤ اَمْرَهُمْ قَبْلَ اَنْ يَّمْلِكُوْا عِبَادَتَكَ،

دُعا (۳۷)

جب ادائے شکر میں کوتاہی کا اعتراف کرتے تو یہ دُعا پڑھتے

بارالٰہا! کوئی شخص تیرے شکر کی کسی منزل تک نہیں پہنچتا مگر یہ کہ تیرے اتنے احسانات مجتمع ہو جاتے ہیں کہ وہ اس پر مزید شکر یہ لازم وواجب کر دیتے ہیں، اور کوئی شخص تیری اطاعت کے کسی درجہ پر چاہے وہ کتنی ہی سرگرمی دکھائے نہیں پہنچ سکتا، اور تیرے اس استحقاق کے مقابلہ میں جو بر بنائے فضل واحسان ہے قاصر ہی رہتا ہے۔ جب یہ صورت ہے تو تیرے سب سے زیادہ شکر گزار بندے بھی ادائے شکر سے عاجز اور سب سے زیادہ عبادت گزار بھی درماندہ ثابت ہوں گے، کوئی استحقاق ہی نہیں رکھتا کہ تو اس کے استحقاق کی بنا پر بخش دے، یا اس کے حق کی وجہ سے اس سے خوش ہو۔ جسے تو نے بخش دیا تو یہ تیرا انعام ہے، اور جس سے تو راضی ہو گیا تو یہ تیرا تفضّل ہے۔

جس عمل قلیل کو تو قبول فرماتا ہے اس کی جزا فراواں دیتا ہے، اور مختصر عبادت پر بھی ثواب مرحمت فرماتا ہے، یہاں تک کہ گویا بندوں کا وہ شکر بجا لانا جس کے مقابلہ میں تو نے اجر وثواب کو ضروری قرار دیا اور جس کے عوض ان کو اجر عظیم عطا کیا، ایک ایسی بات تھی کہ اس شکر سے دست بردار ہونا ان کے اختیار میں تھا تو اس لحاظ سے تو نے اجر دیا (کہ انہوں نے باختیارِ خود شکر ادا کیا) یا یہ کہ ادائے شکر کے اسباب تیرے قبضۂ قدرت میں نہ تھے (اور انہوں نے خود اسباب شکر مہیا کئے) جس پر تو نے انہیں جزا مرحمت فرمائی (ایسا تو نہیں ہے)، بلکہ اے میرے معبود! تو ان کے جملہ

وَ اَعْدَدْتَ ثَوَابَهُمْ قَبْلَ اَنْ يُّفِيْضُوْا فِيْ طَاعَتِكَ، وَ ذٰلِكَ اَنَّ سُنَّتَكَ الْاِفْضَالُ، وَ عَادَتَكَ الْاِحْسَانُ، وَ سَبِيْلَكَ الْعَفْوُ.

فَكُلُّ الْبَرِيَّةِ مُعْتَرِفَةٌ بِاَنَّكَ غَيْرُ ظَالِمٍ لِّمَنْ عَاقَبْتَ، وَ شَاهِدَةٌ بِاَنَّكَ مُتَفَضِّلٌ عَلٰى مَنْ عَافَيْتَ، وَ كُلٌّ مُقِرٌّ عَلٰى نَفْسِهٖ بِالتَّقْصِيْرِ عَمَّا اسْتَوْجَبْتَ، فَلَوْ لَاۤ اَنَّ الشَّيْطٰنَ يَخْتَدِعُهُمْ عَنْ طَاعَتِكَ مَا عَصَاكَ عَاصٍ، وَ لَوْ لَاۤ اَنَّهٗ صَوَّرَ لَهُمُ الْبَاطِلَ فِيْ مِثَالِ الْحَقِّ مَا ضَلَّ عَنْ طَرِيْقِكَ ضَالٌّ.

فَسُبْحَانَكَ! مَاۤ اَبْيَنَ كَرَمَكَ فِيْ مُعَامَلَةِ مَنْ اَطَاعَكَ اَوْ عَصَاكَ: تَشْكُرُ لِلْمُطِيْعِ مَاۤ اَنْتَ تَوَلَّيْتَهٗ لَهٗ، وَ تُمْلِيْ لِلْعَاصِيْ فِيْمَا تَمْلِكُ مُعَاجَلَتَهٗ فِيْهِ، اَعْطَيْتَ كُلًّا مِّنْهُمَا مَا لَمْ يَجِبْ لَهٗ، وَ تَفَضَّلْتَ عَلٰى كُلٍّ مِّنْهُمَا بِمَا يَقْصُرُ عَمَلُهٗ عَنْهُ. وَ لَوْ كَافَأْتَ الْمُطِيْعَ عَلٰى مَاۤ اَنْتَ تَوَلَّيْتَهٗ، لَاَوْشَكَ اَنْ يَّفْقِدَ ثَوَابَكَ، وَ اَنْ تَزُوْلَ عَنْهُ نِعْمَتُكَ، وَ لٰكِنَّكَ بِكَرَمِكَ جَازَيْتَهٗ عَلَى الْمُدَّةِ الْقَصِيْرَةِ الْفَانِيَةِ

امور کا مالک تھا، قبل اس کے کہ وہ تیری عبادت پر قادر وتوانا ہوں، اور تو نے ان کیلئے اجر وثواب کو مہیا کر دیا تھا قبل اس کے کہ وہ تیری اطاعت میں داخل ہوں، اور یہ اس لئے کہ تیرا طریقہ انعام و اکرام، تیری عادت تفضّل واحسان اور تیری روش عفو ودرگزر ہے۔

چنانچہ تمام کائنات اس کی معترف ہے کہ تو جس پر عذاب کرے اس پر کوئی ظلم نہیں کرتا، اور گواہ ہے اس بات کی کہ جس کو تو معاف کر دے اس پر تفضّل واحسان کرتا ہے، اور ہر شخص اقرار کرے گا اپنے نفس کی کوتاہی کا اس (اطاعت) کے بجا لانے میں جس کا تو مستحق ہے، اگر شیطان انہیں تیری عبادت سے نہ بہکاتا تو پھر کوئی شخص تیری نافرمانی نہ کرتا، اور اگر باطل کو حق کے لباس میں ان کے سامنے پیش نہ کرتا تو تیرے راستہ سے کوئی گمراہ نہ ہوتا۔

پاک ہے تیری ذات! تیرا لطف وکرم، فرمانبردار ہو یا گنہگار، ہر ایک کے معاملہ میں کس قدر آشکارا ہے، یوں کہ اطاعت گزار کو اس عمل خیر پر جس کے اسباب تو نے خود فراہم کئے ہیں جزا دیتا ہے اور گنہگار کو فوری سزا دینے کا اختیار رکھتے ہوئے پھر مہلت دیتا ہے، تو نے فرمانبردار و نافرمان دونوں کو وہ چیزیں دی ہیں جن کا انہیں استحقاق نہ تھا، اور ان میں سے ہر ایک پر تو نے وہ فضل و احسان کیا ہے جس کے مقابلہ میں ان کا عمل بہت کم تھا، اور اگر تو اطاعت گزار کو صرف ان اعمال پر جن کا سر وسامان تو نے مہیا کیا ہے جزا دیتا تو قریب تھا کہ وہ ثواب کو اپنے ہاتھ سے کھو دیتا اور تیری نعمتیں اس سے زائل ہو جاتیں، لیکن تو نے اپنے جود وکرم

بِالْمُدَّةِ الطَّوِيْلَةِ الْخَالِدَةِ، وَ عَلَى الْغَايَةِ الْقَرِيْبَةِ الزَّآئِلَةِ بِالْغَايَةِ الْمَدِيْدَةِ الْبَاقِيَةِ.

ثُمَّ لَمْ تَسُمْهُ الْقِصَاصَ فِيْمَآ اَكَلَ مِنْ رِّزْقِكَ الَّذِيْ يَقْوٰى بِهٖ عَلٰى طَاعَتِكَ، وَ لَمْ تَحْمِلْهُ عَلَى الْمُنَاقَشَاتِ فِي الْاٰلَاتِ الَّتِيْ تَسَبَّبَ بِاسْتِعْمَالِهَآ اِلٰى مَغْفِرَتِكَ، وَ لَوْ فَعَلْتَ ذٰلِكَ بِهٖ لَذَهَبَ بِجَمِيْعِ مَا كَدَحَ لَهٗ، وَ جُمْلَةِ مَا سَعٰى فِيْهِ جَزَآءً لِّلصُّغْرٰى مِنْ اَيَادِيْكَ وَ مِنَنِكَ، وَ لَبَقِيَ رَهِيْنًا بَيْنَ يَدَيْكَ بِسَآئِرِ نِعَمِكَ، فَمَتٰى كَانَ يَسْتَحِقُّ شَيْئًا مِّنْ ثَوَابِكَ لَا! مَتٰى!.

هٰذَا يَآ اِلٰهِيْ حَالُ مَنْ اَطَاعَكَ، وَ سَبِيْلُ مَنْ تَعَبَّدَ لَكَ، فَاَمَّا الْعَاصِيْٓ اَمْرَكَ وَ الْمُوَاقِعُ نَهْيَكَ، فَلَمْ تُعَاجِلْهُ بِنَقِمَتِكَ لِكَيْ يَسْتَبْدِلَ بِحَالِهٖ فِيْ مَعْصِيَتِكَ حَالَ الْاِنَابَةِ اِلٰى طَاعَتِكَ، وَ لَقَدْ كَانَ يَسْتَحِقُّ فِيْٓ اَوَّلِ مَا هَمَّ بِعِصْيَانِكَ كُلَّ مَآ اَعْدَدْتَّ لِجَمِيْعِ خَلْقِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ، فَجَمِيْعُ مَآ اَخَّرْتَ عَنْهُ مِنَ الْعَذَابِ وَ اَبْطَاْتَ بِهٖ عَلَيْهِ مِنْ سَطَوَاتِ النَّقِمَةِ وَ الْعِقَابِ تَرْكٌ مِنْ حَقِّكَ، وَ رِضًى بِدُوْنِ وَاجِبِكَ.

سے فانی و کوتاہ مدت کے اعمال کے عوض طولانی و جاویدانی مدت کا اجر و ثواب بخشا اور قلیل و زوال پذیر اعمال کے مقابلہ میں دائمی و سرمدی جزا مرحمت فرمائی۔

پھر یہ کہ تیرے خوان نعمت سے جو رزق کھا کر اس نے تیری اطاعت پر قوت حاصل کی اس کا کوئی عوض تو نے نہیں چاہا، اور جن اعضاء و جوارح سے کام لے کر تیری مغفرت تک راہ پیدا کی اس کا سختی سے کوئی محاسبہ نہیں کیا، اور اگر تو ایسا کرتا تو اس کی تمام محنتوں کا حاصل اور سب کوششوں کا نتیجہ تیری نعمتوں اور احسانوں میں سے ایک ادنیٰ و معمولی قسم کی نعمت کے مقابلہ میں ختم ہو جاتا، اور بقیہ نعمتوں کیلئے تیری بارگاہ میں گروی ہو کر رہ جاتا (یعنی اس کے پاس کچھ نہ ہوتا کہ اپنے کو چھڑاتا)، تو ایسی صورت میں وہ کہاں تیرے کسی ثواب کا مستحق ہو سکتا تھا؟ نہیں! وہ کب مستحق ہو سکتا تھا؟۔

اے میرے معبود! یہ تو تیری اطاعت کرنے والے کا حال اور تیری عبادت کرنے والے کی سرگزشت ہے، اور وہ جس نے تیرے احکام کی خلاف ورزی کی اور تیرے منہیات کا مرتکب ہوا اسے بھی سزا دینے میں تو نے جلدی نہیں کی، تاکہ وہ معصیت و نافرمانی کی حالت کو چھوڑ کر تیری اطاعت کی طرف رجوع ہو سکے۔ سچ تو یہ ہے کہ جب پہلے پہل اس نے تیری نافرمانی کا قصد کیا تھا جب ہی وہ ہر اس سزا کا جسے تو نے تمام خلق کیلئے مہیا کیا ہے مستحق ہو چکا تھا، تو ہر وہ عذاب جسے تو نے اس سے روک لیا اور سزا و عقوبت کا ہر وہ جملہ جو اس سے تاخیر میں ڈال دیا، یہ تیرا اپنے حق سے چشم پوشی کرنا اور استحقاق سے کم پر راضی ہونا ہے۔

فَمَنْ اَكْرَمُ مِنْكَ يَاۤ اِلٰهِيْ؟ وَ مَنْ اَشْقٰى مِمَّنْ هَلَكَ عَلَيْكَ؟ لَا، مَنْ؟ فَتَبَارَكْتَ اَنْ تُوْصَفَ اِلَّا بِالْاِحْسَانِ، وَ كَرُمْتَ اَنْ يُّخَافَ مِنْكَ اِلَّا الْعَدْلُ، لَا يُخْشٰى جَوْرُكَ عَلٰى مَنْ عَصَاكَ، وَ لَا يُخَافُ اِغْفَالُكَ ثَوَابَ مَنْ اَرْضَاكَ.

اے میرے معبود! ایسی حالت میں تجھ سے بڑھ کے کون کریم ہوسکتا ہے؟ اور اس سے بڑھ کے جو تیری مرضی کے خلاف تباہ و برباد ہو، کون بدبخت ہوسکتا ہے؟ نہیں! کون ہے جو اس سے زیادہ بدبخت ہو؟ تو مبارک ہے کہ تیری توصیف لطف و احسان ہی کے ساتھ ہوسکتی ہے، اور تو بلند تر ہے اس سے کہ تجھ سے عدل و انصاف کے خلاف کا اندیشہ ہو، جو شخص تیری نافرمانی کرے تجھ سے یہ اندیشہ ہو ہی نہیں سکتا کہ تو اس پر ظلم و جور کریگا، اور نہ اس شخص کے بارے میں جو تیری رضا و خوشنودی کو ملحوظ رکھے تجھ سے حق تلفی کا خوف ہوسکتا ہے۔

فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ هَبْ لِيْۤ اَمَلِيْ، وَ زِدْنِيْ مِنْ هُدَاكَ مَاۤ اَصِلُ بِهٖ اِلَى التَّوْفِيْقِ فِيْ عَمَلِيْ، اِنَّكَ مَنَّانٌ كَرِيْمٌ.

تو محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور میری آرزوؤں کو برلا، اور میرے لئے ہدایت اور رہنمائی میں اتنا اضافہ فرما کہ میں اپنے کاموں میں توفیق سے ہمکنار رہوں۔ اس لئے کہ تو نعمتوں کا بخشنے والا اور لطف و کرم کرنے والا ہے۔

--☆☆--

یہ دُعا ادائے شکر میں اعترافِ تقصیر کے سلسلہ میں ہے۔ یہ امر کسی دلیل کا محتاج نہیں ہے کہ خداوندعالم کی نعمتوں کا شکر ممکن ہی نہیں ہے:
اولاً یہ کہ اس کی نعمتوں کا شمار نہیں ہوسکتا، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ﴾

اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو ان کا احصاء نہیں کر سکتے۔[1]

اور دوسرے یہ کہ شکرِ نعمت خود ایک نعمت ہے، اس طرح کہ اس نے نعمت کا احساس پیدا کر کے شکرِ نعمت کی توفیق عطا کی، لہٰذا اس نعمت پر بھی شکر واجب ہوگا اور یہ سلسلہ سوائے اعترافِ عجز کے کہیں ختم نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ: خداوندعالم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ: ''اے موسیٰؑ! میرا شکر بجالاؤ، ایسا کہ میرے شکر کا حق ادا ہوجائے''۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ: میں کیونکر تیرے شکر کا حق ادا کرسکتا ہوں، جبکہ ادائے شکر خود ایک نعمت ہے تو قدرت کی طرف سے ارشاد ہوا: «يَا مُوْسٰى! اَلْاٰنَ شَكَرْتَنِيْ حِيْنَ عَلِمْتَ اَنَّ ذٰلِكَ مِنِّيْ»:

[1] سورۂ نحل، آیت ۱۸۔

''اے موسیٰ! اب تم نے میرا شکرادا کیا، جبکہ یہ جان لیا کہ ادائے شکر بھی میری ایک نعمت ہے''۔[1]

شکر کے چند ارکان و اجزاء ہیں اور جس طرح ان اجزاء کے مجموعہ پر ''شکر'' کا اطلاق ہوتا ہے، اسی طرح اس کے ہر جزء پر بھی شکر کا اطلاق ہوتا ہے اور انہی اجزا کے بقدر اجر و ثواب کا استحقاق پیدا ہوتا ہے۔

- پہلا جزء یہ ہے کہ انسان یہ علم و یقین پیدا کرے کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام نعمتوں کا سرچشمہ اور وہی منعم حقیقی و ولی نعمت ہے اور جو کچھ بالواسطہ یا بلاواسطہ ملتا ہے اسی کی طرف سے ملتا ہے۔ جب وہ اس حقیقت کو سمجھ لیتا ہے اور اس پر یقین کر لیتا ہے تو وہ شکر کے ایک درجہ سے عہدہ برآ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ: حضرت داؤد علیہ السلام نے بارگاہ ایزدی میں عرض کیا کہ: اے میرے پروردگار! میں کیونکر تیرے شکر سے عہدہ برآ ہو سکتا ہوں جبکہ شکر بھی تیری ایک نعمت ہے جس پر شکر واجب ہے تو خداوند عالم نے ان پر وحی کی کہ: «اِذَا عَرَفْتَ اَنَّ النِّعَمَ مِنِّيْ رَضِيْتُ مِنْكَ بِذٰلِكَ شُكْرًا»: ''میں مقام شکر میں اس بات پر تم سے خوش ہوں کہ تم نے یہ جان لیا کہ تمام نعمتیں میری جانب سے ہیں''۔[2]
- دوسرا جزء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر خوش و خوشنود رہے۔ نہ اس لحاظ سے کہ یہ نعمتیں دنیوی لذت و کامرانی کا ذریعہ ہیں، بلکہ اس اعتبار سے کہ وہ ان کے ذریعہ خدا کی خوشنودی حاصل کر سکتا ہے، اس طرح کہ صدقہ و خیرات دے، فرائض مالی ادا کرے، عزیزوں، رشتہ داروں، محتاجوں کو امداد دے کر انہیں احتیاج کی سطح سے بلند کر دے، دینی و مذہبی اور رفاہ عامہ کے کاموں میں حصہ لے۔ ان دونوں حالتوں میں اس طرح امتیاز کیا جا سکتا ہے کہ اگر امور خیر میں صرف کرنے سے دل میں مسرت پیدا ہو تو یہ نعمتوں پر خوشنودی اللہ تعالیٰ کیلئے ہے اور اگر امور خیر میں صرف کرنے پر دل آمادہ نہ ہو یا ان میں صرف کرنے سے دل میں اطمینان و مسرت کی کیفیت پیدا نہ ہو تو یہ خوشنودی صرف دنیوی حظ اندوزی کیلئے ہے جو شکر الٰہی میں محسوب نہ ہوگی۔
- تیسرا جزء یہ ہے کہ دل اور زبان سے اللہ تعالیٰ کی تعریف و ستائش کرے۔ دل سے ستائش یہ ہے کہ اس کے عظمت و جلال اور ہیبت و اجلال سے متاثر ہو، اس کے افعال و آثار میں غور و تفکر کرے اور خلق خدا کیلئے نیک خیالات و جذبات کو دل میں جگہ دے اور ان سے نیکی و احسان کا ارادہ رکھے۔ اور زبان سے ستائش یہ ہے کہ حمد و ثنا کے الفاظ اپنی زبان سے ادا کرے۔

چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

شُكْرُ كُلِّ نِعْمَةٍ وَّاِنْ عَظُمَتْ اَنْ تَحْمَدَ اللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ عَلَيْهَا.

نعمت خواہ کتنی بڑی ہو اس پر ادائے شکر کا طریقہ یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرو۔[3]

---

[1] عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ عليه السلام قَالَ: فِيْمَآ اَوْحَى اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ اِلٰى مُوْسٰى عليه السلام: يَا مُوْسٰى! اشْكُرْنِيْ حَقَّ شُكْرِيْ. فَقَالَ يَا رَبِّ! وَ كَيْفَ اَشْكُرُكَ حَقَّ شُكْرِكَ وَ لَيْسَ مِنْ شُكْرٍ اَشْكُرُكَ بِهٖٓ اِلَّا وَ اَنْتَ اَنْعَمْتَ بِهٖ عَلَيَّ. قَالَ: يَا مُوْسٰى! الْاٰنَ شَكَرْتَنِيْ حِيْنَ عَلِمْتَ اَنَّ ذٰلِكَ مِنِّيْ. (الکافی، ج۲، ص۹۸)

[2] يَا رَبِّ! كَيْفَ اَشْكُرُكَ، وَ شُكْرِيْ لَكَ نِعْمَةٌ اُخْرٰى تُوْجِبُ عَلَيَّ الشُّكْرَ لَكَ. فَاَوْحَى اللّٰهُ اِلَيْهِ: اِذَا عَرَفْتَ اَنَّ النِّعَمَ مِنِّيْ رَضِيْتُ مِنْكَ بِذٰلِكَ شُكْرًا. (منہاج البراعۃ، ج۱، ص۳۰۰)

[3] الکافی، ج۲، ص۹۵۔

- چوتھا جزء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو صرف ان چیزوں میں صرف کرے جن سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضا وابستہ ہو اور انہیں حرام اور ناپسندیدہ کاموں میں صرف نہ کرے۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

شُكْرُ النِّعْمَةِ اجْتِنَابُ الْمَحَارِمِ.

شکرِ نعمت یہ ہے کہ محرمات سے کنارہ کشی کرو۔[1]

جو شخص ان تمام امور کو ملحوظ رکھتا ہے وہ اپنے پروردگار کا شکرگزار بندہ کہلاتا ہے، مگر ایسے شکرگزار بندے بہت کم ہیں جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴿١٣﴾﴾

میرے بندوں میں شکرگزار بندے بہت تھوڑے ہیں۔[2]

☆☆☆☆☆

---

[1] الکافی، ج ۲ ص ۹۵۔

[2] سورۂ سبا، آیت ۱۳۔

(۳۸) وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

فِي الِاعْتِذَارِ مِنْ تَبِعَاتِ الْعِبَادِ وَ مِنَ التَّقْصِيْرِ فِيْ حُقُوْقِهِمْ وَ فِيْ فَكَاكِ رَقَبَتِهٖ مِنَ النَّارِ:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْۤ اَعْتَذِرُ اِلَيْكَ مِنْ مَّظْلُوْمٍ ظُلِمَ بِحَضْرَتِيْ فَلَمْ اَنْصُرْهُ، وَ مِنْ مَّعْرُوْفٍ اُسْدِيَ اِلَيَّ فَلَمْ اَشْكُرْهُ، وَ مِنْ مُّسِيْٓءٍ اعْتَذَرَ اِلَيَّ فَلَمْ اَعْذِرْهُ، وَ مِنْ ذِيْ فَاقَةٍ سَئَلَنِيْ فَلَمْ اُوْثِرْهُ، وَ مِنْ حَقِّ ذِيْ حَقٍّ لَّزِمَنِيْ لِمُؤْمِنٍ فَلَمْ اُوَفِّرْهُ، وَ مِنْ عَيْبِ مُؤْمِنٍ ظَهَرَ لِيْ فَلَمْ اَسْتُرْهُ، وَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ عَرَضَ لِيْ فَلَمْ اَهْجُرْهُ.

اَعْتَذِرُ اِلَيْكَ يَاۤ اِلٰهِيْ مِنْهُنَّ وَ مِنْ نَظَآئِرِهِنَّ، اعْتِذَارَ نَدَامَةٍ يَّكُوْنُ وَاعِظًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنْ اَشْبَاهِهِنَّ.

فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اجْعَلْ نَدَامَتِيْ عَلٰى مَا وَقَعْتُ فِيْهِ مِنَ الزَّلَّاتِ، وَ عَزْمِيْ عَلٰى تَرْكِ مَا يَعْرِضُ لِيْ مِنَ السَّيِّئَاتِ، تَوْبَةً تُوْجِبُ لِيْ مَحَبَّتَكَ، يَا مُحِبَّ التَّوَّابِيْنَ.

--☆☆--

دُعا (۳۸)

بندوں کی حق تلفی اور ان کے حقوق میں کوتاہی سے معذرت طلبی اور دوزخ سے گلوخلاصی کیلئے یہ دُعا پڑھتے:

بارِالٰہا! میں اس مظلوم کی نسبت جس پر میرے سامنے ظلم کیا گیا ہو اور میں نے اس کی مدد نہ کی ہو، اور میرے ساتھ کوئی نیکی کی گئی ہو اور میں نے اس کا شکریہ ادا نہ کیا ہو، اور اس بدسلوکی کرنے والے کی بابت جس نے مجھ سے معذرت کی ہو اور میں نے اس کے عذر کو نہ مانا ہو، اور اس فاقہ کش کے بارے میں جس نے مجھ سے مانگا ہو اور میں نے اسے ترجیح نہ دی ہو، اور اس حقدار مومن کے حق کے متعلق جو میرے ذمہ ہو اور میں نے ادا نہ کیا ہو، اور اس مرد مومن کے بارے میں جسکا کوئی عیب مجھ پر ظاہر ہوا ہو اور میں نے اس پر پردہ نہ ڈالا ہو، اور ہر اس گناہ سے جس سے مجھے واسطہ پڑا ہو اور میں نے اس سے کنارہ کشی نہ کی ہو، تجھ سے عذر خواہ ہوں۔

بارالٰہا! میں ان تمام باتوں سے اور ان جیسی دوسری باتوں سے شرمساری وندامت کیساتھ ایسی معذرت کرتا ہوں جو میرے لئے ان جیسی پیش آیند چیزوں کیلئے پندونصیحت کرنے والی ہو۔

تو محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور ان لغزشوں سے جن سے میں دوچار ہوا ہوں میری پشیمانی کو، اور پیش آنے والی برائیوں سے دست بردار ہونے کے ارادہ کو ایسی توبہ قرار دے جو میرے لئے تیری محبت کا باعث ہو۔ اے توبہ کرنے والوں کو دوست رکھنے والے۔

--☆☆--

جب انسان کسی خطا کا مرتکب ہوتا ہے یا اسکے بارے میں ارتکابِ خطا کا شبہ کیا جاتا ہے تو وہ اس کے مؤاخذہ سے بچنے یا اس شبہ کے دفعیہ کیلئے جو عرض معروض کرتا ہے اسے ''اعتذار'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ دُعا بھی بسلسلہ اعتذار ہے جس میں حقوق اللہ اور حقوق العباد سے عذر خواہی کی ہے۔

اعتذار تین طرح سے ہوتا ہے:

* ایک یہ کہ عذر خواہ یہ کہے کہ میں نے اس کام کو کیا ہی نہیں ہے۔ اس صورت میں اس سے مؤاخذہ کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔

* اور دوسری صورت یہ ہے کہ یہ کہے کہ میں نے یہ کام کیا ہے مگر ان وجوہ واسباب سے۔ ایسی صورت میں ان وجوہ کا جائزہ لینے کے بعد اس کا عذر قابل تسلیم یا مسترد ہوسکتا ہے اور اسی اعتبار سے وہ جرم یا خطا سے بری متصور ہوگا۔

* تیسری صورت یہ ہے کہ یہ کہے کہ میں نے یہ کام کیا تو ہے اور اس میں میرا سراسر قصور ہے، لیکن میں یہ عہد کرتا ہوں کہ آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔ یہ معذرت طلبی ''توبہ'' کے معنیٰ میں ہے جو لغزش وخطا کے اعتراف اور آئندہ اس سے باز رہنے کے عہد پر مشتمل ہوتی ہے۔ یہاں پر ''اعتذار'' اسی توبہ کے معنی میں ہے اور اس معنیٰ کا شاہد یہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ۝ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ۝﴾

یہ وہ دن ہوگا کہ لوگ زبان نہ ہلا سکیں گے اور نہ انہیں اجازت دی جائے گی کہ عذر معذرت کرسکیں۔[1]

حضرتؑ نے اس دُعا کے چند جملوں میں تہذیب نفس و اصلاحِ اخلاق کی وہ تعلیمات بیان فرما دیئے ہیں جن کے زیرِ سایہ اسلام نے انسانی ذہنیت کی تعمیر کرنا چاہی تھی جو نہ صرف دینی لحاظ سے اہمیت رکھتے ہیں بلکہ اخلاقی اعتبار سے بھی ان کی بڑی قدر و قیمت ہے۔ وہ لوگ جو بعض اسلامی افراد کے عمل سے اسلام کے دامن کو داغدار ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں وہ اس دُعا کو دیکھیں کہ کیا اخلاقی تربیت، باہمی تعاون و ہمدردی اور اصلاح معاشرہ کے ایسی تعلیمات کہیں اور بھی نظر آتے ہیں؟

- پہلی تعلیم یہ ہے کہ اگر کوئی کمزور ولاچار ظلم وتشدد کا نشانہ بن رہا ہو اور کوئی دوسرا شخص اس ظلم کی روک تھام کرسکتا ہو تو اس کی نصرت وحمایت کیلئے اسے سینہ سپر ہونا چاہئے اور جہاں تک ممکن ہو اسے ظالم کے پنجہ سے رہائی دلانا چاہئے، ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل مؤاخذہ ہوگا۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

وَ مَا مِنْ مُّؤْمِنٍ يَّنْصُرُ اَخَاهُ وَ هُوَ يَقْدِرُ عَلٰى نُصْرَتِهٖ اِلَّا نَصَرَهُ اللّٰهُ فِى الْاٰخِرَةِ، وَ مَا مِنْ مُّؤْمِنٍ يَّخْذُلُ اَخَاهُ وَ هُوَ قَادِرٌ عَلٰى نُصْرَتِهٖ اِلَّا خَذَلَهُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ.

جو مومن اپنے کسی برادر مومن کی نصرت پر قادر ہو اور وہ اس کی مدد کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی آخرت میں مدد کرے گا اور جو نصرت پر قدرت واقتدار کے باوجود پہلوتہی کرے تو اللہ تعالیٰ اسے دنیا و آخرت میں اپنی نصرت سے محروم کردے گا۔[2]

---

[1] سورۂ مرسلات، آیت ۳۵-۳۶۔
[2] ریاض السالکین، ج ۵ ص ۲۷۸۔

- دوسری تعلیم یہ ہے کہ جو شخص تم سے نیکی و احسان کرے تو جذبہ احسان شناسی کے پیش نظر اس کے حسن سلوک کا قولاً و عملاً شکریہ ادا کرو اور اگر عملاً ممکن نہ ہو تو زبانی شکریہ ادا کرنے میں بخل سے کام نہ لو۔ چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کا ارشاد ہے:

اُشْكُرْ لِمَنْ اَنْعَمَ عَلَيْكَ وَ اَنْعِمْ عَلٰى مَنْ شَكَرَكَ.

جو تم سے حسن سلوک کرے اس کا شکریہ ادا کرو اور جو تمہارا شکریہ ادا کرے اس سے حسن سلوک کرو۔[1]

- تیسری تعلیم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی کسی غلطی سے معذرت کرے تو بلند ظرفی کا ثبوت دیتے ہوئے اس کے عذر کو قبول کرو، کیونکہ عذر اعترافِ جرم کی علامت ہے اور اعتراف جرم کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے درگزر کیا جائے۔ چنانچہ ارشاد نبویؐ ہے:

مَنْ لَّمْ يَقْبَلِ الْعُذْرَ مِنْ مُّتَنَصِّلٍ صَادِقاً كَانَ اَوْ كَاذِبًا لَمْ تَنَلْهُ شَفَاعَتِيْ.

جو شخص عذر کرنے والے کے عذر کو قبول نہیں کرتا عام اس سے کہ وہ سچا ہو یا جھوٹا، وہ میری شفاعت سے محروم رہے گا۔[2]

- چوتھی تعلیم یہ ہے کہ جو محتاج اور سر و سامان معیشت سے محروم ہو اس کی اعانت و خبر گیری کرو۔ ایسا نہ ہو کہ خود عیش و آرام کی زندگی بسر کرو اور دوسروں کو فقر و فاقہ کی مصیبتیں اٹھانے کیلئے چھوڑ دو، بلکہ جوہر انسانیت یہ ہے کہ اپنی ذات پر دکھ جھیل لو، تنگی و عسرت میں بسر کر لو، مگر دوسروں کو فاقہ و گرسنگی میں دیکھنا گوارا نہ کرو۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾

وہ اپنے اوپر تنگی برداشت کرتے ہوئے دوسروں کو اپنے نفس پر ترجیح دیتے ہیں۔[3]

- پانچویں تعلیم یہ ہے کہ اہل ایمان کے جو حقوق تم پر عائد ہوتے ہیں انہیں ادا کرنے کی پوری پوری کوشش کرو۔ اس لئے کہ جس طرح آخرت میں حقوق اللہ کے متعلق پوچھا جائے گا، حقوق العباد کے متعلق بھی جواب دہ ہونا پڑے گا۔ وہ حقوق کیا ہیں؟ انہیں صادق آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کی زبان سے سنیئے۔ معلی ابن خنیس کہتے ہیں کہ میں نے حضرتؑ سے پوچھا کہ: ایک مومن کا دوسرے مومن پر کیا حق ہے؟ آپؑ نے فرمایا:

اَيْسَرُ حَقٍّ مِّنْهَاۤ اَنْ تُحِبَّ لَهٗ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ وَ تَكْرَهَ لَهٗ مَا تَكْرَهُ لِنَفْسِكَ، وَ الْحَقُّ الثَّانِيْ اَنْ تَجْتَنِبَ سَخَطَهٗ وَ تَتَّبِعَ مَرْضَاتَهٗ وَ تُطِيْعَ اَمْرَهٗ، وَ الْحَقُّ الثَّالِثُ اَنْ تُعِيْنَهٗ بِنَفْسِكَ وَ مَالِكَ وَ لِسَانِكَ وَ يَدِكَ وَ رِجْلِكَ، وَ الْحَقُّ الرَّابِعُ اَنْ تَكُوْنَ عَيْنَهٗ وَ دَلِيْلَهٗ وَ مِرْاٰتَهٗ، وَ الْحَقُّ الْخَامِسُ اَنْ لَّا تَشْبَعَ وَ يَجُوْعُ وَ لَا تَرْوٰى وَ يَظْمَاُ وَ لَا تَلْبَسَ وَ يَعْرٰى، وَ الْحَقُّ السَّادِسُ اَنْ يَّكُوْنَ لَكَ خَادِمٌ وَّ لَيْسَ لِاَخِيْكَ خَادِمٌ فَوَاجِبٌ عَلَيْكَ اَنْ تَبْعَثَ خَادِمَكَ فَيَغْسِلَ ثِيَابَهٗ وَ يَصْنَعَ طَعَامَهٗ وَ يَمْهَدَ فِرَاشَهٗ، وَ الْحَقُّ السَّابِعُ اَنْ تُبِرَّ قَسَمَهٗ وَ تُجِيْبَ دَعْوَتَهٗ وَ تَعُوْدَ مَرِيْضَهٗ وَ تَشْهَدَ جَنَازَتَهٗ وَ اِذَا عَلِمْتَ اَنَّ لَهٗ حَاجَةً تُبَادِرُهٗ اِلٰى قَضَآئِهَا وَ لَا تُلْجِئُهٗۤ اَنْ يَسْئَلَكَهَا وَ لٰكِنْ تُبَادِرُهٗ مُبَادَرَةً.

[1] ریاض السالکین، ج۵، ص ۲۸۲۔
[2] ریاض السالکین، ج۵، ص ۲۸۴۔
[3] سورۂ حشر، آیت ۹۔

پہلا حق یہ ہے کہ جو اپنے لئے پسند کرتے ہو وہ اس کیلئے بھی پسند کرو اور جو اپنے لئے ناپسند کرتے ہو وہ اس کیلئے بھی ناپسند کرو۔ دوسرا حق یہ ہے کہ اسے ناراض نہ کرو اور اس کی رضا و خوشنودی کو مدنظر رکھو اور اس کے فرمان کو پورا کرو۔ تیسرا حق یہ ہے کہ جان، مال، زبان اور ہاتھ پاؤں سے اس کی مدد کرو۔ چوتھا حق یہ ہے کہ تم اس کیلئے نگران رہنما اور بمنزلہ آئینہ کے بنو (کہ اس کے عیوب و محاسن اسے دکھاتے رہو)۔ پانچواں حق یہ ہے کہ وہ بھوکا ہو تو تم سیر، وہ پیاسا ہو تو تم سیراب، وہ بے لباس ہو تو تم تن ڈھانکے ہوئے نہ ہو۔ چھٹا حق یہ ہے کہ تمہارے ہاں نوکر ہو اور اس کے ہاں نہ ہو تو ضروری ہے کہ تم اپنے ملازم کو بھیجو کہ وہ اس کا لباس دھوئے، کھانا تیار کرے اور بستر بچھائے۔ ساتواں حق یہ ہے کہ اس کی قسم پر اعتماد کرو، اس کی دعوت قبول کرو اس کے ہاں کوئی بیمار ہو تو بیمار پرسی کرو، اس کے جنازہ کی مشایعت کرو اور جب تمہیں علم ہو کہ اسے کوئی حاجت درپیش ہے تو اسے پورا کرنے میں جلدی کرو اور اس پر اسے مجبور نہ کرو کہ وہ تمہارے سامنے اپنی حاجت پیش کرے جب ہی تم اس کی حاجت روائی کرو۔[1]

امام علیہ السلام نے اس دُعا میں لفظ ''مومن'' کی قید لگا کر صرف اس حق کا ذکر کیا ہے جو اُخوت ایمانی کی وجہ سے عائد ہوتا ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ جہاں اخوت ایمانی نہ ہو وہاں کوئی حق ہی نہیں ہے، جبکہ کافر کیلئے حق جوار، حق امانت اور اس قبیل کے دوسرے حقوق ثابت ہیں۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

اَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰٓی اَهْلِهَا وَ لَوْ كَانُوْا مَجُوْسًا.

امانتوں کو ان کے اہل تک پہنچاؤ، اگر چہ وہ مجوسی ہی کیوں نہ ہوں۔[2]

- چھٹی تعلیم یہ ہے کہ جس طرح اپنے عیوب کی پردہ پوشی کرتے ہو اسی طرح دوسرے اہل ایمان کے عیوب بھی چھپاؤ۔ چنانچہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے:

مَنْ قَالَ فِیْ مُؤْمِنٍ مَّا رَاَتْ عَیْنَاهُ وَ سَمِعَتْ اُذُنَاهُ مَا یَشِیْنُهٗ وَ یَهْدِمُ مُرُوَّتَهٗ فَهُوَ مِنَ الَّذِیْنَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۙ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ﴾[3].

جو شخص کسی مومن کے بارے ایسی بات کہے جو اسے ذلیل کرنے والی اور اس کی آبرو کو زائل کرنے والی ہو، اگرچہ اس نے آنکھوں سے دیکھی اور کانوں سے سنی ہو تو وہ ان لوگوں میں محسوب ہوگا جن کے بارے میں ارشاد الٰہی ہے کہ: ''جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمانداروں میں بری باتوں کا چرچا پھیلے تو ان کیلئے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے''۔[4]

☆☆☆☆☆

[1] الکافی، ج ۲ ص ۱۶۹۔ ریاض السالکین، ج ۵ ص ۲۸۹۔

[2] ریاض السالکین، ج ۵ ص ۲۸۸۔

[3] سورۂ نور، آیت ۱۹۔

[4] ریاض السالکین، ج ۵ ص ۲۹۱۔

(۳۹) وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

فِيْ طَلَبِ الْعَفْوِ وَ الرَّحْمَةِ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اكْسِرْ شَهْوَتِيْ عَنْ كُلِّ مَحْرَمٍ، وَ ازْوِ حِرْصِيْ عَنْ كُلِّ مَاْثَمٍ، وَ امْنَعْنِيْ عَنْ اَذٰى كُلِّ مُؤْمِنٍ وَّ مُؤْمِنَةٍ، وَ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَةٍ.

اَللّٰهُمَّ وَ اَيُّمَا عَبْدٍ نَّالَ مِنِّيْ مَا حَظَرْتَ عَلَيْهِ، وَ انْتَهَكَ مِنِّيْ مَا حَجَزْتَ عَلَيْهِ، فَمَضٰى بِظُلَامَتِيْ مَيِّتًا، اَوْ حَصَلَتْ لِيْ قِبَلَهٗ حَيًّا، فَاغْفِرْ لَهٗ مَاۤ اَلَمَّ بِهٖ مِنِّيْ، وَ اعْفُ لَهٗ عَمَّاۤ اَدْبَرَ بِهٖ عَنِّيْ، وَ لَا تَقِفْهُ عَلٰى مَا ارْتَكَبَ فِيَّ، وَ لَا تَكْشِفْهُ عَمَّا اكْتَسَبَ بِيْ، وَ اجْعَلْ مَا سَمَحْتُ بِهٖ مِنَ الْعَفْوِ عَنْهُمْ، وَ تَبَرَّعْتُ بِهٖ مِنَ الصَّدَقَةِ عَلَيْهِمْ اَزْكٰى صَدَقَاتِ الْمُتَصَدِّقِيْنَ، وَ اَعْلٰى صِلَاتِ الْمُتَقَرِّبِيْنَ، وَ عَوِّضْنِيْ مِنْ عَفْوِيْ عَنْهُمْ عَفْوَكَ، وَ مِنْ دُعَآئِيْ لَهُمْ رَحْمَتَكَ حَتّٰى يَسْعَدَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنَّا بِفَضْلِكَ، وَ يَنْجُوَ كُلٌّ مِّنَّا بِمَنِّكَ.

اَللّٰهُمَّ وَ اَيُّمَا عَبْدٍ مِّنْ عَبِيْدِكَ

دُعا (۳۹)

طلب عفوو رحمت کیلئے یہ دُعا پڑھتے

بارالٰہا! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور ہر امر حرام سے میری خواہش (کا زور) توڑ دے، اور ہر گناہ سے میری حرص کا رخ موڑ دے، اور ہر مومن اور مومنہ، مسلم اور مسلمہ کی ایذا رسانی سے مجھے باز رکھ۔

اے میرے معبود! جو بندہ بھی میرے بارے میں ایسے امر کا مرتکب ہو جسے تو نے اس پر حرام کیا تھا، اور میری عزت پر حملہ آور ہوا ہو جس سے تو نے اسے منع کیا تھا، میرا مظلمہ لے کر دُنیا سے اٹھ گیا ہو یا حالت حیات میں اس کے ذمہ باقی ہو، تو اس نے مجھ پر جو ظلم کیا ہے اسے بخش دے، اور میرا جو حق لے کر چلا گیا ہے، اسے معاف کر دے، اور میری نسبت جس امر کا مرتکب ہوا ہے اس پر اسے سرزنش نہ کر، اور مجھے آزردہ کرنے کے باعث اسے رسوا نہ فرما، اور جس عفوو درگزر کی میں نے ان کیلئے کوشش کی ہے اور جس کرم و بخشش کو میں نے ان کیلئے روا رکھا ہے، اسے صدقہ کرنے والوں کے صدقہ سے پاکیزہ تر اور تقرب چاہنے والوں کے عطیوں سے بلند تر قرار دے، اور اس عفوو درگزر کے عوض تو مجھ سے درگزر کر، اور ان کیلئے دُعا کرنے کے صلہ میں مجھے اپنی رحمت سے سرفراز فرما، تاکہ ہم میں سے ہر ایک تیرے فضل و کرم کی بدولت خوش نصیب ہو سکے، اور تیرے لطف و احسان کی وجہ سے نجات پا جائے۔

اے اللہ! تیرے بندوں میں سے جس کسی کو مجھ سے کوئی ضرر

اَدْرَكَهٗ مِنِّیْ دَرَكٌ، اَوْ مَسَّهٗ مِنْ نَّاحِیَتِیْ اَذًی، اَوْ لَحِقَهٗ بِیْ اَوْ بِسَبَبِیْ ظُلْمٌ فَفُتُّهٗ بِحَقِّهٖ، اَوْ سَبَقْتُهٗ بِمَظْلِمَتِهٖ

فَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اَرْضِهٖ عَنِّیْ مِنْ وُّجْدِكَ، وَ اَوْفِهٖ حَقَّهٗ مِنْ عِنْدِكَ، ثُمَّ قِنِیْ مَا یُوْجِبُ لَهٗ حُكْمُكَ، وَ خَلِّصْنِیْ مِمَّا یَحْكُمُ بِهٖ عَدْلُكَ، فَاِنَّ قُوَّتِیْ لَا تَسْتَقِلُّ بِنَقِمَتِكَ، وَ اِنَّ طَاقَتِیْ لَا تَنْهَضُ بِسُخْطِكَ، فَاِنَّكَ اِنْ تُكَافِنِیْ بِالْحَقِّ تُهْلِكْنِیْ، وَ اِلَّا تَغَمَّدْنِیْ بِرَحْمَتِكَ تُوْبِقْنِیْ.

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْۤ اَسْتَوْهِبُكَ یَاۤ اِلٰهِیْ مَا لَا یُنْقِصُكَ بَذْلُهٗ، وَ اَسْتَحْمِلُكَ مَا لَا یَبْهَظُكَ حَمْلُهٗ، اَسْتَوْهِبُكَ یَاۤ اِلٰهِیْ نَفْسِیَ الَّتِیْ لَمْ تَخْلُقْهَا لِتَمْتَنِعَ بِهَا مِنْ سُوْٓءٍ، اَوْ لِتَطَرَّقَ بِهَاۤ اِلٰی نَفْعٍ، وَ لٰكِنْ اَنْشَاْتَهَاۤ اِثْبَاتًا لِّقُدْرَتِكَ عَلٰی مِثْلِهَا، وَ احْتِجَاجًا بِهَا عَلٰی شَكْلِهَا، وَ اَسْتَحْمِلُكَ مِنْ ذُنُوْبِیْ مَا قَدْ بَهَظَنِیْ حَمْلُهٗ، وَ اَسْتَعِیْنُ بِكَ عَلٰی مَا

پہنچا ہو، یا میری جانب سے کوئی اذیت پہنچی ہو، یا مجھ سے یا میری وجہ سے اس پر ظلم ہوا ہو، اس طرح کہ میں نے اس کے کسی حق کو ضائع کیا ہو، یا اس کے کسی مظلمہ کی دادخواہی نہ کی ہو۔

تو محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور اپنی غنا و تونگری کے ذریعہ اسے مجھ سے راضی کر دے، اور اپنے پاس سے اس کا حق بے کم و کاست ادا کر دے، پھر یہ کہ اس چیز سے جس کا تیرے حکم کے تحت سزاوار ہوں بچالے، اور جو تیرے عدل کا تقاضا ہے اس سے نجات دے، اس لئے کہ مجھے تیرے عذاب کے برداشت کرنے کی تاب نہیں، اور تیری ناراضگی کے جھیل لے جانے کی ہمت نہیں۔ لہٰذا اگر تو مجھے حق و انصاف کی رو سے بدلہ دے گا تو مجھے ہلاک کر دے گا، اور اگر دامن رحمت میں نہیں ڈھانپے گا تو مجھے تباہ کر دے گا۔

اے اللہ! اے میرے معبود! میں تجھ سے اس چیز کا طالب ہوں جس کے عطا کرنے سے تیرے ہاں کچھ کمی نہیں ہوتی، اور وہ بار تجھ پر رکھنا چاہتا ہوں جو تجھے گرانبار نہیں بناتا، اور تجھ سے اس جان کی بھیک مانگتا ہوں جسے تو نے اس لئے پیدا نہیں کیا کہ اس کے ذریعہ ضرر و زیاں سے تحفظ کرے یا منفعت کی راہ نکالے، بلکہ اس لئے پیدا کیا تا کہ اس امر کا ثبوت بہم پہنچائے، اور اس بات پر دلیل لائے کہ تو اس جیسی اور اس طرح کی مخلوق پیدا کرنے پر قادر و توانا ہے، اور تجھ سے اس امر کا خواستگار ہوں کہ مجھے ان گناہوں سے سبکبار کر دے جن کا بار مجھے ہلکان کئے ہوئے ہے، اور تجھ سے مدد مانگتا ہوں اس چیز کی نسبت جس کی گرانباری نے

قَدْ فَدَحَنِیْ ثِقْلُهٗ.

فَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ هَبْ لِنَفْسِیْ عَلٰی ظُلْمِهَا نَفْسِیْ، وَ وَكِّلْ رَحْمَتَكَ بِاحْتِمَالِ اِصْرِیْ، فَكَمْ قَدْ لَحِقَتْ رَحْمَتُكَ بِالْمُسِیْٓئِیْنَ، وَ كَمْ قَدْ شَمِلَ عَفْوُكَ الظّٰلِمِیْنَ.

فَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اجْعَلْنِیْ اُسْوَةَ مَنْ قَدْ اَنْهَضْتَهٗ بِتَجَاوُزِكَ عَنْ مَّصَارِعِ الْخَاطِئِیْنَ، وَ خَلَّصْتَهٗ بِتَوْفِیْقِكَ مِنْ وَّرَطَاتِ الْمُجْرِمِیْنَ، فَاَصْبَحَ طَلِیْقَ عَفْوِكَ مِنْ اِسَارِ سُخْطِكَ، وَ عَتِیْقَ صُنْعِكَ مِنْ وَّثَاقِ عَدْلِكَ.

اِنَّكَ اِنْ تَفْعَلْ ذٰلِكَ یَاۤ اِلٰهِیْ تَفْعَلْهُ بِمَنْ لَّا یَجْحَدُ اسْتِحْقَاقَ عُقُوْبَتِكَ، وَ لَا یُبَرِّئُ نَفْسَهٗ مِنِ اسْتِیْجَابِ نَقِمَتِكَ، تَفْعَلْ ذٰلِكَ یَاۤ اِلٰهِیْ بِمَنْ خَوْفُهٗ مِنْكَ اَكْثَرُ مِنْ طَمَعِهٖ فِیْكَ، وَ بِمَنْ یَاْسُهٗ مِنَ النَّجَاةِ اَوْكَدُ مِنْ رَّجَآئِهٖ لِلْخَلَاصِ، لَاۤ اَنْ یَّكُوْنَ یَاْسُهٗ قُنُوْطًا، اَوْ اَنْ یَّكُوْنَ طَمَعُهٗ اغْتِرَارًا، بَلْ لِقِلَّةِ حَسَنَاتِهٖ بَیْنَ سَیِّئَاتِهٖ، وَ ضَعْفِ حُجَجِهٖ فِیْ جَمِیْعِ تَبِعَاتِهٖ.

فَاَمَّاۤ اَنْتَ یَاۤ اِلٰهِیْ فَاَهْلٌ اَنْ لَّا یَغْتَرَّ بِكَ

مجھے عاجز کر دیا ہے۔

تو محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور میرے نفس کو باوجودیکہ اس نے خود اپنے اوپر ظلم کیا ہے بخش دے، اور اپنی رحمت کو میرے گناہوں کا بارگراں اٹھانے پر مامور کر، اس لئے کہ کتنی ہی مرتبہ تیری رحمت گنہگاروں کے ہمکنار اور تیرا عفو و کرم ظالموں کے شامل حال رہا ہے۔

تو محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور مجھے ان لوگوں کیلئے نمونہ بنا جنہیں تو نے اپنے عفو کے ذریعہ خطا کاروں کے گرنے کے مقامات سے اوپر اٹھا لیا، اور جنہیں تو نے اپنی توفیق سے گنہگاروں کے مہلکوں سے بچا لیا، تو وہ تیرے عفو و بخشش کے وسیلہ سے تیری ناراضگی کے بندھنوں سے چھوٹ گئے، اور تیرے احسان کی بدولت عدل کی بندشوں سے آزاد ہو گئے۔

اے میرے اللہ! اگر تو مجھے معاف کر دے تو تیرا یہ سلوک اس کے ساتھ ہوگا جو سزاوار عقوبت ہونے سے انکاری نہیں ہے، اور نہ مستحق سزا ہونے سے اپنے کو بری سمجھتا ہے، یہ تیرا برتاؤ اس کے ساتھ ہوگا اے میرے معبود! جس کا خوف امید عفو سے بڑھا ہوا ہے، اور جس کی نجات سے ناامیدی رہائی کی توقع سے قوی تر ہے۔ یہ اس لئے نہیں کہ اس کی ناامیدی رحمت سے مایوسی ہو، یا یہ کہ اس کی امید فریب خوردگی کا نتیجہ ہو، بلکہ اس لئے کہ اس کی برائیاں نیکیوں کے مقابلہ میں کم اور گناہوں کے تمام موارد میں عذر خواہی کے وجوہ کمزور ہیں۔

لیکن اے میرے معبود! تو اس کا سزاوار ہے کہ راست باز

الصِّدِّيْقُوْنَ، وَ لَا يَيْأَسَ مِنْكَ الْمُجْرِمُوْنَ، لِاَنَّكَ الرَّبُّ الْعَظِيْمُ الَّذِىْ لَا يَمْنَعُ اَحَدًا فَضْلَهٗ، وَ لَا يَسْتَقْصِىْ مِنْ اَحَدٍ حَقَّهٗ.

لوگ بھی تیری رحمت پر مغرور ہوکر فریب نہ کھائیں، اور گنہگار بھی تجھ سے ناامید نہ ہوں، اس لئے کہ تو وہ رب عظیم ہے کہ کسی پر فضل واحسان سے دریغ نہیں کرتا، اور کسی سے اپنا حق پورا پورا وصول کرنے کے درپے نہیں ہوتا۔

تَعَالٰى ذِكْرُكَ عَنِ الْمَذْكُوْرِيْنَ، وَ تَقَدَّسَتْ اَسْمَآؤُكَ عَنِ الْمَنْسُوْبِيْنَ، وَ فَشَتْ نِعْمَتُكَ فِىْ جَمِيْعِ الْمَخْلُوْقِيْنَ، فَلَكَ الْحَمْدُ عَلٰى ذٰلِكَ يَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ.

--☆☆--

تیرا ذکر تمام نام آوروں (کے ذکر) سے بلند تر ہے، اور تیرے اسماء اس سے کہ دوسرے حسب ونسب والے ان سے موسوم ہوں منزہ ہیں، تیری نعمتیں تمام کائنات میں پھیلی ہوئی ہیں، لہٰذا اس سلسلہ میں تیرے ہی لئے حمد و ستائش ہے، اے تمام جہان کے پروردگار۔

--☆☆--

''عفو ورحمت'' اللہ تعالیٰ کی صفتوں میں سے ایک عظیم صفت ہے جس کا تذکرہ قرآن مجید کے صفحات پر نمایاں اور کثرت سے پھیلا ہوا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی ذات کیلئے رحمت وآمرزش کو ضروری قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

﴿كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ ۙ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵۴﴾

تمہارے پروردگار نے اپنے اوپر رحمت لازم کرلی ہے، لہٰذا تم میں سے جو کوئی نادانی سے برائی کر بیٹھے اور پھر توبہ کرلے اور اپنی حالت سنوار لے (تو خدا اس سے درگزر کرے گا) کیونکہ وہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔[1]

ان صفات کے تذکرہ سے جہاں صفاتِ الٰہی کا تصور پیدا کرنا مقصود ہے وہاں یہ بھی مقصد ہے کہ اس کے بندے ان اوصاف کی جھلک اپنے اندر پیدا کریں اور اپنے اخلاق وعادات کو اخلاقِ الٰہی کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ جب انسان غیظ وغضب اور جوش انتقام کو دبا کر عفو و درگزر سے کام لیتا ہے تو وہ رحمت ورافت کے لطیف احساسات کے پرتو میں «تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ»[2] کی منزل کی طرف بڑھتا نظر آتا ہے اور اپنے قلب وضمیر میں رقت ونرمی کے تاثرات پیدا کرکے ملکوتی صفات سے متصف ہوجاتا ہے اور اسی مقصد کے پیشِ نظر خداوند عالم نے اپنے بندوں کو عفو و درگزر کی تعلیم دی ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری ہے:

---

[1] سورۂ انعام، آیت ۵۴۔

[2] بحار الانوار، ج ۵۸، ص ۱۲۹۔

﴿وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲﴾﴾
انہیں چاہیئے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں، کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری خطائیں معاف کر دے اور اللہ تعالیٰ تو بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔[۱]

اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

وَ لَا عَفَا رَجُلٌ عَنْ مَّظْلِمَةٍ يَّبْتَغِيْ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ اِلَّا زَادَهُ اللّٰهُ بِهَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ.
جو شخص اپنے کسی مظلمہ کو صرف خوشنودی خدا کے پیش نظر معاف کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی وجہ سے اس کی عزت و رفعت میں اضافہ کر دے گا۔[۲]

اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام اپنی ایک وصیت میں ارشاد فرماتے ہیں:

وَاِنْ اَعْفُ فَالْعَفْوُ لِيْ قُرْبَةٌ وَّ لَكُمْ حَسَنَةٌ، فَاعْفُوْا وَ اصْفَحُوْا، ﴿اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ﴾[۳].
اگر معاف کر دوں تو یہ میرے لئے رضائے الٰہی کا باعث ہے اور وہ تمہارے لئے بھی نیکی ہو گی، لہٰذا معاف کر دو، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں بخش دے۔[۴]

جو شخص نفرت و انتقام کے جذبات سے مغلوب ہو کر عفو و درگزر کی گنجائش پیدا نہیں کرتا اسے سوچنا چاہیئے کہ اگر وہ دوسروں کی خطاؤں کو معاف نہیں کر دے سکتا تو اسے یہ حق کہاں سے پہنچتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کی امید رکھے اور اپنے گناہوں سے عفو و بخشش کی التجا کرے۔ البتہ جو شخص انتقامی جذبات کو دبا کر قصورواروں کے قصور معاف کر دیتا اور خطاکاروں کی خطاؤں سے درگزر کرتا ہے اسے اللہ تعالیٰ سے بھی عفو و بخشش کے طلب کرنے کا حق پہنچتا ہے۔ اگرچہ دوسروں کی چیرہ دستیوں اور ستم رانیوں کے مقابلے میں صبر و ضبط سے کام لینا اور عفو و درگزر کو بروئے کار لانا کوئی آسان بات نہیں ہے، کیونکہ انسان کیلئے یہی چیزیں تو اشتعال کا باعث ہوتی ہیں اور مشتعل جذبات کے سیل کو روکنا دریا کے رخ کو موڑنا ہے، مگر وہ آزمائش ہی کیا جس میں دشواریوں سے گزرنا اور جذبات و احساسات کو کچلنا نہ پڑے۔ بے شک یہ کام بلند ہمتی اور روحانی قوت ہی کے زیر اثر انجام پا سکتا ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۴۳﴾﴾
جو شخص صبر کرے اور بخش دے تو یہ بڑی بلند ہمتی و اولو العزمی کا مظاہرہ ہے۔[۵]

---

[۱] سورۂ نور، آیت ۲۲۔
[۲] مجموعۂ ورام، ج ص ۱۲۶۔
[۳] سورۂ نور، آیت ۲۲۔
[۴] الکافی، ج ا ص ۲۹۹۔
[۵] سورۂ شوریٰ، آیت ۴۳۔

حضرتؑ نے اس دُعا میں یہی تعلیم دی ہے کہ تم اپنے خطا کاروں کو بخشو تا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری خطاؤں کو بخشے۔ چنانچہ اسی روش کو وسیلہ قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں کہ:

اے میرے معبود! میں ایک انسان ہوں جس میں غضب و انتقام کے جذبات ہو سکتے ہیں، مگر میں ان جذبات سے متاثر ہونے کے بجائے عفو و درگزر کی راہ اختیار کرتا ہوں اور ان لوگوں کو جنہوں نے مجھ پر ظلم و ستم کئے، چرکوں پر چرکے لگائے، میرے حقوق ضائع و برباد کئے، افتراء پردازی و کذب تراشی سے میری عزت و آبرو پر حملہ آور ہوئے، وہ زندہ ہوں یا مر چکے ہوں، سب کو یک قلم معاف کرتا ہوں اور انتقام کے بجائے تجھ سے ان کیلئے دُعائے خیر کرتا ہوں، تا کہ لذّتِ آزار انتقامی جذبے سے آلودہ نہ ہو اور تو سراسر رحمت و رافت ہے اور نفرت و انتقام کے جذبات سے مبرا، تو کیونکر میرے عفو و درگزر کو دیکھ کر تیری رحمت کا ارداہ جوش میں نہ آئے گا؟ اور مجھے اپنی رحمت و رافت کے سایہ میں جگہ نہ دے گا؟ جبکہ تیرے دامن رحمت میں اچھے اور بروں سب کیلئے گنجائش ہے۔

☆☆☆☆☆

(۴۰) وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

اِذَا نُعِيَ اِلَيْهِ مَيِّتٌ، اَوْ ذَكَرَ الْمَوْتَ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اكْفِنَا طُوْلَ الْاَمَلِ، وَ قَصِّرْهُ عَنَّا بِصِدْقِ الْعَمَلِ حَتّٰى لَا نُؤَمِّلَ اسْتِتْمَامَ سَاعَةٍ بَعْدَ سَاعَةٍ، وَ لَا اسْتِيْفَآءَ يَوْمٍ بَعْدَ يَوْمٍ، وَ لَا اتِّصَالَ نَفَسٍ بِنَفَسٍ، وَ لَا لُحُوْقَ قَدَمٍ بِقَدَمٍ.

وَ سَلِّمْنَا مِنْ غُرُوْرِهٖ، وَ اٰمِنَّا مِنْ شُرُوْرِهٖ، وَ انْصِبِ الْمَوْتَ بَيْنَ اَيْدِيْنَا نَصْبًا، وَ لَا تَجْعَلْ ذِكْرَنَا لَهٗ غِبًّا، وَ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ صَالِحِ الْاَعْمَالِ عَمَلًا نَّسْتَبْطِئُ مَعَهُ الْمَصِيْرَ اِلَيْكَ، وَ نَحْرِصُ لَهٗ عَلٰى وَشْكِ اللَّحَاقِ بِكَ حَتّٰى يَكُوْنَ الْمَوْتُ مَاْنَسَنَا الَّذِيْ نَاْنَسُ بِهٖ، وَ مَاْلَفَنَا الَّذِيْ نَشْتَاقُ اِلَيْهِ، وَ حَامَّتَنَا الَّتِيْ نُحِبُّ الدُّنُوَّ مِنْهَا.

فَاِذَآ اَوْرَدْتَّهٗ عَلَيْنَا وَ اَنْزَلْتَهٗ بِنَا فَاَسْعِدْنَا بِهٖ زَآئِرًا، وَ اٰنِسْنَا بِهٖ قَادِمًا، وَ لَا تُشْقِنَا بِضِيَافَتِهٖ، وَ لَا تُخْزِنَا بِزِيَارَتِهٖ، وَ اجْعَلْهُ بَابًا مِّنْ اَبْوَابِ مَغْفِرَتِكَ، وَ مِفْتَاحًا مِّنْ

دُعا (۴۰)

جب کسی کی خبر مرگ سنتے یا موت کو یاد کرتے تو یہ دُعا پڑھتے

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور ہمیں طول طویل امیدوں سے بچائے رکھ، اور پرخلوص اعمال کے بجا لانے سے دامن امید کو کوتاہ کردے، تاکہ ہم ایک گھڑی کے بعد دوسری گھڑی کے تمام کرنے، ایک دن کے بعد دوسرے دن کے گزارنے، ایک سانس کے بعد دوسری سانس کے آنے اور ایک قدم کے بعد دوسرے قدم کے اٹھنے کی آس نہ رکھیں۔

ہمیں فریب، آرزو اور فتنۂ امید سے محفوظ و مامون رکھ اور موت کو ہمارا نصب العین قرار دے اور کسی دن بھی ہمیں اس کی یاد سے خالی نہ رہنے دے، اور نیک اعمال میں سے ہمیں ایسے عمل خیر کی توفیق دے جس کے ہوتے ہوئے ہم تیری جانب بازگشت میں دیری محسوس کریں، اور جلد سے جلد تیری بارگاہ میں حاضر ہونے کے آرزو مند ہوں، اس حد تک کہ موت ہمارے انس کی منزل ہو جائے جس سے ہم جی لگائیں، اور الفت کی جگہ بن جائے جس کے ہم مشتاق ہوں، اور ایسی عزیز ہو جس کے قرب کو ہم پسند کریں۔

جب تو اسے ہم پر وارد کرے اور ہم پر لا اتارے تو اس کی ملاقات کے ذریعہ ہمیں سعادت مند بنانا، اور جب وہ آئے تو ہمیں اس سے مانوس کرنا، اور اس کی مہمانی سے ہمیں بدبخت نہ قرار دینا، اور نہ اس کی ملاقات سے ہم کو رسوا کرنا، اور اسے اپنی مغفرت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ اور رحمت کی کنجیوں میں سے ایک

مَفَاتِيحَ رَحْمَتِكَ.

اَمِتْنَا مُهْتَدِيْنَ غَيْرَ ضَآلِّيْنَ، طَآئِعِيْنَ غَيْرَ مُسْتَكْرِهِيْنَ، تَآئِبِيْنَ غَيْرَ عَاصِيْنَ وَ لَا مُصِرِّيْنَ، يَا ضَامِنَ جَزَآءِ الْمُحْسِنِيْنَ، وَ مُسْتَصْلِحَ عَمَلِ الْمُفْسِدِيْنَ.

--☆☆--

کلید قرار دے۔

اور ہمیں اس حالت میں موت آئے کہ ہم ہدایت یافتہ ہوں گمراہ نہ ہوں، فرمانبردار ہوں اور (موت سے) نفرت کرنے والے نہ ہوں، توبہ گزار ہوں خطا کار اور گناہ پر اصرار کرنے والے نہ ہوں، اے نیکوکاروں کے اجر وثواب کا ذمہ لینے والے، اور بدکرداروں کے عمل و کردار کی اصلاح کرنے والے۔

--☆☆--

اس دنیا میں کوئی انسان یہ نہیں چاہتا کہ وہ اپنے املاک، باغات، مال واثاثہ اور ساز وسامان راحت کو چھوڑ کر قبر کا تاریک گوشہ بسائے اور اس مادی زندگی سے رابطہ ختم کر کے موت سے رشتہ جوڑے۔ کیونکہ اس دنیائے رنگ و بو میں اتنی جاذبیت وکشش ہے کہ اسے اپنے اختیار سے چھوڑا نہیں جا سکتا اور ایک اپاہج اور مفلوج جو چل پھر نہیں سکتا اور ایک اندھا، بہرا، گونگا جو دیکھنے، سننے اور بولنے سے عاجز ہے وہ بھی یہی چاہتا ہے کہ جس حالت میں ہوں زندہ رہوں اور اگر کوئی شخص موت کا پیغام سن لیتا ہے تو اس کے دل و دماغ ماؤف اور ہوش وحواس معطل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک منجم نے کسی بادشاہ سے کہہ دیا کہ تم اتنے عرصہ کے بعد فلاں تاریخ اور فلاں وقت مر جاؤ گے۔ اس پیشین گوئی میں کوئی واقعیت ہو یا نہ ہو، مگر ہوا یہ کہ دنیا اس کی نگاہوں میں تیرہ وتار ہوگئی، اگرچہ پیشین گوئی کے مطابق زندگی کا کچھ عرصہ باقی تھا مگر اس نے کاروبار مملکت سے ہاتھ اٹھا لیا، تخت وتاج کو چھوڑ کر گوشہ گزیں ہوگیا اور ایسا محسوس کرنے لگا کہ ایک ایک رگ اور ایک ایک نس میں موت اپنا خونی پنجہ گڑوئے ہوئے ہے۔

یہ موت کا تصور اتنا بھیانک کیوں ہے؟

اگر انسان غور وفکر سے کام لے تو وہ اس حقیقت کو سمجھ لے گا کہ یہ زندگی ایک دوسری زندگی کا پیش خیمہ ہے، کیونکہ بگڑنا بننے ہی کیلئے ہوتا ہے اور جبکہ ہر غروب کے بعد طلوع، ہر خزاں کے بعد بہار اور ہر شام کے بعد صبح کی نمود ضروری ہے تو اس موت کے بعد زندگی کا ظہور کیوں نہ ہو۔ ایک دن وہ بھی تھا کہ انسان عدم کے اندھیرے میں پوشیدہ تھا کہ قدرت نے ایک غیر مرئی جرثومہ کی صورت میں اسے صلب پدر میں ودیعت کیا، وہاں سے شکم مادر میں منتقل ہوا جہاں کچھ مدت جماد کی صورت میں اور کچھ عرصہ لاشعوری کی حالت میں گزارا، پھر اس دنیا میں آیا جہاں کے راہ رسم سے ناواقف اور آنے کے مقصد سے بے خبر تھا تو اس کے بعد اگر منزل بدلے اور کروٹ لے کر ایک نئی زندگی میں قدم رکھے تو اس میں حیرت ہی کیا ہے؟۔ جب موت کے معنی ایک زندگی سے دوسری زندگی میں قدم رکھنے کے ہیں تو اس سے ڈرنے کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ ہاں اگر دوسری زندگی کو کامیاب بنانے کے اسباب مہیا نہ کئے گئے ہوں تو یقیناً ڈر ہوگا، مگر درحقیقت یہ موت کا ڈر نہیں ہے، بلکہ وہاں کی ناکامی ورسوائی کا ڈر ہے۔

اس لحاظ سے دنیا میں تین قسم کے لوگ ہیں:

- ایک وہ جو اس حقیقت کو سمجھتے ہیں کہ دنیا مزرعہ آخرت ہے جو یہاں پر بویا جائے گا وہی آخرت میں کاٹا جائے گا، اس لئے وہ مقصد حیات کے پیش نظر عمل آخرت سے غافل نہیں رہتے اور ان کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ آخرت کا کوئی کام ادھورا اور نامکمل نہ رہ جائے، تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں انعام واکرام کا مستحق سمجھے اور ان سے راضی وخوشنود ہو۔ اور جب انہیں موت آتی ہے تو وہ یہی سمجھتے ہیں کہ ہم اتنی ہی مدت کیلئے یہاں بھیجے گئے تھے اور اب واپس بلائے جارہے ہیں، اس لئے دنیا کو چھوڑنے کا انہیں ذرا بھی رنج نہیں ہوتا۔
- دوسرے وہ جو زندگی سے خوش تو نہیں ہوتے مگر اسے چھوڑنا بھی نہیں چاہتے۔ جیسے وہ پرندہ جسے قفس میں ڈال دیا گیا ہو مگر وہ قفس کی زندگی کو ناگوار سمجھنے کے باوجود اسے چھوڑنا نہیں چاہتا، لیکن جب اسے قفس سے الگ کیا جاتا ہے تو وہ باہر کی کھلی فضا اور اس کی رونق وشادابی کو دیکھ کر دوبارہ اس قفس کی طرف پلٹنا نہیں چاہتا اور نہ اسے قفس کے چھوٹنے کا رنج ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ لوگ جب آخرت کی وسعت و پہنائی کو دیکھتے ہیں تو تنگنائے دنیا کو چھوڑنے کا انہیں صدمہ نہیں ہوتا، بلکہ کیف ومسرت کے عالم میں جھوم کر یہ کہنے لگتے ہیں:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُۙ۝۳۴ الَّذِیْۤ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا نَصَبٌ وَّلَا یَمَسُّنَا فِیْهَا لُغُوْبٌ۝۳۵﴾

اس اللہ تعالیٰ کیلئے شکر ہے جس نے ہم سے رنج واندوہ دور کر دیا۔ بے شک ہمارا پروردگار بڑا بخشنے والا اور قدردان ہے جس نے اپنے فضل وکرم سے ہمیں ایک دائمی منزل میں اتارا جہاں نہ ہمیں کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ ہمیں خستگی لاحق ہوگی۔[1]

- تیسرے وہ جو آخرت کی زندگی سے آنکھیں بند کر کے صرف دنیا کی زندگی پر قانع ومطمئن ہوتے ہیں اور انہیں دنیوی لذتوں اور کامرانیوں کے علاوہ اور کوئی خواہش نہیں ہوتی۔ ایسے لوگوں کو دنیا سے منہ موڑنا انتہائی گراں گزرتا ہے اور آخرت کی زندگی انہیں راس نہیں آتی، بلکہ دنیا کی آلودگیوں اور کثافتوں کے بعد جب عالم آخرت کی لطافتوں اور نعمتوں کو دیکھیں گے تو وہ دنیا ہی کی گندگیوں کو یاد کریں گے اور جس طرح دنیا میں ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا تھا، اسی طرح آخرت میں بھی اندھے اور بصیرت سے محروم ہوں گے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

﴿وَمَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِیْلًا۝۷۲﴾

جو دنیا میں اندھے ہیں وہ آخرت میں بھی اندھے اور راہ حق سے بھٹکے ہوئے ہوں گے۔[2]

☆☆☆☆☆

---

[1] سورۂ فاطر، آیت ۳۴۔

[2] سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۷۲۔

(۴۱) وَ كَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

فِيْ طَلَبِ السِّتْرِ وَ الْوِقَايَةِ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اَفْرِشْنِيْ مِهَادَ كَرَامَتِكَ، وَ اَوْرِدْنِيْ مَشَارِعَ رَحْمَتِكَ، وَ اَحْلِلْنِيْ بُحْبُوحَةَ جَنَّتِكَ، وَ لَا تَسُمْنِيْ بِالرَّدِّ عَنْكَ، وَ لَا تَحْرِمْنِيْ بِالْخَيْبَةِ مِنْكَ.

وَ لَا تُقَاصَّنِيْ بِمَا اجْتَرَحْتُ وَ لَا تُنَاقِشْنِيْ بِمَا اكْتَسَبْتُ، وَ لَا تُبْرِزْ مَكْتُوْمِيْ، وَ لَا تَكْشِفْ مَسْتُوْرِيْ، وَ لَا تَحْمِلْ عَلٰى مِيْزَانِ الْاِنْصَافِ عَمَلِيْ، وَ لَا تُعْلِنْ عَلٰى عُيُوْنِ الْمَلَاِ خَبَرِيْ، اَخْفِ عَنْهُمْ مَا يَكُوْنُ نَشْرُهٗ عَلَيَّ عَارًا، وَ اطْوِ عَنْهُمْ مَا يُلْحِقُنِيْ عِنْدَكَ شَنَارًا.

شَرِّفْ دَرَجَتِيْ بِرِضْوَانِكَ، وَ اَكْمِلْ كَرَامَتِيْ بِغُفْرَانِكَ، وَ انْظِمْنِيْ فِيْٓ اَصْحَابِ الْيَمِيْنِ، وَ وَجِّهْنِيْ فِيْ مَسَالِكِ الْاٰمِنِيْنَ، وَ اجْعَلْنِيْ فِيْ فَوْجِ الْفَآئِزِيْنَ، وَ اعْمُرْ بِيْ مَجَالِسَ الصّٰلِحِيْنَ، اٰمِيْنَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ.

--☆☆--

دُعا (۴۱)

پردہ پوشی اور حفظ ونگہداشت کیلئے یہ دُعا پڑھتے

بارالٰہا! رحمت نازل فرما محمدؐ اوران کی آلؑ پر اور میرے لئے اعزاز و اکرام کی مسند بچھا دے، مجھے رحمت کے سرچشموں پر اتار دے، وسط بہشت میں جگہ دے، اور اپنے ہاں سے ناکام پلٹا کر رنجیدہ نہ کر، اور اپنی رحمت سے ناامید کر کے حرماں نصیب نہ بنا دے۔

میرے گناہوں کا قصاص نہ لے، اور میرے کاموں کا سختی سے محاسبہ نہ کر، میرے چھپے ہوئے رازوں کو ظاہر نہ فرما، اور میرے مخفی حالات پر سے پردہ نہ اٹھا، اور میرے اعمال کو عدل و انصاف کے ترازو پر نہ تول، اور اشراف کی نظروں کے سامنے میری باطنی حالت کو آشکارا نہ کر، جس کا ظاہر ہونا میرے لئے باعث ننگ و عار ہو وہ ان سے چھپائے رکھ، اور تیرے حضور جو چیز ذلت ورسوائی کا باعث ہو وہ ان سے پوشیدہ رہنے دے۔

اپنی رضا مندی کے ذریعہ میرے درجہ کو بلند اور اپنی بخشش کے وسیلہ سے میری بزرگی و کرامت کی تکمیل فرما، اور ان لوگوں کے گروہ میں مجھے داخل کر جو دائیں ہاتھ سے نامۂ اعمال لینے والے ہیں، اور ان لوگوں کی راہ پر لے چل جو (دنیا وآخرت میں) امن و عافیت سے ہمکنار ہیں، اور مجھے کامیاب لوگوں کے زمرہ میں قرار دے، اور نیکو کاروں کی محفلوں کو میری وجہ سے آباد و پر رونق بنا، میری دُعا کو قبول فرما، اے تمام جہانوں کے پروردگار۔

--☆☆--

جو شخص گناہ کو گناہ سمجھتا ہے وہ فطرۃً یہ چاہتا ہے کہ اس کے گناہ پر پردہ پڑا رہے اور کسی کو اس کے گناہ پر اطلاع نہ ہو اور نہ کوئی اسے ارتکابِ معصیت کرتے ہوئے دیکھے۔ یہ پردہ داری کی خواہش اس کی دلیل ہے کہ وہ گناہوں کو قابل نفرت سمجھتا ہے اور اس کے اظہار و اعلان میں شرم محسوس کرتا ہے اور یہ شرم مبداو معاد کے تصور اور کوتاہی کے احساس کا نتیجہ ہے۔ جب انسان اس جذبہ کے زیر اثر اپنے گناہ کو چھپانا چاہتا ہے تو قدرت بھی ایسے اسباب مہیا کر دیتی ہے جو اس کی پردہ پوشی میں معین ثابت ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی خداوند عالم اس کے گناہوں پر پردہ ڈالے گا اور دوسروں کی نگاہوں میں اسے ذلیل و سبک نہ ہونے دے گا۔ اور جس طرح دنیا میں اس کی پردہ پوشی کی ہے اسی طرح آخرت میں بھی اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ تَجَلَّى اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ لِعَبْدِهِ الْمُؤْمِنِ فَيُوْقِفُهٗ عَلٰى ذُنُوْبِهٖ ذَنْبًا ذَنْبًا، ثُمَّ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَهٗ لَا يُطْلِعُ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ مَلَكًا مُّقَرَّبًا وَّ لَا نَبِيًّا مُّرْسَلًا، وَ يَسْتُرُ عَلَيْهِ مَا يَكْرَهُ اَنْ يَّقِفَ عَلَيْهِ اَحَدٌ، ثُمَّ يَقُوْلُ لِسَيِّئَاتِهٖ كُوْنِیْ حَسَنَاتٍ.

جب قیامت کا دن ہوگا اور بندۂ مومن کیلئے جلوہ الٰہی کا ظہور ہوگا تو اللہ سبحانہ اس کے گناہوں میں سے ایک ایک گناہ پر اسے مطلع کرے گا، پھر اسے بخش دے گا اور اس کے گناہوں پر نہ کسی مقرب فرشتے کو اور نہ کسی نبی مرسل کو آگاہ کرے گا۔ اور جن چیزوں پر کسی کا مطلع ہونا وہ پسند نہ کرتا تھا انہیں پوشیدہ رہنے دے گا۔ پھر اس کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا۔[۱]

اور جو شخص علانیہ اپنے گناہوں کو بیان کرتا ہے یا اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ اس کا گناہ ڈھکا چھپا رہے یا کھل جائے تو وہ نظر رحمت باری سے محروم رہتا ہے۔ چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَلْمُذِيْعُ بِالسَّيِّئَةِ مَخْذُوْلٌ وَّ الْمُسْتَتِرُ بِالسَّيِّئَةِ مَغْفُوْرٌ لَّهٗ.

گناہوں کا اعلان کرنے والا محروم رہے گا اور چھپانے والا بخش دیا جائے گا۔[۲]

گناہ کو چھپانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان گناہوں میں بے باک نہیں ہونے پاتا۔ اور جب دوسرے اس کے گناہوں کے مخفی ہونے کی وجہ سے اس سے حسن ظن رکھتے ہیں تو وہ بھی یہ چاہے گا کہ ارتکاب معاصی سے باز رہے تا کہ دوسروں کا حسن ظن باقی رہ سکے۔

☆☆☆☆☆

---

[۱] عیون اخبار الرضاؑ، ج ۲، ص ۳۳۔

[۲] الکافی، ج ۲، ص ۴۲۸۔

(۴۲) وَ كَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

عِنْدَ خَتْمِ الْقُرْاٰنِ

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ اَعَنْتَنِیْ عَلٰی خَتْمِ كِتَابِكَ الَّذِیْٓ اَنْزَلْتَهٗ نُوْرًا، وَ جَعَلْتَهٗ مُهَيْمِنًا عَلٰى كُلِّ كِتَابٍ اَنْزَلْتَهٗ، وَ فَضَّلْتَهٗ عَلٰى كُلِّ حَدِيْثٍ قَصَصْتَهٗ، وَ فُرْقَانًا فَرَقْتَ بِهٖ بَيْنَ حَلَالِكَ وَ حَرَامِكَ، وَ قُرْاٰنًآ اَعْرَبْتَ بِهٖ عَنْ شَرَآئِعِ اَحْكَامِكَ، وَ كِتَابًا فَصَّلْتَهٗ لِعِبَادِكَ تَفْصِيْلًا، وَ وَحْيًآ اَنْزَلْتَهٗ عَلٰى نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَوَاتُكَ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ تَنْزِيْلًا.

وَ جَعَلْتَهٗ نُوْرًا نَّهْتَدِیْ مِنْ ظُلَمِ الضَّلَالَةِ وَ الْجَهَالَةِ بِاتِّبَاعِهٖ، وَ شِفَآءً لِّمَنْ اَنْصَتَ بِفَهَمِ التَّصْدِيْقِ اِلَى اسْتِمَاعِهٖ، وَ مِيْزَانَ قِسْطٍ لَّا يَحِيْفُ عَنِ الْحَقِّ لِسَانُهٗ، وَ نُوْرَ هُدًى لَّا يَطْفَاُ عَنِ الشَّاهِدِيْنَ بُرْهَانُهٗ، وَ عَلَمَ نَجَاةٍ لَّا يَضِلُّ مَنْ اَمَّ قَصْدَ سُنَّتِهٖ، وَ لَا تَنَالُ اَيْدِی الْهَلَكَاتِ مَنْ تَعَلَّقَ بِعُرْوَةِ عِصْمَتِهٖ.

اَللّٰهُمَّ فَاِذْ اَفَدْتَنَا الْمَعُوْنَةَ عَلٰى تِلَاوَتِهٖ، وَ سَهَّلْتَ جَوَاسِیَ اَلْسِنَتِنَا

دُعا (۴۲)

دُعائے ختم القرآن

بارالٰہا! تو نے اپنی کتاب کے ختم کرنے پر میری مدد فرمائی، وہ کتاب جسے تو نے نور بنا کر اتارا، اور تمام کتب سماویہ پر اسے گواہ بنایا، اور ہر اس کلام پر جسے تو نے بیان فرمایا اسے فوقیت بخشی، اور (حق و باطل میں) حد فاصل قرار دیا، جس کے ذریعہ حلال و حرام الگ الگ کر دیا، وہ قرآن جس کے ذریعہ شریعت کے احکام واضح کئے، وہ کتاب جسے تو نے اپنے بندوں کیلئے شرح و تفصیل سے بیان کیا، اور وہ وحی (آسمانی) جسے اپنے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمایا۔

جسے وہ نور بنایا جس کی پیروی سے ہم گمراہی و جہالت کی تاریکیوں میں ہدایت حاصل کرتے ہیں، اور اس شخص کیلئے اسے شفا قرار دیا جو اس پر اعتقاد رکھتے ہوئے اسے سمجھنا چاہے اور خاموشی کے ساتھ اسے سنے، اور وہ عدل و انصاف کا ترازو بنایا جس کا کانٹا حق سے ادھر ادھر نہیں ہوتا، اور وہ نورِ ہدایت قرار دیا جس کی دلیل و برہان کی روشنی (توحید و نبوت کی) گواہی دینے والوں کیلئے بجھتی نہیں، اور وہ نجات کا نشان بنایا کہ جو اس کے سیدھے طریقہ پر چلنے کا ارادہ کرے وہ گمراہ نہیں ہوتا، اور جو اس کی ریسمان کے بندھن سے وابستہ ہو، وہ (خوف و فقر و عذاب کی) ہلاکتوں کے دسترس سے باہر ہو جاتا ہے۔

بارالٰہا! جبکہ تو نے اس کی تلاوت کے سلسلہ میں ہمیں مدد پہنچائی، اور اس کی حسن ادائیگی کیلئے ہماری زبان کی گرہیں کھول

بِحُسْنِ عِبَارَتِهٖ، فَاجْعَلْنَا مِمَّنْ يَّرْعَاهُ حَقَّ رِعَايَتِهٖ، وَ يَدِيْنُ لَكَ بِاعْتِقَادِ التَّسْلِيْمِ لِمُحْكَمِ اٰيَاتِهٖ، وَ يَفْزَعُ اِلَى الْاِقْرَارِ بِمُتَشَابِهِهٖ، وَ مُوْضَحَاتِ بَيِّنَاتِهٖ.

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ اَنْزَلْتَهٗ عَلٰى نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ مُجْمَلًا، وَ اَلْهَمْتَهٗ عِلْمَ عَجَآئِبِهٖ مُكَمَّلًا، وَ وَرَّثْتَنَا عِلْمَهٗ مُفَسَّرًا، وَ فَضَّلْتَنَا عَلٰى مَنْ جَهِلَ عِلْمَهٗ، وَ قَوَّيْتَنَا عَلَيْهِ لِتَرْفَعَنَا فَوْقَ مَنْ لَّمْ يُطِقْ حَمْلَهٗ.

اَللّٰهُمَّ فَكَمَا جَعَلْتَ قُلُوْبَنَا لَهٗ حَمَلَةً، وَ عَرَّفْتَنَا بِرَحْمَتِكَ شَرَفَهٗ وَ فَضْلَهٗ، فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ الْخَطِيْبِ بِهٖ، وَ عَلٰى اٰلِهِ الْخُزَّانِ لَهٗ، وَ اجْعَلْنَا مِمَّنْ يَّعْتَرِفُ بِاَنَّهٗ مِنْ عِنْدِكَ، حَتّٰى لَا يُعَارِضَنَا الشَّكُّ فِيْ تَصْدِيْقِهٖ، وَ لَا يَخْتَلِجَنَا الزَّيْغُ عَنْ قَصْدِ طَرِيْقِهٖ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اجْعَلْنَا مِمَّنْ يَّعْتَصِمُ بِحَبْلِهٖ، وَ يَأْوِيْ مِنَ الْمُتَشَابِهَاتِ اِلٰى حِرْزِ مَعْقِلِهٖ، وَ يَسْكُنُ فِيْ ظِلِّ جَنَاحِهٖ، وَ يَهْتَدِيْ بِضَوْءِ

دیں، تو پھر ہمیں ان لوگوں میں سے قرار دے جو اس کی پوری طرح حفاظت ونگہداشت کرتے ہوں، اور اس کی محکم آیتوں کے اعتراف وتسلیم کی پختگی کے ساتھ تیری اطاعت کرتے ہوں، اور متشابہ آیتوں اور روشن و واضح دلیلوں کے اقرار کے سایہ میں پناہ لیتے ہوں۔

اے اللہ! تو نے اسے اپنے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اجمال کے طور پر اتارا، اور اس کے عجائب و اسرار کا پورا پورا علم نہیں القا کیا، اور اس کے علم تفصیلی کا ہمیں وارث قرار دیا، اور جو اس کا علم نہیں رکھتے ان پر ہمیں فضیلت دی، اور اس کے مقتضیات پر عمل کرنے کی قوت بخشی، تاکہ جو اس کے حقائق کے متحمل نہیں ہو سکتے ان پر ہماری فوقیت و برتری ثابت کر دے۔

اے اللہ! جس طرح تو نے ہمارے دلوں کو قرآن کا حامل بنایا، اور اپنی رحمت سے اس کے فضل و شرف سے آگاہ کیا، یونہی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو قرآن کے خطبہ خواں اور ان کی آلؑ پر جو قرآن کے خزینہ دار ہیں رحمت نازل فرما، اور ہمیں ان لوگوں میں سے قرار دے جو یہ اقرار کرتے ہیں کہ یہ تیری جانب سے ہے، تاکہ اس کی تصدیق میں ہمیں شک و شبہ لاحق نہ ہو، اور اس کے سیدھے راستہ سے روگردانی کا خیال بھی نہ آنے پائے۔

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور ہمیں ان لوگوں میں سے قرار دے جو اس کی ریسمان سے وابستہ، اور مشتبہ امور میں اس کی محکم پناہ گاہ کا سہارا لیتے، اور اس کے پروں کے زیر سایہ منزل کرتے، اس کی صبح درخشاں کی روشنی سے ہدایت

صَبَاحِهٖ، وَ يَقْتَدِيْ بِتَبَلُّجِ اَسْفَارِهٖ، وَ يَسْتَصْبِحُ بِمِصْبَاحِهٖ، وَ لَا يَلْتَمِسُ الْهُدٰى فِيْ غَيْرِهٖ.

پاتے، اور اس کے نور کی درخشندگی کی پیروی کرتے، اور اس کے چراغ سے چراغ جلاتے ہیں، اور اس کے علاوہ کسی سے ہدایت کے طالب نہیں ہوتے۔

اَللّٰهُمَّ وَ كَمَا نَصَبْتَ بِهٖ مُحَمَّدًا عَلَمًا لِّلدَّلَالَةِ عَلَيْكَ، وَ اَنْهَجْتَ بِاٰلِهٖ سُبُلَ الرِّضَا اِلَيْكَ، فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اجْعَلِ الْقُرْاٰنَ وَسِيْلَةً لَّنَا اِلٰى اَشْرَفِ مَنَازِلِ الْكَرَامَةِ، وَ سُلَّمًا نَّعْرُجُ فِيْهِ اِلٰى مَحَلِّ السَّلَامَةِ، وَ سَبَبًا نُّجْزٰى بِهِ النَّجَاةَ فِيْ عَرْصَةِ الْقِيٰمَةِ، وَ ذَرِيْعَةً نَّقْدَمُ بِهَا عَلٰى نَعِيْمِ دَارِ الْمُقَامَةِ.

بارالٰہا! جس طرح تو نے اس قرآن کے ذریعہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی رہنمائی کا نشان بنایا ہے، اور ان کی آل علیہم السلام کے ذریعہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہیں آشکارا کی ہیں، یونہی محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور ہمارے لئے قرآن کو عزت و بزرگی کی بلند پایہ منزلوں تک پہنچنے کا وسیلہ، اور سلامتی کے مقام تک بلند ہونے کا زینہ، اور میدان حشر میں نجات کو جزا میں پانے کا سبب، اور محل قیام (جنت) کی نعمتوں تک پہنچنے کا ذریعہ قرار دے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ احْطُطْ بِالْقُرْاٰنِ عَنَّا ثِقْلَ الْاَوْزَارِ، وَ هَبْ لَنَا حُسْنَ شَمَآئِلِ الْاَبْرَارِ، وَ اقْفُ بِنَآ اٰثَارَ الَّذِيْنَ قَامُوْا لَكَ بِهٖٓ اٰنَآءَ اللَّيْلِ وَ اَطْرَافَ النَّهَارِ، حَتّٰى تُطَهِّرَنَا مِنْ كُلِّ دَنَسٍ بِتَطْهِيْرِهٖ، وَ تَقْفُوَ بِنَآ اٰثَارَ الَّذِيْنَ اسْتَضَآءُوْا بِنُوْرِهٖ، وَ لَمْ يُلْهِهِمُ الْاَمَلُ عَنِ الْعَمَلِ فَيَقْطَعَهُمْ بِخُدَعِ غُرُوْرِهٖ.

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور قرآن کے ذریعہ گناہوں کا بھاری بوجھ ہمارے سر سے اتار دے، اور نیکوکاروں کے اچھے خصائل و عادات ہمیں مرحمت فرما، اور ان لوگوں کے نقش قدم پر چلا جو تیرے لئے رات کے لمحوں اور صبح و شام (کی ساعتوں) میں اسے اپنا دستور العمل بناتے ہیں، تاکہ اس کی تطہیر کے وسیلہ سے تو ہمیں ہر آلودگی سے پاک کر دے، اور ان لوگوں کے نقش قدم پر چلائے جنہوں نے اس کے نور سے روشنی حاصل کی ہے، اور امیدوں نے انہیں عمل سے غافل نہیں ہونے دیا کہ انہیں اپنے فریب کی نیرنگیوں سے تباہ کر دیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اجْعَلِ الْقُرْاٰنَ لَنَا فِيْ ظُلَمِ اللَّيَالِيْ

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور قرآن کو رات کی تاریکیوں میں ہمارا مونس، اور شیطان کے مفسدوں اور

مُؤْنِسًا، وَ مِنْ نَّزَغَاتِ الشَّيْطٰنِ وَ خَطَرَاتِ الْوَسَاوِسِ حَارِسًا، وَ لِاَقْدَامِنَا عَنْ نَّقْلِهَاۤ اِلَى الْمَعَاصِيْ حَابِسًا، وَ لِاَلْسِنَتِنَا عَنِ الْخَوْضِ فِي الْبَاطِلِ مِنْ غَيْرِ مَا اٰفَةٍ مُّخْرِسًا، وَ لِجَوَارِحِنَا عَنِ اقْتِرَافِ الْاٰثَامِ زَاجِرًا، وَلِمَا طَوَتِ الْغَفْلَةُ عَنَّا مِنْ تَصَفُّحِ الِاعْتِبَارِ نَاشِرًا، حَتّٰى تُوْصِلَ اِلٰى قُلُوْبِنَا فَهْمَ عَجَآئِبِهٖ، وَ زَوَاجِرَ اَمْثَالِهِ الَّتِيْ ضَعُفَتِ الْجِبَالُ الرَّوَاسِيْ عَلٰى صَلَابَتِهَا عَنِ احْتِمَالِهٖ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اَدِمْ بِالْقُرْاٰنِ صَلَاحَ ظَاهِرِنَا، وَ احْجُبْ بِهٖ خَطَرَاتِ الْوَسَاوِسِ عَنْ صِحَّةِ ضَمَآئِرِنَا، وَ اغْسِلْ بِهٖ دَرَنَ قُلُوْبِنَا وَ عَلَآئِقَ اَوْزَارِنَا، وَ اجْمَعْ بِهٖ مُنْتَشَرَ اُمُوْرِنَا، وَ اَرْوِ بِهٖ فِيْ مَوْقِفِ الْعَرْضِ عَلَيْكَ ظَمَاَ هَوَاجِرِنَا، وَ اكْسُنَا بِهٖ حُلَلَ الْاَمَانِ يَوْمَ الْفَزَعِ الْاَكْبَرِ فِيْ نُشُوْرِنَا.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اجْبُرْ بِالْقُرْاٰنِ خَلَّتَنَا مِنْ عَدَمِ الْاِمْلَاقِ، وَ سُقْ اِلَيْنَا بِهٖ رَغَدَ الْعَيْشِ وَ خِصْبَ سَعَةِ الْاَرْزَاقِ، وَ جَنِّبْنَا بِهِ الضَّرَآئِبَ

دل میں گزرنے والے وسوسوں سے نگہبانی کرنے، اور ہمارے قدموں کو نافرمانیوں کی طرف بڑھنے سے روک دینے والا، اور ہماری زبانوں کو باطل پیمائیوں سے بغیر کسی مرض کے گنگ کر دینے والا، اور ہمارے اعضاء کو ارتکاب گناہ سے باز رکھنے والا، اور ہماری غفلت و مدہوشی نے جس دفتر عبرت و پند اندوزی کو تہ کر رکھا ہے اسے پھیلانے والا قرار دے، تاکہ اس کے عجائب و رموز کی حقیقتوں اور اس کی متنبہ کرنے والی مثالوں کو کہ جنہیں اٹھانے سے پہاڑ اپنے استحکام کے باوجود عاجز آ چکے ہیں ہمارے دلوں میں اتار دے۔

اے اللہ! محمدؐ اوران کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور قرآن کے ذریعہ ہمارے ظاہر کو ہمیشہ صلاح و رشد سے آراستہ رکھ، اور ہمارے ضمیر کی فطری سلامتی سے غلط تصورات کی دخل اندازی کو روک دے، اور ہمارے دلوں کی کثافتوں اور گناہوں کی آلودگیوں کو دھو دے، اور اس کے ذریعہ ہمارے پراگندہ امور کی شیرازہ بندی کر، اور میدان حشر میں ہماری جھلستی ہوئی دوپہروں کی تپش و تشنگی بجھا دے، اور سخت خوف و ہراس کے دن جب قبروں سے اٹھیں تو ہمیں امن و عافیت کے جامے پہنا دے۔

اے اللہ! محمدؐ اوران کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور قرآن کے ذریعہ فقر و احتیاج کی وجہ سے ہماری خستگی و بدحالی کا تدارک فرما، اور زندگی کی کشائش اور فراخ روزی کی آسودگی کا رخ ہماری جانب پھیر دے، اور بُرے عادات اور

الْمَذْمُوْمَةَ وَ مَدَانِيَ الْاَخْلَاقِ، وَ اعْصِمْنَا بِهٖ مِنْ هُوَّةِ الْكُفْرِ وَ دَوَاعِي النِّفَاقِ، حَتّٰى يَكُوْنَ لَنَا فِي الْقِيٰمَةِ اِلٰى رِضْوَانِكَ وَ جِنَانِكَ قَآئِدًا، وَ لَنَا فِي الدُّنْيَا عَنْ سُخْطِكَ وَ تَعَدِّيْ حُدُوْدِكَ ذَآئِدًا، وَ لِمَا عِنْدَكَ بِتَحْلِيْلِ حَلَالِهٖ وَ تَحْرِيْمِ حَرَامِهٖ شَاهِدًا.

پست اخلاق سے ہمیں دور کردے، اور کفر کے گڑھے (میں گرنے) اور نفاق انگیز چیزوں سے بچالے، تاکہ وہ ہمیں قیامت میں تیری خوشنودی و جنت کی طرف بڑھانے والا، اور دنیا میں تیری ناراضگی اور حدود شکنی سے روکنے والا ہو، اور اس امر پر گواہ ہو کہ جو چیز تیرے نزدیک حلال تھی اسے حلال جانا، اور جو حرام تھی اسے حرام سمجھا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ هَوِّنْ بِالْقُرْاٰنِ عِنْدَ الْمَوْتِ عَلٰٓى اَنْفُسِنَا كَرْبَ السِّيَاقِ، وَ جَهْدَ الْاَنِيْنِ، وَ تَرَادُفَ الْحَشَارِجِ اِذَا بَلَغَتِ النُّفُوْسُ التَّرَاقِيَ، وَ قِيْلَ مَنْ رَّاقٍ، وَ تَجَلّٰى مَلَكُ الْمَوْتِ لِقَبْضِهَا مِنْ حُجُبِ الْغُيُوْبِ، وَ رَمَاهَا عَنْ قَوْسِ الْمَنَايَا بِاَسْهُمِ وَحْشَةِ الْفِرَاقِ، وَ دَافَ لَهَا مِنْ ذُعَافِ الْمَوْتِ كَاْسًا مَّسْمُوْمَةَ الْمَذَاقِ، وَ دَنَا مِنَّآ اِلَى الْاٰخِرَةِ رَحِيْلٌ وَّ انْطِلَاقٌ، وَ صَارَتِ الْاَعْمَالُ قَلَآئِدَ فِي الْاَعْنَاقِ، وَ كَانَتِ الْقُبُوْرُ هِيَ الْمَاْوٰى اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمِ التَّلَاقِ.

اے اللہ! محمدؐ اوران کی آلؑ پر رحمت نازل فرمااور اس قرآن کے وسیلہ سے موت کے ہنگام نزع کی اذیتوں، کراہنے کی سختیوں، اور جان کنی کی لگاتار ہچکیوں کو ہم پر آسان فرما، جبکہ جان گلے تک پہنچ جائے، اور کہا جائے کہ کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا ہے (جو کچھ تدراک کرے)، اور ملک الموت غیب کے پردے چیر کر قبض روح کیلئے سامنے آئے، اور موت کی کمان میں فراق کی دہشت کے تیر جوڑ کر اپنے نشانہ کی زد پر رکھ لے، اور موت کے زہریلے جام میں زہر ہلاہل گھول دے، اور آخرت کی طرف ہمارا چل چلاؤ اور کوچ قریب ہو، اور ہمارے اعمال ہماری گردن کا طوق بن جائیں، اور قبریں روز حشر کی ساعت تک آرام گاہ قرار پائیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ بَارِكْ لَنَا فِيْ حُلُوْلِ دَارِ الْبِلٰى، وَ طُوْلِ الْمُقَامَةِ بَيْنَ اَطْبَاقِ الثَّرٰى، وَ اجْعَلِ الْقُبُوْرَ بَعْدَ

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور کہنگی و بوسیدگی کے گھر میں اترنے، اور مٹی کی تہوں میں مدت تک پڑے رہنے کو ہمارے لئے مبارک کرنا،

فِرَاقِ الدُّنْيَا خَيْرَ مَنَازِلِنَا، وَ افْسَحْ لَنَا بِرَحْمَتِكَ فِيْ ضِيْقِ مَلَاحِدِنَا، وَ لَا تَفْضَحْنَا فِيْ حَاضِرِي الْقِيٰمَةِ بِمُوْبِقَاتِ اٰثَامِنَا، وَ ارْحَمْ بِالْقُرْاٰنِ فِيْ مَوْقِفِ الْعَرْضِ عَلَيْكَ ذُلَّ مَقَامِنَا، وَ ثَبِّتْ بِهٖ عِنْدَ اضْطِرَابِ جِسْرِ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْمَجَازِ عَلَيْهَا زَلَلَ اَقْدَامِنَا، وَ نَوِّرْ بِهٖ قَبْلَ الْبَعْثِ سُدَفَ قُبُوْرِنَا، وَ نَجِّنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ كَرْبٍ يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ، وَ شَدَآئِدِ اَهْوَالِ يَوْمِ الطَّآمَّةِ، وَ بَيِّضْ وُجُوْهَنَا يَوْمَ تَسْوَدُّ وُجُوْهُ الظَّلَمَةِ فِيْ يَوْمِ الْحَسْرَةِ وَ النَّدَامَةِ، وَ اجْعَلْ لَّنَا فِيْ صُدُوْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ وُدًّا، وَ لَا تَجْعَلِ الْحَيٰوةَ عَلَيْنَا نَكَدًا.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَ رَسُوْلِكَ، كَمَا بَلَّغَ رِسَالَتَكَ، وَ صَدَعَ بِاَمْرِكَ، وَ نَصَحَ لِعِبَادِكَ.

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ نَبِيَّنَا صَلَوَاتُكَ عَلَيْهِ وَ عَلٰٓى اٰلِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَقْرَبَ النَّبِيِّيْنَ مِنْكَ مَجْلِسًا، وَ اَمْكَنَهُمْ مِنْكَ شَفَاعَةً، وَ اَجَلَّهُمْ عِنْدَكَ قَدْرًا، وَ اَوْجَهَهُمْ عِنْدَكَ جَاهًا.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ، وَ شَرِّفْ بُنْيَانَهٗ، وَ عَظِّمْ بُرْهَانَهٗ، وَ ثَقِّلْ

اور دنیا سے منہ موڑنے کے بعد قبروں کو ہمارا اچھا گھر بنانا، اور اپنی رحمت سے ہمارے لئے گور کی تنگی کو کشادہ کر دینا، اور حشر کے عام اجتماع کے سامنے ہمارے مہلک گناہوں کی وجہ سے ہمیں رسوا نہ کرنا، اور اعمال کے پیش ہونے کے مقام پر ہماری ذلت وخواری کی وضع پر رحم فرمانا، اور جس دن جہنم کے پل پر سے گزرنا ہو گا تو اس کے لڑکھڑانے کے وقت ہمارے ڈگمگاتے ہوئے قدموں کو جما دینا، (اور اس کے ذریعہ قیامت سے پہلے ہماری قبروں کی تاریکی کو روشنی میں بدل دے) اور قیامت کے دن ہمیں اس کے ذریعہ ہر اندوہ اور روز حشر کی سخت ہولناکیوں سے نجات دینا، اور جبکہ حسرت و ندامت کے دن ظالموں کے چہرے سیاہ ہوں گے ہمارے چہروں کو نورانی کرنا، اور مومنین کے دلوں میں ہماری محبت پیدا کر دے، اور زندگی کو ہمارے لئے دشوار گزار نہ بنا۔

اے اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو تیرے خاص بندے اور رسول ہیں ان پر رحمت نازل فرما جس طرح انہوں نے تیرا پیغام پہنچایا، تیری شریعت کو واضح طور سے پیش کیا اور تیرے بندوں کو پند ونصیحت کی۔

اے اللہ! ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قیامت کے دن تمام نبیوں سے منزلت کے لحاظ سے مقرب تر، شفاعت کے لحاظ سے برتر، قدر ومنزلت کے اعتبار سے بزرگ تر اور جاہ ومرتبت کے اعتبار سے ممتاز تر قرار دے۔

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور ان کے ایوان (عز وشرف) کو بلند، ان کی دلیل وبرہان کو عظیم، اور ان کے

مِيْزَانَهٗ، وَ تَقَبَّلْ شَفَاعَتَهٗ، وَ قَرِّبْ وَسِيْلَتَهٗ، وَ بَيِّضْ وَجْهَهٗ، وَ اَتِمَّ نُوْرَهٗ، وَ ارْفَعْ دَرَجَتَهٗ، وَ اَحْيِنَا عَلٰى سُنَّتِهٖ، وَ تَوَفَّنَا عَلٰى مِلَّتِهٖ، وَ خُذْ بِنَا مِنْهَاجَهٗ، وَ اسْلُكْ بِنَا سَبِيْلَهٗ، وَ اجْعَلْنَا مِنْ اَهْلِ طَاعَتِهٖ، وَ احْشُرْنَا فِيْ زُمْرَتِهٖ، وَ اَوْرِدْنَا حَوْضَهٗ، وَ اسْقِنَا بِكَاْسِهٖ.

وَ صَلِّ اللّٰهُمَّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ اٰلِهٖ، صَلَاةً تُبَلِّغُهٗ بِهَاۤ اَفْضَلَ مَا يَاْمُلُ مِنْ خَيْرِكَ وَ فَضْلِكَ وَ كَرَامَتِكَ، اِنَّكَ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ، وَ فَضْلٍ كَرِيْمٍ.

اَللّٰهُمَّ اجْزِهٖ بِمَا بَلَّغَ مِنْ رِسَالَاتِكَ، وَ اَدّٰى مِنْ اٰيَاتِكَ، وَ نَصَحَ لِعِبَادِكَ، وَ جَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِكَ، اَفْضَلَ مَا جَزَيْتَ اَحَدًا مِّنْ مَّلٰۤئِكَتِكَ الْمُقَرَّبِيْنَ، وَ اَنْبِيَاۤئِكَ الْمُرْسَلِيْنَ الْمُصْطَفَيْنَ، وَ السَّلَامُ عَلَيْهِ وَ عَلٰۤى اٰلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ، وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ.

--☆☆--

میزان (عمل کے پلہ) کو بھاری کر دے، ان کی شفاعت کو قبول فرما، اور ان کی منزلت کو اپنے سے قریب کر، ان کے چہرے کو روشن، ان کے نور کو کامل اور ان کے درجہ کو بلند فرما، اور ہمیں انہی کے آئین پر زندہ رکھ، اور انہی کے دین پر موت دے، اور انہی کی شاہراہ پر گامزن کر، اور انہی کے راستہ پر چلا، اور ہمیں ان کے فرمانبرداروں میں سے قرار دے، اور ان کی جماعت میں محشور کر، اور ان کے حوض پر اتار، اور ان کے ساغر سے سیراب فرما۔

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر ایسی رحمت نازل فرما جس کے ذریعہ انہیں بہترین نیکی، فضل اور عزت تک پہنچا دے جس کے وہ امیدوار ہیں، اس لئے کہ تو وسیع رحمت اور عظیم فضل و احسان کا مالک ہے۔

اے اللہ! انہوں نے جو تیرے پیغامات کی تبلیغ کی، تیری آیتوں کو پہنچایا، تیرے بندوں کو پند و نصیحت کی اور تیری راہ میں جہاد کیا، ان سب کی انہیں جزا دے، جو ہر اس جزا سے بہتر ہو، جو تو نے مقرب فرشتوں اور برگزیدہ مرسل نبیوں کو عطا کی ہو، ان پر اور ان کی پاک و پاکیزہ آلؑ پر سلام ہو، اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں ان کے شامل حال ہوں۔

--☆☆--

یہ دُعا ''دُعائے ختم قرآن'' کے نام سے موسوم ہے جسے امام علیہ السلام قرآن مجید ختم کرنے کے بعد پڑھتے تھے۔ لہٰذا اس دُعا کو ختم قرآن کے بعد پڑھنا چاہیئے۔ قرآن مجید پند و نصائح، حکم و مواعظ، عبر و امثال اور احکام شریعت کا سرچشمہ ہے، اس لئے اسے پڑھنا، سننا اور اس میں غور و فکر کرنا ہماری زندگی کا معمول ہونا چاہیئے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ﴾
جتنا بآسانی قرآن پڑھ سکو اتنا پڑھ لیا کرو۔[1]

اس سلسلہ میں احادیث بھی بڑی کثرت سے وارد ہوئی ہیں جن میں تلاوت قرآن کے اجر وثواب کا ذکر اور اس کے مرغوب ومطلوب ہونے کا تذکرہ ہے۔ چنانچہ حضرت امام حسین ابن علی علیہما السلام کا ارشاد ہے:

مَنْ قَرَاَ اٰيَةً مِّنْ كَلَامِ اللهِ تَعَالٰى عَزَّ وَ جَلَّ فِيْ صَلٰوتِهٖ قَآئِمًا يَّكْتُبُ اللهُ لَهٗ بِكُلِّ حَرْفٍ مِّائَةَ حَسَنَةٍ، فَاِنْ قَرَاَهَا فِيْ غَيْرِ الصَّلٰوةِ كَتَبَ اللهُ لَهٗ بِكُلِّ حَرْفٍ عَشْرًا، فَاِنِ اسْتَمَعَ الْقُرْاٰنَ كَانَ لَهٗ بِكُلِّ حَرْفٍ حَسَنَةٌ، وَ اِنْ خَتَمَ الْقُرْاٰنَ لَيْلًا صَلَّتْ عَلَيْهِ الْمَلٰٓئِكَةُ حَتّٰى يُصْبِحَ، وَ اِنْ خَتَمَهٗ نَهَارًا صَلَّتْ عَلَيْهِ الْحَفَظَةُ حَتّٰى يُمْسِيَ وَ كَانَتْ لَهٗ دَعْوَةٌ مُّجَابَةٌ وَّ كَانَ خَيْرًا لَّهٗ مِمَّا بَيْنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ.

جو شخص قیام نماز میں قرآن مجید کی ایک آیت کی تلاوت کرے اس کے نامۂ اعمال میں ہر حرف کے بدلے سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اگر نماز کے علاوہ پڑھے تو خداوند عالم ہر حرف کے بدلے میں دس نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں ثبت کرتا ہے اور اگر صرف قرآن کو سنے تو بھی اللہ ہر حرف کے بدلے میں نیکی لکھتا ہے اور اگر قرآن رات کے وقت ختم کرے تو صبح تک فرشتے اس کیلئے دعائے رحمت کرتے ہیں اور اگر دن کو ختم کرے تو شام تک حفاظت کرنے والے ملائکہ اس پر درود ورحمت بھیجتے ہیں اور اس کی دُعا قبول ہوتی ہے اور یہ اس کیلئے ہر اس چیز سے بہتر ہے جو زمین وآسمان کے درمیان ہے۔[2]

مقصد تلاوت صرف یہ نہیں ہے کہ زبان پر الفاظ قرآن جاری ہو جائیں، بلکہ اصل مقصد یہ ہے کہ ان الفاظ کے ذریعہ قرآن کے تعلیمات دل و دماغ میں محفوظ ہو جائیں اور اخلاقی و روحانی افادیت اور علمی و عملی بصیرت کا باعث ہوں اور زندگی کو حق وصداقت کے سانچہ میں ڈھال دیں۔ اس لئے ضرورت ہے کہ تلاوت کے موقع پر ان آداب وشرائط کو ملحوظ رکھا جائے جو اس مقصد کے حصول میں معین ثابت ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ آداب کچھ ظاہر سے متعلق ہیں اور کچھ باطن سے۔

ظاہری آداب یہ ہیں کہ تلاوت کے وقت باوضو اور رو بقبلہ ہو، ادب واحترام کے ساتھ قرآن مجید کو کھول کر سامنے رکھے اور تلاوت سے پہلے «اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ» کہے اور آواز کو نہ زیادہ اونچا کرے اور نہ زیادہ دھیما۔ البتہ اگر نمود وریا کا اندیشہ ہو تو پھر چپکے چپکے پڑھے۔ مخارج حروف کا لحاظ رکھے۔ وقف کے محل پر وقف کرے۔ ٹھہر ٹھہر کر اس کے جملے ادا کرے اور ممکن ہو تو خوش الحانی سے تلاوت کرے مگر آواز میں اتار چڑھاؤ اور غنا کی کیفیت پیدا نہ ہونے پائے چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کا ارشاد ہے:

اِقْرَءُوا الْقُرْاٰنَ بِاَلْحَانِ الْعَرَبِ وَ اَصْوَاتِهَا، وَ اِيَّاكُمْ وَ لُحُوْنَ اَهْلِ الْفِسْقِ وَ اَهْلِ الْكَبَآئِرِ.

---

[1] سورۂ مزمل، آیت ۲۰۔
[2] عدۃ الداعی، ص ۲۸۷۔

قرآن کو عرب کے لحن اور لب ولہجہ میں پڑھو اور فاسقوں اور گنہگاروں کے طرز ولحن میں نہ پڑھو۔[1]

جب دوران تلاوت میں ایسی آیت پر نظر پڑے جو عذاب و وعید پر مشتمل ہو تو اللہ تعالیٰ کے غضب سے پناہ مانگے۔ اور عالم آخرت کی کسی نعمت و بخشائش کا ذکر آئے تو اس کیلئے اللہ تعالیٰ کے سامنے دامن پھیلائے۔ دُعا و استغفار کے سلسلہ میں کوئی آیت آئے تو دُعا و استغفار کرے آیہ سجدہ پڑھے تو فوراً سجدہ کرے اور تین دن سے کم عرصہ میں پورے قرآن کو ختم نہ کرے اور جب کوئی سورۃ ختم کرے تو یہ کہے: «صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ وَ بَلَّغَ رَسُوْلُهُ الْكَرِيْمُ، اَللّٰهُمَّ انْفَعْنَا بِهٖ وَ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ».

اور جب پورے قرآن کو ختم کرے تو دُعائے ختم القرآن پڑھے۔ یہ آداب وہ ہیں جن کا تعلق صرف ظاہر سے ہے۔

اور وہ آداب جن کا تعلق ضمیر و وجدان اور باطن سے ہے یہ ہیں:

- پہلے یہ کہ قرآن مجید کی عظمت و تقدیس کو نظر میں رکھے اور اس کا عام کتابوں کی طرح مطالعہ نہ کرے، بلکہ اپنے ذہن میں یہ تصور قائم کرے کہ یہ کتاب جو اس وقت ایک مجموعہ کی صورت میں اسکی نگاہوں کے سامنے ہے، ایک وقت لوح محفوظ کی زینت تھی جو ملک امین کے ذریعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک پر نازل ہوئی اور پھر ان کی زبان سے نکل کر فصحائے عالم کو گنگ کرتی ہوئی اس تک پہنچی ہے۔ جب یہ عظمت دل میں گھر کرلے گی تو فکر و نظر کی راہ آسان ہو جائے گی اور ایک ایسی صحت مند ذہنیت تشکیل پا جائے گی جو اخلاق و روحانیت کے اثرات کو قبول کرنے پر آمادہ کر دے گی۔
- دوسرے یہ کہ اس کے نازل کرنے والے کی عظمت و جلال کا تصور کرے کہ جو عرش و لوح، زمین و آسمان، چاند، سورج، دریا، پہاڑ، غرض کائنات کی ہر چیز پر محیط ہے اور ہر عظیم سے عظیم تر اور ہر عظمت سے اس کی عظمت بالاتر ہے اور جب اس کی عظمت سے متاثر ہو کر اس کی تلاوت کی جائے گی تو اس کے قصص و مثال اور حکم و نصائح پوری طرح دل و دماغ کو متاثر کریں گے۔
- تیسرے یہ کہ سوز و گداز، رقت قلب اور خضوع و خشوع کے ساتھ اس کی تلاوت کرے۔ اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب دل، اللہ تعالیٰ اور اس کلام کی عظمت سے متاثر ہو۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

مَنْ قَرَاَ الْقُرْاٰنَ وَ لَمْ يَخْضَعْ لِلّٰهِ وَ لَمْ يَرِقَّ قَلْبُهٗ وَ لَا يُنْشِئُ حَزَنًا وَّ وَجَلًا فِيْ سِرِّهٖ فَقَدِ اسْتَهَانَ بِعِظَمِ شَاْنِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا.

جو شخص قرآن کی تلاوت کرے اور اس کے دل میں انکساری اور رقت کے جذبات اور ضمیر میں حزن و خوف کے کیفیات پیدا نہ ہوں تو اس نے اللہ تعالیٰ کی عظمت و منزلت کو سبک سمجھا اور سراسر نقصان میں رہا۔[2]

- چوتھے یہ کہ شیطانی وسواس و خطرات اور فاسد خیالات کو اپنے دل سے دور رکھے تاکہ توجہ و حضور قلب حاصل ہو سکے، کیونکہ توجہ و انہماک نہ ہو تو تلاوت کی افادیت کمزور و مضمحل ہو جاتی ہے۔

---

[1] الکافی، ج ۲ ص ۶۱۴۔

[2] مصباح الشریعہ، ص ۲۸۔

● پانچویں یہ کہ تلاوت کے وقت قرآن مجید کے ہر گوشہ پر نظر رکھے۔ اس کے مطالب و مقاصد کو سمجھے اور سمجھنے کے بعد انہیں ذہن نشین کرے، تاکہ معانی و معارف کا سرمایہ دل و دماغ میں فراہم ہوتا رہے اور فہم و تدبر کی راہیں کھلتی رہیں۔ اور جب غور و فکر کا سر رشتہ ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے اور طبیعت اس طرف متوجہ نہیں ہوتی تو صلاحیت مردہ اور دل زنگ آلودہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا۝۲۴﴾

قرآن میں کچھ بھی تو غور نہیں کرتے یا یہ کہ ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں۔[۱]

● چھٹے یہ کہ صرف ظاہر معنی کے جاننے پر اکتفا نہ کرے، اس طرح کہ خالق کے معنی پیدا کرنے والے اور رازق کے معنی رزق دینے والے کے ہیں، بلکہ جن آیتوں میں اس کے اسماء و صفات اور مختلف افعال کا تذکرہ ہے ان میں غور و تدبر کرے کہ وہ خالق ہے تو اس کی خالقیت کی نوعیت کیا ہے اور کس طرح بغیر کسی مواد اور بغیر کسی نمونہ کے مختلف الانواع پیکر خلق کئے، اور رازق ہے تو اس کی رزاقیت کا دائرہ کتنا وسیع ہے کہ سمندر کی تہہ میں رہنے والے، فضا میں اڑنے والے، پہاڑوں کی کھوؤں میں بسنے والے سب ہی کو رزق مل رہا ہے اور شکم مادر میں کروٹیں بدلنے والے اور مفلوج و بے دست و پا تک کو روزی حاصل ہو رہی ہے۔ جوں جوں انسان اس کے صفات میں غور و فکر کرے گا اس کا تصور و ادراک اپنی درماندگی کا اعتراف کرے گا اور یہ اعتراف معرفت کے حدود سے قریب کر دے گا۔

● ساتویں یہ کہ جو امور فہم قرآن سے مانع ہوتے ہیں ان کا قلع قمع کرے۔ ان موانع میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ تقلید و تعصب:

جب انسان کورانہ تقلید اور عصبیت کا شکار ہو جاتا ہے تو اس کے نتیجہ میں ایک مسلک کی جنبہ داری چاہے وہ کتنا ہی غلط کیوں نہ ہو اس کا وتیرہ بن جاتی ہے اور قرآن کو کھینچ تان کر اپنی رائے کے مطابق کرنے کی کوشش کرے گا اور قرآن کے واضح مفہوم کو نظر انداز کر کے خود ساختہ مطلب کو ثابت کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دے گا اور یہ کج فکری اس کی طبیعت میں اس طرح رچ بس جائے گی کہ طبیعت ثانیہ بن جائے گی اور اب اسے سیدھی سے سیدھی بات بھی ٹیڑھی اور ٹیڑھی سے ٹیڑھی بات بھی سیدھی دکھائی دے گی۔

۲۔ فکری جمود:

اس سے ذہن کی انجلائی کیفیت ختم اور فکر و کاوش کی قوت معطل ہو جاتی ہے اور وہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ بس جو مفسرین نے لکھ دیا ہے وہی صحیح ہے اور اس کے علاوہ اور کوئی تفسیر نہیں ہو سکتی اور وہ غور و فکر سے ہاتھ اٹھا کر انہی کے اقوال پر قانع ہو جاتا ہے۔

۳۔ اصرار معاصی:

یہ بھی ایک بڑی رکاوٹ ہے، کیونکہ گناہوں کے پیہم ارتکاب سے صفا و نورانیت ختم ہو جاتی ہے اور دل پر تاریکی و ظلمت کی ایسی تہیں چڑھ جاتی ہیں کہ حقائق و معارف کی روشنی کا ان میں گزر نہیں ہو سکتا۔

---

[۱] سورۂ محمدؐ، آیت ۲۴۔

۴۔سطحی انہماک:

اس طرح کہ حروف اور ان کے مخارج وغیرہ کی تحقیق ہی پر اپنی توجہ کو منحصر کر دے اور جب توجہ انہی چیزوں کی طرف ہو گی تو معانی و مطالب کی طرف توجہ مبذول کرنے کا موقع ہی نہ ملے گا۔ یہ لوگ سطح دریا کے دلکش مناظر میں اس طرح کھو جاتے ہیں کہ انہیں یہ یاد ہی نہیں رہتا کہ اس کی تہہ میں کتنے خزانے مخفی ہیں کہ وہ موجوں سے کھیلیں اور لہروں سے ٹکرائیں اور اپنے دامن کو موتیوں سے بھریں۔

- آٹھویں یہ کہ قرآن کے حکم و مواعظ اور قصص و امثال پر غور کرے اور اس کے عبرت و نصیحت کے پہلوؤں کو دیکھے تو ان سے عبرت و نصیحت حاصل کرے اور ایسے موارد میں قدرت نے جہاں جہاں خطاب کیا ہے یہ تصور کرے کہ یہ خطاب اسی سے ہے۔ لہٰذا اس سے اسی طرح اثر لے جس طرح کسی فرمانروا کے فرمان کو پڑھ کر اثر لیا جاتا ہے اور اس پر ہر ممکن طریقہ سے عمل کیا جاتا ہے تا کہ سلطانی قہر و غضب کی زد میں نہ آئے۔
- نویں یہ کہ جب کسی ایسی آیت کی تلاوت کرے جس میں تہدید و سرزنش ہو تو اس پر خوف و ہراس چھا جائے اور جب ایسی آیت کی تلاوت کرے جس میں رحمت و مغفرت اور نعیم جنت کا تذکرہ ہو تو اس کے اندر امید و رجاء اور مسرت و انبساط کی روح دوڑنے لگے۔
- دسویں یہ کہ تلاوت کے موقع پر یہ سمجھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑا ہے۔ اگر یہ اسے نہیں دیکھ سکتا مگر وہ اسے دیکھ رہا ہے اور گوش برآواز ہے۔ جب اس تصور کے قائم کرنے میں کامیاب ہو جائے تو پھر یہ تصور کرے کہ خداوند عالم اس قرآن کے ذریعہ اس سے مخاطب ہے اور اسے اچھائیوں کا حکم دے رہا ہے اور برائیوں سے روک رہا ہے۔ جب اس منزل تک پہنچ جائے تو پھر اسی کو اپنے تصورات و خیالات کا مرکز بنائے۔ اس حد تک کہ فکر و خیال میں اس کے علاوہ کسی اور کی گنجائش نہ رہے، نہ اپنی ذات کی طرف نہ اپنے مال کی طرف اور نہ اہل و عیال کی طرف اور کلام کے پردہ میں متکلم سے لو لگائے۔ کیونکہ اس کا کلام اس کا آئینہ دار ہے۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

﴿وَ اللهِ! لَقَدْ تَجَلَّى اللهُ لِخَلْقِهِ فِيْ كَلَامِهِ وَ لٰكِنْ لَّا يُبْصِرُوْنَ﴾

خدا کی قسم! قدرت اپنے کلام کے اندر اپنی مخلوقات کیلئے جلوہ گر ہے، لیکن وہ دیکھتے نہیں ہیں۔[1]

- گیارہویں یہ کہ جب کسی ایسی آیت کی تلاوت کرے جس میں نیکوکاروں کا تذکرہ اور ان کی مدح و توصیف ہو تو اپنے کو ان میں شمار نہ کرے اور نہ ان صفتوں کو اپنے پر منطبق کرنے کی کوشش کرے، بلکہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ سے دُعا کرے کہ وہ مومنین کے صفات سے متصف ہو اور اللہ تعالیٰ اسے اہل صدق و صفا میں سے قرار دے۔ اور جب کسی ایسی آیت کی تلاوت کرے جس میں نافرمانوں اور گنہگاروں کی مذمت ہو تو یہ سمجھے کہ جن لوگوں سے یہ خطاب ہے اور جنہیں یہ تنبیہہ و سرزنش کی جارہی ہے ان میں ایک فرد وہ بھی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سے توبہ و انابت کرے، گناہوں سے مغفرت چاہے اور حسن عمل کی توفیق مانگے، تا کہ خداوند عالم اسے قرآن پر عمل کرنے والوں میں شمار کرے اور شفاعت قرآن اسے نصیب کرے۔

☆☆☆☆☆

---

[1] تفسیر الصافی، ج۱، ص ۷۳۔

(۴۳)وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

اِذَا نَظَرَ اِلَى الْهِلَالِ

اَيُّهَا الْخَلْقُ الْمُطِيْعُ، الدَّآئِبُ السَّرِيْعُ، الْمُتَرَدِّدُ فِيْ مَنَازِلِ التَّقْدِيْرِ، الْمُتَصَرِّفُ فِيْ فَلَكِ التَّدْبِيْرِ، اٰمَنْتُ بِمَنْ نَوَّرَ بِكَ الظُّلَمَ، وَ اَوْضَحَ بِكَ الْبُهَمَ، وَ جَعَلَكَ اٰيَةً مِّنْ اٰيَاتِ مُلْكِهٖ، وَ عَلَامَةً مِّنْ عَلَامَاتِ سُلْطَانِهٖ، وَ امْتَهَنَكَ بِالزِّيَادَةِ وَ النُّقْصَانِ، وَ الطُّلُوْعِ وَ الْاُفُوْلِ، وَ الْاِنَارَةِ وَ الْكُسُوْفِ، فِيْ كُلِّ ذٰلِكَ اَنْتَ لَهٗ مُطِيْعٌ، وَ اِلٰۤى اِرَادَتِهٖ سَرِيْعٌ، سُبْحَانَهٗ مَاۤ اَعْجَبَ مَا دَبَّرَ فِيْۤ اَمْرِكَ! وَ اَلْطَفَ مَا صَنَعَ فِيْ شَاْنِكَ! جَعَلَكَ مِفْتَاحَ شَهْرٍ حَادِثٍ لِّاَمْرٍ حَادِثٍ.

فَاَسْئَلُ اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبَّكَ، وَ خَالِقِيْ وَ خَالِقَكَ، وَ مُقَدِّرِيْ وَ مُقَدِّرَكَ، وَ مُصَوِّرِيْ وَ مُصَوِّرَكَ: اَنْ يُّصَلِّيَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اَنْ يَّجْعَلَكَ هِلَالَ بَرَكَةٍ لَّا تَمْحَقُهَا الْاَيَّامُ، وَ طَهَارَةٍ لَّا تُدَنِّسُهَا الْاٰثَامُ، هِلَالَ اَمْنٍ مِّنَ الْاٰفَاتِ، وَ سَلَامَةٍ مِّنَ السَّيِّئَاتِ، هِلَالَ سَعْدٍ لَّا نَحْسَ فِيْهِ، وَ يُمْنٍ لَّا نَكَدَ مَعَهٗ، وَ يُسْرٍ لَّا يُمَازِجُهٗ عُسْرٌ، وَ خَيْرٍ لَّا يَشُوْبُهٗ شَرٌّ،

دُعا(۴۳)

دُعائے رویت ہلال

اے فرمانبردار، سرگرم عمل اور تیز رَو مخلوق اور مقررہ منزلوں میں یکے بعد دیگرے وارد ہونے اور فلک نظم و تدبیر میں تصرف کرنے والے! میں اس ذات پر ایمان لایا جس نے تیرے ذریعہ تاریکیوں کو روشن اور ڈھکی چھپی چیزوں کو آشکارا کیا، اور تجھے اپنی شاہی و فرماں روائی کی نشانیوں میں سے ایک نشانی، اور اپنے غلبہ و اقتدار کی علامتوں میں سے ایک علامت قرار دیا، اور تجھے بڑھنے، گھٹنے، نکلنے، چھپنے اور چمکنے گہنانے سے تسخیر کیا، ان تمام حالات میں تو اس کے زیر فرمان اور اس کے ارادہ کی جانب رواں دواں ہے، تیرے بارے میں اس کی تدبیر و کارسازی کتنی عجیب اور تیری نسبت اس کی صناعی کتنی لطیف ہے، تجھے پیش آیند حالات کیلئے نئے مہینہ کی کلید قرار دیا۔

تو اب میں اللہ تعالیٰ سے جو میرا پروردگار اور تیرا پروردگار، میرا خالق اور تیرا خالق، میرا نقش آرا اور تیرا نقش آرا، اور میرا صورت گر اور تیرا صورت گر ہے سوال کرتا ہوں کہ وہ رحمت نازل کرے محمدؐ اور ان کی آلؑ پر اور تجھے ایسی برکت والا چاند قرار دے جسے دنوں کی گردشیں زائل نہ کر سکیں، اور ایسی پاکیزگی والا جسے گناہ کی کثافتیں آلودہ نہ کر سکیں، ایسا چاند جو آفتوں سے بری اور برائیوں سے محفوظ ہو، سراسر یمن و سعادت کا چاند جس میں ذرا نحوست نہ ہو، اور سراپا خیر و برکت کا چاند جسے تنگی و عسرت سے کوئی لگاؤ نہ ہو، اور ایسی آسانی و کشائش کا جس میں دشواری کی آمیزش نہ

هِلَالَ اَمْنٍ وَّ اِيْمَانٍ، وَ نِعْمَةٍ وَّ اِحْسَانٍ، وَ سَلَامَةٍ وَّ اِسْلَامٍ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اجْعَلْنَا مِنْ اَرْضٰى مَنْ طَلَعَ عَلَيْهِ، وَ اَزْكٰى مَنْ نَّظَرَ اِلَيْهِ، وَ اَسْعَدَ مَنْ تَعَبَّدَ لَكَ فِيْهِ، وَ وَفِّقْنَا فِيْهِ لِلتَّوْبَةِ، وَ اعْصِمْنَا فِيْهِ مِنَ الْحَوْبَةِ، وَ احْفَظْنَا فِيْهِ مِنْ مُّبَاشَرَةِ مَعْصِيَتِكَ، وَ اَوْزِعْنَا فِيْهِ شُكْرَ نِعْمَتِكَ، وَ اَلْبِسْنَا فِيْهِ جُنَنَ الْعَافِيَةِ، وَ اَتْمِمْ عَلَيْنَا بِاسْتِكْمَالِ طَاعَتِكَ فِيْهِ الْمِنَّةَ، اِنَّكَ الْمَنَّانُ الْحَمِيْدُ، وَ صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ.

--☆☆--

ہو، اور ایسی بھلائی کا جس میں برائی کا شائبہ نہ ہو، غرض سرتا پا امن، ایمان، نعمت، حسن عمل، سلامتی اور اطاعت وفرمانبرداری کا چاند ہو۔

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور جن جن پر یہ اپنا پَرتَو ڈالے ان سے بڑھ کر ہمیں خوشنود، اور جو جو اسے دیکھے ان سب سے زیادہ درست کار، اور جو جو اس مہینہ میں تیری عبادت کرے ان سب سے زیادہ خوش نصیب قرار دے، اور ہمیں اس میں توبہ کی توفیق دے اور گناہوں سے دور اور معصیت کے ارتکاب سے محفوظ رکھ، اور ہمارے دل میں اپنی نعمتوں پر ادائے شکر کا ولولہ پیدا کر، اور ہمیں امن و عافیت کی سپر میں ڈھانپ لے، اور اس طرح ہم پر اپنی نعمت کو تمام کر کہ تیرے فرائض اطاعت کو پورے طور سے انجام دیں، بیشک تو نعمتوں کا بخشنے والا اور قابل ستائش ہے، رحمت فراواں نازل کرے اللہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی پاک و پاکیزہ آلؑ پر۔

--☆☆--

طلوع ہلال کا منظر اتنا دلکش ہوتا ہے کہ جب سورج کی شعاعوں کو اپنے دامن میں سمیٹ کر شفق کے رنگین پردوں میں سے جھانکتا ہے تو ایک دنیا کی نظریں اس کی طرف اٹھ جاتی ہیں اور ہاتھ اس صانع حقیقی کی بارگاہ میں بلند ہو جاتے ہیں جس نے ایک جرم تاریک کو غسل آفتابی دے کر نگاہوں کا مرکز بنایا اور اس کی راہ پیمائیوں اور اتار چڑھاؤ کی مختلف تبدیلیوں سے نظر افروزی کا سامان کیا جو کبھی ہلال ہے اور کبھی قمر، کبھی بدر ہے اور کبھی روبہ زوال، کبھی رات کے پہلے حصے میں درخشاں ہے تو کبھی رات کے آخری حصہ میں، کبھی خط ارتقاء کی طرف سرگرم سیر ہے تو کبھی تنزل و انحطاط کی طرف مائل، کبھی نظروں کے سامنے ہے تو کبھی نگاہوں سے روپوش۔ جس کے نتیجہ میں کبھی آسمانی وسعتوں سے لے کر زمین کی پہنائیوں تک نور و روشنی پھیل جاتی ہے اور کبھی ہر طرف اندھیرا چھا جاتا اور کرہ ارض گھٹا ٹوپ اندھیاریوں میں ڈوب جاتا ہے۔ مگر یہ تاریکی امید افزاء اور روشنی کی پیغامبر ہوتی ہے۔ کیونکہ جب بھی اندھیرا پھیلتا ہے اس کے بعد روشنی ضرور نمودار ہوتی ہے، اور یہ اندھیرا اس کی علامت بن جاتا ہے کہ اب روشنی کی نمود قریب ہے۔ چنانچہ ادھر تاریکی پھیلی، ادھر دلوں میں امید کی کرن چمکی اور چاند ایک آدھ دن کی روپوشی کے بعد نور و روشنی کا سامان لئے موجود ہو گیا۔

وہی طنطنہ وطمطراق، وہی گردش فضاوسیر آفاق، وہی گھٹنا، بڑھنا، چھپنا، ابھرنا۔غرض چاند کی یہ تمام کیفیتیں اتنی دلفریب ہیں کہ نگاہیں اس کے نظارہ سے سیر نہیں ہوتیں اوران گنت صدیوں کے باوجود اس کی کشش و دل آویزی میں کمی پیدا نہیں ہوتی۔گویا یہ کسی حسن لازوال کا پرتو ہے جو اپنی جلوہ افروزی سے اس کی کشش کو کم نہیں ہونے دیتا اور اپنی تابش جمال سے اس کی ضیاوتابانی کو برقرار رکھے ہوئے ہے۔کیا چشم بینا اس حسین نقش کو دیکھ کر نقش آرائے فطرت کے وجود سے انکار کرسکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔

این همه آیات روشن آن همه خلق بدیع کور چشمی کو نه بیند کردگار خویش را

یہ اس کی کشش و دل آویزی ہی کا کرشمہ ہے کہ آب وگل کے بسنے والے اس پر کمندیں ڈال رہے ہیں اور اس کی نور پاش وحسن افروز وادیوں تک پہنچنے کیلئے تڑپ رہے ہیں۔کسی کو «کمند کوتاه و بازوی سست و بام بلند» کا احساس زمین گیر بنائے ہوئے ہے اور کوئی اسے تسخیر کرنے کیلئے خلائے بسیط کی راہوں کو ہموار کررہا ہے۔وہاں کسی انسان کے زندہ پہنچنے یا پہنچ کر زندہ رہنے کا خواب شرمندہ تعبیر ہو یا نہ ہو، مگر اس سلسلہ میں جو کوششیں بروئے کار آئی ہیں وہ ذہن انسانی کے ارتقاء کی آئینہ دار ہیں۔

اس سلسلہ میں ہیئت دانوں نے جو معلومات بہم پہنچائے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ زمین سے چاند کا فاصلہ مستقل نہیں ہوتا، بلکہ کم وبیش ہوتا رہتا ہے۔چنانچہ اس کا اوسط فاصلہ دولاکھ اڑتیس ہزار آٹھ سو ساٹھ (2,38,860) میل ہے اور زیادہ سے زیادہ دولاکھ باون ہزار سات سو دس میل اور کم سے کم دولاکھ 21 ہزار 4 سو 63 میل ہے اور قطر 2 ہزار ایک سو 63 میل ہے جو دو ہزار دو سو 87 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے حرکت کررہا ہے اور ایک ایسے زاویہ پر واقع ہے کہ اس کا 2/5 حصہ ہمیشہ اہل زمین کی نظروں سے اوجھل رہتا ہے۔اس میں گہرے کھڈ، جھلسے ہوئے چٹیل میدان اور سنگلاخ پہاڑ ہیں جن کی چوٹیاں ۵ ہزار فٹ سے ۱۸ ہزار فٹ تک بلند ہیں اور بعض ہیئت دانوں کا اندازہ تیس ہزار فٹ تک کا بھی ہے۔اس کی کشش زمین کی بہ نسبت 1/6 حصہ ہے، اس طرح کہ اگر زمین پر ایک انسان کا وزن 175 پونڈ ہوگا، تو چاند پر اس کا وزن صرف 29.1/6 پونڈ رہ جائے گا اور اس کے جس حصہ پر سورج کی شعاعیں پڑتی ہیں وہاں کا درجہ حرارت 130 سنٹی گریڈ ہوتا ہے اور جس حصہ پر شعاعیں نہیں پڑتیں وہاں صفر سے 120 درجہ سنٹی گریڈ کم ہو جاتا ہے۔اس میں نہ سبزہ و روئیدگی کے نشان ہیں، نہ پانی کا وجود اور نہ ہوا کا گزر ہے۔یہ تیرہ وتار کرہ سورج سے روشنی مستعار لیتا ہے اور یہی روشنی منعکس ہوکر ہماری راتوں کو روشن اور کرۂ زمین کو حسن و رعنائی کے جلووں سے معمور کردیتی ہے۔بعض علماء نے ارشاد الٰہی ﴿هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا﴾[1]: (اسی نے سورج کو ضیا بار اور چاند کو روشن قرار دیا ہے) سے سورج کی روشنی کے اصلی اور چاند کی روشنی کے اکتسابی ہونے پر استدلال کیا ہے۔اس طرح کہ قدرت نے سورج کیلئے ''ضیا'' اور چاند کیلئے ''نور'' کا لفظ استعمال کیا ہے اور ضیاء و نور میں اصلی و اکتسابی ہی کا فرق ہے۔چنانچہ صاحب ریاض السالکین تحریر کرتے ہیں:

وَ قَالَ الْمُتَكَلِّمُوْنَ: اَلْقَآئِمُ بِالْمُضِيْءِ لِذَاتِهٖ هَوَ الضَّوْءُ كَمَا فِي الشَّمْسِ، وَ بِالْمُضِيْٓءِ بِغَيْرِهٖ هُوَ

---

[1] سورۂ یونس، آیت ۵۔

النُّوْرُ، كَمَا فِي الْقَمَرِ.
متکلمین کا قول ہے کہ جو چیز خود سے روشن ہونے والی چیز سے وابستہ ہو وہ ''ضوء'' ہے، جیسے سورج اور جو دوسرے سے روشن ہونے والی شے سے قائم ہو وہ ''نور'' ہے جیسے قمر۔[1]

امام علیہ السلام نے سرنامہ دُعا میں چاند سے خطاب کیا ہے۔ اس خطاب کی نوعیت وہی ہے جو زمان و مکان سے خطاب کی ہوتی ہے اور اس طرح کا مخاطبہ کلام عرب میں ذائع وشائع ہے اور اسے ایک مخلوق سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس سے ان لوگوں کی رد ہوتی ہے جو سات آسمانی دیوتاؤں کے قائل تھے اور چاند کو ایک دیوتا سمجھ کر اس کی پرستش کرتے تھے۔ پھر بروج و منازل میں اس کی گردشوں اور مختلف تبدیلیوں سے اس کے مخلوق ہونے پر استشہاد کیا ہے۔ کیونکہ جو چیز ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیلی ہوتی اور مختلف تغیرات وتطورات کی آماجگاہ بنی رہتی ہے، وہ مخلوق وحادث ہوتی ہے اور حدوث ایک خالق وصانع کی احتیاج کا پتہ دیتا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت وربوبیت کا ذکر فرمایا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کا مخلوق ومصنوع اور اس کے اقتدار کی ایک علامت اور اس کے ہمہ گیر تسلط کی ایک نشانی قرار دیا ہے تاکہ چاند دیکھتے وقت یہ تاثر ذہن میں قائم رہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت وعظمت کی گزرگاہ میں ایک ذرۂ بے مقدار سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ لہٰذا اس کے سامنے کسی عظمت وتقدیس کا اظہار نہ ہونا چاہیئے۔

چنانچہ آئمہ اہل بیت علیہم السلام سے جو رویت ہلال کے آداب وارد ہوئے ہیں یا ان کے عمل سے ظاہر ہوئے ہیں ان میں یہ امر ملحوظ رکھا گیا ہے کہ تذلّل وسرافگندگی صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے ہو اور اسے صحیفۂ قدرت کی ایک آیت اور عظمت الٰہی کی ایک نشانی کی حیثیت سے دیکھا جائے۔ مثلاً یہ کہ دُعا کے موقع پر چاند کی طرف ہاتھ یا سر یا کسی اور حصہ جسم سے اشارہ نہ کیا جائے۔ ہاتھوں کو اسی طرح بلند کیا جائے جس طرح اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا کے وقت بلند کئے جاتے ہیں۔ چاند کا افق کسی طرف ہو، دُعا پڑھنے والا رو بقبلہ کھڑا ہو۔ البتہ جن فقروں میں چاند سے خطاب ہے ان فقروں کے پڑھنے کے وقت چاند کی طرف رخ کیا جاسکتا ہے۔ جس جگہ چاند دیکھے وہاں سے الگ ہونے سے پہلے دُعا پڑھ لے، تاکہ قدرت کی کرشمہ سازی کا تاثر مضمحل نہ ہونے پائے۔ چاند دیکھنے کے بعد مصحف، آب رواں، سبزہ وگل اور فیروزہ وغیرہ دیکھے تاکہ آنکھوں میں تر وتازگی، دلوں میں نزہت آفریں مسرت اور قدرت کی عجائب آفرینی کا تصور پیدا ہو۔

''ہلال'' کا اطلاق اگرچہ عام طور پر پہلی رات کے چاند پر ہوتا ہے مگر بعض اہل لغت کے نزدیک دوسری تاریخ کے چاند کو بھی ہلال کہا جاتا ہے۔ اور بعض ہلال کی آخری شب تیسری رات کو قرار دیتے ہیں۔ ''ہلال''، اہلال سے ماخوذ ہے اور ''اہلال'' کے معنی آواز بلند کرنے کے ہوتے ہیں اور عربی زبان میں جس لفظ میں ہائے ہوز اور بتکرار لام ہو اس میں عموماً شہرت وبلند آوازی کے معنی ہوتے ہیں اور ''ہلال'' کی بھی یہی صورت ہے کہ جب وہ نکلتا ہے تو ہر طرف شہرت پھیل جاتی ہے اور زبانوں پر اس کا چرچا ہونے لگتا ہے۔ یا یہ کہ ''ہلل'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی ضعف وکمزوری کے ہیں۔ اور یہ چونکہ ایک باریک کمان کی صورت میں نظر آتا ہے اس لئے اسے ''ہلال'' کہا جاتا ہے۔

---

[1] ریاض السالکین، ج ۲ ص ۲۰۹۔ ۲۱۰۔

رویت ہلال صرف دیکھنے ہی پر موقوف نہیں ہے۔ بلکہ تیس دن پورے ہوجائیں یا ایسے دو شخص گواہی دیں جن کی راست گوئی و فرض شناسی پر اعتماد ہو یا ایسی شہرت ہوجائے جس سے چاند کے ہونے کا یقین ہوجائے تو رویت ثابت ہے اور اس سلسلہ میں منجمین کے مقرر کردہ اصولوں پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ وہ صرف ظنی و تخمینی چیزیں ہیں۔ مثلاً یہ کہ ذیقعد کی چوتھی اور محرم کی پہلی، ذی الحجہ کی چوتھی اور صفر کی پہلی اور محرم کی چوتھی اور ربیع الاول کی پہلی، صفر کی چوتھی اور ربیع الثانی کی پہلی، ربیع الاول کی چوتھی اور جمادی الاول کی پہلی، ربیع الثانی کی چوتھی اور جمادی الاخریٰ کی پہلی، جمادی الاولی کی چوتھی اور رجب کی پہلی، جمادی الاخری کی چوتھی اور شعبان کی پہلی، ماہ رمضان کی چوتھی اور ذیقعدہ کی پہلی، شوال کی چوتھی اور ذی الحجہ کی پہلی ایک دن میں واقع ہوگی۔ مثلاً شوال کی چوتھی اگر جمعہ ہوتو ذی الحجہ کی پہلی جمعہ کے دن ہوگی۔ اسی طرح نصیر الدین طوسی رحمہ اللہ کی طرف یہ شعر منسوب ہے:

یدس چوں غره افتد بست و نه دان اگر چپاش آید جمله بر خواں

''یدس'' سے مراد یکشنبہ، دوشنبہ اور سہ شنبہ ہے۔ ان دنوں میں اگر پہلی تاریخ ہوتو مہینہ انتیس کا ہوگا۔ اور ''چپاش'' سے مراد چہارشنبہ، پنجشنبہ، آدینہ (جمعہ) اور شنبہ ہے۔ ان دنوں میں اگر پہلی ہوتو پورے تیس دن کا ہوگا۔ والعلم عند اللہ!

قدرت نے اس چاند کے ذریعہ گوناگوں فوائد و منافع کا سامان کیا ہے۔ اگرچہ اس کے فوائد و خواص کو اہل تحقیق ہی جانتے ہیں مگر کچھ فوائد تو وہ ہیں جن کا مشاہدہ ہر کس و ناکس کرسکتا ہے۔ چنانچہ ہر شخص یہ دیکھتا اور جانتا ہے کہ اس سے تاریک راتیں روشن و منور اور اس کی روشنی سے اشیاء کی نمود ہوتی ہے اور اس کے طلوع و غروب، عروج و زوال اور سیر و حرکت سے ازمنہ و اوقات منضبط ہوتے ہیں۔ جس سے کائنات میں ہم آہنگی اور زندگی کے ہر شعبہ میں نظم و ترتیب قائم ہوتی ہے۔ چنانچہ قدرت نے اس فائدہ کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿يَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡاَهِلَّةِ ؕ قُلۡ هِىَ مَوَاقِيۡتُ لِلنَّاسِ﴾

اے پیغمبرؐ! تم سے لوگ (پہلی راتوں کے) چاند کے بارے میں دریافت کرتے ہیں تو ان سے کہو کہ یہ انسان کیلئے وقت کا حساب رکھنے کیلئے ہیں۔[1]

اوقات کی حد بندی کا تصور انسان کے دل میں سورج کے طلوع و غروب سے پیدا ہوا۔ اس طرح کہ اس نے سورج کو نکلتے اور پھر اسے ڈوبتے دیکھا اور طلوع سے لے کر غروب تک کا وقت روشن اور غروب سے لے کر طلوع تک کا وقت تاریک پایا تو اس نے ایک طلوع سے لے کر دوسرے طلوع تک کا وقت دو حصوں پر تقسیم کردیا۔ روشن حصہ کا نام ''دن'' ہوا اور تاریک حصہ کا نام ''رات''۔ اب اگر وقت کا حساب اسی شب و روز سے چلتا تو ایک پچاس سالہ شخص کو اپنی عمر کا حساب لگانے کیلئے اٹھارہ ہزار دو سو پچاس راتوں اور اٹھارہ ہزار دو سو پچاس دنوں کا حساب رکھنا پڑتا۔ اور اگر شب و روز کے مجموعہ سے حساب کرتا جب بھی اٹھارہ ہزار دو سو پچاس کے شمار کی ضرورت پڑتی۔ اور ظاہر ہے کہ اس طرح حساب و شمار نہایت دشوار ہوتا۔ اس دشواری کو اس نے چاند کے ذریعہ دور کیا۔ اس طرح کہ اس نے دیکھا کہ وہ ایک معین وقت پر نکلتا ہے اور تغیر و تبدل کے مختلف حالات سے گزرتا

---

[1] سورۂ بقرہ، آیت ۱۸۹۔

ہوا کچھ مدت کیلئے آنکھوں سے روپوش ہو جاتا ہے اور پھر اسی پہلی وضع وصورت کے ساتھ نمودار ہوتا ہے۔ اور یہ ایک ایسا سلسلہ ہے جس میں کبھی خلل رونما نہیں ہوتا، تو چاند کے دو طلوعوں کے درمیانی عرصہ سے ایک اور وقت کی حد بندی کر لی اور اس کا نام ''مہینہ'' تجویز کیا۔ اب پچاس سال کی مدت کیلئے اٹھارہ ہزار دوسو پچاس دنوں کو یاد رکھنے کے بجائے چھ سو مہینے ہی یاد رکھنا پڑے۔ پھر موسموں کے دورہ کرنے سے ایک اور مدت کی طرف توجہ پیدا ہوئی اور اس نے دیکھا کہ ایک موسم کے شروع ہونے کے بعد دوبارہ اسی موسم کے آنے تک بارہ مرتبہ چاند طالع ہوتا ہے تو اس نے بارہ مہینوں کی ایک مدت تجویز کر لی اور اس کا نام ''سال'' ہوا۔ جب سالوں کے ذریعہ اوقات کی حد بندی ہونے لگی تو اوقات شماری کی تمام دشواریاں دور ہو گئیں۔

جن لوگوں نے سب سے پہلے تشکیل اوقات کی طرف توجہ کی، وہ اہل مصر تھے۔ چنانچہ آثار مصر کو دیکھنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جہاں وہ ایک مہینہ ظاہر کرنا چاہتے تھے وہاں ہلال کی شکل بنا دیتے تھے اور ۶۰۰ ق۔م انہوں نے اپنے تہواروں کے ناموں پر بارہ مہینوں کے نام رکھ کر سال کی حد بندی کر لی تھی اور یونان، روم، ہند اور عرب میں بھی قمری مہینوں کا حساب رائج تھا۔ جب اسلام کا ظہور ہوا تو اس نے بھی قمری حساب کو برقرار رکھا۔ اور قمری مہینوں ہی کے لحاظ سے سال کی تحدید کی اور مہینوں کو گھٹانے بڑھانے اور آگے پیچھے کرنے سے روک دیا۔ کیونکہ زمانہ جاہلیت میں عرب اپنی مقصد برآری کیلئے امن و آشتی کے مہینہ کو مؤخر کر دیتے یا حج کے مہینہ کو پیچھے ڈال دیتے تھے۔ یہ سال سنہ ہجری کہلاتا ہے۔ کیونکہ اس کی ابتدا امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے مشورہ سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی ہجرت پر رکھی گئی تھی۔ اگرچہ ہجرت کا واقعہ ۲۷ صفر کو پیش آیا اور ۱۲ ربیع الاول کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کا مدینہ میں ورود ہوا، مگر محرم کی اہمیت وشہرت اور شہر الحرام میں نمایاں ہونے کی وجہ سے اور بایں خیال کہ ہجرت کا ارادہ محرم ہی سے تھا، اسے سال کا پہلا مہینہ قرار دیا گیا۔

اگرچہ قمری حساب سیدھا سادا اور ہر قسم کے پیچ وخم سے پاک ہے مگر اس میں یہ دشواری نظر آئی کہ اس کے ذریعہ فصلوں کی حد بندی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ جو مہینہ آج سردی میں آرہا ہے پھر گرمی میں آنا شروع ہو جائے گا اور جو خزاں میں آرہا ہے وہ بہار میں آنے لگے گا۔ لہٰذا یہ نہ بتایا جاسکے گا کہ گرمی کے مہینے کونسے ہیں اور سردی کے کونسے، کس مہینے میں فصل کاشت ہوگی اور کس مہینے میں کاٹی جائے گی۔ اور مصریوں کو بھی یہی دقت پیش آئی، کیونکہ ان کی زندگی کا انحصار کھیتی باڑی پر تھا اور ایک برسات سے لے کر دوسری برسات تک انہوں نے بارہ مہینوں کا حساب لگایا تھا۔ مگر برسات تیرہ مہینوں کے بعد آنے لگی۔ اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی ایسی صورت ہونا چاہیئے کہ گرما وسرما اور بہار وخزاں کے موسم کی حد بندی ہو جائے۔ چنانچہ فلکی مطالعہ نے انسان کی رہنمائی کی اور اس نے دیکھا کہ چاند ہر رات کسی نہ کسی ستارے کے پاس نظر آتا ہے اور چونکہ چاند کے نظر آنے کی راتیں اٹھائیس ہوتی ہیں، اس لئے اس نے ان ستاروں کو علامت قرار دے کر چاند کی اٹھائیس منزلیں قرار دے لیں۔ ان منزلوں کو ہندی میں ''نچھتر'' کہا جاتا ہے جو اسونی، بھرنی، کرتکا، روہنی وغیرہ کے ناموں سے مشہور ہیں اور عربی میں ان کے نام حسب ذیل ہیں:

شرطان، بطین، ثریا، وبران، ہقعہ، ہنعہ، ذراع، نثرہ، طرف، جبہہ، زبرہ، صرفہ، عواء، سماک الاعزل، غفر، زبانا، اکلیل، قلب، شولہ، نعائم، بلدہ، سعد، ذابح، سعد، بلع، سعد السعود، سعد الاخبیہ، فرغ المقدم، فرغ المؤخر، رشاء۔

پھر اس نے دیکھا کہ منطقۃ البروج پر کئی ستاروں کے جھرمٹ ہیں جنہیں قاعدہ سے ملایا جائے تو بارہ مختلف شکلیں بن جاتی ہیں اور انہی شکلوں کے لحاظ سے ان کے نام رکھ لئے گئے۔ ہندی میں انہیں ''راس'' اور عربی میں ''برج'' کہا جاتا ہے۔ ہندی نام یہ ہیں: میکھ، برکھ، متھن، کرک، سنگھ، کنیا، تلا، برچھک، دھن، مکر، کنبھ، مین۔ اور اسی ترتیب سے عربی نام یہ ہیں: حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو، حوت۔ پھر ان منزلوں کو 360 درجوں پر تقسیم کیا اور ہر منزل میں چاند کا قیام 12 درجہ اور تقریباً 51 دقیقہ اور ہر برج میں اس کا ٹھہراؤ دو دن آٹھ گھنٹہ قرار دیا۔ پھر یہ دیکھا کہ جس منزل کو چاند شبانہ روز میں طے کرتا ہے، سورج اسے تقریباً 13 دنوں میں تمام کرتا ہے جس سے منزلوں کے دن 364 بنتے ہیں، لیکن سورج اس مقام پر جہاں سے چلا تھا 365 دنوں میں پہنچتا ہے۔ اس طرح کہ حمل، ثور، سرطان، اسد اور سنبلہ میں 31، 31 دن، جوزا میں 32 دن، میزان، عقرب، دلو اور حوت میں 30، 30 دن اور قوس وجدی میں 29، 29 دن صرف کرتا ہے۔ تو انہوں نے ایام منازل کو دورۂ شمسی کے دنوں سے مطابق کرنے کیلئے منزل غفر میں ایک دن کا اضافہ کر کے 365 دن کا سال مقرر کر لیا اور موسموں کو ان منزلوں پر تقسیم کر کے فصول اربعہ کی حد بندی کر لی اور اسے ''شمسی سال'' سے تعبیر کیا جانے لگا۔

اور بعض ملکوں میں شمسی سال کے باوجود مہینوں کا حساب قمری ہی رہا، حالانکہ قمری حساب سے سال کی مدت 354 دن 8 گھنٹے 48 منٹ 32 سیکنڈ ہوتی ہے، کیونکہ قمری مہینہ 29 دن یا 30 دن کا ہوتا ہے۔ اگرچہ چاند 27 دن 7 گھنٹہ 43 منٹ کی مدت میں سمت متقابل کی طرف حرکت کرتا ہوا زمین کے گرد اپنا دورہ مکمل کر لیتا ہے، لیکن حرکت ارضی کی وجہ سے چاند کے سفر میں 2 دن 21 اعشاریہ کا اضافہ ہو جاتا ہے اور اسے اپنا سفر تمام کرنے کیلئے 29 دن 12 گھنٹہ 43 منٹ 16 سیکنڈ کی مدت درکار ہوتی ہے۔ اس بنا پر وہ کبھی 29 دن کے بعد نظر آتا ہے اور کبھی 30 دن کے بعد۔ اور اسی رویت پر مہینوں کی مدت کا انحصار ہے۔ اور شمسی سال کی مدت 365 دن 5 گھنٹہ 48 منٹ 46 سیکنڈ ہوتی ہے۔ اس لئے قمری سال 10 دن 21 گھنٹے 14 سیکنڈ شمسی سال سے چھوٹا ہوگا اور ہر سو سال کے بعد شمسی سال سے تین سال آگے بڑھ جائے گا۔

چنانچہ اہل کتاب میں سے ایک شخص نے امیر المومنین علیہ السلام سے کہا کہ قرآن میں اصحاب کہف کے متعلق ہے کہ: ﴿وَلَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ۝۲۵﴾[1]: (وہ غار میں تین سو برس ٹھہرے اور لوگوں نے نو برس اور بڑھا دیئے) اور ہمارے ہاں کی کتاب میں صرف تین سو برس کا ذکر ہے، یہ اختلاف کیوں ہے؟ حضرتؑ نے فرمایا کہ: یونانیوں کے تین سو برس عربوں کے تین سو نو سالوں کے برابر ہوتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ جب ہر سو سال میں تین سال کا اضافہ ہوگا تو تین سو سالوں کے بعد نو سالوں کا اضافہ ہونا ہی چاہیئے۔

جن ممالک میں مہینوں کی مدت شمسی سال سے کم ہوتی ہے، وہ ان میں دنوں کا اضافہ کر کے اسے شمسی سال سے مطابق کر لیتے ہیں۔ چنانچہ اہل ہند اپنے مہینوں کا حساب چاند سے کرتے ہیں۔ اس طرح کہ ''پروا'' یعنی چاند کے انحطاط سے مہینہ کا آغاز کرتے ہیں اور ''پورنماشی'' یعنی چاند کے مکمل ہو جانے پر ختم کر دیتے ہیں۔ اور ہر تیسرے سال ایک مہینہ کا اضافہ کر کے اپنے سال کو شمسی سال کے مطابق کر لیتے ہیں۔ ترکوں کے مہینے بھی

---

[1] سورۂ کہف، آیت ۲۵۔

شمار میں قمری مہینوں کے برابر ہوتے ہیں۔ وہ شمس وقمر کے اتصال سے ابتدا کرتے ہیں اور ہر تیسرے سال ایک ماہ کا اضافہ کر لیتے ہیں۔
اہل فارس اپنے سال کی ابتدا تحویل آفتاب سے کرتے ہیں۔ ان کے مہینوں کے نام یہ ہیں: فروردین، اردیبہشت، خرداد، تیر، مرداد، شہریور، مہر، ابان، آذر، دی، بہمن، اسفندارند

یہ تمام مہینے 30،30 دن کے ہوتے ہیں جس سے سال کے 360 دن بنتے ہیں، لیکن وہ اسفندارند کے آخر میں 5 دنوں کا اضافہ کر کے شمسی سال کے مطابق کر لیتے ہیں اور 120 سال کے بعد ایک مہینہ کا اضافہ کر کے بقایا کمی کو پورا کر لیتے ہیں۔ اس زائد مہینہ کو ہندی میں ''لوند''، ترکی میں ''سوا آئی'' اور فارسی میں ''کبیسہ'' کہتے ہیں۔

روم میں مہینوں کا حساب چاند سے اور سال کا حساب سورج سے لگایا جاتا تھا۔ جب روم میں جولیس سیزر حکمران ہوا تو اس نے 45 ق۔م میں دو ہیئت دانوں کی مدد سے سال کی مدت 365 دن 6 گھنٹہ مقرر کی۔ اس طرح کہ فروری کے 29 دن اور باقی مہینوں میں ایک مہینہ تیس دن کا اور دوسرا 31 دن کا قرار دیا۔ اور چھ گھنٹوں کی کھپت کیلئے ہر چوتھے سال فروری میں ایک دن کا اضافہ کر دیا اور اپنے نام پر جون کے بعد والے مہینے کا نام ''جولائی'' رکھا۔ اس کے بعد اگسٹس نے جولائی کے بعد والے مہینے کا نام اپنے نام پر ''اگست'' رکھا اور فروری سے ایک دن نکال کر اس میں بڑھا دیا۔ یہ حساب صدیوں چلتا رہا، لیکن سال کی مدت چونکہ 365 دن 6 گھنٹہ تھی، اس لئے 400 سال کے عرصہ میں تحویل آفتاب میں 3 دن کا فرق پڑ گیا۔ چنانچہ جب 325ء میں روم کے ہیئت دان اس مسئلہ پر غور کرنے کیلئے جمع ہوئے تو اس سال تحویل آفتاب 21 مارچ کو تھی، حالانکہ 45 ق۔م جب یہ سال رائج ہوا تھا تو تحویل آفتاب 25 مارچ کو تھی۔ انہوں نے بتایا کہ شمسی سال کی صحیح مدت چونکہ 365 دن 5 گھنٹہ 48 منٹ 46 سیکنڈ ہے اور ملکی سال کا شمار 365 دن 6 گھنٹہ کے حساب سے ہوتا رہا ہے اور ملکی سال، شمسی سال سے 11 منٹ 14 سیکنڈ آگے بڑھتا رہا ہے اس لئے یہ فرق پڑ گیا ہے۔ مگر اس کی تصحیح کی کوئی تدبیر نہ کر سکے۔

آخر 1582ء میں پاپائے اعظم گریگری نے اس کی طرف توجہ کی اور گزشتہ سالوں میں جو دس دن زیادہ شمار ہوئے تھے کم کر دیئے اور آئندہ کیلئے ہر تین سال کے دن 365 اور چوتھے سال کے دن 366 قرار دیئے تاکہ ان چار سالوں میں ہر سال جو 5 گھنٹے 48 منٹ 46 سیکنڈ زائد ہوتے ہیں ان کی کھپت ہو جائے۔ مگر جب یہ دیکھا گیا کہ اس سے بھی کچھ فرق پڑتا ہے اس طرح کہ کمی تو چار سالوں میں 23 گھنٹے 15 منٹ 4 سیکنڈ کی ہوئی ہے اور اضافہ ایک دن کی صورت میں 24 گھنٹے کا کیا گیا ہے جس سے 400 سال میں 3 دن کا فرق پڑ جاتا ہے، اس لئے پوری صدی والے سالوں میں صرف اس سال میں اضافہ باقی رکھا گیا جو 400 پر پورا تقسیم ہو جائے تاکہ یہ بڑھنے والے تین دن کم ہو جائیں، لیکن اس صورت میں بھی 26 سیکنڈ ہر سال میں بڑھ جاتے ہیں جو 3323 سال میں ایک دن کے مساوی ہو جائیں گے، اس کے تدارک کی یہ صورت نکالی گئی کہ جو سال 4000 پر پورا تقسیم ہو جائے اس میں ایک دن کا اضافہ نہیں کیا جائے گا، لیکن یہ ایک دن تو 3323 سالوں میں بڑھتا تھا اور کمی چار ہزار سال میں ایک دن کی تجویز ہوئی تو اس کے نتیجہ میں بیس ہزار سالوں میں ایک دن پھر بڑھ جائے گا، مگر اس کے حل کی ابھی کوئی خاص ضرورت محسوس نہیں کی گئی ہے۔ جس سال میں

ایک دن کا اضافہ کیا جاتا ہے اس کے پہچاننے کا حسابی طریقہ یہ ہے کہ سنہ عیسوی کو چار پر تقسیم کر دیا جائے۔ اگر ایک باقی رہے تو 365 دن والا پہلا سال، دو باقی رہیں تو دوسرا، تین باقی رہیں تو تیسرا، اور پورا تقسیم ہو جائے تو وہ 366 دنوں کا سال ہوگا۔ ایسے سال کو ''لیپ کا سال'' کہا جاتا ہے۔

بہر حال اس بیان سے یہ واضح ہو گیا کہ ملکی سال کبھی شمسی سال سے گھٹ جاتا ہے اور کبھی بڑھ جاتا ہے اور ہر چوتھے سال ایک دن کے اضافہ کی ضرورت پڑ جاتی ہے اور پھر بھی تفاوت رہ جاتا ہے۔ اور پھر اسے وہی سمجھ سکتا ہے جو علم فلکیات میں مہارت رکھتا ہو۔ بخلاف قمری حساب کے کہ وہ گھٹائے بڑھائے بغیر بالکل قدرتی حالت میں ہے اور ہر شخص بآسانی معلوم کر لیتا ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق عام مشاہدہ سے ہے۔ اس لئے اسلام نے اعمال و عبادات کی بنیاد زیادہ تر قمری حساب پر رکھی ہے تاکہ تعیین اوقات میں کوئی دشواری پیش نہ آئے اور جو سورج سے متعلق ہیں جیسے افطار صوم یا اوقات نماز یا نماز آیات تو ان کا تعلق صرف سورج کے مشاہدہ یعنی طلوع و غروب و زوال اور کسوف سے ہے جس میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے۔ البتہ کچھ امور ایسے ہیں جو شمسی حساب سے متعلق ہیں مگر وہ اعمال واجبہ پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ جیسے نوروز، کیونکہ جس دن غدیر خم میں اعلان خلافت علوی ہوا اور جس دن امیر المومنین علیہ السلام زینت افزائے سریر خلافت ہوئے، آفتاب برج حمل میں تھا۔ اسی لئے اس دن کی مسرت کو دو چند کرنے کیلئے قمری و شمسی دونوں تاریخوں کو یوم مسرت قرار دیا گیا۔ اسی طرح نوروز کے 23 دن بعد نیسان کا مہینہ شروع ہوتا ہے جس میں برسنے والے پانی پر مختلف سورتیں اور دُعائیں پڑھ کر پینے سے مختلف فوائد و خواص کا تذکرہ روایات میں ہوا ہے۔ یونہی امام جعفر صادق علیہ السلام نے ماہ حریزان کی ساتویں تاریخ کو پچھنے لگوانے سے منع کیا ہے اور امام رضا علیہ السلام سے شمسی مہینوں کے لحاظ سے ہر مہینہ کے کچھ اصولِ صحت وارد ہوئے ہیں۔

☆☆☆☆☆

(۴۴) وَ كَانَ مِنْ دُعَائِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

اِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا لِحَمْدِهٖ، وَ جَعَلَنَا مِنْ اَهْلِهٖ لِنَكُوْنَ لِاِحْسَانِهٖ مِنَ الشَّاكِرِيْنَ، وَ لِيَجْزِيَنَا عَلٰى ذٰلِكَ جَزَآءَ الْمُحْسِنِيْنَ.

وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ حَبَانَا بِدِيْنِهٖ، وَ اخْتَصَّنَا بِمِلَّتِهٖ، وَ سَبَّلَنَا فِیْ سُبُلِ اِحْسَانِهٖ، لِنَسْلُكَهَا بِمَنِّهٖ اِلٰى رِضْوَانِهٖ، حَمْدًا يَّتَقَبَّلُهٗ مِنَّا، وَ يَرْضٰى بِهٖ عَنَّا.

وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ مِنْ تِلْكَ السُّبُلِ شَهْرَهٗ شَهْرَ رَمَضَانَ، شَهْرَ الصِّيَامِ، وَ شَهْرَ الْاِسْلَامِ، وَ شَهْرَ الطَّهُوْرِ، وَ شَهْرَ التَّمْحِيْصِ، وَ شَهْرَ الْقِيَامِ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ، هُدًى لِّلنَّاسِ، وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ.

فَاَبَانَ فَضِيْلَتَهٗ عَلٰى سَآئِرِ الشُّهُوْرِ، بِمَا جَعَلَ لَهٗ مِنَ الْحُرُمَاتِ الْمَوْفُوْرَةِ، وَ الْفَضَآئِلِ الْمَشْهُوْرَةِ، فَحَرَّمَ فِيْهِ مَآ اَحَلَّ فِیْ غَيْرِهٖ اِعْظَامًا، وَ حَجَرَ فِيْهِ الْمَطَاعِمَ وَ الْمَشَارِبَ

دُعا (۴۴)

دُعائے استقبال ماہ رمضان

تمام تعریف اس اللہ کیلئے ہے جس نے اپنی حمد و سپاس کی طرف ہماری رہنمائی کی، اور ہمیں حمد گزاروں میں سے قرار دیا، تا کہ ہم اس کے احسانات پر شکر کرنے والوں میں محسوب ہوں، اور ہمیں اس شکر کے بدلہ میں نیکوکاروں کا اجر دے۔

اس اللہ کیلئے حمد و ستائش ہے جس نے ہمیں اپنا دین عطا کیا، اور اپنی ملت میں سے قرار دے کر امتیاز بخشا، اور اپنے لطف و احسان کی راہوں پر چلایا، تا کہ ہم اس کے فضل و کرم سے ان راستوں پر چل کر اس کی خوشنودی تک پہنچیں، ایسی حمد جسے وہ قبول فرمائے اور جس کی وجہ سے ہم سے وہ راضی ہو جائے۔

تمام تعریف اس اللہ کیلئے ہے جس نے اپنے لطف و احسان کے راستوں میں سے ایک راستہ اپنے مہینہ کو قرار دیا، یعنی رمضان کا مہینہ، صیام کا مہینہ، اسلام کا مہینہ، پاکیزگی کا مہینہ، تصفیہ و تطہیر کا مہینہ، عبادت و قیام کا مہینہ، وہ مہینہ جس میں قرآن نازل ہوا، جو لوگوں کیلئے رہنما ہے، ہدایت اور حق و باطل کے امتیاز کی روشن صداقتیں رکھتا ہے۔

چنانچہ تمام مہینوں پر اس کی فضیلت و برتری کو آشکارا کیا، ان فراواں عزتوں اور نمایاں فضیلتوں کی وجہ سے جو اس کیلئے قرار دیں، اور اس کی عظمت کے اظہار کیلئے جو چیزیں دوسرے مہینوں میں جائز کی تھیں اس میں حرام کر دیں، اور اس کے احترام کے پیش نظر کھانے پینے کی چیزوں سے منع کر دیا، اور ایک واضح زمانہ اس

اِكْرَامًا، وَ جَعَلَ لَهٗ وَقْتًا بَيِّنًا، لَا يُجِيْزُ جَلَّ وَ عَزَّ اَنْ يُّقَدَّمَ قَبْلَهٗ، وَ لَا يَقْبَلُ اَنْ يُؤَخَّرَ عَنْهُ.

ثُمَّ فَضَّلَ لَيْلَةً وَّاحِدَةً مِّنْ لَّيَالِيْهِ عَلٰى لَيَالِيْ اَلْفِ شَهْرٍ، وَ سَمَّاهَا لَيْلَةَ الْقَدْرِ، تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلَامٌ، دَآئِمُ الْبَرَكَةِ اِلٰى طُلُوْعِ الْفَجْرِ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ، بِمَآ اَحْكَمَ مِنْ قَضَآئِهٖ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اَلْهِمْنَا مَعْرِفَةَ فَضْلِهٖ وَ اِجْلَالَ حُرْمَتِهٖ، وَ التَّحَفُّظَ مِمَّا حَظَرْتَ فِيْهِ، وَ اَعِنَّا عَلٰى صِيَامِهٖ بِكَفِّ الْجَوَارِحِ عَنْ مَّعَاصِيْكَ، وَ اسْتِعْمَالِهَا فِيْهِ بِمَا يُرْضِيْكَ، حَتّٰى لَا نُصْغِيَ بِاَسْمَاعِنَآ اِلٰى لَغْوٍ، وَ لَا نُسْرِعَ بِاَبْصَارِنَآ اِلٰى لَهْوٍ، وَ حَتّٰى لَا نَبْسُطَ اَيْدِيَنَآ اِلٰى مَحْظُوْرٍ، وَ لَا نَخْطُوَ بِاَقْدَامِنَآ اِلٰى مَحْجُوْرٍ، وَ حَتّٰى لَا تَعِيَ بُطُوْنُنَآ اِلَّا مَآ اَحْلَلْتَ، وَ لَا تَنْطِقَ اَلْسِنَتُنَآ اِلَّا بِمَا مَثَّلْتَ، وَ لَا نَتَكَلَّفَ اِلَّا مَا يُدْنِيْ مِنْ ثَوَابِكَ، وَ لَا نَتَعَاطٰى اِلَّا الَّذِيْ يَقِيْ مِنْ عِقَابِكَ،

کیلئے معین کر دیا، خدائے بزرگ و برتر یہ اجازت نہیں دیتا کہ اسے اس کے معینہ وقت سے آگے بڑھا دیا جائے، اور نہ یہ قبول کرتا ہے کہ اس سے مؤخر کر دیا جائے۔

پھر یہ کہ اس کی راتوں میں سے ایک رات کو ہزار مہینوں کی راتوں پر فضیلت دی اور اس کا نام ”شب قدر“ رکھا، اس رات میں فرشتے اور روح القدس ہر اس امر کے ساتھ جو اس کا قطعی فیصلہ ہوتا ہے اس کے بندوں میں سے جس پر وہ چاہتا ہے نازل ہوتے ہیں، وہ رات سراسر سلامتی کی رات ہے جس کی برکت طلوع فجر تک دائم و برقرار ہے۔

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور ہمیں ہدایت فرما کہ ہم اس مہینہ کے فضل و شرف کو پہچانیں، اس کی عزت و حرمت کو بلند جانیں، اور اس میں ان چیزوں سے جن سے تو نے منع کیا ہے اجتناب کریں، اور اس کے روزے رکھنے میں ہمارے اعضاء کو نافرمانیوں سے روکنے اور ان کاموں میں مصروف رکھنے سے جو تیری خوشنودی کا باعث ہوں ہماری اعانت فرما، تاکہ ہم نہ بیہودہ باتوں کی طرف کان لگائیں، نہ فضول چیزوں کی طرف بے محابا نگاہیں اٹھائیں، نہ حرام کی طرف ہاتھ بڑھائیں نہ امر ممنوع کی طرف پیش قدمی کریں، نہ تیری حلال کی ہوئی چیزوں کے علاوہ کسی چیز کو ہمارے شکم قبول کریں، اور نہ تیری بیان کی ہوئی باتوں کے سوا ہماری زبانیں گویا ہوں، صرف ان چیزوں کے بجالانے کا بار اٹھائیں جو تیرے ثواب سے قریب کریں، اور صرف ان کاموں کو انجام دیں جو تیرے عذاب سے بچا لے

ثُمَّ خَلِّصْ ذٰلِكَ كُلَّهٗ مِنْ رِئَآءِ الْمُرَآءِيْنَ، وَ سُمْعَةِ الْمُسْمِعِيْنَ، لَا نُشْرِكُ فِيْهِ اَحَدًا دُوْنَكَ، وَ لَا نَبْتَغِيْ فِيْهِ مُرَادًا سِوَاكَ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ قِفْنَا فِيْهِ عَلٰى مَوَاقِيْتِ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ، بِحُدُوْدِهَا الَّتِيْ حَدَّدْتَّ، وَ فُرُوْضِهَا الَّتِيْ فَرَضْتَ، وَ وَظَآئِفِهَا الَّتِيْ وَظَّفْتَ، وَ اَوْقَاتِهَا الَّتِيْ وَقَّتَّ، وَ اَنْزِلْنَا فِيْهَا مَنْزِلَةَ الْمُصِيْبِيْنَ لِمَنَازِلِهَا، الْحَافِظِيْنَ لِاَرْكَانِهَا، الْمُؤَدِّيْنَ لَهَا فِيْۤ اَوْقَاتِهَا عَلٰى مَا سَنَّهٗ عَبْدُكَ وَ رَسُوْلُكَ، صَلَوَاتُكَ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ، فِيْ رُكُوْعِهَا وَ سُجُوْدِهَا وَ جَمِيْعِ فَوَاضِلِهَا عَلٰۤى اَتَمِّ الطَّهُوْرِ وَ اَسْبَغِهٖ، وَ اَبْيَنِ الْخُشُوْعِ وَ اَبْلَغِهٖ.

وَ وَفِّقْنَا فِيْهِ لِاَنْ نَّصِلَ اَرْحَامَنَا بِالْبِرِّ وَ الصِّلَةِ، وَ اَنْ نَّتَعَاهَدَ جِيْرَانَنَا بِالْاِفْضَالِ وَ الْعَطِيَّةِ، وَ اَنْ نُّخَلِّصَ اَمْوَالَنَا مِنَ التَّبِعَاتِ، وَ اَنْ نُّطَهِّرَهَا بِاِخْرَاجِ الزَّكَوَاتِ، وَ اَنْ نُّرَاجِعَ مَنْ هَاجَرَنَا، وَ اَنْ نُّنْصِفَ مَنْ ظَلَمَنَا، وَ اَنْ نُّسَالِمَ مَنْ عَادَانَا، حَاشٰى مَنْ

جائیں، پھر ان تمام اعمال کو ریاکاروں کی ریاکاری اور شہرت پسندوں کی شہرت پسندی سے پاک کردے، اس طرح کہ تیرے علاوہ کسی کو ان میں شریک نہ کریں، اور تیرے سوا کسی سے کوئی مطلب نہ رکھیں۔

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور ہمیں اس میں نماز ہائے پنجگانہ کے اوقات سے ان حدود کے ساتھ جو تو نے معین کئے ہیں، اور ان واجبات کے ساتھ جو تو نے عائد کئے ہیں، اور ان آداب کے ساتھ جو تو نے قرار دیئے ہیں، اور ان لمحات کے ساتھ جو تو نے مقرر کئے ہیں آگاہ فرما، اور ہمیں ان نمازوں میں ان لوگوں کے مرتبہ پر فائز کر جو ان نمازوں کے درجات عالیہ حاصل کرنے والے، ان کے واجبات کی نگہداشت کرنے والے، اور انہیں ان کے اوقات میں اسی طریقہ پر جو تیرے عبد خاص اور رسولؐ نے رکوع و سجود اور ان کے تمام فضیلت و برتری کے پہلوؤں میں جاری کیا تھا، کامل اور پوری پاکیزگی اور نمایاں و مکمل خشوع و فروتنی کے ساتھ ادا کرنے والے ہیں۔

اور ہمیں اس مہینہ میں توفیق دے کہ نیکی و احسان کے ذریعہ عزیزوں کے ساتھ صلہ رحمی، اور انعام و بخشش سے ہمسایوں کی خبر گیری کریں، اور اپنے اموال کو مظلوموں سے پاک و صاف کریں، اور زکوٰۃ دے کر انہیں پاکیزہ و طیب بنالیں، اور یہ کہ جو ہم سے علیحدگی اختیار کرے اس کی طرف دستِ مصالحت بڑھائیں، جو ہم پر ظلم کرے اس سے انصاف برتیں، جو ہم سے دشمنی کرے اس سے صلح و صفائی کریں، سوائے اس کے جس سے

عُوْدِیَ فِیْكَ وَ لَكَ، فَاِنَّهٗ الْعَدُوُّ الَّذِیْ لَا نُوَالِیْهِ، وَ الْحِزْبُ الَّذِیْ لَا نُصَافِیْهِ.

وَ اَنْ نَتَقَرَّبَ اِلَیْكَ فِیْهِ مِنَ الْاَعْمَالِ الزَّاكِیَةِ، بِمَا تُطَهِّرُنَا بِهٖ مِنَ الذُّنُوْبِ، وَ تَعْصِمُنَا فِیْهِ مِمَّا نَسْتَاْنِفُ مِنَ الْعُیُوْبِ، حَتّٰی لَا یُوْرِدَ عَلَیْكَ اَحَدٌ مِّنْ مَّلٰٓئِكَتِكَ اِلَّا دُوْنَ مَا نُوْرِدُ مِنْ اَبْوَابِ الطَّاعَةِ لَكَ، وَ اَنْوَاعِ الْقُرْبَةِ اِلَیْكَ.

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْۤ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ هٰذَا الشَّهْرِ، وَ بِحَقِّ مَنْ تَعَبَّدَ لَكَ فِیْهِ، مِنِ ابْتِدَآئِهٖ اِلٰی وَقْتِ فَنَآئِهٖ: مِنْ مَّلَكٍ قَرَّبْتَهٗ، اَوْ نَبِیٍّ اَرْسَلْتَهٗ، اَوْ عَبْدٍ صَالِحٍ اخْتَصَصْتَهٗ، اَنْ تُصَلِّیَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اَهِّلْنَا فِیْهِ لِمَا وَعَدْتَّ اَوْلِیَآءَكَ مِنْ كَرَامَتِكَ، وَ اَوْجِبْ لَنَا فِیْهِ مَاۤ اَوْجَبْتَ لِاَهْلِ الْمُبَالَغَةِ فِیْ طَاعَتِكَ، وَ اجْعَلْنَا فِیْ نَظْمِ مَنِ اسْتَحَقَّ الرَّفِیْعَ الْاَعْلٰی بِرَحْمَتِكَ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ جَنِّبْنَا الْاِلْحَادَ فِیْ تَوْحِیْدِكَ، وَ التَّقْصِیْرَ فِیْ تَمْجِیْدِكَ، وَ الشَّكَّ فِیْ دِیْنِكَ، وَ الْعَمٰی عَنْ سَبِیْلِكَ، وَ الْاِغْفَالَ لِحُرْمَتِكَ، وَ

تیرے لئے اور تیری خاطر دشمنی کی گئی ہو، کیونکہ وہ ایسا دشمن ہے جسے ہم دوست نہیں رکھ سکتے، اور ایسے گروہ کا (فرد) ہے جس سے ہم صاف نہیں ہو سکتے۔

اور ہمیں اس مہینہ میں ایسے پاک و پاکیزہ اعمال کے وسیلہ سے تقرب حاصل کرنے کی توفیق دے جن کے ذریعہ تو ہمیں گناہوں سے پاک کر دے، اور از سر نو برائیوں کے ارتکاب سے بچا لے جائے، یہاں تک کہ فرشتے تیری بارگاہ میں جو اعمال نامے پیش کریں وہ ہماری ہر قسم کی اطاعتوں اور ہر نوع کی عبادت کے مقابلہ میں سبک ہوں۔

اے اللہ! میں تجھ سے اس مہینہ کے حق و حرمت اور نیز ان لوگوں کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں جنہوں نے اس مہینہ میں شروع سے لے کر اس کے ختم ہونے تک تیری عبادت کی ہو، وہ مقرب بارگاہ فرشتہ ہو یا نبی مرسل یا کوئی مرد صالح و برگزیدہ، کہ تو محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرمائے اور جس عزت و کرامت کا تو نے اپنے دوستوں سے وعدہ کیا ہے اس کا ہمیں اہل بنا، اور جو انتہائی اطاعت کرنے والوں کیلئے تو نے اجر مقرر کیا ہے وہ ہمارے لئے بھی مقرر فرما، اور ہمیں اپنی رحمت سے ان لوگوں میں شامل کر جنہوں نے بلند ترین مرتبہ کا استحقاق پیدا کیا۔

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور ہمیں اس چیز سے بچائے رکھ کہ ہم توحید میں کج اندیشی، تیری تمجید و بزرگی میں کوتاہی، تیرے دین میں شک تیرے راستے سے بے راہ روی اور تیری حرمت سے لا پروائی کریں، اور تیرے دشمن شیطان

الِانْخِدَاعَ لِعَدُوِّكَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ.

مردود سے فریب خوردگی کا شکار ہوں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اِذَا كَانَ لَكَ فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ مِّنْ لَّيَالِيْ شَهْرِنَا هٰذَا رِقَابٌ يُّعْتِقُهَا عَفْوُكَ، اَوْ يَهَبُهَا صَفْحُكَ، فَاجْعَلْ رِقَابَنَا مِنْ تِلْكَ الرِّقَابِ، وَ اجْعَلْنَا لِشَهْرِنَا مِنْ خَيْرِ اَهْلٍ وَّ اَصْحَابٍ.

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور جبکہ اس مہینے کی راتوں میں ہر رات میں تیرے کچھ ایسے بندے ہوتے ہیں جنہیں تیرا عفو و کرم آزاد کرتا ہے، یا تیری بخشش و درگزر انہیں بخش دیتی ہے، تو ہمیں بھی انہی بندوں میں داخل کر، اور اس مہینہ کے بہترین اہل و اصحاب میں قرار دے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ امْحَقْ ذُنُوْبَنَا مَعَ امِّحَاقِ هِلَالِهٖ، وَ اسْلَخْ عَنَّا تَبِعَاتِنَا مَعَ انْسِلَاخِ اَيَّامِهٖ، حَتّٰى يَنْقَضِيَ عَنَّا وَ قَدْ صَفَّيْتَنَا فِيْهِ مِنَ الْخَطِيْٓـئَاتِ، وَ اَخْلَصْتَنَا فِيْهِ مِنَ السَّيِّئَاتِ.

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور اس چاند کے گھٹنے کے ساتھ ہمارے گناہوں کو بھی محو کر دے، اور جب اس کے دن ختم ہونے پر آئیں تو ہمارے گناہوں کا وبال ہم سے دور کر دے، تاکہ یہ مہینہ اس طرح تمام ہو کہ تو ہمیں خطاؤں سے پاک اور گناہوں سے بری کر چکا ہو۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اِنْ مِّلْنَا فِيْهِ فَعَدِّلْنَا، وَ اِنْ زُغْنَا فِيْهِ فَقَوِّمْنَا، وَ اِنِ اشْتَمَلَ عَلَيْنَا عَدُوُّكَ الشَّيْطٰنُ فَاسْتَنْقِذْنَا مِنْهُ.

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور اس مہینہ میں اگر ہم حق سے منہ موڑیں تو ہمیں سیدھے راستہ پر لگا دے، اور کجروی اختیار کریں تو ہماری اصلاح و درستگی فرما، اور اگر تیرا دشمن شیطان ہمارے گرد احاطہ کرے تو اس کے پنجے سے چھڑا لے۔

اَللّٰهُمَّ اشْحَنْهُ بِعِبَادَتِنَآ اِيَّاكَ، وَ زَيِّنْ اَوْقَاتَهٗ بِطَاعَتِنَا لَكَ، وَ اَعِنَّا فِيْ نَهَارِهٖ عَلٰى صِيَامِهٖ، وَ فِيْ لَيْلِهٖ عَلَى الصَّلٰوةِ وَ التَّضَرُّعِ اِلَيْكَ، وَ الْخُشُوْعِ لَكَ، وَ الذِّلَّةِ بَيْنَ يَدَيْكَ، حَتّٰى لَا يَشْهَدَ نَهَارُهٗ عَلَيْنَا بِغَفْلَةٍ وَ لَا لَيْلُهٗ بِتَفْرِيْطٍ.

بارالٰہا! اس مہینہ کا دامن ہماری عبادتوں سے جو تیرے لئے بجا لائی گئی ہوں بھر دے، اور اس کے لمحات کو ہماری اطاعتوں سے سجا دے، اور اس کے دنوں میں روزے رکھنے اور اس کی راتوں میں نمازیں پڑھنے، تیرے حضور گڑگڑانے، تیرے سامنے عجز و الحاح کرنے اور تیرے روبرو ذلت و خواری کا مظاہرہ کرنے، ان سب میں ہماری مدد فرما تاکہ اس کے دن ہمارے خلاف غفلت کی اور اس کی راتیں کوتاہی و تقصیر کی گواہی نہ دیں۔

اَللّٰهُمَّ وَ اجْعَلْنَا فِيْ سَآئِرِ الشُّهُوْرِ وَ الْاَيَّامِ كَذٰلِكَ مَا عَمَّرْتَنَا، وَ اجْعَلْنَا مِنْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ، ﴿الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۝﴾، ﴿وَ الَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَاۤ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ۝﴾، وَ مِنَ الَّذِيْنَ ﴿يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَ هُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ۝﴾.

اے اللہ! تمام مہینوں اور دنوں میں جب تک تو ہمیں زندہ رکھے ایسا ہی قرار دے، اور ہمیں ان بندوں میں شامل فرما جو فردوس بریں کی زندگی کے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے وارث ہوں گے، اور وہ کہ جو کچھ وہ خدا کی راہ میں دے سکتے ہیں دیتے ہیں پھر بھی ان کے دلوں کو یہ کھٹکا لگا رہتا ہے کہ انہیں اپنے پروردگار کی طرف پلٹ کر جانا ہے، اور ان لوگوں میں سے جو نیکیوں میں جلدی کرتے ہیں، اور وہی تو وہ لوگ ہیں جو بھلائیوں میں آگے نکل جانے والے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، فِيْ كُلِّ وَقْتٍ وَّ كُلِّ اَوَانٍ وَّ عَلٰى كُلِّ حَالٍ، عَدَدَ مَا صَلَّيْتَ عَلٰى مَنْ صَلَّيْتَ عَلَيْهِ، وَ اَضْعَافَ ذٰلِكَ كُلِّهٖ بِالْاَضْعَافِ الَّتِيْ لَا يُحْصِيْهَا غَيْرُكَ، اِنَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا تُرِيْدُ.

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر ہر وقت اور ہر گھڑی اور ہر حال میں اس قدر رحمت نازل فرما جتنی تو نے کسی پر نازل کی ہو، اور ان سب رحمتوں سے دوگنی چوگنی کہ جسے تیرے علاوہ کوئی شمار نہ کر سکے، بیشک تو جو چاہتا ہے وہی کرنے والا ہے۔

--☆☆--

یہ دُعا ماہ رمضان کے خیر مقدم کے سلسلہ میں ہے۔ ماہ رمضان قمری سال کا نواں مہینہ ہے جس میں طلوع صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک چند امور بقصد قربت ترک کئے جاتے ہیں جیسے کھانا، پینا وغیرہ۔ اس ترک کا نام ”روزہ“ ہے جو اسلامی عبادات میں ایک اہم عبادت ہے۔ روزہ صرف مذہب اسلام ہی سے مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام ملل و مذاہب کسی نہ کسی صورت میں روزہ رکھتے اور اس کی افادیت کا اقرار کرتے ہیں۔ البتہ ماہ رمضان میں روزہ رکھنا اسلام سے مختص ہے۔ اسی لئے حضرتؐ نے اسے شہر الاسلام (اسلام کا مہینہ) فرمایا ہے۔ اس مہینہ کو ماہ رمضان کے نام سے موسوم کرنے کے سلسلہ میں چند اقوال ہیں۔

پہلا قول یہ ہے کہ ”رمض“ سے ماخوذ ہے اور ”رمض“ کے معنی دھوپ کی شدت سے پتھر، ریت وغیرہ کے گرم ہونے کے ہیں۔ اسی لئے جلتی ہوئی زمین کو ”رمضاء“ کہا جاتا ہے۔ اور جب پہلی دفعہ روزے واجب ہوئے تو ماہ رمضان سخت گرمی میں پڑا تھا اور روزوں کی وجہ سے گرمی و تپش کا احساس بڑھا تو اس مہینہ کا نام ماہ رمضان یعنی ماہ آتش فشاں پڑ گیا۔ یا اس لئے کہ یہ مہینہ گناہوں کو اس طرح جلاتا اور فنا کرتا ہے جس طرح سورج کی تمازت زمین کی رطوبتوں کو جلاتی اور فنا کرتی ہے۔ چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا سُمِّيَ رَمَضَانَ لِاَنَّ رَمَضَانَ يَرْمَضُ الذُّنُوْبَ.

ماہ رمضان کو ماہ رمضان اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ گناہوں کو جلا دیتا ہے۔[1]

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ''رمضی'' سے ماخوذ ہے اور ''رمضی'' اس ابر و باراں کو کہتے ہیں جو موسم گرما کے اخیر میں آئے۔ اس سے گرمی کی تیزی دور ہو جاتی ہے، اسی طرح یہ مہینہ بھی گناہوں کے جوش کو کم کرتا اور برائیوں کو دھو ڈالتا ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ یہ عربوں کے قول «رَمَضْتُ النَّصْلَ» سے ماخوذ ہے جس کے معنی دو پتھروں کے درمیان چھری، تلوار یا نیزہ کے پھل کو رکھ کر تیز کرنے کے ہیں۔ اور عرب اس مہینہ میں اپنے ہتھیاروں کو تیز کیا کرتے تھے تاکہ اشہر الحرام کے شروع ہونے سے پہلے ماہ شوال میں اپنی جنگ جویانہ طبیعت کے تقاضے پورے کر سکیں۔

چوتھا قول یہ ہے کہ یہ ''ارتماض'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی قلق و اضطراب محسوس کرنے کے ہیں۔ چونکہ اس مہینہ میں بھوک پیاس کی وجہ سے بے چینی محسوس کی جاتی ہے اس لئے اس ماہ رمضان کے نام سے موسوم کیا گیا۔

پانچواں قول یہ ہے کہ یہ مشتق نہیں ہے، بلکہ اللہ کا نام ہے اور چونکہ اس مہینہ کو اللہ تعالیٰ سے خصوصی نسبت حاصل ہے اس لئے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو کر ماہ رمضان کہلاتا ہے۔ چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے:

لَا تَقُوْلُوْا هٰذَا رَمَضَانُ وَ لَا ذَهَبَ رَمَضَانُ وَ لَا جَآءَ رَمَضَانُ، فَاِنَّ رَمَضَانَ اسْمٌ مِّنْ اَسْمَآءِ اللهِ تَعَالٰى وَ هُوَ عَزَّ وَ جَلَّ لَا يَجِيْٓءُ وَ لَا يَذْهَبُ وَ لٰكِنْ قُوْلُوْا: شَهْرُ رَمَضَانَ.

یہ نہ کہا کرو کہ یہ رمضان ہے اور رمضان گیا اور رمضان آیا، اس لئے کہ ''رمضان'' اللہ سبحانہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کہیں آتا جاتا نہیں، لہٰذا ماہ رمضان کہا کرو۔[2]

ماہ رمضان اس انتساب اور اپنے فیوض و برکات کے لحاظ سے تمام مہینوں پر فوقیت رکھتا ہے۔ چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کا ارشاد ہے:

قَدْ اَقْبَلَ اِلَيْكُمْ شَهْرُ اللهِ بِالْبَرَكَةِ وَ الرَّحْمَةِ وَ الْمَغْفِرَةِ، شَهْرٌ هُوَ عِنْدَ اللهِ اَفْضَلُ الشُّهُوْرِ وَ اَيَّامُهٗٓ اَفْضَلُ الْاَيَّامِ وَ لَيَالِيْهِ اَفْضَلُ اللَّيَالِيْ وَ سَاعَاتُهٗٓ اَفْضَلُ السَّاعَاتِ.

تمہاری طرف اللہ کا مہینہ برکت، رحمت اور مغفرت کا پیغام لے کر بڑھ رہا ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام مہینوں سے افضل ہے۔ اس کے دن تمام دنوں سے افضل، اس کی راتیں تمام راتوں سے بہتر، اس کے لمحے تمام لمحوں سے برتر ہیں۔[3]

---

[1] ریاض السالکین، ج ۶، ص ۱۱۔
[2] ریاض السالکین، ج ۶، ص ۱۵۔
[3] عیون اخبار الرضاؑ، ج ۱، ص ۲۹۵۔

اس مہینہ کی راتوں میں سے ایک رات ''لیلۃ القدر'' کے نام سے موسوم ہے جس میں بجالائے ہوئے اعمال وعبادات ہزار مہینوں کے اعمال سے بہتر ہیں۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے۔

اَلْعَمَلُ فِيْهَا خَيْرٌ مِّنَ الْعَمَلِ فِيْ اَلْفِ شَهْرٍ لَّيْسَ فِيْهَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ.

اس رات میں اعمال ان ہزار مہینوں کے اعمال سے بہتر ہیں جن میں لیلۃ القدر نہ ہو۔[1]

اسی مہینہ میں تمام آسمانی کتابیں نازل ہوئیں اور اسی مہینہ میں قرآن مجید نازل ہوا۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ﴾

رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔ وہ لوگوں کیلئے رہنما ہے اور ہدایت اور حق و باطل کے امتیاز کی روشن نشانیاں رکھتا ہے۔[2]

اس مہینہ کو روزوں سے مختص کرنے میں یہ مصلحت بھی ہوسکتی ہے کہ قرآن کی یاد تازہ رہے اور روزہ وعبادت کے جلو میں اس کے نزول کی تقریب کو منایا جاسکے اور یوں بھی عمل وعبادت کیلئے وقت وزمانہ کی پابندی اس کے بجالانے کی قوی محرک ہوتی ہے۔ اگر روزوں کا زمانہ مقرر نہ ہوتا اور لوگوں کو یہ اختیار ہوتا کہ وہ سال میں جب چاہیں روزہ رکھ لیں، تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ بیشتر افراد روزہ رکھنے میں ٹال مٹول سے کام لیتے اور آج کل کرکے پورا سال گزار دیتے اور ایک آدھ دن بھی روزہ رکھنے کی توفیق نصیب نہ ہوتی۔ اور اگر ایک آدھ روزہ رکھ بھی لیتے تو اس پر کوئی فائدہ مرتب نہ ہوتا، بلکہ ایک معتاد زندگی میں خلل پیدا ہوتا اور پھر ہر شخص ایسے ہی زمانہ میں روزہ رکھتا جس میں روزے کی تکلیف کا احساس کم ہوتا اور مختلف موسموں میں روزہ رکھنے سے جو مختلف اثرات صحت انسانی پر پڑتے ہیں ان سے محروم ہونا پڑتا۔ اس کے علاوہ عبادت میں ہم آہنگی و اجتماعی شان باقی نہ رہتی اور یک رنگی ہی وہ چیز ہے جس سے تلخی بھی خوشگوار ہوجایا کرتی ہے۔ چنانچہ جب کوئی شخص دوسروں کو بے روزہ دیکھتا ہے اور خود روزہ سے ہوتا ہے تو اسے روزہ گراں گزرتا ہے، مگر دوسروں کو روزہ دار دیکھنے سے اس کی ناخوشگواری بارِ خاطر نہیں ہوتی۔ چنانچہ جب سفر یا مرض کی وجہ سے روزے قضا ہوجانے میں اور بعد میں رکھنا پڑتے ہیں تو وہ ماہ رمضان کے روزوں کی بہ نسبت شاق گزرتے ہیں اور دل میں ماہ رمضان کے روزوں کا سا ولولہ و جوش پیدا نہیں ہوتا۔ اور اس تحدید اوقات سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ انسان دوسروں کی دیکھا دیکھی روزہ رکھ لیتا ہے اور بے روزہ رہنے سے شرم و خجالت محسوس کرتا ہے۔

اسلامی روزہ فقط تعیین مدت ہی کے لحاظ سے امتیاز نہیں رکھتا کہ اسے آگے پیچھے نہیں کیا جاسکتا اور بھی چند وجوہ سے خصوصی امتیازات کا حامل ہے:

- چنانچہ اسلام نے روزوں کی مدت نہ اتنی مختصر رکھی ہے کہ ان سے کوئی فائدہ و نتیجہ حاصل نہ ہو اور نہ اتنی طویل کہ زندگی کے معمول میں فرق پڑے اور اس سے عہدہ برآ ہونے میں دشواری محسوس ہو۔ اس معتدل مدت کے ساتھ روزہ کے اوقات بھی بالکل طبعی ہیں۔ یعنی طلوع صبح صادق سے لے کر

---

[1] الکافی، ج ۴، ص ۱۵۷۔

[2] سورۂ بقرہ، آیت ۱۸۵۔

غروب آفتاب تک جنہیں بڑی آسانی سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح پوری مدت کی تعیین میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ یوں کہ ایک چاند دیکھو تو روزے شروع کردو اور دوسرا چاند دیکھو تو ختم کردو۔ بخلاف دوسرے مذاہب کے کہ ان کے ہاں روزہ رکھنے کیلئے پورا حساب لگانے کی ضرورت پڑتی ہے اور بغیر حساب دانی کے نہ شروع کا وقت معلوم ہوسکتا ہے اور نہ ختم کا۔

● اور پھر اسلامی روزہ صرف دن کے اوقات میں ہوتا ہے جبکہ انسان چلتا پھرتا اور حرکت کرتا رہتا ہے اور طبی حیثیت سے یہ مسلمہ طور پر ثابت ہے کہ جب انسان کے بدن میں حرکت نہ ہو تو اس حالت میں خالی پیٹ رہنا صحت کو معتد بہ نقصان پہنچاتا ہے۔ اسی لئے آئمہ اہل بیت علیہم السلام نے رات کے وقت کچھ نہ کچھ کھا پی کر سونے کی ہدایت کی ہے اور ''صوم وصال'' یعنی دو روزوں کو ملا کر رکھنے کو حرام قرار دیا گیا ہے، تا کہ روزہ میں رات کا حصہ شامل نہ ہونے پائے۔ اس کے برخلاف یہود و نصاریٰ وغیرہ کے ہاں رات کا حصہ بھی شامل ہوتا ہے۔ چنانچہ یہودیوں کا روزہ ۲۲ گھنٹہ سے لے کر ۲۶ گھنٹہ تک کا ہوتا ہے۔ اور اتنا طویل فاقہ یقیناً صحت جسمانی کیلئے مضر ہوتا ہے۔ اور پھر روزہ کا سب سے اہم مقصد ضبط نفس کی مشق ہے اور یہ مقصد رات کے روزہ سے حاصل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ رات تو سونے میں کٹ جاتی ہے اور اس کے ساتھ خواہشات و جذبات بھی سو جاتے ہیں۔ اس لئے خواہشات نفس کو روکنے کی ریاضت نہ ہو سکے گی۔ یہ ریاضت تو دن ہی کے روزہ سے ہوسکتی ہے جس سے انسان رفتہ رفتہ اپنے خواہشات پر قابو پالیتا ہے۔ کبھی خواہشات پر اقتدار صرف اس حد تک ہوتا ہے کہ انسان بھوک پیاس کے ہوتے ہوئے نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے اور کبھی زبان، آنکھ، کان پر بھی قابو پالیتا ہے اور انہیں بے راہ نہیں ہونے دیتا اور کبھی اپنے خیالات و تصورات پر بھی قابو حاصل کرلیتا ہے۔ اس اعتبار سے روزہ دار تین قسم کے ہیں:

✶ ایک وہ جو صرف کھانے پینے اور دوسرے مفطرات سے اجتناب کرتے ہیں یہ ''عوام'' کا گروہ ہے۔

✶ اور دوسرے وہ جو ہمہ تن روزہ دار ہوتے ہیں اور کسی عضو کو گناہ سے آلودہ نہیں ہونے دیتے۔ یہ ''خواص'' کی جماعت ہے اور دراصل روزہ دار یہی لوگ ہیں۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

> اِذَا صُمْتَ فَلْيَصُمْ سَمْعُكَ وَ بَصَرُكَ وَ شَعْرُكَ وَ جِلْدُكَ... وَقَالَ: لَا يَكُوْنُ يَوْمُ صَوْمِكَ كَيَوْمِ فِطْرِكَ.
>
> جب روزہ رکھو تو تمہارے کان، آنکھ، بال اور جسم کی کھال تک روزہ دار ہو اور تمہارے روزہ کا دن بے روزہ والے دن کے مانند نہ ہونا چاہیئے۔[1]

✶ اور تیسرے وہ جو اپنے دل و دماغ کو ہر قسم کے خیالات فاسدہ اور تصورات باطلہ سے پاک وصاف رکھتے ہیں اور ہمہ تن اللہ تعالیٰ کے ذکر وفکر میں مستغرق رہتے ہیں۔ یہ ''مقربین'' کی جماعت ہے۔ چنانچہ امام زین العابدین علیہ السلام کے متعلق وارد ہوا ہے کہ ماہ رمضان میں آپؑ کی زبان اقدس سے دُعا و تسبیح اور تکبیر و استغفار کے علاوہ کوئی کلمہ سننے میں نہ آتا تھا۔ یہاں تک کہ تمام ماہ مبارک اسی طرح سے گزر جاتا تھا۔

☆☆☆☆☆

---

[1] الکافی، ج ۴، ص ۸۷۔

(۴۵) وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

فِيْ وَدَاعِ شَهْرِ رَمَضَانَ

اَللّٰهُمَّ يَا مَنْ لَّا يَرْغَبُ فِي الْجَزَآءِ، وَ يَا مَنْ لَّا يَنْدَمُ عَلَى الْعَطَآءِ، وَ يَا مَنْ لَّا يُكَافِئُ عَبْدَهٗ عَلَى السَّوَآءِ، مِنَّتُكَ ابْتِدَآءٌ، وَ عَفْوُكَ تَفَضُّلٌ، وَ عُقُوْبَتُكَ عَدْلٌ، وَ قَضَآؤُكَ خِيَرَةٌ، اِنْ اَعْطَيْتَ لَمْ تَشُبْ عَطَآءَكَ بِمَنٍّ، وَ اِنْ مَّنَعْتَ لَمْ يَكُنْ مَّنْعُكَ تَعَدِّيًا.

تَشْكُرُ مَنْ شَكَرَكَ وَ اَنْتَ اَلْهَمْتَهٗ شُكْرَكَ، وَ تُكَافِئُ مَنْ حَمِدَكَ وَ اَنْتَ عَلَّمْتَهٗ حَمْدَكَ، تَسْتُرُ عَلٰى مَنْ لَّوْ شِئْتَ فَضَحْتَهٗ، وَ تَجُوْدُ عَلٰى مَنْ لَّوْ شِئْتَ مَنَعْتَهٗ، وَ كِلَاهُمَآ اَهْلٌ مِّنْكَ لِلْفَضِيْحَةِ وَ الْمَنْعِ، غَيْرَ اَنَّكَ بَنَيْتَ اَفْعَالَكَ عَلَى التَّفَضُّلِ، وَ اَجْرَيْتَ قُدْرَتَكَ عَلَى التَّجَاوُزِ، وَ تَلَقَّيْتَ مَنْ عَصَاكَ بِالْحِلْمِ، وَ اَمْهَلْتَ مَنْ قَصَدَ لِنَفْسِهٖ بِالظُّلْمِ، تَسْتَنْظِرُهُمْ بِاَنَاتِكَ اِلَى الْاِنَابَةِ، وَ تَتْرُكُ مُعَاجَلَتَهُمْ اِلَى التَّوْبَةِ لِكَيْلَا يَهْلِكَ عَلَيْكَ هَالِكُهُمْ، وَ لَا يَشْقٰى بِنِعْمَتِكَ شَقِيُّهُمْ اِلَّا

دُعا (۴۵)

دُعائے وداع ماہ رمضان

اے اللہ! اے وہ جو (اپنے احسانات کا) بدلہ نہیں چاہتا، اے وہ جو عطا و بخشش پر پشیمان نہیں ہوتا، اے وہ جو اپنے بندوں کو (ان کے عمل کے مقابلہ میں) نپا تلا اجر نہیں دیتا، تیری نعمتیں بغیر کسی سابقہ استحقاق کے ہیں، اور تیرا عفو و درگزر تفضّل و احسان ہے، تیرا سزا دینا عین عدل اور تیرا فیصلہ خیر و بہبودی کا حامل ہے، تو اگر دیتا ہے تو اپنی عطا کو منت گزاری سے آلودہ نہیں کرتا، اور اگر منع کر دیتا ہے تو یہ ظلم و زیادتی کی بنا پر نہیں ہوتا،

جو تیرا شکر ادا کرتا ہے تو اس کے شکر کی جزا دیتا ہے حالانکہ تو ہی نے اس کے دل میں شکر گزاری کا القا کیا ہے، اور جو تیری حمد کرتا ہے اسے بدلہ دیتا ہے حالانکہ تو ہی نے اسے حمد کی تعلیم دی ہے، اور ایسے شخص کی پردہ پوشی کرتا ہے کہ اگر چاہتا تو اسے رسوا کر دیتا، اور ایسے شخص کو دیتا ہے کہ اگر چاہتا تو اسے نہ دیتا، حالانکہ وہ دونوں تیری بارگاہ عدالت میں رسوا و محروم کئے جانے ہی کے قابل تھے، مگر تو نے اپنے افعال کی بنیاد تفضّل و احسان پر رکھی ہے، اور اپنے اقتدار کو عفو و درگزر کی راہ پر لگایا ہے، اور جس کسی نے تیری نافرمانی کی تو نے اس سے بردباری کا رویہ اختیار کیا، اور جس کسی نے اپنے نفس پر ظلم کا ارادہ کیا تو نے اسے مہلت دی، تُو ان کے رجوع ہونے تک اپنے حلم کی بنا پر مہلت دیتا ہے، اور توبہ کرنے تک انہیں سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا، تاکہ تیری منشاء کے خلاف تباہ ہونے والا تباہ نہ ہو، اور تیری نعمت کی وجہ سے بدبخت

عَنْ طُوْلِ الْاِعْذَارِ اِلَيْهِ، وَ بَعْدَ تَرَادُفِ الْحُجَّةِ عَلَيْهِ، كَرَمًا مِّنْ عَفْوِكَ يَا كَرِيْمُ، وَ عَآئِدَةً مِّنْ عَطْفِكَ يَا حَلِيْمُ.

ہونے والا بدبخت نہ ہو، مگر اس وقت کہ جب اس پر پوری عذرداری اور اتمام حجت ہو جائے اے کریم! (یہ اتمام حجت) تیرے عفو و درگزر کا کرم اور اے بردبار! تیری شفقت و مہربانی کا فیض ہے۔

اَنْتَ الَّذِیْ فَتَحْتَ لِعِبَادِكَ بَابًا اِلٰى عَفْوِكَ، وَ سَمَّيْتَهُ التَّوْبَةَ، وَ جَعَلْتَ عَلٰى ذٰلِكَ الْبَابِ دَلِيْلًا مِّنْ وَحْيِكَ لِئَلَّا يَضِلُّوْا عَنْهُ، فَقُلْتَ تَبَارَكَ اسْمُكَ: ﴿تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ يُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِی اللّٰهُ النَّبِيَّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَ اغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ﴾، فَمَا عُذْرُ مَنْ اَغْفَلَ دُخُوْلَ ذٰلِكَ الْمَنْزِلِ بَعْدَ فَتْحِ الْبَابِ وَ اِقَامَةِ الدَّلِيْلِ!.

تو ہی ہے وہ جس نے اپنے بندوں کیلئے عفو و بخشش کا دروازہ کھولا ہے اور اس کا نام توبہ رکھا ہے، اور تو نے اس دروازہ کی نشاندہی کیلئے اپنی وحی کو رہبر قرار دیا ہے تاکہ وہ اس دروازہ سے بھٹک نہ جائیں، چنانچہ اے مبارک نام والے تو نے فرمایا ہے کہ: "خدا کی بارگاہ میں سچے دل سے توبہ کرو، امید ہے کہ تمہارا پروردگار تمہارے گناہوں کو محو کر دے اور تمہیں اس بہشت میں داخل کرے جس کے (محلات و باغات کے) نیچے نہریں بہتی ہیں، اس دن جب خدا اپنے رسولؐ اور ان لوگوں کو جو اس پر ایمان لائے ہیں رسوا نہیں کرے گا بلکہ ان کا نور ان کے آگے آگے اور ان کی دائیں جانب چلتا ہوگا اور وہ لوگ یہ کہتے ہوں گے کہ: اے ہمارے پروردگار! ہمارے لئے ہمارے نور کو کامل فرما اور ہمیں بخش دے، اس لئے کہ تو ہر چیز پر قادر ہے"۔ تو اب جو اس گھر میں داخل ہونے سے غفلت کرے جبکہ دروازہ کھولا اور رہبر مقرر کیا جا چکا ہے تو اس کا عذر و بہانہ کیا ہو سکتا ہے؟

وَ اَنْتَ الَّذِیْ زِدْتَّ فِی السَّوْمِ عَلٰى نَفْسِكَ لِعِبَادِكَ، تُرِيْدُ رِبْحَهُمْ فِیْ مُتَاجَرَتِهِمْ لَكَ، وَ فَوْزَهُمْ بِالْوِفَادَةِ عَلَيْكَ، وَ الزِّيَادَةِ مِنْكَ، فَقُلْتَ تَبَارَكَ

تو وہ ہے جس نے اپنے بندوں کیلئے لین دین میں اونچے نرخوں کا ذمہ لے لیا ہے، اور یہ چاہا ہے کہ وہ جو سودا تجھ سے کریں اس میں انہیں نفع ہو، اور تیری طرف بڑھنے اور زیادہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوں، چنانچہ تو نے کہ جو مبارک نام والا اور

اسْمُكَ وَ تَعَالَيْتَ: ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزٰۤی اِلَّا مِثْلَهَا﴾، وَ قُلْتَ: ﴿مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَ اللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ﴾، وَ قُلْتَ: ﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ؕ﴾، وَ مَاۤ اَنْزَلْتَ مِنْ نَظَآئِرِهِنَّ فِی الْقُرْاٰنِ مِنْ تَضَاعِیْفِ الْحَسَنَاتِ.

بلند مقام والا ہے فرمایا ہے: "جو میرے پاس نیکی لے کر آئے گا اسے اس کا دس گنا اجر ملے گا اور جو برائی کا مرتکب ہو گا تو اس کو برائی کا بدلہ بس اتنا ہی ملے گا جتنی بُرائی ہے"، اور تیرا ارشاد ہے کہ: "جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس بیج کی سی ہے جس سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو سو دانے ہوں اور خدا جس کیلئے چاہتا ہے دگنا کر دیتا ہے"، اور تیرا ارشاد ہے کہ: "کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دے تا کہ خدا اس کے مال کو کئی گنا زیادہ کر کے ادا کرے" اور ایسی ہی افزائش حسنات کے وعدہ پر مشتمل دوسری آیتیں کہ جو تو نے قرآن مجید میں نازل کی ہیں۔

وَ اَنْتَ الَّذِیْ دَلَلْتَهُمْ بِقَوْلِكَ مِنْ غَیْبِكَ وَ تَرْغِیْبِكَ الَّذِیْ فِیْهِ حَظُّهُمْ عَلٰی مَا لَوْ سَتَرْتَهٗ عَنْهُمْ لَمْ تُدْرِكْهُ اَبْصَارُهُمْ، وَ لَمْ تَعِهِ اَسْمَاعُهُمْ، وَ لَمْ تَلْحَقْهُ اَوْهَامُهُمْ، فَقُلْتَ: ﴿فَاذْكُرُوْنِیْۤ اَذْكُرْكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِیْ وَ لَا تَكْفُرُوْنِ۠﴾، وَ قُلْتَ: ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ وَ لَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ﴾، وَ قُلْتَ: ﴿ادْعُوْنِیْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ۠﴾.

اور تو ہی وہ ہے جس نے وحی و غیب کے کلام اور ایسی ترغیب کے ذریعہ کہ جو ان کے فائدہ پر مشتمل ہے ایسے امور کی طرف ان کی رہنمائی کی کہ اگر ان سے پوشیدہ رکھتا تو نہ ان کی آنکھیں دیکھ سکتیں، نہ ان کے کان سن سکتے، اور نہ ان کے تصورات وہاں تک پہنچ سکتے۔ چنانچہ تیرا ارشاد ہے کہ: "تم مجھے یاد رکھو! میں بھی تمہاری طرف سے غافل نہیں ہوں گا اور میرا شکر ادا کرتے رہو اور ناشکری نہ کرو" اور تیرا ارشاد ہے کہ: "اگر میرا شکر کرو گے تو میں یقیناً تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کی تو یاد رکھو کہ میرا عذاب سخت عذاب ہے" اور تیرا ارشاد ہے کہ: "مجھ سے دُعا مانگو تو میں قبول کروں گا، وہ لوگ جو غرور کی بنا پر میری عبادت سے منہ موڑ لیتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے"۔

فَسَمَّيْتَ دُعَآءَكَ عِبَادَةً، وَ تَرْكَهُ اسْتِكْبَارًا، وَ تَوَعَّدْتَّ عَلٰى تَرْكِهٖ دُخُوْلَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ، فَذَكَرُوْكَ بِمَنِّكَ، وَ شَكَرُوْكَ بِفَضْلِكَ، وَ دَعَوْكَ بِاَمْرِكَ، وَ تَصَدَّقُوْا لَكَ طَلَبًا لِّمَزِيْدِكَ، وَ فِيْهَا كَانَتْ نَجَاتُهُمْ مِنْ غَضَبِكَ، وَ فَوْزُهُمْ بِرِضَاكَ، وَ لَوْ دَلَّ مَخْلُوْقٌ مَّخْلُوْقًا مِّنْ نَفْسِهٖ عَلٰى مِثْلِ الَّذِىْ دَلَلْتَ عَلَيْهِ عِبَادَكَ مِنْكَ كَانَ مَحْمُوْدًا، فَلَكَ الْحَمْدُ مَا وُجِدَ فِىْ حَمْدِكَ مَذْهَبٌ، وَ مَا بَقِىَ لِلْحَمْدِ لَفْظٌ تُحْمَدُ بِهٖ، وَ مَعْنًى يَّنْصَرِفُ اِلَيْهِ.

چنانچہ تو نے دُعا کا نام عبادت رکھا اور اس کے ترک کو غرور سے تعبیر کیا اور اس کے ترک پر جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہونے سے ڈرایا۔ اس لئے انہوں نے تیری نعمتوں کی وجہ سے تجھے یاد کیا، تیرے فضل و کرم کی بنا پر تیرا شکریہ ادا کیا، اور تیرے حکم سے تجھے پکارا، اور (نعمتوں میں) طلب افزائش کیلئے تیری راہ میں صدقہ دیا، اور تیری یہ رہنمائی ہی ان کیلئے تیرے غضب سے بچاؤ اور تیری خوشنودی تک رسائی کی صورت تھی، اور جن باتوں کی تو نے اپنی جانب سے اپنے بندوں کی رہنمائی کی ہے، اگر کوئی مخلوق اپنی طرف سے دوسرے مخلوق کی ایسی ہی چیزوں کی طرف رہنمائی کرتا تو وہ قابل تحسین ہوتا، تو پھر تیرے ہی لئے حمد و ستائش ہے، جب تک تیری حمد کیلئے راہ پیدا ہوتی رہے، اور جب تک حمد کے وہ الفاظ جن سے تیری تحمید کی جاسکے، اور حمد کے وہ معنی جو تیری حمد کی طرف پلٹ سکیں باقی رہیں۔

يَا مَنْ تَحَمَّدَ اِلٰى عِبَادِهٖ بِالْاِحْسَانِ وَ الْفَضْلِ، وَ غَمَرَهُمْ بِالْمَنِّ وَ الطَّوْلِ، مَآ اَفْشٰى فِيْنَا نِعْمَتَكَ، وَ اَسْبَغَ عَلَيْنَا مِنَّتَكَ، وَ اَخَصَّنَا بِبِرِّكَ! هَدَيْتَنَا لِدِيْنِكَ الَّذِى اصْطَفَيْتَ، وَ مِلَّتِكَ الَّتِى ارْتَضَيْتَ، وَ سَبِيْلِكَ الَّذِىْ سَهَّلْتَ، وَ بَصَّرْتَنَا الزُّلْفَةَ لَدَيْكَ، وَ الْوُصُوْلَ اِلٰى كَرَامَتِكَ.

اے وہ جو اپنے فضل و احسان سے بندوں کی حمد کا سزاوار ہوا ہے اور انہیں اپنی نعمت و بخشش سے ڈھانپ لیا ہے، ہم پر تیری نعمتیں کتنی آشکارا ہیں، اور تیرا انعام کتنا فراواں ہے، اور کس قدر ہم تیرے انعام و احسان سے مخصوص ہیں، تو نے اس دین کی جسے منتخب فرمایا، اور اس طریقہ کی جسے پسند فرمایا، اور اس راستہ کی جسے آسان کر دیا، ہمیں ہدایت کی، اور اپنے ہاں قرب حاصل کرنے اور عزت و بزرگی تک پہنچنے کیلئے بصیرت دی۔

اَللّٰهُمَّ وَ اَنْتَ جَعَلْتَ مِنْ صَفَايَا تِلْكَ الْوَظَآئِفِ، وَ خَصَآئِصِ تِلْكَ الْفُرُوْضِ

بارالہا! تو نے ان منتخب فرائض اور مخصوص واجبات میں سے ماہ رمضان کو قرار دیا ہے،

شَهْرَ رَمَضَانَ الَّذِي اخْتَصَصْتَهٗ مِنْ سَآئِرِ الشُّهُوْرِ، وَ تَخَيَّرْتَهٗ مِنْ جَمِيْعِ الْاَزْمِنَةِ وَ الدُّهُوْرِ، وَ اٰثَرْتَهٗ عَلٰى كُلِّ اَوْقَاتِ السَّنَةِ بِمَآ اَنْزَلْتَ فِيْهِ مِنَ الْقُرْاٰنِ وَ النُّوْرِ، وَ ضَاعَفْتَ فِيْهِ مِنَ الْاِيْمَانِ، وَ فَرَضْتَ فِيْهِ مِنَ الصِّيَامِ، وَ رَغَّبْتَ فِيْهِ مِنَ الْقِيَامِ، وَ اَجْلَلْتَ فِيْهِ مِنْ لَّيْلَةِ الْقَدْرِ الَّتِيْ هِيَ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ.

جسے تو نے تمام مہینوں میں امتیاز بخشا، اور تمام وقتوں اور زمانوں میں اسے منتخب فرمایا ہے، اور اس میں قرآن اور نور کو نازل فرما کر اور ایمان کو فروغ و ترقی بخش کر اسے سال کے تمام اوقات پر فضیلت دی، اور اس میں روزے واجب کئے اور نمازوں کی ترغیب دی، اور اس میں شب قدر کو بزرگی بخشی جو خود ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

ثُمَّ اٰثَرْتَنَا بِهٖ عَلٰى سَآئِرِ الْاُمَمِ، وَ اصْطَفَيْتَنَا بِفَضْلِهٖ دُوْنَ اَهْلِ الْمِلَلِ، فَصُمْنَا بِاَمْرِكَ نَهَارَهٗ، وَ قُمْنَا بِعَوْنِكَ لَيْلَهٗ، مُتَعَرِّضِيْنَ بِصِيَامِهٖ وَ قِيَامِهٖ لِمَا عَرَّضْتَنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِكَ، وَ تَسَبَّبْنَآ اِلَيْهِ مِنْ مَثُوْبَتِكَ، وَ اَنْتَ الْمَلِيْٓءُ بِمَا رُغِبَ فِيْهِ اِلَيْكَ، الْجَوَادُ بِمَا سُئِلْتَ مِنْ فَضْلِكَ، الْقَرِيْبُ اِلٰى مَنْ حَاوَلَ قُرْبَكَ.

پھر اس مہینہ کی وجہ سے تو نے ہمیں تمام امتوں پر ترجیح دی، اور دوسری امتوں کے بجائے ہمیں اس کی فضیلت کے باعث منتخب کیا، چنانچہ ہم نے تیرے حکم سے اس کے دنوں میں روزے رکھے اور تیری مدد سے اس کی راتیں عبادت میں بسر کیں، اس حالت میں کہ ہم اس روزہ نماز کے ذریعہ تیری اس رحمت کے خواستگار تھے جس کا دامن تو نے ہمارے لئے پھیلایا ہے، اور اسے تیرے اجر و ثواب کا وسیلہ قرار دیا، اور تو ہر اس چیز کے عطا کرنے پر قادر ہے جس کی تجھ سے خواہش کی جائے، اور ہر اس چیز کا بخشنے والا ہے جس کا تیرے فضل سے سوال کیا جائے، تو ہر اس شخص سے قریب ہے جو تجھ سے قرب حاصل کرنا چاہے۔

وَ قَدْ اَقَامَ فِيْنَا هٰذَا الشَّهْرُ مُقَامَ حَمْدٍ، وَ صَحِبَنَا صُحْبَةَ مَبْرُوْرٍ، وَ اَرْبَحَنَآ اَفْضَلَ اَرْبَاحِ الْعٰلَمِيْنَ، ثُمَّ قَدْ فَارَقَنَا عِنْدَ تَمَامِ وَقْتِهٖ، وَ انْقِطَاعِ مُدَّتِهٖ، وَ

اس مہینہ نے ہمارے درمیان قابل ستائش دن گزارے، اور اچھی طرح حق رفاقت ادا کیا، اور دنیا جہان کے بہترین فائدوں سے ہمیں مالا مال کیا، پھر جب اس کا زمانہ ختم ہوگیا، مدت بیت گئی اور گنتی تمام

وَفَآءِ عَدَدِهٖ.

هوگئی تو وہ ہم سے جدا ہو گیا۔

فَنَحْنُ مُوَدِّعُوْهُ وِدَاعَ مَنْ عَزَّ فِرَاقُهٗ عَلَيْنَا، وَ غَمَّنَا وَ اَوْحَشَنَا انْصِرَافُهٗ عَنَّا، وَ لَزِمَنَا لَهُ الذِّمَامُ الْمَحْفُوْظُ، وَ الْحُرْمَةُ الْمَرْعِيَّةُ، وَ الْحَقُّ الْمَقْضِيُّ، فَنَحْنُ قَآئِلُوْنَ:

اب ہم اسے رخصت کرتے ہیں اس شخص کے رخصت کرنے کی طرح جس کی جدائی ہم پر شاق ہو، اور جس کا جانا ہمارے لئے غم افزا اور وحشت انگیز ہو، اور جس کے عہد و پیمان کی نگہداشت عزت و حرمت کا پاس اور اس کے واجب الاداء حق سے سبکدوشی از بس ضروری ہو۔ اس لئے ہم کہتے ہیں:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا شَهْرَ اللّٰهِ الْاَكْبَرَ، وَ يَا عِيْدَ اَوْلِيَآئِهٖ.

اے اللہ کے بزرگ ترین مہینے، تجھ پر سلام! اے دوستان خدا کی عید تجھ پر سلام!

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَآ اَكْرَمَ مَصْحُوْبٍ مِّنَ الْاَوْقَاتِ، وَ يَا خَيْرَ شَهْرٍ فِي الْاَيَّامِ وَ السَّاعَاتِ.

اے اوقات میں بہترین رفیق اور دنوں اور ساعتوں میں بہترین مہینے تجھ پر سلام!

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ مِنْ شَهْرٍ قَرُبَتْ فِيْهِ الْاٰمَالُ، وَ نُشِرَتْ فِيْهِ الْاَعْمَالُ.

اے وہ مہینے جس میں امیدیں بر آتی ہیں اور اعمال کی فروانی ہوتی ہے، تجھ پر سلام!

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ مِنْ قَرِيْنٍ جَلَّ قَدْرُهٗ مَوْجُوْدًا، وَ اَفْجَعَ فَقْدُهٗ مَفْقُوْدًا، وَ مَرْجُوٍّ اٰلَمَ فِرَاقُهٗ.

اے وہ ہم نشین کہ جو موجود ہو تو اس کی بڑی قدر و منزلت ہوتی ہے، اور نہ ہونے پر بڑا دکھ ہوتا ہے، اور اے وہ سرچشمہ امید و رجا جس کی جدائی الم انگیز ہے، تجھ پر سلام!

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ مِنْ اَلِيْفٍ اٰنَسَ مُقْبِلًا فَسَرَّ، وَ اَوْحَشَ مُنْقَضِيًا فَمَضَّ.

اے وہ ہمدم جو انس و دل بستگی کا سامان لئے ہوئے آیا تو شادمانی کا سبب ہوا اور واپس گیا تو وحشت بڑھا کر غمگین بنا گیا، تجھ پر سلام!

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ مِنْ مُّجَاوِرٍ رَقَّتْ فِيْهِ الْقُلُوْبُ، وَ قَلَّتْ فِيْهِ الذُّنُوْبُ.

اے وہ ہمسائے جس کی ہمسائیگی میں دل نرم اور گناہ کم ہو گئے، تجھ پر سلام!

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ مِنْ نَاصِرٍ اَعَانَ عَلَى

اے وہ مددگار جس نے شیطان کے مقابلہ میں مدد و اعانت

الشَّيْطٰنِ، وَ صَاحِبِ سَهَّلَ سُبُلَ الْاِحْسَانِ.

کی، اے وہ ساتھی جس نے حسن عمل کی راہیں ہموار کیں، تجھ پر سلام!

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ مَآ اَكْثَرَ عُتَقَآءَ اللّٰهِ فِيْكَ، وَ مَآ اَسْعَدَ مَنْ رَّعٰى حُرْمَتَكَ بِكَ!.

(اے ماہ رمضان) تجھ میں اللہ تعالیٰ کے آزاد کئے ہوئے بندے کس قدر زیادہ ہیں، اور جنہوں نے تیری حرمت وعزت کا پاس ولحاظ رکھا وہ کتنے خوش نصیب ہیں، تجھ پر سلام!

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ مَا كَانَ اَمْحَاكَ لِلذُّنُوْبِ، وَ اَسْتَرَكَ لِاَنْوَاعِ الْعُيُوْبِ.

تو کس قدر گناہوں کو محو کرنے والا اور قسم قسم کے عیبوں کو چھپانے والا ہے، تجھ پر سلام!

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ مَا كَانَ اَطْوَلَكَ عَلَى الْمُجْرِمِيْنَ، وَ اَهْيَبَكَ فِيْ صُدُوْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ!.

تو گنہگاروں کیلئے کتنا طویل اور مومنوں کے دلوں میں کتنا پرہیبت ہے، تجھ پر سلام!

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ مِنْ شَهْرٍ لَّا تُنَافِسُهُ الْاَيَّامُ.

اے وہ مہینے جس سے دوسرے ایام ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتے، تجھ پر سلام!

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ مِنْ شَهْرٍ هُوَ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلَامٌ.

اے وہ مہینے جو ہر امر سے سلامتی کا باعث ہے، تجھ پر سلام!

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ غَيْرَ كَرِيْهِ الْمُصَاحَبَةِ، وَ لَا ذَمِيْمِ الْمُلَابَسَةِ.

اے وہ جس کی ہم نشینی بار خاطر اور معاشرت ناگوار نہیں، تجھ پر سلام!

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ كَمَا وَفَدْتَّ عَلَيْنَا بِالْبَرَكَاتِ، وَ غَسَلْتَ عَنَّا دَنَسَ الْخَطِيْٓـئَاتِ.

جبکہ تو برکتوں کے ساتھ ہمارے پاس آیا اور گناہوں کی آلودگیوں کو دھو دیا، تجھ پر سلام!

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ غَيْرَ مُوَدَّعٍ بَرَمًا وَّ لَا مَتْرُوْكٍ صِيَامُهٗ سَاَمًا.

اے وہ جسے دل تنگی کی وجہ سے رخصت نہیں کیا گیا اور نہ خستگی کی وجہ سے اس کے روزے چھوڑے گئے، تجھ پر سلام!

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ مِنْ مَّطْلُوْبٍ قَبْلَ وَقْتِهٖ، وَ مَحْزُوْنٍ عَلَيْهِ قَبْلَ فَوْتِهٖ.

اے وہ کہ جس کے آنے کی پہلے سے خواہش تھی اور جس کے ختم ہونے سے قبل ہی دل رنجیدہ ہیں، تجھ پر سلام!

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ كَمْ مِّنْ سُوْٓءٍ صُرِفَ بِكَ عَنَّا، وَ كَمْ مِنْ خَيْرٍ اُفِيْضَ بِكَ عَلَيْنَا.

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَ عَلٰى لَيْلَةِ الْقَدْرِ الَّتِيْ هِيَ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ.

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ مَا كَانَ اَحْرَصَنَا بِالْاَمْسِ عَلَيْكَ، وَ اَشَدَّ شَوْقَنَا غَدًا اِلَيْكَ.

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَ عَلٰى فَضْلِكَ الَّذِيْ حُرِمْنَاهُ، وَ عَلٰى مَاضٍ مِّنْ بَرَكَاتِكَ سُلِبْنَاهُ.

اَللّٰهُمَّ اِنَّا٘ اَهْلُ هٰذَا الشَّهْرِ الَّذِيْ شَرَّفْتَنَا بِهٖ، وَ وَفَّقْتَنَا بِمَنِّكَ لَهٗ حِيْنَ جَهِلَ الْاَشْقِيَآءُ وَقْتَهٗ، وَ حُرِمُوْا لِشَقَآئِهِمْ فَضْلَهٗ، اَنْتَ وَلِيُّ مَا اٰثَرْتَنَا بِهٖ مِنْ مَّعْرِفَتِهٖ، وَ هَدَيْتَنَا لَهٗ مِنْ سُنَّتِهٖ، وَ قَدْ تَوَلَّيْنَا بِتَوْفِيْقِكَ صِيَامَهٗ وَ قِيَامَهٗ عَلٰى تَقْصِيْرٍ، وَ اَدَّيْنَا فِيْهِ قَلِيْلًا مِّنْ كَثِيْرٍ.

اَللّٰهُمَّ فَلَكَ الْحَمْدُ اِقْرَارًا بِالْاِسَآءَةِ، وَ اعْتِرَافًا بِالْاِضَاعَةِ، وَ لَكَ مِنْ قُلُوْبِنَا عَقْدُ النَّدَمِ، وَ مِنْ اَلْسِنَتِنَا صِدْقُ الِاعْتِذَارِ، فَاْجُرْنَا عَلٰى مَآ اَصَابَنَا فِيْهِ

تیری وجہ سے کتنی برائیاں ہم سے دور ہوگئیں اور کتنی بھلائیوں کے سرچشمے ہمارے لئے جاری ہوگئے، تجھ پر سلام!

(اے ماہِ رمضان!) تجھ پر اور اس شب قدر پر جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے سلام ہو!

ابھی کل ہم کتنے تجھ پر وارفتہ تھے اور آنے والے کل میں ہمارے شوق کی کتنی فراوانی ہوگی، تجھ پر سلام!

(اے ماہِ مبارک تجھ پر) اور تیری ان فضیلتوں پر جن سے ہم محروم ہوگئے اور تیری گزشتہ برکتوں پر جو ہمارے ہاتھ سے جاتی رہیں، سلام ہو!

اے اللہ! ہم اس مہینہ سے مخصوص ہیں جس کی وجہ سے تو نے ہمیں شرف بخشا، اور اپنے لطف و احسان سے اس کی حق شناسی کی توفیق دی، جبکہ بدنصیب لوگ اس کے وقت (کی قدر و قیمت) سے بے خبر تھے، اور اپنی بدبختی کی وجہ سے اس کے فضل سے محروم رہ گئے، اور تو ہی ولی و صاحب اختیار ہے کہ ہمیں اس کی حق شناسی کیلئے منتخب کیا، اور اس کے احکام کی ہدایت فرمائی، بیشک تیری توفیق سے ہم نے اس ماہ میں روزے رکھے، عبادت کیلئے قیام کیا، مگر کمی و کوتاہی کے ساتھ اور مشتے از خروار سے زیادہ نہ بجالا سکے۔

اے اللہ! ہم اپنی بداعمالی کا اقرار اور سہل انگاری کا اعتراف کرتے ہوئے تیری حمد کرتے ہیں، اور اب تیرے لئے کچھ ہے تو وہ ہمارے دلوں کی واقعی شرمساری اور ہماری زبانوں کی سچی معذرت ہے، لہٰذا اس کمی و کوتاہی کے باوجود جو ہم سے ہوئی ہے

مِنَ التَّفْرِيْطِ اَجْرًا نَّسْتَدْرِكُ بِهِ الْفَضْلَ الْمَرْغُوْبَ فِيْهِ، وَ نَعْتَاضُ بِهٖ مِنْ اَنْوَاعِ الذُّخْرِ الْمَحْرُوْصِ عَلَيْهِ، وَ اَوْجِبْ لَنَا عُذْرَكَ عَلٰى مَا قَصَّرْنَا فِيْهِ مِنْ حَقِّكَ، وَ ابْلُغْ بِاَعْمَارِنَا مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ الْمُقْبِلِ، فَاِذَا بَلَّغْتَنَاهُ فَاَعِنَّا عَلٰى تَنَاوُلِ مَاۤ اَنْتَ اَهْلُهٗ مِنَ الْعِبَادَةِ، وَ اَدِّنَاۤ اِلَى الْقِيَامِ بِمَا يَسْتَحِقُّهٗ مِنَ الطَّاعَةِ، وَ اَجْرِ لَنَا مِنْ صَالِحِ الْعَمَلِ مَا يَكُوْنُ دَرَكًا لِّحَقِّكَ فِي الشَّهْرَيْنِ مِنْ شُهُوْرِ الدَّهْرِ.

ہمیں ایسا اجر عطا کر کہ ہم اس کے ذریعہ دلخواہ فضیلت وسعادت کو پاسکیں، اور طرح طرح کے اجر وثواب کے ذخیرے جن کے ہم آرزومند تھے اس کے عوض حاصل کرسکیں، اور ہم نے تیرے حق میں جو کمی وکوتاہی کی ہے اس میں ہمارے عذر کو قبول فرما، اور ہماری عمر آئندہ کا رشتہ آنے والے ماہِ رمضان سے جوڑ دے، اور جب اس تک پہنچا دے تو جو عبادت تیرے شایان شان ہو اس کے بجالانے پر ہماری اعانت فرمانا، اور اس اطاعت پر جس کا وہ مہینہ سزاوار ہے عمل پیرا ہونے کی توفیق دینا، اور ہمارے لئے ایسے نیک اعمال کا سلسلہ جاری رکھنا کہ جو زمانۂ زیست کے مہینوں میں ایک کے بعد دوسرے ماہ، ماہِ رمضان میں تیری حق ادائیگی کا باعث ہوں۔

اَللّٰهُمَّ وَ مَاۤ اَلْمَمْنَا بِهٖ فِيْ شَهْرِنَا هٰذَا مِنْ لَّمَمٍ اَوْ اِثْمٍ، اَوْ وَاقَعْنَا فِيْهِ مِنْ ذَنْبٍ، وَ اكْتَسَبْنَا فِيْهِ مِنْ خَطِيْٓـئَةٍ عَلٰى تَعَمُّدٍ مِّنَّا، اَوْ عَلٰى نِسْيَانٍ ظَلَمْنَا فِيْهِ اَنْفُسَنَا، اَوِ انْتَهَكْنَا بِهٖ حُرْمَةً مِنْ غَيْرِنَا، فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اسْتُرْنَا بِسِتْرِكَ، وَ اعْفُ عَنَّا بِعَفْوِكَ، وَ لَا تَنْصِبْنَا فِيْهِ لِاَعْيُنِ الشَّامِتِيْنَ، وَ لَا تَبْسُطْ عَلَيْنَا فِيْهِ اَلْسُنَ الطَّاعِنِيْنَ، وَ اسْتَعْمِلْنَا بِمَا يَكُوْنُ حِطَّةً وَّ كَفَّارَةً لِّمَاۤ اَنْكَرْتَ مِنَّا فِيْهِ بِرَاْفَتِكَ الَّتِيْ لَا تَنْفَدُ،

اے اللہ! ہم نے اس مہینہ میں جو صغیرہ یا کبیرہ معصیت کی ہو، یا کسی گناہ سے آلودہ اور کسی خطا کے مرتکب ہوئے ہوں، جان بوجھ کر یا بھولے چوکے، خود اپنے نفس پر ظلم کیا ہو یا دوسرے کا دامن حرمت چاک کیا ہو، تو محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور ہمیں اپنے پردہ میں ڈھانپ لے، اور اپنے عفو ودرگزر سے کام لیتے ہوئے معاف کر دے، اور ایسا نہ ہو کہ اس گناہ کی وجہ سے طنز کرنے والوں کی آنکھیں ہمیں گھوریں، اور طعنہ زنی کرنے والوں کی زبانیں ہم پر کھلیں، اور اپنی شفقت بے پایاں اور مرحمت روز افزوں سے ہمیں ان اعمال پر کاربند کر کہ جو ان چیزوں کو برطرف کریں، اور ان باتوں کی تلافی کریں جنہیں تو اس ماہ میں

وَ فَضْلِكَ الَّذِيْ لَا يَنْقُصُ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اجْبُرْ مُصِيْبَتَنَا بِشَهْرِنَا، وَ بَارِكْ لَنَا فِيْ يَوْمِ عِيْدِنَا وَ فِطْرِنَا، وَ اجْعَلْهُ مِنْ خَيْرِ يَوْمٍ مَّرَّ عَلَيْنَآ اَجْلَبِهٖ لِعَفْوٍ، وَ اَمْحَاهُ لِذَنْبٍ، وَ اغْفِرْ لَنَا مَا خَفِيَ مِنْ ذُنُوْبِنَا وَ مَا عَلَنَ.

اَللّٰهُمَّ اسْلَخْنَا بِانْسِلَاخِ هٰذَا الشَّهْرِ مِنْ خَطَايَانَا، وَ اَخْرِجْنَا بِخُرُوْجِهٖ مِنْ سَيِّئَاتِنَا، وَ اجْعَلْنَا مِنْ اَسْعَدِ اَهْلِهٖ بِهٖ، وَ اَجْزَلِهِمْ قِسْمًا فِيْهِ، وَ اَوْفَرِهِمْ حَظًّا مِّنْهُ.

اَللّٰهُمَّ وَ مَنْ رَّعٰى هٰذَا الشَّهْرَ حَقَّ رِعَايَتِهٖ، وَ حَفِظَ حُرْمَتَهٗ حَقَّ حِفْظِهَا، وَ قَامَ بِحُدُوْدِهٖ حَقَّ قِيَامِهَا، وَ اتَّقٰى ذُنُوْبَهٗ حَقَّ تُقَاتِهَا، اَوْ تَقَرَّبَ اِلَيْكَ بِقُرْبَةٍ اَوْجَبَتْ رِضَاكَ لَهٗ، وَ عَطَفَتْ رَحْمَتَكَ عَلَيْهِ، فَهَبْ لَنَا مِثْلَهٗ مِنْ وُّجْدِكَ، وَ اَعْطِنَآ اَضْعَافَهٗ مِنْ فَضْلِكَ، فَاِنَّ فَضْلَكَ لَا يَغِيْضُ، وَ اِنَّ خَزَآئِنَكَ لَا تَنْقُصُ بَلْ تَفِيْضُ، وَ اِنَّ مَعَادِنَ اِحْسَانِكَ لَا تَفْنٰى، وَ اِنَّ

ہمارے لئے ناپسند کرتا ہے۔

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور اس مہینہ کے رخصت ہونے سے جو قلق ہمیں ہوا ہے اس کا چارہ کر، اور عید اور روزہ چھوڑنے کے دن کو ہمارے لئے مبارک قرار دے، اور اسے ہمارے گزرے ہوئے دنوں میں بہترین دن قرار دے، جو عفو و درگزر کو سمیٹنے والا، اور گناہوں کو محو کرنے والا ہو، اور تو ہمارے ظاہر و پوشیدہ گناہوں کو بخش دے۔

بارالٰہا! اس مہینہ کے الگ ہونے کے ساتھ تو ہمیں گناہوں سے الگ کر دے، اور اس کے نکلنے کے ساتھ تو ہمیں برائیوں سے نکال لے، اور اس مہینہ کی بدولت اس کو آباد کرنے والوں میں ہمیں سب سے بڑھ کر خوشبخت، بانصیب اور بہرہ مند قرار دے۔

اے اللہ! جس کسی نے جیسا چاہیے اس مہینے کا پاس و لحاظ کیا ہو، اور کماحقہ اس کا احترام ملحوظ رکھا ہو، اور اس کے احکام پر پوری طرح عمل پیرا رہا ہو، اور گناہوں سے جس طرح بچنا چاہیے اس طرح بچا ہو، یا بہ نیت تقرب ایسا عمل خیر بجالایا ہو جس نے تیری خوشنودی اس کیلئے ضروری قرار دی ہو، اور تیری رحمت کو اس کی طرف متوجہ کر دیا ہو، تو جو اسے بخشے ویسا ہی ہمیں بھی اپنی دولت بے پایاں میں سے بخش، اور اپنے فضل و کرم سے اس سے بھی کئی گنا زائد عطا کر۔ اس لئے کہ تیرے فضل کے سوتے خشک نہیں ہوتے، اور تیرے خزانے کم ہونے میں نہیں آتے بلکہ بڑھتے ہی جاتے ہیں، اور نہ تیرے احسانات کی کانیں فنا ہوتی ہیں، اور تیری

عَطَآءَكَ لَلْعَطَآءُ الْمُهَنَّا.

بخشش وعطا تو ہر لحاظ سے خوشگوار بخشش وعطا ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اكْتُبْ لَنَا مِثْلَ اُجُوْرِ مَنْ صَامَهٗ، اَوْ تَعَبَّدَ لَكَ فِيْهِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور جو لوگ روز قیامت تک اس ماہ کے روزے رکھیں یا تیری عبادت کریں ان کے اجر وثواب کے مانند ہمارے لئے اجر وثواب ثبت فرما۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَتُوْبُ اِلَيْكَ فِيْ يَوْمِ فِطْرِنَا الَّذِيْ جَعَلْتَهٗ لِلْمُؤْمِنِيْنَ عِيْدًا وَّ سُرُوْرًا، وَ لِاَهْلِ مِلَّتِكَ مَجْمَعًا وَّ مُحْتَشَدًا مِّنْ كُلِّ ذَنْبٍ اَذْنَبْنَاهُ، اَوْ سُوْٓءٍ اَسْلَفْنَاهُ، اَوْ خَاطِرِ شَرٍّ اَضْمَرْنَاهُ، تَوْبَةَ مَنْ لَّا يَنْطَوِيْ عَلٰى رُجُوْعٍ اِلٰى ذَنْبٍ، وَ لَا يَعُوْدُ بَعْدَهَا فِيْ خَطِيْٓئَةٍ، تَوْبَةً نَصُوْحًا خَلَصَتْ مِنَ الشَّكِّ وَ الِارْتِيَابِ، فَتَقَبَّلْهَا مِنَّا، وَ ارْضَ عَنَّا، وَ ثَبِّتْنَا عَلَيْهَا.

اے اللہ! ہم اس روز فطر میں جسے تو نے اہل ایمان کیلئے عید ومسرت کا روز اور اہل اسلام کیلئے اجتماع وتعاون کا دن قرار دیا ہے، ہر اس گناہ سے جس کے ہم مرتکب ہوئے ہوں، اور ہر اس برائی سے جسے پہلے کر چکے ہوں، اور ہر بری نیت سے جسے دل میں لئے ہوئے ہوں، اس شخص کی طرح توبہ کرتے ہیں جو گناہ کی طرف دوبارہ پلٹنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو، اور نہ توبہ کے بعد خطا کا مرتکب ہوتا ہو، ایسی سچی توبہ جو ہر شک وشبہ سے پاک ہو، تو اب ہماری توبہ کو قبول فرما، ہم سے راضی وخوشنود ہو جا، اور ہمیں اس پر ثابت قدم رکھ۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا خَوْفَ عِقَابِ الْوَعِيْدِ، وَ شَوْقَ ثَوَابِ الْمَوْعُوْدِ، حَتّٰى نَجِدَ لَذَّةَ مَا نَدْعُوْكَ بِهٖ، وَ كَاٰبَةَ مَا نَسْتَجِيْرُكَ مِنْهُ، وَ اجْعَلْنَا عِنْدَكَ مِنَ التَّوَّابِيْنَ الَّذِيْنَ اَوْجَبْتَ لَهُمْ مَحَبَّتَكَ، وَ قَبِلْتَ مِنْهُمْ مُرَاجَعَةَ طَاعَتِكَ، يَآ اَعْدَلَ الْعَادِلِيْنَ.

اے اللہ! گناہوں کی سزا کا خوف اور جس ثواب کا تو نے وعدہ کیا ہے اس کا شوق ہمیں نصیب فرما، تا کہ جس ثواب کے تجھ سے خواہشمند ہیں اس کی لذت اور جس عذاب سے پناہ مانگ رہے ہیں اس کی تکلیف واذیت پوری طرح جان سکیں، اور ہمیں اپنے نزدیک ان توبہ گزاروں میں سے قرار دے جن کیلئے تو نے اپنی محبت کو لازم کر دیا ہے، اور جن سے فرمانبرداری واطاعت کی طرف رجوع ہونے کو تو نے قبول فرمایا ہے، اے عدل کرنے والوں میں سب سے زیادہ عدل کرنے والے۔

اَللّٰهُمَّ تَجَاوَزْ عَنْ اٰبَآئِنَا وَ اُمَّهَاتِنَا وَ

اے اللہ! ہمارے ماں باپ اور ہمارے تمام اہل مذہب و

اَهْلِ دِيْنِنَا جَمِيْعًا، مَنْ سَلَفَ مِنْهُمْ وَ مَنْ غَبَرَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ نَبِيِّنَا وَ اٰلِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى مَلٰٓئِكَتِكَ الْمُقَرَّبِيْنَ، وَ صَلِّ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اَنْۢبِيَآئِكَ الْمُرْسَلِيْنَ، وَ صَلِّ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ، وَ اَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ يَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ، صَلَاةً تَبْلُغُنَا بَرَكَتُهَا، وَ يَنَالُنَا نَفْعُهَا، وَ يُسْتَجَابُ لَهَا دُعَآؤُنَا، اِنَّكَ اَكْرَمُ مَنْ رُغِبَ اِلَيْهِ، وَ اَكْفٰى مَنْ تُوُكِّلَ عَلَيْهِ، وَ اَعْطٰى مَنْ سُئِلَ مِنْ فَضْلِهٖ، وَ اَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ.

--☆☆--

ملت، خواہ وہ گزر چکے ہوں یا قیامت کے دن تک آیندہ آنے والے ہوں، سب سے درگزر فرما۔

اے اللہ! ہمارے نبی محمدؐ اور ان کی آلؑ پر ایسی رحمت نازل فرما جیسی رحمت تو نے اپنے مقرب فرشتوں پر کی ہے، اور ان پر اور ان کی آلؑ پر ایسی رحمت نازل فرما جیسی تو نے اپنے فرستادہ نبیوں پر نازل فرمائی ہے، اور ان پر اور ان کی آلؑ پر ایسی رحمت نازل فرما جیسی تو نے اپنے نیکوکار بندوں پر نازل کی ہے، (بلکہ) اس سے بہتر و برتر، اے تمام جہان کے پروردگار! ایسی رحمت جس کی برکت ہم تک پہنچے، جس کی منفعت ہمیں حاصل ہو، اور جس کی وجہ سے ہماری دُعائیں قبول ہوں۔ اس لئے کہ تو ان لوگوں سے جن کی طرف رجوع ہوا جاتا ہے زیادہ کریم، اور ان لوگوں سے جن پر بھروسا کیا جاتا ہے زیادہ بے نیاز کرنے والا ہے، اور ان لوگوں سے جن کے فضل کی بنا پر سوال کیا جاتا ہے، زیادہ عطا کرنے والا ہے، اور تو ہر چیز پر قادر و توانا ہے۔

--☆☆--

یہ دُعا ماہ رمضان کے برکت آفرین لمحات کو الوداع کرنے کے سلسلہ میں ہے۔ لفظ ''وداع''، دعۃ سے ماخوذ ہے جس کے معنی راحت و آرام اور پرسکون زندگی کے ہیں۔ اور مسافر کو وداع کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس سے اپنی محبت و دل بستگی کا اظہار کیا جائے اور اس کیلئے دُعا کی جائے کہ سفر کی صعوبتیں اس کیلئے آسان اور منزل کی دشواریاں اس کیلئے سہل ہوں اور اسے دوبارہ پلٹ کر آنا نصیب ہو، یا جہاں جانا چاہتا ہے وہاں سکون و قرار حاصل ہو۔ یہ وداع اس کی دلیل ہے کہ جسے وداع کیا جا رہا ہے نگاہوں میں اس کی عزت اور دل میں اس کی قدر و منزلت ہے اور اس کی جدائی گراں اور مفارقت شاق ہے۔ یہ محبت اور لگاؤ زمان سے بھی ہوسکتا ہے اور مکان سے بھی۔ ذی شعور سے بھی ہوسکتا ہے اور غیر ذی شعور سے بھی۔ چنانچہ اسی محبت و وابستگی کے نتیجہ میں انسان کبھی ماضی کے ان لمحوں کو پکارتا ہے جو اپنی خوشگوار یاد دل میں چھوڑ جاتے ہیں اور کبھی شباب کی گھڑیوں کو خطاب کرتا اور عمر رفتہ کو آواز دیتا ہے، اور کبھی اداس کھنڈروں، خاموش ویرانوں اور شکستہ دیواروں سے خطاب کرتا ہے اور کبھی ان کی زبان بے زبانی کی خود ترجمانی کرتا اور کبھی ان سے بولنے اور جواب دینے کی فرمائش کرتا ہے۔ چنانچہ عرب کا ایک شاعر کہتا ہے:

يَا دَارَ عَبْلَةَ بِالْجِوَآءِ تَكَلَّمِيْ وَ عِمِيْ صَبَاحًا دَارَ عَبْلَةَ وَ اسْلَمِيْ

''اے مقام جوا میں واقع ہونے والے عبلہ کے گھر! کچھ بول کہ میں گوش برآواز ہوں، تیری صبحیں غارت گری سے محفوظ اور تو گردش زمانہ سے بچا رہے''۔

اسی طرح ماہ رمضان کے لمحوں اور ساعتوں سے خطاب کرنا اس سے انتہائی وابستگی کی دلیل ہے۔ کیونکہ خاصان خدا کو ذکر الٰہی، اطاعت خداوندی اور عبادت سے اتنی شیفتگی ہوتی ہے کہ وہ عبادت کے مخصوص دنوں اور لمحوں سے بھی والہانہ محبت کا اظہار کرتے ہیں اور ان لمحوں کی جدائی کو اتنا ہی محسوس کرتے ہیں جتنا دل باختگان محبت، محبوب کی جدائی کو اور اسی طرح بجھے ہوئے دل اور مرجھائے ہوئے چہرے کے ساتھ انہیں الوداع کرتے ہیں جس طرح محبوب کو رخصت کیا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرتؑ اواخر ماہ رمضان میں یہ دُعا پڑھتے اور تحسر آمیز جذبات کے ساتھ اسے الوداع کرتے۔

یہ دُعا انہی لوگوں کیلئے ہے جنہوں نے اس ماہ مبارک کے لمحات عبادت و اطاعت میں گزارے ہوں، واجبات ادا کئے ہوں اور محرمات سے کنارہ کش رہے ہوں۔ اور جنہوں نے نماز روزہ سے کوئی واسطہ نہ رکھا ہو تو انہیں اس کے آنے پر خوشی ہی کیا تھی کہ جانے کا رنج کریں اور اسے الوداع کرنے کی ضرورت محسوس کریں۔ البتہ جنہوں نے خدا کی خوشنودی کا سر و سامان کیا ہو اور اس کے مبارک لمحات میں زاد آخرت بہم پہنچایا ہو، فرائض و واجبات ادا کئے ہوں، انہیں الوداع کرنا چاہیئے، تاکہ ان کے حسنات میں مزید اضافہ ہو اور رحمت و مغفرت الٰہی کے اہل قرار پائیں۔ چنانچہ جابر ابن عبداللہ انصاری کہتے ہیں:

دَخَلْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْۤ اٰخِرِ جُمُعَةٍ مِّنْ شَهْرِ رَمَضَانَ، فَلَمَّا بَصُرَ بِيْ قَالَ لِيْ: يَا جَابِرُ! هٰذَا اٰخِرُ جُمُعَةٍ مِّنْ شَهْرِ رَمَضَانَ فَوَدِّعْهُ وَ قُلِ: «اللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْهُ اٰخِرَ الْعَهْدِ مِنْ صِيَامِنَا اِيَّاهُ، فَاِنْ جَعَلْتَهٗ فَاجْعَلْنِيْ مَرْحُوْمًا وَّ لَا تَجْعَلْنِيْ مَحْرُوْمًا»، فَاِنَّهٗ مَنْ قَالَ ذٰلِكَ ظَفِرَ بِاِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ: اِمَّا بِبُلُوْغِ شَهْرِ رَمَضَانَ، وَاِمَّا بِغُفْرَانِ اللّٰهِ وَ رَحْمَتِهٖ.

میں ماہ رمضان میں جمعۃ الوداع کے دن پیغمبر اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے مجھے دیکھا تو فرمایا کہ: اے جابر! یہ ماہ رمضان کا آخری جمعہ ہے، لہٰذا اسے وداع کرو اور یہ کہو: ''اے اللہ! اسے ہمارے روزوں کا آخری زمانہ نہ قرار دے اور اگر تو نے قرار دیا ہے تو ہمیں اپنی رحمت سے سرفراز کر اور محروم نہ کر''۔ تو جو شخص یہ کلمات کہے گا تو وہ دو خوبیوں میں سے ایک خوبی کو ضرور پائے گا: یا تو آئندہ کا ماہ رمضان اسے نصیب ہوگا، یا اللہ تعالیٰ کی مغفرت و رحمت اس کے شامل حال ہوگی۔[1]

یہ دُعا جمعۃ الوداع یا ماہ رمضان کی آخری شب یا آخری روز میں پڑھنا چاہیئے اور آخری شب میں سحر کے وقت پڑھنا بہتر ہے۔ اور اس سے بہتر یہ ہے کہ جمعۃ الوداع میں بھی پڑھے اور آخری شب میں بھی پڑھے۔ اور اگر یہ خیال ہو کہ چاند انتیس کا ہوگا تو انتیسویں شب میں پڑھے اور چاند نہ ہو تو تیسویں شب میں بھی پڑھے اور ایک قول یہ ہے کہ شب عید پڑھے۔

☆☆☆☆☆

---

[1] وسائل الشیعہ، ج۱۰، ص۳۶۵۔

(۴۶) وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

فِيْ يَوْمِ الْفِطْرِ، اِذَا انْصَرَفَ مِنْ صَلٰوتِهٖ قَامَ قَآئِمًا ثُمَّ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ، وَ فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ، فَقَالَ:

يَا مَنْ يَّرْحَمُ مَنْ لَّا يَرْحَمُهُ الْعِبَادُ، وَ يَا مَنْ يَّقْبَلُ مَنْ لَّا تَقْبَلُهُ الْبِلَادُ، وَ يَا مَنْ لَّا يَحْتَقِرُ اَهْلَ الْحَاجَةِ اِلَيْهِ، وَ يَا مَنْ لَّا يُخَيِّبُ الْمُلِحِّيْنَ عَلَيْهِ، وَ يَا مَنْ لَّا يَجْبَهُ بِالرَّدِّ اَهْلَ الدَّالَّةِ عَلَيْهِ، وَ يَا مَنْ يَّجْتَبِيْ صَغِيْرَ مَا يُتْحَفُ بِهٖ، وَ يَشْكُرُ يَسِيْرَ مَا يُعْمَلُ لَهٗ، وَ يَا مَنْ يَّشْكُرُ عَلَى الْقَلِيْلِ وَ يُجَازِيْ بِالْجَلِيْلِ، وَ يَا مَنْ يَّدْنُوْ اِلٰى مَنْ دَنَا مِنْهُ، وَ يَا مَنْ يَّدْعُوْ اِلٰى نَفْسِهٖ مَنْ اَدْبَرَ عَنْهُ، وَ يَا مَنْ لَّا يُغَيِّرُ النِّعْمَةَ، وَ لَا يُبَادِرُ بِالنَّقِمَةِ، وَ يَا مَنْ يُّثْمِرُ الْحَسَنَةَ حَتّٰى يُنْمِيَهَا، وَ يَتَجَاوَزُ عَنِ السَّيِّئَةِ حَتّٰى يُعَفِّيَهَا،

اِنْصَرَفَتِ الْاٰمَالُ دُوْنَ مَدٰى كَرَمِكَ بِالْحَاجَاتِ، وَ امْتَلَاَتْ بِفَيْضِ جُوْدِكَ اَوْعِيَةُ الطَّلِبَاتِ، وَ تَفَسَّخَتْ دُوْنَ بُلُوْغِ نَعْتِكَ الصِّفَاتُ، فَلَكَ الْعُلُوُّ الْاَعْلٰى فَوْقَ كُلِّ عَالٍ، وَ الْجَلَالُ الْاَمْجَدُ فَوْقَ كُلِّ

دُعا (۴۶)

جب نمازِ عید الفطر سے فارغ ہو کر پلٹتے تو (رو بہ قبلہ کھڑے ہو کر) یہ دُعا پڑھتے اور جمعہ کے دن بھی یہ دُعا پڑھتے:

اے وہ جو ایسے شخص پر رحم کرتا ہے جس پر بندے رحم نہیں کرتے، اے وہ جو ایسے (گنہگار) کو قبول کرتا ہے جسے کوئی قطعہ زمین (اس کے گناہوں کے باعث) قبول نہیں کرتا، اے وہ جو اپنے حاجتمند کو حقیر نہیں سمجھتا، اے وہ جو گڑگڑانے والوں کو ناکام نہیں پھیرتا، اے وہ جو نازش بے جا کرنے والوں کو ٹھکراتا نہیں، اے وہ جو چھوٹے سے چھوٹے تحفہ کو بھی پسندیدگی کی نظروں سے دیکھتا ہے، اور جو معمولی سے معمولی عمل اس کیلئے بجالایا گیا ہو اس کی جزا دیتا ہے، اے وہ جو اس سے قریب ہو وہ اس سے قریب ہوتا ہے، اے وہ کہ جو اس سے روگردانی کرے اسے اپنی طرف بلاتا ہے، اور وہ جو نعمت کو بدلتا نہیں اور نہ سزا دینے میں جلدی کرتا ہے، اے وہ جو نیکی کے نہال کو بارآور کرتا ہے تاکہ اسے بڑھا دے، اور گناہوں سے درگزر کرتا ہے تاکہ انہیں ناپید کر دے۔

امیدیں تیری سرحد کرم کو چھونے سے پہلے کامران ہو کر پلٹ آئیں، اور طلب و آرزو کے ساغر تیرے فیضان جود سے چھلک اٹھے، اور صفتیں تیرے کمال ذات کی منزل تک پہنچنے سے درماندہ ہو کر منتشر ہو گئیں، اس لئے کہ بلندترین رفعت جو ہر کنگرۂ بلند سے بالاتر ہے، اور بزرگ ترین عظمت جو ہر عظمت سے بلندتر ہے،

جَلَالٍ، كُلُّ جَلِيْلٍ عِنْدَكَ صَغِيْرٌ، وَ كُلُّ شَرِيْفٍ فِيْ جَنْبِ شَرَفِكَ حَقِيْرٌ.

تیرے لئے مخصوص ہے، ہر بزرگ تیری بزرگی کے سامنے چھوٹا، اور ہر ذی شرف تیرے شرف کے مقابلہ میں حقیر ہے۔

خَابَ الْوَافِدُوْنَ عَلٰى غَيْرِكَ، وَ خَسِرَ الْمُتَعَرِّضُوْنَ اِلَّا لَكَ، وَ ضَاعَ الْمُلِمُّوْنَ اِلَّا بِكَ، وَ اَجْدَبَ الْمُنْتَجِعُوْنَ اِلَّا مَنِ انْتَجَعَ فَضْلَكَ.

جنہوں نے تیرے غیر کا رخ کیا وہ نا کام ہوئے، جنہوں نے تیرے سوا دوسروں سے طلب کیا وہ نقصان میں رہے، جنہوں نے تیرے سوا دوسروں کے ہاں منزل کی وہ تباہ ہوئے، جو تیرے فضل کے بجائے دوسروں سے رزق ونعمت کے طلبگار ہوئے وہ قحط و مصیبت سے دوچار ہوئے۔

بَابُكَ مَفْتُوْحٌ لِّلرَّاغِبِيْنَ، وَ جُوْدُكَ مُبَاحٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ، وَ اِغَاثَتُكَ قَرِيْبَةٌ مِّنَ الْمُسْتَغِيْثِيْنَ.

تیرا دروازہ طلبگاروں کیلئے وا ہے اور تیرا جودو کرم سائلوں کیلئے عام ہے، تیری فریاد رسی داد خواہوں سے نزدیک ہے۔

لَا يَخِيْبُ مِنْكَ الْاٰمِلُوْنَ، وَ لَا يَيْاَسُ مِنْ عَطَآئِكَ الْمُتَعَرِّضُوْنَ، وَ لَا يَشْقٰى بِنَقِمَتِكَ الْمُسْتَغْفِرُوْنَ.

امیدوار تجھ سے محروم نہیں رہتے، اور طلبگار تیری عطا وبخشش سے مایوس نہیں ہوتے، اور مغفرت چاہنے والے پر تیرے عذاب کی بدبختی نہیں آتی۔

رِزْقُكَ مَبْسُوْطٌ لِّمَنْ عَصَاكَ، وَ حِلْمُكَ مُعْتَرِضٌ لِّمَنْ نَّاوَاكَ، عَادَتُكَ الْاِحْسَانُ اِلَى الْمُسِيْٓئِيْنَ، وَ سُنَّتُكَ الْاِبْقَآءُ عَلَى الْمُعْتَدِيْنَ، حَتّٰى لَقَدْ غَرَّتْهُمْ اَنَاتُكَ عَنِ الرُّجُوْعِ، وَ صَدَّهُمْ اِمْهَالُكَ عَنِ النُّزُوْعِ، وَ اِنَّمَا تَاَنَّيْتَ بِهِمْ لِيَفِيْٓئُوْآ اِلٰى اَمْرِكَ، وَ اَمْهَلْتَهُمْ ثِقَةً

تیرا خوان نعمت ان کیلئے بھی بچھا ہوا ہے جو تیری نافرمانی کرتے ہیں، اور تیری بُردباری ان کے بھی آڑے آتی ہے جو تجھ سے دشمنی رکھتے ہیں، بُروں سے نیکی کرنا تیری روش، اور سرکشوں پر مہربانی کرنا تیرا طریقہ ہے، یہاں تک کہ نرمی وحلم نے انہیں (حق کی طرف) رجوع ہونے سے غافل کر دیا، اور تیری دی ہوئی مہلت نے انہیں اجتنابِ معاصی سے روک دیا، حالانکہ تو نے ان سے نرمی اس لئے کی تھی کہ وہ تیرے فرمان کی طرف پلٹ آئیں اور مہلت اس لئے دی تھی کہ تجھے اپنے تسلط واقتدار کے دوام پر اعتماد تھا (کہ جب چاہے انہیں اپنی گرفت میں لے سکتا ہے)،

بِدَوَامِ مُلْكِكَ، فَمَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ السَّعَادَةِ خَتَمْتَ لَهٗ بِهَا، وَ مَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الشَّقَاوَةِ خَذَلْتَهٗ لَهَا، كُلُّهُمْ صَآئِرُوْنَ اِلٰى حُكْمِكَ، وَ اُمُوْرُهُمْ اٰئِلَةٌ اِلٰٓى اَمْرِكَ، لَمْ يَهِنْ عَلٰى طُوْلِ مُدَّتِهِمْ سُلْطَانُكَ، وَ لَمْ يَدْحَضْ لِتَرْكِ مُعَاجَلَتِهِمْ بُرْهَانُكَ، حُجَّتُكَ قَآئِمَةٌ لَّا تُدْحَضُ، وَ سُلْطَانُكَ ثَابِتٌ لَّا يَزُوْلُ.

اب جو خوش نصیب تھا اس کا خاتمہ بھی خوش نصیبی پر کیا اور جو بدنصیب تھا اسے ناکام رکھا۔ (وہ خوش نصیب ہوں یا بدنصیب) سب کے سب تیرے حکم کی طرف پلٹنے والے ہیں اور ان کا مآل تیرے امر سے وابستہ ہے، ان کی طویل مدت مہلت سے تیری دلیل و حجت میں کمزوری رُونما نہیں ہوتی (جیسے اس شخص کی دلیل کمزور ہو جاتی ہے جو اپنے حق کے حاصل کرنے میں تاخیر کرے) اور فوری گرفت کو نظر انداز کرنے سے تیری حجت و برہان باطل نہیں قرار پائی (کہ یہ کہا جائے کہ اگر اس کے پاس ان کے خلاف دلیل و برہان ہوتی تو وہ مہلت کیوں دیتا)، تیری حجت برقرار ہے جو باطل نہیں ہو سکتی اور تیری دلیل محکم ہے جو زائل نہیں ہو سکتی۔

فَالْوَيْلُ الدَّآئِمُ لِمَنْ جَنَحَ عَنْكَ، وَ الْخَيْبَةُ الْخَاذِلَةُ لِمَنْ خَابَ مِنْكَ، وَ الشَّقَآءُ الْاَشْقٰى لِمَنِ اغْتَرَّ بِكَ.

لہٰذا دائمی حسرت و اندوہ اسی شخص کیلئے ہے جو تجھ سے روگردان ہوا، اور رسوا کن نامرادی اسی کیلئے ہے جو تیرے ہاں سے محروم رہا، اور بدترین بدبختی اسی کیلئے ہے جس نے تیری چشم پوشی سے فریب کھایا۔

مَآ اَكْثَرَ تَصَرُّفَهٗ فِيْ عَذَابِكَ، وَ مَآ اَطْوَلَ تَرَدُّدَهٗ فِيْ عِقَابِكَ، وَ مَآ اَبْعَدَ غَايَتَهٗ مِنَ الْفَرَجِ، وَ مَآ اَقْنَطَهٗ مِنْ سُهُوْلَةِ الْمَخْرَجِ عَدْلًا مِّنْ قَضَآئِكَ لَا تَجُوْرُ فِيْهِ، وَ اِنْصَافًا مِّنْ حُكْمِكَ لَا تَحِيْفُ عَلَيْهِ.

ایسا شخص کس قدر تیرے عذاب میں الٹے پلٹے کھاتا، اور کتنا طویل زمانہ تیرے عقاب میں گردش کرتا رہے گا، اور اس کی رہائی کا مرحلہ کتنی دور، اور بآسانی نجات حاصل کرنے سے کتنا مایوس ہو گا، یہ تیرا فیصلہ ازروئے عدل ہے جس میں ذرا بھی ظلم نہیں کرتا اور تیرا یہ حکم مبنی بر انصاف ہے جس میں اس پر زیادتی نہیں کرتا۔

فَقَدْ ظَاهَرْتَ الْحُجَجَ، وَ اَبْلَيْتَ الْاَعْذَارَ، وَ قَدْ تَقَدَّمْتَ بِالْوَعِيْدِ،

اس لئے کہ تو نے پے در پے دلیلیں قائم اور قابل قبول حجتیں آشکارا کر دی ہیں، اور پہلے سے ڈرانے والی چیزوں کے ذریعہ

وَ تَلَطَّفْتَ فِي التَّرْغِيْبِ، وَ ضَرَبْتَ الْاَمْثَالَ، وَ اَطَلْتَ الْاِمْهَالَ وَ اَخَّرْتَ، وَ اَنْتَ مُسْتَطِيْعٌ لِّلْمُعَاجَلَةِ، وَ تَاَنَّيْتَ وَ اَنْتَ مَلِيْٓءٌ بِالْمُبَادَرَةِ، لَمْ تَكُنْ اَنَاتُكَ عَجْزًا، وَ لَآ اِمْهَالُكَ وَهْنًا، وَ لَآ اِمْسَاكُكَ غَفْلَةً، وَ لَا انْتِظَارُكَ مُدَارَاةً، بَلْ لِتَكُوْنَ حُجَّتُكَ اَبْلَغَ، وَ كَرَمُكَ اَكْمَلَ، وَ اِحْسَانُكَ اَوْفٰى، وَ نِعْمَتُكَ اَتَمَّ، كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ وَ لَمْ تَزَلْ، وَ هُوَ كَآئِنٌ وَّ لَا تَزَالُ.

آگاہ کر دیا ہے، اور لطف و مہربانی سے (آخرت کی) ترغیب دلائی ہے، اور طرح طرح کی مثالیں بیان کی ہیں، مہلت کی مدت بڑھا دی ہے، اور (عذاب میں) تاخیر سے کام لیا ہے حالانکہ تو فوری گرفت پر اختیار رکھتا تھا، اور نرمی و مدارات سے کام لیا ہے باوجودیکہ تو تعجیل کرنے پر قادر تھا، یہ نرم روی، عاجزی کی بنا پر اور مہلت دہی کمزوری کی وجہ سے نہ تھی، اور نہ عذاب میں توقف کرنا غفلت و بےخبری کے باعث اور نہ تاخیر کرنا نرمی و ملاطفت کی بنا پر تھا، بلکہ یہ اس لئے تھا کہ تیری حجت ہر طرح سے پوری ہو، تیرا کرم کامل تر، تیرا احسان فراواں اور تیری نعمت تمام تر ہو، یہ تمام چیزیں تھیں اور رہیں گی درآنحالیکہ تو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

حُجَّتُكَ اَجَلُّ مِنْ اَنْ تُوْصَفَ بِكُلِّهَا، وَ مَجْدُكَ اَرْفَعُ مِنْ اَنْ يُّحَدَّ بِكُنْهِهٖ، وَ نِعْمَتُكَ اَكْثَرُ مِنْ اَنْ تُحْصٰى بِاَسْرِهَا، وَ اِحْسَانُكَ اَكْثَرُ مِنْ اَنْ تُشْكَرَ عَلٰٓى اَقَلِّهٖ، وَ قَدْ قَصَّرَ بِيَ السُّكُوْتُ عَنْ تَحْمِيْدِكَ، وَ فَهَّهَنِيَ الْاِمْسَاكُ عَنْ تَمْجِيْدِكَ، وَ قُصَارَايَ الْاِقْرَارُ بِالْحُسُوْرِ، لَا رَغْبَةً يَّآ اِلٰهِيْ بَلْ عَجْزًا.

تیری حجت اس سے بالاتر ہے کہ اس کے تمام گوشوں کو پوری طرح بیان کیا جاسکے، اور تیری عزّت و بزرگی اس سے بلند تر ہے کہ اس کی کنہ و حقیقت کی حدیں قائم کی جائیں، اور تیری نعمتیں اس سے فزوں تر ہیں کہ ان سب کا شمار ہو سکے، اور تیرے احسانات اس سے کہیں زیادہ تر ہیں کہ ان میں کے ادنیٰ احسان پر بھی تیرا شکریہ ادا کیا جاسکے، (میں تیری حمد و سپاس سے عاجز اور درماندہ ہوں، گویا) خاموشی نے تیری پے در پے حمد و سپاس سے مجھے ناتواں کر دیا ہے، اور توقف نے تیری تمجید و ستائش سے مجھے گنگ کر دیا ہے، اور اس سلسلہ میں میری توانائی کی حد یہ ہے کہ اپنی درماندگی کا اعتراف کروں، یہ بے رغبتی کی وجہ سے نہیں ہے اے میرے معبود! بلکہ عجز و ناتوانی کی بنا پر ہے۔

فَهَآ اَنَا ذَآ اَؤُمُّكَ بِالْوِفَادَةِ، وَ اَسْئَلُكَ

اچھا تو میں اب تیری بارگاہ میں حاضر ہونے کا قصد کرتا ہوں

حُسْنَ الرِّفَادَةِ، فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اسْمَعْ نَجْوَایَ، وَ اسْتَجِبْ دُعَآئِیْ، وَ لَا تَخْتِمْ یَوْمِیْ بِخَیْبَتِیْ، وَ لَا تَجْبَهْنِیْ بِالرَّدِّ فِیْ مَسْئَلَتِیْ، وَ اَكْرِمْ مِنْ عِنْدِكَ مُنْصَرَفِیْ، وَ اِلَیْكَ مُنْقَلَبِیْ.

اور تجھ سے حسن اعانت کا خواستگار ہوں، تو محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور میری راز و نیاز کی باتوں کو سن، اور میری دُعا کو شرف قبولیت بخش، اور میرے دن کو ناکامی کے ساتھ ختم نہ کر، اور میرے سوال میں مجھے ٹھکرا نہ دے، اور اپنی بارگاہ سے پلٹنے اور پھر پلٹ کر آنے کو عزت و احترام سے ہمکنار فرما۔

اِنَّكَ غَیْرُ ضَآئِقٍ بِمَا تُرِیْدُ، وَ لَا عَاجِزٍ عَمَّا تُسْئَلُ، وَ اَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ، وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ.

اس لئے کہ تجھے تیرے ارادہ میں کوئی دشواری حائل نہیں ہوتی، اور جو چیز تجھ سے طلب کی جائے اس کے دینے سے عاجز نہیں ہوتا، اور تو ہر چیز پر قادر ہے، اور قوت و طاقت نہیں سوا اللہ کے سہارے کے جو بلند مرتبہ عظیم ہے۔

--☆☆--

ہر قوم و ملت میں کوئی نہ کوئی دن ایسا ضرور ہوتا ہے جو کسی تاریخی پس منظر کی وجہ سے یادگار کی حیثیت رکھتا ہے اور اسے وہ اپنے طریقہ سے مناتے اور اس میں سرور و مسرت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ چنانچہ جس دن حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آتش نمرود سرد ہوئی اور وہ آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں سے زندہ و سلامت نکل آئے، وہ دن ان کے ماننے والوں کیلئے عید قرار پا گیا۔ اور جس دن حضرت یونس علیہ السلام شکم ماہی کے زنداں سے رہا ہوئے وہ دن ان کی قوم کیلئے عید کا دن بن گیا۔ اور جس دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت پر مائدہ نازل ہوا وہ ان کیلئے عید کا دن قرار پا گیا۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِیْدًا﴾

اے ہمارے پروردگار! تو ہم پر آسمان سے مائدہ نازل کر جو ہمارے لئے عید قرار پائے۔[1]

اسی طرح اسلام میں بھی مختلف یادگاروں کے سلسلہ میں متعدد عیدیں منائی جاتی ہیں، جن میں سے ''عید الاضحیٰ'' اور ''عید الفطر'' زیادہ شہرت رکھتی ہیں۔ ''عید الاضحیٰ'' اس بے مثال قربانی کی یادگار ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قربان گاہِ منیٰ میں پیش کی تھی اور ''عید الفطر'' ماہ مبارک رمضان کے اختتام پر فریضۂ صیام سے عہدہ برآ ہونے کے شکریہ میں منائی جاتی ہے۔

اس عید کی مسرت کو ہمہ گیر بنانے کیلئے اسلام نے ہر ذی استطاعت پر ایک مخصوص مقدار زکوٰۃ فطرہ کی واجب کر دی ہے، اس ہدایت کے ساتھ

---

[1] سورۂ مائدہ، آیت ۱۱۴۔

کہ نماز سے پہلے مستحقین تک پہنچا دی جائے، تا کہ وہ بھی عید کی مسرتوں میں دوسروں کے ساتھ شریک ہوسکیں۔ اور یہ اسلام کی حکیمانہ موقع شناسی ہے کہ اس نے عید الفطر کے موقع پر غرباء کی اعانت ضروری قرار دی۔ اس لئے کہ تیس دن بھوک پیاس میں گزارنے اور فاقہ کشی کی تکلیف سے آشنا ہونے کے بعد غریبوں کے دکھ درد کا احساس اور ان سے ہمدردی کا جذبہ ابھر آتا ہے جو غریبوں اور ناداروں کی اعانت کا محرک ہوتا ہے اور انسان بطیب خاطر اس مختصر مالی قربانی کیلئے آمادہ ہو جاتا ہے۔

ادائے فطرہ کے بعد دوگانہ عید سے اس دن کا افتتاح کیا جاتا ہے۔ جس میں اہل شہر مجتمع ہو کر اجتماعی شان، ملی تنظیم اور اسلامی اخوت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ پھر خطبہ عید پڑھا جاتا ہے جو تحمید و تقدیس، درود و سلام، پند و نصیحت اور سورۃ قرآنی پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس کے بعد مسکراتے ہوئے چہروں کے ساتھ مصافحہ و معانقہ، سلام و دُعا اور میل ملاقات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور اسی مسرت افزا ماحول میں یہ دن تمام ہوتا ہے۔

یہ ہے اسلامی تہوار جس کی مسرت میں سنجیدگی، کیف میں شائستگی اور لطف و سرور میں تہذیب کو سمو دیا گیا ہے اور اس کے آداب و رسوم میں اعلیٰ اخلاقی مقاصد کا پوری طرح لحاظ رکھا گیا ہے۔ جس دن کی ابتدا فریضہ صبح کے علاوہ زکوٰۃ و نماز اور استماع خطبہ سے ہو اور اس کے لمحات میل ملاقات اور رنجشوں اور کدورتوں کو دور کرنے میں صرف ہوں وہ دن یقیناً دل میں ایک مسرت آمیز طمانیت کا احساس پیدا کرے گا اور نیکی کے جذبات ابھار کر نیک کرداری و خدا پرستی اور قلب و روح کی تطہیر کا سامان کرے گا۔ اور حقیقی عید یہی ہے کہ انسان اپنے قلب و ضمیر کو پاک و صاف کرے، گناہوں سے دامن بچائے اور برائیوں سے محفوظ رہے۔ چنانچہ امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا هُوَ عِيْدٌ لِّمَنْ قَبِلَ اللهُ صِيَامَهٗ وَ شَكَرَ قِيَامَهٗ، وَ كُلُّ يَوْمٍ لَّا يُعْصَى اللهُ فِيْهِ فَهُوَ عِيْدٌ.

''عید'' صرف اس کیلئے ہے جس کے روزوں کو اللہ تعالیٰ نے قبول کیا اور اس کے قیام (نماز) کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور ہر وہ دن جس میں اللہ تعالیٰ کی معصیت نہ کی جائے، عید کا دن ہے۔[1]

☆☆☆☆☆

[1] نہج البلاغہ، حکمت نمبر ۴۲۸۔

(۴۷) وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

فِيْ يَوْمِ عَرَفَةَ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ بَدِيْعَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ، ذَا الْجَلَالِ وَ الْاِكْرَامِ، رَبَّ الْاَرْبَابِ، وَ اِلٰهَ كُلِّ مَاْلُوْهٍ، وَ خَالِقَ كُلِّ مَخْلُوْقٍ، وَ وَارِثَ كُلِّ شَيْءٍ، لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ، وَ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ عِلْمُ شَيْءٍ، وَ هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ، وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَقِيْبٌ.

اَنْتَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ، الْاَحَدُ الْمُتَوَحِّدُ الْفَرْدُ الْمُتَفَرِّدُ.

وَ اَنْتَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ، الْكَرِيْمُ الْمُتَكَرِّمُ، الْعَظِيْمُ الْمُتَعَظِّمُ، الْكَبِيْرُ الْمُتَكَبِّرُ.

وَ اَنْتَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ، الْعَلِيُّ الْمُتَعَالِ، الشَّدِيْدُ الْمِحَالِ.

وَ اَنْتَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ، الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ، الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ.

وَ اَنْتَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ، السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ، الْقَدِيْمُ الْخَبِيْرُ.

وَ اَنْتَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ، الْكَرِيْمُ الْاَكْرَمُ، الدَّآئِمُ الْاَدْوَمُ.

دُعا (۴۷)

دُعائے روزِ عرفہ

سب تعریف اس اللہ کیلئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، بارالہا! تیرے ہی لئے تمام تعریفیں ہیں، اے آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے، اے بزرگی و اعزاز والے، اے پالنے والوں کے پالنے والے، اے ہر پرستار کے معبود، اے ہر مخلوق کے خالق، اور ہر چیز کے مالک و وارث، اس کے مثل کوئی چیز نہیں ہے، اور نہ کوئی چیز اس کے علم سے پوشیدہ ہے، وہ ہر چیز پر حاوی اور ہر شے پر نگران ہے۔

تو ہی وہ اللہ ہے کہ تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں، جو ایک اکیلا اور یکتا و یگانہ ہے۔

اور تو ہی وہ اللہ ہے کہ تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں جو بخشنے والا اور انتہائی بخشنے والا، عظمت والا اور انتہائی عظمت والا اور بڑا اور انتہائی بڑا ہے۔

اور تو ہی وہ اللہ ہے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں جو بلند و برتر اور بڑی قوت و تدبیر والا ہے۔

اور تو ہی وہ اللہ ہے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں جو فیض رساں، مہربان اور علم و حکمت والا ہے۔

اور تو ہی وہ معبود ہے کہ تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں، جو سننے والا، دیکھنے والا، قدیم و ازلی اور ہر چیز سے آگاہ ہے۔

اور تو ہی وہ معبود ہے کہ تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں، جو کریم اور سب سے بڑھ کر کریم، اور دائم و جاوید ہے۔

وَ اَنْتَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ، الْاَوَّلُ قَبْلَ كُلِّ اَحَدٍ، وَ الْاٰخِرُ بَعْدَ كُلِّ عَدَدٍ.

اور تو ہی وہ معبود ہے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، جو ہر شے سے پہلے، اور ہر شمار میں آنے والی شے کے بعد ہے۔

وَ اَنْتَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ، الدَّانِيْ فِيْ عُلُوِّهٖ، وَ الْعَالِيْ فِيْ دُنُوِّهٖ.

اور تو ہی وہ معبود ہے کہ تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں جو (کائنات کے دسترس سے) بالا ہونے کے باوجود نزدیک اور نزدیک ہونے کے باوجود (فہم وادراک سے) بلند ہے۔

وَ اَنْتَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ، ذُو الْبَهَآءِ وَ الْمَجْدِ، وَ الْكِبْرِيَآءِ وَ الْحَمْدِ.

اور تو ہی وہ معبود ہے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں جو جمال و بزرگی اور عظمت وستائش والا ہے۔

وَ اَنْتَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ، الَّذِيْٓ اَنْشَاْتَ الْاَشْيَآءَ مِنْ غَيْرِ سِنْخٍ، وَ صَوَّرْتَ مَا صَوَّرْتَ مِنْ غَيْرِ مِثَالٍ، وَ ابْتَدَعْتَ الْمُبْتَدَعَاتِ بِلَا احْتِذَآءٍ.

اور تو ہی وہ اللہ ہے کہ تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں، جس نے بغیر مواد کے تمام چیزوں کو پیدا کیا، اور بغیر کسی نمونہ ومثال کے صورتوں کی نقش آرائی کی، اور بغیر کسی کی پیروی کئے موجودات کو خلعت وجود بخشا۔

اَنْتَ الَّذِيْ قَدَّرْتَ كُلَّ شَيْءٍ تَقْدِيْرًا، وَ يَسَّرْتَ كُلَّ شَيْءٍ تَيْسِيْرًا، وَ دَبَّرْتَ مَا دُوْنَكَ تَدْبِيْرًا.

تو ہی وہ ہے جس نے ہر چیز کا ایک اندازہ ٹھہرایا ہے، اور ہر چیز کو اس کے وظائف کی انجام دہی پر آمادہ کیا ہے، اور کائنات عالم میں سے ہر چیز کی تدبیر وکارسازی کی ہے۔

اَنْتَ الَّذِيْ لَمْ يُعِنْكَ عَلٰى خَلْقِكَ شَرِيْكٌ، وَ لَمْ يُوَازِرْكَ فِيْٓ اَمْرِكَ وَزِيْرٌ، وَ لَمْ يَكُنْ لَّكَ مُشَاهِدٌ وَّ لَا نَظِيْرٌ.

تو وہ ہے کہ آفرینش عالم میں کسی شریک کار نے تیرا ہاتھ نہیں بٹایا، اور نہ کسی معاون نے تیرے کام میں تجھے مدد دی ہے، اور نہ کوئی تیرا دیکھنے والا، اور نہ کوئی تیرا مثل ونظیر تھا۔

اَنْتَ الَّذِيْٓ اَرَدْتَّ فَكَانَ حَتْمًا مَّآ اَرَدْتَّ، وَ قَضَيْتَ فَكَانَ عَدْلًا مَّا قَضَيْتَ، وَ حَكَمْتَ فَكَانَ نِصْفًا مَّا حَكَمْتَ.

اور تو نے جو ارادہ کیا وہ حتمی و لازمی، اور جو فیصلہ کیا وہ عدل کے تقاضوں سے عین مطابق، اور جو حکم دیا وہ انصاف پر مبنی تھا۔

اَنْتَ الَّذِيْ لَا يَحْوِيْكَ مَكَانٌ، وَ لَمْ يَقُمْ لِسُلْطَانِكَ سُلْطَانٌ، وَ لَمْ يُعْيِكَ

تو وہ ہے جسے کوئی جگہ گھیرے ہوئے نہیں ہے، اور نہ تیرے اقتدار کا کوئی اقتدار مقابلہ کر سکتا ہے، اور نہ تو دلیل و برہان اور کسی

بُرْهَانٌ وَّ لَا بَيَانٌ.

چیز کو واضح طور پر پیش کرنے سے عاجز ہے۔

اَنْتَ الَّذِیْۤ اَحْصَيْتَ كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا، وَ جَعَلْتَ لِكُلِّ شَیْءٍ اَمَدًا، وَ قَدَّرْتَ كُلَّ شَیْءٍ تَقْدِيْرًا.

تو وہ ہے جس نے ایک ایک چیز کو شمار کر رکھا ہے، اور ہر چیز کی ایک مدت مقرر کر دی ہے، اور ہر شے کا ایک اندازہ ٹھہرا دیا ہے۔

اَنْتَ الَّذِیْ قَصُرَتِ الْاَوْهَامُ عَنْ ذَاتِيَّتِكَ، وَ عَجَزَتِ الْاَفْهَامُ عَنْ كَيْفِيَّتِكَ، وَ لَمْ تُدْرِكِ الْاَبْصَارُ مَوْضِعَ اَيْنِيَّتِكَ.

تو وہ ہے کہ تیری کنہ ذات کو سمجھنے سے واہمے قاصر، اور تیری کیفیت کو جاننے سے عقلیں عاجز ہیں، اور تیری کوئی جگہ نہیں ہے کہ آنکھیں اس کا کھوج لگا سکتیں۔

اَنْتَ الَّذِیْ لَا تُحَدُّ فَتَكُوْنَ مَحْدُوْدًا، وَ لَمْ تُمَثَّلْ فَتَكُوْنَ مَوْجُوْدًا، وَ لَمْ تَلِدْ فَتَكُوْنَ مَوْلُوْدًا.

تو وہ ہے کہ تیری کوئی حد و نہایت نہیں ہے کہ تو محدود قرار پائے، اور نہ تیرا تصور کیا جا سکتا ہے کہ تو تصور کی ہوئی صورت کے ساتھ ذہن میں موجود ہو سکے، اور نہ تیرے کوئی اولاد ہے کہ تیرے متعلق کسی کی اولاد ہونے کا احتمال ہو۔

اَنْتَ الَّذِیْ لَا ضِدَّ مَعَكَ فَيُعَانِدَكَ، وَ لَا عِدْلَ لَكَ فَيُكَاثِرَكَ، وَ لَا نِدَّ لَكَ فَيُعَارِضَكَ.

تو وہ ہے کہ تیرا کوئی مدمقابل نہیں ہے کہ تجھ سے ٹکرائے، اور نہ تیرا کوئی ہمسر ہے کہ تجھ پر غالب آئے، اور نہ تیرا کوئی مثل و نظیر ہے کہ تجھ سے برابری کرے۔

اَنْتَ الَّذِی ابْتَدَاَ وَ اخْتَرَعَ، وَ اسْتَحْدَثَ وَ ابْتَدَعَ، وَ اَحْسَنَ صُنْعَ مَا صَنَعَ.

تو وہ ہے جس نے خلق کائنات کی ابتدا کی، عالم کو ایجاد کیا اور اس کی بنیاد قائم کی، اور بغیر کسی مادہ و اصل کے اسے وجود میں لایا، اور جو بنایا اسے اپنی حسن صنعت کا نمونہ بنایا۔

سُبْحَانَكَ! مَاۤ اَجَلَّ شَاْنَكَ، وَ اَسْنٰى فِی الْاَمَاكِنِ مَكَانَكَ، وَ اَصْدَعَ بِالْحَقِّ فُرْقَانَكَ.

تو ہر عیب سے منزہ ہے! تیری شان کس قدر بزرگ، اور تمام جگہوں میں تیرا پایہ کتنا بلند، اور تیری حق و باطل میں امتیاز کرنے والی کتاب کس قدر حق کو آشکارا کرنے والی ہے۔

سُبْحَانَكَ! مِنْ لَّطِيْفٍ مَّاۤ اَلْطَفَكَ، وَ رَءُوْفٍ مَّاۤ اَرْاَفَكَ، وَ حَكِيْمٍ

تو منزہ ہے! اے صاحب لطف و احسان! تو کس قدر لطف فرمانے والا ہے، اے مہربان! تو کس قدر مہربانی کرنے والا ہے،

مَّآ اَعْرَفَكَ.

اے حکمت والے! تو کتنا جاننے والا ہے۔

سُبْحَانَكَ! مِنْ مَّلِيْكٍ مَّآ اَمْنَعَكَ، وَ جَوَادٍ مَّآ اَوْسَعَكَ، وَ رَفِيْعٍ مَّآ اَرْفَعَكَ! ذُو الْبَهَآءِ وَ الْمَجْدِ وَ الْكِبْرِيَآءِ وَ الْحَمْدِ.

پاک ہے تیری ذات! اے صاحب اقتدار! تو کس قدر قوی و توانا ہے، اے کریم! تیرا دامن کرم کتنا وسیع ہے، اے بلند مرتبہ تیرا مرتبہ کتنا بلند ہے، تو حسن و خوبی، شرف و بزرگی، عظمت و کبریائی اور حمد وستائش کا مالک ہے۔

سُبْحَانَكَ! بَسَطْتَّ بِالْخَيْرَاتِ يَدَكَ، وَ عُرِفَتِ الْهِدَايَةُ مِنْ عِنْدِكَ، فَمَنِ الْتَمَسَكَ لِدِيْنٍ اَوْ دُنْيَا وَجَدَكَ.

پاک ہے تیری ذات! تو نے بھلائیوں کیلئے اپنا ہاتھ بڑھایا ہے، تجھ ہی سے ہدایت کا عرفان حاصل ہوا ہے، لہٰذا جو تجھے دین یا دنیا کیلئے طلب کرے تجھے پالے گا۔

سُبْحَانَكَ! خَضَعَ لَكَ مَنْ جَرٰى فِيْ عِلْمِكَ، وَ خَشَعَ لِعَظَمَتِكَ مَا دُوْنَ عَرْشِكَ، وَ انْقَادَ لِلتَّسْلِيْمِ لَكَ كُلُّ خَلْقِكَ!.

تو منزہ و پاک ہے! جو بھی تیرے علم میں ہے وہ تیرے سامنے سرنگوں، اور جو کچھ عرش کے نیچے ہے وہ تیری عظمت کے آگے سربہ خم، اور جملہ مخلوقات تیری اطاعت کا جوا اپنی گردن میں ڈالے ہوئے ہے۔

سُبْحَانَكَ! لَا تُحَسُّ وَ لَا تُجَسُّ وَ لَا تُمَسُّ، وَ لَا تُكَادُ وَ لَا تُمَاطُ، وَ لَا تُنَازَعُ وَ لَا تُجَارٰى وَ لَا تُمَارٰى، وَ لَا تُخَادَعُ وَ لَا تُمَاكَرُ!.

پاک ہے تیری ذات! کہ نہ حواس سے تجھے جانا جاسکتا ہے، نہ تجھے ٹٹولا اور چھوا جاسکتا ہے، نہ تجھ پر کسی کا حیلہ چل سکتا ہے، نہ تجھے دور کیا جاسکتا ہے، نہ تجھ سے نزاع ہوسکتی ہے، نہ مقابلہ، نہ تجھ سے جھگڑا کیا جاسکتا ہے اور نہ تجھے دھوکا اور فریب دیا جاسکتا ہے۔

سُبْحَانَكَ! سَبِيْلُكَ جَدَدٌ، وَ اَمْرُكَ رَشَدٌ، وَ اَنْتَ حَيٌّ صَمَدٌ.

پاک ہے تیری ذات! تیرا راستہ سیدھا اور ہموار، تیرا فرمان سراسر حق وصواب، اور تو زندہ و بے نیاز ہے۔

سُبْحَانَكَ! قَوْلُكَ حُكْمٌ، وَ قَضَآؤُكَ حَتْمٌ، وَ اِرَادَتُكَ عَزْمٌ!.

پاک ہے تو! تیری گفتار حکمت آمیز، تیرا فیصلہ قطعی اور تیرا ارادہ حتمی ہے۔

سُبْحَانَكَ! لَا رَادَّ لِمَشِيَّتِكَ، وَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِكَ!.

پاک ہے تو! نہ تو کوئی تیری مشیت کو رد کر سکتا ہے، اور نہ کوئی تیری باتوں کو بدل سکتا ہے۔

سُبْحَانَكَ! بَاهِرَ الْاٰيَاتِ، فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ، بَارِئَ النَّسَمَاتِ!.

پاک ہے تو! اے درخشندہ نشانیوں والے! اے آسمانوں کے خلق فرمانے والے! اور ذی روح چیزوں کے پیدا کرنے والے!۔

لَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا يَّدُوْمُ بِدَوَامِكَ، وَ لَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا خَالِدًا بِنِعْمَتِكَ، وَ لَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا يُّوَازِيْ صُنْعَكَ، وَ لَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا يَّزِيْدُ عَلٰى رِضَاكَ، وَ لَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا مَّعَ حَمْدِ كُلِّ حَامِدٍ، وَ شُكْرًا يَّقْصُرُ عَنْهُ شُكْرُ كُلِّ شَاكِرٍ.

تیرے ہی لئے تمام تعریفیں ہیں، ایسی تعریفیں جن کی ہمیشگی تیری ہمیشگی سے سے وابستہ ہے، اور تیرے ہی لئے ستائش ہے، ایسی ستائش جو تیری نعمتوں کے ساتھ ہمیشہ باقی رہے اور تیرے ہی لئے حمد وثنا ہے، ایسی جو تیرے کرم واحسان کے برابر ہو، اور تیرے ہی لئے حمد ہے، ایسی جو تیری رضا مندی سے بڑھ جائے، اور تیرے ہی لئے حمد وسپاس ہے، ایسی جو ہر حمد گزار کی حمد پر مشتمل ہو، اور جس کے مقابلہ میں ہر شکر گزار کا شکر پیچھے رہ جائے۔

حَمْدًا لَّا يَنْۢبَغِيْ اِلَّا لَكَ، وَ لَا يُتَقَرَّبُ بِهٖ اِلَّآ اِلَيْكَ.

ایسی حمد جو تیرے علاوہ کسی کیلئے سزاوار نہ ہو، اور نہ تیرے سوا کسی کے تقرب کا وسیلہ بنے۔

حَمْدًا يُّسْتَدَامُ بِهِ الْاَوَّلُ، وَ يُسْتَدْعٰى بِهٖ دَوَامُ الْاٰخِرِ.

ایسی حمد جو پہلی حمد کے دوام کا سبب قرار پائے اور اس کے ذریعہ آخری حمد کے دوام کی التجا کی جائے۔

حَمْدًا يَّتَضَاعَفُ عَلٰى كُرُوْرِ الْاَزْمِنَةِ، وَ يَتَزَايَدُ اَضْعَافًا مُّتَرَادِفَةً.

ایسی حمد جو زمانہ کی گردشوں کے ساتھ بڑھتی جائے اور پے در پے اضافوں سے زیادہ ہوتی رہے۔

حَمْدًا يَّعْجِزُ عَنْ اِحْصَآئِهِ الْحَفَظَةُ، وَيَزِيْدُ عَلٰى مَآ اَحْصَتْهُ فِيْ كِتَابِكَ الْكَتَبَةُ.

ایسی حمد کہ نگہبانی کرنے والے فرشتے اس کے شمار سے عاجز آ جائیں، ایسی حمد کہ جو کاتبان اعمال نے تیری کتاب میں لکھ دیا ہے اس سے بڑھ جائے۔

حَمْدًا يُّوَازِنُ عَرْشَكَ الْمَجِيْدَ، وَ يُعَادِلُ كُرْسِيَّكَ الرَّفِيْعَ.

ایسی حمد جو تیرے عرش بزرگ کے ہم وزن اور تیری بلند پایہ کرسی کے برابر ہو۔

حَمْدًا يَّكْمُلُ لَدَيْكَ ثَوَابُهٗ، وَ يَسْتَغْرِقُ كُلَّ جَزَآءٍ جَزَاؤُهٗ.

ایسی حمد جس کا اجر وثواب تیری طرف سے کامل اور جس کی جزا تمام جزاؤں کو شامل ہو۔

حَمْدًا ظَاهِرُهٗ وَفْقٌ لِّبَاطِنِهٖ، وَ بَاطِنُهٗ وَفْقٌ لِّصِدْقِ النِّيَّةِ.

ایسی حمد جس کا ظاہر باطن سے ہمنوا اور باطن صدق نیت سے ہم آہنگ ہو۔

حَمْدًا لَّمْ يَحْمَدْكَ خَلْقٌ مِّثْلَهٗ، وَ لَا يَعْرِفُ اَحَدٌ سِوَاكَ فَضْلَهٗ.

ایسی حمد کہ کسی مخلوق نے ویسی تیری حمد نہ کی ہو، اور تیرے سوا کوئی اس کی فضیلت و برتری سے آشنا نہ ہو۔

حَمْدًا يُّعَانُ مَنِ اجْتَهَدَ فِيْ تَعْدِيْدِهٖ، وَ يُؤَيَّدُ مَنْ اَغْرَقَ نَزْعًا فِيْ تَوْفِيَتِهٖ.

ایسی حمد کہ جو اسے بکثرت بجالانے کیلئے کوشاں ہو اسے (تیری طرف سے) مدد حاصل ہو، اور جو اسے انجام تک پہنچانے کیلئے سعی بلیغ کرے اسے توفیق و تائید نصیب ہو۔

حَمْدًا يَّجْمَعُ مَا خَلَقْتَ مِنَ الْحَمْدِ، وَ يَنْتَظِمُ مَا اَنْتَ خَالِقُهٗ مِنْ بَعْدُ.

ایسی حمد جو تمام اقسام حمد کی جامع ہو جنہیں تو موجود کر چکا ہے، اور ان اقسام کو بھی شامل ہو جنہیں تو بعد میں موجود کرے گا۔

حَمْدًا لَّا حَمْدَ اَقْرَبُ اِلٰى قَوْلِكَ مِنْهُ، وَ لَاۤ اَحْمَدَ مِمَّنْ يَّحْمَدُكَ بِهٖ.

ایسی حمد کہ اس سے بڑھ کر کوئی حمد تیری مراد سے قریب تر نہ ہو، اور جو شخص اس طرح کی حمد کرے اس سے بڑھ کر کوئی حمد گزار نہ ہو۔

حَمْدًا يُّوجِبُ بِكَرَمِكَ الْمَزِيْدَ بِوُفُوْرِهٖ، وَ تَصِلُهٗ بِمَزِيْدٍ بَعْدَ مَزِيْدٍ طَوْلًا مِّنْكَ.

ایسی حمد جو تیرے فضل و کرم سے اپنی فراوانی کے باعث افزائش نعمت کا سبب ہو، اور تو اپنے لطف و احسان سے اس کے ساتھ پیہم اضافہ کا سلسلہ قائم رکھے۔

حَمْدًا يَّجِبُ لِكَرَمِ وَجْهِكَ، وَ يُقَابِلُ عِزَّ جَلَالِكَ.

ایسی حمد جو تیری بزرگی ذات کے شایاں اور تیرے شرف جلال کے ہمدوش ہو۔

رَبِّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ، الْمُنْتَجَبِ الْمُصْطَفَى الْمُكَرَّمِ الْمُقَرَّبِ، اَفْضَلَ صَلَوَاتِكَ، وَ بَارِكْ عَلَيْهِ اَتَمَّ بَرَكَاتِكَ، وَ تَرَحَّمْ عَلَيْهِ اَمْتَعَ رَحَمَاتِكَ.

پرودگارا! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر سب رحمتوں سے افضل و برتر رحمت نازل فرما، وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو برگزیدہ، معزز و گرامی اور مقرب ہیں، اور ان پر اپنی کامل ترین برکتوں کا اضافہ فرما اور اپنی نفع رساں رحمتوں کے ساتھ ان پر رحم و کرم فرما۔

رَبِّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، صَلَاةً زَاكِيَةً لَّا تَكُوْنُ صَلَاةٌ اَزْكٰى مِنْهَا، وَ صَلِّ

پروردگارا! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت فراواں نازل کر جس سے فراوانی میں کوئی رحمت نہ بڑھ سکے، اور ان پر ایسی

عَلَيْهِ صَلَاةً نَّامِيَةً لَّا تَكُوْنُ صَلَاةٌ اَنْمٰى مِنْهَا، وَ صَلِّ عَلَيْهِ صَلَاةً رَّاضِيَةً لَّا تَكُوْنُ صَلَاةٌ فَوْقَهَا.

بڑھنے والی رحمت نازل فرما جس سے زیادہ کوئی رحمت بڑھنے والی نہ ہو، اور ان پر ایسی پسندیدہ رحمت نازل فرما جس سے بالاتر کوئی رحمت نہ ہو۔

رَبِّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، صَلَاةً تُرْضِيْهِ وَ تَزِيْدُ عَلٰى رِضَاهُ، وَ صَلِّ عَلَيْهِ صَلَاةً تُرْضِيْكَ وَ تَزِيْدُ عَلٰى رِضَاكَ لَهٗ، وَ صَلِّ عَلَيْهِ صَلَاةً لَّا تَرْضٰى لَهٗٓ اِلَّا بِهَا، وَ لَا تَرٰى غَيْرَهٗ لَهَآ اَهْلًا.

پروردگارا! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر ایسی رحمت نازل فرما جو انہیں خوش و خوشنود کرے، اور ان کی خوشنودی سے بڑھ جائے، اور ان پر ایسی رحمت نازل فرما کہ تو ان کیلئے اس کے سوا کسی رحمت کو پسند نہ کرے، اور نہ ان کے علاوہ کسی کو اس رحمت کا سزاوار سمجھے۔

رَبِّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ صَلَاةً تُجَاوِزُ رِضْوَانَكَ، وَ يَتَّصِلُ اتِّصَالُهَا بِبَقَآئِكَ، وَ لَا يَنْفَدُ كَمَا لَا تَنْفَدُ كَلِمَاتُكَ.

پروردگارا! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر ایسی رحمت نازل فرما کہ تیری جانب سے جس رضامندی کے وہ مستحق ہیں اس سے بڑھ جائے، اور اس کا پیوند تیرے بقا و دوام سے جڑا رہے، اور اس کا سلسلہ کہیں ختم نہ ہو جس طرح تیرے کلمے ختم نہ ہوں گے۔

رَبِّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، صَلَاةً تَنْتَظِمُ صَلَوَاتِ مَلٰٓئِكَتِكَ وَ اَنْۢبِيَآئِكَ وَ رُسُلِكَ وَ اَهْلِ طَاعَتِكَ، وَ تَشْتَمِلُ عَلٰى صَلَوَاتِ عِبَادِكَ مِنْ جِنِّكَ وَ اِنْسِكَ وَ اَهْلِ اِجَابَتِكَ، وَ تَجْتَمِعُ عَلٰى صَلَاةِ كُلِّ مَنْ ذَرَأْتَ، وَ بَرَأْتَ مِنْ اَصْنَافِ خَلْقِكَ.

پروردگارا! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر ایسی رحمت نازل فرما جو تیرے فرشتوں، نبیوں، رسولوں اور اطاعت کرنے والوں کے درود و رحمت کو شامل ہو، اور تیرے بندوں میں سے جنوں، انسانوں اور تیری دعوت کو قبول کرنے والوں کے درود و سلام پر مشتمل ہو، اور تیری ہر قسم کی مخلوقات کہ جنہیں تو نے خلق کیا اور عالم وجود میں لایا سب کی رحمتوں پر حاوی ہو۔

رَبِّ صَلِّ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ، صَلَاةً تُحِيْطُ بِكُلِّ صَلَاةٍ سَالِفَةٍ وَّ مُسْتَاْنَفَةٍ، وَ صَلِّ عَلَيْهِ وَ عَلٰٓى اٰلِهٖ، صَلَاةً مَّرْضِيَّةً لَّكَ وَ لِمَنْ دُوْنَكَ، وَ تُنْشِئُ مَعَ ذٰلِكَ صَلَوَاتٍ

پروردگارا! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور ان کی آلؑ پر ایسی رحمت نازل فرما جو گزشتہ و آیندہ سب رحمتوں کو محیط ہو، ان پر اور ان کی آل پر ایسی رحمت نازل فرما جو تیرے نزدیک اور تیرے علاوہ دوسروں کے نزدیک پسندیدہ ہو، اور ان رحمتوں کے ساتھ ایسی

تُضَاعِفُ مَعَهَا تِلْكَ الصَّلَوَاتِ عِنْدَهَا، وَ تَزِيْدُهَا عَلٰى كُرُوْرِ الْاَيَّامِ زِيَادَةً فِيْ تَضَاعِيْفَ لَا يَعُدُّهَا غَيْرُكَ.

رحمتیں بھیجتا رہے کہ ان کے بھیجنے کے وقت تو پہلی رحمتوں کو دگنا کر دے، اور انہیں زمانہ کے گزرنے کے ساتھ ساتھ دو چند کر کے اتنا بڑھا تا جائے کہ جنہیں تیرے علاوہ کوئی شمار نہ کر سکے۔

رَبِّ صَلِّ عَلٰى اَطَآئِبِ اَهْلِ بَيْتِهِ الَّذِيْنَ اخْتَرْتَهُمْ لِاَمْرِكَ، وَ جَعَلْتَهُمْ خَزَنَةَ عِلْمِكَ، وَ حَفَظَةَ دِيْنِكَ، وَ خُلَفَآئَكَ فِيْۤ اَرْضِكَ، وَ حُجَجَكَ عَلٰى عِبَادِكَ، وَ طَهَّرْتَهُمْ مِنَ الرِّجْسِ وَ الدَّنَسِ تَطْهِيْرًا بِاِرَادَتِكَ، وَ جَعَلْتَهُمُ الْوَسِيْلَةَ اِلَيْكَ، وَ الْمَسْلَكَ اِلٰى جَنَّتِكَ.

پروردگارا! ان کے اہل بیت اطہار علیہم السلام پر رحمت نازل فرما جنہیں تو نے امر (دین و شریعت) کیلئے منتخب فرمایا، اپنے علم کا خزینہ دار اور اپنے دین کا محافظ اور زمین میں اپنا خلیفہ و جانشین اور بندوں پر اپنی حجت بنایا، اور جنہیں اپنے ارادہ (ازلی) سے ہر قسم کی نجاست و آلودگی سے پاک و صاف رکھا، اور جنہیں اپنے تک پہنچنے کا وسیلہ، اور جنت تک آنے کا راستہ قرار دیا ہے۔

رَبِّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، صَلَاةً تُجْزِلُ لَهُمْ بِهَا مِنْ نِّحَلِكَ وَ كَرَامَتِكَ، وَ تُكْمِلُ لَهُمُ الْاَشْيَآءَ مِنْ عَطَايَاكَ وَ نَوَافِلِكَ، وَ تُوَفِّرُ عَلَيْهِمُ الْحَظَّ مِنْ عَوَآئِدِكَ وَ فَوَآئِدِكَ.

پروردگارا! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر ایسی رحمت نازل فرما جس کے ذریعے تو ان کیلئے اپنی بخشش و کرامت کو فراواں، اور ان کیلئے عطایا و انعامات کامل کرے، اور اپنے تحائف و منافع میں سے انہیں وافر حصہ بخشے۔

رَبِّ صَلِّ عَلَيْهِ وَ عَلَيْهِمْ صَلَاةً لَّاۤ اَمَدَ فِيْۤ اَوَّلِهَا، وَ لَا غَايَةَ لِاَمَدِهَا، وَ لَا نِهَايَةَ لِاٰخِرِهَا.

پروردگارا! ان پر اور ان کے اہل بیت علیہم السلام پر ایسی رحمت نازل فرما کہ نہ اس کی ابتدا کی کوئی مدت، نہ اس مدت کی کوئی انتہا اور نہ اس کا کوئی آخری کنارا ہو۔

رَبِّ صَلِّ عَلَيْهِمْ زِنَةَ عَرْشِكَ وَ مَا دُوْنَهٗ، وَ مِلْءَ سَمٰوٰتِكَ وَ مَا فَوْقَهُنَّ، وَ عَدَدَ اَرَضِيْكَ، وَ مَا تَحْتَهُنَّ وَ مَا بَيْنَهُنَّ،

پروردگارا! ان پر ایسی رحمت نازل فرما کہ تیرے عرش اور جو کچھ زیر عرش ہے سب کے ہموزن ہو، اور اس مقدار میں ہو کہ آسمانوں اور جو کچھ آسمانوں کے اوپر ہے سب کو بھر دے، اور زمینوں اور جو کچھ زمینوں کے نیچے اور ان کے اندر ہے ان کے شمار

صَلَاةً تُقَرِّبُهُمْ مِنْكَ زُلْفٰى، وَ تَكُوْنُ لَكَ وَ لَهُمْ رِضًى، وَ مُتَّصِلَةً بِنَظَآئِرِهِنَّ اَبَدًا.

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ اَيَّدْتَّ دِيْنَكَ فِيْ كُلِّ اَوَانٍ بِاِمَامٍ اَقَمْتَهٗ عَلَمًا لِّعِبَادِكَ، وَ مَنَارًا فِيْ بِلَادِكَ بَعْدَ اَنْ وَّصَلْتَ حَبْلَهٗ بِحَبْلِكَ، وَ جَعَلْتَهُ الذَّرِيْعَةَ اِلٰى رِضْوَانِكَ، وَ افْتَرَضْتَ طَاعَتَهٗ، وَ حَذَّرْتَ مَعْصِيَتَهٗ، وَ اَمَرْتَ بِامْتِثَالِ اَوَامِرِهٖ، وَ الِانْتِهَآءِ عِنْدَ نَهْيِهٖ، وَ اَلَّا يَتَقَدَّمَهٗ مُتَقَدِّمٌ، وَ لَا يَتَاَخَّرَ عَنْهُ مُتَاَخِّرٌ، فَهُوَ عِصْمَةُ اللَّآئِذِيْنَ، وَ كَهْفُ الْمُؤْمِنِيْنَ، وَ عُرْوَةُ الْمُتَمَسِّكِيْنَ، وَ بَهَآءُ الْعٰلَمِيْنَ.

اَللّٰهُمَّ فَاَوْزِعْ لِوَلِيِّكَ شُكْرَ مَآ اَنْعَمْتَ بِهٖ عَلَيْهِ، وَ اَوْزِعْنَا مِثْلَهٗ فِيْهِ، وَ اٰتِهٖ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِيْرًا، وَ افْتَحْ لَهٗ فَتْحًا يَّسِيْرًا، وَ اَعِنْهُ بِرُكْنِكَ الْاَعَزِّ، وَ اشْدُدْ اَزْرَهٗ، وَ قَوِّ عَضُدَهٗ، وَ رَاعِهٖ بِعَيْنِكَ، وَ احْمِهٖ بِحِفْظِكَ وَ انْصُرْهُ بِمَلٰٓئِكَتِكَ، وَ امْدُدْهُ بِجُنْدِكَ الْاَغْلَبِ، وَ اَقِمْ بِهٖ كِتَابَكَ وَ حُدُوْدَكَ وَ شَرَآئِعَكَ وَ سُنَنَ

کے برابر ہو، ایسی رحمت جو انہیں تیرے تقرب کی منزل اعلیٰ پر پہنچا دے، اور تیرے لئے اور ان کیلئے سرمایہ خوشنودی ہو، اور اپنے ایسی دوسری رحمتوں سے ہمیشہ متصل رہے۔

بار الٰہا! تو نے ہر زمانہ میں ایک ایسے امام کے ذریعہ اپنے دین کی تائید فرمائی ہے جسے تو نے اپنے بندوں کیلئے نشان راہ قرار دیا، اور شہروں میں منار ہدایت بنا کر قائم کیا، جبکہ تو نے اپنے پیمان اطاعت کو اس کے پیمان اطاعت سے وابستہ کر دیا، جسے اپنی رضا و خوشنودی کا ذریعہ قرار دیا، جس کی اطاعت فرض کر دی، جس کی نافرمانی سے ڈرایا، جس کے احکام کی بجا آوری اور جس کے منع کرنے پر باز رہنے کا حکم دیا، اور یہ کہ کوئی آگے بڑھنے والا اس سے آگے نہ بڑھے، اور کوئی پیچھے رہ جانے والا اس سے پیچھے نہ رہے، وہ پناہ طلب کرنے والوں کیلئے سرو سامان حفاظت، اہل ایمان کیلئے جائے پناہ، وابستگان دامن کیلئے مضبوط سہارا اور تمام جہان کی رونق و زیبائش ہے۔

بار الٰہا! اپنے ولی و پیشوا کے دل میں اس انعام پر جو اسے بخشا ہے ادائے شکر کا الہام فرما، اور اس کے وجود کے باعث ویسا ہی ادائے شکر کا جذبہ ہمارے دل میں پیدا کر، اور اسے اپنی طرف سے ایسا تسلط عطا فرما جس سے ہر طرح کی مدد پہنچے، اور اس کیلئے کامیابی و کامرانی کی راہ بآسانی کھول دے، اور اپنے مضبوط سہارے سے اس کی مدد فرما، اس کی پشت کو مضبوط، اور بازو کو قوی کر، اور اپنی نظر توجہ سے اس کی حفاظت اور اپنی نگہداشت سے اس کی حمایت فرما، اور اپنے فرشتوں کے ذریعہ اس کی مدد اور اپنے

رَسُولِكَ، صَلَوَاتُكَ اللّٰهُمَّ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ، وَ اَحْيِ بِهٖ مَآ اَمَاتَهُ الظّٰالِمُوْنَ مِنْ مَّعَالِمِ دِيْنِكَ، وَ اجْلُ بِهٖ صَدَآءَ الْجَوْرِ عَنْ طَرِيْقَتِكَ، وَ اَبِنْ بِهِ الضَّرَّآءَ مِنْ سَبِيْلِكَ، وَ اَزِلْ بِهِ النّٰاكِبِيْنَ عَنْ صِرَاطِكَ، وَ امْحَقْ بِهٖ بُغَاةَ قَصْدِكَ عِوَجًا، وَ اَلِنْ جَانِبَهٗ لِاَوْلِيَآئِكَ، وَ ابْسُطْ يَدَهٗ عَلٰى اَعْدَآئِكَ، وَ هَبْ لَنَا رَاْفَتَهٗ وَ رَحْمَتَهٗ، وَ تَعَطُّفَهٗ وَ تَحَنُّنَهٗ، وَ اجْعَلْنَا لَهٗ سَامِعِيْنَ مُطِيْعِيْنَ، وَ فِيْ رِضَاهُ سَاعِيْنَ، وَ اِلٰى نُصْرَتِهٖ وَ الْمُدَافَعَةِ عَنْهُ مُكْنِفِيْنَ، وَ اِلَيْكَ وَ اِلٰى رَسُوْلِكَ صَلَوَاتُكَ اللّٰهُمَّ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ بِذٰلِكَ مُتَقَرِّبِيْنَ.

غالب آنے والے سپاہ ولشکر سے اس کی کمک فرما، اور اس کے ذریعہ اپنی کتاب اور حدود واحکام اور اپنے رسول (ان پر اے اللہ تیری طرف سے درود ورحمت ہو) کی روشوں کو قائم کر، اور ان کے ذریعہ ظالموں نے دین کے جن نشانات کو مٹا ڈالا ہے از سرنو زندہ کر دے، اور ظلم و جور کے زنگ کو اپنی شریعت سے دور، اور اپنی راہ کی دشواریوں کو برطرف کر دے، اور جو لوگ تیرے راہ صواب سے روگردانی کرنے والے ہیں انہیں ختم اور جو تیرے راہ راست میں کجی پیدا کرتے ہیں انہیں نیست و نابود کر دے، اور اسے اپنے دوستوں کیلئے نرم و بردبار قرار دے، اور دشمنوں (پر غلبہ وتسلط) کیلئے اس کے ہاتھوں کو کھول دے، اور ہمیں اس کی طرف سے رأفت ورحمت اور شفقت ومہربانی عطا فرما، اور اس کی بات پر کان دھرنے والا، اور اطاعت کرنے والا، اور اس کی خوشنودی کیلئے کوشاں رہنے والا، اور اس کی نصرت و تائید اور دشمنوں سے دفاع کے سلسلہ میں مدد دینے والا، اور اس وسیلہ سے تجھ سے اور تیرے رسول (اے خدا ان پر تیرا درود وسلام ہو) سے تقرب چاہنے والا قرار دے۔

اَللّٰهُمَّ وَ صَلِّ عَلٰى اَوْلِيَآئِهِمُ الْمُعْتَرِفِيْنَ بِمَقَامِهِمُ، الْمُتَّبِعِيْنَ مَنْهَجَهُمُ، الْمُقْتَفِيْنَ اٰثَارَهُمُ، الْمُسْتَمْسِكِيْنَ بِعُرْوَتِهِمُ، الْمُتَمَسِّكِيْنَ بِوِلَايَتِهِمُ، الْمُؤْتَمِّيْنَ بِاِمَامَتِهِمُ، الْمُسَلِّمِيْنَ لِاَمْرِهِمُ، الْمُجْتَهِدِيْنَ فِيْ

اے اللہ! ان کے دوستوں پر بھی رحمت نازل فرما جو ان کے مرتبہ و مقام کے معترف، ان کے طریق و مسلک کے تابع، ان کے نقش قدم پر گامزن، ان کے سر رشتہ دین سے وابستہ، ان کی دوستی و ولایت سے متمسک، ان کی امامت کے پیرو، ان کے احکام کے فرمانبردار، ان کی اطاعت میں سرگرم عمل، ان کے

طَاعَتِهِمْ، الْمُنْتَظِرِيْنَ اَيَّامَهُمْ، الْمَادِّيْنَ اِلَيْهِمْ اَعْيُنَهُمْ، الصَّلَوَاتِ الْمُبَارَكَاتِ، الزَّاكِيَاتِ النَّامِيَاتِ، الْغَادِيَاتِ الرَّآئِحَاتِ. وَ سَلِّمْ عَلَيْهِمْ وَ عَلٰٓى اَرْوَاحِهِمْ، وَ اجْمَعْ عَلَى التَّقْوٰى اَمْرَهُمْ، وَ اَصْلِحْ لَهُمْ شُؤُوْنَهُمْ، وَ تُبْ عَلَيْهِمْ، اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ، وَ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ، وَ اجْعَلْنَا مَعَهُمْ فِيْ دَارِ السَّلَامِ بِرَحْمَتِكَ يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.

اَللّٰهُمَّ هٰذَا يَوْمُ عَرَفَةَ يَوْمٌ شَرَّفْتَهٗ وَكَرَّمْتَهٗ وَ عَظَّمْتَهٗ، نَشَرْتَ فِيْهِ رَحْمَتَكَ، وَ مَنَنْتَ فِيْهِ بِعَفْوِكَ، وَ اَجْزَلْتَ فِيْهِ عَطِيَّتَكَ، وَ تَفَضَّلْتَ بِهٖ عَلٰى عِبَادِكَ.

اَللّٰهُمَّ وَ اَنَا عَبْدُكَ الَّذِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِ قَبْلَ خَلْقِكَ لَهٗ وَ بَعْدَ خَلْقِكَ اِيَّاهُ، فَجَعَلْتَهٗ مِمَّنْ هَدَيْتَهٗ لِدِيْنِكَ، وَ وَفَّقْتَهٗ لِحَقِّكَ، وَ عَصَمْتَهٗ بِحَبْلِكَ، وَ اَدْخَلْتَهٗ فِيْ حِزْبِكَ، وَ اَرْشَدْتَّهٗ لِمُوَالَاةِ اَوْلِيَآئِكَ، وَ مُعَادَاةِ اَعْدَآئِكَ.

ثُمَّ اَمَرْتَهٗ فَلَمْ يَأْتَمِرْ، وَ زَجَرْتَهٗ فَلَمْ يَنْزَجِرْ، وَ نَهَيْتَهٗ عَنْ مَّعْصِيَتِكَ فَخَالَفَ اَمْرَكَ اِلٰى نَهْيِكَ، لَا مُعَانَدَةً لَّكَ،

زمانہ اقتدار کے منتظر اور ان کیلئے چشم براہ ہیں، ایسی رحمت جو بابرکت، پاکیزہ اور بڑھنے والی اور ہر صبح و شام نازل ہونے والی ہو، اور ان پر اور ان کے ارواح (طیبہ) پر سلامتی نازل فرما، اور ان کے کاموں کو صلاح وتقویٰ کی بنیادوں پر قائم کر، اوران کے حالات کی اصلاح فرما، اور ان کی توبہ قبول فرما، بیشک تو توبہ قبول کرنے والا، رحم کرنے والا، اورسب سے بہتر بخشنے والا ہے، اورہمیں اپنی رحمت کے وسیلہ سے ان کے ساتھ دارالسلام (جنت) میں جگہ دے، اے سب رحیموں سے زیادہ رحیم۔

پروردگارا! یہ روزعرفہ وہ دن ہے جسے تو نے شرف، عزت اور عظمت بخشی ہے، جس میں اپنی رحمتیں پھیلا دیں اور اپنے عفو و درگزر سے احسان فرمایا، اپنے عطیوں کو فراواں کیا اور اس کے وسیلہ سے اپنے بندوں پر تفضّل فرمایا ہے۔

اے اللہ! میں تیرا وہ بندہ ہوں جس پر تو نے اس کی خلقت سے پہلے اور خلقت کے بعد انعام واحسان فرمایا ہے، اس طرح کہ اسے ان لوگوں میں سے قرار دیا جنہیں تو نے اپنے دین کی ہدایت کی، اپنے ادائے حق کی توفیق بخشی، جن کی اپنی ریسماں کے ذریعہ حفاظت کی، جنہیں اپنی جماعت میں داخل کیا، اور اپنے دوستوں کی دوستی اور دشمنوں کی دشمنی کی ہدایت فرمائی ہے۔

بااین ہمہ تو نے اسے حکم دیا تو اس نے حکم نہ مانا، اور منع کیا تو وہ باز نہ آیا، اور اپنی معصیت سے روکا تو وہ تیرے حکم کے خلاف امر ممنوع کا مرتکب ہوا، یہ تجھ سے عناد اور تیرے مقابلہ میں تکبر کی

وَ لَا اسْتِكْبَارًا عَلَيْكَ، بَلْ دَعَاهُ هَوَاهُ اِلٰى مَا زَيَّلْتَهٗ، وَ اِلٰى مَا حَذَّرْتَهٗ، وَ اَعَانَهٗ عَلٰى ذٰلِكَ عَدُوُّكَ وَ عَدُوُّهٗ، فَاَقْدَمَ عَلَيْهِ عَارِفًا بِوَعِيْدِكَ، رَاجِيًا لِّعَفْوِكَ، وَاثِقًا بِتَجَاوُزِكَ، وَ كَانَ اَحَقَّ عِبَادِكَ مَعَ مَا مَنَنْتَ عَلَيْهِ اَلَّا يَفْعَلَ.

رو سے نہ تھا، بلکہ خواہش نفس نے اسے ایسے کاموں کی دعوت دی جن سے تو نے روکا اور ڈرایا تھا، اور تیرے دشمن اور اس کے دشمن (شیطان ملعون) نے ان کاموں میں اس کی مدد کی، چنانچہ اس نے تیری دھمکی سے آگاہ ہونے کے باوجود تیرے عفو کی امید کرتے ہوئے اور تیرے درگزر پر بھروسا رکھتے ہوئے گناہ کی طرف اقدام کیا، حالانکہ ان احسانات کی وجہ سے جو تو نے اس پر کئے تھے تمام بندوں میں وہ اس کا سزاوار تھا کہ ایسا نہ کرتا۔

وَ هَا اَنَا ذَا بَيْنَ يَدَيْكَ صَاغِرًا ذَلِيْلًا، خَاضِعًا خَاشِعًا خَآئِفًا، مُعْتَرِفًا بِعَظِيْمٍ مِّنَ الذُّنُوْبِ تَحَمَّلْتُهٗ، وَ جَلِيْلٍ مِّنَ الْخَطَايَا اجْتَرَمْتُهٗ، مُسْتَجِيْرًا بِصَفْحِكَ، لَآئِذًا بِرَحْمَتِكَ، مُوْقِنًا اَنَّهٗ لَا يُجِيْرُنِیْ مِنْكَ مُجِيْرٌ، وَ لَا يَمْنَعُنِیْ مِنْكَ مَانِعٌ.

اچھا پھر میں تیرے سامنے کھڑا ہوں بالکل خوار و ذلیل، سراپا عجز و نیاز اور لرزاں و ترساں، ان عظیم گناہوں کا جن کا بوجھ اپنے سر اٹھایا ہے، اور ان بڑی خطاؤں کا جن کا ارتکاب کیا ہے، اعتراف کرتا ہوا، تیرے دامن عفو میں پناہ چاہتا ہوا، اور تیری رحمت کا سہارا ڈھونڈتا ہوا، اور یہ یقین رکھتا ہوا کہ کوئی پناہ دینے والا (تیرے عذاب سے) مجھے پناہ نہیں دے سکتا، اور کوئی بچانے والا (تیرے غضب سے) مجھے بچا نہیں سکتا۔

فَعُدْ عَلَیَّ بِمَا تَعُوْدُ بِهٖ عَلٰى مَنِ اقْتَرَفَ مِنْ تَغَمُّدِكَ، وَ جُدْ عَلَیَّ بِمَا تَجُوْدُ بِهٖ عَلٰى مَنْ اَلْقٰى بِيَدِهٖۤ اِلَيْكَ مِنْ عَفْوِكَ، وَ امْنُنْ عَلَیَّ بِمَا لَا يَتَعَاظَمُكَ اَنْ تَمُنَّ بِهٖ عَلٰى مَنْ اَمَّلَكَ مِنْ غُفْرَانِكَ.

لہٰذا (اس اعتراف گناہ و اظہار ندامت کے بعد) تو میری پردہ پوشی فرما جس طرح گنہگاروں کی پردہ پوشی فرماتا ہے، اور مجھے معافی عطا کر جس طرح ان لوگوں کو معافی عطا کرتا ہے جنہوں نے اپنے آپ کو تیرے حوالے کر دیا ہو، اور مجھ پر اس بخشش و آمرزش کے ساتھ احسان فرما کہ جس بخشش و آمرزش سے تو اپنے امیدوار پر احسان کرتا ہے تو تجھے بڑی نہیں معلوم ہوتی۔

وَ اجْعَلْ لِّیْ فِیْ هٰذَا الْيَوْمِ نَصِيْبًا اَنَالُ بِهٖ حَظًّا مِّنْ رِضْوَانِكَ، وَ لَا تَرُدَّنِیْ صِفْرًا

اور میرے لئے آج کے دن ایسا حظ و نصیب قرار دے کہ جس کے ذریعہ تیری رضامندی کا کچھ حصہ پا سکوں، اور تیرے عبادت

مِمَّا يَنْقَلِبُ بِهِ الْمُتَعَبِّدُوْنَ لَكَ مِنْ عِبَادِكَ، وَ اِنِّيْ وَ اِنْ لَّمْ اُقَدِّمْ مَا قَدَّمُوْهُ مِنَ الصَّالِحَاتِ، فَقَدْ قَدَّمْتُ تَوْحِيْدَكَ وَ نَفْيَ الْاَضْدَادِ وَ الْاَنْدَادِ وَ الْاَشْبَاهِ عَنْكَ، وَ اَتَيْتُكَ مِنَ الْاَبْوَابِ الَّتِيْۤ اَمَرْتَ اَنْ تُؤْتٰى مِنْهَا، وَ تَقَرَّبْتُ اِلَيْكَ بِمَا لَا يَقْرُبُ اَحَدٌ مِّنْكَ اِلَّا بِالتَّقَرُّبِ بِهٖ.

ثُمَّ اَتْبَعْتُ ذٰلِكَ بِالْاِنَابَةِ اِلَيْكَ، وَ التَّذَلُّلِ وَ الِاسْتِكَانَةِ لَكَ، وَ حُسْنِ الظَّنِّ بِكَ، وَ الثِّقَةِ بِمَا عِنْدَكَ، وَ شَفَعْتُهٗ بِرَجَآئِكَ الَّذِيْ قَلَّ مَا يَخِيْبُ عَلَيْهِ رَاجِيْكَ، وَ سَئَلْتُكَ مَسْئَلَةَ الْحَقِيْرِ الذَّلِيْلِ، الْبَآئِسِ الْفَقِيْرِ الْخَآئِفِ الْمُسْتَجِيْرِ، وَ مَعَ ذٰلِكَ خِيْفَةً وَّ تَضَرُّعًا، وَ تَعَوُّذًا وَّ تَلَوُّذًا، لَا مُسْتَطِيْلًا بِتَكَبُّرِ الْمُتَكَبِّرِيْنَ، وَ لَا مُتَعَالِيًا بِدَالَّةِ الْمُطِيْعِيْنَ، وَ لَا مُسْتَطِيْلًا بِشَفَاعَةِ الشَّافِعِيْنَ، وَ اَنَا بَعْدُ اَقَلُّ الْاَقَلِّيْنَ، وَ اَذَلُّ الْاَذَلِّيْنَ، وَ مِثْلُ الذَّرَّةِ اَوْ دُوْنَهَا.

فَيَا مَنْ لَّمْ يُعَاجِلِ الْمُسِيْٓئِيْنَ، وَ لَا يَنْدَهُ الْمُتْرَفِيْنَ، وَ يَا مَنْ يَّمُنُّ

گزار بندے جو (اجر وثواب کے) تحائف لے کر پلٹے ہیں مجھے ان سے خالی ہاتھ نہ پھیر، اگر چہ وہ نیک اعمال جو انہوں نے آگے بھیجے ہیں میں نے آگے نہیں بھیجے، لیکن میں نے تیری وحدت و یکتائی کا عقیدہ اور یہ کہ تیرا کوئی حریف، شریک کار اور مثل ونظیر نہیں ہے پیش کیا ہے، اور انہی دروازوں سے جن دروازوں سے تو نے آنے کا حکم دیا ہے آیا ہوں، اور ایسی چیز کے ذریعہ جس کے بغیر کوئی تجھ سے تقرب حاصل نہیں کر سکتا تقرب چاہا ہے۔

پھر تیری طرف رجوع و بازگشت، تیری بارگاہ میں تذلل و عاجزی، اور تجھ سے نیک گمان، اور تیری رحمت پر اعتماد کو طلب تقرب کے ہمراہ رکھا ہے، اور اس کے ساتھ ایسی امید کا ضمیمہ بھی لگا دیا ہے جس کے ہوتے ہوئے تجھ سے امید رکھنے والا محروم نہیں رہتا، اور تجھ سے اسی طرح سوال کیا ہے جس طرح کوئی بے قدر، ذلیل، شکستہ حال، تہی دست، خوف زدہ اور طلبگار پناہ سوال کرتا ہے، اور اس حالت کے باوجود میرا یہ سوال خوف، عجز و نیاز مندی، پناہ طلبی اور امان خواہی کی رو سے ہے، نہ متکبروں کے تکبر کے ساتھ برتری جتلاتے، نہ اطاعت گزاروں کے (اپنی عبادت پر) فخر واعتماد کی بنا پر اتراتے اور نہ سفارش کرنے والوں کی سفارش پر سر بلندی دکھاتے ہوئے اور میں اس اعتراف کے ساتھ تمام کمتروں سے کمتر، خوار و ذلیل لوگوں سے ذلیل تر، اور ایک چیونٹی کے مانند بلکہ اس سے بھی پست تر ہوں۔

اے وہ جو گنہگاروں پر عذاب کرنے میں جلدی نہیں کرتا اور نہ سرکشوں کو (اپنی نعمتوں سے) روکتا ہے! اے وہ جو لغزش کرنے

بِاِقَالَةِ الْعَاثِرِيْنَ، وَ يَتَفَضَّلُ بِاِنْظَارِ الْخَاطِئِيْنَ.

والوں سے درگزر فرما کر احسان کرتا ہے اور گنہگاروں کو مہلت دے کر تفضّل فرماتا ہے!

اَنَا الْمُسِيْٓءُ الْمُعْتَرِفُ الْخَاطِئُ الْعَاثِرُ، اَنَا الَّذِىْ اَقْدَمَ عَلَيْكَ مُجْتَرِئًا، اَنَا الَّذِىْ عَصَاكَ مُتَعَمِّدًا، اَنَا الَّذِى اسْتَخْفٰى مِنْ عِبَادِكَ وَ بَارَزَكَ، اَنَا الَّذِىْ هَابَ عِبَادَكَ وَ اَمِنَكَ، اَنَا الَّذِىْ لَمْ يَرْهَبْ سَطْوَتَكَ، وَ لَمْ يَخَفْ بَأْسَكَ، اَنَا الْجَانِىْ عَلٰى نَفْسِهٖ، اَنَا الْمُرْتَهَنُ بِبَلِيَّتِهٖ، اَنَا الْقَلِيْلُ الْحَيَآءِ، اَنَا الطَّوِيلُ الْعَنَآءِ.

میں وہ ہوں جو گنہگار گناہ کا معترف، خطا کار اور لغزش کرنے والا ہوں، میں وہ ہوں جس نے تیرے مقابلہ میں جرأت سے کام لیتے ہوئے پیش قدمی کی، میں وہ ہوں جس نے دیدہ دانستہ گناہ کئے، میں وہ ہوں جس نے (اپنے گناہوں کو) تیرے بندوں سے چھپایا اور تیرے سامنے کھلم کھلا مخالفت کی، میں وہ ہوں جو تیرے بندوں سے ڈرتا رہا اور تجھ سے بےخوف رہا، میں وہ ہوں جو تیری ہیبت سے ہراساں اور تیرے عذاب سے خوف زدہ نہ ہوا، میں خود ہی اپنے حق میں مجرم اور بلا و مصیبت کے ہاتھوں میں گروی ہوں، میں ہی شرم و حیا سے عاری اور طویل رنج و تکلیف میں مبتلا ہوں۔

بِحَقِّ مَنِ انْتَجَبْتَ مِنْ خَلْقِكَ، وَ بِمَنِ اصْطَفَيْتَهٗ لِنَفْسِكَ، بِحَقِّ مَنِ اخْتَرْتَ مِنْ بَرِيَّتِكَ، وَ مَنِ اجْتَبَيْتَ لِشَاْنِكَ، بِحَقِّ مَنْ وَّصَلْتَ طَاعَتَهٗ بِطَاعَتِكَ، وَ مَنْ جَعَلْتَ مَعْصِيَتَهٗ كَمَعْصِيَتِكَ، بِحَقِّ مَنْ قَرَنْتَ مُوَالَاتَهٗ بِمُوَالَاتِكَ، وَ مَنْ نُّطْتَ مُعَادَاتَهٗ بِمُعَادَاتِكَ.

میں تجھے اس کے حق کا واسطہ دیتا ہوں جسے تو نے مخلوقات میں سے منتخب کیا، اس کے حق کا واسطہ دیتا ہوں جسے تو نے اپنے لئے پسند فرمایا، اس کے حق کا واسطہ دیتا ہوں جسے تو نے کائنات میں سے برگزیدہ کیا اور جسے اپنے احکام (کی تبلیغ) کیلئے چن لیا، اس کے حق کا واسطہ دیتا ہوں جس کی اطاعت کو اپنی اطاعت سے ملا دیا اور جس کی نافرمانی کو اپنی نافرمانی کے مانند قرار دیا، اس کے حق کا واسطہ دیتا ہوں جس کی محبت کو اپنی محبت سے مقرون اور جس کی دشمنی کو اپنی دشمنی سے وابستہ کیا ہے۔

تَغَمَّدْنِىْ فِىْ يَوْمِىْ هٰذَا بِمَا تَتَغَمَّدُ بِهٖ مَنْ جَارَ اِلَيْكَ مُتَنَصِّلًا، وَ عَاذَ بِاسْتِغْفَارِكَ تَآئِبًا،

مجھے آج کے دن اس دامن رحمت میں ڈھانپ لے جس سے ایسے شخص کو ڈھانپتا ہے جو گناہوں سے دست بردار ہو کر تجھ سے نالہ و فریاد کرے، اور تائب ہو کر تیرے دامنِ مغفرت میں پناہ

وَ تَوَلَّنِیْ بِمَا تَتَوَلّٰی بِهٖۤ اَهْلَ طَاعَتِكَ، وَ الزُّلْفٰی لَدَیْكَ وَ الْمَكَانَةِ مِنْكَ، وَ تَوَحَّدْنِیْ بِمَا تَتَوَحَّدُ بِهٖ مَنْ وَّفٰی بِعَهْدِكَ، وَ اَتْعَبَ نَفْسَهٗ فِیْ ذَاتِكَ، وَ اَجْهَدَهَا فِیْ مَرْضَاتِكَ، وَ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِتَفْرِیْطِیْ فِیْ جَنْۢبِكَ، وَ تَعَدِّیْ طَوْرِیْ فِیْ حُدُوْدِكَ، وَ مُجَاوَزَةِ اَحْكَامِكَ، وَ لَا تَسْتَدْرِجْنِیْ بِاِمْلَآئِكَ لِیْ، اسْتِدْرَاجَ مَنْ مَّنَعَنِیْ خَیْرَ مَا عِنْدَهٗ، وَ لَمْ یَشْرَكْكَ فِیْ حُلُوْلِ نِعْمَتِهٖ بِیْ.

چاہے، اور جس طرح اپنے اطاعت گزاروں اور قرب و منزلت والوں کی سرپرستی فرماتا ہے اسی طرح میری سرپرستی فرما، اور جس طرح ان لوگوں پر جنہوں نے تیرے عہد کو پورا کیا، تیری خاطر اپنے کو تعب و مشقت میں ڈالا اور تیری رضامندیوں کیلئے سختیوں کو جھیلا، خود تن تنہا احسان کرتا ہے اسی طرح مجھ پر بھی تن تنہا احسان فرما، اور تیرے حق میں کوتاہی کرنے، تیرے حدود سے متجاوز ہونے، اور تیرے احکام کے پس پشت ڈالنے پر میرا مؤاخذہ نہ کر، اور مجھے اس شخص کے مہلت دینے کی طرح مہلت دے کر رفتہ رفتہ اپنے عذاب کا مستحق نہ بنا جس نے اپنی بھلائی کو مجھ سے روک لیا، اور سمجھتا یہ ہے کہ بس وہی نعمت کا دینے والا ہے، یہاں تک کہ تجھے بھی ان نعمتوں کے دینے میں شریک نہ سمجھا ہو۔

وَ نَبِّهْنِیْ مِنْ رَّقْدَةِ الْغَافِلِیْنَ، وَ سِنَةِ الْمُسْرِفِیْنَ، وَ نَعْسَةِ الْمَخْذُوْلِیْنَ، وَ خُذْ بِقَلْبِیْ اِلٰی مَا اسْتَعْمَلْتَ بِهِ الْقَانِتِیْنَ، وَ اسْتَعْبَدْتَّ بِهِ الْمُتَعَبِّدِیْنَ، وَ اسْتَنْقَذْتَ بِهِ الْمُتَهَاوِنِیْنَ.

مجھے غفلت شعاروں کی نیند، بے راہروؤں کے خواب اور حرماں نصیبوں کی غفلت سے ہوشیار کر دے، اور میرے دل کو اس راہ عمل پر لگا جس پر تو نے اطاعت گزاروں کو لگایا ہے، اور اس عبادت کی طرف مائل فرما جو عبادت گزاروں سے تو نے چاہی ہے، اور ان چیزوں کی ہدایت کر جن کے وسیلہ سے سہل انگاروں کو رہائی بخشی ہے۔

وَ اَعِذْنِیْ مِمَّا یُبَاعِدُنِیْ عَنْكَ، وَ یَحُوْلُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ حَظِّیْ مِنْكَ، وَ یَصُدُّنِیْ عَمَّاۤ اُحَاوِلُ لَدَیْكَ، وَ سَهِّلْ لِیْ مَسْلَكَ الْخَیْرَاتِ اِلَیْكَ، وَ الْمُسَابَقَةَ اِلَیْهَا مِنْ حَیْثُ اَمَرْتَ، وَ الْمُشَاحَّةَ فِیْهَا

اور جو باتیں تیری بارگاہ سے دور کر دیں اور میرے اور تیرے ہاں کے حظ و نصیب کے درمیان حائل اور تیرے ہاں کے مقصد و مراد سے مانع ہو جائیں ان سے محفوظ رکھ، اور نیکیوں کی راہ پیمائی اور ان کی طرف سبقت، جس طرح تو نے حکم دیا ہے اور ان کی بڑھ چڑھ کر خواہش جیسا کہ تو نے چاہا ہے، میرے

عَلٰى مَاۤ اَرَدْتَ.

وَ لَا تَمْحَقْنِيْ فِيْمَنْ تَمْحَقُ مِنَ الْمُسْتَخِفِّيْنَ بِمَاۤ اَوْعَدْتَّ، وَ لَا تُهْلِكْنِيْ مَعَ مَنْ تُهْلِكُ مِنَ الْمُتَعَرِّضِيْنَ لِمَقْتِكَ، وَ لَا تُتَبِّرْنِيْ فِيْمَنْ تُتَبِّرُ مِنَ الْمُنْحَرِفِيْنَ عَنْ سُبُلِكَ، وَ نَجِّنِيْ مِنْ غَمَرَاتِ الْفِتْنَةِ، وَ خَلِّصْنِيْ مِنْ لَّهَوَاتِ الْبَلْوٰى، وَ اَجِرْنِيْ مِنْ اَخْذِ الْاِمْلَآءِ، وَ حُلْ بَيْنِيْ وَ بَيْنَ عَدُوٍّ يُّضِلُّنِيْ، وَ هَوًى يُّوْبِقُنِيْ، وَ مَنْقَصَةٍ تَرْهَقُنِيْ.

وَ لَا تُعْرِضْ عَنِّيْۤ اِعْرَاضَ مَنْ لَّا تَرْضٰى عَنْهُ بَعْدَ غَضَبِكَ، وَ لَا تُؤْيِسْنِيْ مِنَ الْاَمَلِ فِيْكَ، فَيَغْلِبَ عَلَيَّ الْقُنُوْطُ مِنْ رَّحْمَتِكَ، وَ لَا تَمْنَحْنِيْ بِمَا لَا طَاقَةَ لِيْ بِهٖ، فَتَبْهَظَنِيْ مِمَّا تُحَمِّلُنِيْهِ مِنْ فَضْلِ مَحَبَّتِكَ، وَ لَا تُرْسِلْنِيْ مِنْ يَدِكَ اِرْسَالَ مَنْ لَّا خَيْرَ فِيْهِ، وَ لَا حَاجَةَ بِكَ اِلَيْهِ، وَ لَاۤ اِنَابَةَ لَهٗ، وَ لَا تَرْمِ بِيْ رَمْيَ مَنْ سَقَطَ مِنْ عَيْنِ رِعَايَتِكَ، وَ مَنِ اشْتَمَلَ عَلَيْهِ الْخِزْيُ مِنْ عِنْدِكَ، بَلْ خُذْ

لئے سہل و آسان کر۔

اور اپنے عذاب و وعید کو سبک سمجھنے والوں کے ساتھ کہ جنہیں تو تباہ کرے گا مجھے تباہ نہ کرنا، اور جنہیں دشمنی پر آمادہ ہونے کی وجہ سے ہلاک کرے گا ان کے ساتھ مجھے ہلاک نہ کرنا، اور اپنی سیدھی راہوں سے انحراف کرنے والوں کے زمرہ میں کہ جنہیں تو برباد کرے گا مجھے برباد نہ کرنا، اور فتنہ و فساد کے بھنور سے مجھے نجات دے، اور بلا کے منہ سے چھڑا لے، اور زمانۂ مہلت (کی بداعمالیوں) پر گرفت سے پناہ دے، اور اس دشمن کے درمیان جو مجھے بہکائے، اور اس خواہش نفس کے درمیان جو مجھے تباہ و برباد کرے، اور اس نقص و عیب کے درمیان جو مجھے گھیر لے، حائل ہو جا۔

اور جیسے اس شخص سے کہ جس پر غضب ناک ہونے کے بعد تو راضی نہ ہو رخ پھیر لیتا ہے اسی طرح مجھ سے رخ نہ پھیر، اور جو امیدیں تیرے دامن سے وابستہ کئے ہوئے ہوں ان میں مجھے بے آس نہ کر کہ تیری رحمت سے یاس و ناامیدی مجھ پر غالب آ جائے، اور مجھے اتنی نعمتیں بھی نہ بخش کہ جن کے اٹھانے کی میں طاقت نہیں رکھتا کہ تو فراوانی محبت سے مجھ پر وہ بار لاد دے جو مجھے گرانبار کر دے، اور مجھے اس طرح اپنے ہاتھ سے نہ چھوڑ دے جس طرح اسے چھوڑ دیتا ہے جس میں کوئی بھلائی نہ ہو، اور نہ تجھے اس سے کوئی مطلب ہو اور نہ اس کیلئے توبہ و بازگشت ہو اور مجھے اس طرح نہ پھینک دے جس طرح اسے پھینک دیتا ہے جو تیری نظر توجہ سے گر چکا ہو اور تیری طرف سے ذلّت و رسوائی اس پر چھائی

بِيَدِیْ مِنْ سَقْطَةِ الْمُتَرَدِّيْنَ، وَ وَهْلَةِ الْمُتَعَسِّفِيْنَ، وَ زَلَّةِ الْمَغْرُوْرِيْنَ، وَ وَرْطَةِ الْهَالِكِيْنَ.

وَ عَافِنِیْ مِمَّا ابْتَلَيْتَ بِهٖ طَبَقَاتِ عَبِيْدِكَ وَ اِمَآئِكَ، وَ بَلِّغْنِیْ مَبَالِغَ مَنْ عُنِيْتَ بِهٖ، وَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِ، وَ رَضِيْتَ عَنْهُ، فَاَعَشْتَهٗ حَمِيْدًا، وَ تَوَفَّيْتَهٗ سَعِيْدًا، وَ طَوِّقْنِیْ طَوْقَ الْاِقْلَاعِ عَمَّا يُحْبِطُ الْحَسَنَاتِ، وَ يَذْهَبُ بِالْبَرَكَاتِ، وَ اَشْعِرْ قَلْبِیَ الْاِزْدِجَارَ عَنْ قَبَآئِحِ السَّيِّئَاتِ، وَ فَوَاضِحِ الْحَوْبَاتِ، وَ لَا تَشْغَلْنِیْ بِمَا لَآ اُدْرِكُهٗٓ اِلَّا بِكَ عَمَّا لَا يُرْضِيْكَ عَنِّیْ غَيْرُهٗ، وَ انْزِعْ مِنْ قَلْبِیْ حُبَّ دُنْيَا دَنِيَّةٍ تَنْهٰى عَمَّا عِنْدَكَ، وَ تَصُدُّ عَنِ ابْتِغَآءِ الْوَسِيْلَةِ اِلَيْكَ، وَ تُذْهِلُ عَنِ التَّقَرُّبِ مِنْكَ، وَ زَيِّنْ لِیَ التَّفَرُّدَ بِمُنَاجَاتِكَ بِاللَّيْلِ وَ النَّهَارِ، وَ هَبْ لِیْ عِصْمَةً تُدْنِيْنِیْ مِنْ خَشْيَتِكَ، وَ تَقْطَعُنِیْ عَنْ رُّكُوْبِ مَحَارِمِكَ، وَ تَفُكَّنِیْ مِنْ اَسْرِ الْعَظَآئِمِ.

ہوئی ہو، بلکہ گرنے والوں کے گرنے سے اور کجرؤوں کے خوف و ہراس سے اور فریب خوردہ لوگوں کے لغزش کھانے سے اور ہلاک ہونے والوں کے ورطہ ہلاکت میں گرنے سے میرا ہاتھ تھام لے۔

اور اپنے بندوں اور کنیزوں کے مختلف طبقوں کو جن چیزوں میں مبتلا کیا ہے ان سے مجھے عافیت وسلامتی بخش، اور جنہیں تو نے موردِ عنایت قرار دیا، جنہیں نعمتیں عطا کیں، جن سے راضی و خوشنود ہوا، جنہیں قابل ستائش زندگی بخشی اور سعادت و کامرانی کے ساتھ موت دی، ان کے مراتب و درجات پر مجھے فائز کر، اور وہ چیزیں جو نیکیوں کو محو اور برکتوں کو زائل کر دیں ان سے کنارہ کشی اس طرح میرے لئے لازم کر دے جس طرح گردن میں پڑا ہوا طوق، اور برے گناہوں اور رسوا کرنے والی معصیتوں سے علیحدگی و نفرت کو میرے دل کیلئے اس طرح ضروری قرار دے جس طرح بدن سے چمٹا ہوا لباس، اور مجھے دنیا میں مصروف کر کے کہ جسے تیری مدد کے بغیر حاصل نہیں کر سکتا ان اعمال سے کہ جن کے علاوہ تجھے کوئی اور چیز مجھ سے خوش نہیں کر سکتی، روک نہ دے، اور اس پست دنیا کی محبت کہ جو تیرے ہاں کی سعادت ابدی کی طرف متوجہ ہونے سے مانع اور تیری طرف وسیلہ طلب کرنے سے سدِ راہ اور تیرا تقرب حاصل کرنے سے غافل کرنے والی ہے، میرے دل سے نکال دے، اور میرے لئے شب و روز تیری مناجات کیلئے تنہائی کو خوش نما بنا دے، اور مجھے وہ ملکہ عصمت عطا فرما جو مجھے تیرے خوف سے قریب، ارتکاب محرمات سے الگ اور کبیرہ گناہوں کے بندھنوں سے رہا کر دے۔

وَ هَبْ لِيَ التَّطْهِيْرَ مِنْ دَنَسِ الْعِصْيَانِ، وَ اَذْهِبْ عَنِّيْ دَرَنَ الْخَطَايَا، وَ سَرْبِلْنِيْ بِسِرْبَالِ عَافِيَتِكَ، وَ رَدِّنِيْ رِدَآءَ مُعَافَاتِكَ، وَ جَلِّلْنِيْ سَوَابِغَ نَعْمَآئِكَ، وَ ظَاهِرْ لَدَيَّ فَضْلَكَ وَ طَوْلَكَ، وَ اَيِّدْنِيْ بِتَوْفِيْقِكَ وَ تَسْدِيْدِكَ، وَ اَعِنِّيْ عَلٰى صَالِحِ النِّيَّةِ، وَ مَرْضِيِّ الْقَوْلِ، وَ مُسْتَحْسَنِ الْعَمَلِ، وَ لَا تَكِلْنِيْۤ اِلٰى حَوْلِيْ وَ قُوَّتِيْ دُوْنَ حَوْلِكَ وَ قُوَّتِكَ.

اور مجھے گناہوں کی آلودگی سے پاکیزگی عطا فرما، اور معصیت کی کثافتوں کو مجھ سے دور کر دے، اور اپنی عافیت کا جامہ مجھے پہنا دے، اور اپنی سلامتی کی چادر اوڑھا دے، اور اپنی وسیع نعمتوں سے مجھے ڈھانپ لے، اور میرے لئے اپنے عطایا وانعامات کا سلسلہ پیہم جاری رکھ، اور اپنی توفیق و راہ حق کی راہ نمائی سے مجھے تقویت دے، اور پاکیزہ نیت، پسندیدہ گفتار اور شائستہ کردار کے سلسلہ میں میری مدد فرما، اور اپنی قوت وطاقت کے بجائے مجھے میری قوت وطاقت کے حوالے نہ کر۔

وَ لَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ تَبْعَثُنِيْ لِلِقَآئِكَ، وَ لَا تَفْضَحْنِيْ بَيْنَ يَدَيْ اَوْلِيَآئِكَ، وَ لَا تُنْسِنِيْ ذِكْرَكَ، وَ لَا تُذْهِبْ عَنِّيْ شُكْرَكَ، بَلْ اَلْزِمْنِيْهِ فِيْۤ اَحْوَالِ السَّهْوِ عِنْدَ غَفَلَاتِ الْجَاهِلِيْنَ لِاٰلَآئِكَ، وَ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اُثْنِيَ بِمَاۤ اَوْلَيْتَنِيْهِ، وَ اَعْتَرِفَ بِمَاۤ اَسْدَيْتَهٗ اِلَيَّ.

اور جس دن مجھے اپنی ملاقات کیلئے اٹھائے مجھے ذلیل وخوار اور اپنے دوستوں کے سامنے رسوا نہ کرنا، اور اپنی یاد میرے دل سے فراموش نہ ہونے دے، اور اپنا شکر و سپاس مجھ سے زائل نہ کر، بلکہ جب تیری نعمتوں سے بے خبر، سہو وغفلت کے عالم میں ہوں میرے لئے ادائے شکر لازم قرار دے، اور میرے دل میں یہ بات ڈال دے کہ جو نعمتیں تو نے بخشی ہیں ان پر حمد وتوصیف، اور جو احسانات مجھ پر کئے ہیں ان کا اعتراف کروں۔

وَ اجْعَلْ رَغْبَتِيْۤ اِلَيْكَ فَوْقَ رَغْبَةِ الرَّاغِبِيْنَ، وَ حَمْدِيْۤ اِيَّاكَ فَوْقَ حَمْدِ الْحَامِدِيْنَ، وَ لَا تَخْذُلْنِيْ عِنْدَ فَاقَتِيْۤ اِلَيْكَ، وَ لَا تُهْلِكْنِيْ بِمَاۤ اَسْدَيْتُهٗۤ اِلَيْكَ، وَ لَا تَجْبَهْنِيْ بِمَا جَبَهْتَ بِهِ الْمُعَانِدِيْنَ لَكَ.

اور اپنی طرف میری توجہ کو تمام توجہ کرنے والوں سے بالاتر، اور میری حمد سرائی کو تمام حمد کرنے والوں سے بلند تر قرار دے، اور جب مجھے تیری احتیاج ہو تو مجھے اپنی نصرت سے محروم نہ کرنا، اور جن اعمال کو تیری بارگاہ میں پیش کیا ہے ان کو میرے لئے وجہ ہلاکت نہ قرار دینا، اور جس عمل و کردار کے پیش نظر تو نے اپنے نافرمانوں کو دھتکارا ہے یوں مجھے اپنی بارگاہ سے دھتکار نہ دینا۔

فَاِنِّیْ لَكَ مُسَلِّمٌ، اَعْلَمُ اَنَّ الْحُجَّةَ لَكَ، وَ اَنَّكَ اَوْلٰى بِالْفَضْلِ، وَ اَعْوَدُ بِالْاِحْسَانِ، وَ اَهْلُ التَّقْوٰى، وَ اَهْلُ الْمَغْفِرَةِ، وَ اَنَّكَ بِاَنْ تَعْفُوَ اَوْلٰى مِنْكَ بِاَنْ تُعَاقِبَ، وَ اَنَّكَ بِاَنْ تَسْتُرَ اَقْرَبُ مِنْكَ اِلٰى اَنْ تَشْهَرَ.

اس لئے کہ میں تیرا مطیع وفرمانبردار ہوں، اور یہ جانتا ہوں کہ حجت و برہان تیرے ہی لئے ہے، اور تو فضل و بخشش کا زیادہ سزاوار اور لطف و احسان کے ساتھ فائدہ رساں اور اس لائق ہے کہ تجھ سے ڈرا جائے، اور اس کا اہل ہے کہ مغفرت سے کام لے، اور اس کا زیادہ سزاوار ہے کہ سزا دینے کے بجائے معاف کر دے، اور تشہیر کرنے کے بجائے پردہ پوشی تیری روش سے قریب تر ہے۔

فَاَحْیِنِیْ حَیَاةً طَیِّبَةً تَنْتَظِمُ بِمَاۤ اُرِیْدُ، وَ تَبْلُغُ مَاۤ اُحِبُّ مِنْ حَیْثُ لَاۤ اٰتِیْ مَا تَكْرَهُ، وَ لَاۤ اَرْتَكِبُ مَا نَهَیْتَ عَنْهُ، وَ اَمِتْنِیْ مِیتَةَ مَنْ یَّسْعٰى نُوْرُهٗ بَیْنَ یَدَیْهِ وَ عَنْ یَّمِیْنِهٖ.

تو پھر مجھے ایسی پاکیزہ زندگی دے جو میرے حسب دلخواہ امور پر مشتمل اور میری دل پسند چیزوں پر منتہی ہو، اس طرح کہ جس کام کو تو ناپسند کرے اسے بجا نہ لاؤں، اور جس سے منع کرے اس کا ارتکاب نہ کروں، اور مجھے اس شخص کی سی موت دے جس کا نور اس کے آگے اور اس کے داہنی طرف چلتا ہو۔

وَ ذَلِّلْنِیْ بَیْنَ یَدَیْكَ، وَ اَعِزَّنِیْ عِنْدَ خَلْقِكَ، وَ ضَعْنِیْ اِذَا خَلَوْتُ بِكَ، وَ ارْفَعْنِیْ بَیْنَ عِبَادِكَ، وَ اَغْنِنِیْ عَمَّنْ هُوَ غَنِیٌّ عَنِّیْ، وَ زِدْنِیْ اِلَیْكَ فَاقَةً وَ فَقْرًا. وَ اَعِذْنِیْ مِنْ شَمَاتَةِ الْاَعْدَآءِ، وَ مِنْ حُلُوْلِ الْبَلَآءِ، وَ مِنَ الذُّلِّ وَ الْعَنَآءِ.

اور مجھے اپنی بارگاہ میں عاجز و نگوں سار اور لوگوں کے نزدیک باوقار بنا دے، اور جب تجھ سے تخلیہ میں راز و نیاز کروں تو مجھے پست و سرافگندہ اور اپنے بندوں میں بلند مرتبہ قرار دے، اور جو مجھ سے بے نیاز ہو اس سے مجھے بے نیاز کر دے اور میرے فقر و احتیاج کو اپنی طرف بڑھا دے، اور دشمنوں کے خندۂ زیرلب، بلاؤں کے ورود اور ذلت و سختی سے پناہ دے۔

تَغَمَّدْنِیْ فِیْمَا اطَّلَعْتَ عَلَیْهِ مِنِّیْ، بِمَا یَتَغَمَّدُ بِهِ الْقَادِرُ عَلَى الْبَطْشِ لَوْ لَا حِلْمُهٗ، وَ الْاٰخِذُ عَلَى الْجَرِیْرَةِ لَوْ لَاۤ اَنَاتُهٗ، وَ اِذَاۤ اَرَدْتَّ بِقَوْمٍ فِتْنَةً اَوْ سُوْٓءًا فَنَجِّنِیْ مِنْهَا لِوَاذًا بِكَ،

اور میرے ان گناہوں کے بارے میں کہ جن پر تو مطلع ہے اس شخص کے مانند میری پردہ پوشی فرما کہ اگر اس کا حلم مانع نہ ہوتا تو وہ سخت گرفت پر قادر ہوتا، اور اگر اس کی روش میں نرمی نہ ہوتی تو وہ گناہوں پر مؤاخذہ کرتا، اور جب کسی جماعت کو تو مصیبت میں گرفتار یا بلا و نکبت سے دوچار کرنا چاہے تو درصورتیکہ میں تجھ سے

وَ اِذْ لَمْ تُقِمْنِيْ مَقَامَ فَضِيْحَةٍ فِيْ دُنْيَاكَ، فَلَا تُقِمْنِيْ مِثْلَهٗ فِيْۤ اٰخِرَتِكَ، وَ اشْفَعْ لِيْ اَوَآئِلَ مِنَنِكَ بِاَوَاخِرِهَا، وَ قَدِيْمَ فَوَآئِدِكَ بِحَوَادِثِهَا، وَ لَا تَمْدُدْ لِيْ مَدًّا يَّقْسُوْ مَعَهٗ قَلْبِيْ، وَ لَا تَقْرَعْنِيْ قَارِعَةً يَّذْهَبُ لَهَا بَهَآئِيْ، وَ لَا تَسُمْنِيْ خَسِيْسَةً يَّصْغُرُ لَهَا قَدْرِيْ، وَ لَا نَقِيْصَةً يُّجْهَلُ مِنْ اَجْلِهَا مَكَانِيْ.

پناہ طلب ہوں اس مصیبت سے نجات دے، اور جبکہ تو نے مجھے دنیا میں رسوائی کے مؤقف میں کھڑا نہیں کیا تو اسی طرح آخرت میں بھی رسوائی کے مقام پر کھڑا نہ کرنا، اور میرے لئے دنیوی نعمتوں کو اخروی نعمتوں سے اور قدیم فائدوں کو جدید فائدوں سے ملا دے، اور مجھے اتنی مہلت نہ دے کہ اس کے نتیجہ میں میرا دل سخت ہوجائے، اور ایسی مصیبت میں مبتلا نہ کر جس سے میری عزت و آبرو جاتی رہے، اور ایسی ذلّت سے دوچار نہ کر جس سے میری قدر و منزلت کم ہوجائے، اور ایسے عیب میں گرفتار نہ کر جس سے میرا مرتبہ و مقام جانا نہ جاسکے۔

وَ لَا تَرُعْنِيْ رَوْعَةً اُبْلِسُ بِهَا، وَ لَا خِيْفَةً اُوْجِسُ دُوْنَهَا، اجْعَلْ هَيْبَتِيْ فِيْ وَعِيْدِكَ، وَ حَذَرِيْ مِنْ اِعْذَارِكَ وَ اِنْذَارِكَ، وَ رَهْبَتِيْ عِنْدَ تِلَاوَةِ اٰيَاتِكَ.

اور مجھے اتنا خوف زدہ نہ کر کہ میں مایوس ہوجاؤں، اور ایسا خوف نہ دلا کہ ہراساں ہو جاؤں، میرے خوف کو اپنی وعید و سرزنش میں اور میرے اندیشہ کو تیرے عذر تمام کرنے اور ڈرانے میں منحصر کر دے، اور میرے خوف و ہراس کو آیات (قرآنی) کی تلاوت کے وقت قرار دے۔

وَ اعْمُرْ لَيْلِيْ بِاِيْقَاظِيْ فِيْهِ لِعِبَادَتِكَ، وَ تَفَرُّدِيْ بِالتَّهَجُّدِ لَكَ، وَ تَجَرُّدِيْ بِسُكُوْنِيْۤ اِلَيْكَ، وَ اِنْزَالِ حَوَآئِجِيْ بِكَ، وَ مُنَازَلَتِيْۤ اِيَّاكَ فِيْ فَكَاكِ رَقَبَتِيْ مِنْ نَّارِكَ، وَ اِجَارَتِيْ مِمَّا فِيْهِ اَهْلُهَا مِنْ عَذَابِكَ.

اور مجھے اپنی عبادت کیلئے بیدار رکھنے، خلوت و تنہائی میں دُعا و مناجات کیلئے جاگنے، سب سے الگ رہ کر تجھ سے لو لگانے، تیرے سامنے اپنی حاجتیں پیش کرنے، دوزخ سے گلوخلاصی کیلئے بار بار التجا کرنے اور تیرے اس عذاب سے جس میں اہل دوزخ گرفتار ہیں پناہ مانگنے کے وسیلہ سے میری راتوں کو آباد کر۔

وَ لَا تَذَرْنِيْ فِيْ طُغْيَانِيْ عَامِهًا، وَ لَا فِيْ غَمْرَتِيْ سَاهِيًا حَتّٰى حِيْنٍ، وَ لَا تَجْعَلْنِيْ عِظَةً لِّمَنِ اتَّعَظَ،

اور مجھے سرکشی میں سرگردان چھوڑ نہ دے، اور نہ غفلت میں ایک خاص وقت تک غافل و بے خبر پڑا رہنے دے، اور مجھے نصیحت حاصل کرنے والوں کیلئے نصیحت، عبرت حاصل کرنے

وَ لَا نَكَالًا لِّمَنِ اعْتَبَرَ، وَ لَا فِتْنَةً لِّمَنْ نَّظَرَ، وَ لَا تَمْكُرْ بِيْ فِيْمَنْ تَمْكُرُ بِهٖ، وَ لَا تَسْتَبْدِلْ بِيْ غَيْرِيْ، وَ لَا تُغَيِّرْ لِيَ اسْمًا، وَ لَا تُبَدِّلْ لِيْ جِسْمًا، وَ لَا تَتَّخِذْنِيْ هُزُوًا لِّخَلْقِكَ، وَ لَا سُخْرِيًّا لَّكَ، وَ لَا تَبَعًا اِلَّا لِمَرْضَاتِكَ، وَ لَا مُمْتَهَنًا اِلَّا بِالِانْتِقَامِ لَكَ.

والوں کیلئے عبرت اور دیکھنے والوں کیلئے فتنہ وگمراہی کا سبب نہ قرار دے، اور مجھے ان لوگوں میں جن سے تو (ان کے مکر کی پاداش میں) مکر کرے گا شمار نہ کر، اور (انعام وبخشش کیلئے) میرے عوض دوسرے کو انتخاب نہ کر، میرے نام میں تغیر اور جسم میں تبدیلی نہ فرما، اور مجھے مخلوقات کیلئے مضحکہ اور اپنی بارگاہ میں لائق استہزا نہ قرار دے، مجھے صرف ان چیزوں کا پابند بنا جن سے تیری رضا مندی وابستہ ہے، اور صرف اس زحمت سے دو چار کر جو (تیرے دشمنوں سے) انتقام لینے کے سلسلہ میں ہو۔

وَ اَوْجِدْنِيْ بَرْدَ عَفْوِكَ، وَ حَلَاوَةَ رَحْمَتِكَ، وَ رَوْحِكَ وَ رَيْحَانِكَ، وَ جَنَّةِ نَعِيْمِكَ، وَ اَذِقْنِيْ طَعْمَ الْفَرَاغِ لِمَا تُحِبُّ بِسَعَةٍ مِّنْ سَعَتِكَ، وَ الِاجْتِهَادِ فِيْمَا يُزْلِفُ لَدَيْكَ وَ عِنْدَكَ، وَ اَتْحِفْنِيْ بِتُحْفَةٍ مِّنْ تُحَفَاتِكَ.

اور اپنے عفو و درگزر کی لذت اور رحمت، راحت و آسائش گل و ریحان اور جنت نعیم کی شیرینی سے آشنا کر، اور اپنی وسعت و تونگری کی بدولت ایسی فراغت سے روشناس کر جس میں تیرے پسندیدہ کاموں کو بجا لاسکوں، اور ایسی سعی وکوشش کی توفیق دے جو تیری بارگاہ میں تقرب کا باعث ہو، اور اپنے تحفوں میں سے مجھے نت نیا تحفہ دے۔

وَ اجْعَلْ تِجَارَتِيْ رَابِحَةً، وَ كَرَّتِيْ غَيْرَ خَاسِرَةٍ، وَ اَخِفْنِيْ مَقَامَكَ، وَ شَوِّقْنِيْ لِقَآءَكَ، وَ تُبْ عَلَيَّ تَوْبَةً نَّصُوْحًا، لَا تُبْقِ مَعَهَا ذُنُوْبًا صَغِيْرَةً وَّ لَا كَبِيْرَةً، وَ لَا تَذَرْ مَعَهَا عَلَانِيَةً وَّ لَا سَرِيْرَةً.

اور میری اخروی تجارت کو نفع بخش اور میری بازگشت کو بے ضرر قرار دے، اور مجھے اپنے مقام وموقف سے ڈرا اور اپنی ملاقات کا مشتاق بنا، اور ایسی سچی توبہ کی توفیق عطا فرما کہ جس کے ساتھ میرے چھوٹے اور بڑے گناہوں کو باقی نہ رکھے، اور کھلی اور ڈھکی معصیتوں کو محو کر دے۔

وَ انْزِعِ الْغِلَّ مِنْ صَدْرِيْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ، وَ اعْطِفْ بِقَلْبِيْ عَلَى الْخَاشِعِيْنَ، وَ كُنْ لِّيْ كَمَا تَكُوْنُ لِلصَّالِحِيْنَ،

اور اہل ایمان کی طرف سے میرے دل سے کینہ وبغض کو نکال دے، اور انکسار وفروتنی کرنے والوں پر میرے دل کو مہربان بنا دے، اور میرے لئے تو ایسا ہو جا جیسا نیکوکاروں کیلئے ہے، اور

وَ حَلِّنِیْ حِلْیَةَ الْمُتَّقِیْنَ، وَ اجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْغَابِرِیْنَ، وَ ذِكْرًا نَّامِیًا فِی الْاٰخِرِیْنَ، وَ وَافِ بِیْ عَرْصَةَ الْاَوَّلِیْنَ، وَ تَمِّمْ سُبُوْغَ نِعْمَتِكَ عَلَیَّ، وَ ظَاهِرْ كَرَامَاتِهَا لَدَیَّ، وَ امْلَاْ مِنْ فَوَآئِدِكَ یَدِیْ.

پرہیزگاروں کے زیور سے مجھے آراستہ کر دے، اور آیندہ آنے والوں میں میرا ذکر خیر اور بعد میں آنے والی نسلوں میں میرا ذکر روز افزوں برقرار رکھ، اور سابقون الاولون کے محل ومقام میں مجھے پہنچا دے، اور فراخی نعمت کو مجھ پر تمام کر، اور اس کی منفعتوں کا سلسلہ پیہم جاری رکھ، اپنی نعمتوں سے میرے ہاتھوں کو بھر دے اور اپنی گراں قدر بخششوں کو میری طرف بڑھا دے۔

وَ سُقْ كَرَآئِمَ مَوَاهِبِكَ اِلَیَّ، وَ جَاوِرْ بِیَ الْاَطْیَبِیْنَ مِنْ اَوْلِیَآئِكَ فِی الْجِنَانِ الَّتِیْ زَیَّنْتَهَا لِاَصْفِیَآئِكَ، وَ جَلِّلْنِیْ شَرَآئِفَ نِحَلِكَ فِی الْمَقَامَاتِ الْمُعَدَّةِ لِاَحِبَّآئِكَ، وَ اجْعَلْ لِّیْ عِنْدَكَ مَقِیْلًا اٰوِیْۤ اِلَیْهِ مُطْمَئِنًّا، وَ مَثَابَةً اَتَبَوَّؤُهَا، وَ اَقَرُّ عَیْنًا.

اور جنت میں جسے تو نے اپنے برگزیدہ بندوں کیلئے سجایا ہے مجھے اپنے پاکیزہ دوستوں کا ہمسایہ قرار دے، اور ان جگہوں میں جنہیں اپنے دوستداروں کیلئے مہیا کیا ہے مجھے عمدہ ونفیس عطیوں کے خلعت اوڑھا دے، اور میرے لئے وہ آرامگاہ کہ جہاں میں اطمینان سے بے کھٹکے رہوں اور وہ منزل کہ جہاں میں ٹھہروں اور اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کروں، اپنے نزدیک قرار دے

وَ لَا تُقَایِسْنِیْ بِعَظِیْمَاتِ الْجَرَآئِرِ، وَ لَا تُهْلِكْنِیْ ﴿یَوْمَ تُبْلَی السَّرَآئِرُ ۟﴾، وَ اَزِلْ عَنِّیْ كُلَّ شَكٍّ وَّ شُبْهَةٍ، وَ اجْعَلْ لِّیْ فِی الْحَقِّ طَرِیْقًا مِّنْ كُلِّ رَحْمَةٍ، وَ اَجْزِلْ لِیْ قِسَمَ الْمَوَاهِبِ مِنْ نَّوَالِكَ، وَ وَفِّرْ عَلَیَّ حُظُوْظَ الْاِحْسَانِ مِنْ اِفْضَالِكَ.

اور مجھے میرے عظیم گناہوں کے لحاظ سے سزا نہ دینا اور جس دن دلوں کے بھید جانچے جائیں گے مجھے ہلاک نہ کرنا، ہر شک و شبہ کو مجھ سے دور کر دے، اور میرے لئے ہر سمت سے حق تک پہنچنے کی راہ پیدا کر دے، اور اپنی عطا و بخشش کے حصے میرے لئے زیادہ کر دے، اور اپنے فضل سے نیکی واحسان سے حظ فراواں عطا کر۔

وَ اجْعَلْ قَلْبِیْ وَاثِقًا بِمَا عِنْدَكَ، وَ هَمِّیْ مُسْتَفْرَغًا لِّمَا هُوَ لَكَ، وَ اسْتَعْمِلْنِیْ بِمَا تَسْتَعْمِلُ بِهٖ خَالِصَتَكَ، وَ اَشْرِبْ قَلْبِیْ عِنْدَ ذُهُوْلِ الْعُقُوْلِ طَاعَتَكَ، وَ

اور اپنے ہاں کی چیزوں پر میرا دل مطمئن اور اپنے کاموں کیلئے میری فکر کو یک سو کر دے، اور مجھ سے وہی کام لے جو اپنے مخصوص بندوں سے لیتا ہے، اور جب عقلیں غفلت میں پڑ جائیں اس وقت

اجْمَعْ لِيَ الْغِنٰى وَ الْعَفَافَ، وَ الدَّعَةَ وَ الْمُعَافَاةَ، وَ الصِّحَّةَ وَ السَّعَةَ، وَ الطُّمَأْنِيْنَةَ وَ الْعَافِيَةَ.

میرے دل میں اطاعت کا ولولہ سمو دے، اور میرے لئے تو نگری، پاکدامنی، آسائش، سلامتی، تندرستی، فراخی، اطمینان اور عافیت کو جمع کر دے۔

وَ لَا تُحْبِطْ حَسَنَاتِيْ بِمَا يَشُوْبُهَا مِنْ مَّعْصِيَتِكَ، وَ لَا خَلَوَاتِيْ بِمَا يَعْرِضُ لِيْ مِنْ نَّزَغَاتِ فِتْنَتِكَ، وَ صُنْ وَّجْهِيْ عَنِ الطَّلَبِ اِلٰى اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ، وَ ذُبَّنِيْ عَنِ الْتِمَاسِ مَا عِنْدَ الْفَاسِقِيْنَ، وَ لَا تَجْعَلْنِيْ لِلظّٰلِمِيْنَ ظَهِيْرًا، وَ لَا لَهُمْ عَلٰى مَحْوِ كِتَابِكَ يَدًا وَّ نَصِيْرًا، وَ حُطْنِيْ مِنْ حَيْثُ لَآ اَعْلَمُ حِيَاطَةً تَقِيْنِيْ بِهَا.

اور میری نیکیوں کو گناہوں کی آمیزش کی وجہ سے اور میری تنہائیوں کو ان مفسدوں کے باعث جو از راہ امتحان پیش آتے ہیں تباہ نہ کر، اور اہل عالم میں سے کسی ایک کے آگے ہاتھ پھیلانے سے میری عزت و آبرو کو بچائے رکھ، اور ان چیزوں کی طلب و خواہش سے جو بدکرداروں کے پاس ہیں مجھے روک دے، اور مجھے ظالموں کا پشت پناہ نہ بنا، اور نہ (احکام) کتاب کے محو کرنے پر ان کا ناصر و مددگار قرار دے، اور میری اس طرح نگہداشت کر کہ مجھے خبر بھی نہ ہونے پائے، ایسی نگہداشت کہ جس کے ذریعہ تو مجھے (ہلاکت وتباہی) سے بچالے جائے۔

وَ افْتَحْ لِيَ اَبْوَابَ تَوْبَتِكَ، وَ رَحْمَتِكَ وَ رَاْفَتِكَ، وَ رِزْقِكَ الْوَاسِعِ، اِنِّيْٓ اِلَيْكَ مِنَ الرَّاغِبِيْنَ، وَ اَتْمِمْ لِيَ اِنْعَامَكَ، اِنَّكَ خَيْرُ الْمُنْعِمِيْنَ، وَ اجْعَلْ بَاقِيَ عُمُرِيْ فِي الْحَجِّ وَ الْعُمْرَةِ ابْتِغَآءَ وَجْهِكَ۔

اور میرے لئے توبہ و رحمت، لطف و رأفت اور کشادہ روزی کے دروازے کھول دے، اس لئے کہ میں تیری جانب رغبت و خواہش کرنے والوں میں سے ہوں، اور میرے لئے اپنی نعمتوں کو پایہ تکمیل تک پہنچا دے، اس لئے کہ تو انعام و بخشش کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے، اور میری بقیہ عمر کو حج و عمرہ اور اپنی رضا جوئی کیلئے قرار دے۔

يَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ، وَ صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ، وَ السَّلَامُ عَلَيْهِ وَ عَلَيْهِمْ اَبَدَ الْاٰبِدِيْنَ.

اے تمام جہانوں کے پالنے والے! رحمت نازل کرے اللہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی پاک و پاکیزہ آلؑ پر اور ان پر، اور ان کی اولاد پر ہمیشہ ہمیشہ درود وسلام ہو۔

--☆☆--

یہ دُعا ''دُعائے عرفہ'' کے نام سے موسوم ہے۔ ''عرفہ'' کے معنی میں فی الجملہ اختلاف ہے:

چنانچہ بعض کے نزدیک ''عرفہ''، عرفات ہی کا دوسرا نام ہے جو مکہ معظمہ سے ۱۲ میل کے فاصلہ پر ایک وسیع میدان ہے جہاں حجاج نہم ذی الحجہ کو (ظہر سے) غروب آفتاب تک وقوف کرتے ہیں۔ گویا اس میدان کا ہر ٹکڑا عرفہ ہے اور ان ٹکڑوں کا مجموعہ ''عرفات'' ہے۔ اسے ''عرفات'' اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہاں ملک ملک کے باشندے جمع ہوتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے سے متعارف ہوتے ہیں۔ یا اس لئے کہ یہ ''عرف الدیک'' (مرغ کی کلغی) سے ماخوذ ہے۔ کیونکہ مرغ کی کلغی بلند اور نمایاں ہوتی ہے، اسی طرح عرفات بھی مکہ کی سرزمین سے کچھ بلندی پر واقع ہوا ہے۔

اور بعض کے نزدیک ''عرفہ'' دن کا نام اور ''عرفات'' مقام کا نام ہے۔ چنانچہ طبرسی رحمہ اللہ نے مجمع البیان میں تحریر کیا ہے:

وَ عَرَفَاتٌ اسْمٌ لِّلْبُقْعَةِ الْمَعْرُوْفَةِ يَجِبُ الْوُقُوْفُ بِهَا فِي الْحَجِّ وَ يَوْمُ عَرَفَةَ يَوْمُ الْوُقُوْفِ بِهَا.

''عرفات'' اس مشہور جگہ کا نام ہے جہاں حج کے موقع پر وقوف ضروری ہے اور اس روز وقوف کو ''روز عرفہ'' کہا جاتا ہے۔[1]

فیروز آبادی نے قاموس میں تحریر کیا ہے:

وَ يَوْمُ عَرَفَةَ: التَّاسِعُ مِنْ ذِی الْحِجَّةِ، وَ عَرَفَاتٌ: مَوْقِفُ الْحَاجِّ ذٰلِكَ الْيَوْمَ عَلَى اثْنَيْ عَشَرَ مِيْلاً مِّنْ مَّكَّةَ.

نہم ذی الحجہ روز عرفہ ہے اور مکہ سے ۱۲ میل کے فاصلہ پر وہ موقف جہاں اس دن وقوف کیا جاتا ہے عرفات ہے۔[2]

اس قول کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو ''عرفہ'' کی وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں ابن عباس سے منقول ہے کہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذی الحجہ کی آٹھویں شب کو خواب دیکھا کہ وہ اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں «فَاَصْبَحَ يُرَوِّیْ يَوْمَهٗ اَجْمَعَ اَیْ يَتَفَكَّرُ اَ هُوَ اَمْرٌ مِّنَ اللّٰهِ اَمْ لَا؟ فَسُمِّیَ بِذٰلِكَ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ»: جب صبح کو بیدار ہوئے تو تمام دن اس پر غور کرتے رہے کہ یہ حکم الٰہی ہے یا نہیں؟ اس سوچ بچار کی وجہ سے آٹھویں ذی الحجہ کا نام ''یوم ترویہ'' ہوگیا (اور ترویہ کے معنی سوچ بچار اور غور و فکر کے ہوتے ہیں)۔ «ثُمَّ رَاٰی فِی اللَّيْلَةِ الثَّانِيَةِ، فَلَمَّا اَصْبَحَ عَرَفَ اَنَّهٗ مِنَ اللّٰهِ فَسُمِّیَ يَوْمَ عَرَفَةَ»: دوسری رات کو پھر یہی خواب دیکھا۔ جب صبح ہوئی تو پوری طرح جان لیا کہ حکم خدا یہی ہے۔ اس عرفان کی وجہ سے نویں ذی الحجہ کا نام ''روز عرفہ ہوگیا''۔[3]

''روز عرفہ'' وہ مبارک و مسعود دن ہے جس میں خداوند عالم کی طرف رجوع ہوا جائے تو وہ گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

مَنْ لَّمْ يُغْفَرْ لَهٗ فِیْ شَهْرِ رَمَضَانَ لَمْ يُغْفَرْ لَهٗۤ اِلٰى قَابِلٍ اِلَّاۤ اَنْ يَّشْهَدَ عَرَفَةَ.

---

[1] مجمع البیان، ج ۲، ص ۵۲۵۔
[2] القاموس المحیط، ج ۱، ص ۱۰۸۰، فصل العین۔
[3] ریاض السالکین، ج ۶، ص ۱۷۲۔

جس شخص کے گناہ ماہ رمضان میں بخشے نہیں جاتے اس کے گناہ آیندہ ماہ رمضان تک نہیں بخشے جائیں گے، مگر یہ کہ وہ روزِ عرفہ کا شرف حاصل کرے۔[1]

اسی دن مسلمان اطراف واکناف عالم سے سمٹ کر مکہ معظمہ میں جمع ہوتے ہیں اور فریضہ حج بجالاتے ہیں۔

حج کی تین قسمیں ہیں:،،حج افراد''،''حج قران''اور''حج تمتع''۔

''حج اِفراد''اور''حج قِران''ان لوگوں کیلئے ہے جو مکہ یا مکہ کے اطراف و جوانب کے رہنے والے ہیں۔جس میں ایک ہی دفعہ احرام باندھا جاتا ہے اور اس کے بعد عرفات میں وقوف اور مشعر الحرام میں کہ جو مکہ اور عرفات کے درمیان واقع ہے قیام اور طلوع آفتاب کے بعد منیٰ میں کہ جو مشعر الحرام اور مکہ کے درمیان واقع ہے قربانی کرنا ہوتی ہے اور سر منڈوایا جاتا ہے اور جمرہ عقبہ پر کنکریاں پھینکی جاتی ہیں، پھر مکہ میں خانہ کعبہ کا طواف،صفاومروہ کے درمیان سعی،طواف النساءاور پھر منیٰ میں رمی جمرات کے بعد حج تمام کیا جاتا ہے۔

اور''حج تمتع''ان لوگوں کیلئے ہے جو مکہ اور اطراف مکہ کے حدود کے رہنے والے نہ ہوں۔اس میں پہلی مرتبہ عمرۂ تمتع کی نیت سے احرام باندھا جاتا ہے اور طواف کعبہ،نماز طواف اور صفاومروہ کے درمیان سعی کے بعد بالوں اور ناخنوں کا کاٹنا ہوتا ہے اور اس کے بعد احرام کھول دیا جاتا ہے اور آٹھ ذی الحجہ کو حج کی نیت سے مکہ ہی میں احرام باندھا جاتا ہے اور حج کے اعمال بجالائے جاتے ہیں۔حج تمتع کی مشروعیت میں کسی کو کلام نہیں۔ اور جو اس کے وجوب کے قائل نہیں ہیں انہیں بھی اس کے صحیح و درست ہونے سے انکار نہیں ہے۔کیونکہ قرآن مجید اور کتب صحاح میں اس کا صراحۃً ذکر ہے۔چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾

جو شخص حج تمتع کا عمرہ بجالائے تو جیسی قربانی میسر آئے کرے۔[2]

اور عمران ابن حصین سے منقول ہے کہ:

نَزَلَتْ اٰيَةُ الْمُتْعَةِ فِيْ كِتَابِ اللهِ يَعْنِيْ مُتْعَةَ الْحَجِّ وَ اَمَرَنَا بِهَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ، ثُمَّ لَمْ تَنْزِلْ اٰيَةٌ تَنْسَخُ اٰيَةَ مُتْعَةِ الْحَجِّ وَلَمْ يَنْهَ عَنْهَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ حَتّٰى مَاتَ، قَالَ رَجُلٌ بِرَاْيِهٖ بَعْدُ مَا شَآءَ.

حج تمتع کی آیت قرآن مجید میں وارد ہوئی ہے اور پیغمبر اکرم ﷺ نے ہمیں اس کا حکم دیا تھا۔پھر ایسی کوئی آیت نازل نہیں ہوئی جو حج تمتع کو منسوخ کردے اور نہ پیغمبر ﷺ نے مرتے دم تک اس سے کبھی روکا۔البتہ بعد میں ایک شخص نے اپنی رائے سے جو چاہا کہہ دیا۔(صحیح مسلم،ج۱ص ۴۷۴)

نووی نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ اس سے مراد حضرت عمر ہیں جنہوں نے بعض مصالح کی بنا پر اس سے منع کر دیا۔اور حضرت عثمان بھی اسی

---

[1] الکافی،ج ۴ص ۶۶۔

[2] سورۂ بقرہ،آیت ۱۹۶۔

منع پر کار بند رہے۔ مگر امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام حکم خدا و عمل پیغمبرؐ کے مطابق حج تمتع ہی بجالاتے رہے اور حضرت عثمان نے روکنا چاہا تو آپؑ نے فرمایا کہ میں کسی کے کہنے پر سنت پیغمبرؐ کو چھوڑ نہیں سکتا۔ چنانچہ محمد بن اسماعیل بخاری نے تحریر کیا ہے:

قَالَ اخْتَلَفَ عَلِيٌّ وَّ عُثْمَانُ وَ هُمَا بِعُسْفَانَ فِي الْمُتْعَةِ، فَقَالَ عَلِيٌّ: مَا تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ تَنْهٰى عَنْ اَمْرٍ فَعَلَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله، فَقَالَ عُثْمَانُ دَعْنِيْ عَنْكَ.

(راوی کا بیان ہے کہ) حضرت علی علیہ السلام اور حضرت عثمان نے مقام عسفان میں حج تمتع کے بارے میں اختلاف کیا۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: تمہارا مطلب کیا ہے کہ تم اس کام سے منع کرتے ہو جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے کیا۔ حضرت عثمان نے (لا جواب ہو کر) کہا کہ: یہ بحث جانے دیجئے۔ (صحیح بخاری، پ۶ ص ۸۲)

بہرحال حج ایک ایسا فریضہ ہے جس سے انسان کی زندگی پر اثر پڑتا اور اس کے افکار و اعمال میں ضبط و انضباط پیدا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حج کے سلسلہ میں جو خواہشات ترک کئے جاتے ہیں اس سے صبر و تحمل اور ضبط نفس کی مشق ہوتی ہے جو برائیوں سے محفوظ رہنے کا پیش خیمہ ہے۔ اور سفر کی سختیوں اور صعوبتوں کو جھیلنے سے سستی و سہل انگاری، مستعدی و آمادگی سے بدل جاتی ہے اور دل و دماغ میں ایسے تاثرات پیدا ہوتے ہیں جو ایک طرف مبدا سے وابستہ کرتے ہیں تو دوسری طرف معاد کا تصور تازہ کرتے ہیں۔

چنانچہ جب انسان میقات پر پہنچ کر احرام باندھتا ہے اور زبان سے «لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ ۔۔۔»: (حاضر ہوں بارالٰہا! میں حاضر ہوں، حاضر ہوں تو لا شریک ہے میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں ۔۔۔)[1] کہتا ہے تو یہ تصور بھی پیدا ہوتا ہے کہ جس طرح آج احرام لپیٹے گھربار اور اہل و عیال کو چھوڑ کر اس کی آواز پر لبیک کہہ رہا ہے، اسی طرح ایک دن وہ ہوگا جب احرام کے بجائے کفن لپیٹے اس دنیا سے منہ موڑ کر داعیٔ موت کی پکار پر لبیک کہے گا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوگا۔

اور جب احرام باندھے ہوئے عرفات میں پہنچتا ہے تو یہ منظر دیکھنے میں آتا ہے کہ تا حد نگاہ لوگوں کا جمگھٹا جن کا پہناوا ایک، لباس ایک، وضع قطع ایک، نہ غربت و امارت کا امتیاز، نہ چھوٹے اور بڑے کا فرق، سب دست بہ دُعا۔ ہر ایک کی زبان پر توبہ و استغفار، ہر ایک اپنے گناہوں پر پشیمان اور عفو و آمرزش کا طلبگار، ہر ایک امید و بیم کے سنگھم پر ایستادہ، ہر شخص فریاد کناں، ہر شخص گھبرایا ہوا اور سہما ہوا، ایک کو دوسرے کی خبر نہیں، نفسا نفسی کا عالم، اس پر گرمی کا تڑاقہ، لوؤں کا زور، جھلسا دینے والے بادسموم کے جھونکے، نہ سر چھپانے کی جگہ نہ سایہ کرنے کی اجازت، جسے دیکھ کر حشر کا نقشہ آنکھوں کے سامنے کھنچ جاتا ہے۔

اور جب اس مرحلہ سے فارغ ہو کر مشعر الحرام کی طرف آتا ہے تو دھوپ سے سنولایا ہوا چہرہ، شاداب اور دھڑکتا ہوا دل مطمئن اس لئے کہ حرم میں داخل ہونے کی اجازت مل گئی جو نجات و کامرانی کیلئے ایک نیک فال ہے۔

---

[1] تلبیہ کی مکمل عبارت یہ ہے: لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَ النِّعْمَةَ لَكَ وَ الْمُلْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ۔

پھر مشعر الحرام سے منیٰ میں آتا ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تاسی میں رمی جمرات کرتا ہے، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس مقام پر شیطان پر پتھر مارے تھے۔ تو گویا وہ اپنے اس عمل سے شیطان کو اپنے سے ہنکاتا اور دور کرتا ہے۔

پھر قربانی کرتا ہے۔ یہ عمل نفس امارہ کو کچلنے اور نفسانی خواہشات کو ذبح کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

وَ اذْبَحْ حَنْجَرَةَ الْهَوٰى وَ الطَّمَعِ عِنْدَ الذَّبِيْحَةِ.

ذبح کے وقت نفسانی خواہشات اور حرص و طمع کا گلا کاٹ دو۔[1]

پھر خانہ کعبہ کا طواف کرتا ہے تو اس طوافِ ظاہری سے طواف باطنی کی طرف بھی توجہ پیدا ہوتی ہے۔ اس طرح کہ جسم مادی گھر کا طواف کرتا ہے اور قلب و روح رب البیت کے گرد طواف کرتے ہیں۔

پھر صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتا ہے تو گویا اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑتا اور اس کی جانب بڑھتا ہے کہ اگر پہلی مرتبہ رحم نہیں کرے گا تو دوسری مرتبہ، آخر کب تک اس کی رحمت جوش میں نہ آئے گی اور حیرانی و سراسیمگی کو اپنے دامن میں پناہ نہ دے گی۔

اور سنگ اسود کو بوسہ دیتا ہے تو گویا یہ پیمان کرتا ہے کہ اب اسی کے ہاتھ پر ہاتھ رکھوں گا جسے قدرت نے نصب کیا ہو، چاہے وہ پتھر ہی کیوں نہ ہو۔

اگر حج ان احساسات کو بیدار نہ کرے تو وہ ایک بے روح عمل ہے جو انسان کے اخلاق و اعمال میں تبدیلی پیدا نہیں کر دے سکتا۔

☆☆☆☆☆

[1] مصباح الشریعہ، ص۴۹۔

(۴۸)وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

يَوْمَ الْاَضْحٰى وَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

اَللّٰهُمَّ هٰذَا يَوْمٌ مُّبَارَكٌ مَيْمُوْنٌ، وَ الْمُسْلِمُوْنَ فِيْهِ مُجْتَمِعُوْنَ فِيْٓ اَقْطَارِ اَرْضِكَ، يَشْهَدُ السَّآئِلُ مِنْهُمْ وَ الطَّالِبُ، وَ الرَّاغِبُ وَ الرَّاهِبُ، وَ اَنْتَ النَّاظِرُ فِيْ حَوَآئِجِهِمْ.

فَاَسْئَلُكَ بِجُوْدِكَ وَ كَرَمِكَ، وَ هَوَانِ مَا سَئَلْتُكَ عَلَيْكَ اَنْ تُصَلِّيَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ.

وَ اَسْئَلُكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا بِاَنَّ لَكَ الْمُلْكَ، وَ لَكَ الْحَمْدَ، لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ، الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ، الْحَنَّانُ الْمَنَّانُ، ذُو الْجَلَالِ وَ الْاِكْرَامِ، بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ، مَهْمَا قَسَمْتَ بَيْنَ عِبَادِكَ الْمُؤْمِنِيْنَ: مِنْ خَيْرٍ اَوْ عَافِيَةٍ اَوْ بَرَكَةٍ، اَوْ هُدًى اَوْ عَمَلٍ بِطَاعَتِكَ، اَوْ خَيْرٍ تَمُنُّ بِهٖ عَلَيْهِمْ تَهْدِيْهِمْ بِهٖ اِلَيْكَ، اَوْ تَرْفَعُ لَهُمْ عِنْدَكَ دَرَجَةً، اَوْ تُعْطِيْهِمْ بِهٖ خَيْرًا مِّنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ، اَنْ تُوَفِّرَ حَظِّيْ وَ نَصِيْبِيْ مِنْهُ.

وَ اَسْئَلُكَ اللّٰهُمَّ بِاَنَّ لَكَ الْمُلْكَ وَ

دُعا(۴۸)

عید اضحیٰ اور روز جمعہ کی دُعا

بار الٰہا! یہ مبارک و مسعود دن ہے جس میں مسلمان معمورۂ زمین کے ہر گوشہ میں مجتمع ہیں، ان میں سائل بھی ہیں اور طلبگار بھی، ملتجی بھی ہیں اور خوف زدہ بھی، وہ سب ہی تیری بارگاہ میں حاضر ہیں اور تو ہی ان کی حاجتوں پر نگاہ رکھنے والا ہے۔

لہٰذا میں تیرے جود و کرم کو دیکھتے ہوئے اور اس خیال سے کہ میری حاجت براری تیرے لئے آسان ہے تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو رحمت نازل فرما محمدؐ اور ان کی آلؑ پر۔

اے اللہ! اے ہم سب کے پروردگار! جبکہ تیرے ہی لئے بادشاہی، اور تیرے ہی لئے حمد و ستائش ہے، اور کوئی معبود نہیں تیرے علاوہ، جو بردبار، کریم، مہربانی کرنے والا، نعمت بخشنے والا، بزرگی وعظمت والا اور زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے، تو میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ جب بھی تو اپنے ایمان والے بندوں میں نیکی یا عافیت یا خیر و برکت یا اپنی اطاعت پر عمل پیرا ہونے کی توفیق تقسیم فرمائے، یا ایسی بھلائی جس سے تو ان پر احسان کرے اور انہیں اپنی طرف رہنمائی فرمائے، یا اپنے ہاں ان کا درجہ بلند کرے یا دنیا و آخرت کی بھلائی میں سے کوئی بھلائی انہیں عطا کرے، تو اس میں میرا حصہ و نصیب فراواں کر۔

اے اللہ! تیرے ہی لئے جہاں داری اور تیرے ہی لئے

الْحَمْدَ، لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ، اَنْ تُصَلِّيَ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَّ رَسُوْلِكَ، وَ حَبِيْبِكَ وَ صِفْوَتِكَ وَ خِيَرَتِكَ مِنْ خَلْقِكَ، وَ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ الْاَبْرَارِ الطَّاهِرِيْنَ الْاَخْيَارِ، صَلَاةً لَّا يَقْوٰى عَلٰى اِحْصَآئِهَآ اِلَّآ اَنْتَ، وَ اَنْ تُشْرِكَنَا فِيْ صَالِحِ مَّنْ دَعَاكَ فِيْ هٰذَا الْيَوْمِ مِنْ عِبَادِكَ الْمُؤْمِنِيْنَ يَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ، وَ اَنْ تَغْفِرَ لَنَا وَ لَهُمْ، اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ.

حمد و ستائش ہے، اور کوئی معبود نہیں تیرے سوا، لہٰذا میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو رحمت نازل فرما اپنے عبد، رسول، حبیب، منتخب اور برگزیدہ خلائق محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور ان کے اہل بیت علیہم السلام پر، جو نیکوکار، پاک و پاکیزہ اور بہترین خلق ہیں، ایسی رحمت جس کے شمار پر تیرے علاوہ کوئی قادر نہ ہو، اور آج کے دن تیرے ایمان لانے والے بندوں میں سے جو بھی تجھ سے کوئی نیک دُعا مانگے تو ہمیں اس میں شریک کر دے اے تمام جہانوں کے پروردگار، اور ہمیں اور ان سب کو بخش دے اس لئے کہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ تَعَمَّدْتُّ بِحَاجَتِيْ، وَ بِكَ اَنْزَلْتُ الْيَوْمَ فَقْرِيْ وَ فَاقَتِيْ وَ مَسْكَنَتِيْ، وَ اِنِّيْ بِمَغْفِرَتِكَ وَ رَحْمَتِكَ اَوْثَقُ مِنِّيْ بِعَمَلِيْ، وَ لَمَغْفِرَتُكَ وَ رَحْمَتُكَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِيْ، فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ، وَ تَوَلَّ قَضَآءَ كُلِّ حَاجَةٍ هِيَ لِيْ بِقُدْرَتِكَ عَلَيْهَا، وَ تَيْسِيْرِ ذٰلِكَ عَلَيْكَ، وَ بِفَقْرِيْ اِلَيْكَ، وَ غِنَاكَ عَنِّيْ، فَاِنِّيْ لَمْ اُصِبْ خَيْرًا قَطُّ اِلَّا مِنْكَ، وَ لَمْ يَصْرِفْ عَنِّيْ سُوْٓءًا قَطُّ اَحَدٌ غَيْرُكَ، وَ لَآ اَرْجُوْ لِاَمْرِ اٰخِرَتِيْ وَ دُنْيَايَ سِوَاكَ.

اے اللہ! میں اپنی حاجتیں تیری طرف لایا ہوں، اور اپنے فقر و فاقہ و احتیاج کا بارگراں تیرے در پر لا اتارا ہے، اور میں اپنے عمل سے کہیں زیادہ تیری آمرزش و رحمت پر مطمئن ہوں، اور بے شک تیری مغفرت و رحمت کا دامن میرے گناہوں سے کہیں زیادہ وسیع ہے، لہٰذا تو محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور میری ہر حاجت تو ہی بر لا، اپنی اس قدرت کی بدولت جو تجھے اس پر حاصل ہے، اور یہ تیرے لئے سہل و آسان ہے، اور اس لئے کہ میں تیرا محتاج اور تو مجھ سے بے نیاز ہے، اور اس لئے کہ میں کسی بھلائی کو حاصل نہیں کر سکا مگر تیری جانب سے، اور تیرے سوا کوئی مجھ سے دکھ درد دور نہیں کر سکا، اور میں دنیا و آخرت کے کاموں میں تیرے علاوہ کسی سے امید نہیں رکھتا۔

اَللّٰهُمَّ مَنْ تَهَيَّاَ وَ تَعَبَّاَ، وَ اَعَدَّ وَ اسْتَعَدَّ لِوِفَادَةٍ اِلٰى مَخْلُوْقٍ، رَجَآءَ رِفْدِهٖ وَ

اے اللہ! جو کوئی صلہ و عطا کی امید اور بخشش و انعام کی خواہش لے کر کسی مخلوق کے پاس جانے کیلئے کمر بستہ و

نَوَافِلِهٖ، وَ طَلَبَ نَيْلِهٖ وَ جَآئِزَتِهٖ، فَاِلَيْكَ يَا مَوْلَايَ كَانَتِ الْيَوْمَ تَهْيِئَتِيْ وَ تَعْبِئَتِيْ وَ اِعْدَادِيْ وَ اسْتِعْدَادِيْ، رَجَآءَ عَفْوِكَ وَ رِفْدِكَ وَ طَلَبَ نَيْلِكَ وَ جَآئِزَتِكَ.

آمادہ اور تیار ومستعد ہو تو اے میرے مولا و آقا! آج کے دن میری آمادگی و تیاری اور سر و سامان کی فراہمی ومستعدی تیرے عفو وعطا کی امید اور بخشش و انعام کی طلب کیلئے ہے۔

اَللّٰهُمَّ فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ، وَ لَا تُخَيِّبِ الْيَوْمَ ذٰلِكَ مِنْ رَّجَآئِيْ، يَا مَنْ لَّا يُحْفِيْهِ سَآئِلٌ وَ لَا يَنْقُصُهٗ نَآئِلٌ، فَاِنِّيْ لَمْ اٰتِكَ ثِقَةً مِّنِّيْ بِعَمَلٍ صَالِحٍ قَدَّمْتُهٗ، وَ لَا شَفَاعَةِ مَخْلُوْقٍ رَّجَوْتُهٗ اِلَّا شَفَاعَةَ مُحَمَّدٍ وَّ اَهْلِ بَيْتِهٖ، عَلَيْهِ وَ عَلَيْهِمْ سَلَامُكَ، اَتَيْتُكَ مُقِرًّا بِالْجُرْمِ وَ الْاِسَآءَةِ اِلٰى نَفْسِيْ، اَتَيْتُكَ اَرْجُوْ عَظِيْمَ عَفْوِكَ الَّذِيْ عَفَوْتَ بِهٖ عَنِ الْخَاطِئِيْنَ، ثُمَّ لَمْ يَمْنَعْكَ طُوْلُ عُكُوْفِهِمْ عَلٰى عَظِيْمِ الْجُرْمِ، اَنْ عُدْتَّ عَلَيْهِمْ بِالرَّحْمَةِ وَ الْمَغْفِرَةِ.

لہٰذا اے میرے معبود! تو محمدؐ اوران کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور آج کے دن میری امیدوں میں مجھے ناکام نہ کر، اے وہ جو مانگنے والے کے ہاتھوں تنگ نہیں ہوتا، اور نہ بخشش وعطا سے جس کے ہاں کمی ہوتی ہے، میں اپنے کسی عمل خیر پر جسے آگے بھیجا ہو اور سوائے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اہل بیت علیہم السلام کی شفاعت کے کسی مخلوق کی سفارش پر جس کی امید رکھی ہو اطمینان کرتے ہوئے تیری بارگاہ میں حاضر نہیں ہوا، میں تو اپنے گناہ اور اپنے حق میں برائی کا اقرار کرتے ہوئے تیرے پاس حاضر ہوا ہوں، درآنحالیکہ میں تیرے اس عفو عظیم کا امیدوار ہوں جس کے ذریعہ تو نے خطا کاروں کو بخش دیا، پھر یہ کہ ان کا بڑے بڑے گناہوں پر عرصہ تک جمے رہنا تجھے ان پر مغفرت و رحمت کی احسان فرمائی سے مانع نہ ہوا۔

فَيَا مَنْ رَّحْمَتُهٗ وَاسِعَةٌ، وَ عَفْوُهٗ عَظِيْمٌ، يَا عَظِيْمُ يَا عَظِيْمُ، يَا كَرِيْمُ يَا كَرِيْمُ، صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ، وَ عُدْ عَلَيَّ بِرَحْمَتِكَ، وَ تَعَطَّفْ عَلَيَّ بِفَضْلِكَ، وَ تَوَسَّعْ عَلَيَّ بِمَغْفِرَتِكَ.

اے وہ جس کی رحمت وسیع اور عفو و بخشش عظیم ہے! اے بزرگ! اے عظیم! اے بخشندہ! اے کریم! محمدؐ اوران کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور اپنی رحمت سے مجھ پر احسان، اور اپنے فضل وکرم کے ذریعہ مجھ پر مہربانی فرما، اور میرے حق میں اپنے دامن مغفرت کو وسیع کر۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّ هٰذَا الْمَقَامَ لِخُلَفَآئِكَ وَ

بارالہا! یہ مقام (خطبہ وامامت نماز جمعہ) تیرے جانشینوں

اَصْفِيَآئِكَ، وَ مَوَاضِعَ اُمَنَآئِكَ فِي الدَّرَجَةِ الرَّفِيْعَةِ الَّتِي اخْتَصَصْتَهُمْ بِهَا قَدِ ابْتَزُّوْهَا، وَ اَنْتَ الْمُقَدِّرُ لِذٰلِكَ، لَا يُغَالَبُ اَمْرُكَ، وَ لَا يُجَاوَزُ الْمَحْتُوْمُ مِنْ تَدْبِيْرِكَ كَيْفَ شِئْتَ وَ اَنّٰى شِئْتَ، وَ لِمَآ اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ غَيْرُ مُتَّهَمٍ عَلٰى خَلْقِكَ، وَ لَا لِاِرَادَتِكَ، حَتّٰى عَادَ صِفْوَتُكَ وَ خُلَفَآؤُكَ مَغْلُوْبِيْنَ مَقْهُوْرِيْنَ مُبْتَزِّيْنَ، يَرَوْنَ حُكْمَكَ مُبَدَّلًا، وَ كِتَابَكَ مَنْبُوْذًا، وَ فَرَآئِضَكَ مُحَرَّفَةً عَنْ جِهَاتِ اَشْرَاعِكَ، وَ سُنَنَ نَبِيِّكَ مَتْرُوْكَةً.

اور برگزیدہ بندوں کیلئے تھا، اور تیرے امانتداروں کا محل تھا، درآنحالیکہ تو نے اس بلند منصب کے ساتھ انہیں مخصوص کیا تھا (غصب کرنے والوں نے) اسے چھین لیا، اور تو ہی روز ازل سے اس چیز کا مقدر کرنے والا ہے، نہ تیرا امر وفرمان مغلوب ہوسکتا ہے اور نہ تیری قطعی تدبیر (قضا وقدر) سے جس طرح تو نے چاہا ہو اور جس وقت چاہا ہو تجاوز ممکن ہے، اس مصلحت کی وجہ سے جسے تو ہی بہتر جانتا ہے، بہرحال تیری تقدیر اور تیرے ارادہ ومشیت کی نسبت تجھ پر الزام عائد نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ (اس غصب کے نتیجہ میں) تیرے برگزیدہ اور جانشین مغلوب ومقہور ہو گئے، اور ان کا حق ان کے ہاتھ سے جاتا رہا، وہ دیکھ رہے ہیں کہ تیرے احکام بدل دیئے گئے، تیری کتاب پس پشت ڈال دی گئی، تیرے فرائض و واجبات تیرے واضح مقاصد سے ہٹا دیئے گئے، اور تیرے نبیؐ کے طور وطریقے متروک ہو گئے۔

اَللّٰهُمَّ الْعَنْ اَعْدَآءَهُمْ مِنَ الْاَوَّلِيْنَ وَ الْاٰخِرِيْنَ، وَ مَنْ رَّضِيَ بِفِعَالِهِمْ وَ اَشْيَاعَهُمْ وَ اَتْبَاعَهُمْ.

بارالٰہا! تو ان برگزیدہ بندوں کے اگلے اور پچھلے دشمنوں پر، اور ان پر جو ان دشمنوں کے عمل وکردار پر راضی وخوشنود ہوں، اور جو ان کے تابع اور پیروکار ہوں لعنت فرما۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ، اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ، كَصَلَوَاتِكَ وَ بَرَكَاتِكَ وَ تَحِيَّاتِكَ عَلٰٓى اَصْفِيَآئِكَ اِبْرَاهِيْمَ وَ اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ، وَ عَجِّلِ الْفَرَجَ وَ الرَّوْحَ وَ النُّصْرَةَ وَ التَّمْكِيْنَ وَ التَّاْيِيْدَ لَهُمْ.

اے اللہ! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر ایسی رحمت نازل فرما، بیشک تو قابل حمد و ثنا بزرگی والا ہے، جیسی رحمتیں، برکتیں اور سلام تو نے اپنے منتخب و برگزیدہ ابراہیمؑ اور آل ابراہیمؑ پر نازل کئے ہیں، اور ان کیلئے کشائش، راحت، نصرت، غلبہ اور تائید میں تعجیل فرما۔

اَللّٰهُمَّ وَ اجْعَلْنِيْ مِنْ اَهْلِ التَّوْحِيْدِ

بارالٰہا! مجھے توحید کا عقیدہ رکھنے والوں، تجھ پر ایمان لانے

وَ الْاِيْمَانِ بِكَ، وَ التَّصْدِيْقِ بِرَسُوْلِكَ، وَ الْاَئِمَّةِ الَّذِيْنَ حَتَمْتَ طَاعَتَهُمْ مِمَّنْ يَجْرِيْ ذٰلِكَ بِهٖ وَ عَلٰى يَدَيْهِ، اٰمِيْنَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ.

والوں، اور تیرے رسولؐ اور ان آئمہؑ کی تصدیق کرنے والوں میں سے قرار دے، جن کی اطاعت کو تو نے واجب کیا ہے، ان لوگوں میں سے جن کے وسیلہ اور جن کے ہاتھوں سے (توحید، ایمان اور تصدیق) یہ سب چیزیں جاری کرے، میری دُعا کو قبول فرما اے تمام جہانوں کے پروردگار!۔

اَللّٰهُمَّ لَيْسَ يَرُدُّ غَضَبَكَ اِلَّا حِلْمُكَ، وَ لَا يَرُدُّ سَخَطَكَ اِلَّا عَفْوُكَ، وَ لَا يُجِيْرُ مِنْ عِقَابِكَ اِلَّا رَحْمَتُكَ، وَ لَا يُنْجِيْنِيْ مِنْكَ اِلَّا التَّضَرُّعُ اِلَيْكَ وَ بَيْنَ يَدَيْكَ، فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ، وَ هَبْ لَنَا يَآ اِلٰهِيْ مِنْ لَّدُنْكَ فَرَجًا بِالْقُدْرَةِ الَّتِيْ بِهَا تُحْيِيْٓ اَمْوَاتَ الْعِبَادِ، وَ بِهَا تَنْشُرُ مَيْتَ الْبِلَادِ، وَ لَا تُهْلِكْنِيْ يَآ اِلٰهِيْ غَمًّا حَتّٰى تَسْتَجِيْبَ لِيْ، وَ تُعَرِّفَنِي الْاِجَابَةَ فِيْ دُعَآئِيْ، وَ اَذِقْنِيْ طَعْمَ الْعَافِيَةِ اِلٰى مُنْتَهٰى اَجَلِيْ، وَ لَا تُشْمِتْ بِيْ عَدُوِّيْ، وَ لَا تُمَكِّنْهُ مِنْ عُنُقِيْ، وَ لَا تُسَلِّطْهُ عَلَيَّ.

بارالہا! تیرے حلم کے سوا کوئی چیز تیرے غضب کو ٹال نہیں سکتی، اور تیرے عفو و درگزر کے سوا کوئی چیز تیری ناراضگی کو پلٹا نہیں سکتی، اور تیری رحمت کے سوا کوئی چیز تیرے عذاب سے پناہ نہیں دے سکتی، اور تیری بارگاہ میں گڑگڑاہٹ کے علاوہ کوئی چیز تجھ سے رہائی نہیں دے سکتی، لہٰذا تو محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور اپنی اس قدرت سے جس سے تو مُردوں کو زندہ اور بنجر زمینوں کو شاداب کرتا ہے مجھے اپنی جانب سے غم اندوہ سے چھٹکارا دے، بارالہا! جب تک تو میری دُعا قبول نہ فرمائے اور اس کی قبولیت سے آگاہ نہ کر دے مجھے غم واندوہ سے ہلاک نہ کرنا، اور زندگی کے آخری لمحوں تک مجھے صحت وعافیت کی لذت سے شاد کام رکھنا، اور دشمنوں کو (میری حالت پر) خوش ہونے اور میری گردن پر سوار اور مجھ پر مسلط ہونے کا موقعہ نہ دینا۔

اِلٰهِيْٓ اِنْ رَّفَعْتَنِيْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَضَعُنِيْ، وَ اِنْ وَضَعْتَنِيْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَرْفَعُنِيْ، وَ اِنْ اَكْرَمْتَنِيْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يُهِيْنُنِيْ، وَ اِنْ اَهَنْتَنِيْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يُكْرِمُنِيْ، وَ اِنْ عَذَّبْتَنِيْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَرْحَمُنِيْ،

بارالہا! اگر تو مجھے بلند کرے تو کون پست کر سکتا ہے؟ اور تو پست کرے تو کون بلند کرسکتا ہے؟ اور تو عزّت بخشے تو کون ذلیل کرسکتا ہے؟ اور تو ذلیل کرے تو کون عزّت دے سکتا ہے؟ اور تو مجھ پر عذاب کرے تو کون مجھ پر ترس کھا سکتا ہے؟

وَ اِنْ اَهْلَكْتَنِيْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْرِضُ لَكَ فِيْ عَبْدِكَ، اَوْ يَسْئَلُكَ عَنْ اَمْرِهٖ.

اور اگر تو ہلاک کرے تو کون تیرے بندے کے بارے میں تجھ پر معترض ہوسکتا ہے یا اس کے متعلق تجھ سے کچھ پوچھ سکتا ہے۔

وَ قَدْ عَلِمْتُ اَنَّهٗ لَيْسَ فِيْ حُكْمِكَ ظُلْمٌ، وَ لَا فِيْ نَقِمَتِكَ عَجَلَةٌ، وَ اِنَّمَا يَعْجَلُ مَنْ يَّخَافُ الْفَوْتَ، وَ اِنَّمَا يَحْتَاجُ اِلَى الظُّلْمِ الضَّعِيْفُ، وَ قَدْ تَعَالَيْتَ يَاۤ اِلٰهِيْ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا.

اور مجھے خوب علم ہے کہ تیرے فیصلہ میں نہ ظلم کا شائبہ ہوتا ہے اور نہ سزا دینے میں جلدی ہوتی ہے، جلدی تو وہ کرتا ہے جسے موقع کے ہاتھ سے نکل جانے کا اندیشہ ہو، اور ظلم کی اسے حاجت ہوتی ہے جو کمزور و ناتواں ہو، اور تو اے میرے معبود! ان چیزوں سے بہت بلند و برتر ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ، وَ لَا تَجْعَلْنِيْ لِلْبَلَاۤءِ غَرَضًا، وَ لَا لِنَقِمَتِكَ نَصَبًا، وَ مَهِّلْنِيْ، وَ نَفِّسْنِيْ، وَ اَقِلْنِيْ عَثْرَتِيْ، وَ لَا تَبْتَلِيَنِّيْ بِبَلَاۤءٍ عَلٰۤى اَثَرِ بَلَاۤءٍ، فَقَدْ تَرٰى ضَعْفِيْ وَ قِلَّةَ حِيْلَتِيْ وَ تَضَرُّعِيْ اِلَيْكَ.

اے اللہ! تو محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور مجھے بلاؤں کا نشانہ اور اپنی عقوبتوں کا ہدف نہ قرار دے، مجھے مہلت دے اور میرے رنج و غم کو دور کر، میری لغزشوں کو معاف کر دے، اور مجھے ایک مصیبت کے بعد دوسری مصیبت میں مبتلا نہ کر، کیونکہ تو میری ناتوانی، بے چارگی اور اپنے حضور میری گڑگڑاہٹ کو دیکھ رہا ہے۔

اَعُوْذُ بِكَ اللّٰهُمَّ الْيَوْمَ مِنْ غَضَبِكَ، فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اَعِذْنِيْ.

بارالہا! میں آج کے دن تیرے غضب سے تیرے ہی دامن میں پناہ مانگتا ہوں، تو محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور مجھے پناہ دے۔

وَ اَسْتَجِيْرُ بِكَ الْيَوْمَ مِنْ سَخَطِكَ، فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اَجِرْنِيْ.

اور میں آج کے دن تیری ناراضگی سے امان چاہتا ہوں، تو محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور مجھے امان دے۔

وَ اَسْئَلُكَ اَمْنًا مِّنْ عَذَابِكَ، فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اٰمِنِّيْ.

اور تیرے عذاب سے امن کا طلبگار ہوں، تو رحمت نازل فرما محمدؐ اور ان کی آلؑ پر اور مجھے (عذاب سے) مطمئن کر دے۔

وَ اَسْتَهْدِيْكَ، فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اهْدِنِيْ.

اور تجھ سے ہدایت کا خواستگار ہوں، تو رحمت نازل فرما محمدؐ اور ان کی آلؑ پر اور مجھے ہدایت فرما۔

وَ اَسْتَنْصِرُكَ، فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ انْصُرْنِيْ.

اور تجھ سے مدد چاہتا ہوں، تو رحمت نازل فرما محمدؐ اور ان کی آلؑ پر اور میری مدد فرما۔

وَ اَسْتَرْحِمُكَ، فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ ارْحَمْنِيْ.

اور تجھ سے رحم کی درخواست کرتا ہوں، تو رحمت نازل فرما محمدؐ اور ان کی آلؑ پر اور مجھ پر رحم کر۔

وَ اَسْتَكْفِيْكَ، فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اكْفِنِيْ.

اور تجھ سے بے نیازی کا سوال کرتا ہوں، تو رحمت نازل فرما محمدؐ اور ان کی آلؑ پر اور مجھے بے نیاز کر دے۔

وَ اَسْتَرْزِقُكَ، فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ ارْزُقْنِيْ.

اور تجھ سے روزی کا سوال کرتا ہوں، تو رحمت نازل فرما محمدؐ اور ان کی آلؑ پر اور مجھے روزی دے۔

وَ اَسْتَعِيْنُكَ، فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اَعِنِّيْ.

اور تجھ سے کمک کا طالب ہوں، تو رحمت نازل فرما محمدؐ اور ان کی آلؑ پر اور میری کمک فرما۔

وَ اَسْتَغْفِرُكَ لِمَا سَلَفَ مِنْ ذُنُوْبِيْ، فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اغْفِرْ لِيْ.

اور گزشتہ گناہوں کی آمرزش کا خواستگار ہوں، تو رحمت نازل فرما محمدؐ اور ان کی آلؑ پر اور مجھے بخش دے۔

وَ اَسْتَعْصِمُكَ، فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اعْصِمْنِيْ، فَاِنِّيْ لَنْ اَعُوْدَ لِشَيْءٍ كَرِهْتَهٗ مِنِّيْۤ اِنْ شِئْتَ ذٰلِكَ.

اور تجھ سے (گناہوں کے بارے میں) بچاؤ کا خواہاں ہوں، تو رحمت نازل فرما محمدؐ اور ان کی آلؑ پر اور مجھے (گناہوں سے) بچائے رکھ۔ اس لئے کہ اگر تیری مشیت شامل حال رہی تو کسی ایسے کام کا جسے تو مجھ سے ناپسند کرتا ہو مرتکب نہ ہوں گا۔

يَا رَبِّ يَا رَبِّ، يَا حَنَّانُ يَا مَنَّانُ، يَا ذَا الْجَلَالِ وَ الْاِكْرَامِ، صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ اسْتَجِبْ لِيْ جَمِيْعَ مَا سَئَلْتُكَ، وَ طَلَبْتُ اِلَيْكَ، وَ رَغِبْتُ فِيْهِ اِلَيْكَ، وَ اَرِدْهُ وَ قَدِّرْهُ وَ اقْضِهٖ وَ اَمْضِهٖ، وَ خِرْ لِيْ فِيْمَا تَقْضِيْ

اے میرے پروردگار! اے میرے پروردگار! اے مہربان، اے نعمتوں کے بخشنے والے! اے جلالت و بزرگی کے مالک! تو رحمت نازل فرما محمدؐ اور ان کی آلؑ پر اور جو کچھ میں نے مانگا اور جو کچھ طلب کیا ہے اور جن چیزوں کے حصول کیلئے تیری بارگاہ کا رخ کیا ہے، ان سے اپنا ارادہ، حکم اور فیصلہ متعلق کر، اور انہیں جاری کر دے، اور جو بھی فیصلہ کرے اس میں میرے لئے

مِنْهُ، وَ بَارِكْ لِيْ فِيْ ذٰلِكَ، وَ تَفَضَّلْ عَلَيَّ بِهٖ، وَ اَسْعِدْنِيْ بِمَا تُعْطِيْنِيْ مِنْهُ، وَ زِدْنِيْ مِنْ فَضْلِكَ وَ سَعَةِ مَا عِنْدَكَ، فَاِنَّكَ وَاسِعٌ كَرِيْمٌ، وَ صِلْ ذٰلِكَ بِخَيْرِ الْاٰخِرَةِ وَ نَعِيْمِهَا، يَاۤ اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ.

ثُمَّ تَدْعُوْ بِمَا بَدَا لَكَ، وَ تُصَلِّيْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ اَلْفَ مَرَّةٍ، هٰكَذَا كَانَ يَفْعَلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ.

--☆☆--

بھلائی قرار دے، اور مجھے اس میں برکت عطا کر، اور اس کے ذریعہ مجھ پر احسان فرما، اور جو عطا فرمائے اس کے وسیلہ سے مجھے خوش بخت بنا دے، اور میرے لئے اپنے فضل و کشائش کو جو تیرے پاس ہے زیادہ کر دے، اس لئے کہ تو تونگر و کریم ہے، اور اس کا سلسلہ آخرت کی خیر و نیکی اور وہاں کی نعمت فراواں سے ملا دے، اے تمام رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے۔

اس کے بعد جو چاہو دُعا مانگو اور ہزار مرتبہ محمدؐ اور ان کی آلؑ پر دُرود بھیجو کہ امام علیہ السلام ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

--☆☆--

حضرت یہ دُعا روز جمعہ اور عید الاضحیٰ کے موقعہ پر پڑھتے تھے۔ ''روز جمعہ'' کو ''جمعہ'' اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس دن مسلمان نماز کیلئے ایک مقام پر مجتمع ہوتے ہیں۔ اور ''اضحیٰ''، اضحاۃ کی جمع ہے۔ اور ''اضحاۃ'' اس بکری، دنبہ بھیڑ وغیرہ کو کہتے ہیں جو حج کے موقع پر ذبح کی جاتی ہے۔ اس ذبح کی بنیاد اس طرح پڑی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خواب کے ذریعہ اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح پر مامور ہوئے تو وہ اپنی تمناؤں کے مرکز اور دُعاؤں کے حاصل کو خود اپنے ہاتھوں سے ذبح کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو کہ جن کا سن اس وقت صرف تیرہ سال کا تھا بلا کر کہا کہ اے فرزند! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تمہیں ذبح کر رہا ہوں تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ﴿يٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ﴾[1]: ''بابا آپؑ کو جو حکم ہوا ہے اس کو بجا لائیے، آپؑ ان شاءاللہ مجھے ثابت قدم پائیں گے''۔ جب اسماعیل علیہ السلام کو بھی آمادہ پایا تو رسی اور چھری لے کر قربان گاہ محبت پر اپنی متاع عزیز کی قربانی کیلئے آ گئے اور اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کیلئے زمین پر لٹا دیا۔ کیا بعید ہے کہ اس موقع پر آسمان کانپا اور زمین تھرائی ہو، مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نہ ہاتھ کانپا اور نہ دل دھڑکا، بلکہ بڑے اطمینان سے اپنے جگر گوشہ کے حلقوم پر چھری رکھ دی اور قریب تھا کہ اسماعیل ذبح ہو جاتے کہ: ﴿قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا﴾[2]: ''تم نے خواب کو سچ کر دکھایا'' کی آواز نے اسماعیل کو بچا لیا اور ان کے بجائے دنبہ ذبح ہو گیا اور اسماعیل علیہ السلام ''ذبیح اللہ'' بن کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ عید الاضحیٰ اسی واقعہ کی یاد کو تازہ رکھنے کیلئے ہے۔ چنانچہ اس دن گائے، بکری، دنبہ وغیرہ کی قربانی دے کر اس قربانی کی یاد کو قائم کیا جاتا ہے۔

امام علیہ السلام نے اس دُعا میں چند امور واضح طور سے بیان فرمائے ہیں:

---

[1] سورۂ صافات، آیت ۱۰۲۔

[2] سورۂ صافات، آیت ۱۰۳۔

● ۱۔ نماز جمعہ اور نماز عیدین کی امامت آئمہ اہل بیت علیہم السلام سے مخصوص ہے اور ان کی موجودگی میں کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ وظائف امامت سرانجام دے۔ چنانچہ عبداللہ ابن دینار نے امام باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

يَا عَبْدَ اللهِ! مَا مِنْ عِيْدٍ لِّلْمُسْلِمِيْنَ اَضْحًى وَّ لَا فِطْرٍ اِلَّا وَ هُوَ يُجَدِّدُ لِاٰلِ مُحَمَّدٍ فِيْهِ حُزْنًا، قُلْتُ: وَلِمَ ذَاكَ؟ قَالَ: لِاَنَّهُمْ يَرَوْنَ حَقَّهُمْ فِيْ يَدِ غَيْرِهِمْ.

اے عبداللہ! مسلمانوں کی عید الاضحیٰ ہو یا عید الفطر اس میں آل محمد علیہم السلام کا غم و حزن تازہ ہو جاتا ہے۔ (عبداللہ کہتے ہیں کہ:) میں نے عرض کیا کہ: یہ کس لئے؟ فرمایا: اس لئے کہ وہ اپنے حق کو اغیار کے ہاتھوں میں دیکھتے ہیں۔[۱]

اسی طرح نماز جمعہ کی امامت کا حق بھی امامؑ یا اس شخص کے علاوہ جسے امامؑ مامور فرمائے کسی دوسرے کو نہیں پہنچتا۔ البتہ زمانہ غیبت میں جب کہ امام علیہ السلام تک دسترس نہیں ہے، نماز جمعہ واجب تخییری ہے۔ یعنی چاہے نماز جمعہ پڑھے چاہے نماز ظہر لیکن نماز جمعہ افضل ہے۔ اور نماز عید مستحب ہے، خواہ جماعت سے ہو یا فرادی۔ اس لئے کہ نماز عید کے ساتھ کوئی اور فرد نہیں ہے کہ واجب تخییری صورت پذیر ہو سکے، بخلاف نماز جمعہ کے کہ اس کے ساتھ دوسری فرد ظہر موجود ہے۔ مقصد یہ ہے کہ نماز جمعہ اور نماز عیدین کے شرائطِ وجوب میں سے ایک شرط حضور امامؑ بھی ہے اور درصورتیکہ یہ شرط نہ پائی جائے تو وجوب باقی نہ رہے گا۔ اس لئے علماء نماز عیدین کے استحباب کے قائل ہیں، لیکن جمعہ میں استحباب کے قائل اس لئے نہیں ہیں کہ جمعہ ظہر کے قائم مقام ہوتا ہے جس سے نماز ظہر ساقط ہو جاتی ہے اور واجب کا بدل مستحب نہیں ہو سکتا اور نہ دونوں کو بہ نیت وجوب جمع کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے ان دونوں میں سے ایک کو بہ نیت وجوب بجالانا کافی ہے۔ البتہ اس اعتبار سے جمعہ کو مستحب کہا جا سکتا ہے کہ یہ اپنی دوسری فرد ظہر کے مقابلہ میں افضل ہے۔

● ۲۔ خلافت و امامت کے صحیح ورثہ دار آئمہ اہل بیت علیہم السلام ہیں۔ کیونکہ امامت کے شرائط میں سے افضلیت، عصمت اور منصوص ہونا ہے اور یہ شرائط ان کے علاوہ کسی ایک میں نہیں پائے جاتے۔ چنانچہ اس سلسلہ کی فرد اول حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو پیغمبر اکرم علیہ السلام نے «مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَهٰذَا عَلِيٌّ مَّوْلَاهُ» کے اعلان سے اپنا جانشین مقرر کیا اور خلافت کیلئے نامزد فرمایا۔ مگر ہوا یہ کہ اس کے مقابلہ میں سقیفہ بنی ساعدہ میں جمہوریت کے نام پر خلیفۃ المسلمین منتخب کر لیا گیا۔ لیکن جس جمہوریت پر خلافت کی بنیاد رکھی گئی تھی وہ عوام میں جمہوریت کا احساس پیدا نہ کر سکی اور آخر اسے ملوکیت کے سامنے جھکنا پڑا اور قیصری و کسروی طرز کی حکومت دنیائے اسلام پر چھا گئی جس نے اپنے استحکام کیلئے ظلم و تشدد کا سہارا لیا اور اس دور استبدادیت میں آئمہ اہل بیت علیہم السلام میں سے کچھ حق کی خاطر قتل کئے گئے، کچھ زہر سے مارے گئے، کچھ قید و بند میں ڈالے گئے اور ہر دور میں قہرمانی طاقتوں کا نشانہ بنتے رہے، مگر حق کی خاموش تبلیغ جو اِن کا فریضہ منصبی تھا انجام دیتے رہے اور یہ اسی خاموش تبلیغ کا نتیجہ ہے کہ اسلام کے نقوش صفحۂ ہستی سے محو نہ ہو سکے، ورنہ کونسی کوشش تھی جو اسلام کے خد و خال کے بگاڑنے میں اٹھا رکھی ہو۔

---

[۱] الکافی، ج ۴، ص ۱۷۰۔

● ۳۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے بعد شریعت کے نقش و نگار کو بگاڑ کر خود ساختہ شریعت کو کھڑا کر دیا گیا۔ خدا کی کتاب اور رسولؐ کی سنت پس پشت ڈال دی گئی اور فرائض و واجبات ناقابل عمل قرار پا گئے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:

قَالَتْ اُمّ الدَّرْدَآءِ: دَخَلَ عَلَيَّ اَبُو الدَّرْدَآءِ وَهُوَ مُغْضَبٌ، فَقُلْتُ: مَآ اَغْضَبَكَ؟ فَقَالَ: وَاللهِ! مَا اَعْرِفُ مِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ شَيْئًا اِلَّآ اَنَّهُمْ يُصَلُّوْنَ جَمِيْعًا.

ام درداء کہتی ہیں کہ: ابوالدرداء غصہ میں بھرے ہوئے میرے پاس آئے۔ میں نے کہا کہ یہ غصہ کس بنا پر ہے؟ کہا کہ خدا کی قسم! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کی شریعت میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہ گئی، سوا اس کے کہ لوگ ایک ساتھ نماز پڑھ لیتے ہیں۔[1]

دوسری روایت میں ہے:

عَنْ اَنَسٍ، قَالَ: مَآ اَعْرِفُ شَيْئًا مِّمَّا كَانَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ، قِيْلَ: الصَّلٰوةُ؟ قَالَ: اَلَيْسَ صَنَعْتُمْ مَا صَنَعْتُمْ فِيْهَا.

انس سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ: میں زمانہ رسالت کی ایک چیز کو بھی اس کی اصلی حالت پر نہیں پاتا۔ ان سے کہا گیا کہ نماز؟ کہا کہ نماز میں کیا تم نے وہ تصرفات نہیں کئے کہ جو تمہیں معلوم ہیں کہ کئے ہیں۔ (صحیح بخاری، ج ۳، و ۳۰۲)

یہ ہے اعیان صحابہ میں سے حضرت ابوالدرداء اور انس بن مالک کی گواہی کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے بعد شریعت میں ترمیم و تنسیخ شروع ہو گئی اور کوئی چیز اپنی اصلی صورت پر باقی نہ رہی، یہاں تک کہ نماز بھی تصرفات سے محفوظ نہ رہ سکی اور اس میں بھی تغیر و تبدل پیدا کر دیا گیا۔ یہ اجمال بہت سے تفصیلات کا آئینہ دار ہے۔

تو خود حدیث مفصل بخوان ازین مجمل

● ۴۔ ان لوگوں پر جو مستحق لعنت ہیں لعنت کرنا نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے اور اس کا استحباب عیدالاضحیٰ کے مبارک موقعہ پر عمل امام علیہ السلام سے ظاہر ہے اور اس کے جواز کیلئے قرآن و حدیث کو بھی پیش کیا جا سکتا ہے جس سے یہ بھی ظاہر ہو جائے گا کہ لعنت دشنام نہیں ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا﴾

وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کو ایذا پہنچاتے ہیں ان پر خدا دنیا و آخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کیلئے رسوا کرنے والا عذاب مہیا کیا ہے۔[2]

اسی طرح احادیث نبویؐ میں صفات کے اعتبار سے بھی لعنت وارد ہوئی ہے جیسے رشوت خوار، سود خوار، شراب خوار وغیرہ پر اور نام کے ساتھ بھی لعنت وارد ہوئی ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں:

---

[1] صحیح البخاری، ج ۱، ص ۱۳۱، حدیث ۶۵۰۔

[2] سورۂ احزاب، آیت ۵۷۔

وَ لٰكِنْ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَعَنَ اَبَا مَرْوَانَ وَ مَرْوَانُ فِيْ صُلْبِهٖ، فَمَرْوَانُ بَعْضُ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ.

رسول اللہ ﷺ نے مروان کے باپ (حکم) پرلعنت کی اور مروان اس کی صلب میں تھا اور وہ بھی اللہ کی لعنت میں سے حصہ پار ہا تھا۔ (تاریخ الخلفاء، ص ۱۳۸)

- ۵۔ آئمہ اہل بیت علیہم السلام کی اطاعت واجب ولازم ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ﴾

اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے صاحبان امر ہوں۔[1]

اولی الامر وہی ہو سکتے ہیں جو پیغمبر ﷺ کے نمائندے اور ان کے قائم مقام ہوں تا کہ ان کی اطاعت پیغمبرؐ کی اطاعت کے ہمدوش قرار پا سکے اور جن کا دامن قرآن کی طرح پاک اور ہر رجس سے منزہ ہو تا کہ ان کی اطاعت میں ان کے دامن کی آلودگی مانع نہ ہو اور پیغمبر اسلام ﷺ نے حدیث ثقلین «اِنِّيْ تَارِكٌ فِيْكُمُ الثَّقَلَيْنِ كِتَابَ اللّٰهِ وَ عِتْرَتِيْ اَهْلَ بَيْتِيْ»[2]: (میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑ نے جاتا ہوں: ایک قرآن اور دوسرے میری عترت جو میرے اہل بیتؑ ہیں) میں قرآن کی طرح اہل بیت علیہم السلام کو بھی واجب الاطاعت قرار دیا ہے اور اسی اطاعت سے ہدایت کو وابستہ کیا ہے اور جس اطاعت پر ہدایت منحصر ہو گی اس کے لزوم سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

☆☆☆☆☆

---

[1] سورۂ نساء، آیت ۵۹۔

[2] کمال الدین، ج ۱، ص ۶۴۔ معجم صغیر، طبرانی، ج ۱، ص ۲۲۶، حدیث ۳۶۷۔

(۴۹) وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

فِيْ دِفَاعِ كَيْدِ الْاَعْدَآءِ، وَ رَدِّ بَأْسِهِمْ:

اِلٰهِيْ هَدَيْتَنِيْ فَلَهَوْتُ، وَ وَعَظْتَ فَقَسَوْتُ، وَ اَبْلَيْتَ الْجَمِيْلَ فَعَصَيْتُ، ثُمَّ عَرَفْتُ مَآ اَصْدَرْتَ اِذْ عَرَّفْتَنِيْهِ، فَاسْتَغْفَرْتُ فَاَقَلْتَ، فَعُدْتُّ فَسَتَرْتَ، فَلَكَ اِلٰهِيَ الْحَمْدُ، تَقَحَّمْتُ اَوْدِيَةَ الْهَلَاكِ، وَ حَلَلْتُ شِعَابَ تَلَفٍ، تَعَرَّضْتُ فِيْهَا لِسَطَوَاتِكَ، وَ بِحُلُوْلِهَا عُقُوْبَاتِكَ.

وَ وَسِيْلَتِيْ اِلَيْكَ التَّوْحِيْدُ، وَ ذَرِيْعَتِيْ اَنِّيْ لَمْ اُشْرِكْ بِكَ شَيْئًا، وَ لَمْ اَتَّخِذْ مَعَكَ اِلٰهًا، وَ قَدْ فَرَرْتُ اِلَيْكَ بِنَفْسِيْ، وَ اِلَيْكَ مَفَرُّ الْمُسِيْٓءِ، وَ مَفْزَعُ الْمُضَيِّعِ لِحَظِّ نَفْسِهِ الْمُلْتَجِيْ.

فَكَمْ مِنْ عَدُوٍّ انْتَضٰى عَلَيَّ سَيْفَ عَدَاوَتِهٖ، وَ شَحَذَ لِيْ ظُبَةَ مُدْيَتِهٖ، وَ اَرْهَفَ لِيْ شَبَا حَدِّهٖ، وَ دَافَ لِيْ قَوَاتِلَ

دُعا (۴۹)

دشمنوں کے مکروفریب کے دفعیہ اوران کی شدت وسختی کو دور کرنے کیلئے حضرتؑ کی دُعا:

اے میرے معبود! تو نے میری رہنمائی کی مگر میں غافل رہا، تو نے پند ونصیحت کی مگر میں سخت دلی کے باعث متاثر نہ ہوا، تو نے مجھے عمدہ نعمتیں بخشیں مگر میں نے نافرمانی کی، پھر یہ کہ جن گناہوں سے تو نے میرا رخ موڑا جبکہ تو نے مجھے اس کی معرفت عطا کی تو میں نے (گناہوں کی برائی کو) پہچان کر توبہ واستغفار کی جس پر تو نے مجھے معاف کر دیا، اور پھر گناہوں کا مرتکب ہوا تو تو نے پردہ پوشی سے کام لیا، اے میرے معبود! تیرے ہی لئے حمد و ثنا ہے، میں ہلاکت کی وادیوں میں پھاندا، اور تباہی و بربادی کی گھاٹیوں میں اترا، ان ہلاکت خیز گھاٹیوں میں تیری قہرمانی سخت گیریوں اوران میں درآنے سے تیری عقوبتوں کا سامنا کیا۔

تیری بارگاہ میں میرا وسیلہ تیری وحدت و یکتائی کا اقرار ہے، اور میرا ذریعہ صرف یہ ہے کہ میں نے کسی چیز کو تیرا شریک نہیں جانا، اور تیرے ساتھ کسی کو معبود نہیں ٹھہرایا، اور میں اپنی جان کو لئے تیری رحمت ومغفرت کی جانب گریزاں ہوں، اور ایک گنہگار تیری ہی طرف بھاگ کر آتا ہے، اور ایک التجا کرنے والا جو اپنے حظ ونصیب کو ضائع کر چکا ہو تیرے ہی دامن میں پناہ لیتا ہے۔

کتنے ہی ایسے دشمن تھے جنہوں نے شمشیر عداوت کو مجھ پر بے نیام کیا، اور میرے لئے اپنی چھری کی دھار کو باریک اور اپنی تندی وسختی کی باڑ کو تیز کیا، اور پانی میں میرے لئے مہلک زہروں

سُمُوْمِهٖ، وَ سَدَّدَ نَحْوِیْ صَوَآئِبَ سِهَامِهٖ، وَ لَمْ تَنَمْ عَنِّیْ عَیْنُ حِرَاسَتِهٖ، وَ اَضْمَرَ اَنْ یَسُوْمَنِی الْمَكْرُوْهَ، وَ یُجَرِّعَنِیْ زُعَاقَ مَرَارَتِهٖ.

فَنَظَرْتَ یَآ اِلٰهِیْ اِلٰی ضَعْفِیْ عَنِ احْتِمَالِ الْفَوَادِحِ، وَ عَجْزِیْ عَنِ الْاِنْتِصَارِ مِمَّنْ قَصَدَنِیْ بِمُحَارَبَتِهٖ، وَ وَحْدَتِیْ فِیْ كَثِیْرِ عَدَدِ مَنْ نَاوَانِیْ، وَ اَرْصَدَ لِیْ بِالْبَلَآءِ فِیْمَا لَمْ اُعْمِلْ فِیْهِ فِكْرِیْ، فَابْتَدَاْتَنِیْ بِنَصْرِكَ، وَ شَدَدْتَّ اَزْرِیْ بِقُوَّتِكَ، ثُمَّ فَلَلْتَ لِیْ حَدَّهٗ، وَ صَیَّرْتَهٗ مِنْ بَعْدِ جَمْعٍ عَدِیْدٍ وَّحْدَهٗ، وَ اَعْلَیْتَ كَعْبِیْ عَلَیْهِ، وَ جَعَلْتَ مَا سَدَّدَهٗ مَرْدُوْدًا عَلَیْهِ، فَرَدَدْتَّهٗ لَمْ یَشْفِ غَیْظَهٗ، وَ لَمْ یَسْكُنْ غَلِیْلُهٗ، قَدْ عَضَّ عَلٰی شَوَاهُ وَ اَدْبَرَ مُوَلِّیًا قَدْ اَخْلَفَتْ سَرَایَاهُ.

وَ كَمْ مِّنْ بَاغٍ بَغَانِیْ بِمَكَآئِدِهٖ، وَ نَصَبَ لِیْ شَرَكَ مَصَآئِدِهٖ، وَ وَكَّلَ بِیْ تَفَقُّدَ رِعَایَتِهٖ، وَ اَضْبَاَ اِلَیَّ اِضْبَآءَ السَّبُعِ لِطَرِیْدَتِهٖ، انْتِظَارًا لِّانْتِهَازِ الْفُرْصَةِ لِفَرِیْسَتِهٖ، وَ هُوَ یُظْهِرُ لِیْ بَشَاشَةَ الْمَلَقِ،

کی آمیزش کی، اور کمانوں میں تیروں کو جوڑ کر مجھے نشانہ کی زد پر رکھ لیا، اور ان کی تعاقب کرنے والی نگاہیں مجھ سے ذرا غافل نہ ہوئیں، اور دل میں میری ایذا رسانی کے منصوبے باندھتے اور تلخ جرعوں کی تلخی سے مجھے پیہم تلخ کام بناتے رہے۔

تو اے میرے معبود! ان رنج و آلام کی برداشت سے میری کمزوری، اور مجھ سے آمادہ پیکار ہونے والوں کے مقابلہ میں انتقام سے میری عاجزی، اور کثیر التعداد دشمنوں اور ایذا رسانی کیلئے گھات لگانے والوں کے مقابلہ میں میری تنہائی، تیری نظر میں تھی جس کی طرف سے میں غافل اور بے فکر تھا کہ تو نے میری مدد میں پہل اور اپنی قوت اور طاقت سے میری کمر مضبوط کی، پھر یہ کہ اس کی تیزی کو توڑ دیا، اور اس کے کثیر ساتھیوں (کو منتشر کرنے) کے بعد اسے یکہ و تنہا کر دیا، اور مجھے اس پر غلبہ و سربلندی عطا کی، اور جو تیر اس نے اپنی کمان میں جوڑے تھے وہ اسی کی طرف پلٹا دیئے، چنانچہ اس حالت میں تو نے اسے پلٹا دیا کہ نہ تو وہ اپنا غصہ ٹھنڈا کر سکا اور نہ اس کے دل کی تپش فرو ہو سکی، اس نے اپنی بوٹیاں کاٹیں، اور پیٹھ پھرا کر چلا گیا، اور اس کے لشکر والوں نے بھی اسے دغا دی۔

اور کتنے ہی ایسے ستمگر تھے جنہوں نے اپنے مکر و فریب سے مجھ پر ظلم و تعدی کی، اور اپنے شکار کے جال میرے لئے بچھائے، اور اپنی نگاہ جستجو کا مجھ پر پہرا لگا دیا، اور اس طرح گھات لگا کر بیٹھ گئے جس طرح درندہ اپنے شکار کے انتظار میں موقع کی تاک میں گھات لگا کر بیٹھتا ہے، درآنحالیکہ وہ میرے سامنے خوشامدانہ طور

وَ یَنْظُرُنِیْ عَلٰی شِدَّةِ الْحَنَقِ، فَلَمَّا رَاَیْتَ یَاۤ اِلٰهِیْ تَبَارَكْتَ وَ تَعَالَیْتَ دَغَلَ سَرِیْرَتِهٖ، وَ قُبْحَ مَا انْطَوٰی عَلَیْهِ، اَرْكَسْتَهٗ لِاُمِّ رَاْسِهٖ فِیْ زُبْیَتِهٖ، وَ رَدَدْتَّهٗ فِیْ مَهْوٰی حُفْرَتِهٖ، فَانْقَمَعَ بَعْدَ اسْتِطَالَتِهٖ ذَلِیْلًا فِیْ رِبَقِ حِبَالَتِهِ الَّتِیْ كَانَ یُقَدِّرُ اَنْ یَّرَانِیْ فِیْهَا، وَ قَدْ كَادَ اَنْ یَّحُلَّ بِیْ لَوْ لَا رَحْمَتُكَ مَا حَلَّ بِسَاحَتِهٖ.

پر خندہ پیشانی سے پیش آتے، اور (در پردہ) انتہائی کینہ توز نظروں سے مجھے دیکھتے، تو جب اے خدائے بزرگ و برتر تو نے ان کی بد باطنی و بدسرشتی کو دیکھا تو انہیں سر کے بل انہی کے گڑھے میں الٹ دیا، اور انہیں انہی کے غار کے گہراؤ میں پھینک دیا، اور جس جال میں مجھے گرفتار دیکھنا چاہتے تھے خود ہی غرور و سربلندی کا مظاہرہ کرنے کے بعد ذلیل ہو کر اس کے پھندوں میں جا پڑے، اور سچ تو یہ ہے کہ اگر تیری رحمت شریک حال نہ ہوتی تو کیا بعید تھا کہ جو بلا و مصیبت ان پر ٹوٹ پڑی ہے وہ مجھ پر ٹوٹ پڑتی۔

وَ كَمْ مِّنْ حَاسِدٍ قَدْ شَرِقَ بِیْ بِغُصَّتِهٖ، وَ شَجِیَ مِنِّیْ بِغَیْظِهٖ، وَ سَلَقَنِیْ بِحَدِّ لِسَانِهٖ، وَ وَحَرَنِیْ بِقَرْفِ عُیُوْبِهٖ، وَ جَعَلَ عِرْضِیْ غَرَضًا لِّمَرَامِیْهِ، وَ قَلَّدَنِیْ خِلَالًا لَّمْ تَزَلْ فِیْهِ، وَ وَحَرَنِیْ بِكَیْدِهٖ، وَ قَصَدَنِیْ بِمَكِیْدَتِهٖ، فَنَادَیْتُكَ یَاۤ اِلٰهِیْ مُسْتَغِیْثًا بِكَ، وَاثِقًا بِسُرْعَةِ اِجَابَتِكَ، عَالِمًاۤ اَنَّهٗ لَا یُضْطَهَدُ مَنْ اَوٰی اِلٰی ظِلِّ كَنَفِكَ، وَ لَا یَفْزَعُ مَنْ لَّجَاَ اِلٰی مَعْقِلِ انْتِصَارِكَ، فَحَصَّنْتَنِیْ مِنْ بَاْسِهٖ بِقُدْرَتِكَ.

اور کتنے ہی ایسے حاسد تھے جنہیں میری وجہ سے غم و غصہ کے اچھو اور غیظ و غضب کے گلوگیر پھندے لگے، اور اپنی تیز زبانی سے مجھے اذیت دیتے رہے، اور اپنے عیوب کے ساتھ مجھے متہم کر کے طیش دلاتے رہے، اور میری آبرو کو اپنے تیروں کا نشانہ بنایا، اور جن بری عادتوں میں وہ خود ہمیشہ مبتلا رہے وہ میرے سر منڈھ دیں، اور اپنی فریب کاریوں سے مجھے مشتعل کرتے، اور اپنی دغا بازیوں کے ساتھ میری طرف پر تولتے رہے، تو میں نے اے میرے اللہ تجھ سے فریاد رسی چاہتے ہوئے اور تیری جلد حاجت روائی پر بھروسا کرتے ہوئے تجھے پکارا، درآنحالیکہ یہ جانتا تھا کہ جو تیرے سایہ حمایت میں پناہ لے گا وہ شکست خوردہ نہیں ہوگا، اور جو تیرے انتقام کی پناہ گاہ محکم میں پناہ گزیں ہوگا وہ ہراساں نہیں ہوگا، چنانچہ تو نے اپنی قدرت سے ان کی شدت و شرانگیزی سے مجھے محفوظ کر دیا۔

وَ كَمْ مِّنْ سَحَآئِبِ مَكْرُوْهٍ

اور کتنے ہی مصیبتوں کے ابر (جو میرے افق زندگی پر چھائے

جَلَّيْتَهَا عَنِّيْ، وَ سَحَآئِبِ نِعَمٍ اَمْطَرْتَهَا عَلَيَّ، وَ جَدَاوِلِ رَحْمَةٍ نَشَرْتَهَا، وَ عَافِيَةٍ اَلْبَسْتَهَا، وَ اَعْيُنِ اَحْدَاثٍ طَمَسْتَهَا، وَ غَوَاشِيْ كُرُبَاتٍ كَشَفْتَهَا.

ہوئے) تھے تو نے چھانٹ دیئے، اور کتنے ہی نعمتوں کے بادل برسا دیئے، اور کتنی ہی رحمت کی نہریں بہا دیں، اور کتنے ہی صحت و عافیت کے جامے پہنا دیئے، اور کتنی ہی آلام وحوادث کی آنکھیں (جو میری طرف نگران تھیں) تو نے بے نور کر دیں، اور کتنے ہی غموں کے تاریک پردے (میرے دل پر سے) اٹھا دیئے۔

وَ كَمْ مِّنْ ظَنٍّ حَسَنٍ حَقَّقْتَ، وَ عَدَمٍ جَبَرْتَ، وَ صَرْعَةٍ اَنْعَشْتَ، وَ مَسْكَنَةٍ حَوَّلْتَ.

اور کتنے ہی اچھے گمانوں کو تو نے سچ کر دیا، اور کتنی ہی تہی دستیوں کا تو نے چارہ کیا، اور کتنی ہی ٹھوکروں کو تو نے سنبھالا، اور کتنی ہی ناداریوں کو تو نے (ثروت سے) بدل دیا۔

كُلُّ ذٰلِكَ اِنْعَامًا وَّ تَطَوُّلًا مِّنْكَ، وَ فِيْ جَمِيْعِهِ انْهِمَاكًا مِّنِّيْ عَلٰى مَعَاصِيْكَ، لَمْ تَمْنَعْكَ اِسَآءَتِيْ عَنْ اِتْمَامِ اِحْسَانِكَ، وَ لَا حَجَرَنِيْ ذٰلِكَ عَنِ ارْتِكَابِ مَسَاخِطِكَ، لَا تُسْئَلُ عَمَّا تَفْعَلُ.

(بارالٰہا!) یہ سب تیری طرف سے انعام واحسان ہے، اور میں ان تمام واقعات کے باوجود تیری معصیتوں میں ہمہ تن منہمک رہا، (لیکن) میری بداعمالیوں نے تجھے اپنے احسانات کی تکمیل سے روکا نہیں، اور نہ تیرا فضل واحسان مجھے ان کاموں سے جو تیری ناراضگی کا باعث ہیں باز رکھ سکا، اور جو کچھ تو کرے اس کی بابت تجھ سے پوچھ گچھ نہیں ہوسکتی۔

وَ لَقَدْ سُئِلْتَ فَاَعْطَيْتَ، وَ لَمْ تُسْئَلْ فَابْتَدَاْتَ، وَ اسْتُمِيْحَ فَضْلُكَ فَمَآ اَكْدَيْتَ، اَبَيْتَ يَا مَوْلَايَ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّ امْتِنَانًا وَّ تَطَوُّلًا وَّ اِنْعَامًا، وَ اَبَيْتُ اِلَّا تَقَحُّمًا لِّحُرُمَاتِكَ، وَ تَعَدِّيًا لِّحُدُوْدِكَ، وَ غَفْلَةً عَنْ وَّعِيْدِكَ.

تیری ذات کی قسم! جب بھی تجھ سے مانگا گیا تو نے عطا کیا، اور جب نہ مانگا گیا تو تو نے ازخود دیا، اور جب تیرے فضل وکرم کیلئے جھولی پھیلائی گئی تو تو نے بخل سے کام نہیں لیا، اے میرے مولا وآقا! تو نے کبھی احسان وبخشش اور تفضّل وانعام سے دریغ نہیں کیا، اور میں تیرے محرمات میں پھاندتا تیرے حدود واحکام سے متجاوز ہوتا، اور تیری تہدید وسرزنش سے ہمیشہ غفلت کرتا رہا۔

فَلَكَ الْحَمْدُ اِلٰهِيْ مِنْ مُّقْتَدِرٍ لَّا يُغْلَبُ، وَ ذِيْٓ اَنَاةٍ

اے میرے معبود! تیرے ہی لئے حمد وستائش ہے جو ایسا صاحب اقتدار ہے جو مغلوب نہیں ہوسکتا اور ایسا بردبار ہے جو

لَا يَعْجَلُ.

جلدی نہیں کرتا۔

هٰذَا مَقَامُ مَنِ اعْتَرَفَ بِسُبُوْغِ النِّعَمِ، وَ قَابَلَهَا بِالتَّقْصِيْرِ، وَ شَهِدَ عَلٰى نَفْسِهٖ بِالتَّضْيِيْعِ.

یہ اس شخص کا موقف ہے جس نے تیری نعمتوں کی فراوانی کا اعتراف کیا ہے، اور ان نعمتوں کے مقابلہ میں کوتاہی کی ہے، اور اپنے خلاف اپنی زیاں کاری کی گواہی دی ہے۔

اَللّٰهُمَّ فَاِنِّیْۤ اَتَقَرَّبُ اِلَيْكَ بِالْمُحَمَّدِيَّةِ الرَّفِيْعَةِ، وَ الْعَلَوِيَّةِ الْبَيْضَآءِ، وَ اَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِهِمَاۤ اَنْ تُعِيْذَنِیْ مِنْ شَرِّ كَذَا وَ كَذَا، فَاِنَّ ذٰلِكَ لَا يَضِيْقُ عَلَيْكَ فِیْ وُجْدِكَ، وَ لَا يَتَكَاَّدُكَ فِیْ قُدْرَتِكَ، وَ اَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ.

اے میرے معبود! میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منزلت بلند پایہ اور علی علیہ السلام کے مرتبہ روشن و درخشاں کے واسطہ سے تجھ سے تقرب کا خواستگار ہوں، اور ان دونوں کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوں، تاکہ مجھے ان چیزوں کی برائی سے پناہ دے جن سے پناہ طلب کی جاتی ہے، اس لئے کہ یہ تیری تونگری و وسعت کے مقابلہ میں دشوار اور تیری قدرت کے آگے کوئی مشکل کام نہیں ہے، اور تو ہر چیز پر قادر ہے۔

فَهَبْ لِیْ يَاۤ اِلٰهِیْ مِنْ رَّحْمَتِكَ وَ دَوَامِ تَوْفِيْقِكَ مَاۤ اَتَّخِذُهٗ سُلَّمًاۤ اَعْرُجُ بِهٖ اِلٰى رِضْوَانِكَ، وَ اٰمَنُ بِهٖ مِنْ عِقَابِكَ، يَاۤ اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ.

لہٰذا تو اپنی رحمت اور دائمی توفیق سے مجھے بہرہ مند فرما کہ جسے زینہ قرار دے کہ تیری رضا مندی کی سطح پر بلند ہو سکوں، اور اس کے ذریعہ تیرے عذاب سے محفوظ رہوں، اے تمام رحم کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے!۔

--☆☆--

یہ دُعا ''دُعائے جوشن صغیر'' کے نام سے موسوم ہے جو دشمن کی ایذا رسانیوں اور اذیت کوشیوں سے محفوظ رہنے کیلئے پڑھی جاتی ہے۔ دنیا میں ہر شخص کے خیر خواہ بھی ہوتے ہیں بدخواہ بھی، دوست بھی ہوتے ہیں اور دشمن بھی اور وہ فطرۃً دشمن کی چیرہ دستیوں سے بچنے کیلئے چارہ جوئی کرتا اور طبیعت میں غیظ و غضب کی آگ سلگتی ہے تو انتقام کا جذبہ بھڑک اٹھتا ہے، مگر خاصان خدا صرف اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے اور اس کے دامن حفظ و حمایت میں پناہ ڈھونڈتے ہیں۔ اور جب دشمنوں کی کثرت اور دوستوں کی قلت اور انتہائی قلت ہو تو اس کے سوا چارہ کار ہی کیا ہے۔

امام علیہ السلام کا دور حیات کچھ ایسا ہی دور تھا جس میں عفریت بلا منہ کھولے بیٹھا تھا اور مصائب و آلام کے سیلاب امڈے چلے آرہے تھے۔ ایک طرف فتنہ ابن زبیر سر اٹھائے ہوئے تھا جس میں بنی ہاشم ہی اس کے ظلم و تشدد کا نشانہ تھے اور دوسری طرف اموی اقتدار محیط تھا جس کے مظالم کا

نشانہ عام رعایا تو تھی ہی مگر اہل بیت نبوت علیہم السلام خصوصی ہدف تھے اور حکومت کی اس روش کی وجہ سے ایک ایسا ماحول بن گیا تھا جہاں دوست بھی کھل کر دوستی کا اظہار نہ کر سکتے تھے اور آمد و رفت اور ملنے جلنے سے ہچکچاتے تھے۔ حالانکہ سانحہ کربلا کے بعد امام علیہ السلام کی زندگی ایک خاموش زندگی تھی۔ نہ عمال حکومت سے ربط و ضبط، نہ ملکی معاملات سے سروکار۔ دنیا سے بس اتنا لگاؤ جتنا زندگی کے لمحات گزارنے کیلئے ضروری تھا۔

سعید ابن مسیب کہتے ہیں کہ:

مَا رَاَيْتُهٗ ضَاحِكًا يَوْمًا قَطُّ.

میں نے کسی دن بھی ان کو مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا۔[1]

آپؑ کی ایک کنیز سے آپؑ کے متعلق دریافت کیا گیا تو اس نے کہا:

مَآ اَتَيْتُهٗ بِطَعَامٍ نَّهَارًا قَطُّ، وَ مَا فَرَشْتُ لَهٗ فِرَاشًا بِلَيْلٍ قَطُّ.

میں نے کبھی ان کے سامنے دن کو کھانا پیش نہیں کیا اور رات کو کبھی بستر نہیں بچھایا۔[2]

مگر اس کے باوجود ہر طرح کی تحقیر و تذلیل اور تشدد آمیز برتاؤ روا رکھا جاتا تھا۔

چنانچہ متعدد مؤرخین نے لکھا ہے کہ عبد الملک نے حکم دے دیا کہ آپؑ کو بیڑیوں اور ہتھکڑیوں میں جکڑ کر شام پہنچا دیا جائے۔ جس پر آپؑ کو زنجیروں میں جکڑ لیا گیا۔ زہری کا بیان ہے کہ: جب میں نے حضرتؑ کو اس عالم میں دیکھا کہ آپؑ کے ہاتھ پاؤں بیڑیوں میں جکڑے ہوئے ہیں اور عبد الملک کے آدمیوں کا پہرا گرد ہے تو بے ساختہ میرے آنسو نکل آئے اور فوراً عبد الملک کے پاس روانہ ہو گیا اور اس سے کہا کہ:

لَيْسَ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ حَيْثُ تَظُنُّ، اِنَّهٗ مَشْغُوْلٌ بِرَبِّهٖ.

اے امیر! علی ابن الحسین علیہما السلام کے متعلق تمہارا گمان درست نہیں ہے۔ وہ تو ہر وقت اپنے پروردگار کی عبادت و اطاعت میں مصروف رہتے ہیں۔[3]

اس واقعہ کے بعد آپؑ کو امان حاصل ہوئی۔

یونہی اگر کوئی عقیدت کی بنا پر زبان کھولتا تو وہ مورد عتاب قرار پاتا۔ چنانچہ فرزدق کا واقعہ ہے کہ جب اس نے ہشام ابن عبد الملک کے تجاہل عارفانہ کے موقعہ پر اپنا وہ قصیدہ پڑھا جس کا پہلا شعر یہ ہے:

هٰذَا الَّذِيْ تَعْرِفُ الْبَطْحَآءُ وَطْاَتَهٗ ۔۔۔ وَ الْبَيْتُ يَعْرِفُهٗ وَ الْحِلُّ وَ الْحَرَمُ

”یہ وہ ہے جس کے قدموں کی چاپ کو سرزمین مکہ پہچانتی ہے اور جسے خانہ کعبہ اور حل و حرم بخوبی جانتے ہیں“۔[4]

---

[1] شرح ابن ابی الحدید، ج ۱۵، ص ۲۷۴۔

[2] بحار الانوار، ج ۴۶، ص ۶۲۔

[3] مناقب ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۱۳۲۔

[4] الارشاد، شیخ مفید، ج ۲، ص ۱۵۱۔

تو اس کا نام درباری شعراء کی فہرست سے کاٹ دیا گیا اور مقررہ وظیفہ بند کرنے کے بعد قید میں ڈال دیا گیا۔

اسی طرح ہشام ابن اسماعیل نے جو عبد الملک کے دور میں حاکم مدینہ اور بڑا ظالم وسفاک تھا، امام علیہ السلام کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں۔ چنانچہ تاریخ طبری میں ہے کہ:

لَقِيَ مِنْهُ عَلِيُّ ابْنُ الْحُسَيْنِ اَذًى شَدِيْدًا.

علی ابن حسین علیہما السلام نے اس کے ہاتھوں سخت اذیتیں اٹھائیں۔[1]

مگر اس ظلم وتشدد کے باوجود حضرتؑ نے ہمیشہ صبر وتحمل سے کام لیا اور شکوہ کیا تو اس سے جو شکوہ وفریاد کو سنتا اور رنج وکرب کو دور کرتا ہے اور وہی ایک مظلوم وستم رسیدہ کی آخری پناہ گاہ ہے۔

☆☆☆☆☆

---

[1] تاریخ طبری، ج ۳ ص ۶۷۲۔

(۵۰) وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

فِي الرَّهْبَةِ

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ خَلَقْتَنِيْ سَوِيًّا، وَ رَبَّيْتَنِيْ صَغِيْرًا، وَ رَزَقْتَنِيْ مَكْفِيًّا.

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ وَجَدْتُّ فِيْمَاۤ اَنْزَلْتَ مِنْ كِتَابِكَ، وَ بَشَّرْتَ بِهٖ عِبَادَكَ اَنْ قُلْتَ: ﴿يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ﴾، وَ قَدْ تَقَدَّمَ مِنِّيْ مَا قَدْ عَلِمْتَ، وَ مَاۤ اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ، فَيَا سَوْاَتَا مِمَّاۤ اَحْصَاهُ عَلَيَّ كِتَابُكَ، فَلَوْ لَا الْمَوَاقِفُ الَّتِيْۤ اُؤَمِّلُ مِنْ عَفْوِكَ الَّذِيْ شَمِلَ كُلَّ شَيْءٍ لَاَلْقَيْتُ بِيَدِيْ، وَ لَوْ اَنَّ اَحَدًا اسْتَطَاعَ الْهَرَبَ مِنْ رَّبِّهٖ لَكُنْتُ اَنَاۤ اَحَقَّ بِالْهَرَبِ مِنْكَ، وَ اَنْتَ لَا تَخْفٰى عَلَيْكَ خَافِيَةٌ فِي الْاَرْضِ وَ لَا فِي السَّمَآءِ اِلَّاۤ اَتَيْتَ بِهَا، وَ كَفٰى بِكَ جَازِيًا وَّ كَفٰى بِكَ حَسِيْبًا.

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ طَالِبِيْۤ اِنْ اَنَا هَرَبْتُ، وَ مُدْرِكِيْۤ اِنْ اَنَا فَرَرْتُ، فَهَاۤ اَنَا ذَا بَيْنَ يَدَيْكَ خَاضِعٌ ذَلِيْلٌ رَّاغِمٌ،

دُعا (۵۰)

خوف خدا کے سلسلہ میں حضرتؑ کی دُعا

بارالٰہا! تو نے مجھے اس طرح پیدا کیا کہ میرے اعضاء بالکل صحیح وسالم تھے، اور جب کم سن تھا تو میری پرورش کا سامان کیا، اور بے رنج وکاوش رزق دیا۔

بارالٰہا! تو نے جس کتاب کو نازل کیا اور جس کے ذریعے اپنے بندوں کو نوید و بشارت دی اس میں تیرے اس ارشاد کو دیکھا ہے کہ: "اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ یقیناً اللہ تمہارے تمام گناہ معاف کر دے گا"، اور اس سے پیشتر مجھ سے ایسے گناہ سرزد ہو چکے ہیں جن سے تو واقف ہے، اور جنہیں تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے، وائے بدبختی و رسوائی ان گناہوں کے ہاتھوں جنہیں تیری کتاب قلمبند کئے ہوئے ہے، اگر تیرے ہمہ گیر عفو و درگزر کے وہ مواقع نہ ہوتے جن کا میں امیدوار ہوں تو میں اپنے ہاتھوں اپنی ہلاکت کا سامان کر چکا تھا، اگر کوئی ایک بھی اپنے پروردگار سے نکل بھاگنے پر قادر ہوتا تو میں تجھ سے بھاگنے کا زیادہ سزاوار تھا، اور تو وہ ہے جس سے زمین و آسمان کے اندر کا کوئی راز مخفی نہیں ہے مگر یہ کہ تو (قیامت کے دن) اسے لا حاضر کرے گا، تو جزا دینے اور حساب کرنے کیلئے بہت کافی ہے۔

اے اللہ! میں اگر بھاگنا چاہوں تو تو مجھے ڈھونڈ لے گا، اگر راہ گریز اختیار کروں تو تو مجھے پا لے گا، لے دیکھ میں عاجز، ذلیل اور شکستہ حال تیرے سامنے کھڑا ہوں، اگر تو عذاب کرے تو میں

اِنْ تُعَذِّبْنِیْ فَاِنِّیْ لِذٰلِكَ اَهْلٌ، وَ هُوَ یَا رَبِّ مِنْكَ عَدْلٌ، وَ اِنْ تَعْفُ عَنِّیْ فَقَدِیْمًا شَمَلَنِیْ عَفْوُكَ، وَ اَلْبَسْتَنِیْ عَافِیَتَكَ.

اس کا سزاوار ہوں، اے میرے پروردگار! یہ تیری جانب سے عین عدل ہے، اور اگر تو معاف کر دے تو تیرا عفوو درگزر ہمیشہ میرے شامل حال رہا ہے، اور تو نے صحت و سلامتی کے لباس مجھے پہنائے ہیں۔

فَاَسْئَلُكَ اللّٰهُمَّ بِالْمَخْزُوْنِ مِنْ اَسْمَآئِكَ، وَ بِمَا وَارَتْهُ الْحُجُبُ مِنْ بَهَآئِكَ، اِلَّا رَحِمْتَ هٰذِهِ النَّفْسَ الْجَزُوْعَةَ، وَ هٰذِهِ الرِّمَّةَ الْهَلُوْعَةَ، الَّتِیْ لَا تَسْتَطِیْعُ حَرَّ شَمْسِكَ، فَكَیْفَ تَسْتَطِیْعُ حَرَّ نَارِكَ،! وَ الَّتِیْ لَا تَسْتَطِیْعُ صَوْتَ رَعْدِكَ، فَكَیْفَ تَسْتَطِیْعُ صَوْتَ غَضَبِكَ.

بار الٰہا! میں تیرے ان پوشیدہ ناموں کے وسیلہ سے اور تیری اس بزرگی کے واسطہ سے جو (جلال وعظمت کے) پردوں میں مخفی ہے، تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ اس بے تاب نفس اور بے قرار ہڈیوں کے ڈھانچہ پر ترس کھا، (اس لئے کہ) جو تیرے سورج کی تپش کو برداشت نہیں کر سکتا وہ تیرے جہنم کی تیزی کو کیسے برداشت کرے گا، اور جو تیرے بادل کی گرج سے کانپ اٹھتا ہے وہ تیرے غضب کی آواز کو کیسے سن سکتا ہے۔

فَارْحَمْنِی اللّٰهُمَّ فَاِنِّی امْرُؤٌ حَقِیْرٌ، وَ خَطَرِیْ یَسِیْرٌ، وَ لَیْسَ عَذَابِیْ مِمَّا یَزِیْدُ فِیْ مُلْكِكَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ، وَ لَوْ اَنَّ عَذَابِیْ مِمَّا یَزِیْدُ فِیْ مُلْكِكَ لَسَئَلْتُكَ الصَّبْرَ عَلَیْهِ، وَ اَحْبَبْتُ اَنْ یَّكُوْنَ ذٰلِكَ لَكَ، وَ لٰكِنْ سُلْطَانُكَ اللّٰهُمَّ اَعْظَمُ، وَ مُلْكُكَ اَدْوَمُ مِنْ اَنْ تَزِیْدَ فِیْهِ طَاعَةُ الْمُطِیْعِیْنَ، اَوْ تَنْقُصَ مِنْهُ مَعْصِیَةُ الْمُذْنِبِیْنَ. فَارْحَمْنِیْ یَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ، وَ تَجَاوَزْ عَنِّیْ یَا ذَا الْجَلَالِ وَ الْاِكْرَامِ، وَ تُبْ عَلَیَّ،

لہٰذا میرے حالِ زار پر رحم فرما اس لئے کہ اے میرے معبود! میں ایک حقیر فرد ہوں جس کا مرتبہ پست تر ہے، اور مجھ پر عذاب کرنا تیری سلطنت میں ذرّہ بھر اضافہ نہیں کر سکتا، اور اگر مجھے عذاب کرنا تیری سلطنت کو بڑھا دیتا تو میں تجھ سے عذاب پر صبر و شکیبائی کا سوال کرتا اور یہ چاہتا کہ وہ اضافہ تجھے حاصل ہو، لیکن اے میرے معبود! تیری سلطنت اس سے زیادہ عظیم اور اس سے زیادہ دوام پذیر ہے کہ فرمانبرداروں کی اطاعت اس میں کچھ اضافہ کر سکے، یا گنہگاروں کی معصیت اس میں سے کچھ گھٹا سکے، تو پھر اے تمام رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے! مجھ پر رحم فرما، اور اے جلال و بزرگی والے! مجھ سے درگزر کر اور میری توبہ

اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ. قبول فرما، بے شک تو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

--☆☆-- --☆☆--

یہ دُعا خوف وخشیت الٰہی کے سلسلہ میں ہے۔ جب انسان کو اپنی عبودیت کا احساس ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی عظمت و جبروت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا اور اسی تاثر کا نام ''خوف'' ہے جو عبودیت کا جوہر، انسانی عزت کا سرمایہ اور دینی و اخلاقی زندگی کا محافظ ہے۔ کیونکہ انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف بسا ہو تو پھر اس کی مطلق العنانی اسے خواہشات نفس کی پیروی سے روک دیتی ہے اور محاسبہ اور اپنے اعمال پر سزا کے مرتب ہونے کے اندیشہ سے گناہوں سے بچ کر رہنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اگر خوف کا مظاہرہ کرے مگر خوف اس کی زندگی پر اثر انداز نہ ہو اور نہ اس میں فرض شناسی کا احساس پیدا کرے تو وہ درحقیقت خوف ہی نہیں ہے۔ کیونکہ خوف مشاہدہ میں آنے والی چیز تو ہے نہیں۔ اس کا اندازہ انسانی کردار کے تاثر ہی سے ہوسکتا ہے۔

بہر حال خوف خدا مختلف دواعی واسباب کی بنا پر پیدا ہوتا ہے:

☆ کبھی گناہ اور اس کے ہولناک نتائج کے تصور سے خوف طاری ہوتا ہے۔ کیونکہ جب انسان اللہ تعالیٰ کو اپنے اعمال پر حاضر ناظر سمجھے گا اور حشر ونشر پر ایمان رکھے گا تو سزا و محاسبہ کے ڈر سے اس سے خوف کھائے گا لیکن یہ ڈر اپنی تکلیف واذیت کے احساس کی بنا پر ہے۔ یہ اگرچہ اس سطح پر نہیں ہے جس سطح پر بلند نظر افراد کا خوف ہوتا ہے، تاہم یہ انسان کیلئے توبہ کا محرک اور اصلاح نفس اور اپنے حالات کی تبدیلی پر آمادہ کرنے کا باعث ہوتا ہے۔

☆ اور کبھی اس تصور کے پیش نظر خوف ہوتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ توبہ کے بعد پھر خواہشات نفس غالب آجائیں اور گناہ اس طرح گھیر لیں کہ توبہ کی توفیق ہی نہ ہو اور حشر ونشر اور حساب وکتاب کے موقع پر شرمندگی اٹھانا اور عذاب الٰہی سے دو چار ہونا پڑے۔

☆ اور کبھی خواہشات و جذبات پر پورا قابو ہونے کے باوجود صرف اس کی عظمت و ہیبت کے تصور سے خوف طاری ہوتا ہے۔ چنانچہ جب صلحاء و ابرار اس کی رفعت و کبریائی سے متاثر ہوتے ہیں تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں، جسم پر کپکپی اور بدن پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ اس خوف کو ''خشیت و رہبت'' سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ نتیجہ ہے علم و معرفت کا۔ چنانچہ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ط﴾

اللہ سے بس وہی لوگ ڈرتے ہیں جو علم و معرفت رکھتے ہیں۔[1]

اس علم و معرفت کی بنا پر پیغمبر اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

اَنَا اَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَ اَتْقَاكُمْ لِلّٰهِ.

---

[1] سورۂ فاطر، آیت ۲۸۔

میں تم سب سے زیادہ اللہ سے خائف وترساں ہوں۔[1]

✲ اور کبھی خوف، گناہ اور احساس عظمت دونوں قسم کے ملے جلے جذبات کے نتیجہ میں ہوتا ہے اور کبھی صرف قرب خداوندی ولقائے ربانی سے محرومی کے تصور سے ہوتا ہے۔ اس میں نہ سزا کی دہشت کارفرما ہوتی ہے اور نہ حشر ونشر کے خوف کی آمیزش، بلکہ بندہ کسی جزا کی امید اور کسی سزا کے اندیشہ سے بلند تر ہو کر صرف بارگاہ ایزدی سے دوری کے تصور سے گھبراتا اور اس کی نظر التفات کی محرومی سے ہراساں ہوتا ہے۔ چنانچہ امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے:

فَهَبْنِىْ يَاۤ اِلٰهِى وَ سَيِّدِىْ وَ مَوْلَاىَ وَ رَبِّىْ صَبَرْتُ عَلٰى عَذَابِكَ فَكَيْفَ اَصْبِرُ عَلٰى فِرَاقِكَ؟.

اے میرے معبود! میرے مالک! میرے مولا! میرے پروردگار! یہ مانا کہ میں نے تیرے عذاب پر صبر کرلیا، مگر تیری دوری وفراق پر کیونکر صبر کروں گا؟۔[2]

یہ خوف کا مرتبہ تمام مراتب خوف سے بلندتر اور صدیقین ومقربین بارگاہ سے مخصوص ہے۔

حضرتؑ کی یہ دُعا خوف الٰہی کے سلسلہ میں ایک جامع اور تمام اقسام خوف کو شامل ہے جس میں ابتداءً اس کے احسانات اور ہمہ گیر رحمت و غفران کا ذکر کیا ہے۔ پھر اپنے گناہوں کا اقرار، عفوو درگزر کی توقع، سزاو عقوبت کو اس کے عدل کا تقاضا قرار دیتے ہوئے عذاب کے مقابلہ میں اپنی عاجزی وناطاقتی کا اظہار کیا ہے۔ اس طرح کہ جو دھوپ کی حدت کو برداشت نہ کرسکے وہ دوزخ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کی تپش کو کیسے برداشت کرلے گا اور جو بجلی کی کڑک کی آواز پر دہل جاتا ہو وہ اس کے غیظ وغضب کی دہشت اور اس کی رحمت سے دوری کا کس طرح متحمل ہوسکتا ہے اور آخر میں اس کی شاہی وفرمانروائی کا ذکر کیا ہے کہ اس کی سلطنت وشاہی کو دنیوی حکومتوں پر قیاس نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ دوسرے حکمرانوں کو اپنی حکومت کی بقا کیلئے رعیت کے تعاون اور لشکر وسپاہ کی اعانت کی حاجت ہوتی ہے اور اسے مخالفوں کی مخالفت کی پروا اور ہمنواؤں کی ہمنوائی کی احتیاج نہیں ہے۔ نہ فرمانبرداروں کی فرمانبرداری سے اس کے ملک وسلطنت میں اضافہ ہوتا ہے اور نہ خطا کاروں کی نافرمانی اس پر اثر انداز ہوسکتی ہے کہ وہ فرمانبرداروں کو ساتھ ملائے رکھنے کی کوشش کرے اور نافرمانوں اور مجرموں کو سزا دے کر اپنی حکومت کا استحکام چاہیے، کیونکہ اس کی سلطنت غیر مختتم، ملک لازوال اور بادشاہی ہمہ گیر ہے۔ اور یہ اقتدار وغلبہ اسے اپنی قدرت سے حاصل ہے جس میں احتیاج کا شائبہ بھی نہیں ہے۔ اور نہ کوئی اس کا مدمقابل ہے اور نہ کوئی اس سے متصادم ہوسکتا ہے اور ہر متنفس وہ فرمانبردار ہو یا نافرمان اس کے زیر تسلط واقتدار ہے۔ لہٰذا وہ گنہگاروں سے عفوو درگزر کرکے اپنی رحمت کو کارفرما کرے تو اس کی شان کریمی سے بعید نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆

---

[1] ریاض السالکین، ج۷، ص۳۷۵۔

[2] مصباح المتہجد، ج۲،ص۸۴۷۔

(۵۱) وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

فِي التَّضَرُّعِ وَ الِاسْتِكَانَةِ

اِلٰهِيْٓ اَحْمَدُكَ وَ اَنْتَ لِلْحَمْدِ اَهْلٌ عَلٰى حُسْنِ صَنِيْعِكَ اِلَيَّ، وَ سُبُوْغِ نَعْمَآئِكَ عَلَيَّ، وَ جَزِيْلِ عَطَآئِكَ عِنْدِيْ، وَ عَلٰى مَا فَضَّلْتَنِيْ مِنْ رَّحْمَتِكَ، وَ اَسْبَغْتَ عَلَيَّ مِنْ نِّعْمَتِكَ، فَقَدِ اصْطَنَعْتَ عِنْدِيْ مَا يَعْجِزُ عَنْهُ شُكْرِيْ، وَ لَوْ لَاۤ اِحْسَانُكَ اِلَيَّ وَ سُبُوْغُ نَعْمَآئِكَ عَلَيَّ مَا بَلَغْتُ اِحْرَازَ حَظِّيْ، وَ لَاۤ اِصْلَاحَ نَفْسِيْ، وَ لٰكِنَّكَ ابْتَدَاْتَنِيْ بِالْاِحْسَانِ، وَ رَزَقْتَنِيْ فِيْۤ اُمُوْرِيْ كُلِّهَا الْكِفَايَةَ، وَ صَرَفْتَ عَنِّيْ جَهْدَ الْبَلَآءِ، وَ مَنَعْتَ مِنِّيْ مَحْذُوْرَ الْقَضَآءِ.

اِلٰهِيْ! فَكَمْ مِنْ بَلَآءٍ جَاهِدٍ قَدْ صَرَفْتَ عَنِّيْ، وَ كَمْ مِنْ نِّعْمَةٍ سَابِغَةٍ اَقْرَرْتَ بِهَا عَيْنِيْ، وَ كَمْ مِّنْ صَنِيْعَةٍ كَرِيْمَةٍ لَّكَ عِنْدِيْ، اَنْتَ الَّذِيْۤ اَجَبْتَ عِنْدَ الِاضْطِرَارِ دَعْوَتِيْ، وَ اَقَلْتَ عِنْدَ الْعِثَارِ زَلَّتِيْ، وَ اَخَذْتَ لِيْ مِنَ الْاَعْدَآءِ بِظُلَامَتِيْ.

اِلٰهِيْ مَا وَجَدْتُّكَ بَخِيْلًا حِيْنَ

دُعا (۵۱)

تضرع وفروتنی کے سلسلہ میں حضرتؑ کی دُعا

اے میرے معبود! میں تیری حمد و ستائش کرتا ہوں اور تو حمد وستائش کا سزاوار ہے، اس بات پر کہ تو نے میرے ساتھ اچھا سلوک کیا، مجھ پر اپنی نعمتوں کو کامل اور اپنے عطیوں کو فراواں کیا، اور اس بات پر کہ تو نے اپنی رحمت کے ذریعہ مجھے زیادہ سے زیادہ دیا، اور اپنی نعمتوں کو مجھ پر تمام کیا، چنانچہ تو نے مجھ پر وہ احسانات کئے ہیں۔ جن کے شکریہ سے قاصر ہوں، اور اگر تیرے احسانات مجھ پر نہ ہوتے اور تیری نعمتیں مجھ پر فراواں نہ ہوتیں تو میں نہ اپنا حظ ونصیب فراہم کرسکتا تھا اور نہ نفس کی اصلاح و درستی کی حد تک پہنچ سکتا تھا، لیکن تو نے میرے حق میں اپنے احسانات کا آغاز فرمایا اور میرے تمام کاموں میں مجھے (دوسروں سے) بے نیازی عطا کی، رنج و بلا کی سختی مجھ سے ہٹا دی اور جس حکم قضا کا اندیشہ تھا اسے مجھ سے روک دیا۔

اے میرے معبود! کتنی بلا خیز مصیبتیں تھیں جنہیں تو نے مجھ سے دور کر دیا، اور کتنی ہی کامل نعمتیں تھیں جن سے تو نے میری آنکھوں کی خنکی وسرور کا سامان کیا، اور کتنے ہی تو نے مجھ پر بڑے احسانات فرمائے ہیں، تو وہ ہے جس نے حالت اضطرار میں میری دُعا قبول کی، اور (گناہوں میں) گرنے کے موقع پر میری لغزش سے درگزر کیا، اور دشمنوں سے میرے ظلم وستم سے چھنے ہوئے حق کو لے لیا۔

بار الہا! میں نے جب بھی تجھ سے سوال کیا تجھے بخیل اور

سَئَلْتُكَ، وَ لَا مُنْقَبِضًا حِيْنَ اَرَدْتُّكَ، بَلْ وَجَدْتُّكَ لِدُعَآئِيْ سَامِعًا، وَ لِمَطَالِبِيْ مُعْطِيًا، وَ وَجَدْتُّ نُعْمَاكَ عَلَيَّ سَابِغَةً فِيْ كُلِّ شَاْنٍ مِّنْ شَاْنِيْ، وَ كُلِّ زَمَانٍ مِّنْ زَمَانِيْ، فَاَنْتَ عِنْدِيْ مَحْمُوْدٌ، وَ صَنِيْعُكَ لَدَيَّ مَبْرُوْرٌ، تَحْمَدُكَ نَفْسِيْ وَ لِسَانِيْ وَ عَقْلِيْ، حَمْدًا يَّبْلُغُ الْوَفَآءَ وَ حَقِيْقَةَ الشُّكْرِ، حَمْدًا يَّكُوْنُ مَبْلَغَ رِضَاكَ عَنِّيْ، فَنَجِّنِيْ مِنْ سُخْطِكَ.

جب بھی تیری بارگاہ کا قصد کیا تجھے رنجیدہ نہیں پایا، بلکہ تجھے اپنی دُعا کی نسبت سننے والا اور اپنے مقاصد کا برلانے والا ہی پایا، اور میں نے اپنے احوال میں سے ہر حال میں اور اپنے زمانہ (حیات) کے ہر لمحہ میں تیری نعمتوں کو اپنے لئے فراواں پایا، لہٰذا تو میرے نزدیک قابل تعریف اور تیرا احسان لائق شکریہ ہے، میرا جسم (عملاً)، میری زبان (قولاً) اور میری عقل (اعتقاداً) تیری حمد وسپاس کرتی ہے، ایسی حمد جو حد کمال اور انتہائے شکر پر فائز ہو، ایسی حمد جو میرے لئے تیری خوشنودی کے برابر ہو، لہٰذا مجھے اپنی ناراضگی سے بچا۔

يَا كَهْفِيْ حِيْنَ تُعْيِيْنِى الْمَذَاهِبُ، وَ يَا مُقِيْلِيْ عَثْرَتِيْ، فَلَوْ لَا سَتْرُكَ عَوْرَتِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمَفْضُوْحِيْنَ، وَ يَا مُؤَيِّدِيْ بِالنَّصْرِ، فَلَوْ لَا نَصْرُكَ اِيَّايَ لَكُنْتُ مِنَ الْمَغْلُوْبِيْنَ.

اے میرے پناہ گاہ جبکہ (متفرق) راستے مجھے خستہ و پریشان کر دیں، اے میری لغزشوں کے معاف کرنے والے! اگر تو میری پردہ پوشی نہ کرتا تو میں یقیناً رسوا ہونے والوں میں سے ہوتا، اے اپنی مدد سے مجھے تقویت دینے والے! اگر تیری مدد شریک حال نہ ہوتی تو میں مغلوب وشکست خوردہ لوگوں میں سے ہوتا۔

وَ يَا مَنْ وَّضَعَتْ لَهُ الْمُلُوْكُ نِيْرَ الْمَذَلَّةِ عَلٰى اَعْنَاقِهَا، فَهُمْ مِنْ سَطَوَاتِهٖ خَآئِفُوْنَ، وَ يَآ اَهْلَ التَّقْوٰى، وَ يَا مَنْ لَّهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى، اَسْئَلُكَ اَنْ تَعْفُوَ عَنِّيْ، وَ تَغْفِرَ لِيْ فَلَسْتُ بَرِيْٓئًا فَاَعْتَذِرَ، وَ لَا بِذِيْ قُوَّةٍ فَاَنْتَصِرَ، وَ لَا مَفَرَّ لِيْ فَاَفِرَّ، وَ اَسْتَقِيْلُكَ عَثَرَاتِيْ، وَ اَتَنَصَّلُ

اے وہ جس کی بارگاہ میں شاہوں نے ذلت وخواری کا جوا اپنی گردن میں ڈال لیا ہے اور وہ اس کے غلبہ واقتدار سے خوف زدہ ہیں! اے وہ جو تقویٰ کا سزاوار ہے! اے وہ کہ حسن وخوبی والے نام بس اسی کیلئے ہیں! میں تجھ سے خواستگار ہوں کہ مجھ سے درگزر فرما اور مجھے بخش دے، کیونکہ میں بے گناہ نہیں ہوں کہ عذر خواہی کروں، اور نہ طاقتور ہوں کہ غلبہ پا سکوں، اور نہ گریز کی کوئی جگہ ہے کہ بھاگ سکوں، میں تجھ سے اپنی لغزشوں کی معافی چاہتا ہوں اور ان گناہوں سے جنھوں نے مجھے ہلاک کر دیا ہے

اِلَيْكَ مِنْ ذُنُوْبِيَ الَّتِيْ قَدْ اَوْبَقَتْنِيْ، وَ اَحَاطَتْ بِيْ فَاَهْلَكَتْنِيْ، مِنْهَا فَرَرْتُ اِلَيْكَ رَبِّ تَآئِبًا فَتُبْ عَلَيَّ، مُتَعَوِّذًا فَاَعِذْنِيْ، مُسْتَجِيْرًا فَلَا تَخْذُلْنِيْ، سَآئِلًا فَلَا تَحْرِمْنِيْ، مُعْتَصِمًا فَلَا تُسْلِمْنِيْ، دَاعِيًا فَلَا تَرُدَّنِيْ خَآئِبًا.

اور مجھے اس طرح گھیر لیا ہے کہ مجھے تباہ کر دیا ہے، توبہ و معذرت کرتا ہوں، میں اے میرے پروردگار! ان گناہوں سے توبہ کرتے ہوئے تیری طرف بھاگ کھڑا ہوں، تو اب میری توبہ قبول فرما، تجھ سے پناہ چاہتا ہوں مجھے پناہ دے، تجھ سے امان مانگتا ہوں مجھے خوار نہ کر، تجھ سے سوال کرتا ہوں مجھے محروم نہ کر، تیرے دامن سے وابستہ ہوں مجھے میرے حال پر چھوڑ نہ دے، اور تجھ سے دُعا مانگتا ہوں لہٰذا مجھے نا کام نہ پھیر۔

دَعَوْتُكَ يَا رَبِّ مِسْكِيْنًا مُّسْتَكِيْنًا، مُشْفِقًا خَآئِفًا وَّجِلًا، فَقِيْرًا مُّضْطَرًّآ اِلَيْكَ، اَشْكُوْٓ اِلَيْكَ يَآ اِلٰهِيْ ضَعْفَ نَفْسِيْ عَنِ الْمُسَارَعَةِ فِيْمَا وَعَدْتَّهٗ اَوْلِيَآءَكَ، وَ الْمُجَانَبَةِ عَمَّا حَذَّرْتَهٗ اَعْدَآءَكَ، وَ كَثْرَةَ هُمُوْمِيْ، وَ وَسْوَسَةَ نَفْسِيْ.

اے میرے پروردگار! میں نے ایسے حال میں کہ میں بالکل مسکین، عاجز، خوف زدہ، ترساں، ہراساں، بے سر و سامان اور لاچار ہوں تجھے پکارا ہے، اے میرے معبود! میں اس اجر و ثواب کی جانب جس کا تو نے اپنے دوستوں سے وعدہ کیا ہے جلدی کرنے، اور اس عذاب سے جس سے تو نے اپنے دشمنوں کو ڈرایا ہے دوری اختیار کرنے سے اپنی کمزوری اور ناتوانی کا گلہ کرتا ہوں، نیز افکار کی زیادتی اور نفس کی پریشان خیالی کا شکوہ کرتا ہوں۔

اِلٰهِيْ لَمْ تَفْضَحْنِيْ بِسَرِيْرَتِيْ، وَ لَمْ تُهْلِكْنِيْ بِجَرِيْرَتِيْ، اَدْعُوْكَ فَتُجِيْبُنِيْ وَ اِنْ كُنْتُ بَطِيْٓئًا حِيْنَ تَدْعُوْنِيْ، وَ اَسْئَلُكَ كُلَّمَا شِئْتُ مِنْ حَوَآئِجِيْ، وَ حَيْثُ مَا كُنْتُ وَضَعْتُ عِنْدَكَ سِرِّيْ، فَلَآ اَدْعُوْ سِوَاكَ، وَ لَآ اَرْجُوْ غَيْرَكَ، لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ، تَسْمَعُ مَنْ

اے میرے معبود! تو میری باطنی حالت کی وجہ سے مجھے رسوا نہ کرنا، اور میرے گناہوں کے باعث مجھے تباہ و برباد نہ ہونے دینا، میں تجھے پکارتا ہوں تو تو مجھے جواب دیتا ہے، اور جب تو مجھے بلاتا ہے تو میں سستی کرتا ہوں، اور میں جو حاجت رکھتا ہوں تجھ سے طلب کرتا ہوں، اور جہاں کہیں ہوتا ہوں اپنے راز دلی تیرے سامنے آشکارا کرتا ہوں، اور تیرے سوا کسی کو نہیں پکارتا، اور نہ تیرے علاوہ کسی سے آس رکھتا ہوں، حاضر ہوں، حاضر ہوں، میں حاضر ہوں! جو تجھ سے شکوہ کرے تو اس کا شکوہ سنتا ہے، اور جو تجھ پر بھروسا

شَكَا اِلَيْكَ، وَ تَلْقٰى مَنْ تَوَكَّلَ عَلَيْكَ، وَ تُخَلِّصُ مَنِ اعْتَصَمَ بِكَ، وَ تُفَرِّجُ عَمَّنْ لَّاذَ بِكَ.

کرے اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اور جو تیرا دامن تھام لے اسے (غم وفکر سے) رہائی دیتا ہے، اور جو تجھ سے پناہ چاہے اس سے غم واندوہ کو دور کر دیتا ہے۔

اِلٰهِىْ! فَلَا تَحْرِمْنِىْ خَيْرَ الْاٰخِرَةِ وَ الْاُوْلٰى لِقِلَّةِ شُكْرِىْ، وَ اغْفِرْ لِىْ مَا تَعْلَمُ مِنْ ذُنُوْبِىْ، اِنْ تُعَذِّبْ فَاَنَا الظَّالِمُ الْمُفَرِّطُ الْمُضَيِّعُ، الْاٰثِمُ الْمُقَصِّرُ، الْمُضَجِّعُ الْمُغْفِلُ حَظَّ نَفْسِىْ، وَ اِنْ تَغْفِرْ فَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ.

اے میرے معبود! میرے ناشکرے پن کی وجہ سے مجھے دنیا وآخرت کی بھلائی سے محروم نہ کر، اور میرے وہ گناہ جو تیرے علم میں ہیں بخش دے، اور اگر تو سزا دے تو اس لئے کہ میں ہی حد سے تجاوز کرنے والا، سست قدم، زیاں کار، عاصی، تقصیر پیشہ، غفلت شعار اور اپنے حظ ونصیب میں لا پروائی کرنے والا ہوں، اور اگر تو بخش دے تو اس لئے کہ تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

--☆☆--

--☆☆--

یہ دُعا خداوند عالم کی نعمتوں کے اقرار اور اپنے گناہوں کے اعتراف کے سلسلہ میں ہے۔ ''اقرار نعمت'' کے معنی یہ ہیں کہ تمام نعمتوں کا سرچشمہ ذات احدیت کو سمجھتے ہوئے ان پر شکر ادا کرے اور ''اعتراف گناہ'' کا مقصد یہ ہے کہ اپنے گناہوں پر اظہار ندامت کرتے ہوئے توبہ کرے۔ اس طرح نعمتوں کے اقرار سے نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے اور گناہوں کے اعتراف سے گناہ ڈھل جاتے ہیں۔ چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے:

لَا وَ اللّٰهِ مَآ اَرَادَ اللّٰهُ تَعَالٰى مِنَ النَّاسِ اِلَّا خَصْلَتَيْنِ اَنْ يُّقِرُّوْا لَهٗ بِالنِّعَمِ فَيَزِيْدَهُمْ وَ بِالذُّنُوْبِ فَيَغْفِرَهَا لَهُمْ.

خدا کی قسم! اللہ بندوں سے صرف دو خصلتوں کا طلبگار ہے: ایک یہ کہ اس کی نعمتوں کا اقرار کریں تاکہ وہ ان میں اضافہ کرے، اور دوسرے یہ کہ اپنے گناہوں کا اعتراف کریں تاکہ وہ ان کے گناہوں کو معاف کر دے۔[1]

خداوند عالم کی نعمتیں اس قدر ہیں کہ ان کا شمار ناممکن ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ﴾

اگر تم اس کی نعمتوں کو گننا چاہو تو گن نہیں سکتے۔[2]

---

[1] الکافی، ج ۲ ص ۴۲۶۔

[2] سورۂ نحل، آیت ۱۸۔

اس نے اپنی رحمت و ربوبیت کے پیش نظر ہر فرد کی ضرورت اور اس کی بقا کا سامان مہیا کر دیا ہے اور زندگی کی بقا کیلئے جن چیزوں کی سب سے زیادہ ضرورت ہے اسی قدر انہیں فراوانی سے پیدا کیا ہے اور ان تک رسائی کے وسائل آسان کر دیئے ہیں، تا کہ ہر شخص اپنی ضرورت و حاجت کے مطابق ان سے فائدہ حاصل کرے۔ چنانچہ ہر جاندار کی بقاء کیلئے سب سے ضروری چیز ''ہوا'' ہے۔ اس لئے زمین کا کوئی قطعہ اور معمورۂ عالم کا کوئی گوشہ اس سے خالی نہیں ہے اور انسان دنیا کے کسی حصہ میں ہو اسے سانس لینے کیلئے ''ہوا'' کے تلاش کرنے کی ضرورت نہ پڑے گی۔ ہوا کے بعد ''پانی'' کی ضرورت سب سے زیادہ ہے، اس لئے قدرت نے زمین کے نیچے ''پانی'' کا ایک وافر ذخیرہ جمع کر دیا ہے اور زمین کی سطح پر دریا اور چشمے رواں کر دیئے ہیں اور پھر وقتاً فوقتاً بادلوں سے مینہ برسانے کا سامان کر دیا ہے تا کہ جہاں زمین کھود کر پانی نہ نکالا جاسکے وہاں دریاؤں اور چشموں سے اور جہاں دریا اور چشمے نہ ہوں وہاں بادلوں سے سیرابی کا سامان ہو سکے۔ پانی کے بعد پھر ''غذا'' کی ضرورت سب سے زیادہ ہے، اس لئے اس نے زمین میں قوت نامیہ دوڑا کر روئیدگی کا انتظام کیا اور ہر مخلوق کی ضرورت و حاجت کے مطابق اس کے گرد نعمتیں پھیلا دی ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

﴿وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ ۭ﴾

ہم نے زمین میں تمہاری زندگی و معیشت کا سامان مہیا کر دیا ہے۔[1]

اور پھر انہیں حاصل کرنے کے طریقے بتلا دیئے ہیں۔

ان نعمتوں کا تقاضا تو یہ تھا کہ منعم کے احسانات و انعامات کو یاد رکھا جاتا اور ان نعمتوں کو معاصی میں صرف کر کے کفران نعمت کا ارتکاب نہ کیا جاتا، مگر اکثر افراد ان نعمتوں کو فراموش کر دیتے ہیں اور بے کھٹکے اس کی معصیت کرتے رہتے ہیں۔ حالانکہ ان نعمتوں کی حق ادائیگی کی ایک ہی صورت تھی کہ اس کے گناہوں سے بچ کر رہا جاتا۔ اور یوں تو اس کی کسی نعمت کا بھی حق ادا نہیں ہوسکتا اور اسی ادائے حق میں کوتاہی کا احساس خاصان خدا کو گناہوں سے محفوظ ہونے کے باوجود اس کی بارگاہ میں تقصیر و کوتاہی کے اقرار پر آمادہ کرتا ہے اور وہ اس کی بارگاہ میں گڑ گڑاتے اور تضرع و زاری کے ساتھ توبہ و استغفار میں مصروف رہتے ہیں اور اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کرتے ہوئے اس سے عفو و درگزر کی بھیک مانگتے ہیں اور اپنے اعمال پر نازاں ہونے کے بجائے اعتراف عجز و تقصیر ہی کو سرمایہ عبودیت سمجھتے ہیں۔

در کوی دوست شوکت شاهی نمی خرند اقرار بندگی کن و اظهار چاکری

☆☆☆☆☆

[1] سورۂ اعراف، آیت ۱۰۔

(۵۲) وَ كَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

فِي الْاِلْحَاحِ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى

يَا اللّٰهُ الَّذِيْ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَ لَا فِي السَّمَآءِ، وَ كَيْفَ يَخْفٰى عَلَيْكَ يَآ اِلٰهِيْ مَآ اَنْتَ خَلَقْتَهٗ، وَ كَيْفَ لَا تُحْصِيْ مَآ اَنْتَ صَنَعْتَهٗ، اَوْ كَيْفَ يَغِيْبُ عَنْكَ مَآ اَنْتَ تُدَبِّرُهٗ، اَوْ كَيْفَ يَسْتَطِيْعُ اَنْ يَّهْرُبَ مِنْكَ مَنْ لَّا حَيٰوةَ لَهٗ اِلَّا بِرِزْقِكَ، اَوْ كَيْفَ يَنْجُوْ مِنْكَ مَنْ لَّا مَذْهَبَ لَهٗ فِيْ غَيْرِ مُلْكِكَ.

سُبْحَانَكَ! اَخْشٰى خَلْقِكَ لَكَ اَعْلَمُهُمْ بِكَ، وَ اَخْضَعُهُمْ لَكَ اَعْمَلُهُمْ بِطَاعَتِكَ، وَ اَهْوَنُهُمْ عَلَيْكَ مَنْ اَنْتَ تَرْزُقُهٗ وَ هُوَ يَعْبُدُ غَيْرَكَ.

سُبْحَانَكَ! لَا يَنْقُصُ سُلْطَانَكَ مَنْ اَشْرَكَ بِكَ وَ كَذَّبَ رُسُلَكَ، وَ لَيْسَ يَسْتَطِيْعُ مَنْ كَرِهَ قَضَآءَكَ اَنْ يَّرُدَّ اَمْرَكَ، وَ لَا يَمْتَنِعُ مِنْكَ مَنْ كَذَّبَ بِقُدْرَتِكَ، وَ لَا يَفُوْتُكَ مَنْ عَبَدَ غَيْرَكَ، وَ لَا يُعَمَّرُ فِي الدُّنْيَا مَنْ كَرِهَ لِقَآءَكَ.

دُعا (۵۲)

اللہ تعالیٰ سے طلب والحاح کے سلسلہ میں حضرتؑ دُعا:

اے وہ معبود! جس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے، چاہے زمین میں ہو چاہے آسمان میں، اور اے میرے معبود! وہ چیزیں جنہیں تو نے پیدا کیا ہے وہ تجھ سے کیونکر پوشیدہ رہ سکتی ہیں؟ اور جن چیزوں کو تو نے بنایا ہے ان پر کس طرح تیرا علم محیط نہ ہوگا؟ اور جن چیزوں کی تو تدبیر و کارسازی کرتا ہے وہ تیری نظروں سے کس طرح اوجھل رہ سکتی ہیں؟ اور جس کی زندگی تیرے رزق سے وابستہ ہو وہ تجھ سے کیونکر راہ گریز اختیار کر سکتا ہے؟ یا جسے تیرے ملک کے علاوہ کہیں راستہ نہ ملے وہ کس طرح تجھ سے آزاد ہو سکتا ہے؟۔

پاک ہے تو! جو تجھے زیادہ جاننے والا ہے وہی سب مخلوقات سے زیادہ تجھ سے ڈرنے والا ہے، اور جو تیرے سامنے سرافگندہ ہے وہی سب سے زیادہ تیرے فرمان پر کاربند ہے، اور تیری نظروں میں سب سے زیادہ ذلیل وخوار وہ ہے جسے تو روزی دیتا ہے اور وہ تیرے علاوہ دوسرے کی پرستش کرتا ہے۔

پاک ہے تو! جو تیرا شریک ٹھہرائے اور تیرے رسولوں کو جھٹلائے وہ تیری سلطنت میں کمی نہیں کرسکتا، اور جو تیرے حکم قضاو قدر کو ناپسند کرے وہ تو تیرے فرمان کو پلٹا نہیں سکتا، اور جو تیری قدرت کا انکار کرے وہ تجھ سے اپنا بچاؤ نہیں کرسکتا، اور جو تیرے علاوہ کسی اور کی عبادت کرے وہ تجھ سے بچ نہیں سکتا، اور جو تیری ملاقات کو ناگوار سمجھے وہ دنیا میں زندگی جاوید حاصل نہیں کر لیتا۔

سُبْحَانَكَ! مَآ اَعْظَمَ شَاْنَكَ، وَ اَقْهَرَ سُلْطَانَكَ، وَ اَشَدَّ قُوَّتَكَ، وَ اَنْفَذَ اَمْرَكَ!.

پاک ہے تو! تیری شان کتنی عظیم، تیرا اقتدار کتنا غالب، تیری قوت کتنی مضبوط اور تیرا فرمان کتنا نافذ ہے۔

سُبْحَانَكَ! قَضَيْتَ عَلٰى جَمِيْعِ خَلْقِكَ الْمَوْتَ: مَنْ وَّحَّدَكَ وَ مَنْ كَفَرَ بِكَ، وَ كُلٌّ ذَآئِقُ الْمَوْتِ، وَ كُلٌّ صَآئِرٌ اِلَيْكَ، فَتَبَارَكْتَ وَ تَعَالَيْتَ، لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ، وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ، اٰمَنْتُ بِكَ، وَ صَدَّقْتُ رُسُلَكَ، وَ قَبِلْتُ كِتَابَكَ، وَ كَفَرْتُ بِكُلِّ مَعْبُوْدٍ غَيْرِكَ، وَ بَرِئْتُ مِمَّنْ عَبَدَ سِوَاكَ.

تو پاک ومنزہ ہے! تو نے تمام خلق کیلئے موت کا فیصلہ کیا ہے، کیا کوئی تجھے یکتا جانے اور کیا کوئی تیرا انکار کرے، سب ہی موت کی تلخی چکھنے والے اور سب ہی تیری طرف پلٹنے والے ہیں، تو بابرکت اور بلند و برتر ہے، کوئی معبود نہیں مگر تو، تو ایک اکیلا ہے اور تیرا کوئی شریک نہیں ہے، میں تجھ پر ایمان لایا ہوں، تیرے رسولوں کی تصدیق کی ہے، تیری کتاب کو مانا ہے، تیرے علاوہ ہر معبود کا انکار کیا ہے، اور جو تیرے علاوہ دوسرے کی پرستش کرے اس سے بیزاری اختیار کی ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْٓ اُصْبِحُ وَ اُمْسِيْ مُسْتَقِلًّا لِّعَمَلِيْ، مُعْتَرِفًا بِذَنْبِيْ، مُقِرًّا بِخَطَايَايَ، اَنَا بِاِسْرَافِيْ عَلٰى نَفْسِيْ ذَلِيْلٌ، عَمَلِيْٓ اَهْلَكَنِيْ، وَ هَوَايَ اَرْدَانِيْ، وَ شَهَوَاتِيْ حَرَمَتْنِيْ.

بارالہا! میں اس عالم میں صبح وشام کرتا ہوں کہ اپنے اعمال کو کم تصور کرتا، اپنے گناہوں کا اعتراف اور اپنی خطاؤں کا اقرار کرتا ہوں، میں اپنے نفس پر ظلم و زیادتی کے باعث ذلیل و خوار ہوں، میرے کردار نے مجھے ہلاک اور ہوائے نفس نے تباہ کر دیا ہے اور خواہشات نے (نیکی وسعادت سے) بے بہرہ کر دیا ہے۔

فَاَسْئَلُكَ يَا مَوْلَايَ سُؤَالَ مَنْ نَّفْسُهٗ لَاهِيَةٌ لِّطُوْلِ اَمَلِهٖ، وَ بَدَنُهٗ غَافِلٌ لِّسُكُوْنِ عُرُوْقِهٖ، وَ قَلْبُهٗ مَفْتُوْنٌ بِكَثْرَةِ النِّعَمِ عَلَيْهِ، وَ فِكْرُهٗ قَلِيْلٌ لِّمَا هُوَ صَآئِرٌ اِلَيْهِ، سُؤَالَ مَنْ قَدْ غَلَبَ عَلَيْهِ الْاَمَلُ، وَ فَتَنَهُ الْهَوٰى، وَ اسْتَمْكَنَتْ مِنْهُ

اے میرے مالک! میں تجھ سے ایسے شخص کی طرح سوال کرتا ہوں جس کا نفس طولانی امیدوں کے باعث غافل، جسم صحت وتن آسانی کی وجہ سے بے خبر، دل نعمت کی فراوانی کے سبب خواہشوں پر وارفتہ اور فکر انجام کار کی نسبت کم ہو، میرا سوال اس شخص کے مانند ہے جس پر آرزوں نے غلبہ پالیا ہو، جسے خواہشات نفس نے ورغلایا ہو، جس پر دنیا مسلط ہو چکی ہو اور جس کے سر پر موت نے سایہ ڈال دیا ہو، میرا سوال اس شخص کے سوال

الدُّنْيَا، وَ اَظَلَّهُ الْاَجَلُ، سُؤَالَ مَنِ اسْتَكْثَرَ ذُنُوْبَهُ، وَ اعْتَرَفَ بِخَطِيْٓئَتِهٖ، سُؤَالَ مَنْ لَّا رَبَّ لَهُ غَيْرُكَ، وَ لَا وَلِيَّ لَهُ دُوْنَكَ، وَ لَا مُنْقِذَ لَهُ مِنْكَ، وَ لَا مَلْجَاَ لَهُ مِنْكَ اِلَّآ اِلَيْكَ.

کے مانند ہے جو اپنے گناہوں کو زیادہ سمجھتا اور اپنی خطاؤں کا اعتراف کرتا ہو، میرا سوال اس شخص کا سا سوال ہے جس کا تیرے علاوہ کوئی پروردگار اور تیرے سوا کوئی ولی وسرپرست نہ ہو، اور جس کا تجھ سے کوئی بچانے والا، اور نہ اس کیلئے تجھ سے سوا تیری طرف رجوع ہونے کے کوئی پناہ گاہ ہو۔

اِلٰهِيْٓ اَسْئَلُكَ بِحَقِّكَ الْوَاجِبِ عَلٰى جَمِيْعِ خَلْقِكَ، وَ بِاسْمِكَ الْعَظِيْمِ الَّذِيْٓ اَمَرْتَ رَسُوْلَكَ اَنْ يُّسَبِّحَكَ بِهٖ، وَ بِجَلَالِ وَجْهِكَ الْكَرِيْمِ، الَّذِيْ لَا يَبْلٰى وَ لَا يَتَغَيَّرُ، وَ لَا يَحُوْلُ وَ لَا يَفْنٰى، اَنْ تُصَلِّيَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ، وَ اَنْ تُغْنِيَنِيْ عَنْ كُلِّ شَيْءٍ بِعِبَادَتِكَ، وَ اَنْ تُسَلِّيَ نَفْسِيْ عَنِ الدُّنْيَا بِمَخَافَتِكَ، وَ اَنْ تُثْنِيَنِيْ بِالْكَثِيْرِ مِنْ كَرَامَتِكَ بِرَحْمَتِكَ، فَاِلَيْكَ اَفِرُّ، و مِنْكَ اَخَافُ، وَ بِكَ اَسْتَغِيْثُ، وَ اِيَّاكَ اَرْجُوْ، وَ لَكَ اَدْعُوْ، وَ اِلَيْكَ اَلْجَاُ، وَ بِكَ اَثِقُ، وَ اِيَّاكَ اَسْتَعِيْنُ، وَ بِكَ اُوْمِنُ، وَ عَلَيْكَ اَتَوَكَّلُ، وَ عَلٰى جُوْدِكَ وَ كَرَمِكَ اَتَّكِلُ.

--☆☆--

بارالہا! میں تیرے اس حق کے واسطہ سے جو تیرے مخلوقات پر لازم و واجب ہے، اور تیرے اس بزرگ نام کے واسطہ سے جس کے ساتھ تو نے اپنے رسول کو تسبیح کرنے کا حکم دیا، اور تیری ذات بزرگوار کی بزرگی وجلالت کے وسیلہ سے کہ جو نہ کہنہ ہوتی ہے نہ متغیر نہ تبدیل ہوتی ہے نہ فنا، تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ تو محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور مجھے اپنی عبادت کے ذریعہ ہر چیز سے بے نیاز کردے، اور اپنے خوف کی وجہ سے دنیا سے دل برداشتہ بنا دے، اور اپنی رحمت سے بخشش وکرامت کی فراوانی کے ساتھ مجھے واپس کر، اس لئے کہ میں تیری ہی طرف گریزاں، اور تجھ ہی سے ڈرتا ہوں، اور تجھ ہی سے فریادرسی چاہتا ہوں، اور تجھ ہی سے امید رکھتا ہوں، اور تجھے ہی پکارتا ہوں، اور تجھ ہی سے پناہ چاہتا ہوں، اور تجھ ہی پر بھروسا کرتا ہوں، اور تجھ ہی سے مدد چاہتا ہوں، اور تجھ ہی پر ایمان لایا ہوں، اور تجھ ہی پر توکل رکھتا ہوں، اور تیرے ہی جود وکرم پر اعتماد کرتا ہوں۔

--☆☆--

یہ دُعا اللہ تعالیٰ سے طلب و الحاح کے سلسلہ میں ہے۔

"الحاح" کے معنی طلب و سوال میں اصرار اور مسلسل و پیہم مانگنے کے ہیں۔ اگر یہ الحاح اللہ تعالیٰ سے ہو تو ممدوح اور قابل ستائش ہے اور بندوں سے ہو تو نہایت مذموم ہے۔ اول تو سوال ہی بری چیز ہے چہ جائیکہ اس میں الحاح کا بھی پہلو ہو۔ یہ دنائت نفس اور پستی ضمیر کی علامت ہے۔ اس سے انسان کی عزت داغدار اور حمیت وغیرت پامال ہو جاتی ہے۔ اس لئے اللہ سبحانہ اسے ناپسندیدہ نظروں سے دیکھتا ہے اور یہ گوارا نہیں کرتا کہ اس کے بندے اپنے ایسوں کے آگے ہاتھ پھیلائیں اور ان کے سامنے گڑگڑائیں۔ بلکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے مانگیں تو اسی سے مانگیں اور الحاح و عاجزی کا ہاتھ پھیلائیں تو اسی کے آگے پھیلائیں۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَ جَلَّ کَرِہَ اِلْحَاحَ النَّاسِ بَعْضِھِمْ عَلٰی بَعْضٍ فِی الْمَسْئَلَۃِ وَ اَحَبَّ ذٰلِکَ لِنَفْسِہٖ، اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَ جَلَّ یُحِبُّ اَنْ یُّسْئَلَ وَ یُطْلَبَ مَا عِنْدَہٗ.

خداوند عالم آپس میں ایک دوسرے سے طلب و سوال میں الحاح و اصرار کو ناپسند کرتا ہے اور اپنے لئے اسے دوست رکھتا ہے۔ خدائے بزرگ و برتر یہ چاہتا ہے کہ اس سے سوال کیا جائے اور اس کے ہاں کی چیزوں کو طلب کیا جائے۔ [1]

بندہ جب اپنے معبود کے در پر دستک دیتا اسے پکارتا اور عجز و الحاح سے سوال کرتا ہے تو یہ اس کی دلیل ہے کہ اس کا احساس عبودیت زندہ ہے اور اللہ تعالیٰ سے حسن ظن برقرار رکھے ہوئے ہے۔ اور شیوۂ عبودیت یہی ہے کہ وہ پیہم اس کے سامنے ہاتھ پھیلائے اور اپنی حاجتیں اس کے سامنے پیش کرے اور کسی حالت میں مایوس نہ ہو، خواہ قبولیتِ دُعا میں کتنی دیر ہو جائے۔ کیونکہ امید و رجاء کے جلو میں اس سے بار بار طلب کرنا خود ایک عبادت اور پسندیدہ عمل ہے جس سے غفلت کرنا اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت سے محروم ہونا ہے۔ چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

رَحِمَ اللّٰہُ عَبْدًا طَلَبَ مِنَ اللّٰہِ عَزَّ وَ جَلَّ حَاجَۃً فَاَلَحَّ فِی الدُّعَآءِ، اسْتُجِیْبَ لَہٗ اَوْ لَمْ یُسْتَجَبْ.

خدا اس بندے پر رحم کرے جو خدائے بزرگ و برتر سے کوئی حاجت طلب کرتا ہے تو بار بار دُعا کرتا ہے۔ چاہے اسکی دُعا قبول ہو یا نہ ہو۔ [2]

دُعا کا اصل مقصد ہی یہ ہے کہ اس کے پردہ میں اللہ تعالیٰ سے لو لگی رہے۔ اور بعض چیزوں کو دُعا سے وابستہ کرنے کی وجہ یہی ہے کہ انسان ان کے حصول کیلئے دُعا و الحاح کرتا رہے اور گڑگڑانے اور لپٹنے سے اس کے خزانہ پر تو کوئی اثر پڑتا نہیں کہ اسے ناگوار گزرے اور نہ داد و دہش سے اس کے ہاں کمی ہوتی ہے کہ کسی کے بار بار مانگنے سے وہ رنجیدہ و کبیدہ خاطر ہو۔ کیونکہ کمی بیشی کا سوال وہاں ہوتا ہے جہاں سرمایہ محدود ہو اور جس کے مقدورات کی کوئی حد و نہایت ہی نہ ہو اس کیلئے کمی بیشی کے معنی ہی کیا۔ اور پھر یہ کہ کمی بیشی احتیاج کی علامت ہے اور وہ غنی مطلق ہے جس کے ہاں نہ عطا کرنے سے کمی اور نہ روک لینے سے اضافہ ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆

---

[1] الکافی، ج ۲، ص ۴۷۵۔

[2] وسائل الشیعہ، ج ۷، ص ۵۹۔

(۵۳) وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

فِي التَّذَلُّلِ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ

رَبِّ اَفْحَمَتْنِيْ ذُنُوْبِيْ وَ انْقَطَعَتْ مَقَالَتِيْ، فَلَا حُجَّةَ لِيْ، فَاَنَا الْاَسِيْرُ بِبَلِيَّتِيْ، الْمُرْتَهَنُ بِعَمَلِيْ، الْمُتَرَدِّدُ فِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ، الْمُتَحَيِّرُ عَنْ قَصْدِيْ، الْمُنْقَطَعُ بِيْ، قَدْ اَوْقَفْتُ نَفْسِيْ مَوْقِفَ الْاَذِلَّآءِ الْمُذْنِبِيْنَ، مَوْقِفَ الْاَشْقِيَآءِ الْمُتَجَرِّيْنَ عَلَيْكَ، الْمُسْتَخِفِّيْنَ بِوَعْدِكَ.

سُبْحَانَكَ! اَيَّ جُرْاَةٍ اجْتَرَاْتُ عَلَيْكَ، وَ اَيَّ تَغْرِيْرٍ غَرَّرْتُ بِنَفْسِيْ.

مَوْلَايَ ارْحَمْ كَبْوَتِيْ لِحُرِّ وَجْهِيْ وَ زَلَّةَ قَدَمِيْ، وَ عُدْ بِحِلْمِكَ عَلٰى جَهْلِيْ وَ بِاِحْسَانِكَ عَلٰٓى اِسَآءَتِيْ، فَاَنَا الْمُقِرُّ بِذَنْبِيْ، الْمُعْتَرِفُ بِخَطِيْٓـَٔتِيْ، وَ هٰذِهٖ يَدِيْ وَ نَاصِيَتِيْ، اَسْتَكِيْنُ بِالْقَوَدِ مِنْ نَّفْسِيْ، ارْحَمْ شَيْبَتِيْ، وَ نَفَادَ اَيَّامِيْ، وَ اقْتِرَابَ اَجَلِيْ وَ ضَعْفِيْ وَ مَسْكَنَتِيْ وَ قِلَّةَ حِيْلَتِيْ.

مَوْلَايَ وَ ارْحَمْنِيْ اِذَا انْقَطَعَ مِنَ

دُعا (۵۳)

اللہ تعالیٰ کے حضور تذلل و عاجزی کے سلسلہ میں حضرتؑ کی دُعا

اے میرے پروردگار! میرے گناہوں نے مجھے (عذر خواہی سے) چپ کر دیا ہے، میری گفتگو بھی دم توڑ چکی ہے، تو اب میں کوئی عذر و حجت نہیں رکھتا، اس طرح میں اپنے رنج و مصیبت میں گرفتار اپنے اعمال کے ہاتھوں میں گروی، اپنے گناہوں میں حیران و پریشان، مقصد سے سرگردان اور منزل سے دور افتادہ ہوں، میں نے اپنے کو ذلیل گنہگاروں کے موقف پر لا کھڑا کیا ہے، ان بدبختوں کے موقف پر جو تیرے مقابلہ میں جرأت دکھانے والے، اور تیرے وعدہ کو سرسری سمجھنے والے ہیں۔

پاک ہے تیری ذات! میں نے کس جرأت و دلیری کے ساتھ تیرے مقابلہ میں جرأت کی ہے، اور کس تباہی و بربادی کے ساتھ اپنی ہلاکت کا سامان کیا ہے۔

اے میرے مالک! میرے منہ کے بل گرنے اور قدموں کے ٹھوکر کھانے پر رحم فرما، اور اپنے حلم سے میری جہالت و نادانی کو اور اپنے احسان سے میری خطا و بداعمالی کو بخش دے، اس لئے کہ میں اپنے گناہوں کا مقر اور اپنی خطاؤں کا معترف ہوں، یہ میرا ہاتھ اور یہ میری پیشانی کے بال (تیرے قبضۂ قدرت میں) ہیں، میں نے عجز و سرافگندگی کے ساتھ اپنے کو قصاص کیلئے پیش کر دیا ہے، بارالٰہا! میرے بڑھاپے، زندگی کے دنوں کے بیت جانے، موت کے سر پر منڈلانے اور میری ناتوانی، عاجزی اور بیچارگی پر رحم فرما۔

اے میرے مالک! جب دنیا سے میرا نام و نشان مٹ

الدُّنْيَآ اَثَرِيْ، وَ امَّحٰى مِنَ الْمَخْلُوْقِيْنَ ذِكْرِيْ، وَ كُنْتُ فِي الْمَنْسِيِّيْنَ كَمَنْ قَدْ نُسِيَ.

مَوْلَايَ وَ ارْحَمْنِيْ عِنْدَ تَغَيُّرِ صُوْرَتِيْ وَ حَالِيْ اِذَا بَلِيَ جِسْمِيْ، وَ تَفَرَّقَتْ اَعْضَآئِيْ، وَ تَقَطَّعَتْ اَوْصَالِيْ، يَا غَفْلَتِيْ عَمَّا يُرَادُ بِيْ.

مَوْلَايَ وَ ارْحَمْنِيْ فِيْ حَشْرِيْ وَ نَشْرِيْ، وَ اجْعَلْ فِيْ ذٰلِكَ الْيَوْمِ مَعَ اَوْلِيَآئِكَ مَوْقِفِيْ، وَ فِيْ اَحِبَّآئِكَ مَصْدَرِيْ، وَ فِيْ جِوَارِكَ مَسْكَنِيْ، يَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ.

--☆☆--

جائے، اور لوگوں (کے دلوں) سے میری یاد محو ہو جائے، اور ان لوگوں کی طرح جنہیں بھلا دیا جاتا ہے میں بھی بھلا دیئے جانے والوں میں سے ہو جاؤں، تو مجھ پر رحم فرمانا۔

اے میرے مالک! میری صورت و حالت کے بدل جانے کے وقت جب میرا جسم کہنہ، اعضاء درہم و برہم اور جوڑ و بند الگ الگ ہو جائیں تو مجھ پر ترس کھانا، ہائے میری غفلت و بیخبری اس سے جو اب میرے لئے چاہا جا رہا ہے۔

اے میرے مولا! حشر و نشر کے ہنگام مجھ پر رحم کرنا، اور اس دن میرا قیام اپنے دوستوں کے ساتھ، اور (موقف حساب سے محل جزا کی طرف) میری واپسی اپنے دوستداروں کے ہمراہ، اور میری منزل اپنی ہمسائیگی میں قرار دینا، اے تمام جہانوں کے پروردگار۔

--☆☆--

یہ دُعا اللہ تعالیٰ کے حضور تذلل وفروتنی کے سلسلہ میں ہے۔

''تذلل'' کے معنی اظہارِ عجز و بیچارگی اور انتہائے تضرع و خضوع کے ہیں۔ یہ تذلل و فروتنی عبادت و عبودیت کی اصل روح و حقیقت ہے اور عبادت کا اصل مقصد بھی یہی ہے کہ انسان میں کبر و نخوت اور غرور و خود پسندی کے بجائے عجز و فروتنی اور بندگی و نیازمندی کی روح نشو و نما پائے۔ چنانچہ نماز میں قیام و قعود، رکوع و سجود سب اسی تذلل کے مظاہرے ہیں۔ اور حج کے موقعہ پر دو سیدھے سادے کپڑے لپیٹ کر کبھی طواف اور کبھی سر برہنہ چلچلاتی دھوپ میں سعی عجز و تذلل ہی کا مظاہرہ ہے۔ اور روزہ سے بھی یہی مقصد ہے کہ ایک محدود عرصہ تک خواہشات پر قابو اور ضبطِ نفس کے ذریعہ طغیانی و سرکشی کے جذبات کو دبایا جائے۔ اور زکوٰۃ سے بھی یہی مقصد ہے کہ ایک طرف صرفِ مال کی صورت پیدا کر کے سرمایہ اندوزی سے روکا جائے کیونکہ مال و دولت کی فراوانی انسان کو فرعون صفت بنا دیا کرتی ہے اور دوسری طرف فقراء و مساکین کی معاشی حالت کو بلند کر کے ذہنیتوں کو ایک متوازن سطح پر لایا جائے تاکہ دولت کی وجہ سے پیدا ہونے والی نخوت اور دوسروں کے مقابلہ میں مالی لحاظ سے احساسِ برتری کا انسداد ہو جائے۔

اس تذلل کا تعلق کبھی دل سے ہوتا ہے کبھی اعضاء سے اور کبھی زبان سے۔ دل سے تذلل یہ ہے کہ بندہ اپنے دل و دماغ کو غرور و تمکنت کے جذبات سے خالی کر دے اور واقعاً اپنے کو حقیر و پست مرتبہ تصور کرے۔ اور اعضاء سے یہ ہے کہ سر نیاز خم کرے خاک پر رخسار رکھے، زمین پر لیٹے بیٹھے اور اپنے کسی عمل سے تفوق و برتری کا اظہار نہ ہونے دے۔ اور زبان سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑ گڑائے، تضرع و زاری کرے، گناہوں کا اقرار اور توبہ و استغفار اور دُعا و مناجات کرے۔

حضرتؑ کی یہ دُعا تذلل کی اسی قسم سے تعلق رکھتی ہے۔ اور چونکہ اس دُعا کا بنیادی موضوع تذلل و تواضع ہے اس لئے حضرتؑ نے عام افرادِ انسانی کے ایک فرد کی حیثیت سے اپنے کو پیش کیا ہے اور انہی چیزوں کو بیان کیا ہے جو عام افراد سے متعلق ہیں۔ چنانچہ اس دُعا میں حضرتؑ کا یہ ارشاد کہ: ''جب میرا جسم کہنہ، اعضاء درہم و برہم اور جوڑ بند الگ الگ ہو جائیں''، ایک عمومی حالت کا بیان ہے جس میں مستثنیات ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ آئمہ اہل بیت علیہم السلام کے متعلق وارد ہوا ہے کہ بعد مرگ ان کے اجساد مقدسہ کہنہ و بوسیدہ نہیں ہوتے، جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِنَّهٗ يَمُوْتُ مَنْ مَّاتَ مِنَّا وَلَيْسَ بِمَيِّتٍ وَّ يَبْلٰى مَنْ بَلِيَ مِنَّا وَلَيْسَ بِبَالٍ.

ہم میں سے جو مر جاتا ہے وہ مردہ نہیں ہے اور ہم میں سے (جو بظاہر مر کر) بوسیدہ ہو جاتا ہے وہ حقیقت میں بوسیدہ نہیں ہوتا۔[1]

☆☆☆☆☆

---

[1] بحارالانوار، ج ۳۴، ص ۲۰۹۔

(۵۴) وَ كَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

فِي اسْتِكْشَافِ الْهُمُوْمِ

يَا فَارِجَ الْهَمِّ وَ كَاشِفَ الْغَمِّ، يَا رَحْمٰنَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ رَحِيْمَهُمَا، صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ، وَ افْرُجْ هَمِّيْ وَ اكْشِفْ غَمِّيْ.

يَا وَاحِدُ يَآ اَحَدُ يَا صَمَدُ، يَا مَنْ لَّمْ يَلِدْ وَ لَمْ يُوْلَدْ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ، اعْصِمْنِيْ وَ طَهِّرْنِيْ، وَ اذْهَبْ بِبَلِيَّتِيْ.

{وَ اقْرَاْ اٰيَةَ الْكُرْسِيِّ وَ الْمُعَوِّذَتَيْنِ وَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، وَ قُلْ:}

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْٓ اَسْئَلُكَ سُؤَالَ مَنِ اشْتَدَّتْ فَاقَتُهٗ، وَ ضَعُفَتْ قُوَّتُهٗ، وَ كَثُرَتْ ذُنُوْبُهٗ، سُؤَالَ مَنْ لَّا يَجِدُ لِفَاقَتِهٖ مُغِيْثًا، وَ لَا لِضَعْفِهٖ مُقَوِّيًا، وَ لَا لِذَنْبِهٖ غَافِرًا غَيْرَكَ، يَا ذَا الْجَلَالِ وَ الْاِكْرَامِ اَسْئَلُكَ عَمَلًا تُحِبُّ بِهٖ مَنْ عَمِلَ بِهٖ، وَ يَقِيْنًا تَنْفَعُ بِهٖ مَنِ اسْتَيْقَنَ بِهٖ حَقَّ الْيَقِيْنِ فِيْ نَفَاذِ اَمْرِكَ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ، وَ

دُعا (۵۴)

غم واندوہ سے نجات حاصل کرنے کیلئے حضرتؑ کی دُعا

اے رنج واندوہ کے برطرف کرنے والے اورغم والم کے دور کرنے والے! اے دُنیا وآخرت میں رحم کرنے والے اور دونوں جہانوں میں مہربانی فرمانے والے! تو محمدؐ اوران کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور میری بے چینی کو دور اور میرے غم کو برطرف کردے۔

اے اکیلے! اے یکتا! اے بے نیاز! اے وہ جس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ اس کا کوئی ہمسر ہے! میری حفاظت فرما، اور مجھے (گناہوں سے) پاک رکھ، اور میرے رنج والم کو دور کردے۔

{اس مقام پر آیت الکرسی، قُل اعوذ بربّ النّاس، قل اعوذ بربّ الفلق اور قل ھواللہ احد پڑھو اور یہ کہو:}

بارالہا! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس شخص کا سا سوال جس کی احتیاج شدید، قوت وتوانائی ضعیف اور گناہ فراوان ہوں، اس شخص کا سا سوال جسے اپنی حاجت کے موقع پر کوئی فریادرس، جسے اپنی کمزوری کے عالم میں کوئی پشت پناہ، اور جسے تیرے علاوہ اے جلالت و بزرگی والے! کوئی گناہوں کا بخشنے والا دستیاب نہ ہو، (بارالہا!) میں تجھ سے اس عمل (کی توفیق) کا سوال کرتا ہوں کہ جواس پر عمل پیرا ہوتو اسے دوست رکھے، اور ایسے یقین کا کہ جو اس کے ذریعہ تیرے فرمان قضا پر پوری طرح متیقن ہو تو اس کے باعث تو اسے فائدہ ومنفعت پہنچائے۔

اے اللہ محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور مجھے

اقْبِضْ عَلَى الصِّدْقِ نَفْسِيْ، وَ اقْطَعْ مِنَ الدُّنْيَا حَاجَتِيْ، وَ اجْعَلْ فِيْمَا عِنْدَكَ رَغْبَتِيْ شَوْقًآ اِلٰى لِقَآئِكَ، وَ هَبْ لِيْ صِدْقَ التَّوَكُّلِ عَلَيْكَ، اَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ كِتَابٍ قَدْ خَلَا، وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ كِتَابٍ قَدْ خَلَا، اَسْئَلُكَ خَوْفَ الْعَابِدِيْنَ لَكَ، وَ عِبَادَةَ الْخَاشِعِيْنَ لَكَ، وَ يَقِيْنَ الْمُتَوَكِّلِيْنَ عَلَيْكَ، وَ تَوَكُّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَيْكَ.

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ رَغْبَتِيْ فِيْ مَسْئَلَتِيْ مِثْلَ رَغْبَةِ اَوْلِيَآئِكَ فِيْ مَسَآئِلِهِمْ، وَ رَهْبَتِيْ مِثْلَ رَهْبَةِ اَوْلِيَآئِكَ، وَ اسْتَعْمِلْنِيْ فِيْ مَرْضَاتِكَ عَمَلًا لَّآ اَتْرُكُ مَعَهٗ شَيْئًا مِّنْ دِيْنِكَ مَخَافَةَ اَحَدٍ مِّنْ خَلْقِكَ.

اَللّٰهُمَّ هٰذِهٖ حَاجَتِيْ فَاَعْظِمْ فِيْهَا رَغْبَتِيْ، وَ اَظْهِرْ فِيْهَا عُذْرِيْ، وَ لَقِّنِّيْ فِيْهَا حُجَّتِيْ، وَ عَافِ فِيْهَا جَسَدِيْ.

اَللّٰهُمَّ مَنْ اَصْبَحَ لَهٗ ثِقَةٌ اَوْ رَجَآءٌ غَيْرُكَ، فَقَدْ اَصْبَحْتُ وَ اَنْتَ ثِقَتِيْ وَ رَجَآئِيْ فِي الْاُمُوْرِ كُلِّهَا، فَاقْضِ لِيْ بِخَيْرِهَا عَاقِبَةً، وَ نَجِّنِيْ مِنْ مُّضِلَّاتِ الْفِتَنِ، بِرَحْمَتِكَ

حق وصداقت پر موت دے، اور دنیا سے میری حاجت وضرورت کا سلسلہ ختم کر دے، اور اپنی ملاقات کے جذبہ اشتیاق کی بنا پر اپنے ہاں کی چیزوں کی طرف میری خواہش و رغبت قرار دے، اور مجھے اپنی ذات پر صحیح اعتماد و توکل کی توفیق عطا فرما، میں تجھ سے سابقہ نوشتہ تقدیر کی بھلائی کا طالب ہوں اور سابقہ سر نوشتِ تقدیر کی برائی سے پناہ مانگتا ہوں، میں تیرے عبادت گزار بندوں کے خوف، عجز و فروتنی کرنے والوں کی عبادت، توکل کرنے والوں کے یقین اور ایمان داروں کے اعتماد و توکل کا تجھ سے خواستگار ہوں۔

بارالٰہا! طلب وسوال میں میری خواہش و رغبت کو ایسا ہی قرار دے جیسی طلب وسوال میں تیرے دوستوں کی تمنا و خواہش ہوتی ہے، اور میرے خوف کو بھی اپنے دوستوں کے خوف کے مانند قرار دے، اور مجھے اپنی رضا و خوشنودی میں اس طرح برسرِ عمل رکھ کہ میں تیرے مخلوقات میں سے کسی ایک کے خوف سے تیرے دین کی کسی بات کو ترک نہ کروں۔

اے اللہ! یہ میری حاجت ہے اس میں میری توجہ و رغبت کو عظیم کر دے، میرے عذر کو آشکارا کر، اور اس کے بارے میں مجھے دلیل و حجت کی تعلیم کر، اور اس میں میرے جسم کو صحت و سلامتی بخش۔

اے اللہ! جسے بھی تیرے سوا دوسرے پر بھروسا یا امید ہو تو میں اس عالم میں صبح کرتا ہوں کہ تمام امور میں تو ہی اعتماد و امید کا مرکز ہوتا ہے، لہٰذا جو امور بلحاظ انجام بہتر ہوں وہ میرے لئے نافذ فرما، اور مجھے اپنی رحمت کے وسیلہ سے گمراہ کرنے والے فتنوں سے چھٹکارا دے، اے تمام رحم کرنے والوں میں سب

يَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ.

سے زیادہ رحم کرنے والے۔

وَ صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ الْمُصْطَفٰى وَ عَلٰى اٰلِهِ الطَّاهِرِيْنَ.

اور اللہ رحمت نازل کرے ہمارے سیّد و سردار، فرستادۂ خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور ان کی پاک و پاکیزہ آلؑ پر۔

☼☼☼☼☼ ☼☼☼☼☼

یہ دُعا ''ہم و غم'' اور ''رنج و کرب'' سے چھٹکارا حاصل کرنے کیلئے ہے۔

دنیا میں ہر حساس آدمی کیلئے ایسے اسباب پیدا ہوتے رہتے ہیں جو دل و دماغ کو پراگندہ اور خیالات کو پاشان و پریشان کئے رہتے ہیں اور کسی طرح انسان ان ہموم و افکار سے بچ کر نہیں رہ سکتا اور اسے زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر حوادث سے دو چار ہونا ہی پڑتا ہے۔ اور اگر ان حوادث و آلام کا زمانہ طولانی ہو جائے تو پھر اس طرح یاس و قنوطیت اس پر چھا جاتی ہے کہ اس کے حواس کو معطل کر کے اسے تاریکیوں میں ٹھوکریں کھانے کیلئے چھوڑ دیتی ہے اور نتیجۃً نہ کسی کام میں اس کا جی لگتا ہے اور نہ دل جمعی سے کسی کام کو سر انجام دے سکتا ہے۔ ہر وقت دِل اچاٹ، طبیعت پریشان اور حواس پراگندہ سے رہتے ہیں۔ نہ کسبِ معاش میں جی لگتا ہے اور نہ عبادت و اطاعت پر دل آمادہ ہوتا ہے۔ اس لئے غم و اندوہ کی خلش اور فکر و اندیشہ کی کھٹک کا ازالہ ضروری اور اس کا تدارک لازمی ہے تاکہ انسان الجھنوں سے چھٹکارا پا کر دنیا و عقبیٰ کا اہتمام و انصرام کر سکے۔

''ہم'' اور ''غم'' میں فرق یہ ہے کہ جو فکر و اندیشہ مصیبت کے نازل ہونے سے پہلے ہو وہ ''ہم'' ہے اور جو مصیبت کے نازل ہونے کے بعد ہو وہ ''غم'' ہے۔ اور بعض کے نزدیک جس اندوہ و قلق کا چارہ ہو سکتا ہو وہ ''ہم'' ہے، جیسے فقر و افلاس، تنگی و عسرت اور جس کے تدارک پر انسان قادر نہ ہو وہ ''غم'' ہے، جیسے کسی عزیز کی موت۔

اس کا علاج یہ ہے کہ جو امور قابل تدارک ہیں اللہ پر بھروسا رکھتے ہوئے ان کا تدارک کرے۔ اس طرح کہ فقر و احتیاج کو دور کرنے کیلئے جو ذریعہ وہ اختیار کر سکتا ہے اسے اختیار کرے اور اگر اس میں کامیابی حاصل نہ کر سکے تو صبر و شکر کا سر رشتہ ہاتھ سے نہ دے اور یہ خیال کرے کہ فکر و اندیشہ سے حالت بدل نہیں سکتی، لہٰذا جس حالت میں ہو حالات کے ساز گار ہونے کی توقع رکھے۔ اور اگر اس رنج و اندوہ کا علاج اس کے ہاتھ میں نہیں ہے تو اس پر غم کرنا بھی بے نتیجہ ہوگا۔ مثلاً کسی عزیز کے مرنے کا صدمہ ہے تو یہ سوچے کہ مرنے والے نے ایک نہ ایک دن بہر حال جدا ہونا تھا اور اگر وہ جدا نہ ہوتا تو یہ مر کر اس سے جدا ہوتا۔ تو جس سے جدا ہونا طے ہو اس کی جدائی پر اتنا صدمہ کیوں؟ کہ صبر و شکیب کے اجر کو کھو دیا جائے اور صبر و تحمل کے ثواب سے محروم رہا جائے جو اس سلب ہونے والی نعمت سے کہیں گراں قدر و گراں قیمت ہے۔ اس طرح نفس میں قوت اور دل میں ایک اطمینانی کیفیت پیدا ہوگی جو اس کیلئے تسلی و تسکین کا سامان فراہم کرے گی۔ اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دست بہ دُعا بھی رہے کہ وہ غموں کے بادلوں کو چھانٹے اور رنج و اندوہ کی اندھیاریوں کو برطرف کرے اور غم دنیا کو بھلا کر غم آخرت کی یاد تازہ رکھنے کی توفیق دے۔

چنانچہ یہ دُعا ہمیں یہی تعلیم دیتی ہے کہ انسان دنیا کے افکار وہموم سے بچنے کی تو کوشش کرے اور ان سے محفوظ رہنے کیلئے اللہ تعالیٰ سے التجا کرے، مگر اپنے دل کو فکرِ آخرت سے غافل اور اندیشہ فردا سے خالی نہ ہونے دے۔ اور یہی فکر و اندیشہ وہ ہے جو حیات دینی کا تقاضا اور عبودیت کا لازمہ ہے اور اس کے ہوتے ہوئے دنیا کے افکار وہموم خود ہی چھٹ جاتے ہیں اور دل جمعی و یکسوئی حاصل ہوجاتی ہے۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

مَنْ اَصْبَحَ وَ اَمْسٰی وَ الدُّنْیَا اَکْبَرُ هَمِّهٖ جَعَلَ اللّٰهُ تَعَالَی الْفَقْرَ بَیْنَ عَیْنَیْهِ وَ شَتَّتَ اَمْرَهٗ وَ لَمْ یَنَلْ مِنَ الدُّنْیَا اِلَّا مَا قَسَمَ اللّٰهُ لَهٗ، وَ مَنْ اَصْبَحَ وَ اَمْسٰی وَ الْاٰخِرَةُ اَکْبَرُ هَمِّهٖ جَعَلَ اللّٰهُ الْغِنٰی فِیْ قَلْبِهٖ وَ جَمَعَ لَهٗ اَمْرَهٗ.

جو شخص اپنی زندگی کے صبح و شام اس طرح بسر کرے کہ اسے سب سے بڑی فکر دنیا ہی کی ہو تو اللہ تعالیٰ اسے فقر و فاقہ ہی دکھاتا ہے اور اس کے معاملات کو پراگندہ کر دیتا ہے اور دنیا سے اسے وہی حاصل ہوتا ہے جو اس کے مقسوم میں ہوتا ہے۔ اور جو زندگی کے صبح و شام اس طرح گزارتا ہے کہ اسے سب سے بڑی فکر عقبیٰ کی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں غنا و بے نیازی بھر دیتا ہے اور اس کے امور کو منظم فرما دیتا ہے۔[1]

☆☆☆☆☆

---

[1] الکافی، ج ۲ ص ۳۱۹۔
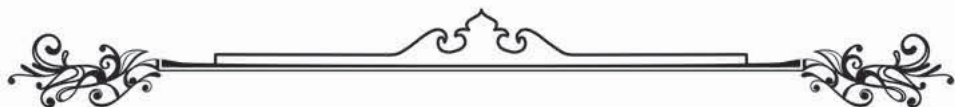
مِمَّا اُلْحِقَ بِبَعْضِ نُسَخِ الصَّحِيْفَةِ

یہ وہ دُعائیں ہیں جو صحیفہ کاملہ کے
بعض نسخوں میں درج کی گئی ہیں

{۱}وَ كَانَ مِنْ تَسْبِيْحِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامِ

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ حَنَانَيْكَ، سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ تَعَالَيْتَ، سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَالْعِزُّ اِزَارُكَ، سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ الْعَظَمَةُ رِدَآئُكَ، سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَالْكِبْرِيَآءُ سُلْطَانُكَ، سُبْحَانَكَ مِنْ عَظِيْمٍ مَآ اَعْظَمَكَ.

سُبْحَانَكَ سُبِّحْتَ فِى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى، تَسْمَعُ وَ تَرٰى مَا تَحْتَ الثَّرٰى.

سُبْحَانَكَ اَنْتَ شَاهِدُ كُلِّ نَجْوٰى، سُبْحَانَكَ مَوْضِعُ كُلِّ شَكْوٰى.

سُبْحَانَكَ حَاضِرُ كُلِّ مَلَاٍ، سُبْحَانَكَ عَظِيْمُ الرَّجَآءِ، سُبْحَانَكَ تَرٰى مَا فِىْ قَعْرِ الْمَآءِ، سُبْحَانَكَ تَسْمَعُ اَنْفَاسَ الْحِيْتَانِ فِىْ قُعُوْرِ الْبِحَارِ.

سُبْحَانَكَ تَعْلَمُ وَزْنَ السَّمٰوٰتِ، سُبْحَانَكَ تَعْلَمُ وَزْنَ الْاَرَضِيْنَ، سُبْحَانَكَ تَعْلَمُ وَزْنَ الشَّمْسِ وَ الْقَمَرِ، سُبْحَانَكَ تَعْلَمُ وَزْنَ الظُّلْمَةِ وَ النُّوْرِ، سُبْحَانَكَ تَعْلَمُ وَزْنَ الْفَيْءِ وَ الْهَوَآءِ،

دُعا{۱}

تسبیح وتقدیس کے سلسلہ میں حضرتؑ کی ایک دُعا

اے میرے معبود! میں تیری تسبیح کرتا ہوں تو مجھ پر کرم بالائے کرم فرما، بارِ الٰہا! میں تیری تسبیح کرتا ہوں اور تو بلند و برتر ہے، خدایا! میں تیری تسبیح کرتا ہوں اور عزت تیرا ہی جامہ ہے، بارِ الٰہا! میں تیری تسبیح کرتا ہوں اور عظمت تیری ہی ردا ہے، اے پروردگار! میں تیری تسبیح کرتا ہوں اور کبریائی تیری دلیل و حجت ہے، پاک ہے تو اے عظیم و برتر تو کتنا عظمت والا ہے۔

پاک ہے تو! اے وہ کہ ملاءِ اعلیٰ کے رہنے والوں میں تیری تسبیح کی گئی ہے، جو کچھ تہِ خاک ہے تو اُسے سنتا اور دیکھتا ہے۔

پاک ہے تیری ذات! تو ہر راز دارانہ گفتگو پر مطلع ہے، پاک ہے تو! اے وہ جو ہر رنج وشکوہ کے پیش کرنے کی جگہ ہے۔

پاک ہے تو! اے وہ جو ہر اجتماع میں موجود ہے، پاک ہے تو اے وہ جس سے بڑی سے بڑی امیدیں باندھی جاتی ہیں، پاک ہے تو! جو کچھ پانی کی گہرائی میں ہے اُسے تو دیکھتا ہے، پاک ہے تیری ذات! تو سمندروں کی گہرائیوں میں مچھلیوں کے سانس لینے کی آواز سنتا ہے۔

پاک ہے تیری ذات! تو آسمانوں کا وزن جانتا ہے، پاک ہے تیری ذات! تو زمینوں کے وزن سے باخبر ہے، پاک ہے تیری ذات! تو سورج اور چاند کے وزن سے واقف ہے، پاک ہے تیری ذات! تو تاریکی اور روشنی کے وزن سے آگاہ ہے، پاک ہے تیری ذات تو سایہ اور ہوا کا وزن جانتا ہے،

سُبْحَانَكَ تَعْلَمُ وَزْنَ الرِّيْحِ كَمْ هِيَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ.

پاک ہے تیری ذات! تو ہوا کے (ہر جھونکے کے) وزن سے آگاہ ہے کہ وہ وزن میں کتنے ذرّوں کے برابر ہے۔

سُبْحَانَكَ قُدُّوْسٌ قُدُّوْسٌ قُدُّوْسٌ، سُبْحَانَكَ عَجَبًا مَّنْ عَرَفَكَ كَيْفَ لَا يَخَافُكَ؟! سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ، سُبْحَانَكَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ.

پاک ہے تیری ذات! تو (تصور و خیال و وہم میں آنے سے) پاک، منزہ اور بری ہے، میں تیری تسبیح کرتا ہوں، تعجب ہے کہ جس نے تجھے پہچانا وہ کیونکر تجھ سے خوف نہیں کھاتا، اے اللہ! میں حمد وثنا کے ساتھ تیری پاکیزگی بیان کرتا ہوں، پاک ہے وہ پروردگار جو علو وعظمت والا ہے۔

--☆☆--

یہ دُعا اللہ تعالیٰ کی تحمید و تسبیح کے سلسلہ میں ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و رفعت، علو و اجلال اور تنزیہ و تقدیس کے پہلو بہ پہلو اس کے علم کی وسعت کا ایسے سیدھے سادے اور دل نشین انداز سے تذکرہ کیا ہے کہ دل و دماغ پر اس کی علمی وسعت و ہمہ گیری کا نقش ثبت ہو جاتا ہے۔ اور اس علمی وسعت کو ذہنوں میں راسخ کرنے کیلئے ان چیزوں کو بیان فرمایا ہے جو عام علم و مشاہدہ اور حس و ادراک کے دائرہ سے باہر ہیں۔ جیسے نور، ظلمت، سایہ اور ہوا کا وزن، سمندر کی گہرائیوں میں مچھلیوں کے سانس لینے کی آواز، زمین کے اندر کی مخفی کائنات اور پانی کی تہ در تہ چادروں کے نیچے چھپے ہوئے عجائبات۔ مقصد یہ ہے کہ جب وہ زمین کی اندرونی تہوں اور سمندر کے اندر کی چیزوں کو دیکھتا، مچھلیوں کے سانس لینے کی آواز سنتا اور نور و ہوا ایسے لطیف اجسام کے وزن و مقدار کو جانتا ہے تو پھر ان سے زیادہ حواس و مشاعر سے مخفی رہنے والی چیزیں کیا ہوں گی جن کے متعلق یہ خیال کیا جائے کہ وہ اس کی نگاہ سے اوجھل رہ سکتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو زمین کے اندر اور سمندر کی اتھاہ گہرائی سے واقف ہے وہ اس کی سطح سے بھی ضرور آگاہ ہوگا اور جو سمندر کی تہہ میں مچھلیوں کے سانس لینے کی آواز سنتا ہے وہ گھونسلوں میں پرندوں کے چہچہے، کھوؤں میں حیوانوں کی آوازیں اور زمین پر انسانوں کی صدائیں بھی سنتا ہوگا اور جو اندھیرے اور اجالے اور سایہ و ہوا کا وزن جانتا ہے وہ دوسری چیزوں کے وزن و مقدار سے بھی پوری طرح باخبر ہوگا۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ﴾

زمین وآسمان کی کوئی چیز (وہ زمین وآسمان کے اندر ہو یا ان کا جز ہو) اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں ہے۔[1]

حضرتؑ کی دُعا کے اس حصہ پر جو علم الٰہی سے متعلق ہے نظر کرنے کے بعد کم از کم اتنا تو اعتراف کرنا ہی پڑے گا کہ انسان نے تحقیق و جستجو کے بعد جن رازہائے سربستہ کا سراغ لگایا ہے، صدیوں پہلے ان رموز و اسرار کی نقاب کشائی کی اسے دعوت دی جا چکی تھی اور یہ اس کی تساہل پسندی کا قصور ہے

[1] سورۂ آل عمران، آیت ۵۔

کہ وہ اتنے عرصہ تک تحقیق و تجسس کے میدان میں گامزن نہ ہوا اور اس دعوتِ فکر و عمل کے باوجود صدہا برس چپ سادھے رہا۔ اور علی الخصوص وہ افراد زیادہ موردالزام ہیں جن کے پاس یہ سرمایہ علمی موجود تھا اور وہ اس سے بے خبر رہے اور عملاً کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔ ورنہ جو حقائق آج سامنے آرہے ہیں وہ صدیوں پہلے بے نقاب ہو چکے ہوتے۔ چنانچہ آئمہ اہل بیت علیہم السلام نے تیرہ سو برس بیشتر زمین و آسمان، شمس و قمر، نور و ظلمت اور سایہ و ہوا کے وزن اور زمین کی اندرونی تہوں، سمندر کی گہرائیوں اور وہاں کی آباد کائنات کا ذکر کر کے خلائے بسیط اور کراتِ ارضی و سماوی میں فکر و تجسس کی راہ کھول دی تھی، تاکہ انسان زمین کے ورق الٹے، سمندر کی موجوں سے کھیلے اور فطرت کی بوقلمونیوں سے دامن نظر بھرے اور روشنی و ہوا اور اجرام فلکیہ کا وزن معلوم کرنے کیلئے فضا کو تسخیر کرے، ذرّوں کو چیرے اور ان میں ایک جہان نو کا تماشا دیکھے اور قدرت کی قلمرو مملکت کی وسعت و پہنائی کا اندازہ لگائے کہ یہ عالمی فضا کتنی بڑی کائنات کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہے کہ ہر ذرّہ اپنے مقام پر ایک دنیا ہے جس میں آفتاب و ماہتاب، ستارے، سیارے ہمارے اس نظامِ شمسی کی طرح گھوم پھر رہے ہیں۔

دل ہر ذرّہ را کہ بشکافی آفتابیش در میان بینی

حضرتؑ نے پہلے زمین کے اندرونی حصہ کا ذکر کیا ہے۔ زمین کا اندرونی حصہ بھی اس کے بالائی حصہ کی طرح مختلف اور متنوع چیزوں سے آراستہ ہے اور ماہرین طبقات الارض نے سطح ارض سے ہزاروں فٹ کی گہرائیوں اور پراسرار غاروں میں اتر کر زمین کی تہوں پر قدرت کے کندہ کئے ہوئے نقوش پڑھے تو انہیں زمین کے بالائی خطوط سے کم متنوع اور کم دلفریب نہیں پایا۔ چنانچہ جس طرح اس کی بالائی سطحوں پر کہیں ریگ زار ہیں اور کہیں سربلند پہاڑ، کہیں دریا ہیں اور کہیں سبزہ زار، کسی حصہ پر چلچلاتی گرمی پڑ رہی ہے اور کسی حصہ پر کڑکڑاتی سردی، کہیں مینہ کے جھالے برس رہے ہیں اور کہیں لُو کے جھونکے مچل رہے ہیں، اسی طرح اس کی اندرونی تہوں میں بھی کہیں بہتے ہوئے دریا ہیں اور کہیں رستے ہوئے چشمے۔ کہیں سونے اور چاندی کے ذرات بکھرے ہوئے ہیں اور کہیں ہیرا و زمرد ایسے معدنیات نشوونما پا رہے ہیں۔ کہیں کہر ہے اور کہیں خوش نما دھنک۔ کہیں سردی ہے اور کہیں گرمی۔ کہیں دریائے سارگیز اور ہڈیارک بہہ رہے ہیں اور کہیں آتشیں جھیلیں اور دوسرے سیال عناصر رواں دواں ہیں۔ ان سیال عناصر میں زمین کا وہ آتشین مادہ بھی ہے کہ جو اس کے رگ و ریشہ میں تیزی سے دوڑتا ہے تو زمین زلزلوں کی لپیٹ میں آجاتی ہے اور کبھی یہ کھولتا ہوا مادہ زمین کو چیرتا اور چٹانوں کو توڑتا ہوا لاوا کی صورت میں ابل پڑتا ہے۔ اس سے زمین کی اندرونی حرارت و تپش کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ اس کے اوپر کی تہیں سرد ہیں مگر جوں جوں اس کے اندر اترا جائے اس کی حرارت بڑھتی جاتی ہے اور 7200 فٹ کی گہرائی میں پانی کھولنے لگتا ہے۔ بلکہ اتنی گہرائی میں پہنچ کر بھاپ کے زور سے زمین کی سطح کو چیر دیتا اور گرم چشمہ کی صورت میں ابلنے لگتا ہے۔ اور جنوبی افریقہ میں بعض کانیں 7640 فٹ تک گہری کھودی جا چکی ہیں، جہاں گرمی کا یہ عالم ہے کہ اس سے بچاؤ کے خصوصی انتظامات کے بغیر وہاں ٹھہرا نہیں جاسکتا اور اس کے مرکز میں تو پگھلے ہوئے لوہے کی بھٹی شعلہ فگن ہے جس کا درجہ حرارت تقریباً سطح آفتاب کے درجہ حرارت کے برابر ہے۔

پھر سمندر اور اس کے اندر کی دنیا کا ذکر فرمایا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؑ سمندر کی تہ میں بھیانک خاموشی کا نظریہ نہ رکھتے تھے اور نہ

ان توہمات میں مبتلا تھے جو اس دور میں عوام کے ذہنوں پر چھائے ہوئے تھے اور عقائد کی صورت میں طبائع انسانی پر مسلط تھے۔ بلکہ وہاں کے متعلق ایک جیتی جاگتی پُررونق وآباد دنیا کا تصور رکھتے تھے۔ چنانچہ اب وہاں کی تھوڑی بہت دنیا مشاہدہ میں آچکی ہے اور تقریباً آٹھ میل تک اس کی گہرائیوں میں اترا اور وہاں کے عجائب ونوادر کو دیکھا جاچکا ہے۔ بلکہ وہاں کی مختلف چیزوں اور جانوروں کو حاصل بھی کیا جاچکا ہے اور متعدد حیوانوں اور قسم قسم کی مچھلیوں کی آوازیں کہ جن کی وجہ سے سمندر کی تہ میں سکوت وخامشی کے بجائے ہر وقت شور وہنگامہ برپا رہتا ہے ریکارڈ کی جاچکی ہیں۔ پھر پانی کے اندر مچھلیوں کے سانس لینے کا ذکر فرمایا ہے یہ بھی اس زمانہ کے لحاظ سے حیرت انگیز چیز ہے کہ پانی کی گہرائیوں میں کیونکر سانس لی جاسکتی ہے جبکہ اس میں ہوا کا گزر ہی نہیں ہوسکتا۔ مگر عصری تحقیقات نے بتایا ہے کہ پانی کے اندر حل شدہ ہوا موجود ہوتی ہے اور مچھلیوں کے آلات تنفس اس قسم کے ہوتے ہیں کہ وہ پانی کے اندر صرف اسی حل شدہ ہوا میں عمل تنفس جاری رکھ سکتی ہیں اور پانی سے باہر نکل آئیں تو سانس نہیں لے سکتیں۔ اس کے برعکس انسان صرف پانی سے باہر رہ کر ہی سانس لے سکتا ہے اور پانی کے اندر اس کی سانس بند ہوجاتی ہے۔ اسی لئے سمندر کی گہرائیوں میں اترنے والوں کو آلات کے ذریعہ باہر سے آکسیجن بہم پہنچائی جاتی ہے۔ مچھلیاں کیونکہ ہمیشہ پانی میں رہتی ہیں اس لئے قدرت نے ان کے سانس لینے کا انتظام بھی پانی کے اندر کردیا ہے۔ اس طرح کہ جب پانی ان کے منہ میں جاتا ہے تو گلپھڑوں کے اندر پھیلے ہوئے ریشے آکسیجن کو جذب کرلیتے ہیں اور پانی گلپھڑوں کے راستے باہر نکل جاتا ہے اور جن مچھلیوں کے گلپھڑے نہیں ہوتے انہیں سانس لینے کیلئے سمندر کی سطح پر ابھرنا پڑتا ہے۔ یہ درحقیقت مچھلیاں ہوتی ہی نہیں ہیں۔ کیونکہ مچھلی وہی ہے جو پانی کے اندر رہ کر سانس لے۔ چنانچہ وہیل مچھلی اگرچہ مچھلی کہلاتی ہے، مگر وہ مچھلی نہیں ہے اور نہ اس میں مچھلی کے خواص پائے جاتے ہیں۔ وہ انڈوں کے بجائے بچے دیتی، بچوں کو دودھ پلاتی اور سانس لینے کیلئے سطح سمندر پر ابھرتی ہے۔

پھر مختلف چیزوں کے وزن کا ذکر فرمایا ہے۔ ''وزن'' سے مراد وہ قوت ہے جو کشش ثقل کی وجہ سے کسی چیز میں پیدا ہوتی ہے اور مرکز سے قرب وبعد کے لحاظ سے کم وبیش ہوتی رہتی ہے۔

چنانچہ پہلے ''آسمان وزمین'' کے وزن کا ذکر کیا ہے۔ آسمان کیا ہے؟ ہے بھی یا نہیں؟ یہ اپنے مقام پر طے ہوتا رہے گا۔ ہم تو بس اتنا جانتے ہیں کہ ہماری نگاہ ''حدنظر'' سے آگے نہیں بڑھ سکتی، لہٰذا حدنظر سے آگے کیلئے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ کچھ نہیں ہے۔ رہی زمین تو وہ ہمارا اوڑھنا بچھونا ہے جس کے متعلق سائنس دان یہ کہتے ہیں کہ وہ اب سے دو ارب سال پہلے سورج کی کوکھ سے پیدا ہوئی اور مختلف ادوار وحالات سے گزرنے کے بعد اس قابل ہوئی کہ اس پر کوئی ذی روح رہ سکے۔ اس کے وزن کا اندازہ 59,760 سنکھ میٹرک ٹن ہے جو تقریباً 15,97,500 سنکھ من کے مساوی ہوتے ہیں۔ مگر اس میں 50 سنکھ ٹن کی کمی بیشی کا احتمال پیدا کردیا گیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ابھی زمین کا صحیح صحیح وزن معلوم نہیں ہوسکا اور پیمائش کے لحاظ سے اس کا قطر 7918 میل اور محیط 24,899 میل ہے اور اس حجم کے ساتھ 66,600 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سورج کے گرد سرگرم سیر ہے۔

پھر ''چاند اور سورج'' کے وزن کا ذکر فرمایا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرتؑ یہ جانتے تھے کہ یہ چاند اور سورج ہمارے کرہ ارضی کی طرح وزنی

کرّے ہیں۔ چنانچہ چاند کا وزن زمین کے وزن کا 1/81 حصہ ہے۔ اور اس کا قطر 2163 میل ہے جو زمین کے قطر کے ایک چوتھائی سے کچھ زیادہ ہے اور 2300 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے زمین کے گرد رواں دواں ہے۔ اور سورج کا وزن 2,000,000,000,000,000,000,000,000,000 ٹن اور قطر 892,580 میل اور محیط 2,678,500 میل ہے۔ موجودہ دور میں چاند سورج کے قطر و محیط کی پیمائش ایک معمولی بات ہے۔ کیونکہ سائنس نے صحرائے تحقیق میں سالہاسال کی سرگشتگی کے نتیجہ میں ایسے طریقے معلوم کر لئے ہیں جن سے چاند سورج کی پیمائش کی جا سکتی ہے۔ مگر جب عالم آب و گل میں اجرام فلکیہ کی پیمائش کا کوئی تصور بھی پیدا نہ ہوا تھا اس وقت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے سورج کے طول و عرض کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپؑ نے فرمایا: «تِسۡعُ مِائَةِ فَرۡسَخٍ فِيۡ تِسۡعِ مِائَةِ فَرۡسَخٍ»: 900x900 فرسخ۔ ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے، لہٰذا حاصل ضرب 2,430,000 میل ہوں گے اور شرعی میل چونکہ رائج الوقت میل سے 240 گز بڑا ہوتا ہے، اس حساب سے تقریباً یہی محیط نکلے گا۔ یہ ہے وہ علم امامت جس کے مقابلہ میں انسان لاکھ اکتشافات و تحقیقات کے فلک بوس محل تیار کرے مگر اس کے کنگرہ کی بلندی کو چھو نہیں سکتا۔ بہر حال یہ عظیم الشان کرّہ جس کا جرم ہماری زمین سے 1,259,709 گنا بڑا اور 3,33,400 گنا بھاری ہے، اپنے محور پر زمین کی طرح گھومتا رہتا ہے اور 25 دن 7 گھنٹہ 48 منٹ میں ایک چکر کاٹ لیتا ہے۔

پھر ''نور و ظلمت'' کے وزن کا ذکر کیا ہے۔ نور یا روشنی کو ہم ایک احساس سے تعبیر کر سکتے ہیں جو شعاعی قوت سے ہماری آنکھوں میں پیدا ہوتا ہے۔ یہ شعاعی قوت جس کو ہماری آنکھ محسوس کرتی ہے مرئی و شعاعی قوت کہتے ہیں جو آنکھ اور مرئی چیز کے درمیان ایک واسطہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس طرح کہ روشنی کی لہریں جب کسی جسم مرئی پر گر کر منعکس ہوتی ہیں تو وہ جسم نظر آنے لگتا ہے۔ یہ مرئی شعاعی لہریں بنفشی، نیلی، آسمانی، سبز، زرد، نارنجی اور سرخ رنگوں پر مشتمل ہوتی ہیں اور سفید روشنی ان تمام رنگوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ یہ بھی ایک مادی و وزنی چیز ہے، کیونکہ قوت اور مادہ ایک ہی چیز کے دو نام ہیں اور ہر قسم کا مادہ وزن رکھتا ہے۔ سر اسحاق نیوٹن کا نظریہ یہ تھا کہ روشنی مادہ کی ایک انتہائی لطیف صورت ہے جو ذرات کی صورت میں منور اجسام سے بے حد سرعت کے ساتھ خارج ہوتی ہے۔ اس نظریہ کی بنا پر روشنی کا وزن ظاہر ہے۔ اور موجودہ نظریات کے لحاظ سے بھی جو روشنی میں فوٹون کو ثابت کرتے ہیں اس کے وزن سے انکار نہیں ہو سکتا، کیونکہ فوٹون ایک مادی ہی چیز ہے اور اس کے خصوصیات وہی ہیں جو الیکٹرون (برقیہ) کے ہیں اور الیکٹرون مسلمہ طور پر مادی ہے۔ یہ فوٹون بیسویں صدی میں روشنی کے تجزیہ کے موقع پر دریافت ہوئے۔ یہ انتہائی چھوٹے چھوٹے نقطے ہوتے ہیں اور ارتعاشی لہروں کی صورت میں چلتے اور ہمیشہ رواں دواں اور حرکت میں رہتے ہیں، اس لئے ان کا مشاہدہ حالت سکون میں ناممکن ہے:

هستم اگر میروم گر نروم نیستم

روشنی میں وزن کا امکان سب سے پہلے لیون ہارڈ یولر نے انیسویں صدی کے آغاز میں ظاہر کیا اور اسی صدی کے آخر میں میکسوئل نے روشنی کے وزن کو دریافت کر لیا اور یہ بتایا کہ روشنی میں بھی ہوا کے تیز جھونکوں کی طرح قوت مخفی ہوتی ہے جو مختصر ذروں کو اپنے راستہ سے ہٹا دے سکتی ہے اور یہ دباؤ بہت ہی ہلکا ہوتا ہے اور عام حالات میں اس کا مشاہدہ بہت مشکل ہے۔ آخر سر ولیم کرکس نے ریڈیومیٹر ایجاد کیا جس میں چار پر ہوتے ہیں جو روشنی

کے سامنے رکھنے سے گھومتے ہیں اور یہ دباؤ مشاہدہ کے حدود میں آ گیا۔ پھر پیٹر لیڈیو نے ایک بہترین قسم کے ریڈیو میٹر سے روشنی کی پیمائش کر لی۔ یہ پیمائش ایک ایسے پیمانہ سے کی جاتی ہے جس میں انتہائی چھوٹے چھوٹے درجات ہوتے ہیں۔ چنانچہ پہلے درجہ کی لمبائی ایک ملی میٹر کا کروڑ واں حصہ ہوتی ہے اور ایک ملی میٹر، میٹر کا ہزاروں حصہ ہوتا ہے اور ایک میٹر تقریباً سوا استرہ گرہ کا ہوتا ہے۔ جب روشنی 3800 درجہ سے متجاوز ہوتی ہے تو دکھائی دیتی ہے اور 5550 درجہ پر پہنچ کر پوری طرح نمایاں ہو جاتی ہے۔ روشنی کا سب سے بڑا مرکز سورج ہے جس کی سطح سے بلند ہونے والے آتش بار شعلے کبھی کبھی 2,86,000 میل تک کی بلندیوں کو چھو لیتے ہیں۔ اور ایک مربع سنٹی میٹر میں جو میٹر کا سواں حصہ ہوتا ہے 50،000 موم بتیوں کی روشنی کے برابر روشنی بھر دیتا ہے اور تمام کرۂ زمین کو جو اس سے روشنی حاصل ہوتی ہے اس کی مقدار سورج کی پوری روشنی سے وہی نسبت رکھتی ہے جو ایک سیکنڈ کو 74 سال سے ہے اور زمین سے دس گنا زائد روشنی اجسام فلکی میں بٹتی ہے اور باقی فضا میں منتشر ہو جاتی ہے اور چاند ایسے 4،65،000 کرے اس کی روشنی سے روشن ہو سکتے ہیں۔ سائنسدان کہتے ہیں کہ اس تقسیم نور سے سورج کے 4,000,000 ٹن گیسی مادے ایک سیکنڈ میں جل جاتے ہیں مگر پھر بھی اسے ختم ہوتے ہوتے دس ارب سال اور لگیں گے۔ بہرحال یہ روشنی کے نقطے جنہیں ارتعاشی لہریں مرئی صورت میں نمایاں کرتی ہیں بعض جگہ اتنی کم مقدار میں ہوتے ہیں کہ آنکھ پر اثر انداز نہیں ہو سکتے۔ ایسی جگہ تاریکی کی لپیٹ میں آ جاتی ہے۔ یہ تاریکی صرف مرئی شعاعوں سے خالی ہوتی ہے، لہٰذا جس طرح مرئی لہروں کی وجہ سے روشنی میں دباؤ ہوتا ہے ظلمت میں بھی غیر مرئی نقطوں کی وجہ سے دباؤ ہونا چاہیئے۔

اہل تحقیق کی یہ کدوکاوش قابل قدر ہے کہ انہوں نے روشنی کی پیمائش کے آلات ایجاد کئے، روشنی کا تجزیہ کیا، اس کے ایک ایک جوہری نقطہ کو تولا، ناپا اور اس کے وزن و مقدار کا اندازہ لگایا۔ مگر یہ کہ اس کائنات میں کتنے اجرام نورانی اور کتنے سورج، چاند اور سیارے ہیں اور کہاں کہاں ان کی روشنی پھیلی ہوئی ہے تو آنکھیں عاجز و درماندہ اور دوربینیں ایک حد پر پہنچ کر سپر انداختہ نظر آئیں گی۔ چنانچہ کہکشاں کا مرکز ہمارے سورج سے 30,000 نوری سال کے فاصلہ پر واقع ہے۔ نوری سال سے مراد وہ فاصلہ ہے جو روشنی اپنی رفتار سے ایک سال میں طے کرتی ہے۔ اس کہکشاں میں 40 ارب سورج اور ان گنت سیارے پائے جاتے ہیں اور ہر سورج دوسرے سورج سے ۴ نوری سال کے فاصلہ پر ہے اور ان میں سے اکثر کے گرد ہمارے نظام شمسی کی طرح سیارے گھوم پھر رہے ہیں اور اس کہکشانی قسم کے نظام دس کروڑ سے زیادہ موجودہ دوربینیوں سے دیکھے جا چکے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی وسعت ہماری کہکشاں کی وسعت کے برابر ہے اور اتنے ہی سورج ان میں گردش کر رہے ہیں۔ اس عالم کی وسعت و بلندی کا اندازہ اس سے لگائیے کہ زمین سے قریب ترین ستارے کی روشنی ۴ سال میں زمین تک پہنچتی ہے اور بعض اجرام فلکی کی روشنی کو زمین تک پہنچنے کیلئے دس لاکھ سال کی مدت درکار ہے۔

1937ء میں ایک چمک دیکھی گئی جس کی بلندی سے یہ اندازہ لگا گیا کہ 40 لاکھ برس پہلے کوئی ستارہ ٹوٹا ہوگا جس کی روشنی اب نظر آئی ہے اور فلکیات کے ماہر تو یہاں تک کہتے ہیں کہ بعض ستارے ایسے بھی ہوں گے جن کی روشنی ابھی زمین تک پہنچی ہی نہیں ہے۔ حالانکہ روشنی کی رفتار 1,86,284 میل فی سیکنڈ ہے اور سورج جو ہم سے 9 کروڑ 30 لاکھ میل کے فاصلہ پر ہے اس کی روشنی 8 منٹ 18 سیکنڈ میں اور چاند کی روشنی ایک سیکنڈ میں زمین تک پہنچ جاتی ہے۔ اور پھر یہ کہ گیسی بادل جو دس لاکھ سے 15 کروڑ نوری سال تک پھیلے ہوئے ہیں اور ان سے دور تر سحابیئے جن

کے فاصلے دس کھرب نوری سال تک ہیں ان میں روشنی کی مقدار کتنی اور کہاں کہاں پہنچتی ہے اور انتہاء تاریکیاں جو ہم سے کالے کوسوں دور ہیں ان میں خلائی شعاعیں (کاسمک ریز) کس مقدار میں پائی جاتی ہیں اور کہاں کہاں ظلمتوں کے طوفان محیط ہیں تو اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کس کو ہوسکتا ہے۔عصرِ جدید نے اگرچہ آلات وگوناگوں ایجادات سے روشنی کے وزن کا انکشاف کیا مگر آئمہ اہل بیت علیہم السلام نے روشنی کے وزن کا اس وقت ذکر کیا جبکہ نہ دوربنیں ایجاد ہوئی تھیں اور نہ لیبارٹریوں کا وجود تھا اور عوام تو عوام خواص کے ذہن بھی اس تصور سے خالی تھے۔چنانچہ یہ دُعا اس کیلئے شاہد ہے۔ اس کے علاوہ اور ارشاداتِ آئمہؑ میں بھی اس کا تذکرہ ہے۔ چنانچہ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ: اے فرزندِ رسولؐ! مجھے ستاروں کے دیکھنے سے ایک خاص حظ حاصل ہوتا ہے اور ایک حد تک مجھے اس فن میں مہارت حاصل ہے تو حضرتؑ نے بطورِ امتحان اس سے دریافت کیا کہ: «كَمْ تَسَقِي الشَّمْسُ الْقَمَرَ مِنْ نُّوْرِهَا وَ كَمْ تَسْقِي الشَّمْسَ الْاَرْضَ مِنْ نُّوْرِهَا: ''اچھا یہ تو بتاؤ کہ سورج کتنی مقدار میں اپنی روشنی سے چاند کو سیراب کرتا ہے اور کتنی مقدار میں زمین کو سیراب کرتا ہے''؟ اس نے کہا یہ باتیں تو ایسی ہیں جو اس سے پہلے میں نے کبھی سنی ہی نہیں اور نہ ان کا کبھی تصور ہوا ہے۔[1]

پھر ''سایہ'' اور ''ہوا'' کے وزن کا ذکر کیا ہے۔سایہ وہی تاریک حصہ ہے جو کثیف اور غیر شفاف اجسام کے امتزاج سے مرئی شعاعوں سے خالی ہوتا ہے، لیکن غیر مرئی شعاعیں اس میں کم وبیش ہوتی ہیں جس سے وہ کبھی زیادہ تاریک اور کبھی کم تاریک ہوتا ہے۔اور جس طرح کثیف اجسام مرئی شعاعوں کے نفوذ سے مانع ہو کر سایہ کو جنم دیتے ہیں اسی طرح دو روشنیوں کے تصادم سے بھی سایہ نمودار ہوتا ہے جسے ''ظل نور'' سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ یہ بھی اسی طرح وزن کا حامل ہوتا ہے جس طرح تاریکی غیر مرئی شعاعوں کی وجہ سے وزن رکھتی ہے اور ہوا بھی ایک مادی اور وزن دار چیز ہے۔ یہ ہوائی کرہ زمین سے دوسو میل سے زائد بلندی تک پھیلا ہوا ہے۔اور زمین سے متصل ہوا کثیف اور بھاری ہوتی ہے اور جوں جوں بلند ہوتی ہے لطیف وسبک ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ 20,000 فٹ کی بلندی پر اس قابل نہیں رہتی کہ انسان اس میں سانس لے سکے۔

سب سے پہلے حسن ابن ہیثم نے ہوا کا وزنی ہونا بتایا اور 1643ء میں اٹلی کے ڈاکٹر ٹرویلی نے بادپیما (بیرومیٹر) ایجاد کیا اور اس کے وزن اور دباؤ کی مقدار کو معلوم کرلیا۔اس کا مجموعی وزن 5100 کھرب ٹن ہے اور سمندر کے کنارے ایک مربع انچ میں ہوا کا وزن 14.7/10 پونڈ ہوتا ہے اور ہر شخص 2000 پونڈ وزنی ہوا اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہے۔اور یہ اللہ کی کرشمہ سازی ہے کہ اس نے انسان کے اندر ہوا بھر کر اس بوجھ کا احساس نہیں ہونے دیا، ورنہ وہ اس بوجھ کے نیچے دب کر رہ جاتا۔ہوا کا وزن اگرچہ ایک حد تک معلوم کیا جاچکا ہے مگر یہ کہ ان میں درختوں کو بارآور کرنے والی ہواؤں، سطح سمندر سے بخارات اٹھانے والی ہواؤں اور بادلوں کو حرکت میں لانے والی ہواؤں اور اس کی مختلف تہوں کا وزن کیا ہے؟ اور دوسرے کرّوں اور سیاروں پر ہوا کی مقدار اور نوعیت کیا ہے؟ اور ان میں آکسیجن، نائیٹروجن اور دوسری گیسوں کی مقدار کتنی ہے؟ تو قیاس آرائیوں کے علاوہ یقین کے ساتھ کچھ نہ بتایا جاسکے گا۔یہ صرف اللہ تعالیٰ سے مخصوص ہے اور وہی ان ہواؤں کے محل ومقام، وزن ومقدار، اجزا اور اجزا کی کمیت وکیفیت

[1] بحارالانوار، ج ۵۵ ص ۲۵۰۔

سے واقف ہے اور اس کا علم کلیات و جزئیات، ظواہر و بواطن اور غیوب و شہود پر یکساں محیط ہے اور کوئی چیز اس کے دائرہ اطلاع سے خارج، اس کے احاطۂ نگاہ سے باہر اور اس کے علم سے پوشیدہ نہیں ہے اور نہ پوشیدہ رہ سکتی ہے۔ کیونکہ ذاتِ الٰہی کیلئے جہل اگرچہ وہ چھوٹی سے چھوٹی اور مخفی سے مخفی چیز کے متعلق کیوں نہ ہو نقص ہے اور نقص اس کے کمالِ ذات کے منافی ہے۔

☆☆☆☆☆

{۲} دُعَآءٌ وَّ تَمۡجِيۡدٌ لَّهٗ عَلَيۡهِ السَّلَامِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ تَجَلّٰى لِلۡقُلُوۡبِ بِالۡعَظَمَةِ، وَ احۡتَجَبَ عِنِ الۡاَبۡصَارِ بِالۡعِزَّةِ، وَ اقۡتَدَرَ عَلَى الۡاَشۡيَآءِ بِالۡقُدۡرَةِ، فَلَا الۡاَبۡصَارُ تَثۡبُتُ لِرُؤۡيَتِهٖ، وَ لَا الۡاَوۡهَامُ تَبۡلُغُ كُنۡهَ عَظَمَتِهٖ.

تَجَبَّرَ بِالۡعَظَمَةِ وَ الۡكِبۡرِيَآءِ، وَ تَعَطَّفَ بِالۡعِزِّ وَ الۡبِرِّ وَ الۡجَلَالِ، وَ تَقَدَّسَ بِالۡحُسۡنِ وَ الۡجَمَالِ، وَ تَمَجَّدَ بِالۡفَخۡرِ وَ الۡبَهَآءِ، وَ تَجَلَّلَ بِالۡمَجۡدِ وَ الۡاٰلَآءِ، وَ اسۡتَخۡلَصَ بِالنُّوۡرِ وَ الضِّيَآءِ.

خَالِقٌ لَّا نَظِيۡرَ لَهٗ، وَ اَحَدٌ لَّا نِدَّ لَهٗ، وَ وَاحِدٌ لَّا ضِدَّ لَهٗ، وَ صَمَدٌ لَّا كُفۡوَ لَهٗ، وَ اِلٰهٌ لَّا ثَانِىَ مَعَهٗ، وَ فَاطِرٌ لَّا شَرِيۡكَ لَهٗ، وَ رَازِقٌ لَّا مُعِيۡنَ لَهٗ.

دُعا {۲}

بزرگی و عظمت الٰہی کے بیان میں حضرتؑ کی دُعا

تمام تعریف اس اللہ کیلئے ہے جو اپنی عظمت کے ساتھ دلوں پر روشن و درخشاں ہے، اور اپنی عزت کے ساتھ آنکھوں سے پنہاں ہے، اور تمام چیزوں پر اپنے اقتدار سے قابو رکھتا ہے، نہ آنکھیں اس کے دیدار کی تاب لاسکتی ہیں اور نہ عقلیں اس کی عظمت کی حد تک پہنچ سکتی ہیں۔

وہ اپنی عظمت و بزرگی کے ساتھ ہر چیز پر غالب ہے، اور عزت و احسان و جلالت کی رِدا اوڑھے ہوئے ہے، حسن و جمال کے ساتھ نقائص سے بری ہے، اور فخر و سر بلندی کے ساتھ شرف و بزرگی کا مالک ہے، اور خیر و بخشش کی فراوانی اور (عطائے) نعمات سے خوش ہوتا ہے، اور نور و روشنی کے ساتھ (تمام عالم سے) امتیاز رکھتا ہے۔

وہ ایسا خالق ہے جس کا کوئی نظیر نہیں، وہ ایسا یکتا ہے جس کا کوئی مثل نہیں، وہ ایسا یگانہ ہے جس کا کوئی مد مقابل نہیں، وہ ایسا بے نیاز ہے جس کا کوئی ہمسر نہیں، وہ خدا جس کا کوئی دوسرا نہیں، وہ پیدا کرنے والا ہے جس کا کوئی شریکِ کار نہیں، وہ رزق دینے والا ہے جس کا کوئی مددگار نہیں۔

وَ الْاَوَّلُ بِلَا زَوَالٍ، وَ الدَّآئِمُ بِلَا فَنَآءٍ، وَ الْقَآئِمُ بِلَا عَنَآءٍ، وَ الْمُؤْمِنُ بِلَا نِهَايَةٍ،وَ الْمُبْدِئُ بِلَآ اَمَدٍ، وَ الصَّانِعُ بِلَآ اَحَدٍ، وَ الرَّبُّ بِلَا شَرِيْكٍ، وَ الْفَاطِرُ بِلَا كُلْفَةٍ، وَ الْفَعَّالُ بِلَا عَجْزٍ.

وہ ایسا اوّل ہے جسے زوال نہیں، وہ ایسا باقی وجاوید ہے جسے فنا نہیں، وہ دائم وقائم ہے بغیر کسی رنج ومشقت کے، وہ امن وامان کا بخشنے والا ہے بغیر کسی حد ونہایت کے، وہ ایجاد کرنے والا ہے بغیر کسی مدت کی حد بندی کے، وہ صانع وموجد ہے بغیر کسی ایک (کی اعانت) کے، وہ پروردگار ہے بغیر کسی شریک کے، وہ پیدا کرنے والا ہے بغیر کسی زحمت و دشواری کے، وہ کام کرنے والا ہے بغیر عجز ودر ماندگی کے۔

لَيْسَ لَهُ حَدٌّ فِيْ مَكَانٍ، وَ لَا غَايَةٌ فِيْ زَمَانٍ، لَمْ يَزَلْ وَ لَا يَزُوْلُ، وَ لَنْ يَّزَالَ كَذٰلِكَ اَبَدًا، هُوَ الْاِلٰهُ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ، الدَّآئِمُ الْقَادِرُ الْحَكِيْمُ.

اس کی کوئی حد نہیں مکان میں، اور نہ اس کی کوئی انتہا ہے زمانہ میں، وہ ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا، یونہی ہمیشہ ہمیشہ، اسے کبھی زوال نہ ہوگا، وہی خدا ہے جو زندہ، قائم ودائم، قدیم، قادر اور علم وحکمت والا ہے۔

اِلٰهِيْ عُبَيْدُكَ بِفِنَآئِكَ، سَآئِلُكَ بِفِنَآئِكَ، فَقِيْرُكَ بِفِنَآئِكَ. {ثَلَاثًا}

بار الٰہا! تیرا ایک بندۂ حقیر تیرے ساحتِ قدس میں حاضر ہے، تیرا سائل تیرے آستانہ پر حاضر ہے، تیرا محتاج و دست نگر تیری بارگاہ میں حاضر ہے۔ {ان تینوں جملوں کو تین مرتبہ دہرائے}

اِلٰهِيْ لَكَ يَرْهَبُ الْمُتَرَهِّبُوْنَ، وَ اِلَيْكَ اَخْلَصَ الْمُسْتَهِلُّوْنَ، رَهْبَةً لَّكَ وَ رَجَآءً لِّعَفْوِكَ.

اے میرے اللہ! تجھ ہی سے عبادت گزار ڈرتے ہیں، اور تیرے خوف اور اُمید وعفو وبخشش کے پیش نظر عاجزی سے التجا کرنے والے تجھ سے لو لگاتے ہیں۔

يَآ اِلٰهَ الْحَقِّ ارْحَمْ دُعَآءَ الْمُسْتَصْرِخِيْنَ، وَ اعْفُ عَنْ جَرَآئِمِ الْغٰفِلِيْنَ، وَ زِدْ فِيْٓ اِحْسَانِ الْمُنِيْبِيْنَ يَوْمَ الْوُفُوْدِ عَلَيْكَ، يَا كَرِيْمُ.

اے سچے معبود! استغاثہ وفریاد کرنے والوں کی پکار پر رحم فرما، اور غفلت میں گرفتار ہونے والوں کے گناہوں سے درگزر فرما، اور اے کریم! اپنی بارگاہ میں توبہ کرنے والوں کے ساتھ اس دن کہ جب وہ تیرے سامنے پیش ہوں نیکی اور احسان میں اضافہ فرما۔

--☆☆--

یہ دُعا خداوند عالم کی عظمت و بزرگی اور اس کے اوصافِ کمال کے بیان کے سلسلہ میں ہے۔ الٰہی صفات کے بیان سے جہاں یہ مقصد ہے کہ انسان خدا شناسی کی منزل سے قریب ہو، وہاں یہ بھی مقصد ہے کہ معبود کی رفعت و بلندی کا تصور اس میں نوعی رفعت و سر بلندی کا احساس پیدا کرے تاکہ وہ اس کائنات میں اپنے کو بلند درجہ سمجھتے ہوئے خالق کائنات کے علاوہ کسی اور کی پرستش و عبادت کا تصور بھی نہ کرے اور اس بلندی کے احساس کے پیش نظر اپنے عمل و کردار میں بھی بلندی پیدا کرنے کی کوشش کرے۔

- صفات الٰہی میں سے پہلی صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ انسان کے قلب وضمیر سے پنہاں نہیں ہے، کیونکہ ہر چیز میں اس کی نمود اور ہر شے میں اس کی جلوہ ریزی ہے۔ چنانچہ زمین، آسمان، چاند، سورج، دریا، پہاڑ اور کائنات کا ہر ذرہ اس کے وجود کی ایک محکم برہان ہے۔ اگر کوئی شخص کسی نقاش کو نقش کھینچتے ہوئے دیکھتا ہے تو وہ یہ یقین کرنے پر مجبور ہے کہ وہ زندہ بھی ہے، عالم بھی ہے، قادر بھی ہے اور مرید بھی۔ اس لئے کہ حیات، علم، قدرت اور ارادہ کے بغیر نقاش کا ہاتھ نقش نہیں کھینچ سکتا۔ تو اگر اس کے ہاتھ کی حرکت کو دیکھ کر ان اوصاف کا یقین ہو جاتا ہے، حالانکہ اس حرکت کے مشاہدہ کے علاوہ اور کوئی دلیل موجود نہیں ہے تو کیا کائنات کے نقش بدیع کو دیکھنے کے بعد صانع کے وجود اور اس کی صفتِ علم و قدرت سے انکار کی گنجائش ہو سکتی ہے؟ اور جس کے وجود پر اتنے شواہد موجود ہوں وہ چشم بصیرت سے مخفی رہ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں! جبکہ دل، ضمیر، فطرت اور وجدان اس کے وجود کی شہادت دے رہے ہیں اور اس کی ہستی کے دلائل اتنے قوی ہیں کہ ہر شخص اس کا اقرار کرنے پر مجبور ہے اور نظم کائنات کو دیکھنے کے بعد یہ تصور کہ یہ عالم بعض عناصر کے اِتفاقی میل کا نتیجہ ہے عقل وفہم سے بمراحل دور ہے۔ اس لئے کہ ہر چیز کی تہ میں ایک حکیمانہ نظام کارفرما نظر آتا ہے اور ہر شے اپنے مقام پر ایک خاص موزونیت کی حامل دکھائی دیتی ہے جسے محض اتفاقیہ نہیں قرار دیا جا سکتا۔ چنانچہ اس عالم کے نظم ونسق اور وضع و ساخت کو دیکھنے کے بعد یہ تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ کار ہی نہیں ہے کہ اس کائنات ہستی کا کوئی خالق و صانع ہے جو حکیم، مدبر اور تمام صفاتِ کمال کا جامع ہے۔
- دوسری صفت یہ ہے کہ وہ دیکھنے والوں کی نگاہوں سے اپنے غلبہ وعزت کی وجہ سے پوشیدہ ہے اور یہ پوشیدگی اس طرح کی نہیں ہے جس طرح شاہوں اور فرمانرواؤں کی پوشیدگی ہوتی ہے کہ وہ دروازوں پر پردے لٹکا کر اور پہرے کھڑے کر کے رعایا کی نظروں سے پنہاں رہتے ہیں تاکہ ان کے رعب وتمکنت میں فرق نہ آئے اور نہ اس طرح پوشیدہ ہے۔ جس طرح چمگادڑ کی نگاہ سے سورج پوشیدہ ہو جاتا ہے کہ یہ کہا جائے کہ اس کے نور کی تابش اور جمال کی طغیانی رویت سے مانع ہے۔ کیونکہ وہ اس لئے پوشیدہ نہیں ہے کہ نگاہیں اس کے سامنے مضمحل ہو جاتی ہوں، بلکہ وہ ذاتاً ناقابل رویت ہے۔ اس لئے کہ اگر وہ دیکھے جانے کے قابل ہوتا تو نگاہوں کی محدود وسعت سے اسے بھی محدود ہونا پڑتا اور جبکہ اس ذاتِ غیر محدود کیلئے محدود ہونا ناممکن ہے تو اس کے دیکھے جانے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔
- تیسری صفت یہ ہے کہ وہ قادرِ مطلق ہے۔ اس لئے اپنی ہی قوت و طاقت سے ہر چیز پر اقتدار رکھتا ہے، نہ ان سلاطین کی طرح جو لشکر و سپاہ اور اعوان و انصار کی بدولت اقتدار حاصل کرتے ہیں۔ اگر ایسا ہو تو وہ جن سے مدد لے گا ان کا محتاج قرار پائے گا اور احتیاج ممکن کا خاصہ ہے نہ واجب کا۔

- چوتھی صفت یہ ہے کہ انسانی عقلیں اس کی واقعی حقیقت سمجھنے سے قاصر ہیں۔اس لئے کہ عقل وادراک کی قوتیں محدود ہیں اور خدا لامحدود ہے۔ اور محدود، غیر محدود کا اِحاطہ کر نہیں سکتا کہ عقل وفہم میں سما سکے۔
- پانچویں صفت یہ ہے کہ وہ یگانہ ہے اور کائنات کے پیدا کرنے میں کوئی اس کا معاون وشریک کار نہیں ہے۔اس لئے کہ اگر دو خالق ہوں تو ان میں سے ایک کسی کام کو کرنا چاہے تو دوسرا اس کا ہمنوا ہوگا یا مخالف۔اگر ہمنوا ہے تو اس کی ہمنوائی کا فائدہ ونتیجہ ہی کیا جبکہ وہ تنہا اس کام کو انجام دینے کیلئے کافی ہے۔اور اگر مخالف ہے تو اس صورت میں یا وہ دونوں ناکام ہوں گے یا ان میں سے ایک کامیاب ہوگا اور دوسرا ناکام۔پہلی صورت میں دونوں خدا نہ رہیں گے اور دوسری صورت میں ناکام ہونے والا خدا نہ رہے گا۔لہٰذا جب دوسرے کی احتیاج ہی نہیں ہے تو ایک بے کار وجود کو تسلیم کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔
- چھٹی صفت یہ ہے کو وہ اول ہے اس لئے کہ تمام سلسلہ موجودات اس پر منتہی ہوتا ہے اور جو تمام کائنات کا نقطہ آخر اور علۃ العلل ہو تو وہ یقیناً سب سے اول واقدم ہوگا۔
- ساتویں صفت یہ ہے کہ وہ مکان وزمان کے حدود سے بالاتر ہے۔اس لئے کہ مکان وزمان کی تقیید وحد بندی صفاتِ اجسام میں سے ہے اور وہ جسم وجسمانیات سے منزہ ہے۔اور دوسرے یہ کہ زمان ومکان حادث ہیں اور جب وہ کسی مخلوق وحادث کا پابند ہوگا تو واجب الوجود نہ رہے گا اور جب کہ وہ حادث قرار پایا تو اس کیلئے فنا وزوال بھی ضروری ہوگا۔اس لئے کہ فنا سے مانع صرف اس کا واجب الوجود ہونا ہے اور زمان ومکان کی پابندی سے وہ واجب الوجود نہ رہا۔
- آٹھویں صفت یہ ہے کہ اس کا کوئی مثل ونظیر نہیں ہے۔اس لئے کہ اگر اس کا مثل ونظیر ہوگا تو یا وہ واجب الوجود ہوگا یا ممکن۔اگر واجب الوجود ہوگا تو واجب الوجود متعدد نہیں ہو سکتے۔اور اگر ممکن ہوگا تو ممکن و واجب ایک دوسرے کے مثل ہو نہیں سکتے۔اس لئے کہ واجب غیر محتاج اور ممکن سراپا احتیاج ہے۔
- نویں صفت یہ ہے کہ وہ ایسا خالق ہے جو تخلیق اشیاء میں مادہ کا محتاج نہیں ہے، کیونکہ احتیاج ممکن کی شان ہے اور واجب الوجود ہر قسم کی احتیاج سے کوسوں دور ہے۔
- دسویں صفت یہ ہے کہ وہ رب ہے۔رب کے معنی پالنے والے کے ہیں۔چنانچہ یہ پرورش ونگہداشت کا سر و سامان اور تربیتِ عالم کا مسلسل اہتمام اس کی ربوبیت کا مظہر ہے اور یہ ربوبیت اتنی کامل وہمہ گیر ہے کہ کوئی مخلوق، وہ پانی کے اندر ہو یا زمین کے اوپر، دامن کوہ میں ہو یا وسعتِ فضا میں، اپنی حاجت وضرورت کے مطابق بقائے زندگی کے سامان سے بہرہ مند ہے جس کا سلسلہ نہ کبھی قطع ہوا ہے اور نہ ہوگا۔
- گیارہویں صفت یہ ہے کہ وہ عین حسن وسراپا جمال ہے۔چنانچہ زمین پر سبزۂ خوابیدہ کا مخملی فرش، پھولوں میں رنگوں کا حسین امتزاج، دریاؤں کی روانی، موجوں کی طغیانی، آبشاروں کے زمزمے، طائروں کے نغمے، ستاروں کی چشمک، چاند کا اتار چڑھاؤ، سورج کی ضیاء پاشی، کہکشاں کی دل آویزی

اور صبح و شام کی نظر افروزی اسی کے جمال کا پرتو اور اس کے حسن کی جلوہ آرائی کا نتیجہ ہیں۔ کیونکہ جو جمال سے عاری ہو وہ دوسری چیزوں میں رعنائی پیدا نہیں کر دے سکتا۔ لہٰذا کائنات ہستی کی موزونیت اور فطرت کا بناؤ خالق کے حسن و جمال کا آئینہ دار اور اس کی جمال پسندی کی دلیل ہے۔

● بارہویں صفت یہ ہے کہ وہ مومن ہے۔ اگر مومن کا اطلاق انسان پر ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ خدا اور اس کے رسولؐ اور آسمانی احکام کی تصدیق کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ پر اس کا اطلاق ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے ظلم و جور کا قطعاً کوئی اندیشہ نہیں ہے، نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

سُمِّيَ الْبَارِئُ عَزَّ وَ جَلَّ مُؤْمِنًا لِاَنَّهٗ يُؤْمِنُ مِنْ عَذَابِهٖ مَنْ اَطَاعَهٗ.

خداوندِ عالم کا نام "مومن" اس لئے ہے کہ اس کے اطاعت گزار بندے اس کے عذاب سے مامون و بے خطر ہیں۔[1]

بہر حال اس دُعا کے مطالعہ سے ایک ایسی ہستی کا تصور سامنے آجاتا ہے جو تمام حسن و خوبی کی صفتوں کو سمیٹے ہوئے ہے، جو عظمت و جلال و کبریائی کا بھی مالک ہے اور مجد و بزرگی و شرف کا بھی سرمایہ دار ہے، جو سر تا پا نور و ضیاء، سراپا حسن و جمال، ازلی، ابدی، زندہ، قائم، توانا، بے نیاز، باقی و برقرار اور دائم و جاوید ہے۔ اسی سے تمام موجودات کا ظہور ہوا اور اسی سے ان کی بقا وابستہ ہے اور اسی کی طرف پلٹنا ہے۔ وہ یکتا و یگانہ اور بے مثل و بے ہمتا ہے۔ ہر چیز میں نمایاں، ہر دل میں جلوہ گر اور پھر کہیں نہیں کہ اسے دیکھا جا سکے یا اس کی طرف اشارہ کیا جا سکے۔

یوں تو جہاں میں ہم نے اس کو کہاں نہ پایا   پایا نہ یوں کہ کرتے اس کی طرف اشارہ

☆☆☆☆☆

---

[1] توحید صدوق ص ۲۰۵۔

{۳}مِنْ دُعَآئِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ

فِی التَّذَلُّلِ

مَوْلَایَ! مَوْلَایَ! اَنْتَ الْمَوْلٰی وَ اَنَا الْعَبْدُ، وَ هَلْ یَرْحَمُ الْعَبْدَ اِلَّا الْمَوْلٰی؟

مَوْلَایَ! مَوْلَایَ! اَنْتَ الْعَزِیْزُ وَ اَنَا الذَّلِیْلُ، وَهَلْ یَرْحَمُ الذَّلِیْلَ اِلَّا الْعَزِیْزُ؟

مَوْلَایَ! مَوْلَایَ! اَنْتَ الْخَالِقُ وَ اَنَا الْمَخْلُوْقُ، وَهَلْ یَرْحَمُ الْمَخْلُوْقَ اِلَّا الْخَالِقُ؟

مَوْلَایَ! مَوْلَایَ! اَنْتَ الْمُعْطِیْ وَ اَنَا السَّآئِلُ، وَ هَلْ یَرْحَمُ السَّآئِلَ اِلَّا الْمُعْطِیْ؟

مَوْلَایَ! مَوْلَایَ! اَنْتَ الْمُغِیْثُ وَ اَنَا الْمُسْتَغِیْثُ، وَ هَلْ یَرْحَمُ الْمُسْتَغِیْثَ اِلَّا الْمُغِیْثُ؟

مَوْلَایَ! مَوْلَایَ! اَنْتَ الْبَاقِیْ وَ اَنَا الْفَانِیْ، وَ هَلْ یَرْحَمُ الْفَانِیَ اِلَّا الْبَاقِیْ؟

مَوْلَایَ! مَوْلَایَ! اَنْتَ الدَّآئِمُ وَ اَنَا الزَّآئِلُ، وَ هَلْ یَرْحَمُ الزَّآئِلَ اِلَّا الدَّآئِمُ؟

مَوْلَایَ! مَوْلَایَ! اَنْتَ الْحَیُّ وَ اَنَا الْمَیِّتُ، وَ هَلْ یَرْحَمُ الْمَیِّتَ اِلَّا الْحَیُّ؟

دُعا{۳}

تذلّل و عاجزی کے سلسلہ میں حضرت کی دُعا

اے میرے آقا! اے میرے مالک! تو آقا ہے اور میں بندہ، اور بندے پر آقا کے سوا کون رحم کھائے گا؟

میرے مولا! میرے آقا! تو عزت والا ہے اور میں ذلیل، اور ذلیل پر عزت دار کے علاوہ اور کون رحم کرے گا؟

میرے مالک! میرے مالک! تو خالق ہے اور میں مخلوق، اور مخلوق پر خالق کے سوا کون ترس کھائے گا؟

میرے مولا! میرے مولا! تو عطا کرنے والا ہے اور میں سوالی، اور سائل پر عطا کرنے والے کے علاوہ کون مہربانی کرے گا؟

میرے آقا! میرے آقا! تو فریاد رس ہے اور میں فریادی، اور فریادی پر فریادرس کے علاوہ کون رحم کرے گا؟

میرے مالک! میرے مالک! تو باقی ہے اور میں فانی، اور فانی پر باقی کے علاوہ کون رحم کرے گا؟

میرے آقا! میرے آقا! تو دائم و جاوید ہے اور میں مٹ جانے والا، اور مٹ جانے والے پر دائم و جاوید کے علاوہ کون رحم کرے گا؟

میرے مولا! میرے مولا! تو زندہ ہے اور میں مُردہ، اور مُردہ پر زندہ کے سوا کون ترس کھائے گا؟

مَوْلَایَ! مَوْلَایَ! اَنْتَ الْقَوِیُّ وَ اَنَا الضَّعِیْفُ، وَ هَلْ یَرْحَمُ الضَّعِیْفَ اِلَّا الْقَوِیُّ؟

میرے مالک! میرے مالک! تو طاقتور ہے اور میں کمزور، اور کمزور پر طاقتور کے علاوہ کون رحم کرے گا؟

مَوْلَایَ! مَوْلَایَ! اَنْتَ الْغَنِیُّ وَ اَنَا الْفَقِیْرُ، وَ هَلْ یَرْحَمُ الْفَقِیْرَ اِلَّا الْغَنِیُّ؟

میرے مولا! میرے مالک! تو غنی ہے اور میں تہی دست، اور تہی دست پر غنی کے علاوہ کون رحم کھائے گا؟

مَوْلَایَ! مَوْلَایَ! اَنْتَ الْکَبِیْرُ وَاَنَا الصَّغِیْرُ، وَهَلْ یَرْحَمُ الصَّغِیْرَ اِلَّا الْکَبِیْرُ؟

میرے آقا! میرے آقا! تو بڑا ہے اور میں چھوٹا، اور چھوٹے پر بڑے کی سوا کون نظر شفقت کرے گا؟

مَوْلَایَ! مَوْلَایَ! اَنْتَ الْمَالِكُ وَ اَنَا الْمَمْلُوْكُ، وَ هَلْ یَرْحَمُ الْمَمْلُوْكَ اِلَّا الْمَالِكُ؟.

میرے مولا! میرے مولا! تو مالک ہے اور میں غلام، اور غلام پر مالک کے سوا کون مہربانی فرمائے گا۔

--☆☆--

یہ دُعا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تضرع و استرحام کے سلسلہ میں ہے جس میں اللہ تعالیٰ کو اس کے اسمائے حسنیٰ میں سے مختلف ناموں کے ساتھ یاد کیا ہے اور وہ اسماء جن جن معنیٔ وصفی کے حامل ہیں ان کے مقابلہ میں بطور صنعت طباق وتضاد اپنے لئے ایک اسم کا انتخاب کیا ہے۔ جیسے ''مولیٰ'' کے مقابلہ میں ''عبد''، ''غنی'' کے مقابلہ میں ''فقیر''، ''باقی'' کے مقابلہ میں ''فانی'' وغیرہ۔ یہ انداز خطاب، طلب وسوال کے استحقاق پر بھی روشنی ڈالتا ہے اس طرح کہ بندہ اپنے آقا سے اور فقیر غنی سے طلب نہ کرے تو کس سے رحم کی التجا کرے اور کس کے آگے جھولی پھیلائے اور آقا و مالک کے سوا ہو بھی کون سکتا ہے، جو اپنے بندہ پر شفقت و مہربانی کرے اور غنی کے علاوہ کون ہو سکتا ہے جو فقیر کی بے مائیگی کو غنا و خوشحالی سے بدل سکے۔

اس بنا پر حضرتؑ اس کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں کہ: ''تو آقا و مولا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور بندہ پر نظر شفقت و مرحمت آقا ہی کر سکتا ہے''۔ ''مولیٰ'' کے معنی مالک و متصرف کے ہیں۔ یعنی اسے اپنے بندوں پر ہر طرح کا اختیار حاصل ہے۔ اس معنی سے وہی حقیقی مالک و مولا ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿هُوَ مَوْلٰـكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى﴾

وہ تمہارا مولا ہے تو کیا اچھا مولا ہے۔[1]

---

[1] سورۂ حج، آیت ۷۸۔

پھر فرماتے ہیں کہ: ''تو عزیز ہے اور میں ذلیل ہوں''۔ یعنی میں تیرے آگے عاجز و سرافگندہ ہوں اور تو غلبہ و اقتدار کا مالک ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝﴾

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں جو عزت و غلبہ اور حکمت والا ہے۔[1]

''اور تو خالق ہے اور میں مخلوق ہوں''۔ یعنی میں تیرا پیدا کردہ ہوں اور تو میرا اور تمام کائنات کا پیدا کرنے والا ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ﴾

وہی اللہ ہے جو پیدا کرنے والا، ایجاد کرنے والا، اور صورت گر ہے۔[2]

''اور تو عطا کرنے والا اور میں سوالی ہوں''۔ یعنی ہر عطا و بخشش کی انتہا تیری ذات پر ہے۔ اس لئے ہر دستِ طلب تیرے آگے بڑھتا ہے اور تجھ سے مانگنے والا کبھی محروم و ناکام نہیں پلٹتا۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ﴾

تم نے جو کچھ اس سے مانگا اس نے تمہیں دیا۔[3]

''اور تو فریاد رس ہے اور میں فریادی ہوں''۔ چنانچہ وہی رنج و قلق کو دور کرتا اور پریشان و مصیبت زدہ لوگوں کی داد فریاد سنتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ﴾

وہ کون ہے جسے پریشان حال جب پکارے تو وہ اس کی سنتا اور دکھ درد کو دور کرتا ہے۔[4]

''اور تو باقی ہے اور میں فانی ہوں''۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز کیلئے فنا ضروری ہے اور کوئی بھی موت کی گرفت سے بچ نہیں سکتا۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝﴾

روئے زمین کی ہر چیز فنا ہونے والی ہے اور تمہارا پروردگار جو جلالت و بزرگی کا سرمایہ دار ہے باقی رہنے والا ہے۔[5]

---

[1] سورۂ آل عمران، آیت ۶۔
[2] سورۂ حشر، آیت ۲۴۔
[3] سورۂ ابراہیمؑ، آیت ۳۴۔
[4] سورۂ نمل، آیت ۶۲۔
[5] سورۂ رحمٰن، آیت ۲۷۔

''اور تو دائم و جاوید ہے اور میں معرض زوال میں ہوں''۔ مقصد یہ ہے کہ ہر چیز فانی و زوال پذیر ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کیلئے بقا و دوام نہیں۔ صرف اسی کی شاہی و فرمانروائی باقی و برقرار رہنے والی ہے۔

چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿١٦﴾﴾

آج کس کی بادشاہی ہے؟ اس اللہ تعالیٰ کی جو یکتا و غالب ہے۔[1]

''اور تو زندہ ہے اور میں مردہ ہوں''۔ خدا کے زندہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ خود موجود ہے اور دوسرے کو زندگی و حیات بخشنے والا ہے۔ جب کائنات ہستی کی زندگی و بقا اس کی حیات سے وابستہ ہے اور ہر چیز اپنے وجود میں اس کی محتاج و دست نگر اور خود اس کے وجود کو مستقل حیثیت حاصل نہیں ہے تو وہ زندہ رہنے کے باوجود مردہ ہی کہی جانے کی سزاوار ہے۔ اس لئے حضرتؑ نے اس ذات کو جو سرچشمہ حیات اور ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی ''حی'' سے تعبیر فرمایا ہے اور اس کے مقابلہ میں اپنے کو ''مردہ'' کہا ہے۔ اور اس لئے بھی کہ زندگی کے پہلے عدم اور زندگی کے بعد موت ہے اور جو چیز عدم و موت کے درمیان واقع ہو اور وہ بھی اس طرح کہ سر رشتہ حیات دوسرے کے ہاتھ میں ہو تو ایسی زندگی کا حامل ''مردہ'' ہی کہے جانے کے قابل ہے۔ اگر کوئی زندہ کہے جانے کا مستحق ہے تو وہ ذات جو عدم و نیستی سے ناآشنا اور ازلی و ابدی ہے۔

چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ؕ﴿٢﴾﴾

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں جو زندہ اور نظم عالم قائم کرنے والا ہے۔[2]

''تو قوی ہے اور میں ضعیف ہوں''۔ یعنی تو ہر چیز پر غلبہ و اقتدار رکھتا ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿٧٤﴾﴾

یقیناً خدا قوی و غالب ہے۔[3]

''اور میں عاجز و کمزور اور ضعیف و ناتوان ہوں''۔ چنانچہ انسان کے بارے میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا ﴿٢٨﴾﴾

انسان کمزور و ناتوان پیدا کیا گیا ہے۔[4]

---

[1] سورۂ مومن (غافر)، آیت ۱۶۔
[2] سورۂ آل عمران، آیت ۳۔
[3] سورۂ حج، آیت ۷۴۔
[4] سورۂ نساء، آیت ۲۸۔

''اور تو غنی ہے اور میں فقیر و نادار ہوں''۔''غنی'' کے معنی یہ ہیں کہ وہ بے نیاز اور ہر قسم کی احتیاج سے بری ہے، اس کے مقابلے میں انسان سراپا فقر و احتیاج ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ﴾

اللہ تعالیٰ بے نیاز اور تم محتاج ہو۔[۱]

''تو کبیر ہے اور میں پست و صغیر ہوں''۔''کبیر'' کے معنی یہ ہیں کہ اس کی ذات جلال و عظمت اور کبریائی و رفعت کی مالک ہے اور اس کے مقابلہ میں ہر فرد کم رتبہ اور پست تر ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ۝۳۰﴾

یقیناً صرف اللہ تعالیٰ ہی بلند مرتبہ و بزرگ ہے۔[۲]

''اور تو مالک ہے اور میں مملوک ہوں''۔''مالک'' کے معنی یہ ہیں کہ خداوند عالم ذات و صفات میں ہر موجود سے مستغنی و بے نیاز ہے اور کوئی چیز اس کے قبضۂ قدرت سے باہر اور اس کے حدود فرمانروائی سے خارج نہیں ہے، کیونکہ ہر جگہ اور ہر مقام پر اسی کی حکومت و فرمانروائی ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ﴾

اے شاہی و جہانداری کے مالک۔[۳]

☆☆☆☆☆

---

[۱] سورۂ محمدؐ، آیت ۳۸۔

[۲] سورۂ لقمان، آیت ۳۰

[۳] سورۂ آل عمران، آیت ۲۶۔

{٤} وَمِنْ دُعَائِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ

فِيْ ذِكْرِ اٰلِ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ

اَللّٰهُمَّ يَا مَنْ خَصَّ مُحَمَّدًا وَّ اٰلَهٗ بِالْكَرَامَةِ، وَ حَبَاهُمْ بِالرِّسَالَةِ، وَ خَصَّصَهُمْ بِالْوَسِيْلَةِ، وَ جَعَلَهُمْ وَرَثَةَ الْاَنْبِيَآءِ، وَ خَتَمَ بِهِمُ الْاَوْصِيَآءَ وَ الْاَئِمَّةَ، وَ عَلَّمَهُمْ عِلْمَ مَا كَانَ وَ مَا بَقِيَ، وَ جَعَلَ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْ اِلَيْهِمْ.

فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهِ الطَّاهِرِيْنَ، وَ افْعَلْ بِنَا مَاۤ اَنْتَ اَهْلُهٗ فِي الدِّيْنِ وَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ، اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ.

--☆☆--

دُعا {۴}

حضرتؑ کی دُعا جو ذکرِ آلِ محمد علیہم السلام پر مشتمل ہے

اے اللہ! اے وہ جس نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کی آلؑ کو عزت و بزرگی کے ساتھ مخصوص کیا، اور جنہیں منصبِ رسالت عطا کیا، اور وسیلہ بنا کر امتیازِ خاص بخشا، جنہیں انبیاء علیہم السلام کا وارث قرار دیا، اور جن کے ذریعہ اوصیاء اور آئمہ علیہم السلام کا سلسلہ ختم کیا، جنہیں گزشتہ و آئندہ کا علم سکھایا، اور لوگوں کے دلوں کو جن کی طرف مائل کیا۔

بار الہا! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کی پاک و پاکیزہ آلؑ پر رحمت نازل فرما اور ہمارے ساتھ دین، دنیا اور آخرت میں وہ برتاؤ کر جس کا تو سزاوار ہے، یقیناً تو ہر چیز پر قادر و توانا ہے۔

--☆☆--

یہ دُعا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اہل بیت اطہار علیہم السلام کے اوصاف وخصوصیات کے ذکر پر مشتمل ہے۔ ان اوصاف ومحامد میں سے:

- پہلی صفت یہ ہے کہ خداوندعالم نے انہیں ایسی عزت ورفعت اور شرف وکرامت کے خلعت سے آراستہ کیا ہے جو دنیا میں کسی اور کے قد وقامت پر راست نہ آسکا۔ یہ اختصاص اس امر کی دلیل ہے کہ خداوندعالم نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اہل بیت علیہم السلام کو تمام کائنات پر فضیلت و برتری عطا کی ہے۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الْاَرْوَاحَ قَبْلَ الْاَجْسَادِ بِاَلْفَيْ عَامٍ، فَجَعَلَ اَعْلَاهَا وَ اَشْرَفَهَا اَرْوَاحَ مُحَمَّدٍ وَ عَلِيٍّ وَ فَاطِمَةَ وَ الْحَسَنِ وَ الْحُسَيْنِ وَ الْاَئِمَّةِ بَعْدَهُمْ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ.

خداوندعالم نے روحوں کو جسموں سے دو ہزار برس پیشتر خلق فرمایا اور ان میں سب سے بلند مرتبہ و ذی شرف محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ اور آئمہ اہل بیت صلوات اللہ علیہم ہیں۔[1]

- دوسری صفت یہ ہے کہ ان میں سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مرکز نبوت قرار دیا اور وحی و رسالت کا امتیاز بخشا۔ چنانچہ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے:

[1] بحار الانوار، ج ۸، ص ۳۰۸۔

نَحۡنُ اَهۡلُ الۡبَيۡتِ مَفَاتِيۡحُ الرَّحۡمَةِ وَ مَوۡضِعُ الرِّسَالَةِ وَ مَعۡدِنُ الۡحِلۡمِ.

ہم اہل بیتؑ، رحمت کی کنجیاں، رسالت کی منزل اور حلم و بردباری کا معدن ہیں۔(ارجح المطالب)

- تیسری صفت یہ ہے کہ وہ وسیلہ ہیں۔اس طرح کہ انہی کے وسیلہ سے خدا تک رسائی ہوتی ہے، انہی کے وسیلہ سے دُعائیں قبول اور فقر و فاقہ، ابتلاء و مصیبت اور رنج و اندوہ دور ہوتا ہے۔اور عقبیٰ میں بھی ان کی شفاعت کو وسیلہ قرار دیئے بغیر نجات و کامرانی نہ ہوگی۔اور یہ وہ مرتبہ رفیعہ ہے جس سے بلندتر مرتبہ دوسرا نہیں ہے۔ چنانچہ امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَ نَبِيَّهُ الۡوَسِيۡلَةَ وَهِيَ اَعۡلٰى دَرَجِ الۡجَنَّةِ وَ نِهَايَةُ غَايَةِ الۡاُمۡنِيَّةِ۔

اللہ سبحانہ نے اپنے نبیؐ سے وسیلہ کا وعدہ فرمایا ہے اور یہ جنت کا ایک بلندترین درجہ اور خواہش و مقصد کی حد آخر ہے۔[1]

- چوتھی صفت یہ ہے کہ ان میں تمام انبیاء علیہم السلام کی صفتیں یکجا تھیں۔ چنانچہ آدمؑ کی صفوت، ابراہیمؑ کی خلت، موسیٰؑ کی ہیبت، عیسیٰؑ کی زہادت اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی صفتیں ان میں سمٹ کر جمع ہوگئی تھیں۔اس لحاظ سے وہ انبیاء علیہم السلام کے محاسن و کمالات اور اخلاق و اوصاف میں ان کے وارث و جانشین ہوں گے۔ چنانچہ امام رضا علیہ السلام کا ارشاد ہے:

نَحۡنُ وَرَثَةُ اُولِي الۡعَزۡمِ مِنَ الرُّسُلِ وَ الۡاَنۡبِيَآءِ.

ہم اولوالعزم نبیوں اور رسولوں کے ورثہ دار ہیں۔[2]

- پانچویں صفت یہ ہے کہ جس طرح پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ خاتم الانبیاء ہیں کہ ان کے ذریعہ سلسلہ نبوت اِتمام تک پہنچایا گیا، اسی طرح ان کے اہل بیت کے ذریعہ ائمہ و اوصیاء علیہم السلام کا سلسلہ ختم کیا گیا ہے۔کیونکہ نہ نبی آخر الزمان کے بعد کوئی نبی آئے گا اور نہ ان کا کوئی وصی و وارث ہوگا، لہٰذا جس طرح ہمارے پیغمبر آخری پیغمبر ہیں اسی طرح ان کے اوصیا آخری اوصیا ہیں اور وہ آئمہ اثنا عشر ہیں۔ چنانچہ علامہ شیخ قندوزی تحریر فرماتے ہیں:

اَخۡبِرۡنِيۡ يَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ عَنۡ اَوۡصِيَآءِكَ مِنۡ بَعۡدِكَ لِاَ تَمَسَّكَ بِهِمۡ؟ قَالَ: اَوۡصِيَآئِي الۡاِثۡنَا عَشَرَ.

راوی کہتا ہے کہ: میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کی خدمت میں عرض کیا کہ: مجھے بعد میں آنے والے اپنے اوصیاءؑ سے مطلع فرمائیے تاکہ میں ان سے تمسک اختیار کروں۔آپؐ نے فرمایا کہ: میرے اوصیاء بارہ ہیں (اور اس کے بعد سب کا نام بنام ذکر فرمایا ہے)۔(ینابیع المودۃ)

- چھٹی صفت یہ ہے کہ انہیں گزشتہ و آئندہ واقعات کا علم دیا گیا ہے۔ یہ علم، عطیہ الٰہی اور اس سرچشمہ علم سے حاصل کیا ہوا ہے جو ازلی و سرمدی اور غیر محدود ہے، جس کے بعد علم الٰہی میں شریک ہونے کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔جبکہ اللہ تعالیٰ کا علم عین ذات اور غیر مکتسب ہے اور یہ القاو الہام یا پیغمبر کی وساطت سے حاصل ہوا ہے اور انتہائی وسعت و پہنائی کے باوجود محدود ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں جہاں جہاں علم غیب کو ذات الٰہی سے

---

[1] شرح اصول الکافی، صالح مازندرانی، ج ۱۱، ص ۲۳۹

[2] البرہان فی تفسیر القرآن، ج ۴، ص ۸۱۱۔

مخصوص کیا گیا ہے اور دوسروں سے اس کی نفی کی گئی ہے، اس سے ذاتی علم مراد ہے، لیکن وہ علم جو مستقبل کے بارے میں یا امور مخفیہ پر قدرت کی طرف سے خاص خاص بندوں کو حاصل ہوتا ہے اس کی کہیں نفی نہیں ہے اور آئمہ علیہم السلام کا علم اسی نوعیت کا ہے اور ان کے ارشادات میں اس کی پوری پوری وضاحت ہے جس کے بعد کسی شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ ایک شخص نے امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ سے کہا کہ: لَقَدْ اُعْطِیْتَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عِلْمَ الْغَیْبِ؟: اے امیر المومنینؑ! آپ کو علم غیب حاصل ہے؟ آپ نے فرمایا:

لَیْسَ هُوَ بِعِلْمِ غَیْبٍ وَ اِنَّمَا هُوَ تَعَلُّمٌ مِّنْ ذِیْ عِلْمٍ.

یہ علم غیب نہیں، بلکہ ایک صاحب علم (رسولؐ) سے معلوم کی ہوئی باتیں ہیں۔ (نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۲۶)

یونہی یحییٰ ابن عبد اللہ نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے کہا کہ: جُعِلْتُ فِدَاكَ! اِنَّهُمْ یَزْعُمُوْنَ اَنَّكَ تَعْلَمُ الْغَیْبَ؟: میں آپ پر قربان جاؤں! لوگوں کا خیال ہے کہ آپؑ علم غیب جانتے ہیں؟ حضرتؑ نے یہ سن کر فرمایا:

سُبْحَانَ اللهِ! ضَعْ یَدَكَ عَلٰی رَاْسِیْ، فَوَ اللهِ مَا بَقِیَتْ شَعْرَةٌ فِیْهِ وَ لَا فِیْ جَسَدِیْ اِلَّا قَامَتْ، ثُمَّ قَالَ لَا وَ اللهِ مَا هِیَ اِلَّا وِرَاثَةٌ عَنْ رَّسُوْلِ اللهِ ﷺ.

اللہ اکبر! ذرا اپنا ہاتھ میرے سر پر رکھ کر دیکھو! خدا کی قسم! میرے سر کے بال اور میرے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں۔

(پھر فرمایا) یہ صرف وہ علم ہے جو ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وراثتاً حاصل ہوا ہے۔ (امالی شیخ مفید، ص ۲۳)

- ساتویں صفت یہ ہے کہ وہ لوگوں کی محبت و ارادت کا مرکز ہیں۔ یہ اس لئے کہ انسان فطرۃً ان افراد کی طرف جھکتا ہے جو کسی کمال کے حامل ہوتے ہیں۔ چنانچہ حاتم کی سخاوت، نوشیرواں کی عدالت اور رستم کی شجاعت دلوں کو ان کی طرف جھکا دیتی اور نظروں کو ان کی جانب موڑ دیتی ہے اور آل محمد علیہم السلام تو وہ ہیں جو اپنے ذاتی کمالات و خصوصیات کی وجہ سے عظمت انسانی کا معیار ہیں۔ وہ کونسا جوہر فضیلت ہے جس سے ان کا دامن آراستہ نہ ہو؟ اور وہ کونسی صفتِ خوبی و کمال ہے جو ان کے جوہر ذاتی میں جلوہ گر نہ ہو؟ لہٰذا ان کمالات و خصوصیات کو دیکھتے ہوئے نگاہیں ان کی طرف جھکیں گی اور دل عقیدت کے جلو میں بڑھیں گے۔ چنانچہ زندیق و ملحد اور دین و ملت سے نا آشنا افراد بھی عقیدت کے پھول ان کے قدموں پر نچھاور کرتے اور دشمن بھی لاشعوری طور پر ان کی عظمت کا اعتراف کرتے نظر آتے ہیں۔ اور یہ دلوں کا جھکاؤ، اس دُعا کا بھی نتیجہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی ذریت کے بارے میں کی تھی کہ:

﴿رَبَّنَاۤ اِنِّیۡۤ اَسۡكَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِكَ الۡمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوةَ فَاجۡعَلۡ اَفۡـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهۡوِیۡۤ اِلَیۡهِمۡ﴾

اے ہمارے پروردگار! میں نے ایک ویران بستی میں تیرے محترم گھر کے پاس اپنی کچھ اولاد کو لا بسایا ہے، تاکہ اے ہمارے پروردگار وہ نماز پڑھا کریں، تُو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے۔[1]

☆☆☆☆☆

---

[1] سورۂ ابراہیمؑ، آیت ۳۷۔

{۵}وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

فِي الصَّلٰوةِ عَلٰى اٰدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ

اَللّٰهُمَّ وَ اٰدَمُ بَدِيْعُ فِطْرَتِكَ، وَ اَوَّلُ مُعْتَرِفٍ مِّنَ الطِّيْنِ بِرُبُوْبِيَّتِكَ، وَ بِكْرُ حُجَّتِكَ عَلٰى عِبَادِكَ وَ بَرِيَّتِكَ، وَ الدَّلِيْلُ عَلَى الْاِسْتِجَارَةِ بِعَفْوِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ، وَ النَّاهِجُ سُبُلَ تَوْبَتِكَ، وَ الْمُوَسِّلُ بَيْنَ الْخَلْقِ وَ بَيْنَ مَعْرِفَتِكَ.

وَالَّذِيْ لَقَّنْتَهٗ مَا رَضِيْتَ بِهٖ عَنْهُ، بِمَنِّكَ عَلَيْهِ وَ رَحْمَتِكَ، وَالْمُنِيْبُ الَّذِيْ لَمْ يُصِرَّ عَلٰى مَعْصِيَتِكَ، وَ سَابِقُ الْمُتَذَلِّلِيْنَ بِحَلْقِ رَاْسِهٖ فِيْ حَرَمِكَ، وَ الْمُتَوَسِّلُ بَعْدَ الْمَعْصِيَةِ بِالطَّاعَةِ اِلٰى عَفْوِكَ، وَ اَبُو الْاَنْبِيَآءِ الَّذِيْنَ اُوْذُوْا فِيْ جَنْۢبِكَ، وَ اَكْثَرُ سُكَّانِ الْاَرْضِ سَعْيًا فِيْ طَاعَتِكَ.

فَصَلِّ عَلَيْهِ اَنْتَ يَا رَحْمٰنُ، وَ مَلٰٓئِكَتُكَ وَ سُكَّانُ سَمٰوٰتِكَ وَ اَرْضِكَ، كَمَا عَظَّمَ حُرُمَاتِكَ، وَ دَلَّنَا عَلٰى سَبِيْلِ مَرْضَاتِكَ، يَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ.

--☆☆--

دُعا{۵}

حضرت آدم علیہ السلام پر درود وصلوات کے سلسلہ میں حضرتؑ کی دُعا

بارالہا! وہ آدمؑ جو تیری آفرینش کے نقش بدیع، اور خاک سے پیدا ہونے والوں میں تیری ربوبیت کے پہلے معترف، اور تیرے بندوں اور تیری مخلوقات پر تیری پہلی حجت، اور تیرے عذاب سے تیرے دامن عفو میں پناہ مانگنے کی راہ دکھانے والے، اور تیری بارگاہ میں توبہ کی راہیں آشکارا کرنے والے، اور تیری معرفت اور تیرے مخلوقات کے درمیان وسیلہ بننے والے ہیں۔

وہ کہ جن پر خصوصی کرم و احسان اور مہربانی کرتے ہوئے انہیں وہ تمام باتیں بتلا دیں جن کے ذریعے تُو ان سے راضی و خوشنود ہوا، وہ کہ جو توبہ و انابت کرنے والے ہیں، جنہوں نے تیری معصیت پر اصرار نہیں کیا، جو تیرے حرم میں سر منڈوا کر عجز و فروتنی کرنے والوں میں سابق ہیں، وہ جو مخالفت کے بعد اطاعت کے وسیلہ سے تیرے عفو و کرم کے خواہشمند ہوئے، اور اُن تمام انبیاء علیہم السلام کے باپ ہیں جنہوں نے تیری راہ میں اذیتیں اٹھائیں، اور زمین پر بسنے والوں میں سب سے زیادہ تیری اطاعت و بندگی میں سعی و کوشش کرنے والے ہیں۔

ان پر اے مہربانی کرنے والے تو اپنی جانب سے، اور اپنے فرشتوں اور زمین و آسمان میں بسنے والوں کی طرف سے، رحمت نازل فرما، جس طرح انہوں نے تیری قابلِ احترام چیزوں کی عظمت ملحوظ رکھی، اور تیری خوشنودی و رضامندی کی طرف ہماری رہنمائی کی، اے تمام رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے۔

--☆☆--

آسمان کا نیلگوں شامیانہ ستاروں کی قندیلوں سے آراستہ تھا، آفتاب و ماہتاب کی آمد و شد سے بہار افروز صبحوں اور کیف افزا شاموں کا سلسلہ بھی جاری تھا مگر فطرت کی اس رنگینی و رعنائی سے لطف اندوز ہونے والی آنکھیں ہنوز محوخواب تھیں۔ دریاؤں کی تہہ میں موتی اور پہاڑوں کے دامن میں لعل و جواہر بکھرے ہوئے تھے، مگر انہیں آویزۂ تاج بنانے والی کوئی ہستی نہ تھی۔ اجزائے ارضی میں قوت نامیہ تڑپ رہی تھی، مگر کوئی نہ تھا جو اس سے فائدہ اٹھا کر زمین کو چمن و لالہ زار میں تبدیل کرتا کہ قدرت نے خرابہ عالم کو بسانے اور ظلمت کدہ دہر میں اجالا کرنے کیلئے تخلیق آدمؑ کی طرح ڈالی۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ﴾

میں خمیر کی ہوئی مٹی سے جو (سوکھ کر) کھنکھنانے لگے ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں۔[1]

جب صناع ازل نے مٹی کا پتلا بنایا اور اس کی نوک پلک درست کرنے کے بعد اس میں روح پھونکی تو زندگی کے خد و خال نکھر آئے، حس و شعور کی دنیا آباد ہوگئی اور خدا کے آگے جھکنے والی پیشانیاں آدم علیہ السلام کے سامنے سجدۂ تعظیمی کیلئے جھک گئیں۔ آدم علیہ السلام نے آغوش حیات میں کروٹ بدلتے ہی زبان سے «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ» کہہ کر اپنے خالق و پروردگار کی ربوبیت کا اعتراف کیا۔ حضرتؑ نے مٹی سے خلق ہونے والوں میں انہیں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا پہلا معترف اسی بنا پر فرمایا ہے۔ یوں تو اس کی ربوبیت و خالقیت کے اول معترف وہ تھے جو اولین مخلوق تھے اور اس وقت جبکہ آدمؑ کے وجود کی بنیاد بھی نہ رکھی گئی تھی، ان کی تسبیح و تقدیس کی آوازوں سے ملکوتی فضا گونج رہی تھی۔ چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

كُنْتُ نَبِيًّا وَّ اٰدَمُ بَيْنَ الْمَآءِ وَ الطِّيْنِ.

میں اس وقت بھی نبی تھا جبکہ آدمؑ آب و گل کے پردہ میں نہاں تھے۔[2]

بہرحال جب آدم علیہ السلام کی تخلیق مکمل ہوگئی تو قدرت نے کچھ عرصہ کیلئے جنت کی بہار آفرین فضاؤں میں انہیں ٹھہرایا تا کہ اپنی جائے بازگشت کو دیکھ لیں اور دنیا کی رنگینیوں میں اس کی یاد باقی رہے۔ آدم علیہ السلام اس سکون پرور فضا میں راحت و آرام سے ہم کنار تھے اور عیش و نعمت میں زندگی کے دن بسر کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت کی ہر نعمت سے بہرہ مند ہونے کی اجازت دے رکھی تھی، مگر ایک خاص درخت کے پھل سے یہ کہہ کر روک دیا تھا کہ: ﴿وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ﴾[3]: ''تم دونوں اس درخت کے نزدیک بھی نہ جانا''، مگر شیطان جو حضرت آدم علیہ السلام کی طرف سے اپنے دل میں کینہ و عناد رکھتا تھا، ان سے کہنے لگا کہ: ﴿يٰۤاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى﴾: ''اے آدمؑ! کیا میں تمہیں ہمیشگی کے درخت اور ایسی بادشاہی کا پتہ دوں جو ناقابل زوال ہے''؟[4] آدم علیہ السلام درخت خلد اور دائمی تقرب کے حصول کیلئے اس کے بہکانے

---

[1] سورۂ حجر، آیت ۲۸۔

[2] مناقب ابن شہر آشوب، ج ۱، ص ۲۱۴۔

[3] سورۂ بقرہ، آیت ۱۹۔

[4] سورۂ طٰہٰ، آیت ۱۲۰۔

میں آگئے اور اس درخت کا پھل کھالیا جس کے نتیجہ میں قدرت کی طرف سے عتاب کے آثار ظاہر ہوئے۔ جنت کی فضا اجنبی سی نظر آنے لگی، جسم سے لباس تک جدا ہوگیا۔ آدم علیہ السلام یہ دیکھ کر گھبرائے، اپنے کئے پر نادم و پشیمان ہوئے اور اللہ سے سیکھے ہوئے کلمات کا واسطہ دے کر اس کے حضور گڑگڑائے، توبہ وانابت کا ہاتھ پھیلایا۔ آخر اللہ نے ان کی توبہ کو قبول فرمایا۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝۳۷﴾

آدمؑ نے اپنے پروردگار سے کچھ کلمے سیکھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کو قبول فرمایا اور وہ توبہ قبول کرنے والا بڑا مہربان ہے۔[۱]

توبہ قبول فرمانے کے بعد انہیں جہاں کیلئے خلق فرمایا تھا وہاں پر اتر جانے کا حکم دیا اور زمین کو ان کیلئے جائے قرار و جائے انتفاع قرار دیا۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝۳۶﴾

تمہارے لئے زمین میں ٹھہراؤ اور ایک وقت مقرر تک فائدہ اٹھانا ہے۔[۲]

حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ میں قرآنی تعبیرات کچھ اس قسم کے ہیں جن سے ان کا گنہگار ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ حالانکہ انبیاء علیہم السلام کا غرضِ بعثت کے پیش نظر معصوم ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں:

● پہلا شبہ یہ ہوتا ہے کہ انہیں عاصی کہا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے: ﴿وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ﴾[۳]: ''آدم علیہ السلام نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی''، اور عصیان و نافرمانی کا لازمی نتیجہ دوزخ ہے۔ جیسا کہ قدرت کا ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ﴾[۴]: ''جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے اس کیلئے یقیناً دوزخ کی آگ ہے''، لہٰذا جب آدم علیہ السلام عصیان کے نتیجہ میں دوزخ کے مستحق قرار پائے تو ان کی عصمت کہاں باقی رہ سکتی ہے؟ کیونکہ ہر وہ فعل جس کی سزا جہنم ہو وہ یقیناً گناہ اور عصمت کی منافی ہوتا ہے۔

● دوسرا شبہ یہ ہے کہ انہیں گمراہ اور ہدایت سے منحرف قرار دیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: ﴿فَغَوٰى ۝۱۲۱﴾[۵]: ''وہ گمراہ ہوگئے''۔ غوایت کے معنی گمراہی کے ہیں۔ چنانچہ خداوند عالم نے رشد (ہدایت) کے مقابلہ میں اسے بیان کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے: ﴿قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ﴾[۶]: ''ہدایت گمراہی سے الگ ہو کر ظاہر ہو چکی''۔

---

[۱] سورۂ بقرہ، آیت ۳۷۔
[۲] سورۂ بقرہ، آیت ۳۶۔
[۳] سورۂ طٰہٰ، آیت ۱۲۱۔
[۴] سورۂ جن، آیت ۲۳۔
[۵] سورۂ طٰہٰ، آیت ۱۲۱۔
[۶] سورۂ بقرہ، آیت ۲۵۶۔

- تیسرا شبہ یہ ہے کہ انہیں درخت کے قریب جانے کے بعد توبہ کی احتیاج ہوئی اور توبہ کسی امر ناپسندیدہ ہی کے نتیجہ میں ہو سکتی ہے۔ چنانچہ خداوند عالم نے ان کی توبہ کا ذکر قبولیتِ توبہ کے ضمن میں اس طرح کیا ہے کہ: ﴿فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝﴾[1]: ''اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی۔ وہ یقیناً بہت توبہ قبول کرنے والا بڑا مہربان ہے''۔
- چوتھا شبہ یہ ہے کہ انہوں نے ایک ایسے فعل کا ارتکاب کیا جس سے انہیں روکا گیا تھا۔ چنانچہ قدرت کا ارشاد ہے: ﴿اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ﴾[2]: ''کیا میں نے تمہیں اس درخت سے نہیں روکا تھا''، اور منہی عنہ کے ارتکاب ہی کا نام گناہ ہے۔
- پانچواں شبہ یہ ہے کہ وہ درخت کے پاس جانے کے نتیجہ میں ظالم ٹھہرے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾[3]: ''اس درخت کے نزدیک نہ جانا۔ ورنہ ظلم کرنے والوں میں سے ہو گے''، اور ظلم خواہ کسی نوعیت کا ہو عصمت کے منافی ہے۔
- چھٹا شبہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے خود اپنے نقصان رسیدہ ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ان کی زبانی ارشاد ہے: ﴿وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝﴾[4]: ''اگر تو ہمیں معاف نہیں کرے گا اور ہم پر رحم نہیں کھائے گا تو ہم بلا شبہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوں گے''، اور نقصان کا ترتب گناہ ہی پر ہو سکتا ہے۔
- ساتواں شبہ یہ ہے کہ وہ شیطان کے بہکانے میں آ گئے جس کے بعد انہیں جنت سے نکلنا پڑا۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۠﴾[5]: ''شیطان نے ان کو وہاں سے ڈگمگایا تو انہیں اس حالت سے جس میں تھے نکلوا دیا''، اور جو لغزش شیطان ملعون کے بہکانے کا نتیجہ ہو وہ بہر حال عصمت سے ساز گار نہیں ہو سکتی۔

* پہلے شبہ کا جواب یہ ہے کہ: ''عصیان'' کے معنی امر الٰہی کی مخالفت کے ہیں۔ خواہ وہ امر بطور وجوب ہو خواہ بطور ندب و استحباب۔ اگر امر واجبی کی مخالفت ہو تو وہ گناہ ہے جس پر سزا مرتب ہوتی ہے اور اگر ندبی و استحبابی ہو تو اس کی مخالفت کو گناہ نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اسی طرح امر ارشادی کی مخالفت بھی گناہ نہیں ہے، اگرچہ امر ندبی و استحبابی کی مخالفت کو بھی عصیان سے تعبیر کیا جاتا ہے اور امر ارشادی کی مخالفت پر بھی عصیان کا اطلاق ہوتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ: «اَمَرْتُهٗ بِشُرْبِ الدَّوَاءِ فَعَصَانِيْ»: میں نے اسے دوا کے پینے کا حکم دیا مگر اس نے میری نافرمانی کی۔ اسی طرح ابن المنذر نے یزید ابن مہلب امیر خراسان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

اَمَرْتُكَ اَمْرًا جَازِمًا فَعَصَيْتَنِيْ فَاَصْبَحْتَ مُسْلُوْبَ الْاِمَارَةِ نَادِمًا

---

[1] سورۂ بقرہ، آیت ۳۷۔
[2] سورۂ اعراف، آیت ۲۲۔
[3] سورۂ اعراف، آیت ۱۹۔
[4] سورۂ اعراف، آیت ۲۳۔
[5] سورۂ بقرہ، آیت ۳۶۔

''میں نے تمہیں ایک پختہ اور سوچی سمجھی ہوئی رائے دی مگر تم نے میری نافرمانی کی جس کے نتیجہ میں تمہیں امارت سے محروم اور شرمسار ہونا پڑا''۔

ان دونوں مثالوں میں امر، امر ارشادی ہے جس کی حیثیت صرف ایک مشورہ و رائے کی ہوتی ہے، جس میں مخاطب ہی کا مفاد ملحوظ ہوتا ہے اور اس کی خلاف ورزی پر قہراً کچھ مفاسد مرتب ہوتے ہیں۔ جیسے کسی کو سنکھیا سے پرہیز کرنے کا مشورہ دیا جائے تاکہ وہ ہلاکت و تباہی سے دو چار نہ ہو۔ اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کو درخت کا پھل کھانے سے منع کیا گیا، تاکہ وہ ان مضرتوں سے بچے رہیں جو اس کھانے کا قہری نتیجہ تھیں۔ چنانچہ خداوند عالم نے حضرت آدم علیہ السلام کو جب درخت کے پاس جانے سے منع کیا تو اس کے مفاسد سے بھی آگاہ کر دیا۔ اس طرح کہ انہیں شیطان ملعون کی دشمنی سے متنبہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى۝۱۱۷ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى۝۱۱۸ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى۝۱۱۹﴾

ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں جنت سے نکال باہر کرے کہ تم بدبختی مول لو۔ بیشک تمہارے لئے یہاں یہ سامان ہے کہ تم یہاں نہ بھوکے ہو گے نہ برہنہ اور نہ پیاس اور دھوپ سے سابقہ پڑے گا۔[1]

اگر یہ اس قسم کی نہی ہوتی جس کی مخالفت گناہ قرار پاتی ہے تو بھوک، پیاس اور عریانی و تپش کے بجائے اللہ تعالیٰ اپنے غضب و انتقام کا ذکر کرتا۔ لیکن یہ کچھ نہیں ہے، جس سے یہ ظاہر ہے کہ اس نہی کی حیثیت صرف نہی ارشادی کی تھی جس کی خلاف ورزی گناہ نہیں ہے، مگر آدم علیہ السلام کی رفعت و بلند پایگی کی بنا پر اسے عصیان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور یہ عصیان کی نسبت صرف حضرت آدم علیہ السلام کی طرف دی گئی ہے، حالانکہ حضرت حوا علیہا السلام بھی نہی میں شریک تھیں اور کھانے میں بھی شریک اور جنت سے نکلنے میں بھی شریک رہیں، مگر ہر منزل پر شریک ہونے کے باوجود ان کی طرف عصیان کی نسبت نہیں ہے۔ اگر یہ نہی حرمت کی بنا پر ہوتی تو حوا علیہا السلام کو الگ نہ کیا جاتا اور وہ اس عصیان میں بھی شریک قرار پاتیں۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ یہ صرف ترک اَولیٰ تھا جو نبوت کی وجہ سے عصیان کہلایا۔ اور ''ترک اَولیٰ'' وہی ہے جو بعض کے اعتبار سے قابل مؤاخذہ اور بعض کے اعتبار سے قابل مؤاخذہ نہ ہو۔ اس لئے شریک نہی ہونے کے باوجود حوا علیہا السلام کی خلاف ورزی کو عصیان نہیں کہا گیا۔

* دوسرے شبہ کا جواب یہ ہے کہ ''غوایت'' کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انسان کسی مقصد کو حاصل کرنا چاہے اور صحیح طریق کار اختیار نہ کرنے کی وجہ سے اپنے مقصد میں ناکام رہے۔ چنانچہ ایک شاعر کا قول ہے:

فَمَنْ يَّلْقَ خَيْرًا يَّحْمَدِ النَّاسَ اَمْرَهٗ وَ مَنْ يَّغْوِ لَا يَعْدَمْ عَلَى الْغَيِّ لَائِمًا

''جو اپنے مقصد کو پالیتا ہے لوگ اس کی مدح و ستائش کرتے ہیں اور جو ناکام رہتا ہے اسے اس ناکامی پر ملامت کرنے والا بھی ملتا ہے''۔

---

[1] سورۂ طٰہٰ، آیت ۱۱۷-۱۱۹۔

چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کا اصل مقصد تقرب الٰہی تھا جس کا وسیلہ انہوں نے درخت کے پھل کو قرار دیا۔ چنانچہ شیطان نے ان سے کہا کہ:

﴿مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ۝۲۰﴾

تمہارے پروردگار نے تم دونوں کو درخت (کا پھل کھانے) سے صرف اس لئے منع کیا ہے کہ مبادا تم دونوں فرشتے بن جاؤ یا ہمیشہ ہمیشہ یہیں رہ جاؤ۔[1]

چونکہ مقصد حضرت آدمؑ کا حصول تقرب تھا نہ لذت اندوزی وشکم پروری، اس لئے بلحاظ مقصد تو پھل کھانے کو گناہ نہیں کہا جاسکتا لیکن حصول تقرب کا جو اسے وسیلہ قرار دینا چاہا وہ وسیلہ ثابت نہ ہوسکا جس کے نتیجہ میں وہ محروم ونا کام رہے اور اسی محرومی وناکامی کو ''غوایت'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

* تیسرے شبہ کا جواب یہ ہے کہ بیشک حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے فعل پر نادم ہوتے ہوئے توبہ کی لیکن توبہ کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ کسی گناہ ہی کے نتیجہ میں ہو، کیونکہ ''توبہ'' کا مطلب اپنے کسی فعل یا ترک پر نادم ہونا ہے اور یہ ندامت استحبابی وندبی امر کے ترک پر بھی ہوسکتی ہے۔ اور خاصان خدا اپنے مقام ومنزلت کے پیش نظر امر مندوب کے ترک اور فعل مکروہ کے ارتکاب پر نادم وپشیمان ہوتے اور اسے گناہ تصور کرتے ہوئے اس سے توبہ کرتے ہیں۔

* چوتھے شبہ کا جواب یہ ہے کہ ہر منہی عنہ کا ارتکاب گناہ نہیں ہے۔ کیونکہ نہی کی دو قسمیں ہیں: ایک تحریمی اور دوسرے تنزیہی۔ ''نہی تحریمی'' کا مطلب یہ ہے کہ اس کی خلاف ورزی گناہ ہو اور اس پر سزا وعقوبت صحیح ہو۔ اور ''نہی تنزیہی'' کا مطلب یہ ہے کہ اس سے کنارہ کشی پسندیدہ ہو، مگر اس کے ارتکاب پر سزا وعذاب نہ ہو۔ اس مقام پر نہی، نہی تحریمی نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگر یہ نہی تحریمی ہوتی تو اس پر حضرت آدم علیہ السلام سزا کے مستحق ہوتے۔ اور انبیاء علیہم السلام کی شان اس سے کہیں بلند تر ہے کہ ان کیلئے سزا وعقوبت کو تجویز کیا جاسکے۔ اور پھر یہ کہ نہی تحریمی ایک تکلیف شرعی کی حیثیت رکھتی ہے اور جنت مقام عمل نہیں ہے جہاں ان پر امر ونہی کے ذریعہ کوئی تکلیف عائد ہوتی۔ لہٰذا جنت کے دار الجزاء ہونے کے لحاظ سے اس نہی کو نہی تنزیہی قرار دیا جائے گا جس کی خلاف ورزی ترک اَولیٰ شمار ہوتی ہے، نہ گناہ ومعصیت۔ البتہ اس ترک اَولیٰ کا طبعی نتیجہ اس طرح ظاہر ہوا کہ ان کے بدن سے لباس اتروالیا گیا اور جنت سے اتار دیئے گئے اور اسے سزا سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ وہ اسی زمین کو آباد کرنے کیلئے پیدا کئے گئے تھے۔ ممکن ہے کہ جنت میں ان کے قیام کی مدت کچھ اور طویل ہو جاتی کہ ترک اَولیٰ کے باعث حکمت الٰہی اس کی مقتضی ہوئی کہ انہیں مقصد تخلیق کی تکمیل کیلئے جلد زمین پر اتار دیا جائے اور یہ ترک اَولیٰ زمین کی آبادکاری کا ذریعہ قرار پا گیا۔ چنانچہ حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے کہ:

اِنِّیْ جَعَلْتُ مَعْصِیَةَ اٰدَمَ سَبَبًا لِّعِمَارَةِ الْعَالَمِ.

میں نے آدم علیہ السلام کی معصیت کو دنیا کی آبادی کا سبب قرار دیا۔[2]

---

[1] سورۂ اعراف، آیت ۲۰۔

[2] ریاض السالکین، ج ۳، ص ۱۸۵۔

* پانچویں شبہ کا جواب یہ ہے کہ ظلم کے معنی حدودِ الٰہیہ کو نظر انداز کرنے کے ہیں ۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی حدوں سے تجاوز کرتے ہیں وہی لوگ ظالم ہیں ۔[1]

اور یہ حدود کبھی بطور وجوب و الزام ہوتے ہیں اور کبھی بطور استحباب و ندب ۔ اگر حد کی پابندی بطور وجوب ہو تو اس سے متجاوز ہونا گناہ قرار پائے گا اور اگر بطور ندب و استحباب ہو تو اس سے متجاوز ہونا ترک اَولیٰ ہوگا اور ترک اَولیٰ عصمت کے منافی نہیں ہے ۔

* چھٹے شبہ کا جواب یہ ہے کہ ''خسران'' کے معنی کسی منفعت سے محرومی کے ہیں اور منفعت سے محرومی اور چیز ہے اور گناہ اور چیز ہے ۔ چنانچہ مستحب امور کو ترک کرنا گناہ نہیں ہے مگر خسران یعنی ثواب سے محرومی اس میں بھی ہے ۔ مقصد یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ترک اَولیٰ کے ارتکاب سے ان فائدوں اور منفعتوں کو کھو دیا جو انہیں حاصل تھیں اور یہی نقصان و خسران ہے ۔

* ساتویں شبہ کا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا جنت سے نکلنا اور زمین پر اترنا سزا بھگتنے کیلئے نہ تھا اس لئے کہ آدم علیہ السلام تو پیدا ہی خلافت ارضی کیلئے ہوئے تھے اور اپنے قلمرو مملکت میں آنا سزا متصور نہیں ہو سکتا ۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر آدمؑ کیلئے جنت دارالعمل اور دنیا دارالجزاء ہوتی، حالانکہ جنت دارالجزاء اور دنیا دارالعمل ہے ۔ اور پھر ایک قول کی بنا پر حضرت آدم علیہ السلام کے ہبوط کا واقعہ توبہ کے قبول ہونے کے بعد ہوا ۔ تو جب توبہ قبول ہوگئی تو اس کے بعد سزا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور نہ سزا و عقاب کا کوئی محل رہتا ہے ۔ چنانچہ ہبوط آدمؑ کے سلسلہ میں ارشاد باری ہے:

﴿وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۝ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ۝ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا﴾

آدمؑ نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی تو وہ محرومی سے دو چار ہوئے ۔ اس کے بعد ان کے پروردگار نے انہیں چن لیا اور توبہ قبول فرمائی اور ان کی ہدایت کی ۔ فرمایا کہ تم دونوں بہشت سے نیچے اتر جاؤ ۔[2]

اس آیت میں ہبوط کا تذکرہ توبہ کے بعد ہے اور اسے سزا و عقوبت کے نتیجہ کے طور پر بیان نہیں کیا، بلکہ صاف ظاہر ہے کہ ان کے مقصد تخلیق کے پیش نظر انہیں زمین پر اتارا ۔ اور اس قول کی تائید امیر المومنین علیہ السلام کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے:

ثُمَّ بَسَطَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ لَهٗ فِيْ تَوْبَتِهٖ، وَ لَقَّاهُ كَلِمَةَ رَحْمَتِهٖ، وَ وَعَدَهُ الْمَرَدَّ اِلٰى جَنَّتِهٖ، فَاَهْبَطَهٗ اِلٰى دَارِ الْبَلِيَّةِ، وَ تَنَاسُلِ الذُّرِّيَّةِ.

پھر اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کیلئے توبہ کا دامن پھیلایا، انہیں رحمت کے کلمے سکھائے، جنت میں دوبارہ پہنچانے کا ان سے وعدہ کیا اور انہیں دار ابتلا و محل افزائش نسل قرار دیا ۔[3]

☆☆☆☆☆

---

[1] سورۂ بقرہ، آیت ۲۲۹ ۔

[2] سورۂ طٰہٰ، آیت ۱۲۱ - ۱۲۳ ۔

[3] نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱ ۔

{٦} وَمِنْ دُعَائِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

فِي الْكَرْبِ وَ الْاِقَالَةِ

اِلٰهِيْ لَا تُشْمِتْ بِيْ عَدُوِّيْ، وَ لَا تَفْجَعْ بِيْ حَمِيْمِيْ وَ صَدِيْقِيْ.

اِلٰهِيْ هَبْ لِيْ لَحْظَةً مِّنْ لَّحَظَاتِكَ، تَكْشِفُ عَنِّيْ مَا ابْتَلَيْتَنِيْ بِهٖ، وَ تُعِيْدُنِيْ اِلٰٓى اَحْسَنِ عَادَاتِكَ عِنْدِيْ، وَ اسْتَجِبْ دُعَآئِيْ وَ دُعَآءَ مَنْ اَخْلَصَ لَكَ دُعَآءَهٗ، فَقَدْ ضَعُفَتْ قُوَّتِيْ، وَ قَلَّتْ حِيْلَتِيْ، وَ اشْتَدَّتْ حَالِيْ، وَ اَيِسْتُ مِمَّا عِنْدَ خَلْقِكَ، فَلَمْ يَبْقَ لِيَ اِلَّا رَجَآؤُكَ عَلَيَّ.

اِلٰهِيْ اِنَّ قُدْرَتَكَ عَلٰى كَشْفِ مَآ اَنَا فِيْهِ، كَقُدْرَتِكَ عَلٰى مَا ابْتَلَيْتَنِيْ بِهٖ، وَ اِنَّ ذِكْرَ عَوَآئِدِكَ يُؤْنِسُنِيْ، وَ الرَّجَآءُ فِيْٓ اِنْعَامِكَ وَ فَضْلِكَ يُقَوِّيْنِيْ، لِاَنِّيْ لَمْ اَخْلُ مِنْ نِّعْمَتِكَ مُنْذُ خَلَقْتَنِيْ، وَ اَنْتَ اِلٰهِيْ مَفْزَعِيْ وَ مَلْجَئِيْ، وَ الْحَافِظُ لِيْ وَ الذَّآبُّ عَنِّيْ، الْمُتَحَنِّنُ عَلَيَّ، الرَّحِيْمُ بِيْ، الْمُتَكَفِّلُ

دُعا {٦}

کرب و مصیبت سے تحفظ اور لغزش و خطا سے معافی کیلئے حضرتؑ کی دُعا

اے میرے معبود! میرے دشمنوں کو میری حالت پر دل میں خوش ہونے کا موقع نہ دے اور میری وجہ سے میرے کسی مخلص و دوست کو رنجیدہ خاطر نہ کر۔

بارالٰہا! اپنی نظر عنایات میں سے ایسی نظر توجہ میرے شاملِ حال فرما جس سے تو ان مصیبتوں کو مجھ سے ٹال دے جن میں مجھے مبتلا کیا ہے، اور ان احسانات کی طرف مجھے پلٹا دے جن کا مجھے خوگر بنایا ہے، اور میری دُعا اور ہر اُس شخص کی دُعا کو جو صدقِ نیت سے تجھے پکارے قبول فرما، کیونکہ میری قوت کمزور، چارہ جوئی کی صورت ناپید اور حالت سخت سے سخت تر ہو گئی ہے، اور جو کچھ تیرے مخلوقات کے پاس ہے اس سے میں بالکل نا اُمید ہوں، اب تو تیری پہلی نعمتوں کے دوبارہ حاصل ہونے میں تیری اُمید کے علاوہ کوئی صورت باقی نہیں رہی۔

اے میرے معبود! جن رنج و آلام میں گرفتار ہوں ان سے چھٹکارا دلانے پر تو ایسا ہی قادر ہے جیسا ان چیزوں پر قدرت رکھتا ہے جن میں مجھے مبتلا کیا ہے، بے شک تیرے احسانات کی یاد میرا دل بہلاتی اور تیرے انعام و تفضّل کی اُمید میری ہمت بندھاتی ہے، اس لئے کہ جب سے تو نے مجھے پیدا کیا ہے میں تیری نعمتوں سے محروم نہیں رہا، اور تو ہی اے میرے معبود! میری پناہ گاہ، میرا ملجاء، میرا محافظ و پشت پناہ، میرے حال پر شفیق و مہربان اور میرے رزق کا ذمہ دار ہے، جو مصیبت مجھ پر وارد ہوئی ہے وہ

بِرِزْقِیْ، فِیْ قَضَآئِكَ كَانَ مَا حَلَّ بِیْ، وَ بِعِلْمِكَ مَا صِرْتُ اِلَيْهِ.

تیرے فیصلہ قضاء وقدر میں اور جو میری موجودہ حالت ہے وہ تیرے علم میں گزر چکی تھی۔

فَاجْعَلْ يَا وَلِيِّیْ وَ سَيِّدِیْ فِيْمَا قَدَّرْتَ وَ قَضَيْتَ عَلَیَّ، وَ حَتَمْتَ عَافِيَتِیْ، وَ مَا فِيْهِ صَلَاحِیْ وَ خَلَاصِیْ مِمَّآ اَنَا فِيْهِ، فَاِنِّیْ لَآ اَرْجُوْ لِدَفْعِ ذٰلِكَ غَيْرَكَ، وَ لَآ اَعْتَمِدُ فِيْهِ اِلَّا عَلَيْكَ.

تو اے میرے مالک وسردار! جن چیزوں کو تیرے فیصلہ قضاء وقدر نے میرے حق میں طے کیا اور لازم وضروری قرار دیا ہے، ان چیزوں میں سے میری عافیت، اور وہ چیز جس سے میری بہبودی اور جس حالت میں ہوں اس سے رہائی وابستہ ہے، قرار دے، کیونکہ میں اس مصیبت کے ٹالنے میں کسی پر اُمید نہیں رکھتا، اور نہ اس سلسلہ میں تیرے علاوہ کسی پر بھروسا کرتا ہوں۔

فَكُنْ يَا ذَا الْجَلَالِ وَ الْاِكْرَامِ، عِنْدَ اَحْسَنِ ظَنِّیْ بِكَ، وَ ارْحَمْ ضَعْفِیْ وَ قِلَّةَ حِيْلَتِیْ، وَ اكْشِفْ كُرْبَتِیْ، وَ اسْتَجِبْ دَعْوَتِیْ، وَ اَقِلْنِیْ عَثْرَتِیْ، وَ امْنُنْ عَلَیَّ بِذٰلِكَ، وَ عَلٰى كُلِّ دَاعٍ لَّكَ.

تو اے جلالت و بزرگی کے مالک! میرے اس حسنِ ظن کے مطابق ثابت ہو جو مجھے تیرے بارے میں ہے، اور میری کمزوری و بے چارگی پر رحم فرما، میری بے چینی کو دور کر، میری دُعا قبول فرما، میری خطا ولغزش کو معاف کر دے، اور مجھ پر اور جو بھی تجھ سے دُعا مانگے عفو ودرگزر کر کے احسان فرما۔

اَمَرْتَنِیْ يَا سَيِّدِیْ بِالدُّعَآءِ، وَ تَكَفَّلْتَ بِالْاِجَابَةِ، وَ وَعْدُكَ الْحَقُّ الَّذِیْ لَا خُلْفَ فِيْهِ وَ لَا تَبْدِيْلَ.

اے میرے مالک! تو نے مجھے دُعا کا حکم دیا اور قبولیتِ دُعا کا ذمہ لیا، اور تیرا وعدہ ایسا سچا ہے جس میں خلاف ورزی وتبدیلی کی گنجائش نہیں ہے۔

فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ نَّبِيِّكَ وَ عَبْدِكَ، وَ عَلَى الطَّاهِرِيْنَ مِنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ، وَ اَغِثْنِیْ، فَاِنَّكَ غِيَاثُ مَنْ لَّا غِيَاثَ لَهٗ، وَ حِرْزُ مَنْ لَّا حِرْزَ لَهٗ، وَ اَنَا الْمُضْطَرُّ الَّذِیْٓ اَوْجَبْتَ اِجَابَتَهٗ، وَ كَشْفَ مَا بِهٖ مِنَ السُّوْٓءِ، فَاَجِبْنِیْ، وَ اكْشِفْ هَمِّیْ، وَ فَرِّجْ غَمِّیْ، وَ

تو اپنے نبی اور عبدِ خاص محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کے اہلبیت اطہارؑ پر رحمت نازل فرما اور میری فریاد کو پہنچ، کیونکہ تو ان کا فریادرس ہے جن کا کوئی فریادرس نہ ہو، اور ان کیلئے پناہ ہے جن کیلئے کوئی پناہ نہ ہو، میں ہی وہ مضطر ولاچار ہوں جس کی دُعا قبول کرنے اور اس کے دکھ درد کے دور کرنے کا تو نے التزام کیا ہے، لہٰذا میری دُعا کو قبول فرما، میرے غم کو دور اور میرے رنج واندوہ کو برطرف فرما،

اَعِدْ حَالِیَ اِلٰی اَحْسَنِ مَا کَانَتْ عَلَیْهِ، وَ لَا تُجَازِنِیْ بِالِاسْتِحْقَاقِ، وَ لٰکِنْ بِرَحْمَتِكَ الَّتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ.

اور میری حالت کو پہلی حالت سے بھی بہتر حالت کی طرف پلٹا دے، اور مجھے استحقاق کے بقدر اجر نہ دے، بلکہ اپنی اس رحمت کے لحاظ سے جزا دے جو تمام چیزوں پر چھائی ہوئی ہے۔

یَا ذَا الْجَلَالِ وَ الْاِکْرَامِ! صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ، وَ اسْمَعْ وَ اَجِبْ یَا عَزِیْزُ.

اے جلالت و بزرگی کے مالک! تو رحمت نازل فرما محمدؐ اور آل محمدؐ پر اور میری دُعا کو سن اور اسے قبول فرما، اے غالب! اے صاحب اقتدار!۔

--☆☆--

حضرتؑ نے اس دُعا کے شروع میں ان مصائب و آلام سے بچاؤ کی التجا کی ہے جو دشمنوں کی شماتت اور دوستوں کیلئے اذیت کا باعث ہوتے ہیں۔ "شماتت" کا مطلب یہ ہے کہ دشمن اپنے کسی حریف کو رنج و مصیبت اور کرب و اندوہ میں دیکھ کر بظاہر ہمدردی کا اظہار کرے اور بباطن خوش ہو۔ اور یہ شماتت اور ہمدردانہ لہجہ میں طنز کی آمیزش انتہائی روحانی اذیت کا باعث ہوتی ہے۔ اور انبیاءؑ و خاصان خدا کڑوے سے کڑوے گھونٹ پینے کے باوجود اس کی تلخی سے پناہ مانگتے تھے۔

چنانچہ حضرت ایوب علیہ السلام کے متعلق وارد ہوا ہے کہ جب ان کی تمام کی تمام اولاد مرگئی، مال مویشی تلف ہو گئے اور خود مختلف بیماریوں کا ہدف بن گئے تو خداوند عالم نے ان کے صبر و شکر کے نتیجہ میں انہیں پہلے سے بڑھ کر نعمتیں دیں۔ اس موقع پر ان سے پوچھا گیا کہ زمانۂ ابتلا و آزمائش میں کون سی مصیبت آپؑ پر سب سے زیادہ گراں گزری؟ آپؑ نے فرمایا کہ: "دشمنوں کی شماتت اور ان کا اظہار رنج و افسوس کے ساتھ خندۂ زیر لب"۔

اسی شماتت کی تلخی کی بنا پر عباس ابن مرداس سلمی کے یہ دو شعر امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کی زبان سے نکل جایا کرتے تھے۔

فَاِنْ تَسْئَلِیْنِیْ کَیْفَ اَنْتَ؟ فَاِنَّنِیْ صَبُوْرٌ عَلٰی رَیْبِ الزَّمَانِ صَلِیْبُ

"اگر تم مجھ سے پوچھتی ہو کہ کیسے ہو؟ تو سنو کہ میں زمانہ کی سختیاں جھیل لے جانے میں بڑا مضبوط اور کوہ صبر و تحمل ہوں"۔

یَعِزُّ عَلَیَّ اَنْ تُرٰی بِیْ کَاٰبَةٌ فَیَشْمَتَ عَادٍ اَوْ یُسَآءَ حَبِیْبُ

"مجھے یہ گوارا نہیں کہ مجھ میں حزن و غم کے آثار دکھائی پڑیں کہ دشمن خوش ہونے لگیں اور دوستوں کو رنج پہنچے"۔[1]

حضرتؑ شماتتِ اعداء سے دُعائے تحفظ کے بعد اللہ تعالیٰ کی نظر کرم و نگاہ مرحمت کی التجا کرتے ہیں۔ کیونکہ موت و حیات، عزت و ذلت، صحت و بیماری اور فقر و غنا، سب اسی نظر الٰہی کا کرشمہ و نتیجہ ہیں۔ چنانچہ حضرتؑ ہی کا ارشاد ہے:

اِنَّ لِلّٰهِ لَوْحًا مَّحْفُوْظًا یَّلْحَظُهٗ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ ثَلَاثَمِائَةِ لَحْظَةٍ لَّیْسَ مِنْهَا لَحْظَةٌ اِلَّا یُحْیِیْ فِیْهَا وَ

[1] نہج البلاغہ، مکتوب نمبر ۳۶۔

يُمِيْتُ وَ يُعِزُّ وَ يُذِلُّ وَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ.

اللہ تعالیٰ کیلئے ایک لوح محفوظ ہے جس پر وہ ہر روز تین سو مرتبہ نظر ڈالتا ہے اور ہر نظر کے نتیجہ میں وہ کسی کو زندگی دیتا ہے کسی کو موت، کسی کو عزت دیتا ہے کسی کو ذلت اور جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔[١]

اس نگاہِ لطف و مرحمت کے بعد انسان صرف اسی سے اپنی امیدیں وابستہ رکھتا ہے اور اس کے علاوہ ہر فرد سے مایوس و ناامید ہو جاتا ہے۔ کیونکہ رجاءِ صادق وہی ہے جس کے بعد دنیا کی ہر مخلوق سے استغنا و بے نیازی ہو جائے۔ اور یہ بے نیازی امید و رجاء کا لازمی نتیجہ ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ کے بجائے دوسروں سے امید رکھتا ہے وہ سراپا فقر و احتیاج نظر آتا ہے، اگرچہ مال و دولت رکھتا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ سے امید رکھنے والا فقر و تنگدستی میں بھی غنی و بے نیاز رہتا ہے۔ اس لئے کہ اسے یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود رزق کا ضامن و کفیل ہے اور وہ زندگی کے کسی دور میں اس کا سلسلہ بند نہیں کرے گا۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾

اس نے زمین پر چلنے پھرنے والی ہر مخلوق کی روزی کا ذمہ لیا ہے۔[٢]

اس کے بعد اپنے مصائب و محن کے سلسلہ میں قضاو قدر الٰہی کا ذکر کیا ہے۔ اس طرح کہ جو مصائب و آلام مجھ پر وارد ہوئے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے علم اور فیصلۂ قضاو قدر کے مطابق ہیں۔ مسئلۂ ''قضاء و قدر'' ان دقیق مسائل میں سے ہے جس میں سطحی ذہنیت کے لوگ غور و فکر سے اطمینان و یقین کی روشنی حاصل نہیں کر سکتے، بلکہ باریکیاں اور کاوشیں اسے اور پیچیدہ بنا دیتی ہیں۔ اسی لئے عوام کو اس میں غور و خوض اور رد و کد سے منع کیا گیا ہے۔

چنانچہ امیر المومنین علیہ السلام سے ایک شخص نے قضاو قدر کے متعلق دریافت کیا تو آپؑ نے اس سے فرمایا: «بَحْرٌ عَمِيْقٌ فَلَا تَلِجْهُ»: ''یہ ایک گہرا سمندر ہے اس میں نہ اترو''۔ اس نے پھر پوچھا تو فرمایا: «طَرِيْقٌ مُّظْلِمٌ فَلَا تَسْلُكْهُ»: ''یہ ایک تاریک راستہ ہے اس میں قدم نہ اٹھاؤ''، پھر پوچھا تو فرمایا: «سِرُّ اللّٰهِ فَلَا تَكَلَّفْهُ»: ''یہ اللہ تعالیٰ کا ایک راز ہے اسے جاننے کی زحمت نہ اٹھاؤ''۔[٣]

یہ عقل کی درماندگی اور فہم و ادراک کی نارسائی ہی ہے جو انسان کو کبھی جبر کی طرف لے جاتی ہے اور کبھی تفویض تک پہنچا دیتی ہے۔ چنانچہ اس قضاو قدر میں فکر و تعمق کے نتیجہ میں ایک گروہ جبر کا قائل ہو گیا، اس طرح کہ انسان سے جو اچھے برے افعال صادر ہوتے ہیں وہ ان کے بجالانے پر مجبور ہے اور اپنی اچھائی، برائی، نفع و نقصان کے سلسلہ میں اسے ذرا اختیار نہیں ہے۔ اور ایک گروہ تفویض کا قائل ہو گیا، اس طرح کہ انسان سے جو افعال بھی صادر ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے علم و ارادہ سے باہر اور اس کی قضاء و قدر سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ مگر فرقہ امامیہ نے جو راہ اختیار کی ہے وہ ان دونوں راہوں کے درمیان جاتی ہے اور دونوں سے بچ کر نکلتی ہے۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

---

[١] بحار الانوار، ج ٤٦، ص ١٣٢۔

[٢] سورۂ ہود، آیت ٦۔

[٣] التوحید، شیخ صدوقؒ، ٣٦٥۔

لَا جَبْرَ وَ لَا تَفْوِیْضَ وَ لٰکِنْ اَمْرٌ بَیْنَ اَمْرَیْنِ.

نہ جبر ہے، نہ تفویض، بلکہ حقیقت ان دونوں کے بین بین ہے۔[1]

مطلب یہ ہے کہ نہ تو خدا کی طرف سے بندوں پر جبر ہے اور نہ ان کے افعال و اعمال کو اپنے قضا و قدر کے حدود سے باہر رکھا ہے۔ بلکہ انسان نیک اعمال بجالاتا ہے تو اس لئے کہ اس کے ارادہ و اختیار کے ساتھ لطف و توفیق الٰہی شریک حال ہوتی ہے اور برے اعمال کا مرتکب ہوتا ہے تو اس لئے کہ اس نے باختیار خود ایسی صورت پیدا کرلی ہے، کہ اس سے توفیق سلب ہو جاتی ہے اور اللہ اس کے خود اختیاری افعال کے نتیجہ میں اسے گمراہیوں میں بھٹکنے کیلئے کھلا چھوڑ دیتا ہے۔ اس "امر بین امرین" کو اس طرح سمجھنا چاہیئے کہ کسی کے گھر میں بجلی نصب ہو تو وہ جب چاہے روشنی کر سکتا ہے اور جب چاہے اندھیرا۔ مگر اس اختیار کے باوجود ایک لحاظ سے مجبور بھی ہے، وہ اس طرح کہ جو بجلی کے مرکز پر مسلط و کارفرما ہے وہ اسے بند کر دے تو یہ لاکھ بٹن دبائے تاروں میں برقی رو نہیں دوڑا سکتا، کیونکہ بجلی کا مرکز اس کے حدود و اختیار سے باہر ہے

☆☆☆☆☆

---

[1] الکافی، ج ۱ص ۱۶۰۔

{۷}دُعَآئُہٗ عَلَیۡہِ السَّلَامُ

مِمَّا یَخَافُہٗ وَ یَحۡذَرُہٗ

اِلٰهِیۡ اِنَّهٗ لَیۡسَ یَرُدُّ غَضَبَكَ اِلَّا حِلۡمُكَ، وَ لَا یُنۡجِیۡ مِنۡ عِقَابِكَ اِلَّا عَفۡوُكَ، وَ لَا یُخَلِّصُ مِنۡكَ اِلَّا رَحۡمَتُكَ وَ التَّضَرُّعُ اِلَیۡكَ.

فَهَبۡ لِیۡ یَآ اِلٰهِیۡ فَرَجًا بِالۡقُدۡرَةِ الَّتِیۡ بِهَا تُحۡیِیۡ مَیۡتَ الۡبِلَادِ، وَ بِهَا تَنۡشُرُ اَرۡوَاحَ الۡعِبَادِ، وَ لَا تُهۡلِكۡنِیۡ، وَ عَرِّفۡنِی الۡاِجَابَةَ یَا رَبِّ، وَ ارۡفَعۡنِیۡ وَ لَا تَضَعۡنِیۡ، وَ انۡصُرۡنِیۡ، وَ ارۡزُقۡنِیۡ، وَ عَافِنِیۡ مِنَ الۡاٰفَاتِ.

یَا رَبِّ اِنۡ تَرۡفَعۡنِیۡ فَمَنۡ یَّضَعُنِیۡ؟ وَ اِنۡ تَضَعۡنِیۡ فَمَنۡ یَّرۡفَعُنِیۡ؟ وَ قَدۡ عَلِمۡتُ یَآ اِلٰهِیۡ اَنۡ لَّیۡسَ فِیۡ حُكۡمِكَ ظُلۡمٌ، وَ لَا فِیۡ نَقِمَتِكَ عَجَلَةٌ، اِنَّمَا یَعۡجَلُ مَنۡ یَّخَافُ الۡفَوۡتَ، وَ یَحۡتَاجُ اِلَی الظُّلۡمِ الضَّعِیۡفُ، وَ قَدۡ تَعَالَیۡتَ عَنۡ ذٰلِكَ یَا سَیِّدِیۡ عُلُوًّا كَبِیۡرًا.

رَبِّ لَا تَجۡعَلۡنِیۡ لِلۡبَلَآءِ غَرَضًا، وَ لَا لِنَقِمَتِكَ نَصَبًا، وَ مَهِّلۡنِیۡ وَ نَفِّسۡنِیۡ،

دُعا{۷}

خوف وخطر کے موقع پر حضرتؑ کی دُعا

اے میرے معبود! تیرے غضب کو کوئی چیز روک نہیں سکتی سوا تیرے حلم کے، اور تیرے عذاب سے کوئی چیز چھڑا نہیں سکتی سوا تیرے عفو وکرم کے، اور تجھ سے کوئی چیز بچا نہیں سکتی سوا تیری رحمت اور تیری بارگاہ میں تضرع وزاری کے۔

اے میرے معبود! تو اس قدرت کے ذریعہ جس سے مردہ زمینوں کو زندہ کرے گا اور بندوں کی (مردہ) روحوں کو زندگی دے گا مجھے کشائش و فارغ البالی عطا کر اور تباہ و برباد نہ ہونے دے اور (موت سے پہلے) قبولیت دُعا سے آگاہ کر دے، اے میرے پروردگار! اور مجھے رفعت و سربلندی دے اور پست ونگوں سار نہ کر، اور میری امداد فرما اور مجھے روزی دے، اور آفتوں سے حفظ وامان میں رکھ۔

پروردگار! اگر تو مجھے بلند کرے تو پھر کون مجھے پست کر سکتا ہے؟ اور اگر تو پست کرے تو کون بلند کر سکتا ہے؟ اور اے میرے معبود! مجھے بخوبی علم ہے کہ تیرے حکم میں ظلم کا شائبہ نہیں ہے، اور نہ تیرے انتقام میں جلدی، جلدی تو وہ کرتا ہے جسے موقع کے ہاتھ سے نکل جانے کا اندیشہ ہوتا ہے، اور ظلم کرنے کی ضرورت اُسے پڑتی ہے جو کمزور و ناتواں ہوتا ہے، اور تو اے میرے مالک! اس سے کہیں زیادہ بلند و برتر ہے۔

اے میرے پروردگار! مجھے بلا ومصیبت کا ہدف اور اپنے عذاب کا نشانہ نہ بنا، اور مجھے مہلت دے، اور میرے غم اندوہ کو

وَ اَقِلْنِیْ عَثْرَتِیْ، وَ لَا تُتْبِعْنِیْ بِالْبَلَآءِ، فَقَدْ تَرٰی ضَعْفِیْ وَ قِلَّةَ حِیْلَتِیْ، فَصَبِّرْنِیْ، فَاِنِّیْ یَا رَبِّ ضَعِیْفٌ مُّتَضَرِّعٌ اِلَیْكَ.

میری لغزش سے درگزر فرما، اور مصیبت میرے پیچھے نہ لگا، کیونکہ میری کمزوری و بے چارگی تیرے سامنے ہے، تو مجھے صبر وثبات کی ہمت دے، کیونکہ اے میرے پروردگار! میں کمزور اور تیرے آگے گڑگڑانے والا ہوں۔

یَا رَبِّ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ فَاَعِذْنِیْ، وَ اَسْتَجِیْرُ بِكَ مِنْ كُلِّ بَلَآءٍ فَاَجِرْنِیْ، وَ اَسْتَتِرُ بِكَ فَاسْتُرْنِیْ یَا سَیِّدِیْ مِمَّا اَخَافُ وَ اَحْذَرُ، وَ اَنْتَ الْعَظِیْمُ، اَعْظَمُ مِنْ كُلِّ عَظِیْمٍ.

اے میرے پروردگار! میں تجھ سے تیرے ہی دامن رحمت میں پناہ مانگتا ہوں لہٰذا مجھے پناہ دے اور ہر مصیبت و ابتلاء سے تیرے ہی دامن میں امان کا طلبگار رہوں لہٰذا مجھے امان دے، اور تجھ سے پردہ پوشی چاہتا ہوں لہٰذا جن چیزوں سے میں خوف و ہراس محسوس کرتا ہوں اُن سے اے میرے مالک اپنے دامن حفظ وحمایت میں چھپالے، اور تو عظیم اور ہر عظیم سے عظیم تر ہے۔

بِكَ بِكَ بِكَ اسْتَتَرْتُ، یَآ اَللّٰهُ یَآ اَللّٰهُ! یَآ اَللّٰهُ یَآ اَللّٰهُ! یَآ اَللّٰهُ یَآ اَللّٰهُ! یَآ اَللّٰهُ، یَآ اَللّٰهُ! یَآ اَللّٰهُ یَآ اَللّٰهُ! صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ.

میں تیرے اور صرف تیرے اور محض تیرے ذریعہ (پردۂ حفظ و امان میں) چھپا ہوا ہوں، اے اللہ! اے اللہ! اے اللہ! اے اللہ! اے اللہ! اے اللہ! اے اللہ! اے اللہ! اے اللہ! اے اللہ! تو محمدؐ اور اُن کی پاک و پاکیزہ آلؑ پر رحمت اور کثیر سلامتی نازل فرما۔

--☆☆--

یہ دُعا دنیا کے آلام ومصائب اور سوء انجام سے بچاؤ کیلئے پڑھی جاتی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے حلم کو اس کے غضب و انتقام سے مانع، اس کے عفوو درگزر کو سزا وعقوبت سے سپر اور اس کی رحمت اور اس کی بارگاہ میں تضرع وعاجزی کو نجات اُخروی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ اس کا حلم آڑے نہ آتا تو اس کا سیل غضب روکا نہ جاسکتا اور عفو و رحمت کی کارفرمائی نہ ہوتی تو بخشش و نجات کی کوئی صورت پیدا نہ ہوتی۔ کیونکہ تقاضائے عدل تعزیر وعقوبت ہے اور اس تقاضے کو صرف رحمت ہی دبا سکتی ہے جو اس کے غضب سے سابق ہے۔

عفوو رحمت کے ذکر کے بعد اس کے اقتدار کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ خشک زمینوں میں شادابی اور مردوں میں حیات پیدا کر دے سکتا ہے، تو پھر کیا بعید ہے کہ وہ تنگی و سختی کو وسعت و کشایش سے اور فقر و احتیاج کو غنا و بے نیازی سے بدل دے، جبکہ وہی رزق و عافیت کا بخشنے والا اور رفعت و بلندی دینے والا ہے اور اس کے علاوہ کوئی اختیار و اقتدار نہیں رکھتا۔ وہ جسے پست کرنا چاہے اسے کوئی اوج وعروج پر نہیں پہنچا سکتا اور جسے

ذلیل کرنا چاہے اسے کوئی عزت و رفعت نہیں دے سکتا اور جسے اپنی نصرت سے محروم کرنا چاہے اسے کوئی مدد نہیں دے سکتا۔

اور ان تمام صورتوں میں اس کا عدل ہی کارفرما ہوتا ہے اور کسی مرحلہ پر ظلم نہیں کرتا۔ اس لئے کہ ظلم کی ضرورت اسے ہوتی ہے جو کمزور و ناتوان ہو۔ اس بنا پر کہ اسے یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ عدم تشدد کی صورت میں اقتدار و تسلط میں کمی رونما ہو جائے گی اور جو ہر لحاظ سے توانا و غالب ہے اسے اپنے اقتدار کے تحفظ کیلئے ظلم کی احتیاج ہی کیا ہے۔ اسی طرح وہ گنہگاروں کو سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ اس لئے کہ جلدی وہ کرتا ہے جسے یہ خطرہ ہو کہ مجرم وگنہگار اس کے پنجہ سے نکل بھاگے گا اور جس کا محیط اقتدار ہمہ گیر ہو اسے یہ اندیشہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی اس کی گرفت سے آزاد اور اس کے حدود مملکت سے باہر نکل جائے گا۔ اور پھر وہ ہر عظیم سے عظیم تر ہے اور اس کے علاوہ ہر چیز اس کی مخلوق اور ہر شخص اس کا پروردہ ہے۔ اور اپنی زندگی و بقا میں اس کا دست نگر ہے اور جو محتاج و دست نگر ہو وہ آزاد کیسے رہ سکتا ہے۔

حضرتؑ نے دُعا کے آخر میں اللہ کا نام بار بار لیا ہے۔ یہ تکرار حظ و التذاذ اور طلب و الحاح کیلئے ہے۔ اور اذکار و اوراد اور دُعا و مناجات میں خاصان خدا کی زبان پر اللہ کا نام ہی زیادہ آتا ہے اور یہ نام اس کے ناموں میں سب سے بلند تر، مشہور اور نمایاں ہے اور قبل اسلام جہاں اور معبودوں کے نام تجویز کر لئے گئے تھے وہاں ایک اَن دیکھی ہستی کا تصور بھی تھا جو ''اللہ'' کے نام سے موسوم کی جاتی تھی۔ چنانچہ جاہلیت کے دور میں لبید کی زبان سے نکلا ہوا یہ شعر اس کا شاہد ہے:

اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ وَ كُلُّ نَعِيْمٍ لَا مَحَالَةَ زَآئِلٌ

"دیکھو! اللہ کے علاوہ ہر چیز بے حقیقت اور ناپائیدار ہے اور ہر نعمت کیلئے بہر حال فنا و زوال ہے"۔[1]

اس نام میں اور اللہ تعالیٰ کے دوسرے ناموں میں یہ فرق ہے کہ:

- اس کے تمام ناموں کو اس نام کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے۔ جیسے یہ کہ ''اللہ'' رحیم ہے، رحمٰن ہے، قادر ہے، مگر اسے دوسرے ناموں کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا کہ یہ کہا جائے کہ: ''رحیم'' اللہ ہے، ''رحمٰن'' اللہ ہے، ''قادر'' اللہ ہے۔ کیونکہ ''اللہ'' اسمِ ذات ہے اور دوسرے اسماء صفاتی ہیں۔ لہٰذا جس طرح اوصاف کا انتساب ذات کی طرف ہوتا ہے اسی طرح اس کے صفاتی نام اسمِ ذات کی طرف منسوب ہوں گے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا﴾

اچھی صفتوں والے نام اللہ ہی کیلئے ہیں لہٰذا اسے انہی ناموں سے پکارا کرو۔[2]

- دوسرے یہ کہ یہ نام صرف خالق عالم کیلئے مخصوص ہے اور کسی اور پر اس کا اطلاق نہ حقیقتاً ہوتا ہے نہ مجازاً۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿۶۵﴾﴾

کیا تمہارے علم میں اس کا ہمنام کوئی اور بھی ہے۔[3]

---

[1] بحار الانوار، ج ۲۲، ص ۲۶۷۔

[2] سورۂ اعراف، آیت ۱۸۰۔

[3] سورۂ مریم، آیت ۶۵۔

- تیسرے یہ کہ یہ اس ذات پر دلالت کرتا ہے جو جامع جمیع صفات ہے۔ اور چونکہ اسم ذات ہے لہٰذا ہر اس صفت پر حاوی ہوگا جو اللہ تعالیٰ کیلئے تجویز ہوسکتی ہے، بخلاف دوسرے ناموں کے کہ وہ صرف ایک ایک صفت پر دلالت کرتے ہیں۔ جیسے: ''قادر''صفت قدرت پر، ''عالم''صفت علم پر، ''رحیم''صفت رحمت پر۔
- چوتھے یہ کہ یہ نام معنوی اعتبار سے اس ہستی کی نشاندہی کرتا ہے جو معبودیت و اُلوہیت کی حامل ہو۔ چنانچہ یہ نام اگر ''تالہ'' سے مشتق ہے تو اس کے معنی ہوں گے: ''وہ ذات جو عبادت و پرستش کی سزاوار ہے'' اور ''تالہ'' کے معنی تعبد کے ہیں۔ اور ''الہ'' سے مشتق ہے تو اس کے معنی ہوں گے: ''وہ ذات جس کی طرف مخلوقات اپنے مقاصد و حوائج کیلئے رجوع کرتی ہے'' اور ''الہ'' کے معنی رجوع کرنے اور سہارا ڈھونڈنے کے ہیں۔ اور ''ولہ'' سے مشتق ہے تو اس کے معنی ہوں گے: ''وہ ذات جس کے سمجھنے میں عقل و دانش سرگرداں اور فہم و ادراک متحیر و درماندہ ہیں'' اور ''ولہ'' کے معنی تحیر کے ہیں۔ اور ''لاہ'' سے مشتق ہے تو اس کے معنی ہوں گے وہ ذات جو عقول و افہام سے بالاتر اور آنکھوں سے مخفی ہے اور ''لاہ'' کے معنی بلند و برتر اور پوشیدہ ہونے کے ہیں۔ اور یہ تمام معانی اسی ذات کیلئے ہوسکتے ہیں جو خالق کائنات، مبدا اول اور معبود حقیقی ہو۔
- پانچویں یہ کہ اس نام کے حروف میں سے جتنے حروف چاہے کم کر دیجئے پھر بھی اس کی دلالت اسی ذات واحد و یکتا پر ہوتی ہے۔ چنانچہ سیّد نعمت اللہ جزائری نے کتاب مشارق الانوار سے نقل کیا ہے کہ: اللہ میں سے ''الف'' نکال دیا جائے تو ''للہ'' رہ جائے گا اور ''لام'' نکال دیا جائے تو ''الہ'' رہ جائے گا اگر ''الف'' اور ایک ''لام'' نکال دیا جائے تو ''لہ'' رہ جائے گا اور اگر الف کے ساتھ دونوں لام نکال دیئے جائیں تو ''ھا'' رہ جائے گا جو واؤ کے ساتھ مل کر ''ھو'' کی صورت میں مستعمل ہوتا ہے اور یہ تمام الفاظ اسی کی ذات پر دلالت کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆
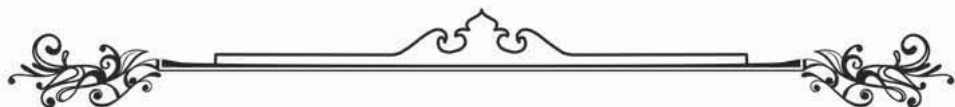
وَمِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الْاَيَّامِ السَّبْعَةِ

ہفتہ کے سات دنوں میں پڑھنے کی دُعائیں

[۱] دُعَآءُ یَوْمِ الْاَحَدِ

بِسْمِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَآ اَرْجُوْٓا اِلَّا فَضْلَہٗ، وَ لَآ اَخْشٰی اِلَّا عَدْلَہٗ، وَ لَا اَعْتَمِدُ اِلَّا قَوْلَہٗ، وَ لَآ اَتَمَسَّكُ اِلَّا بِحَبْلِہٖ.

بِكَ اَسْتَجِیْرُ یَا ذَا الْعَفْوِ وَ الرِّضْوَانِ، مِنَ الظُّلْمِ وَ الْعُدْوَانِ، وَ مِنْ غِیَرِ الزَّمَانِ، وَ تَوَاتُرِ الْاَحْزَانِ، وَ مِنْ طَوَارِقِ الْحَدَثَانِ، وَ مِنِ انْقِضَآءِ الْمُدَّۃِ قَبْلَ التَّاَھُّبِ وَ الْعُدَّۃِ.

وَ اِیَّاكَ اَسْتَرْشِدُ لِمَا فِیْہِ الصَّلَاحُ وَ الْاِصْلَاحُ، وَ بِكَ اَسْتَعِیْنُ فِیْمَا یَقْتَرِنُ بِہِ النَّجَاحُ وَ الْاِنْجَاحُ، وَ اِیَّاكَ اَرْغَبُ فِیْ لِبَاسِ الْعَافِیَۃِ وَ تَمَامِھَا، وَ شُمُوْلِ السَّلَامَۃِ وَ دَوَامِھَا.

وَ اَعُوْذُ بِكَ یَا رَبِّ مِنْ ھَمَزَاتِ الشَّیٰطِیْنِ، وَ اَحْتَرِزُ بِسُلْطَانِكَ مِنْ جَوْرِ السَّلَاطِیْنِ.

فَتَقَبَّلْ مَا كَانَ مِنْ صَلٰوتِیْ وَ صَوْمِیْ، وَ اجْعَلْ غَدِیْ وَ مَا بَعْدَہٗ اَفْضَلَ مِنْ سَاعَتِیْ وَ یَوْمِیْ، وَ اَعِزَّنِیْ فِیْ عَشِیْرَتِیْ وَ قَوْمِیْ، وَ احْفَظْنِیْ فِیْ یَقْظَتِیْ وَ نَوْمِیْ.

[۱] دُعائے روز یک شنبہ

اس اللہ کے نام سے مدد مانگتا ہوں جس کے فضل و کرم ہی کا امیدوار ہوں، اور جس کے عدل ہی سے اندیشہ ہے، اسی کی بات پر مجھے بھروسا ہے، اور اس کی رسی سے وابستہ ہوں۔

اے عفو و خوشنودی کے مالک! میں تجھ سے ظلم و جور، زمانہ کے انقلابات، غموں کے پیہم ہجوم اور نازل ہونے والی مصیبتوں سے پناہ مانگتا ہوں، اور اس بات سے کہ آخرت کا ساز و سامان اور زادِراہ مہیّا کرنے سے پہلے ہی مدت حیات ختم ہو جائے۔

اور تجھ ہی سے ان چیزوں کی رہنمائی چاہتا ہوں جن میں اپنی بہبودی اور دوسروں کی فلاح و درستی کا سامان ہو، اور تجھ ہی سے مدد مانگتا ہوں ان باتوں کی جن میں اپنی فلاح و کامرانی اور دوسرے کو کامیاب بنانے کی صورت مضمر ہو، اور تجھ ہی سے خواہشمند ہوں لباس عافیت (کے پہنانے) اور اسے اتمام تک پہنچانے کا اور سلامتی کے شامل حال ہونے اور اس کے دائم و برقرار رہنے کا۔

اور تیرے ہی ذریعہ اے میرے پروردگار! پناہ مانگتا ہوں شیطان کے وسوسوں سے، اور تیرے ہی تسلط و اقتدار کے ذریعہ تحفظ چاہتا ہوں فرمانرواؤں کے ظلم و جور سے۔

تو میری گزشتہ نمازوں اور روزوں کو قبول فرما، اور کل کے دن اور اس کے بعد کے دنوں کو آج کی گھڑی اور آج کے دن سے بہتر قرار دے، اور مجھے اپنے قوم و قبیلہ میں عزت و توقیر دے، اور خواب و بیداری کی حالت میں میری حفاظت فرما۔

فَاَنْتَ اللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظًا، وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ.

تو ہی وہ اللہ ہے جو سب سے بہتر نگران ومحافظ ہے، اور تو ہی سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْٓ اَبْرَاُ اِلَيْكَ فِيْ يَوْمِيْ هٰذَا وَ مَا بَعْدَهٗ مِنَ الْاٰحَادِ، مِنَ الشِّرْكِ وَ الْاِلْحَادِ، وَ اُخْلِصُ لَكَ دُعَآئِيْ تَعَرُّضًا لِّلْاِجَابَةِ، وَ اُقِيْمُ عَلٰى طَاعَتِكَ رَجَآءً لِّلْاِثَابَةِ.

اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں اس اتوار اور بعد کے اتواروں میں شرک و بے دینی سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں، اور قبولیت کی خاطر خلوص نیت کے ساتھ تجھ سے دُعا کرتا ہوں، اور بامید ثواب تیری اطاعت وفرمانبرداری پر برقرار رہوں۔

فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ خَيْرِ خَلْقِكَ، الدَّاعِيْ اِلٰى حَقِّكَ، وَ اَعِزَّنِيْ بِعِزِّكَ الَّذِيْ لَا يُضَامُ، وَ احْفَظْنِيْ بِعَيْنِكَ الَّتِيْ لَا تَنَامُ، وَ اخْتِمْ بِالْاِنْقِطَاعِ اِلَيْكَ اَمْرِيْ، وَ بِالْمَغْفِرَةِ عُمْرِيْ، اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ.

لہٰذا تو بہترین خلائق اور حق کے نمائندے (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رحمت نازل فرما اور اپنی اس عزت کے وسیلہ سے جسے مغلوب نہیں کیا جاسکتا مجھے عزت و بزرگی دے، اور اپنی اس آنکھ سے میری حفاظت فرما جو خواب آلودہ نہیں ہوتی، اور میرے ہر کام کا انجام اپنے دامن سے وابستگی اور میری عمر کا خاتمہ اپنی مغفرت و آمرزش پر قرار دے، بلا شبہ تو بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

--☆☆--

لمحے ساعتوں میں اور ساعتیں دنوں میں اور دن ہفتوں میں ڈھل کر اور ہفتے مہینوں میں اور مہینے سالوں میں تبدیل ہو کر ہلکے پھلکے بادلوں کی طرح اڑتے چلے جارہے ہیں جنہیں نہ کہیں ٹھہراؤ ہے نہ قرار۔ اور انہی گریز پا لمحوں اور مختصر دنوں کے مجموعہ کا نام زندگی ہے۔ جب یہ دن سمٹ جائیں گے تو زندگی کا شیرازہ بکھر جائے گا اور دنوں کے ختم ہوتے ہی زندگی ختم ہو جائے گی۔ اس لحاظ سے ایک ایک دن بلکہ ایک ایک دقیقہ اور ایک ایک لمحہ بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ ایک دن کے گزرنے سے ہماری زندگی میں ایک دن کی کمی ہو جاتی ہے۔ اور یہ دن اتنا قیمتی سرمایہ ہے کہ جب ہاتھ سے نکل جاتا ہے، تو پھر سیم و زر کے خزانے بھی اس دولتِ رفتہ کو واپس نہیں لاسکتے۔ اگر زندگی کی کچھ قیمت ہے تو دن کی قیمت سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور زندگی کی کچھ اہمیت ہے تو دن کی اہمیت بھی مسلم ہوگی۔ یہی ایک دن ہمارے لئے تباہی و ہلاکت کا پیش خیمہ ہوسکتا ہے اور اسی ایک دن سے زندگی کیلئے مفید نتائج حاصل کئے جاسکتے ہیں اور زندگی کی ناہمواریوں کو ہموار کیا جاسکتا ہے۔ وہ بھی دن ہے جو مفسدوں کو جنم دیتا، مہلک گناہوں میں کٹتا اور عمرِ گزشتہ کی نیکیوں پر پانی پھیر دیتا ہے اور وہ بھی دن ہے جو اصلاحِ نفس، تہذیب کردار اور توبہ و انابت میں گزرتا ہے اور پچھلے گناہوں کو

خس وخاشاک کی طرح بہالے جاتا ہے۔

دن ہونے میں دونوں برابر ہیں مگر نتائج کے لحاظ سے ان میں اتنا ہی فرق ہے جتنا زہر اور تریاق، اور جہنم کے شعلوں اور فردوس کے لالہ زاروں میں۔لہٰذا زندگی اور اس کے مآب کو کامیاب بنانے کیلئے دن کے لمحات کو کامیاب بنانے کی ضرورت ہے اور دن کو کامیاب بنانے کیلئے ہمارے سامنے وہ عملی مثالیں موجود ہیں جو آلِ محمد علیہم السلام کے ساتھ وابستہ ہیں اور ان کے ایسے تعلیمات بھی ہیں جن کی پیروی ہماری زندگی کی کامیابی کی ضامن ہے۔جب انسان ان کی قائم کردہ بنیادوں پر اپنی زندگی کی تعمیر کرتا ہے تو وہ صرف اپنی ہی زندگی کو کامیاب نہیں بناتا، بلکہ دنیائے انسانیت کیلئے ایک مثالی کردار کا نمونہ بن کر دوسروں کو کامیابی کی راہیں دکھاتا ہے۔

چنانچہ یہ "ہفت ہیکل" یعنی ہفتہ کے سات دنوں کی سات دُعائیں ان تعلیمات پر مشتمل ہیں جو مبداو معاد سے وابستگی پیدا کر کے زندگی کو کامیابی کی شاہراہ پر گامزن کرتے ہیں اور ایک ایک دن کی اہمیت کی طرف متوجہ کر کے اللہ تعالیٰ سے لو لگانے، اس کے عدل کے تقاضوں سے ڈرنے، شرک والحاد سے بچنے، حقوق اللہ وحقوق العباد سے عہدہ برآ ہونے، زادِ آخرت کے مہیا کرنے اور صرف اسی سے امیدیں وابستہ کرنے کی اہمیت کو واضح کرتے ہیں۔اس کے علاوہ ہر شخص ذہنی لحاظ سے کسی الجھن میں یا جسمانی اعتبار سے کسی تکلیف میں مبتلا یا کسی پیش آیند خطرہ سے ہراساں ہوتا ہے، اسے اپنے دن کی ابتدا اس دُعا سے کرنا چاہیئے جو اس دن سے مخصوص ہے تا کہ اللہ تعالیٰ سے رجوع و وابستگی، مصائب و آلام، حوادث وفتن اور بلیات وآفات سے مامون ومحفوظ رکھے۔

زیرِ نظر دُعا روزِ یکشنبہ کی دُعا ہے جس میں زمانے کے حوادث، دنیا کے رنج واندوہ، شیطان کے وساوس اور سلاطین جور کے ظلم وستم سے پناہ مانگی ہے اور اس کے ساتھ دنیا و آخرت کی کامیابی، عزت وتوقیر، صحت وسلامتی، صلاح و بہبودی، اعمال صالحہ کی توفیق، روزہ ونماز کی پذیرائی، دُعا کی قبولیت اور حسن انجام اور خاتمہ بالخیر کی التجا کی ہے اور انہی چیزوں میں زندگی کی کامیابی کا راز مضمر ہے۔

☆☆☆☆☆

[۲] دُعَآءُ یَوْمِ الْاِثْنَیْنِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یُشْهِدْ اَحَدًا حِیْنَ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ، وَ لَا اتَّخَذَ مُعِیْنًا حِیْنَ بَرَاَ النَّسَمَاتِ، لَمْ یُشَارَكْ فِی الْاِلٰهِیَّةِ، وَ لَمْ یُظَاهَرْ فِی الْوَحْدَانِیَّةِ.

كَلَّتِ الْاَلْسُنُ عَنْ غَایَةِ صِفَتِهٖ، وَ انْحَسَرَتِ الْعُقُوْلُ عَنْ كُنْهِ مَعْرِفَتِهٖ، وَ تَوَاضَعَتِ الْجَبَابِرَةُ لِهَیْبَتِهٖ، وَ عَنَتِ الْوُجُوْهُ لِخَشْیَتِهٖ، وَ انْقَادَ كُلُّ عَظِیْمٍ لِّعَظَمَتِهٖ.

فَلَكَ الْحَمْدُ مُتَوَاتِرًا مُّتَّسِقًا، وَ مُتَوَالِیًا مُّسْتَوْسِقًا، وَ صَلَوَاتُهٗ عَلٰی رَسُوْلِهٖ اَبَدًا، وَ سَلَامُهٗ دَآئِمًا سَرْمَدًا.

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَوَّلَ یَوْمِیْ هٰذَا صَلَاحًا، وَ اَوْسَطَهٗ فَلَاحًا، وَ اٰخِرَهٗ نَجَاحًا.

وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ یَوْمٍ اَوَّلُهٗ فَزَعٌ، وَ اَوْسَطُهٗ جَزَعٌ، وَ اٰخِرُهٗ وَجَعٌ.

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْۤ اَسْتَغْفِرُكَ لِكُلِّ نَذْرٍ نَّذَرْتُهٗ، وَ لِكُلِّ وَعْدٍ وَّعَدْتُّهٗ، وَ لِكُلِّ عَهْدٍ عَاهَدْتُّهٗ،

[۲] دُعائے روز دوشنبہ

تمام تعریفیں اس اللہ کیلئے ہیں کہ جب اس نے زمین وآسمان کو خلق فرمایا تو کسی کو گواہ نہیں بنایا، اور جب جانداروں کو پیدا کیا تو اپنا کوئی مددگار نہیں ٹھہرایا، اُلوہیت میں کوئی اس کا شریک اور وحدت (و انفرادیت سے مخصوص ہونے) میں کوئی اس کا معاون نہیں ہے۔

زبانیں اس کے انتہائے صفات کے بیان کرنے سے گنگ اور عقلیں اس کی معرفت کی تہہ تک پہنچنے سے عاجز ہیں، جابر و سرکش اس کی ہیبت کے سامنے جھکے ہوئے، چہرے نقابِ خشیت اوڑھے ہوئے، اور عظمت والے اس کی عظمت کے آگے سرافگندہ ہیں۔

تو بس تیرے ہی لئے حمد و ستائش ہے پے در پے، لگا تار، مسلسل و پیہم، اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ کی ابدی رحمت اور دائم و جاودانی سلام ہو۔

بارالٰہا! میرے اس دن کے ابتدائی حصہ کو صلاح و درستی، درمیانی حصہ کو فلاح و بہودی اور آخری حصہ کو کامیابی و کامرانی سے ہمکنار قرار دے۔

اور اس دن سے جس کا پہلا حصہ خوف، درمیانی حصہ بے تابی اور آخری حصہ درد و الم لئے ہو، تجھ سے پناہ مانگتا ہوں۔

بارالٰہا! ہر اس نذر کیلئے جو میں نے مانی ہو، ہر اس وعدہ کی نسبت جو میں نے کیا ہو، اور ہر اس عہد و پیمان کی بابت جو میں نے باندھا ہو، پھر کسی ایک کو بھی تیرے لئے پورا نہ کیا ہو، تجھ سے

ثُمَّ لَمْ اَفِ بِهٖ.

وَ اَسْئَلُكَ فِيْ مَظَالِمِ عِبَادِكَ عِنْدِيْ، فَاَيُّمَا عَبْدٍ مِّنْ عَبِيْدِكَ، اَوْ اَمَةٍ مِنْ اِمَآئِكَ، كَانَتْ لَهٗ قِبَلِيْ مَظْلَمَةٌ ظَلَمْتُهَا اِيَّاهُ فِيْ نَفْسِهٖ، اَوْ فِيْ عِرْضِهٖ، اَوْ فِيْ مَالِهٖ، اَوْ فِيْ اَهْلِهٖ وَ وَلَدِهٖ، اَوْ غِيْبَةٌ اِغْتَبْتُهٗ بِهَا، اَوْ تَحَامُلٌ عَلَيْهِ بِمَيْلٍ اَوْ هَوًى، اَوْ اَنَفَةٍ، اَوْ حَمِيَّةٍ، اَوْ رِيَآءٍ، اَوْ عَصَبِيَّةٍ، غَآئِبًا كَانَ اَوْ شَاهِدًا، وَ حَيًّا كَانَ اَوْ مَيِّتًا، فَقَصُرَتْ يَدِيْ، وَ ضَاقَ وُسْعِيْ عَنْ رَدِّهَآ اِلَيْهِ، وَ التَّحَلُّلِ مِنْهُ.

فَاَسْئَلُكَ يَا مَنْ يَّمْلِكُ الْحَاجَاتِ، وَ هِيَ مُسْتَجِيْبَةٌ لِّمَشِيَّتِهٖ، وَ مُسْرِعَةٌ اِلٰى اِرَادَتِهٖ، اَنْ تُصَلِّيَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ، وَ اَنْ تُرْضِيَهٗ عَنِّيْ بِمَا شِئْتَ، وَ تَهَبَ لِيْ مِنْ عِنْدِكَ رَحْمَةً، اِنَّهٗ لَا تَنْقُصُكَ الْمَغْفِرَةُ، وَ لَا تَضُرُّكَ الْمَوْهِبَةُ، يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.

اَللّٰهُمَّ اَوْلِنِيْ فِيْ كُلِّ يَوْمِ اثْنَيْنِ نِعْمَتَيْنِ مِنْكَ ثِنْتَيْنِ: سَعَادَةً فِيْ اَوَّلِهٖ بِطَاعَتِكَ، وَ نِعْمَةً فِيْ اٰخِرِهٖ

عفو و بخشش کا خواستگار ہوں۔

اور تیرے بندوں کے ان حقوق و مظالم کی بابت جو مجھ پر عائد ہوتے ہیں، تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تیرے بندوں میں سے جس بندے کا اور تیری کنیزوں میں سے جس کنیز کا کوئی حق مجھ پر ہو، اس طرح کہ خود اس کی ذات یا اس کی عزت یا اس کے مال یا اس کے اہل و اولاد کی نسبت میں مظلمہ کا مرتکب ہوا ہوں، یا غیبت کے ذریعہ اس کی بدگوئی کی ہو، یا (اپنے ذاتی) رجحان، یا کسی خواہش، یا رعونت، یا خود پسندی، یا ریا، یا عصبیت سے، اس پر ناجائز دباؤ ڈالا ہو، چاہے وہ غائب ہو یا حاضر، زندہ ہو یا مر گیا ہو، اور اب اس کا حق ادا کرنا یا اسے بحل کرانا، میرے دسترس سے باہر اور میری طاقت سے بالا ہو۔

تو اے وہ جو حاجتوں کے بر لانے پر قادر ہے، اور وہ حاجتیں اس کی مشیت کے زیر فرمان اور اس کے ارادہ کی جانب تیزی سے بڑھتی ہیں، میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرمائے، اور ایسے شخص کو جس طرح تو چاہے مجھ سے راضی کر دے، اور مجھے اپنے پاس سے رحمت عطا کر، بلا شبہ مغفرت و آمرزش سے تیرے ہاں کوئی کمی نہیں ہوتی، اور نہ بخشش و عطا سے تجھے کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے، اے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے۔

بار الٰہا! تو مجھے دو شنبہ کے دن اپنی جانب سے دو نعمتیں مرحمت فرما: ایک یہ کہ اس دن کے ابتدائی حصہ میں تیری اطاعت کے ذریعہ سعادت حاصل ہو، اور دوسرے یہ کہ اس کے آخری

بِمَغْفِرَتِكَ، يَا مَنْ هُوَ الْاِلٰهُ، وَ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ سِوَاهُ.

حصہ میں تیری مغفرت کے باعث نعمت سے بہرہ مند ہوں، اے وہ کہ وہی معبود ہے اور اس کے علاوہ کوئی گناہوں کو بخش نہیں سکتا۔

--☆☆--

اس دُعا میں ابتداءً اللہ کی وحدت و یکتائی، استغنا و بے نیازی، عظمت و کبریائی اور اس کے صفات کی کنہ حقیقت سے عقول و افہام کی درماندگی کا تذکرہ ہے اور صحیفہ کی اکثر و بیشتر دُعاؤں میں اسی پر زیادہ زور دیا گیا ہے کہ خالق کائنات یکتا و یگانہ ہے۔ یہ اس لئے کہ "توحید خالص" ہی دین کا سرچشمہ اور اسلام کے قصرِ عقائد کی خشتِ اول ہے۔ اگر عقیدۂ توحید مستحکم نہ ہوگا تو مذہب و ملت کی جو عمارت بھی کھڑی کی جائے گی متزلزل و ناپائیدار ہوگی۔ اس بنیادی و اساسی چیز کے تذکرہ کے بعد نذر، وعدہ اور عہد و پیمان کے ایفا اور حقوق العباد کی اہمیت اور اس فریضہ سے عہدہ برآ ہونے کی دُعائیہ پیرایہ میں تعلیم دی ہے اور یہ طریقۂ تبلیغ و تلقین براہِ راست پند و موعظت سے زیادہ مؤثر و دل نشین ہوتا ہے۔

''نذر'' یہ ہے کہ انسان اللہ کیلئے کسی ایسے امر کے بجالانے یا ترک کرنے کا اپنے اوپر التزام کرے جس میں شرعاً رجحان پایا جاتا ہو۔ اس نذر پر طبعاً یہ فائدہ مترتب ہوتا ہے کہ انسان فرائض کی پابندی کا خوگر ہو جاتا ہے اور ان سے عہدہ برآ ہونا چاہتا ہے۔ کیونکہ جب وہ اپنے عائد کردہ فریضہ کو اہم سمجھتے ہوئے اسے ادا کرتا ہے تو جو فرائض اللہ نے اس پر عائد کر دیئے ہیں انہیں بھی اہمیت دے گا اور غفلت سے احتراز کرتے ہوئے پابند فرائض ہو جائے گا۔ فقہی کتب میں نذر کی تین قسمیں کی گئی ہیں: نذر مجازات، نذر زجر اور نذر تبرّع۔

''نذرِ مجازات'' یہ ہے کہ انسان نذر کو کسی مقصد و حاجت کے پورا ہونے پر منحصر کر دے۔ اس طرح کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں فلاں کارِ خیر انجام دوں گا یا فلاں امرِ خیر میں اتنا روپیہ پیسہ صرف کروں گا۔

''نذر زجر'' یہ ہے کہ اسے کسی فعل حرام یا مکروہ کے ارتکاب یا کسی امرِ واجب یا مستحب کے ترک سے وابستہ کرے، اس طرح کہ اگر میں نے کوئی نشہ آور چیز استعمال کی یا نماز کو ترک کیا تو ایک گوسفند ذبح کر کے مسکینوں پر تقسیم کر دوں گا۔

''نذرِ تبرع'' یہ ہے کہ اسے کسی کام کے پورا ہونے یا مقصد کے برآنے پر موقوف نہ کرے، بلکہ بقصدِ تقرب اس کا التزام کرے کہ اس طرح کہ میں جمعہ کے دن روزہ رکھوں گا۔

بہرحال نذر کی جو بھی قسم ہو اس کا ایفا لازم و واجب ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ﴾

انہیں چاہیئے کہ اپنی منّتیں ادا کریں۔[1]

اور درصورتیکہ منت ادا نہ کرے تو اس پر کفارہ عائد ہوگا۔

---

[1] سورۂ حج، آیت ۲۹۔

''وعدہ'' باہمی قول وقرار کا نام ہے۔ یہ قول وقرار روزمرہ کی زندگی اور معاشرہ کے تمام کاروبار میں ایک اہم حیثیت رکھتا ہے۔ اگر وعدہ کی پابندی کا لحاظ نہ کیا جائے تو باہمی اعتماد و وثوق ختم اور ایک عام تنفر و بے اعتمادی کا ماحول پیدا ہو جائے گا جس کے نتائج کا اخلاقی انحطاط، بے ضمیری اور پست فطرتی کی صورت میں ظاہر ہونا ضروری ہے۔ انہی نتائج پر نظر کرتے ہوئے اسلام نے وعدہ خلافی سے بشدت منع کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لِمَ تَقُوۡلُوۡنَ مَا لَا تَفۡعَلُوۡنَ ۝ كَبُرَ مَقۡتًا عِنۡدَ اللّٰهِ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا مَا لَا تَفۡعَلُوۡنَ ۝﴾

اے ایماندارو! تم ایسی بات کہتے ہی کیوں ہو جو کرتے نہیں۔ یہ بڑی ناراضی کی بات ہے کہ تم ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔ [1]

اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَفِ اِذَا وَعَدَ.

جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر اعتماد رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ وعدہ کرے تو اسے پورا کرے۔ [2]

مگر اب تو معاشرہ اس طرح کا بن چکا ہے کہ نہ وعدہ کی کوئی قیمت اور نہ قول وقرار کی کوئی اہمیت سمجھی جاتی ہے۔ اگر کسی نے وعدہ یاد دلایا تو مسکرا کر ٹال دیا۔ یا یہ کہہ دیا کہ وعدہ کے ساتھ ان شاء اللہ کا ضمیمہ بھی تو تھا۔ اب مشیت الٰہی ہی نے نہیں چاہا تو ہمارا قصور کیا ہے۔ حالانکہ ان شاء اللہ اگر عادۃً یا تبرکاً کہا گیا ہو تو اس سے وعدہ معلق نہیں قرار پاتا۔ اور اگر وعدہ کو واقعاً مشیتِ الٰہی سے وابستہ کیا ہو تو اس سے وعدہ کی خلاف ورزی، کذب بیانی میں محسوب نہ ہوگی۔ بشرطیکہ جس سے وعدہ کیا گیا ہو وہ بھی وعدہ کے وقت یہ سمجھا ہو کہ وعدہ معلق ومشروط ہے۔ ورنہ صرف ان شاء اللہ سے وعدہ خلافی کا جواز پیدا نہیں کیا جا سکتا۔

''عہد'' بھی نذر ہی کی ایک قسم ہے، مگر فرق یہ ہے کہ نذر میں رجحان شرعی کا ہونا ضروری ہے اور عہد ہر اس امر کے متعلق ہو سکتا ہے جو حدود جواز کے اندر ہو اور نذر کی طرح اس کی پابندی لازم وواجب ہے اور خلاف ورزی کی صورت میں کفارہ عائد ہوگا۔ چنانچہ عہد کے متعلق ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَاَوۡفُوۡا بِالۡعَهۡدِ‌ ۚ اِنَّ الۡعَهۡدَ كَانَ مَسۡـُٔوۡلًا ۝﴾

عہد و پیمان کو پورا کرو، کیونکہ عہد کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی۔ [3]

حقوق العباد سے مراد وہ حقوق ہیں جو انسانی معاشرہ میں ایک دوسرے پر عائد ہوتے ہیں۔ ان حقوق کا تحفظ تمدن ومعاشرت کی سربلندی اور اخلاقی و اجتماعی زندگی کی آراستگی کیلئے ازبس ضروری ہے۔ کیونکہ انسان طبعاً اپنے مفاد کے پیش نظر یا اقتدار پسندی کے جذبہ سے متاثر ہو کر دوسروں کے نقصان وضرر کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتا اور خواہشات کے زیرِ اثر کیا اپنے اور کیا بیگانے سب کی حق تلفی پر آمادہ ہو جاتا ہے جس کا لازمی نتیجہ تصادم و باہم آویزی ہے۔ لہٰذا اصلاح معاشرہ کی ایک یہی صورت ہوگی کہ انسان جہاں اپنے حقوق کا تحفظ چاہتا ہے وہاں دوسروں کے حقوق کا بھی

---

[1] سورۂ صف، آیت ۲-۳۔

[2] الکافی، ج ۲، ص ۳۶۴۔

[3] سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۳۴۔

پاس ولحاظ رکھے۔اسلام جو پرامن معاشرہ اورخوشگوار ماحول کی تشکیل چاہتا ہے اس نے حقوق انسانی کی حد بندی کی اور انسان کے مزاج اور اس کی طبیعت کے مقتضیات کو دیکھتے ہوئے ہر ایسے اقدام سے سختی کے ساتھ منع کیا جس سے دوسروں کے حقوق پر اثر پڑتا ہو۔

حضرتؑ نے اس دُعا میں حقوق العباد کی اہمیت بیان کرتے ہوئے انہیں چار قسموں پر تقسیم فرمایا ہے۔اس طرح کہ اس حق کا تعلق یا کسی شخص کی ذات سے ہوتا ہے، جیسے اس کا کوئی عضو بے کار کر دینا یا اسے زخمی کرنا یا اسے قتل کر دینا۔ یا اس کا تعلق اس کی عزت وحیثیت عرفی سے ہوتا ہے، جیسے اسے گالی دینا،اس پر تہمت باندھنا،بدگوئی یا تذلیل واہانت کرنا۔ یا اس کا تعلق مال سے ہوتا ہے، جیسے قرضہ لے کر ادا نہ کرنا،امانت میں خیانت کرنا، کسی مالی حق کو دبا لینا یا مالی نقصان پہنچانا۔ یا اس کا تعلق اہل خانہ سے ہوتا ہے جیسے اس کے ناموس پر حملہ آور ہونا اور زنا وغیرہ کا ارتکاب کرنا۔

اس طرح کا خاطی ومجرم صرف ایک ہی فرد کے سامنے جواب دہ نہیں ہے بلکہ تمام معاشرہ کے سامنے جواب دہ ہے۔اس لئے کہ اس نے اپنے عمل سے صرف ایک فرد کو نقصان نہیں پہنچایا بلکہ پورے نظام معاشرہ کو اپنی غلط کارانہ روش سے نقصان پہنچایا ہے۔اب اگر وہ اپنے حرکات پر نادم ہو کر توبہ کرنا چاہے تو ان حقوق ومظالم سے سبکدوشی حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ وہ ان کا امکانی تدارک کرے:

اس طرح کہ اگر جسمانی گزند پہنچایا ہو تو اپنے کو قصاص کیلئے پیش کرے یا خوشامد درآمد اور حسن سلوک سے اس کی رضا کے حصول کی کوشش کرے اور اسے بحل کرائے۔اور اگر صاحب حق تک رسائی نہ ہو سکے تو اللہ تعالیٰ کے حضور تضرع وزاری سے التجا کرے کہ وہ صاحب حق کو اس سے راضی کر دے اور اس کیلئے پیہم اعمالِ خیر بجالائے تاکہ اس کے حق کا کچھ عوض ہو سکے۔

اور اگر غیبت، بہتان، دشنام وغیرہ سے اس کی عزت کو مجروح کیا ہو تو اس سے اظہارِ ندامت کرتے ہوئے معافی مانگے اور منت خوشامد کر کے اس حق کو بخشوائے۔اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو اس کے حق میں دُعائے خیر کرے اور اس کیلئے اعمال حسنہ بجالائے تاکہ اس کے حق کی کچھ تلافی ہو سکے اور اس بدگوئی والزام تراشی سے جو دوسروں کو غلط فہمی پیدا ہوئی ہے اس کا تاحد امکان ازالہ کرے اور اپنی دروغ گوئی وغلط بیانی کا اقرار کرے۔

اور اگر اس کا تعلق مال سے ہو تو صاحب مال کو مال واپس کرے، جیسے غصب، خیانت، رشوت، چوری وغیرہ سے حاصل کیا ہوا روپیہ۔ اور اگر صاحب حق تک پہنچنا ممکن نہ ہو جیسے لاٹری،معمّا وغیرہ سے حاصل کیا ہوا مال،تو صاحب مال کی طرف سے فقرا پر تصدق کرے۔اور اگر مال حلال کے ساتھ مخلوط ہو چکا ہو تو اس میں سے خمس ادا کرے۔اور اگر مالی استطاعت ختم ہو گئی ہو تو اس سے بخشوائے۔اور اگر وہ نہ بخشے یا اس تک رسائی نہ ہو سکے تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گڑگڑائے اور صاحب حق کیلئے دُعائے مغفرت کرے اور اس کیلئے اعمال خیر بجالائے،تاکہ خداوند عالم صاحب حق کو اس کے حق کا عوض دے کر اس سے راضی کر دے۔

اور اگر اہل خانہ کی ناموس وحرمت کے متعلق ہو اور انسانی شرافت کے دامن کو داغدار کیا ہو تو اس دھبے کو چھڑانا اور مظلمہ سے سبکدوش ہونا آسان نہیں ہے۔کیونکہ اس جرم اور گھنونے جرم کی تلافی کی کوئی صورت نہیں ہے۔تاہم اس کا امکانی تدارک وہ ہے جو علامہ شیخ بہاء الدین عاملی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ صالح جزائریؒ کے استفتا کے جواب میں تحریر فرمایا ہے اور سید نعمت اللہ جزائری نے اسے شرح صحیفہ میں درج کیا ہے۔

خلاصہَ جواب یہ ہے کہ اگر زنا ایسی عورت سے کیا گیا ہو جو شوہر دار نہ ہو اور نہ اس پر کسی قسم کا جبر و اکراہ ہو تو یہ صرف اللہ کا گناہ ہے جس پر وہ محاسبہ کرے گا۔اور اگر شوہر دار عورت سے اس کی رضامندی سے زنا کیا گیا ہو تو یہ اللہ کا گناہ اور شوہر کی حق تلفی ہے۔اس لئے یہ اللہ کی نافرمانی کے لحاظ سے حقوق اللہ میں شمار ہوگا اور شوہر کے حق میں مداخلت کے اعتبار سے حقوق العباد میں محسوب ہوگا۔اس بنا پر صاحبانِ حق دو ہوں گے۔ایک اللہ اور دوسرے شوہر۔اور اگر شوہر دار عورت سے زنا جبر و اکراہ سے کیا گیا ہو تو صاحبان حق تین ہوں گے: ایک اللہ، دوسرے شوہر دار عورت اور تیسرے شوہر۔تو درصورتیکہ اس میں حق العباد کی شمولیت ہو، اس طرح کہ زنا میں جبر و تشدد کارفرما ہو، خواہ عورت شوہر دار ہو یا بے شوہر، یا شوہر دار عورت سے زنا کیا گیا ہو چاہے اس کی رضامندی ہو یا نہ، تو اس مظلمہ سے چھٹکارا حاصل کرنے کی صورت یہ ہے کہ وہ شوہر دار عورت کے شوہر سے اجمالا یہ کہے کہ تمہارا ایک مظلمہ میری گردن پر ہے جس کا تدارک ممکن نہیں ہے، کیونکہ وہ نہ مالی ہے نہ بدنی، تم اس سے درگزر کرو اور مجھے معاف کردو۔اور اسے کھلم کھلا بیان نہ کرے اور نہ زیادہ اہمیت دے کہ وہ کھٹک جائے اور ایک فتنہ اٹھ کھڑا ہو اور طرفین کی ذلت و رسوائی کا موجب بن جائے۔ اس کے بعد اگر وہ معاف کر دے تو اس طرف سے چھٹکارا ہو جائے گا۔رہا اللہ کا گناہ، تو اس کی بارگاہ میں اظہار ندامت کرتے ہوئے گڑگڑائے اور عفو و درگزر کی التجا کرے۔

سیّد جزائری رحمہ اللہ نے اس جواب کو تسلیم کرتے ہوئے اپنے ایک خدشہ کا بھی اظہار کیا ہے اور وہ یہ کہ اگر اس مظلمہ سے سبکدوشی حاصل کرنے کیلئے الفاظ اس قسم کے ہوں کہ جس سے اصل واقعہ پر تو پردہ ہی پڑا رہے اور وہ یہ سمجھے کہ اس کے اہل خانہ کی نسبت اس سے کوئی معمولی لغزش ہوئی ہوگی (جیسے دروازہ کی اَوٹ میں سے تانک جھانک کرتا رہا ہوگا یا ورغلانا چاہا ہوگا) تو بعید نہیں کہ وہ درگزر کرے اور اپنے حق کو معاف کردے۔اور اگر مظلمہ کی اصل نوعیت پر اسے مطلع کیا جائے تو ظاہر ہے کہ وہ درگزر کرنے کے بجائے مرنے مارنے پر آمادہ ہو جائے گا اور ایک فتنہ اٹھ کھڑا ہوگا تو درصورتیکہ یہ یقین ہو کہ کھلم کھلا بیان کر دینے سے وہ کبھی اس مظلمہ کو بحل کرے گا تو یہ سمجھنا کہ اس مظلمہ سے برائت کا پروانہ حاصل ہوگیا، بعید از فہم ہے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ زید، خالد کے ہاں سے مسلسل مالی خیانت کرتا رہے جو ایک معتد بہ رقم بن جائے اور اب اسے یہ خیال پیدا ہو کہ اس مظلمہ سے نجات حاصل کرے اور صاحب حق سے اس کا حق معاف کرائے تو خالد سے یہ کہے کہ میں تمہارا خطاوار ہوں اور تمہارا کچھ مال اِدھر اُدھر کیا ہے وہ مجھے معاف کر دیجئے تاکہ میں اس مظلمہ سے نجات پاؤں اور اپنے مقام پر وہ یہ سمجھتا ہو کہ اگر میں نے رقم کی صحیح صحیح مقدار بتا دی تو وہ کبھی معاف نہیں کرے گا اور اپنے مال کا مطالبہ کرے گا، لیکن خالد ایک معمولی رقم سمجھ کر معاف کر دیتا ہے اور وہ اس سے یہ سمجھ لیتا ہے کہ اب مظلمہ برطرف ہوگیا، حالانکہ مظلمہ اسی صورت میں برطرف ہوسکتا ہے جب اسے رقم کا کچھ اندازہ ہو۔اسی طرح مسئلہ زیرِ بحث میں مظلمہ سے چھٹکارا اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب جرم کی اصل نوعیت آشکارہ ہوجائے۔

سیّد رحمہ اللہ کا یہ خدشہ اس طرح برطرف کیا جاسکتا ہے کہ وہ مظلمہ جو ناموس سے متعلق ہوتا ہے، قابل تدارک نہیں ہوتا اور مالی مظلمہ چاہے کتنا ہی گراں بار کیوں نہ ہو قابل تدارک ہے۔اس طرح کہ وہ صحیح رقم ظاہر کرنے کے بعد اسے واپس لوٹا کر عہدہ برآ ہوسکتا ہے اور اگر استطاعت نہ ہو تو

بالاقساط یا اپنے خدمات پیش کر کے سبکدوشی کی صورت پیدا کر دے سکتا ہے اور اس میں کسی فتنہ کے پیدا ہونے کا اندیشہ بھی نہیں ہے۔لیکن ناموس کے معاملہ میں کسی تدارک کی گنجائش نہیں ہے۔ اور واضح طور پر بیان کرنے میں فتنہ وشورش کے برپا ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔لہٰذا اس محل کو اس مورد پر قیاس نہیں کیا جا سکتا جبکہ یہاں اس کے سوا اور کوئی چارہ کار ہی نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆

[۳] دُعَآءُ یَوْمِ الثُّلٰثَآءِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ الْحَمْدُ حَقُّهٗ، كَمَا يَسْتَحِقُّهٗ حَمْدًا كَثِيْرًا.

وَ اَعُوْذُ بِهٖ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ، اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ، وَ اَعُوْذُ بِهٖ مِنْ شَرِّ الشَّيْطٰنِ الَّذِيْ يَزِيْدُنِيْ ذَنْبًا اِلٰى ذَنْبِيْ، وَ اَحْتَرِزُ بِهٖ مِنْ كُلِّ جَبَّارٍ فَاجِرٍ، وَ سُلْطَانٍ جَآئِرٍ، وَ عَدُوٍّ قَاهِرٍ.

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنْ جُنْدِكَ فَاِنَّ جُنْدَكَ هُمُ الْغَالِبُوْنَ، وَ اجْعَلْنِيْ مِنْ حِزْبِكَ فَاِنَّ حِزْبَكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ، وَ اجْعَلْنِيْ مِنْ اَوْلِيَآئِكَ فَاِنَّ اَوْلِيَآئَكَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ.

اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ لِيْ دِيْنِيْ فَاِنَّهٗ عِصْمَةُ اَمْرِيْ، وَ اَصْلِحْ لِيْ اٰخِرَتِيْ فَاِنَّهَا دَارُ مَقَرِّيْ، وَ اِلَيْهَا مِنْ مُّجَاوَرَةِ اللِّئَامِ مَفَرِّيْ، وَ اجْعَلِ الْحَيٰوةَ

[۳] دُعائے روز سہ شنبہ

سب تعریف اللہ کیلئے ہے، اور وہی تعریف کا حقدار، اور وہی اس کا مستحق ہے، ایسی تعریف جو کثیر وفراواں ہو۔

اور میں اپنے ضمیر کی برائی سے اس کے دامن میں پناہ مانگتا ہوں، اور بے شک نفس بہت زیادہ برائی پر ابھارنے والا ہے مگر یہ کہ میرا پروردگار رحم کرے، اور میں اللہ ہی کے ذریعہ اس شیطان کے شر وفساد سے پناہ چاہتا ہوں جو میرے لئے گناہ پر گناہ بڑھاتا جا رہا ہے، اور میں ہر سرکش، بدکار اور ظالم بادشاہ اور چیرہ دست دشمن سے اُس کے دامن حمایت میں پناہ گزیں ہوں۔

بار الہا! مجھے اپنے لشکر میں قرار دے کیونکہ تیرا لشکر ہی غالب و فتح مند ہے، اور مجھے اپنے گروہ میں قرار دے کیونکہ تیرا گروہ ہی ہر لحاظ سے بہتری پانے والا ہے، اور مجھے اپنے دوستوں میں سے قرار دے کیونکہ تیرے دوستوں کو نہ کوئی اندیشہ ہوتا ہے اور نہ وہ افسردہ وغمگین ہوتے ہیں۔

اے اللہ! میرے لئے میرے دین کو آراستہ کر دے اس لئے کہ وہ میرے ہر معاملہ میں حفاظت کا ذریعہ ہے، اور میری آخرت کو بھی سنوار دے کیونکہ وہ میری مستقل منزل اور دنی و فرومایہ لوگوں سے (پیچھا چھڑا کر) نکل بھاگنے کی جگہ ہے، اور

زِيَادَةً لِّيْ فِيْ كُلِّ خَيْرٍ، وَ الْوَفَاةَ رَاحَةً لِّيْ مِنْ كُلِّ شَرٍّ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ، وَ تَمَامِ عِدَّةِ الْمُرْسَلِيْنَ، وَ عَلٰى اٰلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ، وَ اَصْحَابِهِ الْمُنْتَجَبِيْنَ.

وَ هَبْ لِيْ فِي الثُّلُثَآءِ ثَلَاثًا: لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ، وَ لَا غَمًّا اِلَّا اَذْهَبْتَهٗ، وَ لَا عَدُوًّا اِلَّا دَفَعْتَهٗ.

بِبِسْمِ اللّٰهِ خَيْرِ الْاَسْمَآءِ، بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْاَرْضِ وَ السَّمَآءِ، اَسْتَدْفِعُ كُلَّ مَكْرُوْهٍ اَوَّلُهٗ سَخَطُهٗ، وَ اَسْتَجْلِبُ كُلَّ مَحْبُوْبٍ اَوَّلُهٗ رِضَاهُ، فَاخْتِمْ لِيْ مِنْكَ بِالْغُفْرَانِ، يَا وَلِيَّ الْاِحْسَانِ.

--☆☆--

میری زندگی کو ہر نیکی میں اضافہ کا باعث اور میری موت کو ہر رنج و تکلیف سے راحت و سکون کا ذریعہ قرار دے۔

اے اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو نبیوں کے خاتم اور پیغمبروں کے سلسلہ کے فردِ آخر ہیں، ان پر اور اُن کی پاک و پاکیزہ آلؑ اور برگزیدہ اصحاب پر رحمت نازل فرما۔

اور مجھے اس روز سہ شنبہ میں تین چیزیں عطا فرما: وہ یہ کہ میرے کسی گناہ کو باقی نہ رہنے دے مگر یہ کہ اسے بخش دے، اور نہ کسی غم کو مگر یہ کہ اسے برطرف کردے، اور نہ کسی دشمن کو مگر یہ کہ اسے دور کردے۔

بسم اللہ کے واسطہ سے جو (اللہ تعالیٰ کے) تمام ناموں میں سے بہتر نام (پر مشتمل) ہے، اور اللہ کے نام کے واسطہ سے جو زمین و آسمان کا پروردگار ہے، میں تمام ناپسندیدہ چیزوں کا دفعیہ چاہتا ہوں جن میں اول درجہ پر اس کی ناراضی ہے، اور تمام پسندیدہ چیزوں کو سمیٹ لینا چاہتا ہوں جن میں سب سے مقدم اس کی رضامندی ہے، اے فضل و احسان کے مالک! تو اپنی جانب سے میرا خاتمہ بخشش و مغفرت پر فرما۔

--☆☆--

سرنامۂ دُعا میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کے مستحق حمد ہونے کا تذکرہ ہے اور اس کا استحقاق اس سے ظاہر ہے کہ وہ تمام خوبیوں اور اچھی صفتوں کا مالک ہے۔ اور "حمد" کے معنی اچھی صفتوں کے بیان ہوتے ہیں، لہٰذا ہر مدحت و ثنا اسی کیلئے ہوگی اور ہر حمد و ستائش کا وہی سزاوار ہوگا۔ اس استحقاق کے تذکرہ کے بعد نفس امارہ اور اس کی باطل کوشیوں سے پناہ مانگی ہے، کیونکہ انسان کا سب سے بڑا دشمن خود اسی کا نفس ہے جو شیطانی وسوسوں سے متاثر ہو کر اچھی باتوں کو چھوڑ دیتا اور برے منصوبوں میں لگ جاتا ہے۔ ایسے موقعوں پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہی شریکِ حال ہو تو اس کے مہلکوں سے نجات حاصل ہو سکتی ہے۔ چنانچہ قرآن عزیز میں زنِ عزیز مصر یا حضرت یوسف علیہ السلام کی زبانی ارشاد ہوا ہے:

﴿وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ ؕ﴾
میں اپنے نفس کی پاکیزگی کا دعویٰ نہیں کرتا۔ یہ نفس تو بہت زیادہ برائی پر ابھارنے والا ہے۔ مگر اس صورت میں کہ میرا پروردگار رحم کرے۔[1]

پھر شیطان کی فتنہ سامانی، بدکرداروں کی شوریدہ سری، فرمانرواؤں کی ستم کوشی اور دشمنوں کی چیرہ دستی سے بچاؤ کیلئے اللہ تعالیٰ کو پناہ گاہ قرار دیا ہے۔ کیونکہ وہی شیطان کے حربوں کو کند کرنے والا اور بدکرداروں، ظالم حکمرانوں اور فتنہ انگیز دشمنوں سے حفظ ونگہداشت کرنے والا ہے۔ نفس امارہ اور شیطان سے پناہ مانگنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی فوج اور اس کے گروہ اور اس کے دوستوں کی جماعت میں محسوب ہونے کی دُعا فرمائی ہے۔ کیونکہ اللہ کی فوج نے کبھی شکست نہیں کھائی اور روزِ ازل سے غلبہ اس کے پائے نام ہو چکا ہے۔ اس غلبہ سے مراد ظاہری غلبہ نہیں ہے جو مادی فتوحات کی صورت میں حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ فوج کے بل بوتے اور قوت وطاقت کے سہارے سے حریفوں کو زیر کر لینا غلبہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے مخصوص و برگزیدہ بندے کبھی دشمنوں سے زیر نہ ہوتے۔ اور پھر جو غلبہ طاقت کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے وہ طاقت کے ذریعہ ختم بھی ہو جاتا ہے۔ فوج خداوندی کی ہار جیت کو دنیوی فتح وشکست پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ وہ بظاہر ناکام ہو کر بھی کامیاب اور شکست کھا کر بھی فاتح وکامران ہوتی ہے۔ کبھی اس کی فتح ظاہری فتح کے لحاظ سے ہوتی ہے اور کبھی اس کی فتح اس میں مضمر ہوتی ہے کہ وہ بظاہر شکست کھا کر دلوں کو تسخیر کرے۔ اور حق وصداقت کی صورت میں اپنی دائمی فتح کے آثار چھوڑ جائے اور یہی فتح حقیقی فتح ہے۔ جو نصب العین کی کامیابی سے وابستہ ہے اور اللہ جل جلالہ کا گروہ وہ ہے جو حق وصداقت کی راہ پر استوار، صلاح و ہدایت کا روشن منار اور احیائے دین و اعلائے کلمۃ اللہ کیلئے ہمہ تن وقف ہے۔ اس کی زندگی کا مقصد ہی دنیا کو خدا پرستی کی راہ دکھانا اور جان جوکھوں میں ڈال کر منزل صدق و صفا کی طرف لے چلنا ہے۔ اسی کے نتیجہ میں ﴿اُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ﴾[2] کی آواز نے ہر طرح کی بہتری اس کیلئے مخصوص کر دی ہے اور دوستانِ خدا وہ ہیں جو اس کی رضا وخوشنودی کے حصول کیلئے دلوں کو اس کی یاد، زبانوں کو اس کے ذکر اور محراب عبادت کو تسبیح وتہلیل سے آباد رکھتے ہیں اور خوف خدا کے گھر کر لینے کی وجہ سے انہیں کوئی خوف ہراساں نہیں کرتا اور نہ رنج واندوہ سے انہیں دوچار ہونا پڑتا ہے چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿اَلَاۤ اِنَّ اَوۡلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَلَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ﴾
خدا کے دوستوں کیلئے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ انہیں کوئی رنج وغم ہوگا۔[3]

علامہ طبرسی نے مجمع البیان میں تحریر کیا ہے کہ: ''خوف'' کا تعلق مستقبل سے ہوتا ہے اور ''حزن'' کا تعلق زمانہ گزشتہ سے۔ مقصد یہ ہے کہ انہیں نہ آخرت میں کوئی خوف وخطرہ ہوگا اور نہ انہیں دنیا اور دنیا کے ساز وسامان کے چھوڑنے کا غم ہوتا ہے۔ وہ دنیا میں ہر قسم کے خدشوں اور اندیشوں سے

---

[1] سورۂ یوسف، آیت ۵۳۔
[2] سورۂ بقرہ، آیت ۵۔
[3] سورۂ یونس، آیت ۶۲۔

پاک اور آخرت میں امن وسکون کی چھاؤں میں منزل گزیں ہوں گے۔

پھر دین کی اصلاح و آراستگی کی دُعا ہے۔ اس لئے کہ دین ہی انسان کو فرائض وحقوق کی طرف توجہ دلاتا اور ان پر کاربند رہنے کی تلقین کرتا اور ایذارسانیوں، فتنہ انگیزیوں، برائیوں اور حق تلفیوں سے روکتا ہے اور معاشرہ کے نظم و انضباط کا کفیل، مدنیت و اجتماعیت کے حدود کا پاسبان اور اخلاق واعمال کا نگران ہے۔

پھر ایسی زندگی کا سوال کیا ہے جو عبادت و اطاعت میں صرف ہو۔ اس لئے کہ دنیوی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ اُخروی زندگی کو سنوارا جائے۔ کیونکہ دنیا کی زندگی چند روزہ اور وہاں کی زندگی دائمی وسرمدی ہے اور اسے عبودیت کے تقاضوں پر عمل کرنے ہی سے سنوارا جاسکتا ہے۔ اور ایسی موت کی خواہش کی ہے جو سکون و راحت کا پیغام لے کر آئے۔ کیونکہ دنیا میں لاکھ سروسامان راحت موجود ہوں، اہل ایمان و ایقان کو حقیقی راحت موت کے بعد ہی حاصل ہوسکتی ہے۔ چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَیْسَ لِلْمُؤْمِنِ رَاحَةٌ دُوْنَ لِقَآءِ اللّٰهِ.

لقائے الٰہی کے علاوہ مومن کیلئے اور کہیں راحت نہیں۔[1]

آخر دُعا میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تین خواہشیں پیش کی ہیں: ایک گناہوں کی بخشش، دوسرے غم واندوہ کا تدارک اور تیسرے دشمنوں سے تحفظ۔ لہٰذا ان مقاصد کیلئے اس دُعا کو ہر سہ شنبہ کے روز پڑھنا چاہیئے تاکہ خداوند عالم دنیا میں غم وفکر سے نجات اور آخرت میں مغفرت وخوشنودی سے سرفراز کرے۔

☆☆☆☆☆

[1] عوالی اللئالی، ج۱، ص۲۷۶۔

[٤] دُعَاۤءُ يَوْمِ الْاَرْبِعَاۤءِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ اللَّيْلَ لِبَاسًا، وَ النَّوْمَ سُبَاتًا، وَ جَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا.

لَكَ الْحَمْدُ اَنْ بَعَثْتَنِیْ مِنْ مَّرْقَدِیْ، وَ لَوْ شِئْتَ جَعَلْتَهٗ سَرْمَدًا، حَمْدًا دَآئِمًا لَّا يَنْقَطِعُ اَبَدًا، وَ لَا يُحْصِیْ لَهُ الْخَلَآئِقُ عَدَدًا.

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ اَنْ خَلَقْتَ فَسَوَّيْتَ، وَ قَدَّرْتَ وَ قَضَيْتَ، وَ اَمَتَّ وَ اَحْيَيْتَ، وَ اَمْرَضْتَ وَ شَفَيْتَ، وَ عَافَيْتَ وَ اَبْلَيْتَ، وَ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَيْتَ، وَ عَلَى الْمُلْكِ احْتَوَيْتَ.

اَدْعُوْكَ دُعَآءَ مَنْ ضَعُفَتْ وَسِيْلَتُهٗ، وَ انْقَطَعَتْ حِيْلَتُهٗ، وَ اقْتَرَبَ اَجَلُهٗ، وَ تَدَانٰى فِی الدُّنْيَا اَمَلُهٗ، وَ اشْتَدَّتْ اِلٰى رَحْمَتِكَ فَاقَتُهٗ، وَ عَظُمَتْ لِتَفْرِيْطِهٖ حَسْرَتُهٗ، وَ كَثُرَتْ زَلَّتُهٗ وَ عَثْرَتُهٗ، وَ خَلُصَتْ لِوَجْهِكَ تَوْبَتُهٗ.

فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِيّٖنَ، وَ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ، وَ ارْزُقْنِیْ شَفَاعَةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ، وَ لَا تَحْرِمْنِیْ صُحْبَتَهٗ، اِنَّكَ اَنْتَ

[۴] دُعائے روز چہار شنبہ

تمام تعریف اس اللہ کیلئے ہے جس نے رات کو پردہ بنایا اور نیند کو آرام وراحت کا ذریعہ، اور دن کو حرکت وعمل کیلئے قرار دیا۔

تمام تعریف تیرے ہی لئے ہے کہ تو نے مجھے میری خواب گاہ سے زندہ اور سلامت اٹھایا، اور اگر تو چاہتا تو اسے دائمی خواب گاہ بنا دیتا، ایسی حمد جو ہمیشہ ہمیشہ رہے، جس کا سلسلہ قطع نہ ہو، اور نہ مخلوق اس کی گنتی کا شمار کر سکے۔

بار الٰہا! تمام تعریف تیرے ہی لئے ہے کہ تو نے پیدا کیا تو ہر لحاظ سے درست پیدا کیا، اندازہ مقرر کیا اور حکم نافذ کیا، موت دی اور زندہ کیا، بیمار ڈالا اور شفا بھی بخشی، عافیت دی اور مبتلا بھی کیا، اور تو عرش پر متمکن ہوا اور ملک پر چھا گیا۔

میں تجھ سے دُعا مانگنے میں اس شخص کا سا طرزِ عمل اختیار کرتا ہوں جس کا وسیلہ کمزور، چارۂ کار ختم اور موت کا ہنگام نزدیک ہو، دنیا میں اس کی امیدوں کا دامن سمٹ چکا ہو، اور تیری رحمت کی جانب اس کی احتیاج شدید ہو، اور اپنی کوتاہیوں کی وجہ سے اسے بڑی حسرت، اور اس کی لغزشوں اور خطاؤں کی کثرت ہو، اور تیری بارہ گاہ میں صدقِ نیت سے اس کی توبہ ہو چکی ہو۔

تو اب خاتم الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی پاک و پاکیزہ آلؑ پر رحمت نازل فرما اور مجھے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت نصیب کر، اور مجھے ان کی ہم نشینی سے محروم نہ کر، اس لئے کہ تو تمام رحم کرنے والوں سے زیادہ

اَرْحَمُ الرّٰاحِمِیْنَ.

رحم کرنے والا ہے۔

اَللّٰھُمَّ اقْضِ لِیْ فِی الْاَرْبِعَآءِ اَرْبَعًا: اجْعَلْ قُوَّتِیْ فِیْ طَاعَتِكَ، وَ نَشَاطِیْ فِیْ عِبَادَتِكَ، وَ رَغْبَتِیْ فِیْ ثَوَابِكَ، وَ زُھْدِیْ فِیْمَا یُوْجِبُ لِیْٓ اَلِیْمَ عِقَابِكَ، اِنَّكَ لَطِیْفٌ لِّمَا تَشَآءُ.

بار الٰہا! اس روز چہارشنبہ میں میری چار حاجتیں پوری کر دے: یہ کہ اطمینان ہوتو تیری فرمانبرداری میں، سرور ہوتو تیری عبادت میں، خواہش ہوتو تیرے ثواب کی جانب اور کنارہ کشی ہوتو ان چیزوں سے جو تیرے دردناک عذاب کا باعث ہیں۔ بیشک تو جس چیز کیلئے چاہے اپنے لطف کو کارفرما کرتا ہے۔

--☆☆--

سرنامۂ دُعا میں شب و روز کی آمد و شد اور اس پر مترتب ہونے والے فوائد کا تذکرہ فرمایا ہے اور اس دُعا میں اور دُعائے صبح و شام میں بھی رات کا تذکرہ پہلے اور دن کا ذکر بعد میں ہے۔ یہ اس لئے کہ قمری مہینوں اور تاریخوں کی ابتدا رات سے ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے اسے دن پر تقدم حاصل ہے۔ یا اس لئے کہ خاصانِ خدا کیلئے رات اللہ سے لو لگانے اور محرابِ عبادت کو آباد کرنے کا وقت ہوتا ہے۔ اس لئے وہ دن کے مقابلہ میں اسے اقدمیت کا مستحق سمجھتے ہیں۔ یا اس لئے کہ قرآن مجید کے اسلوب و ترتیبِ بیان سے مطابقت برقرار رہے۔

اس شب و روز کی تقسیم سے زندگی کے کاروبار دو حصوں پر تقسیم ہو گئے ہیں۔ ایک حرکت و عمل اور سر و سامان معیشت مہیا کرنے کیلئے اور ایک سکون و راحت کیلئے۔ چنانچہ دن کاروبار کیلئے ہے جو سورج کی تیز روشنی سے درخشاں ہوتا ہے تاکہ کاروبارِ مشاغل میں کوئی خلل پیدا نہ ہو اور رات آرام کیلئے ہے جس میں چاند کی ہلکی شعاعیں نور پاشی کرتی ہیں تاکہ ان کی پرسکون چھاؤں میں آرام کیا جاسکے۔ قدرت نے دن کو براہ راست سورج کی سنہری کرنوں سے روشن کیا اور راتوں کو روشن کرنے کا انتظام اس طرح کیا کہ جب سورج کی روشنی زمین پر پڑے تو وہ منعکس ہو کر چاند کو روشن کرے اور چاند مختلف صورتیں بدل کر زمین کو روشن کرتا رہے۔ اس طرح کہ پہلے بتدریج روشنی میں ترقی ہو اور پھر بتدریج تنزل تاکہ اس تبدیلی و تنوع سے اس کی کشش کم نہ ہونے پائے اور اس کے اتار چڑھاؤ کی گوناگوں کیفیتیں نظر افروزی کا سامان مہیا کرتی رہیں۔ پھر شب و روز کی مدت انسان کے قوائے عمل اور آرام و استراحت کی ضرورت کے لحاظ سے اتنی موزوں و مناسب ہے جو فطرت سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔ اگر دنیا میں مسلسل دن رہتا تو زمین سورج کی شعاعوں سے جل کر روئیدگی کی قوت کھو دیتی اور انسان کیلئے مناسب آرام کی صورت پیدا نہ ہوتی اور بعید نہیں کہ وہ کاروکسب کی مشغولیتوں سے گھبرا کر موت کا سہارا ڈھونڈنے لگتا۔ اور اگر مسلسل رات رہتی تو اندھیرے سے اکتا کر دیواروں سے سر ٹکرانے لگتا۔

چنانچہ انہی احکام و مصالح کی طرف دعوت فکر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾﴾

بلاشبہ زمین و آسمان کی خلقت اور شب و روز کی آمد و شد میں اہل دانش کیلئے بہت سی نشانیاں ہیں ۔[1]

اس کے بعد انسانی خلقت کا ذکر فرمایا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ و حکمت بالغہ سے متضاد عناصر میں ترکیب و ائتلاف اور ترکیب میں توازن و اعتدال کو کارفرما کیا اور انسان کو موزونی و تناسب کے سانچہ میں ڈھال کر حسن و دل آویزی کا مرقع اور اپنی جمال پسندی کا آئینہ دار بنایا۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۟ۙ فِیْۤ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۟ؕ﴾

وہ جس نے تجھے پیدا کیا تو ہر طرح سے نوک پلک درست کر کے پیدا کیا اور تیرے (اعضا میں) توازن و اعتدال قائم کیا اور جس صورت میں اس نے چاہا تیرے جوڑ آپس میں ملا دیئے ۔[2]

اگر انسانی نشو و ارتقا کے مراتب اس کے اعضا کی ترکیب و ترتیب اور ان اعضا کے مختلف وظائف و اعمال پر نظر کی جائے تو اس کے ہر گوشہ میں ایسی حکمت کارفرما نظر آئے گی جسے ایک بے شعور مادہ کی اندھا دھند تخلیق کا نتیجہ نہیں قرار دیا جا سکتا، بلکہ انسانی صورت اور اس کی زیبائی، خدوخال کی رنگینی اور اس کے نقش و نگار کی دلفریبی دیکھ کر عقل سلیم یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو گی کہ یہ کسی مدبر و حکیم صانع کی نقش آرائی کا کرشمہ ہے۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

اِنَّ الصُّوْرَةَ الْاِنْسَانِيَّةَ هِيَ اَكْبَرُ حُجَّةٍ لِلّٰهِ عَلٰى خَلْقِهٖ، وَ هِيَ الْكِتَابُ الَّذِيْ كَتَبَهٗ بِيَدِهٖ.

انسانی صورت مخلوقات پر اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی حجت و دلیل ہے۔ اور یہ وہ کتاب ہے جس کے نقوش اس نے خود اپنے ہاتھ سے کھینچے ہیں ۔[3]

نقش آرائے فطرت نے اس انسانی صحیفہ کو اس طرح سجا ہے کہ ہر خط میں خط نورس کی تازگی، ہر خم میں خم اَبرو کی کشش اور ہر نقطہ میں خالِ رخ زیبا کی حسن آرائی سمٹ آئی ہے۔ یہ جسم و صورت کی زیبائی اعضا کے تناسب سے وابستہ ہے۔ اس طرح کہ ہر عضو اپنے مناسب حال مقام پر ہے اور وہی مقام اسے زیب دیتا اور اس کیلئے موزوں و مناسب ہے۔ جو بلند ہے اسے بلندی زیب دیتی ہے اور جو پست ہے وہ پستی ہی کے قابل ہے۔ جو طاق ہے اسے طاق ہی ہونا چاہیئے اور جو جفت ہے اسے جفت ہی ہونا چاہیئے۔ اگر ان میں رد و بدل کر دیا جائے تو تمام حسن و رعنائی ختم ہو جائے۔

چنانچہ سر کو مرکز جمال و محل عقل و شعور ہونے کی وجہ سے سب سے بلند مقام پر جگہ دی اور اس کے گرد و پیش حواس خمسہ کے پہرے بٹھا دیئے۔ اس طرح کہ اس کے دونوں طرف باریک پردوں میں حاسہ سماعت پیدا کیا اور ان پردوں کے گرد کان بنائے جس میں ٹیڑھے میڑھے راستے ہیں۔ تا کہ آواز پیچ و خم کھاتی ہوئی ان پردوں سے ٹکرائے اور سخت و ہولناک آوازوں کے براہِ راست ٹکرانے سے پھٹ نہ جائیں اور ان میں ایک

---

[1] سورۂ آل عمران، آیت ۱۹۰۔

[2] سورۂ انفطار، آیت ۸۔

[3] عیون مسائل النفس، حسن حسن زادہ آملی، ص ۳۷۔

شور و متعفن مادہ پیدا کر دیا تا کہ سوتے میں یا بے خبری کی حالت میں کیڑے مکوڑے اندر گھسنے نہ پائیں اور دونوں لبوں کے اندر دانتوں کی باڑ کھینچ کر اس میں زبان کو بند کر دیا اور اسے مافی الضمیر کے اظہار کا ذریعہ قرار دیا۔ اور ناک کے بانسوں میں قوت شامہ پھیلا دی تا کہ خوشبو کو راستہ دے اور بدبو کو دماغ میں گھسنے سے روک دے اور پیشانی کے نیچے اور سر کے بالائی حصہ میں آنکھوں کے دیدبان کھڑے کر دیئے تا کہ دوست و دشمن اور موافق و مخالف کی فوراً اطلاع ہو سکے اور ان میں نور کی تخلیق کر کے اس کی حفاظت کا اس طرح سامان کیا کہ پہلے اسے سات پردوں میں چھپایا، پھر ان پردوں کے آگے پھاٹک لگائے اور ان پر پلکوں کی چلمنیں ڈال دیں تا کہ خس و خاشاک اور گرد و غبار کے حملہ سے بچاؤ ہو سکے اور جسم کے ہر ہر حصہ میں قوت لامسہ دوڑا کر اس حصہ جسم کیلئے حفاظتِ خود اختیاری کا سامان کر دیا۔

یہ حواس خمسہ اپنے محسوسات کو مخصوص آلات و عصبی نظام کے ذریعہ دماغ تک پہنچاتے ہیں اور قوت حافظہ تمام نقوش کو جمع کرتی جاتی ہے اور جدا جدا عنوانات سے محفوظ رکھتی ہے۔ اس طرح کہ انسان جب چاہے یادداشت کے ورقوں میں سے ان تمام متعلقہ نقوش کو جو کسی موقع پر درکار ہوں اس طرح نکال لے جس طرح کسی کتب خانہ میں سے کسی کتاب کو ڈھونڈ لیا جاتا ہے۔ اور پھر قوتِ گویائی کے ذریعہ پورے پورے مرقعے ایک ذہن سے دوسرے ذہن میں منتقل کئے جا سکتے ہیں اور ضبط تحریر میں لا کر انہیں دوام بھی بخشا جا سکتا ہے۔ اور یہ وہ کمال ہے جو انسانی استعداد سے وابستہ ہے۔

اگر چہ انسان کو بہت سے حیات وقویٰ نہیں بھی دیئے گئے، لیکن اس کی شعوری دنیا میں کوئی خلا نہیں ہے۔ مثلاً وہ پانی کے اندر ایک محدود عرصہ سے زیادہ نہیں ٹھہر سکتا، حالانکہ مچھلیاں اور دوسرے آبی جانور پانی میں رہتے، گھر بناتے اور متلاطم موجوں میں پرسکون زندگی گزارتے ہیں۔ وہ اپنے دست و بازو سے فضا میں پرواز نہیں کر سکتا، حالانکہ کبوتر، باز اور دوسرے پرندے فضا میں پرواز کرتے ہیں۔ وہ اندھیرے میں چیزوں کو دیکھ نہیں سکتا حالانکہ رات کو اڑنے والے شکاری پرندے گھاس میں رینگتے ہوئے سانپوں، چوہوں اور کیڑوں کو بلندی پر سے دیکھ لیتے ہیں اور جسے ہم اندھیرا کہتے ہیں وہ ان کیلئے اجالا اور جسے ہم سکوت کہتے ہیں وہ ان کیلئے شور و ہنگامہ ہوتا ہے۔ اور پروانے میلوں سے شمع کی خوشبو اور ان خوشبوؤں کو جن کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے، سونگھ لیتے ہیں اور یہی قوت شامہ ان کیلئے بصارت کا کام دیتی ہے۔ اور ہرن کی دنیا میں تو خوشبوئیں بڑی فراواں ہیں۔ جو ہمارے لئے سبزہ زار ہے وہ اُس کیلئے فضائے عطر بیز ہے جس کی مختلف خوشبوئیں اس کے مشام میں بسی ہوئی ہیں۔ اور کتے اور گھوڑے بعض ان آوازوں کو سن لیتے ہیں جو ہمیں سنائی نہیں دیتیں اور بعض جانوروں کو زلزلہ، بارش، آندھی اور دوسرے آفات کا علم پہلے سے ہو جاتا ہے۔

چنانچہ علامہ نصیر الدین طوسی رحمہ اللہ کے متعلق یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ: وہ ایک مرتبہ کسی مقام پر آبادی کے باہر ایک شخص کے ہاں ٹھہرے۔ گرمی کا موسم تھا آپ نے مکان کی چھت پر بستر لگوایا۔ صاحب خانہ نے کہا کہ آپ چھت کے بجائے حجرے کے اندر آرام فرمائیں تا کہ بارش کی وجہ سے آپ کو بے آرام نہ ہونا پڑے۔ اس لئے کہ آج رات کو بارش آئے گی۔ محقق رحمہ اللہ نے ہواؤں کا رخ دیکھا اور فلکی اوضاع کا جائزہ لیا اور کہا کہ بارش کے قطعاً کوئی آثار نہیں ہیں اور وہ چھت ہی پر سو گئے۔ کچھ دیر گزری ہوگی کہ بارش شروع ہوگئی۔ محقق ؒ کو صاحب خانہ کی پیشین گوئی پر حیرت ہوئی اور اس سے پوچھا کہ تمہیں کیسے علم ہوگیا کہ آج رات بارش ہوگی۔ اس نے کہا کہ ہمارے ہاں ایک کتا ہے وہ جس رات کو بارش برسنا ہوتی ہے چھت کے بجائے نیچے رہتا ہے اور آج بھی وہ نیچے رہا اور چھت پر نہیں گیا جس سے مجھے اندازہ ہوگیا کہ آج رات بارش ہوگی۔

اسی طرح بعض سطح سمندر پر شکار کرنے والے پرندے آنے والے طوفان سے مطلع ہو جاتے ہیں اور اس کی آمد سے پہلے خشکی پر چلے جاتے ہیں۔ اور شہد کی مکھیاں بن دیکھے سمت کو پہچان لیتی ہیں۔ چنانچہ انہیں کسی ڈبیہ میں بند کر کے کسی بھی سمت چھوڑا جائے وہ سمت پہچان کر جدھر سے لائی گئی ہیں ادھر ہی پرواز کریں گی۔ ان حیات سے ہم بالکل نا آشنا ہیں اور ان حیات کے فقدان کا ہمیں کچھ احساس بھی نہیں ہے کہ شعور میں کوئی خلل واقع ہو۔ بلکہ حواس خمسہ میں سے کوئی حاسہ شروع ہی سے نہ ہو تو اس کا بھی کوئی احساس نہیں ہوتا۔ ایک پیدائشی اندھے کو اپنی بصارت کے نہ ہونے کا بس اتنا ہی غم ہے جتنا ایک عام آدمی کو پروں کے نہ ہونے کا۔ اس کی دنیا میں اگرچہ بصارت نہیں ہے مگر اس سے اس کے شعور میں کوئی خلل نہیں واقع ہوتا اور نہ شعور میں کوئی کمی اور نہ زندگی میں کوئی خلا محسوس کرتا ہے۔ اس لئے بعض حیات کے نہ ہونے کے باوجود ہر شخص کی زندگی اپنے مقام پر شعوری لحاظ سے مکمل ہے، بشرطیکہ کسی شعور سے آشنا ہونے کے بعد اسے کھویا نہ ہو۔ اور ہمارے احساسات صرف اسی دنیا سے تعلق رکھتے ہیں جو ہمارے ذہن میں آباد ہے اور انہی حیات پر اپنی دنیا تعمیر کرتے ہیں جن سے آشنا ہوتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

[٥] دُعَآءُ يَوْمِ الْخَمِيْسِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَذْهَبَ اللَّيْلَ مُظْلِمًا بِقُدْرَتِهٖ، وَ جَآءَ بِالنَّهَارِ مُبْصِرًا بِرَحْمَتِهٖ، وَ كَسَانِيْ ضِيَآئَهٗ وَ اَنَا فِيْ نِعْمَتِهٖ.

اَللّٰهُمَّ فَكَمَآ اَبْقَيْتَنِيْ لَهٗ فَاَبْقِنِيْ لِاَمْثَالِهٖ، وَ صَلِّ عَلَى النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ، وَ لَا تَفْجَعْنِيْ فِيْهِ وَ فِيْ غَيْرِهٖ مِنَ اللَّيَالِيْ وَ الْاَيَّامِ بِارْتِكَابِ الْمَحَارِمِ، وَ اكْتِسَابِ الْمَاٰثِمِ، وَ ارْزُقْنِيْ خَيْرَهٗ وَ خَيْرَ مَا فِيْهِ وَ خَيْرَ مَا بَعْدَهٗ، وَ اصْرِفْ عَنِّيْ شَرَّهٗ وَ شَرَّ مَا فِيْهِ وَ شَرَّ مَا بَعْدَهٗ.

[٥] دُعائے روزِ پنج شنبہ

سب تعریف اس اللہ کیلئے ہے جس نے اپنی قدرت سے اندھیری رات کو رخصت کیا، اور اپنی رحمت سے روشن دن نکالا، اور اس کی روشنی کا زرتار جامہ مجھے پہنایا، اور اس کی نعمت سے بہرہ مند کیا۔

بار الٰہا! جس طرح تو نے اس دن کیلئے مجھے باقی رکھا اسی طرح اس جیسے دوسرے دنوں کیلئے زندہ رکھ، اور اپنے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور اس دن میں اور اس کے علاوہ اور راتوں اور دنوں میں حرام امور کے بجالانے اور گناہ و معاصی کے ارتکاب کرنے سے رنجیدہ خاطر نہ کر، اور مجھے اس دن کی بھلائی اور جو اس کے بعد ہے اس کی بھلائی عطا کر، اور اس دن کی برائی اور جو کچھ اس دن میں ہے اس کی برائی اور جو اس کے بعد ہے اس کی برائی مجھ سے دور کر دے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ بِذِمَّۃِ الْاِسْلَامِ اَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ، وَ بِحُرْمَۃِ الْقُرْاٰنِ اَعْتَمِدُ عَلَیْکَ، وَ بِمُحَمَّدٍ الْمُصْطَفٰی صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اٰلِہٖ اَسْتَشْفِعُ لَدَیْکَ، فَاعْرِفِ اللّٰھُمَّ ذِمَّتِیَ الَّتِیْ رَجَوْتُ بِھَا قَضَآءَ حَاجَتِیْ، یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ.

اے اللہ! میں اسلام کے عہد و پیمان کے ذریعہ تجھ سے توسل چاہتا ہوں، اورقرآن کی عزت وحرمت کے واسطہ سے تجھ پر بھروسا کرتا ہوں، اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے تیری بارگاہ میں شفاعت کا طلبگار ہوں، تو اے میرے معبود! میرے اس عہد و پیمان پر نظر کر جس کے وسیلہ سے حاجت برآری کا امیدوار ہوں، اے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے۔

اَللّٰھُمَّ اقْضِ لِیْ فِی الْخَمِیْسِ خَمْسًا لَّا یَتَّسِعُ لَھَآ اِلَّا کَرَمُکَ، وَ لَا یُطِیْقُھَآ اِلَّا نِعَمُکَ: سَلَامَۃً اَقْوٰی بِھَا عَلٰی طَاعَتِکَ، وَ عِبَادَۃً اَسْتَحِقُّ بِھَا جَزِیْلَ مَثُوْبَتِکَ، وَ سَعَۃً فِی الْحَالِ مِنَ الرِّزْقِ الْحَلَالِ، وَ اَنْ تُؤْمِنَنِیْ فِیْ مَوَاقِفِ الْخَوْفِ بِاَمْنِکَ، وَ تَجْعَلَنِیْ مِنْ طَوَارِقِ الْھُمُوْمِ وَ الْغُمُوْمِ فِیْ حِصْنِکَ.

بار الٰہا! اس روز پنجشنبہ میں میری پانچ حاجتیں بر لا، جن کی سمائی تیرے ہی دامن کرم میں ہے اور تیری ہی نعمتوں کی فراوانی انکی متحمل ہوسکتی ہے: ایسی سلامتی دے جس سے تیری فرمانبرداری کی قوت حاصل کرسکوں، ایسی توفیق عبادت دے جس سے تیرے ثوابِ عظیم کا مستحق قرار پاؤں، اورسردست رزق حلال کی فراوانی اورخوف وخطر کے مواقع پر اپنے امن کے ذریعہ مطمئن کر دے، اورغموں اور فکروں کے ہجوم سے اپنی پناہ میں رکھ۔

صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ، وَ اجْعَلْ تَوَسُّلِیْ بِہٖ شَافِعًا یَّوْمَ الْقِیٰمَۃِ نَافِعًا، اِنَّکَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ.

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کی آل پر رحمت نازل فرما اور ان سے میرے توسل کو قیامت کے دن سفارش کرنے والا، نفع بخشنے والا قرار دے، بے شک تو رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

--☆☆--

اس دُعا کے شروع میں رات کے رخصت ہونے کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظاہرہ اور دن کی آمد کو اس کی رحمت کا کرشمہ قرار دیا ہے:
قدرت کا مظاہرہ اس طرح ہے کہ زمین ایسا عظیم ترین کرہ اس کے ادنی اشارے سے پرِ کاہ کی طرح اڑتا اور ہر وقت گردش میں رہتا ہے اور اسی گردش کے نتیجہ میں موسموں کی تبدیلی، سورج کے طلوع وغروب کی نمود اور شب و روز کی تخلیق ہوتی ہے۔ اس طرح کہ جو حصہ سورج کے سامنے آتا ہے

وہاں دن اور جو حصہ اس کے سامنے نہیں آتا وہاں رات ہوتی ہے جس سے ہماری آنکھوں کے سامنے کبھی اندھیرا اور کبھی اجالا ہو جاتا ہے اور یہ بالکل ایسا ہے جیسے کسی کمرہ میں روشنی کے بعد اندھیرا اور اندھیرے کے بعد روشنی کر دی جائے۔

اور رحمت کا کرشمہ اس طرح ہے کہ دن کے وجود سے بے شمار فوائد و منافع وابستہ ہیں۔ اس سے کرہ ارضی کی حیات اور اس پر بسنے والوں کی زندگی وابستہ ہے۔ چنانچہ سورج کی کرنیں جب سمندر سے بخارات اٹھاتی ہیں تو وہ ابر بن کر برستے اور پیاسی زمین کو سیراب کرتے ہیں جس سے زمین کی قوت نشو و نما ابھرتی اور اس میں روئیدگی آتی ہے۔ اور اسی دن کی حرارت سے کھیتیاں پکتی اور پھل پختہ ہوتے ہیں جو انسان و حیوان کی زندگی و بقا کا سامان کرتے ہیں۔ اسی کی روشنی سے سبزہ و نبات کا رنگ نکھرتا اور پتھروں میں رنگ آمیزی ہوتی ہے جو لعل و یاقوت و زمرد کی صورت میں چمکتے، جگمگاتے اور نگاہوں کو خیرہ کرتے ہیں۔

دن رات کے ادلنے بدلنے سے اللہ تعالیٰ کی قدرت و رحمت پر دلیل لانے کے بعد زندگی و بقا کا سوال کیا ہے۔ یہ خواہش زندگی کی چاہت اور حظ اندوزی کیلئے نہیں ہے، بلکہ اس لئے ہے کہ آخرت کیلئے زیادہ سے زیادہ سر و سامان کریں اور اپنے خالق کی رضا و خوشنودی کا سرمایہ فراہم کریں۔ چنانچہ اس دُعا میں جو چیزیں طلب کی ہیں ان میں پہلی چیز یہ ہے کہ میں صحت و سلامتی چاہتا ہوں تو اس لئے کہ زندگی کے لمحات کو مقصد حیات کی تکمیل میں صرف کروں اور اپنے معبود کی اطاعت و فرمانبرداری کی قوت حاصل کرسکوں۔ اور عبادت کے ذریعہ ثواب اخروی کا مستحق قرار پاؤں اور خوف و خطر کے مقامات پر اس کے عذاب و عتاب سے محفوظ رہوں۔ اور غم و اندوہ سے نجات اور رزقِ حلال کا سوال کیا ہے تو اس لئے کہ رزق و معیشت کی تنگی اور غم و اندوہ کی فراوانی خیالات کو پراگندہ اور ذہن کو منتشر کر دیتی ہے اور ذہن میں یکسوئی نہ ہو تو طبیعت پوری توجہ کے ساتھ عبادات و اعمال کی طرف مائل نہیں ہوتی۔ غرض آپؑ کی زندگی کا مقصد اولین اللہ تعالیٰ سے وابستگی اور اس کی رضا جوئی تھا اور آپؑ کی پوری زندگی اسی محبوب ترین مشغلہ میں بسر ہوئی۔

☆☆☆☆☆

[٦] دُعَآءُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْاَوَّلِ قَبْلَ الْاِنْشَآءِ وَ الْاِحْيَآءِ، وَ الْاٰخِرِ بَعْدَ فَنَآءِ الْاَشْيَآءِ، الْعَلِيْمِ الَّذِيْ لَا يَنْسٰى مَنْ ذَكَرَهٗ، وَ لَا يَنْقُصُ مَنْ شَكَرَهٗ، وَ لَا يُخَيِّبُ مَنْ دَعَاهُ، وَ لَا يَقْطَعُ رَجَآءَ مَنْ رَّجَاهُ.

[٦] دُعائے روز جمعہ

تمام تعریف اس اللہ تعالیٰ کیلئے ہے جو پیدا کرنے اور زندگی بخشنے سے پہلے موجود تھا، اور تمام چیزوں کے فنا ہونے کے بعد باقی رہے گا، وہ ایسا علم والا ہے کہ جو اسے یاد رکھے اسے بھولتا نہیں، جو اس کا شکر ادا کرے اس کے ہاں کمی نہیں ہونے دیتا، جو اسے پکارے اسے محروم نہیں کرتا، جو اس سے امید رکھے اس کی امید نہیں توڑتا۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْٓ اُشْهِدُكَ وَ كَفٰى بِكَ شَهِيْدًا، وَ اُشْهِدُ جَمِيْعَ مَلٰٓئِكَتِكَ، وَ سُكَّانَ سَمٰوٰاتِكَ، وَ حَمَلَةَ عَرْشِكَ، وَ مَنْ بَعَثْتَ مِنْ اَنْبِيَآئِكَ وَ رُسُلِكَ، وَ اَنْشَاْتَ مِنْ اَصْنَافِ خَلْقِكَ، اَنِّيْٓ اَشْهَدُ اَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ، وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ وَ لَا عَدِيْلَ وَ لَا خُلْفَ لِقَوْلِكَ وَ لَا تَبْدِيْلَ.

بار الٰہا! میں تجھے گواہ کرتا ہوں اور تو گواہ ہونے کے لحاظ سے بہت کافی ہے، اور تیرے تمام فرشتوں اور تیرے آسمانوں میں بسنے والوں اور تیرے عرش کے اٹھانے والوں اور تیرے فرستادہ نبیوں اور رسولوں اور تیری پیدا کی ہوئی قسم قسم کی مخلوقات کو اپنی گواہی پر گواہ کرتا ہوں کہ تو ہی معبود ہے اور تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں، تو وحدہ لاشریک ہے، تیرا کوئی ہمسر نہیں ہے، تیرے قول میں نہ وعدہ خلافی ہوتی ہے اور نہ کوئی تبدیلی۔

وَ اَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ، عَبْدُكَ وَ رَسُوْلُكَ، اَدّٰى مَا حَمَّلْتَهٗ اِلَى الْعِبَادِ، وَ جَاهَدَ فِي اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ حَقَّ الْجِهَادِ، وَ اَنَّهٗ بَشَّرَ بِمَا هُوَ حَقٌّ مِّنَ الثَّوَابِ، وَاَنْذَرَ بِمَا هُوَ صِدْقٌ مِّنَ الْعِقَابِ.

اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیرے خاص بندے اور رسول ہیں، جن چیزوں کی ذمہ داری تو نے ان پر عائد کی وہ (انہوں نے) بندوں تک پہنچا دیں، انہوں نے خدائے بزرگ و برتر کی راہ میں جہاد کر کے حق جہاد ادا کیا، اور صحیح صحیح ثواب کی خوشخبری دی، اور واقعی عذاب سے ڈرایا۔

اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْنِيْ عَلٰى دِيْنِكَ مَآ اَحْيَيْتَنِيْ، وَ لَا تُزِغْ قَلْبِيْ بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنِيْ، وَ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً، اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ.

بار الٰہا! جب تک تو مجھے زندہ رکھے اپنے دین پر ثابت قدم رکھ، اور جبکہ تو نے مجھے ہدایت کر دی تو میرے دل کو بے راہ نہ ہونے دے، اور مجھے اپنے پاس سے رحمت عطا کر، بے شک تو ہی (نعمتوں کا) بخشنے والا ہے۔

صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ، وَ اجْعَلْنِيْ مِنْ اَتْبَاعِهٖ وَ شِيْعَتِهٖ، وَ احْشُرْنِيْ فِيْ زُمْرَتِهٖ، وَ وَفِّقْنِيْ لِاَدَآءِ فَرْضِ الْجُمُعَاتِ، وَ مَآ اَوْجَبْتَ عَلَيَّ فِيْهَا مِنَ الطَّاعَاتِ، وَ قَسَمْتَ لِاَهْلِهَا مِنَ

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آلؑ پر رحمت نازل فرما اور ہمیں ان کے اتباع اور ان کی جماعت میں سے قرار دے، اور ان کے گروہ میں محشور فرما، اور نماز جمعہ کے فریضہ اور اس دن کی دوسری عبادتوں کے بجا لانے اور ان فرائض پر عمل کرنے والوں پر قیامت کے دن جو عطائیں تو نے تقسیم

الْعَطَآءِ فِیْ یَوْمِ الْجَزَآءِ، اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ.

کی ہیں انہیں حاصل کرنے کی توفیق مرحمت فرما، بے شک تو صاحب اقتدار اور حکمت والا ہے۔

--☆☆--

یہ دُعا جمعہ کے دن پڑھی جاتی ہے۔ ''جمعہ'' سید الایام اور نزول برکات کا دن ہے اور اس کی آخری ساعت قبولیتِ دُعا کیلئے مخصوص ہے۔ سیّد نعمت اللہ جزائری رحمہ اللہ نے جمعہ کی وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں تحریر کیا ہے کہ: خداوند عالم نے زمین و آسمان کو چھ دن میں پیدا کیا۔ جن میں پہلا دن یکشنبہ اور چھٹا دن جمعہ اور اس دن تمام مخلوقات کو ایک مقام پر جمع کیا اس لئے اسے ''جمعہ'' کہا جاتا ہے۔

اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ ''لِمَا سُمِّیَتِ الْجُمُعَةُ جُمُعَةً''؟ ''جمعہ'' کو جمعہ کیوں کہتے ہیں؟ تو آپؑ نے فرمایا:

لِاَنَّ اللّٰهَ جَمَعَ فِیْهَا خَلْقَهٗ لِوَلَایَةِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وآلہ وَّ اَهْلِ بَیْتِهٖ عَلَیْهِمُ السَّلَامُ.

خداوند عالم نے اس دن مخلوقات کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اہل بیت علیہم السلام کی محبت و ولایت پر جمع کیا اس لئے اسے ''جمعہ'' کہا جاتا ہے۔[1]

اس دُعا میں خداوند عالم کے چند اہم خصوصیات وصفات بیان فرمائے ہیں جو عقیدۂ توحید کے تحفظ کیلئے اساسی حیثیت رکھتے ہیں:

- پہلی صفت یہ ہے کہ وہ اول بھی ہے اور آخر بھی۔ یہ اولیت و آخریت زمان و مکان کے لحاظ سے نہیں ہے کہ دونوں کا ایک ذات میں اجتماع نہ ہو سکے، بلکہ یہ اولیت و آخریت زمان و مکان سے ماوراء ہے۔ اس کی اولیت کے معنی یہ ہیں کہ کسی چیز کو کسی لحاظ سے اس پر تقدم نہیں ہے اور آخریت کے معنی یہ ہیں کہ اس کے علاوہ کوئی سرمدی و ابدی نہیں ہے۔ چنانچہ خود اسی کا ارشاد ہے: ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ﴾: ''وہی سب سے پہلے اور سب سے آخر ہے''۔[2]
- دوسری صفت یہ کہ جو اسے یاد کرتا ہے وہ اسے فراموش نہیں کرتا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اس کے حافظہ و ذہن سے نہیں اترتا، کیونکہ اس کے ہاں بھول چوک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بلکہ مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے یاد رکھنے والے کو جزا دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:
  ﴿فَاذْكُرُوْنِیْۤ اَذْكُرْكُمْ﴾: ''تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا''۔[3]
- تیسری صفت یہ ہے کہ جو اس کا شکر ادا کرتا ہے اسے زیادہ سے زیادہ نعمتیں دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:
  ﴿لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ﴾
  اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں اور زیادہ دوں گا۔[4]

---

[1] امالی شیخ طوسیؒ ص ۶۸۸۔
[2] سورۂ حدید، آیت ۳۔
[3] سورۂ بقرہ، آیت ۱۵۲۔
[4] سورۂ ابراہیم، آیت ۷۔

- چوتھی صفت یہ کہ جو اسے پکارتا ہے اس کی سنتا ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾

تم مجھے پکارو میں تمہاری بات قبول کروں گا۔[1]

- پانچویں صفت یہ کہ وہ آس رکھنے والوں کی آس نہیں توڑتا۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿إِنَّهُ لَا يَيْأَسُ مِن رَّوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ﴾

اللہ کی رحمت سے صرف کافر ہی مایوس ہوتے ہیں۔[2]

- چھٹی صفت یہ کہ وہ ایک اکیلا ہے۔ چنانچہ اس عقیدۂ توحید کی اہمیت کے پیش نظر تمام کائنات کو گواہ کر کے اللہ تعالیٰ کی وحدت و یکتائی کی گواہی دی ہے اور قرآن مجید میں اس گواہی کا اس طرح تذکرہ ہے:

﴿شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ﴾

اللہ تعالیٰ اور فرشتے اور تمام صاحبانِ علم گواہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔[3]

- ساتویں صفت یہ کہ اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

﴿لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ﴾

اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے اور میں پہلا مسلم ہوں۔[4]

- آٹھویں صفت یہ ہے کہ اس کا کوئی مثل ونظیر نہیں ہے، چنانچہ ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ﴾: ''اس کا کوئی ہمسر نہیں''۔[5]
- نویں صفت یہ کہ وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ﴾

بے شک خدا اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔[6]

- دسویں صفت یہ کہ اس کی بات میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ کیونکہ بات میں تبدیلی کی ضرورت اسے پڑتی ہے جو عاجز یا نتائج سے بے خبر ہو اور اللہ تعالیٰ کیلئے یہ دونوں باتیں ناممکن ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری ہے: ﴿مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ﴾: ''میرے ہاں بات نہیں بدلا کرتی''۔[7]

---

[1] سورۂ مومن (غافر)، آیت ۶۰۔
[2] سورۂ یوسف، آیت ۸۷۔
[3] سورۂ آل عمران، آیت ۱۸۔
[4] سورۂ انعام، آیت ۱۶۳۔
[5] سورۂ اخلاص، آیت ۴۔
[6] سورۂ آل عمران، آیت ۹۔
[7] سورۂ ق، آیت ۲۹۔

توحید کی گواہی کے بعد رسالت کی گواہی دی ہے اور آنحضرت ﷺ کی عبدیت و رسالت کا ذکر فرمایا ہے۔ یہاں عبدیت کا ذکر پہلے اور رسالت کا ذکر بعد میں ہے۔ کیونکہ عبدیت عبد و معبود کے درمیان اور رسالت خدا اور مخلوق کے درمیان ایک واسطہ ہے۔ تو جو چیز جنبہ اُلوہیت سے متعلق ہے اسے پہلے اور جو جنبہ مخلوق سے متعلق ہے اسے بعد میں بیان کیا ہے۔ شہادتین کے بعد راہ ہدایت پر ثبات قدم کی دُعا کی ہے کہ وہ ہدایت کرنے کے بعد ضلالت و کجروی سے محفوظ رکھے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندوں کی دُعا یہ ہے:

﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾

اے ہمارے پروردگار! جب کہ تو نے ہمیں ہدایت کی تو ہمارے دلوں کو بے راہ نہ ہونے دے اور اپنی بارگاہ سے رحمت عطا فرما۔ بے شک تو بہت عطا کرنے والا ہے۔ (سورۂ آل عمران، آیت ۸)

خداوند عالم کی طرف ہدایت کے بعد جو دلوں کی بے راہروی کی نسبت دی گئی ہے اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ اپنے بندوں کو ہدایت سے منحرف اور بے راہ کرتا ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ گناہوں اور بے راہرویوں کے نتیجہ میں سلب توفیق کر لیتا ہے اور کوئی باختیار خود گمراہ ہوتا ہے تو وہ بجبر مانع نہیں ہوتا۔ چنانچہ قرآن مجید میں واضح طور سے ارشاد ہوا ہے:

﴿فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۭ﴾

جب وہ خود بے راہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو بے راہ ہونے دیا۔ (سورۂ صف، آیت ۵)

☆☆☆☆☆

[۷] دُعَآءُ يَوْمِ السَّبْتِ

بِسْمِ اللّٰهِ كَلِمَةِ الْمُعْتَصِمِيْنَ، وَ مَقَالَةِ الْمُتَحَرِّزِيْنَ، وَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ تَعَالٰى مِنْ جَوْرِ الْجَآئِرِيْنَ، وَ كَيْدِ الْحَاسِدِيْنَ، وَ بَغْيِ الظّٰلِمِيْنَ، وَ اَحْمَدُهٗ فَوْقَ حَمْدِ الْحَامِدِيْنَ.

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْوَاحِدُ بِلَا شَرِيْكٍ، وَ الْمَلِكُ بِلَا تَمْلِيْكٍ، لَا تُضَادُّ فِيْ حُكْمِكَ، وَ لَا تُنَازَعُ فِيْ مُلْكِكَ.

[۷] دُعائے روز شنبہ

مد اللہ تعالیٰ کے نام سے جو حفاظت چاہنے والوں کا کلمۂ کلام اور پناہ ڈھونڈنے والوں کا ورد زبان ہے، اور خداوند تعالیٰ سے پناہ چاہتا ہوں ستمگروں کی ستم رانی، حاسدوں کی فریب کاری اور ظالموں کے ظلم ناروا سے، میں اس کی حمد کرتا ہوں (اور سوال کرتا ہوں کہ وہ اس حمد کو) تمام حمد کرنے والوں کی حمد پر فوقیت دے۔

بارالٰہا! تو ایک اکیلا ہے جس کا کوئی شریک نہیں، اور بغیر کسی کے مالک بنائے تو مالک و فرمانروا ہے، تیرے حکم کے آگے کوئی روک کھڑی نہیں کی جا سکتی، اور نہ تیری سلطنت و فرمانروائی میں تجھ سے ٹکر لی جا سکتی ہے۔

اَسْئَلُكَ اَنْ تُصَلِّيَ عَلٰى مُحَمَّدٍ، عَبْدِكَ وَ رَسُوْلِكَ، وَ اَنْ تُوْزِعَنِيْ مِنْ شُكْرِ نُعْمَاكَ مَا تَبْلُغُ بِيْ غَايَةَ رِضَاكَ، وَ اَنْ تُعِيْنَنِيْ عَلٰى طَاعَتِكَ، وَ لُزُوْمِ عِبَادَتِكَ، وَ اسْتِحْقَاقِ مَثُوْبَتِكَ، بِلُطْفِ عِنَايَتِكَ، وَتَرْحَمَنِيْ وَ تَصُدَّنِيْ عَنْ مَّعَاصِيْكَ مَآ اَحْيَيْتَنِيْ، وَ تُوَفِّقَنِيْ لِمَا يَنْفَعُنِيْ مَآ اَبْقَيْتَنِيْ، وَ اَنْ تَشْرَحَ بِكِتَابِكَ صَدْرِيْ، وَ تَحُطَّ بِتِلَاوَتِهٖ وِزْرِيْ، وَ تَمْنَحَنِي السَّلَامَةَ فِيْ دِيْنِيْ وَ نَفْسِيْ، وَ لَا تُوْحِشَ بِيْٓ اَهْلَ اُنْسِيْ، وَ تُتِمَّ اِحْسَانَكَ فِيْمَا بَقِيَ مِنْ عُمُرِيْ، كَمَآ اَحْسَنْتَ فِيْمَا مَضٰى مِنْهُ، يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.

--☆☆--

میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو اپنے عبد خاص اور رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رحمت نازل فرما اور اپنی نعمتوں پر ایسا شکر میرے دل میں ڈال دے جس سے تو اپنی خوشنودی کی آخری حد تک مجھے پہنچا دے، اور اپنی نظر عنایت سے اطاعت، عبادت کی پابندی اور ثواب کا استحقاق حاصل کرنے میں میری مدد فرمائے، اور جب تک مجھے زندہ رکھے گناہوں سے باز رکھنے میں مجھ پر رحم کرے، اور جب تک مجھے باقی رکھے ان چیزوں کی توفیق دے جو میرے لئے سودمند ہوں، اور اپنی کتاب کے ذریعہ میرا سینہ کھول دے، اور اس کی تلاوت کے وسیلہ سے میرے گناہ چھانٹ دے، اور جان و ایمان کی سلامتی عطا فرمائے، اور میرے دوستوں کو (میرے گناہوں کے باعث) وحشت میں نہ ڈالے، اور جس طرح میری گزشتہ زندگی میں احسانات کئے ہیں اسی طرح بقیہ زندگی میں مجھ پر اپنے احسانات کی تکمیل فرمائے، اے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے۔

--☆☆--

اس دُعا کا عنوان «دُعَآءُ يَوْمِ السَّبْتِ» ہے۔ ''سبت'' ہفتہ کے دن کو کہتے ہیں۔ اس دن یہود کو دنیا کے جھمیلوں سے الگ رہ کر عبادت و ذکر الٰہی میں مصروف رہنے کا حکم تھا۔ اور ''سبت'' کے لغوی معنی کاروکسب کے چھوڑنے اور آرام و استراحت کرنے کے ہیں۔ اس لئے اس دن کا نام ''یوم السبت'' یعنی ''روز تعطیل'' قرار پاگیا۔

حضرتؑ نے سرنامہ دُعا میں اسم جلالت کو حفاظت و نگہداشت چاہنے والوں کی زبانوں کا کلمہ وِرد قرار دیا ہے۔ چنانچہ اس کے اسماء حسنیٰ میں سے سب سے زیادہ یہی نام زبانوں پر آتا ہے۔ اور کیا دُعا و مناجات ہو اور کیا فریاد و استغاثہ زیادہ تر وہ اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔ اور حفظ و امان طلبی کے موقع پر یہی نام سب سے زیادہ موزوں بھی ہے۔ کیونکہ اسے ''اللہ'' کہا ہی اس لئے جاتا ہے کہ «يَـاْلَهُ اِلَيْهِ كُلُّ مَخْلُوْقٍ»: ''ہر مخلوق اس کی طرف رجوع ہوتی اور اس سے پناہ چاہتی ہے'' اور یہ ''اللہ'' کا لفظ چونکہ اسم ذات ہے جو معنوی لحاظ سے اس کی تمام صفتوں کو حاوی ہے اس لئے جب ہم

اسے ''اللہ'' کہہ کر پکارتے ہیں تو گویا اس کی ایک ایک صفت کے ساتھ اسے پکارا ہے۔ اب ایک فقیر فقر واحتیاج کے ازالہ کیلئے اسے ''اللہ'' کہہ کر پکارتا ہے تو گویا اسے ''غنی'' کہہ کر پکار رہا ہے۔ کیونکہ یہ نام اس کے غنی و بے نیاز ہونے کا آئینہ دار ہے۔ اور ایک مریض شفا کیلئے اسے اس نام سے پکارتا ہے تو گویا اسی ''شافی'' کہہ کر مخاطب کر رہا ہے، کیونکہ یہ نام اس صفت پر بھی حاوی ہے۔ اور کوئی مظلوم اسے اس نام سے پکارتا ہے تو گویا اسے ''عادل'' و ''منتقم'' کہہ کر پکار رہا ہے، کیونکہ یہ نام اس کے عادل ہونے کا بھی پتہ دیتا ہے۔

اسی جامعیت کے لحاظ سے حضرتؑ نے ستمگاروں کے ستم، حاسدوں کے عناد اور ظالموں کے ظلم و جور سے اس نام کے ذریعہ پناہ چاہی ہے۔ کیونکہ اس ایک نام سے اس کی تمام صفتوں کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے۔ اور اس کی ان صفتوں کا تقاضا یہ ہے کہ دل سے اس کی عظمت کا اعتراف اور زبان سے اس کی تحمید و ستائش کی جائے۔ چنانچہ دشمنوں کے مقابلہ میں طلب اعانت و امداد کے بعد اس کی حمد سرائی کی ہے جس میں اس کی وحدت و یکتائی اور بلا شرکتِ غیرے سلطنت و فرمانروائی کا ذکر کیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ وہ اقتدارِ اعلیٰ کا مالک ہے اور کوئی چیز اس کے محیط اقتدار سے باہر نہیں ہے۔ لہٰذا ہر حاجت و خواہش اور تمنا و آرزو کو اسی کے سامنے پیش کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنے کے بعد کہ جو دُعا کا زیور اور قبولیت کا ضامن ہے اس کی بارگاہ میں شکرِ نعمت، اطاعت، دوامِ عبادت اور اجتناب معاصی کی توفیق اور شرح صدر، عفوِ گناہ، دین کی سلامتی اور جان کی عافیت کا سوال کیا ہے اور خاتمہ دُعا پر یہ التجا کی ہے کہ: اے معبود! جس طرح تو نے زندگی کے ان لمحوں میں جو گزر گئے مجھ پر پیہم احسانات کئے ہیں، اسی طرح زندگی کے بقیہ لمحوں میں مجھ سے اپنے احسانات و انعامات کا سلسلہ قطع نہ کرنا، بلکہ انہیں اِتمام تک پہنچانا اس لئے کہ: «اَلْاِحْسَانُ بِالْاِتْمَامِ»۔

بتائید خدائے توانا ترجمه و حواشی صحیفهٔ کامله روز جمعه، دوازدهم ماهِ ربیع الثانی، سال هزار و سه صد و هفتاد و نو ۱۳۷۹ھ باتمام رسید.

وَ اللّٰهُ هَوَ الْمَسْؤُلُ اَنْ يَّجْعَلَهٗ خَالِصًا لِوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ وَ يُتِمَّ عَلَىٰٓ اِحْسَانِهِ الْعَمِيْمِ، وَ يَحْشُرَنِيْ وَ يَحْشُرَ وَالِدَيَّ فِيْ زُمْرَةِ اَصْحَابِ الْيَمِيْنِ بِحُرْمَةِ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهِ الْمُنْتَجَبِيْنَ.

☆☆☆☆☆